

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا
 (الحیثیر: ۷)
 اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ آپ کو دیں وہ لے لو، اور جس سے منع فرمائیں باز آجاؤ

شرح مستند امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ

شرح

علامہ مولانا حافظ محمد واحد شغوثی مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ
 (سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

حامد اینڈ کمپنی ۳۸- اردو بازار لاہور



علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل
کرنے کے لئے

”فقہ حنفی PDF BOOK“

چینل کو جوائن کریں

<http://T.me/FiqahHanfiBooks>

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

<https://t.me/tehqiqat>

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک

سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

@zohaibhasanattari

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زویب حسن عطاری

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا
اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز آ جاؤ
(الحیثیر: ۷۲)

شرح مُسْتَدَامِ اعْظَم

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان افروز اور بے مثل خزانہ جسے فقہ حنفی کے بانی
حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرتب فرما کر عالم اسلام پر احسان عظیم فرمایا ہے

مُشَرِّح

علامہ مولانا حافظ محمد واحد شاہ غوثی مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ
(مسابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

ناشر

حامد اینڈ کمپنی ۳۸۔ اردو بازار لاہور



Copyright ©
All Rights reserved

This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، خط، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔

صفحہ ۱: حوالہ محمد اکرم صاحب
صفحہ ۲: اردو بازار لاہور
الطبع الاول: سن ۱۴۳۷ھ / جون ۲۰۱۵ء
قیمت: روپے ۳۸



تعمیم کار
فریدنگیٹ ٹال ۳۸-اردو بازار لاہور

حامد اینڈ کمپنی مدینہ منزل لاہور
۳۸-اردو بازار

HAMID & COMPANY

Publishers & Booksellers

Madina Manzil, 38-Urdu Bazar, Lahore. Pakisatan

Phone No: 092-42-37312173-37123435

Fax No. 092-42-37224899

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست مضامین

شرح مسند امام اعظم رحمہ اللہ

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۱	بشر اور شارح کی خدمات ایک نظر میں	39	۱۷	کلمات البشاء	53
۲	مسند امام اعظم کے مترجم اور شارح کا مختصر تعارف	42	۱۸	حدیث پاک کے طلب کے لیے چند اور مفید باتیں	53
۳	شارح کی وفات	42	۱۹	ثبوت حدیث کے لیے امام اعظم کی شرائط	54
۴	امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ	43	۲۰	روایات میں تطبیق	56
۵	یارگاہ خداوندی میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا		۲۱	روایات کے درجات	57
۶	مقام و مرتبہ	43	۲۲	حرف آخر	57
۷	امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بر علماء کی نظر میں	44	۲۳	تکفیر میں حرم و احتیاط	57
۸	سوانح امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ	45	۲۴	بخاری شریف کی احادیث کی تعداد	58
۹	نام و نسب	45	۲۵	بخاری شریف کی ثلاثیات	58
۱۰	تبرہ	45	۲۶	امام بخاری کے بعض مشائخ کو امام اعظم کا فیضان	58
۱۱	فن حدیث میں امام ابو حنیفہ کا مقام	46	۲۷	امام بخاری کے چھ ایسے اساتذہ ہیں جو امام ابو حنیفہ	58
۱۲	مسک حنفی کی برتری	47	۲۸	امام بخاری کے نو ایسے اساتذہ ہیں جو امام ابو حنیفہ	58
۱۳	علم حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمات	48	۲۹	امام بخاری کے پانچ ایسے اساتذہ ہیں جو امام	59
۱۴	فن حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر اجمالی نظر	49	۳۰	ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد کے شاگرد ہیں	59
۱۵	فن حدیث میں امام اعظم کی مجتہدانہ بصیرت	49	۳۱	زواۃ بخاری	59
۱۶	امام اعظم کی صحابہ سے روایت	49	۳۲	حضرت امام کاظم کی طرف راجع ہونا اور علم اللہ	60
۱۷	مرویات امام اعظم کی تعداد	50		میں حصص حاصل کرنا	
۱۸	اساتذہ	50		حضرت امام کا خوارج سے زانیہ اور شریانی کے متعلق	
۱۹	ذہانت و فطانت	51			
۲۰	امام اعظم اور مفتیان کرام کی اصلاح	52			
۲۱	امام اعظم کی خصوصیات	52			

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۳۳	ایمان پرورد مناظرہ	۵۲	۵۲	ہیں	۵۲
۳۴	حضرت امام ابراہیم نخعی	۵۵	۵۵	ہماری سند الحدیث	۵۵
۳۵	حضرت امام کے اساسی اصول	۵۶	۵۶	حدیث کی عبارت مع الاسناد پڑھنے کا طریقہ	۵۶
۳۶	مشاہیر اصحابہ رضی اللہ عنہم اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ	۵۷	۵۷	مقدمہ	۵۷
۳۷	تعالیٰ علیہ کا مسلک	۵۸	۵۸	قرآن و حدیث کی حفاظت و اہمیت	۵۸
۳۸	حالات و رکون؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ	۵۹	۵۹	حدیث شریف کی کتابت و تدوین	۵۹
۳۹	سویار اللہ تعالیٰ کی زیارت و ملاقات اور نجات	۶۰	۶۰	مرویات امام اعظم کی تعداد	۶۰
۴۰	آخری کی جامع دعا	۶۱	۶۱	روایت حدیث میں امام اعظم کا مقام	۶۱
۴۱	مستجاب الدعویٰ ہونے کی دعا	۶۲	۶۲	حدیث میں امام اعظم کی تصانیف	۶۲
۴۲	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہار گاہ رسالت میں	۶۳	۶۳	مسند امام اعظم	۶۳
۴۳	نذرانہ عقیدت	۶۴	۶۴	مسند امام اعظم کے ترجمہ اور تشریح وغیرہ کے متعلق	۶۴
۴۴	جموئے نبی سے طلاعات نبوت کی طلب کفر ہے	۶۵	۶۵	چند معروضات	۶۵
۴۵	چور پکڑا گیا اور طلاق واقع نہیں ہوئی	۶۶	۶۶	مسند امام اعظم کی ایک اہم خصوصیت	۶۶
۴۶	ایام رمضان میں جماع کی حلف اور امام اعظم	۶۷	۶۷	خطبہ	۶۷
۴۷	ابوحنیفہ کی تدبیر	۶۸	۶۸	بجانب:۔۔۔۔۔	۶۸
۴۸	نور نقاہت کی جہاں تابی	۶۹	۶۹	اعمال کا مدار نیتوں پر ہے	۶۹
۴۹	علم عقائد و کلام	۷۰	۷۰	عمل لغات	۷۰
۵۰	آخری گزارش	۷۱	۷۱	کتب احادیث میں سب سے پہلے "الاعمال"	۷۱
۵۱	عزیز طلبہ کرام	۷۲	۷۲	بائنات "ذکر کرنے کی وجوہات"	۷۲
۵۲	احادیث مبارکہ میں عمل کی اہمیت	۷۳	۷۳	نیت کی اہمیت و فضیلت	۷۳
۵۳	اسناد	۷۴	۷۴	عمل کے مقابلہ میں نیت کی فضیلت و اہمیت	۷۴
۵۴	ہماری اسناد	۷۵	۷۵	ایک عمل خیر میں متعدد ثواب حاصل کرنے کا طریقہ	۷۵
۵۵	تعریف علم حدیث و موضوع	۷۶	۷۶	حدیث "الاعمال بائنات" کا پس منظر	۷۶
۵۶	اقسام کتب حدیث	۷۷	۷۷	حدیث "الاعمال بائنات" کی فضیلت و اہمیت	۷۷
۵۷	المسند	۷۸	۷۸	"الاعمال بائنات" کے مختلف الفاظ کی روایات	۷۸
۵۸	درس حدیث میں آنے سے پہلے جو امور مستحب	۷۹	۷۹	کا ذکر کرنا	۷۹
۵۹		۸۰	۸۰	اعمال کی تقسیم اور نیت کے معانی	۸۰

صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان	باب
120	ہجرت کی فضیلت و اہمیت	۱۷	101	مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی فرضیت کے اسباب	۱۱
121	عیادت مریض کی اہمیت و فضیلت	۱۸	102	ہجرت کے معانی اور اس کی اقسام	۱۲
	مطلب: ۲		102	رفع ضرر کے لئے ہجرت کی اقسام	۱۳
	مشرکین کی اولاد کے بارے میں توقف اختیار	۱۹	103	حصول نفع کے لئے ہجرت کی اقسام	۱۴
122	کرنے کا بیان		103	گناہوں سے بچنے کی طرف ہجرت	۱۵
123	حل لغات	۲۰	104	۱۔ کتابُ الْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ	۱۶
123	ظہر کی حقین	۲۱		وَالْعَزْدِ وَالشَّعَاعَةِ	
124	کفار کی تابلیغ اولاد کے انجام کی بحث	۲۲	104	حل لغات	۱
	مطلب: ۳		106	ایمان اور اسلام کی توضیح	۲
125	اسلام کی بنیاد و حیدر رسالت کی گواہی ہے	۲۳	107	احسان کی توضیح و تقسیم	۳
125	حل لغات	۲۴	108	مخلوق سے علوم خمسہ کی نفی کا مطلب	۴
126	اسلام قبول کرنے کا کامدہ	۲۵	109	پارش کے نزول کا علم	۵
	مطلب: ۴		109	ماؤں کے رموز کا علم	۶
126	گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا	۲۶	110	کل اور آئندہ ہونے والے واقعات کا علم	۷
127	حل لغات	۲۷	111	مرنے کی جگہ کا علم	۸
127	نافرمان کے متعلق اعلیٰ سنت کا عقیدہ	۲۸	111	قیامت کا علم	۹
	مطلب: ۵		112	فوائد حدیث	۱۰
129	گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا	۲۹	113	نبی کریم ﷺ کو وقوع قیامت کے وقت کو حقی	۱۱
129	حل لغات	۳۰		رکھنے کا حکم	
	کفر و شرک کے علاوہ کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان	۳۱	114	حل لغات	۱۲
130	اسلام سے خارج نہیں ہوتا		116	مطلب: ۱	
131	ایمان کے کامل اور ناقص ہونے کی بحث	۳۲		توحید اور رسالت کا بیان	۱۳
	مطلب: ۶		116	حل لغات	۱۴
133	توحید کی گواہی جنت کا سبب ہے	۳۳	117	غلاموں اور نوکروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا	۱۵
133	حل لغات	۳۴		حکم	
134	گنہگار مسلمان کے جنت میں جانے کی بحث	۳۵	118	حل لغات	۱۶
	مطلب: ۷		119		

صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان	باب
147	عمل کی تلقین اور خاتمہ کا اعتبار	۵۵	135	ایمان میں شک کرنا کفر ہے	۳۶
148	عمل لغات	۵۶	136	عمل لغات	۳۷
148	تقدیر پر بھروسہ کی بجائے نیک اعمال کرنا لازم ہیں	۵۷	136	تردد و شک کا نقصان اور یقین و اخلاص کا فائدہ	۳۸
148	اعمال کے مطابق خاتمہ ہوگا	۵۸		باب: ۸	
	باب: ۱۴		138	قرب قیامت میں اسلام مٹ جائے گا	۳۹
149	منکرین تقدیر کے ساتھ ہائیکاٹ کرنے کا حکم	۵۹	138	عمل لغات	۴۰
149	عمل لغات	۶۰		باب: ۹	
149	قدیر یا اور زندگی کی مذمت	۶۱	139	گناہ کبیر کے مرتکب کو کافر نہیں کہا جائے گا؟	۴۱
151	تقدیر کے منکرین کے لئے آخرت میں ناکامی	۶۲	140	عمل لغات	۴۲
151	قدریوں کو مجوسی کے ساتھ تشبیہ دینے کا سبب	۶۳	140	خوارج کے ایک باطل عقیدہ کی تردید	۴۳
152	زندیق کا تعارف اور اس کا شرعی حکم	۶۴		باب: ۱۰	
	باب: ۱۵			یہ نہ کہا جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم موسیٰ ہیں	۴۴
152	منکرین تقدیر اس امت کے بھوس ہیں	۶۵	140		
153	عمل لغات	۶۶	142	عمل لغات	۴۵
153	منکرین تقدیر کی مذمت کی وجوہات	۶۷	142	ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ نہ کہنے کے دلائل	۴۶
	باب: ۱۶		143	تقدیر الہی کا مطلب	۴۷
154	منکرین تقدیر پر لعنت کا جواز	۶۸		باب: ۱۱	
154	عمل لغات	۶۹	143	تقدیر پر ایمان لانا واجب اور لازم ہے	۴۸
154	لعنت کے مفہوم اور اقسام کی وضاحت	۷۰	144	عمل لغات	۴۹
155	عمل لغات	۷۱	144	تقدیر شرعی کی تحقیق	۵۰
155	تقدیر کی اہمیت	۷۲	145	منکرین تقدیر کی مذمت	۵۱
155	قدیر یا اس امت کے دجال ہیں	۷۳		باب: ۱۲	
	باب: ۱۷		145	انجام کے لیے اختتامی اعمال کا اعتبار ہوتا ہے	۵۲
155	شفاعت صرف اہل ایمان کے لئے ہوگی	۷۴	146	عمل لغات	۵۳
156	عمل لغات	۷۵		حسن خاتمہ کے لئے آخر دم تک نیک اعمال ضروری ہیں	۵۴
156	شفاعت کی اہمیت	۷۶	146		
157	معتزل کا تعارف	۷۷		باب: ۱۳	

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۷۸	معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات	157	۹۷	حل لغات	175
۷۹	حل لغات	159	۹۸	بڑے گنہگاروں کے لئے شفاعت کا ثبوت	175
۸۰	گنہگار مسلم دوزخیوں کو جنت میں داخلہ کی اجازت	159		باب: ۲۱	
۸۱	امام اعظم کی برائت	159	۹۹	اللہ تعالیٰ کے دیدار کا بیان	176
۸۲	قرآن مجید سے شفاعت کا ثبوت	160	۱۰۰	حل لغات	177
۸۳	احادیث مبارکہ سے شفاعت کا ثبوت	161	۱۰۱	اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ	177
۸۴	حل لغات	163	۱۰۲	روایت باری تعالیٰ کے ثبوت کے لئے قرآن و	
۸۵	شفاعت کی اقسام	163		احادیث سے استدلال	178
۸۶	مقام محمود سے شفاعت مراد ہے	164		۲۔ مکتب العلم	180
۸۷	حل لغات	167		باب: ۱	
۸۸	اچھی اور بری شفاعت کی وضاحت	167	۱	دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے	180
	باب: ۱۸		۲	حل لغات	180
۸۹	مسلمانوں کے لئے ایمان کا نفع	168	۳	علم دین کی اہمیت	180
۹۰	حل لغات	169	۴	عوام کے لئے قدر ضروری علم کا بیان	181
	دوزخ میں نافرمان مسلمان اور کافر کے عذاب میں		۵	خواص کے لئے قدر ضروری علم کا بیان	181
۹۱	فرق کی وضاحت	169	۶	علم دین اور علمائے دین کی فضیلت	182
۹۲	کفار کے اسلام قبول کرنے کی تمنا کے وقت کی		۷	دینی مسائل و احکام جاننا عورتوں کے لئے بھی لازم	
	توضیح	170		اور واجب ہے	187
	باب: ۱۹		۸	مطلوبہ نظام تعلیم کی تباہ کاریاں	188
۹۳	سب سے آخر میں دوزخ سے نکلنے والے آدمی کا		۹	(۱) اختلاط و میل جول کی مذمت	188
	بیان	171	۱۰	(۲) غیر محرم کو دیکھنے کی ممانعت و مذمت	188
۹۴	حل لغات	173	۱۱	(۳) پردے کی اہمیت اور بے پردگی کی مذمت	190
۹۵	اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور رحمتان و متان اسماء حسنی کی		۱۲	شان نزول	191
	فضیلت	173		باب: ۲	
	باب: ۲۰		۱۳	دین میں مہارت کی فضیلت	192
۹۶	کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے		۱۴	حل لغات	192
	شفاعت کا بیان	175	۱۵	اہل علم کے لئے خوشخبری	193

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۱۶	امام اعظم کے تابعی ہونے اور صحابہ کرام سے روایت کرنے کا ثبوت	193	۳	پانی کے پاک اور ناپاک ہونے کی صورتوں کی وضاحت	207
۱۷	حل لغات	198	۴	حل لغات	209
۱۸	قرآن اور حدیث کے علم کی فضیلت	196	۵	پانی میں پیشاب وغیرہ کرنے کی ممانعت	209
	باب: ۳			باب: ۲	
۱۹	یہ باب اہل ذکر کی فضیلت میں ہے	198	۶	مٹی کے جھوٹے پانی سے وضو کے جواز کا بیان	210
۲۰	حل لغات	198	۷	حل لغات	210
۲۱	حدیث مرسل کے حجت ہونے کا ذکر	198	۸	مٹی کے جھوٹے پانی کے جواز و کراہت کی وضاحت	210
۲۲	اہل ذکر کی عظمت و فضیلت کا ثبوت	199		باب: ۳	
	باب: ۴		۹	مجبوری کی بنا پر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے جواز کا بیان	211
۲۳	علماء کی سفارت اور جنت میں جانے کا بیان	200		حل لغات	212
۲۴	حل لغات	200	۱۰	کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی وجوہات کا بیان	212
۲۵	علماء دین کی فضیلت	200	۱۱	باب: ۴	
	باب: ۵		۱۲	دودھ پینے سے وضو کرنا لازمی نہیں	214
۲۶	رسول اللہ ﷺ پر عہد جھوٹ بولنے پر سخت وعید	202	۱۳	حل لغات	214
۲۷	حل لغات	202	۱۴	کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھونا اور ٹہنی چیر کھانے پینے کے بعد گل کرنا مستحب ہے	214
۲۸	"من کذب علی معصدا" کے متواتر ہونے کا ثبوت	202		باب: ۵	
۲۹	اس حدیث میں ایک اعتراض کا جواب	204	۱۵	گوشت کھانے سے وضو کرنا لازمی نہیں	215
۳۰	نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے کی سخت وعید	205	۱۶	حل لغات	215
۳۱	موضوع حدیث کی مذمت	205	۱۷	آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا وجوب	215
۳۲	جھوٹ بولنے کی مذمت کا حکم تمام دینی اور دنیاوی معاملات کو شامل ہے	206		باب: ۶	
	۳- رِکَابُ الطَّهَارَةِ	207	۱۸	مسواک کرنے کا حکم	217
	باب: ۱		۱۹	حل لغات	217
۱	غمرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت	207	۲۰	مسواک کرنے کے فوائد	217
۲	حل لغات	207			

صفحہ	باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان
228	باب: ۱۴	موزوں پر مسح کرنے کا ثبوت	۳۸	باب: ۷	سر کے سوا دھوئے کے تمام اعضاء کو تین تین بار دھونا
229		حل لغات	۳۹	۲۱	سنت ہے
229		موزوں پر مسح کرنے کی تحقیق	۴۰	۲۱	حل لغات
230		حل لغات	۴۱	۲۱	اعضاء وضو کو دو تین بار دھونے کی حکمتیں
230		موزوں پر مسح کرنے یا اتار کر پاؤں دھونے میں	۴۲	باب: ۸	
230		اختلاف کا بیان	220	۲۳	سر کا مسح تین بار کرنا
231		حل لغات	۴۳	باب: ۹	
231		ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز	۴۴	۲۵	سر کا مسح ایک بار کرنے کا بیان
232		حدیث منقطع کے مقبول ہونے کا ذکر	۴۵	۲۶	حل لغات
232		موزوں پر مسح کرنا طسوع نہیں بلکہ سنت جاریہ ہے	۴۶	۲۷	سر کا مسح صرف ایک بار مستحب ہے
234		حل لغات	۴۷	باب: ۱۰	
234		فاضل کا مضمون کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا جواز	۴۸	۲۸	وضو کے اعضاء کو تین تین بار دھونے کا بیان
236		چہ مبارک کے ردی یا شامی ہونے کی تحقیق	۴۹	۲۹	کامل وضو کے ساتھ سے الوضو دو گانہ نفل پڑھنے کا
236		موزوں پر مسح کرنے کی اہمیت	۵۰		فائدہ
238		حل لغات	۵۱	باب: ۱۱	
238		مسح علیٰ نخیل میں حضرت ابن عمر کے اختلاف کی	۵۲	۳۰	وضو کے اعضاء کو ایک ایک بار دھونا
238		وجہ کا ذکر	225	۳۱	اعضاء وضو کو ایک بار دھونا فرض ہے
238		حل لغات	۵۳	باب: ۱۲	
238		مسح علیٰ نخیل مقیم اور مسافر دونوں کے لئے سنت	۵۴	۳۲	ایڑیوں کے دھونے کی تاکید
238		ہے	225	۳۳	حل لغات
239	باب: ۱۵	مسح کی مدت مقرر کرنے کا بیان	۵۵	۳۴	وضو کے اعضاء میں ایڑیاں خشک نہ جانے پر عذاب
239		حل لغات	۵۶		کی وعید
239		مسح نخیل کی مدت میں اختلاف اور غشی قول کی	۵۷	باب: ۱۳	
239		ترجیح	226	۳۵	شرمگاہ کی جگہ پر پانی چھڑکنا
240		موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ	۵۸	۳۶	حل لغات
			227	۳۷	رومی پر پانی چھڑکنے کی حکمت

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۵۹	موزوں پر مسح کرنے کی شرائط	241	۷۶	حام بدترین جگہ ہے	249
	بعضہ: ۱۶		۷۷	حل لغات	249
۶۰	حالت جنابت میں دوبارہ جماع کرنا	242	۷۸	مستعمل پانی کے بخش ہونے پر استدلال	249
۶۱	جنبی کے لئے بغیر غسل کھانا پینا سونا اور دوبارہ		۷۹	بعضہ: ۲۱	
	جماع کرنا جائز ہے	242	۸۰	منی کو کپڑے سے کھرپنے کے جواز کا بیان	250
۶۲	نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت مردی اور تعدد		۸۱	حل لغات	251
	ازواج کی حکمتیں	243	۸۲	حی کے بخش یا ظاہر ہونے کی بحث	251
	بعضہ: ۱۷		۸۳	حل لغات	252
۶۳	جنبی آدمی کے لئے وضو کرنا مستحب ہے	244	۸۴	ناپاک کپڑے میں سونا جائز اور نماز ناجائز ہے	252
۶۴	حل لغات	245	۸۵	بعضہ: ۲۲	
۶۵	جنبی کے لئے بغیر غسل وضو یا تیمم کے سونا مستحب		۸۶	جس کمال کو رنگ دیا جائے وہ پاک ہو جاتی ہے	253
	۴	245	۸۷	حل لغات	253
	بعضہ: ۱۸		۸۸	تخریر کا چھو انجاست اور انسان کا عزت و کرامت	
۶۶	مومن ناپاک نہیں ہوتا	245	۸۹	کی بنا پر پاک نہیں ہوتا	253
۶۷	حل لغات	245	۹۰	حل لغات	255
۶۸	جنبی کا بدن ناپاک نہیں ہوتا	246	۹۱	دباخت کے بعد مردار کی کھال کی طہارت کی تحقیق	255
۶۹	حل لغات	246	۹۲	۴۔ کتاب الصلوٰۃ	256
۷۰	جنبی کے ساتھ مصافحہ کا جواز	247	۹۳	حل لغات	257
۷۱	حل لغات	247	۹۴	نماز کی فرضیت و اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں	257
۷۲	حیض والی عورت کا اپورا جسم پاک نہیں ہوتا	247	۹۵	نماز کی فرضیت و اہمیت احادیث کی روشنی میں	257
	بعضہ: ۱۹		۹۶	طویل قیام اور کثرت تکبیر کی فضیلت و اہمیت	259
۷۳	احتمام کے بعد عورت پر منی کے نکلنے کی وجہ سے		۹۷	بعضہ: ۱	
	غسل کا واجب ہونا	248	۹۸	ناف سے نکلنے تک کا درمیانی حصہ ستر ہے	260
۷۴	حل لغات	248	۹۹	حل لغات	260
۷۵	احتمام کی صورت میں غسل صرف منی کے نکلنے پر		۱۰۰	ستر کی حد بندی	260
	واجب ہوگا	248	۱۰۱	بعضہ: ۲	
	بعضہ: ۲۰		۱۰۲	ایک کپڑے میں نماز کے جائز ہونے کا بیان	261

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۹	حل لغات	262	۳۰	عورت کے لئے بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت کا بیان	274
۱۰	لوگوں کی تعلیم کے لئے رخصت پر عمل کرنے کا جواز	262	۳۱	اذان اور اقامت کی ابتداء کیسے ہوگی؟	276
۱۱	عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنے کے احتیاب پر دلائل	263	۳۲	حل لغات	278
۱۲	نماز اپنے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان	264	۳۳	اذان اسلام کی طلاست ہے	278
۱۳	حل لغات	264	۳۴	اذان و اقامت کے کلمات	279
۱۴	مختلف اعمال کو افضل فرمانے کی وجوہات	264	۳۵	جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو تم وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے	280
۱۵	نماز فجر خوب روشنی میں پڑھنے کی فضیلت	265	۳۶	حل لغات	281
۱۶	حل لغات	265	۳۷	اذان کے جواب دینے کی کیفیت و اہمیت	281
۱۷	نماز فجر کے افضل وقت میں ائمہ کا اختلاف	266	۳۸	اذان میں انگوٹھے چرنا مستحب عمل ہے	282
۱۸	نماز فجر اچالے میں پڑھنے کے دلائل	266	۳۹	اس شخص کے اجر و ثواب کا بیان جو اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائے	282
۱۹	نماز عصر کے قضا کرنے پر سخت وعید	268	۴۰	حل لغات	283
۲۰	حل لغات	268	۴۱	تعمیر مسجد کی اہمیت و فضیلت	283
۲۱	نماز عصر کے متعلق مختلف احادیث میں تطبیق کا بیان	268	۴۲	مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنے کی ممانعت کا بیان	283
۲۲	نماز عصر کے مستحب وقت کے دلائل کا بیان	269	۴۳	حل لغات	284
۲۳	حل لغات	271	۴۴	مساجد صرف عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں	284
۲۴	نماز عصر کے فوت ہونے یا ضائع ہونے کا مطلب	271	۴۵	نماز کے آغاز میں ہاتھوں کو کہاں تک اٹھانا چاہیے	284
۲۵	ان اوقات کا بیان جن میں نفل نماز پڑھنا ممنوع ہے	271	۴۶	حل لغات	285
۲۶	حل لغات	272	۴۷	نفل نماز کے ممنوعہ اوقات کا بیان	272
۲۷	عیدین کے دنوں میں روزوں کی ممانعت کا بیان	273	۴۸	تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا منع	273

صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان	باب
304	نماز میں بسم اللہ شریف بلند آواز سے نہ پڑھی جائے	۶۴	285	رفع یدین کی حکمتیں	۴۷
305	حل لغات	۶۵		کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث و آثار	۴۸
305	نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے	۶۶	285	کایان	
306	حل لغات	۶۷	287	حل لغات	۴۹
	سورتوں کے شروع میں بسم اللہ کے چڑھنے یا نہ	۶۸		رفع یدین اور تکبیر تحریر کے اقراء اور تقدیم و	۵۰
306	ہونے میں اختلاف		287	تاخیر میں اختلاف	
	باب: ۱۶		289	نماز کے اختتام پر دونوں طرف سلام پھیرنے کا بیان	۵۱
307	نماز عشاء میں سورہ الحین کی تلاوت کرنا	۶۹		باب: ۱۲	
	نماز میں رسول اللہ ﷺ کی بی بی اور کبھی مختصر قراوت	۷۰		رکوع اور سجدہ میں جاتے وقت رفع یدین نہ کرنے	۵۲
307	کی حکمتیں		290	کایان	
	باب: ۱۷		291	حل لغات	۵۳
308	نماز فجر میں قراوت کا بیان	۷۱	291	ترک رفع یدین کی بحث	۵۴
308	حل لغات	۷۲	292	ترک رفع یدین کا ثبوت	۵۵
308	قراوت کی تحقیق	۷۳		باب: ۱۳	
	باب: ۱۸			امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کا رفع یدین کے مسئلہ	۵۶
308	امام کی قراوت مقتدی کی قراوت ہے	۷۴	300	میں مناظر	
309	حل لغات	۷۵	301	حل لغات	۵۷
310	قراوت خلف الامام کی تردید کے دلائل	۷۶	301	مناظرہ کے چند فوائد کا بیان	۵۸
	باب: ۱۹			باب: ۱۴	
312	تطبیق کے منسوخ ہونا	۷۷		نماز میں فاتحہ اور کسی سورت کا اس کے ساتھ ملا کر	۵۹
312	حل لغات	۷۸	302	پڑھنا واجب ہے	
313	تطبیق کے منسوخ ہونے کے دلائل	۷۹	302	حل لغات	۶۰
	باب: ۲۰			دوسرا تکبیر تحریر فاتحہ اور اس کے ساتھ سورہ ملانا اور	۶۱
	امام رکوع کے بعد "سُوعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمَدَهُ"	۸۰	302	سلام کی اہمیت	
314	کہے اور مقتدی "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہے		303	حل لغات	۶۲
314	حل لغات	۸۱	303	قراوت کی بحث	۶۳
314	تسمیع و تمجید کہنے کی تحقیق	۸۲		باب: ۱۵	

صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان	باب
325	تشہد میں دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں بچھا کر بیٹھنا مسنون ہے	۱۰۳	315	باب: ۲۱	۸۳
326	تشہد میں تعدہ کی کیفیت کے متعلق اعتراضات کے مختلف اقوال کا بیان	۱۰۴	315	سجدہ میں ہاتھوں سے پہلے کھڑے رکھنے کا بیان	۸۳
327	باب: ۲۶		316	سجدہ میں جاتے وقت اعضاء رکھنے کی ترتیب	۸۴
327	عورتوں کے لئے تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کا بیان	۱۰۵	316	سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم	۸۵
327	صلوات	۱۰۶	318	صلوات	۸۶
327	تشہد میں چار زانوں (چھ کڑی مار کر) بیٹھنا مکروہ ہے	۱۰۷	316	سجدہ میں پیشانی اور ناک زمین پر لگانے میں مختلف اقوال	۸۷
327	باب: ۲۷		318	صلوات	۸۸
327	نماز کے لئے تشہد کی تعلیم کا بیان	۱۰۸	318	رکوع کرنے کی کیفیت کی توضیح	۸۹
328	صلوات	۱۰۹	318	صلوات	۹۰
328	تشہد اور دیگر واجبات کے وجوب کی اہمیت	۱۱۰	319	سجدہ کرنے کی کیفیت کی وضاحت	۹۱
328	باب: ۲۸		319	صلوات	۹۲
328	تشہد کے الفاظ کی وضاحت	۱۱۱	319	بالوں کو پھینک دینے اور کپڑوں کو سمیٹنے کی ممانعت	۹۳
329	صلوات	۱۱۲	320	باب: ۲۳	۹۴
329	تشہد کے مختلف کلمات کی روایات کی بحث	۱۱۳	320	نمازی سجدہ میں اپنے ہار و دکن کو نہ بچھائے	۹۴
329	تشہد ابن مسعود کی ترجیح کی وجوہات	۱۱۴	320	صلوات	۹۵
329	تشہد ابن مسعود کی تعلیم سے سنت نبوی کی عظمت و اہمیت کا ثبوت	۱۱۵	320	سجدہ کے مکروہات	۹۶
330	باب: ۲۹		321	صبح کی نماز میں ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھنے کا بیان	۹۷
331	تشہد میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے سلام پیش کرنے کی حکمت	۱۱۶	321	صلوات	۹۸
331	باب: ۲۹		321	قنوت نازلہ	۹۹
332	نماز کے اختتام پر دو مرتبہ سلام پھیرنے کا بیان	۱۱۷	322	خبر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا بدعت ہے	۱۰۰
332	صلوات	۱۱۸	325	باب: ۲۵	۱۰۱
332	نماز کے آخر میں سلام پھیرنے کے اطراف میں اختلاف	۱۱۹	325	تشہد میں بیٹھنے کی حالت کا بیان	۱۰۱
332			325	صلوات	۱۰۲

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۱۲۰	نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں طرف سلام	۱۳۹	۳۴۱	نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری امامت	۳۴۱
	پھیرنے کی کیفیت	۳۳۳		باب: ۳۵	
	باب: ۳۰		۳۴۱	ولد اثر غلام اور روپیہ اتیوں کی امامت کا بیان	۳۴۱
۱۲۱	امام کے لئے مختصر نماز پڑھنا مستحب ہے	۳۳۳	۳۴۱	حل لغات	۳۴۱
۱۲۲	حل لغات	۳۳۴	۳۴۲	ہر مسلمان عالم دین کے چھ	۳۴۲
۱۲۳	نماز میں تخفیف کی حکمتیں	۳۳۴		باب: ۳۶	
	باب: ۳۱		۳۴۲	نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا بیان	۳۴۲
۱۲۴	چٹائی پر نماز پڑھنے کا بیان	۳۳۴	۳۷۳	نماز نفل یا جماعت ادا کرنے کی تحقیق	۳۷۳
۱۲۵	حل لغات	۳۳۵		باب: ۳۷	
۱۲۶	ہر پاک چیز پر نماز پڑھنا جائز ہے	۳۳۵	۳۴۵	مغفوں کو باہم ملانے کی فضیلت	۳۴۵
	باب: ۳۲		۳۴۵	حل لغات	۳۴۵
۱۲۷	پیار کی نماز کا بیان	۳۳۵	۳۴۵	نماز میں مغفوں کو باہم ملانے اور سیدہ حدیث کی اہمیت	۳۴۵
۱۲۸	حل لغات	۳۳۵		باب: ۳۸	
۱۲۹	عذر کی بنا پر پیش کرنا نماز پڑھنا جائز ہے	۳۳۵	۳۴۸	نہر اور عشاء کی نماز یا جماعت ادا کرنے کی فضیلت	۳۴۸
۱۳۰	حل لغات	۳۳۸	۳۴۷	حل لغات	۳۴۷
۱۳۱	عذر کی وجہ سے اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے	۳۳۸	۳۴۷	حل لغات	۳۴۷
	باب: ۳۳		۳۴۷	ان دو نمازوں کی تخصیص کی وجوہات	۳۴۷
۱۳۲	جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے اس کا کیا حکم ہے؟	۳۳۸	۳۴۷	تکبیر اوقی کی فضیلت	۳۴۷
	باب: ۳۴			باب: ۳۹	
۱۳۳	حل لغات	۳۳۷	۳۴۸	عورتوں کا مساجد میں آنے کا ثبوت	۳۴۸
۱۳۴	عذر کی بنا پر نماز پڑھنے کے مختلف طریقے	۳۳۷	۳۴۸	حل لغات	۳۴۸
۱۳۵	نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر امامت کے زیادہ مستحق ہیں	۳۳۸	۳۴۹	مساجد میں نماز کے لئے عورتوں کو جانے کی اجازت	۳۴۹
	باب: ۳۵			باب: ۴۰	
۱۳۶	حل لغات	۳۳۹	۳۴۹	جب نماز عشاء اور رات کا کھانا تیار ہوں تو کیا حکم ہے؟	۳۴۹
۱۳۷	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت	۳۳۹	۳۵۰	حل لغات	۳۵۰
۱۳۸	حل لغات	۳۴۱	۱۵۸	نماز کے وقت میں پہلے کھانا کھانے کے جواز کی	

صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان	باب
	جمعہ کی رات اور اس میں مرنے والے کی فضیلت کا بیان	۱۷۷	350	سورتوں کا ذکر	
358	اعلیٰ لغات	۱۷۸		باب: ۴۱	
359	جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والے کی سعادت کا ذکر	۱۷۹	350	جو شخص اسکے نماز پڑھ چکا ہو پھر وہ نماز باجماعت پائے تو اس کا کیا حکم ہے؟	۱۵۹
359	باب: ۴۲		351	اعلیٰ لغات	۱۶۰
	امور خیر اور اجتماعی دعا کے لئے عیدین میں عورتوں کو جانے کی اجازت ہے	۱۸۰	351	فرض نماز دوبارہ باجماعت پڑھنے کے جواز کی صورتیں	۱۶۱
360	اعلیٰ لغات	۱۸۱		باب: ۴۲	
360	عورتوں کو خیر و برکت کی حامل میں جانے کی اجازت	۱۸۲	352	جمعہ کے دن غسل کرنے کی فضیلت کا بیان	۱۶۲
361	باب: ۴۸		353	اعلیٰ لغات	۱۶۳
361	نماز عید سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز جائز نہیں	۱۸۳	353	جمعہ المبارک کی وجہ تسمیہ	۱۶۴
361	اعلیٰ لغات	۱۸۴	354	جمعہ کے مسائل اور احکام	۱۶۵
	عید گاہ میں نماز عید کے علاوہ نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے	۱۸۵	354	اعلیٰ لغات	۱۶۶
361			355	جمعہ المبارک کے دن غسل کرنے کا ثبوت	۱۶۷
	باب: ۴۹			جمعہ کے دن غسل کا حکم	۱۶۸
362	سفر کی نماز میں قصر کرنا واجب ہے	۱۸۶	355	باب: ۴۳	
363	اعلیٰ لغات	۱۸۷	356	خطبہ سے پہلے امام کا منبر پر بیٹھنا سنت ہے	۱۶۹
363	حالت سفر میں نماز قصر پڑھنے کی وضاحت	۱۸۸	356	اعلیٰ لغات	۱۷۰
	باب: ۵۰			خطبہ پڑھنے کے چند احکام	۱۷۱
365	سواری پر نماز پڑھنے کا بیان	۱۸۹	356	باب: ۴۴	
365	اعلیٰ لغات	۱۹۰	358	جمعہ المبارک کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنت ہے	۱۷۲
365	عذر کی وجہ سے سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے	۱۹۱	357	اعلیٰ لغات	۱۷۳
	باب: ۵۱			بیٹھ کر خطبہ پڑھنا بدعت ہے	۱۷۴
367	نماز وتر کی ترغیب کا بیان	۱۹۲	357	باب: ۴۵	
367	اعلیٰ لغات	۱۹۳	358	جمعہ المبارک کی نماز میں کیا پڑھنا چاہئے؟	۱۷۵
367	نماز وتر کے وجوب کا ثبوت	۱۹۴		عیدین اور جمعہ میں تلاوت کی نئی سورتوں کا ذکر	۱۷۶
				باب: ۴۶	

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
	باب: ۵۲				
۱۹۵	نماز وتر کی تینوں رکعات میں قراءت کا بیان	368	۲۱۳	نماز میں بوقت ضرورت امام کو کس طرح آگاہ کیا جائے؟	380
۱۹۶	نماز وتر کی تین رکعات اور مستحب قراءت کا ثبوت	369	۲۱۳	حل لغات	380
	باب: ۵۳		۲۱۵	نماز میں امام کو تلقین کرنے کا طریقہ	380
۱۹۷	وتر کی نماز میں سلام کے ساتھ فاصلہ نہیں	371		باب: ۶۰	
۱۹۸	نماز وتر کے آخر میں سلام سنون ہے	371	۲۱۶	کون کی چیز نماز کو توڑتی ہے اور کون کی چیز نہیں توڑتی	380
	باب: ۵۴		۲۱۷	حل لغات	381
۱۹۹	رات کے شروع و درمیان اور اس کے آخر میں وتر پڑھنے کا بیان	372	۲۱۸	نمازی کے سامنے سے آدمی وغیرہ کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی	381
۲۰۰	حل لغات	373		باب: ۶۱	
۲۰۱	نماز وتر کے اوقات کا ذکر	373	۲۱۹	سورج گرہن کی نماز	381
	باب: ۵۵		۲۲۰	حل لغات	383
۲۰۲	نماز میں بھول جانے پر دو جہدے واجب ہیں	374	۲۲۱	زمانہ جاہلیت کے ایک باطل عقیدہ کی تردید	383
۲۰۳	حل لغات	374		باب: ۶۲	
۲۰۴	جہدہ سکھ میں ائمہ دین کے تلف اقوال	375	۲۲۲	نماز استسکارہ کا بیان	384
	باب: ۵۶		۲۲۳	حل لغات	385
۲۰۵	سورت میں جس جہدہ تلاوت کا بیان	376	۲۲۴	نماز استسکارہ کی اہمیت	385
۲۰۶	جہدہ تلاوت کے مقامات اور شرعی حیثیت کا تذکرہ	376	۲۲۵	استسکارہ کرنے سے پہلے چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے	386
	باب: ۵۷			باب: ۶۳	
۲۰۷	نماز میں بات چیت کے منسوخ ہونے کا بیان	377	۲۲۶	چاشت کی نماز	386
۲۰۸	حل لغات	378	۲۲۷	حل لغات	387
۲۰۹	نماز میں بولنا اور باتیں کرنا حرام ہے	378	۲۲۸	نماز اشراق اور چاشت کی وضاحت اور ثبوت	387
	باب: ۵۸			باب: ۶۴	
۲۱۰	عورت کے پہلو میں نماز پڑھنے کا جواز	379	۲۲۹	ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں کثرت عبادت کا بیان	389
۲۱۱	حل لغات	379	۲۳۰	حل لغات	389
۲۱۲	چند فوائد کا ذکر	379		باب: ۵۹	

صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان	باب
397	ظہر کی نماز سے پہلے اور بعد نماز سنن کی فضیلت	۲۵۰	389	آخری عشرہ میں عبادت نبوی کی توجیح	۲۳۱
	باب: ۷۱			باب: ۶۵	
398	نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت	۲۵۱	390	نماز تہجد کا بیان	۲۳۲
398	سنن و نوافل گھر میں پڑھنا مستحب ہے	۲۵۲	390	حل لغات	۲۳۳
	باب: ۷۲		390	نماز تہجد کی مختلف روایات کا بیان	۲۳۴
398	خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا ثبوت	۲۵۳	391	تہجد کی روایات میں تطبیق	۲۳۵
399	حل لغات	۲۵۴	391	نماز تہجد کا حکم	۲۳۶
399	خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی توجیح	۲۵۵		باب: ۶۶	
	باب: ۷۳		391	قرض و ربا کی مذمت اور سنت فجر کی فضیلت	۲۳۷
400	جس شخص کے دو یا تین بیٹے فوت ہو جائیں	۲۵۶	392	حل لغات	۲۳۸
401	حل لغات	۲۵۷	392	فجر کی نماز سنت کی اہمیت	۲۳۹
401	بالغ مرد لے والے بچوں کی شفاعت	۲۵۸		باب: ۶۷	
	باب: ۷۴		393	فجر کی پہلی دو رکعت میں سنت قراءت کا بیان	۲۴۰
	اللہ تعالیٰ کے نزدیک برے آدمی کے بارے میں	۲۵۹	393	حل لغات	۲۴۱
401	بچوں کی گواہی مقبول ہے			فجر کی سنتوں میں "قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" اور	۲۴۲
402	حل لغات	۲۶۰	393	"قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" پڑھنا مستحب ہے	
402	صالحین امت کی گواہی کی اہمیت	۲۶۱		باب: ۶۸	
	باب: ۷۵			نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اسی جگہ بیٹھنے کا	۲۴۳
	جنازہ کی چار پائی کو چاروں کناروں سے اٹھانے کا	۲۶۲	394	بیان	
403	بیان		394	حل لغات	۲۴۴
403	حل لغات	۲۶۳	395	نماز فجر کے بعد اسی جگہ کرواد کار کی فضیلت	۲۴۵
403	جنازہ کو اٹھانے کا مسنون طریقہ	۲۶۴		باب: ۶۹	
	باب: ۷۶		396	نماز عشاء کے بعد چار رکعات نفل کی فضیلت	۲۴۶
404	عورت کا جنازہ کے پیچھے آنا جائز نہیں	۲۶۵	396	حل لغات	۲۴۷
404	حل لغات	۲۶۶	396	اس حدیث کی فنی حیثیت	۲۴۸
	جنازہ کے پیچھے عورتوں کے آنے یا نہ آنے کی	۲۶۷		باب: ۷۰	
404	وضاحت		397	نماز ظہر کے بعد دو رکعت سنت پڑھنے کا ثبوت	۲۴۹

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
باب ۷۷:	۴۱۵	۱	باب ۷۷:	۴۱۵	۱
۲۶۸	نماز جنازہ میں چار تکبیروں کا طمان	۴۰۵	۲	حل لغات	۴۱۵
۲۶۹	حل لغات	۴۰۵	۳	رکاز کا ثبوت اور اس کا حکم	۴۱۶
۲۷۰	نماز جنازہ میں چار تکبیروں کا ثبوت	۴۰۵	باب ۲:		
باب ۷۸:	۴۱۶	۴	ہر خیر و بھلائی صدقہ ہے		
۲۷۱	نماز جنازہ میں میت کے لئے دعا کرنا	۴۰۶	۵	ہر کار خیر کے صدقہ ہونے کا ثبوت	۴۱۶
۲۷۲	مکمل دعا کا ذکر	۴۰۶	باب ۳:		
باب ۷۹:	۴۱۷	۶	جس پر صدقہ کیا جائے اس سے ہدیہ قبول کرنا		
۲۷۳	قبر تیار کرنے کے لئے لحد بنانا سنت ہے	۴۰۷	۷	غلام اور لونڈی کے ولاء کا حق دار آزاد کرنے والا	
۲۷۴	حل لغات	۴۰۷	۴۱۷	مولیٰ ہے	
۲۷۵	قبر تیار کرنے کے دو طریقے	۴۰۷	باب ۶ - کِتَابُ الصَّوْمِ		
باب ۸۰:			باب ۱:		
۲۷۶	قبر میں سوال و جواب	۴۰۸	۱	روزے کی فضیلت	۴۱۹
۲۷۷	حل لغات	۴۰۸	۲	حل لغات	۴۱۹
۲۷۸	اہل قبور کے احوال	۴۰۹	۳	روزوں کے فوائد	۴۱۹
باب ۸۱:			باب ۲:		
۲۷۹	نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی والدہ کی قبر کی		۴	محرمات سے بچنے اور بھوک کی فضیلت	۴۲۱
زیارت کرنا	۴۱۰	۵	۵	حل لغات	۴۲۱
۲۸۰	حل لغات	۴۱۱	۶	بھوک کے فضائل اور نا جائز کاموں سے پرہیز کی	
۲۸۱	نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کی نجات کا		۴۲۱	تاکید	
ثبوت	۴۱۱		باب ۳:		
باب ۸۲:			۷	عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت	۴۲۳
۲۸۲	زیارت قبور کی اجازت کا ثبوت	۴۱۲	۸	حل لغات	۴۲۳
۲۸۳	حل لغات	۴۱۲	۹	عاشورہ کے دن اور ماہ رمضان کے روزوں کی اہمیت	۴۲۳
۲۸۴	زیارت قبور کے فوائد	۴۱۲	۱۰	عاشورہ کے روزے کا حکم	۴۲۴
باب ۵ - کِتَابُ الزَّكَاةِ	۴۱۵	۱۱	۱۱	عاشورہ کے دن کی فضیلت	۴۲۵
باب ۱:			باب ۴:		

صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان	باب
	باب: ۹			۱۲ خرگوش کھانے کا جواز اور ایام بیض کے روزوں کی ترتیب	
434	سفر میں روزہ کھولنے کی اجازت	۳۰	425	۱۳ خرگوش کے حلال ہونے کا بیان	
434	عمل لغات	۳۱	425	۱۵ نقلی روزہ افطار کرنے کا جواز	
	مسافر کے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے میں اختلاف کا تذکرہ	۳۲	425	۱۶ ایام بیض کے روزوں کی فضیلت	
435			427		
	باب: ۱۰		427		
435	وصال اور خاموشی کے روزے کی ممانعت	۳۳		باب: ۵	
436	عمل لغات	۳۴		۱۷ تم میں سے کوئی شخص حضرت ہلال کی اذان پر اپنی سحری بند نہ کرے	
436	وصال کے روزوں کی ممانعت کی حکمتیں	۳۵	428	۱۸ عمل لغات	
436	صوم وصال میں مذہب	۳۶	428	۱۹ حضرت ہلال لوگوں کو سحری کھانے کے لئے اذان کے ذریعہ بیدار کرتے تھے	
436	رسول اللہ ﷺ کے صوم وصال پر اشکال کا جواب	۳۷		۲۰ وقت سے پہلے اذان دینے کی تحقیق و تردید	
437	نبی کریم ﷺ کے مثل کی تحقیق	۳۸	428		
437	صوم سکوت کی ممانعت کی وجہ	۳۹	429		
	باب: ۱۱			باب: ۶	
437	ایام تشریق میں روزے رکھنے کی ممانعت	۴۰	430	۲۱ روزہ دار کے لئے بچے لگوانے کا جواز	
437	عمل لغات	۴۱	430	۲۲ عمل لغات	
438	ایام تشریق اومان میں روزوں کی ممانعت کی وضاحت	۴۲	430	۲۳ روزہ دار کے قصد گانے میں انکار کا اختلاف	
	باب: ۱۲			باب: ۷	
438	منہ کا پورا کرنا واجب ہے	۴۳	431	۲۴ حالت چنانہت میں روزہ دار کا صبح کرنا	
439	عمل لغات	۴۴	431	۲۵ عمل لغات	
439	نذر کے احکام و مسائل	۴۵		۲۶ جنبی کے روزے اور احکام سے انہما کے مخلوط ہونے کی وضاحت	
439	نذر کے احکام کی صورتیں	۴۶	432		
440	۷- کِتَابُ الْحَجِّ			باب: ۸	
	باب: ۱		432	۲۷ روزہ دار کے لئے اپنی بیوی کا بوسہ لینا جائز ہے	
440	حج کی ادائیگی میں جلدی کرنے کا بیان	۱	433	۲۸ عمل لغات	
440	عمل لغات	۲		۲۹ روزہ دار کے لئے اپنی بیوی کا بوسہ لینے میں احتاف کا موقف	
440	حج کی ادائیگی میں جلدی کی حکمتیں	۳	433		

باب	صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان
۴	441	حج کی فرضیت کا بیان	باب: ۸	450	احرام کے بعد عمرہ چھوڑنے پر قربانی دینے کا حکم
۵	441	حج اور حاجی کی فضیلت	باب: ۲	451	ایک قربانی میں گائے ذبح کرنے کی حکمت
۶	442	حل لغات	باب: ۹	451	غیر محرم کا شکار محرم کے لیے کھانا جائز ہے
۷	442	حج میں حاجی کے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں	حل لغات	452	محرم کے لیے غیر محرم کے شکار کے جواز میں اثر کا اختلاف
۸	442	حج عمرہ اور ان میں تفریق ہونے والی رقم کی اہمیت	باب: ۳	452	محرم کے لیے محرم کے شکار کے جواز میں اثر کا اختلاف
۹	443	حج کے لیے احرام باندھنے کے مقامات	باب: ۱۰	453	محرم کے لیے موذی جانور کو مارنا جائز ہے
۱۰	444	حل لغات	حل لغات	453	موذی جانوروں کا ذکر
۱۱	444	میقات کا مفہوم اور ہر سمت کے الگ میقات کا ذکر	باب: ۴	453	محرم کا نکاح کرنا جائز ہے
۱۲	445	محرم کے لباس کا بیان	باب: ۱۱	454	محرم کا نکاح کرنا جائز ہے
۱۳	446	حل لغات	حل لغات	454	حضرت یونس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے نکاح کی تفصیل
۱۴	446	محرم کے لیے جائز اور ناجائز لباس کی تفصیل	باب: ۵	454	محرم کے پچھنے لگوانا
۱۵	447	احرام کے بعد محرم کے لیے خوشبو لگانا جائز نہیں	باب: ۱۲	455	محرم کے پچھنے لگوانے میں اختلاف
۱۶	447	حل لغات	باب: ۱۳	456	محرم کے پچھنے لگوانے میں اختلاف
۱۷	448	ممنوعات احرام کی حکمتیں	باب: ۱۴	456	محرم کے پچھنے لگوانے میں اختلاف
۱۸	448	حج تمتع	باب: ۱۵	457	محرم کے پچھنے لگوانے میں اختلاف
۱۹	448	حل لغات	باب: ۱۶	457	محرم کے پچھنے لگوانے میں اختلاف
۲۰	448	حج کی اقسام اور ایک بُدی رسم کی تردید	باب: ۱۷	458	محرم کے پچھنے لگوانے میں اختلاف
۲۱	449	حیض والی عورت کا حج	باب: ۱۸	458	محرم کے پچھنے لگوانے میں اختلاف
۲۲	450	حل لغات	باب: ۱۹	458	محرم کے پچھنے لگوانے میں اختلاف
۲۳	450	عمرے کی قضاء	باب: ۲۰	458	محرم کے پچھنے لگوانے میں اختلاف

اب	عنوان	سلا	باب	عنوان	سلا
۴۲	کعبہ کے ارد گرد پہلے تین طواف میں دل کرنا	459	۶۰	ماہ رمضان میں عمرہ کرنے کی اہلیت کی وجوہات	470
۴۳	حل لغات	459		باب: ۲۰	
۴۴	دل اور اس کے آغاز و اختتام کا ثبوت	459	۶۱	مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا بیان	470
	باب: ۱۵		۶۲	حل لغات	471
۴۵	مزدلفہ میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا	460	۶۳	فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے داخلے کا سفر	471
۴۶	حل لغات	460		باب: ۲۱	
۴۷	مزدلفہ میں مغرب و عشاء اور عرفات میں ظہر و عصر کو جمع کرنا مسنون ہے	461	۶۴	نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا	471
۴۸	مزدلفہ میں مغرب و عشاء ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھی جائیں گی	462	۶۵	نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کے فضائل و دلائل	472
	باب: ۱۶			۸- کِتَابُ الْبَكَاةِ	473
۴۹	جمرات کو نگریاں مارنا	463	۱	باب: ۱	
۵۰	حل لغات	464	۲	خطبہ نکاح کا بیان	473
۵۱	جمرات کو طلوع آفتاب کے بعد نگریاں مارنا سنت ہے	464	۳	حل لغات	474
	باب: ۱۷		۴	نکاح کی حکمتوں اور قسموں کی وضاحت	474
۵۲	محرم کا قربانی کے جانور پر سوار ہونا	464	۵	باب: ۲	
۵۳	حل لغات	465	۶	نکاح کا حکم	475
۵۴	شدید ضرورت کے وقت قربانی کے جانور پر سوار ہونا جائز ہے	465	۷	حل لغات	475
	باب: ۱۸		۸	نکاح کے فوائد	475
۵۵	حج قرآن مسنون ہے	466	۹	باب: ۳	
۵۶	حل لغات	469	۱۰	کنواری لڑکیوں سے نکاح کی ترفیہ	476
۵۷	حج قرآن سب سے افضل اور سنت ہے	469	۱۱	حل لغات	477
	باب: ۱۹		۱۲	نوجوان کنواریوں سے نکاح کے فوائد	477
۵۸	ماہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کی اہلیت	470		باب: ۴	
۵۹	حل لغات	470	۱۳	پانچ قسم کی عورتوں کے نکاح سے بچنے کا بیان	477
				حل لغات	478
				مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح جائز پر ہیز افضل ہے	478
				باب: ۵	
				ہانچہ حسینہ کی بجائے بچے دینے والی سیاہ رنگ لڑکی	

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
	سے نکاح کرنا بہتر ہے	479	۳۰	عاقل و بالغ لڑکی کو اس کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا	486
۱۳	حل لغات	479			
۱۵	نکاح کے مقصد و معیار کی نشاندہی	479	۳۱	احناف کے جوابات و دلائل کا بیان	486
	باب: ۶			باب: ۱۱	
۱۶	تین چیزوں میں نحوست کا ثبوت	480	۳۲	عورت کو اپنی پھوپھی اور خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع کرنا منوع ہے	488
۱۷	حل لغات	480			
۱۸	ہر چیز بالذات مفید ہے لیکن مقصد مختلف کے اعتبار سے مفید نہ ہو تو منحوس ہے	480	۳۳	مذکورہ بالا مسافرت کی توضیح	488
	باب: ۷			باب: ۱۲	
			۳۴	حسد (عارضی نکاح) کی حرمت کا ثبوت	489
۱۹	والد کا اپنی کنواری بیٹی سے اجازت لینے کا بیان	481	۳۵	حل لغات	490
۲۰	حل لغات	482	۳۶	حرمت کی تحقیق	490
۲۱	نکاح کے لیے عاقل و بالغ لڑکی کی رضامندی ضروری ہے	482	۳۷	باب: ۱۳	
	باب: ۸				
۲۲	یتیم دہن کے لیے ضروری سامان چیز تیار کرنا	482	۳۸	عزل کا بیان	491
۲۳	حل لغات	483	۳۹	عزل کے لغوی اور اصطلاحی معانی	491
۲۴	یتیم اور غریب لڑکیوں کی شادی کے لیے مدد کرنا	483	۴۰	تغلی رزق کی بناء پر عزل یا ضبط تولید ہائز ہے	491
	سنت نبوی ہے	483	۴۱	عزل یا ضبط تولید کی ہائز و جہات	492
	باب: ۹			باب: ۱۴	
۲۵	کنواری سے رضامندی اور مطلقہ یا بیوہ سے اجازت حاصل کرنے کا بیان	483	۴۲	بیکلی شرمگاہ کو چھوڑ کر ہر طرف سے عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کا حرام	492
۲۶	حل لغات	484	۴۳	بیوی کے ساتھ جماع کی جائز صورتیں	492
۲۷	کسی عاقل و بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں	484	۴۴	باب: ۱۵	
۲۸	عورت کے ناپسند کرنے پر نکاح کی تفریق	484	۴۵	عورت کی دیر میں جماع کرنا حرام ہے	493
۲۹	حل لغات	485	۴۶	لواطت کی مذمت	493
	باب: ۱۰		۴۷	بیوی کی دیر میں جماع کرنے والے لعنتی ہیں	495

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
	باب: ۱۶		۷	حیض کی حالت میں طلاق کے وقوع کا ثبوت	502
۳۹	بچہ بستر والے کا ہوتا ہے	495	۸	عمل لغات	502
۵۰	عمل لغات	496	۹	حائضہ حیض میں طلاق دینے کی بحث	503
۵۱	بیوی کا بچہ شوہر کا اور لوطی کا بچہ مالک کا ہوگا	496		باب: ۴	
۵۲	اسلام میں ثبوت نسب کا طریقہ	496	۱۰	طلاق دینے میں حدود و الہی کو تکمیل نہ ملتا ہونے کی	
	۹۔ کِتَابُ الْاِسْتِیْرَاقِ	497		ممانعت	503
	باب: ۱		۱۱	عمل لغات	503
۱	حاملہ عورت کے ساتھ جماع کی ممانعت	497	۱۲	طلاق دینے میں حد بیوی کا پس منظر	504
۲	عمل لغات	497		باب: ۵	
۳	استبراء کا لوطی اور شرعی معنی نیز استبراء کی حکمت	497	۱۳	دیوانے کی طلاق جائز نہیں	504
	۱۰۔ کِتَابُ الرِّضَاعِ	498	۱۴	عمل لغات	506
	باب: ۱		۱۵	مبالغہ دیوانے اور مدہوش کی طلاق و طہرہ واقع نہیں ہوتی	505
۱	دودھ سے دہی رشتہ حرام ہوتا ہے جو نسب سے حرام ہوتا ہے	498		باب: ۶	
۲	عمل لغات	499	۱۶	عورت کو غسل اختیار دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی	508
۳	حرم رضاعت کی تحقیق	499	۱۷	عمل لغات	508
	۱۱۔ کِتَابُ الطَّلَاقِ	500	۱۸	تخفیر کی بحث اور اس کا پس منظر	508
	باب: ۱			باب: ۷	
۱	طلاق دینے میں مذاق کرنا	500	۱۹	منکوحہ لوطی کے لیے آزادی کے بعد اختیار کا ثبوت	508
۲	عمل لغات		۲۰	عمل لغات	508
۳	مذاق میں طلاق دینا، نکاح اور رجوع کرنا ثابت ہو جاتا ہے	500	۲۱	منکوحہ لوطی کو آزادی ملنے کے بعد شوہر کے پاس رہنے یا نہ رہنے کے اختیار کی تحقیق	508
	باب: ۲			باب: ۸	
۴	طلاق کے بعد عدت گزارنے کا ثبوت	501	۲۲	لوطی کی طلاق کا بیان	509
۵	عمل لغات	501	۲۳	لوطی کے لیے صرف دو طلاقیں اور صرف دو حیض ہیں	509
۶	طلاق دینے کے بعد رجوع کا ثبوت	501		باب: ۹	
	باب: ۳				

صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان	باب
518	۱۲ - كِتَابُ النِّفَاقَاتِ			طلاق مغلطہ میں عورت کے لیے مکان اور نفقہ کا ثبوت	۲۴
518	حل لغات	۱	510		
519	اہل و عیال پر رزق حلال خرچ کرنے کے فضائل	۲	510	حل لغات	۲۵
519	۱۳ - كِتَابُ التَّحْنِیْطِ		510	مطلقہ مغلطہ کے لیے مکان اور نان نفقہ کی بحث	۲۶
	باب: ۱			باب: ۱۰	
519	مدیر غلام کو فروخت کرنے کا بیان	۱		جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت کا بیان	۲۷
520	حل لغات	۲	512		
520	غلامی کی رسم کا خاتمہ اور مدیر غلام کی فروخت کی بحث	۳	512	حل لغات	۲۸
	باب: ۲		513	حاملہ عورت کی عدت اس کا وضع حمل ہے	۲۹
520	غلام کی وراثت کا حق دار آزاد کرنے والا ہے	۴	514	حل لغات	۳۰
521	غلام کی ولایت کا حق دار معتن ہے	۵		ولادت اور وراج کی آیت کا حکم حاملہ اور کوٹھڑیوں کے علاوہ خواتین کے لیے ہے	۳۱
521	۱۴ - كِتَابُ الْاِیْمَانِ		514		
	باب: ۱			باب: ۱۱	
521	جھوٹی قسم کھانے کی ممانعت	۱		جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور اس نے نہ اس کا مہر مقرر کیا ہو اور نہ اس کے ساتھ جناح کیا ہو	۳۲
522	حل لغات	۲	515		
	قسم کی اقسام یحیٰ بن غنوس و بغاوت کی عدت اور صلہ رحمی کی فضیلت	۳	515	حل لغات	۳۳
522	باب: ۲		515	مہر کے تقرر اور رخصتی سے پہلے بیوہ ہونے والی عورت مہر مثلی میراث اور عدت کی حق دار ہوگی	۳۴
	گناہ کی سبقت میں قسم توڑنا اور کفارہ ادا کرنا واجب ہے	۴		باب: ۱۲	
523			516	ایلاء میں زہانی رجوع کرنا	۳۵
523	حل لغات	۵	516	حل لغات	۳۶
523	شدید عصر کی حالت میں نذر کا حکم	۶		ایلاء میں عذر کی صورت میں زہان سے رجوع کر لینا کافی ہے	۳۷
	باب: ۳		516		
524	لغو قسم کا بیان	۷		باب: ۱۳	
524	حل لغات	۸	517	عورت کے مال کے عوض خاوند سے طلاق لینا	۳۸
525	یحیٰ بن غنوس اور غنوس کی اقسام کی توضیح	۹	517	حل لغات	۳۹
	باب: ۴		517	خلع کی طلاق کا ثبوت	۴۰

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۱۰	قسم میں ان شاء اللہ کہنے کا حکم	525	۱۸	غیر مسلم ذی کی جان مال اور آبرو کی حفاظت	538
۱۱	عمل لغات	526		مسلمان حکمران کی امداد داری ہے	538
۱۲	قسم کے بعد متصل ان شاء اللہ کہنے کا حکم	526		۱۶۔ کتاب الجہاد	538
	۱۵۔ کتاب الحنود	527		باب: ۱	
	باب: ۱			جہادین کی عورتوں کی حرمت	538
۱	شراب، جہاد اور دیگر چیزوں کی حرمت	527	۲	عمل لغات	539
۲	عمل لغات	527	۳	جہادین کے اہل و عیال اور مال کی حفاظت فرض ہے	539
۳	شراب، جہاد، نیز آلات غناہ کی حرمت کے دلائل	527			
	باب: ۲			باب: ۲	
۴	شراب نوشی اور چوری کرنے کی سزا	528	۴	لشکر کو بھیجے وقت اہم امور کی وصیت	539
۵	عمل لغات	530	۵	عمل لغات	540
۶	شرابی کی سزا کے بارے میں چند ضروری احکام	531	۶	امیر لشکر کو اہم امور کی تاکید	541
	باب: ۳			باب: ۳	
۷	ہاتھ کاٹنے کی مالیت کا بیان	531	۷	مظلہ کرنے کی ممانعت	541
۸	عمل لغات	532	۸	عمل لغات	541
۹	چور کے ہاتھ کاٹنے کی حکمت	532	۹	قبیلہ، عشق اور عربہ کے مرتدوں کے مظلہ کرنے کی وجہ	541
	باب: ۴			باب: ۴	
۱۰	شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں	533		باب: ۴	
۱۱	عمل لغات	533	۱۰	بالغ ہونے کی علامت	542
۱۲	حدود اللہ کے نفاذ میں احتیاط کی تاکید	533	۱۱	عمل لغات	543
	باب: ۵		۱۲	بخور خطہ کی عہد شکنی	543
۱۳	شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا	533		باب: ۵	
۱۴	عمل لغات	536	۱۳	لاش کے بدلے میں مال لینا جائز نہیں	544
۱۵	رجم کرنے کے دلائل	536	۱۴	عمل لغات	544
	باب: ۶		۱۵	مردے کو فروخت کرنے کی ممانعت کی وجوہات	544
۱۶	مسلمان کو ذی کے بدلے میں قتل کرنے کا حکم	537		باب: ۶	
۱۷	عمل لغات	538	۱۶	مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے غصے کو فروخت کرنے	

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
	کی ممانعت	545	۱۶	ہم جنس اور نقد لین دین میں سود کی حرمت	551
۱۷	حل لغات	545	۱۷	حل لغات	552
۱۸	مال قیمت تقسیم کرنے سے پہلے فروخت کرنا منع ہے		۱۸	ربا الفضل کی ایک علت قدر کی بحث	552
			۱۹	سود کی حرمت کی حکمتیں	553
	۱۷ - مَنَاقِبُ النَّبِيِّ	546		باب: ۲	
	باب: ۱		۲۰	دو غلاموں کو ایک غلام کے عوض خریدنا	553
۱	مشتبہ چیزوں سے بچنے کا بیان	546	۲۱	ربا الفضل کی علت قدر پر دوسری بحث	553
۲	حل لغات	546		باب: ۸	
۳	مشتبہ چیزوں سے بچنے کی تاکید	546	۲۲	اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے غلہ فروخت کرنا جائز نہیں	555
	باب: ۲		۲۳	حل لغات	555
۴	شراب اور اس کے کارندوں کے ملعون ہونے کا بیان	547	۲۴	قبضہ سے پہلے فروخت کی ممانعت میں ائمہ اربعہ کا اختلاف	555
۵	حل لغات	547		باب: ۹	
۶	شراب کے نجس ہونے پر اجماع	548	۲۵	دھوکے کی خرید و فروخت سے ممانعت	556
	باب: ۳		۲۶	حل لغات	556
۷	شراب اور چربی کو فروخت کرنے کی حرمت	548	۲۷	بیع فرار کی توضیح	556
۸	حل لغات	548		باب: ۱۰	
۹	شراب کی فروخت کی ممانعت کے دلائل	548	۲۸	حرابہ اور حاقہ کی بیع سے ممانعت	557
	باب: ۴		۲۹	بیع حرابہ اور حاقہ کا مفہوم	557
۱۰	سود کھانے والے پر لعنت	549		باب: ۱۱	
۱۱	حل لغات	549	۳۰	بھلوں کو تیار ہونے سے پہلے فروخت کرنا منع ہے	557
۱۲	سود کھانے کے نقصانات		۳۱	حل لغات	558
	باب: ۵		۳۲	باقعات کے بھلوں کی مرؤۃ بیع کا شرعی حکم	558
۱۳	ادھار میں سود کی حرمت	550	۳۳	بھلوں کے ظہور سے پہلے بیع کا حل	558
۱۴	حل لغات	551	۳۴	باغ کے بھلوں کی مرؤۃ بیع میں بھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کا حل	560
۱۵	سود کی اقسام اور اس کی توضیح	551			
	باب: ۶				

صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان	باب
568	باب: ۱۷		561	باب: ۱۲	
568	تنگ دست کو مہلت دینا	۵۴	561	بچہ نہ کردہ سمجھور کا پھل پانچ کا ہوگا	۳۵
568	حل لغات	۵۵	561	حل لغات	۳۶
568	زری کے فوائد	۵۶	561	پھل دار درختوں کی فروخت میں اس کا موقف	۳۷
569	باب: ۱۸		562	باب: ۱۳	
569	خرید و فروخت میں دھوکہ دہی کی مذمت	۵۷	562	زرخ پر زرخ لگانے کی ممانعت	۳۸
569	حل لغات	۵۸	562	حل لغات	۳۹
569	دھوکہ دینے کی مذمت	۵۹	562	کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کی ممانعت	۴۰
569	باب: ۱۹		563	باب: ۱۴	
570	سب سے پہلے دیناروں کو ڈھالنے والا	۶۰	564	اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر خریداری کرنا	۴۱
570	حل لغات	۶۱	564	حل لغات	۴۲
570	یمن کے قحط ابو کرب اسعد حمیری کا اسلام	۶۲	564	اللہ تعالیٰ پر توکل کے فوائد	۴۳
570	۱۸ - كِتَابُ الرِّهْنِ		564	باب: ۱۵	
571	حل لغات	۱	565	حکاری سکتے کی قیمت لینے میں رخصت	۴۴
571	رہن کا سنی اور شہوت	۲	565	حکاری سکتے کی قیمت کا جواز اور کتنا رکھنے یا نہ رکھنے	۴۵
571	۱۹ - كِتَابُ الشُّفْعَةِ		565	کا حکم	
572	شفعہ کے مسائل	۱	565	سکون کو قتل کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء	۴۶
573	فائدہ	۲	565	گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں فقہاء کا موقف	۴۷
573	باب: ۲۰		565	حکاری سکتے کی قیمت وصول کرنے کے جواز میں	۴۸
573	اپنے پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھنے کا جواز	۳	565	احادیث	
573	حل لغات	۴	566	باب: ۱۶	
574	پڑوسی کے حقوق	۵	566	بیچ میں دو شرطوں کی ممانعت	۴۹
575	۲۰ - كِتَابُ الْمُرَاةَةِ		566	حل لغات	۵۰
575	حل لغات	۱	567	چار اقسام کی بیچ ممنوع ہے	۵۱
575	زمینوں اور باغات کو بیٹائی پر دینے کا جواز	۲	567	حل لغات	۵۲
577	حل لغات	۳	567	خرید و فروخت میں فاسد شرط کی ممانعت	۵۳
577	باغبانی اور کاشت کاری کرانے کے عقلی دلائل	۴			

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
	باب: ۶		۵۷۸	۲۱۔ مکتب الفضائل	
584	نبی کریم ﷺ کی تواضع	۱۶		باب: ۱	
584	حل لغات	۱۷		۱	وفات کے وقت نبی کریم ﷺ اور شیخین کی عمر کا بیان
585	نبی کریم ﷺ کی تواضع کا جامع	۱۸	578		
	باب: ۷		578	۲	حل لغات
585	نبی کریم ﷺ کے مرض کا بیان	۱۹		۳	آپ ﷺ کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال کی توجیہ
586	حل لغات	۲۰	578		
	دوران مرض سہارا دینے والوں کے متعلق مختلف روایات میں تطبیق	۲۱		باب: ۲	
586			579	۴	نبی کریم ﷺ کو خوشبو سے پچان لیا جاتا ہے
	باب: ۸		579	۵	حل لغات
587	نبی کریم ﷺ کی وفات	۲۲		۶	رسول اللہ ﷺ کا جسم اقدس اور پسینہ خوشبودار
588	حل لغات	۲۳	580		تھے
	مرض کی ابتداء تاریخ وصال آخری وصیت اور غسل کی فضیلت	۲۴		۷	انبیاء سابقین علیہم السلام کے اعتبار سے آپ کے خصائص
588			581		
	باب: ۹			باب: ۳	
589	حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل	۲۵		۸	قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دے دینا ادائیگی کا حسن ہے
589	حل لغات	۲۶	581		
589	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مختصر سیرت و شان	۲۷	581	۹	حل لغات
590	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مختصر سیرت و شان	۲۸		۱۰	قرض ادا کرتے وقت کچھ زائد دینے کا ثبوت اور اس کی حکمتیں
	باب: ۱۰		581		
	حضرت عمار اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے فضائل	۲۹		باب: ۴	
591			582	۱۱	نبی کریم ﷺ کی پھلی ریشم سے زیادہ نرم تھی
591	حل لغات	۳۰	582	۱۲	حل لغات
591	حضرت ابوبکر و عمر کی سیادت	۳۱	582	۱۳	نبی کریم ﷺ کے فضائل کا تذکرہ
592	حضرت عمار بن یاسر	۳۲			باب: ۵
592	حضرت عبداللہ ابن مسعود	۳۳	583	۱۴	نبی کریم ﷺ کے اخلاق کا بیان
	باب: ۱۱		583	۱۵	نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمات کی عظمت

باب	عنوان	صفحہ	آپ	عنوان	صفحہ
۳۴	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل	593		باب: ۱۸	
۳۵	حل لغات	594	۵۵	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل	608
۳۶	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مختصر سوانح حیات	594	۵۶	حل لغات	611
	باب: ۱۲		۵۷	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان	611
۳۷	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل	596		باب: ۱۹	
۳۸	سب سے پہلے کون اسلام لایا؟	596	۵۸	حضرت عامر غصی کی فضیلت	612
۳۹	حل لغات	597	۵۹	حل لغات	612
۴۰	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مختصر سیرت و شان	597	۶۰	حضرت عامر غصی کے فضائل	612
	باب: ۱۳			باب: ۲۰	
۴۱	حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے فضائل	599	۶۱	حضرت ابراہیم خلیفہ اور حضرت علقم بن قیس اور حضرت	
۴۲	حضرت امیر حمزہ کی سیرت و شان	599		عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان	613
	باب: ۱۴		۶۲	کامل شاگرد اور کامل مرید کی پہچان	613
۴۳	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے فضائل	600		باب: ۲۱	
۴۴	حل لغات	600	۶۳	امام ابوحنیفہ کے مشائخ میں سے بعض اکابر کا بیان	
۴۵	حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی سیرت و عظمت	600		کا تذکرہ	613
	باب: ۱۵		۶۴	حل لغات	614
۴۶	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضائل	601	۶۵	امام ابوحنیفہ کے مشائخ کا تذکرہ	614
۴۷	حل لغات	604		۲۲ - کتاب فضائل ائمہ رضی اللہ عنہم	617
۴۸	حضرت عبداللہ بن مسعود کے محاسن	604	۱	حل لغات	618
	باب: ۱۶		۲	اس امجد مرحوم کی مزید شان	618
۴۹	حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی فضیلت	605		باب: ۱	
۵۰	حل لغات	606	۳	دو تہائی جنتی آپ رضی اللہ عنہ کی امت سے ہوں گے	618
۵۱	حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے محاسن	606	۴	حل لغات	619
	باب: ۱۷		۵	آپ رضی اللہ عنہ کی امت کی عظمت	619
۵۲	حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی فضیلت	607		باب: ۲	
۵۳	حل لغات	607	۶	یہ امت کس طرح ناز ہوگی؟	619
۵۴	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مناقب	608	۷	حل لغات	620

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۸	بابی قتل و غارت کی نحوست	620	۱۹	مسئلہ	628
	۲۳- کِتَابُ الْأَمْوَاعِ			باب: ۶	
	وَالْأَشْرَبَةُ وَالضَّحَلِيَا		۲۰	مچلی کھانے کا حکم	628
	وَالصَّيْدُ وَالذَّبَابُ		۲۱	حل لغات	628
۱	حل لغات	621	۲۲	مچلی کے حلال ہونے کا ثبوت	628
۲	حرام جانوروں کی نشان دہی	621		باب: ۷	
	باب: ۱		۲۳	بڑی کے کھانے کا جواز	629
۳	گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے کی ممانعت	622	۲۴	حل لغات	629
۴	حل لغات	622	۲۵	بڑی کے حلال ہونے پر اجماع	629
	باب: ۲			باب: ۸	
۵	زمین کے کیزے کوڑے کی حرمت کا بیان	623	۲۶	خطراری ذبح کا بیان	629
۶	حل لغات	623	۲۷	حل لغات	630
۷	عبداللہ بن سہاء کا فتوہ	623	۲۸	ذبح کی اقسام	630
۸	مشرات الارض کے حرمت کی حکمتیں	623	۲۹	ذکا خطراری کی تعریف	630
	باب: ۳			باب: ۹	
۹	مینڈک کو مارنے کی ممانعت	624	۳۰	جانور کو تیر اندازی کا نشانہ بنانے سے ممانعت	631
۱۰	حل لغات	624	۳۱	حل لغات	631
۱۱	مینڈک کے حرام ہونے کی علت	624	۳۲	جانوروں پر ظلم کی ممانعت	631
	باب: ۴			باب: ۱۰	
۱۲	گوہ کھانا مکروہ ہے	625	۳۳	پتھر کے ساتھ ذبح کرنے کا جواز	631
۱۳	حل لغات	625	۳۴	حل لغات	632
۱۴	گوہ کے متعلق چند انکشافات اور حرمت کے دلائل	625	۳۵	عورت کا ذبیحہ حلال ہے	632
	باب: ۵			باب: ۱۱	
۱۵	سدھائے ہوئے کتوں کے شکار کا بیان	626	۳۶	ذی الحج کے پہلے دس دنوں کی غنیمت	634
۱۶	حل لغات	627	۳۷	حل لغات	634
۱۷	تربیت یافتہ شکاری جانوروں کا شکار حلال ہے	627	۳۸	عشرہ ذی الحج کی عظمت	634
۱۸	شہن نزول	627		باب: ۱۲	

باب	صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان
۳۹	634	نہی کریم ﷺ کا اپنی امت کے لیے قربانی کرنا	۵۹	634	سونے چاندی کے برتن میں کھانے پینے اور ریشم پہننے سے ممانعت
۴۰	635	حل لغات	641		
۴۱	635	نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی کے فوائد	642	635	حل لغات
۴۲	635	صحیحہ ازل	642	635	سونے چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس کی ممانعت
۴۳	635	صحیحہ ثانی		635	باب: ۱۹
		باب: ۱۳	643	635	کدو کے برتن اور مہر مٹکے کے استعمال کی ممانعت
۴۴	636	نماز عید سے پہلے قربانی کر لینا	643	636	حل لغات
۴۵	636	حل لغات	644	636	ان برتنوں کے استعمال کی ممانعت منسوخ ہے
۴۶	636	نماز عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں		636	باب: ۲۰
		باب: ۱۴	644	636	قبروں کی زیارت، قربانی کے گوشت اور شراب کے برتنوں کے احکام
۴۷		تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت	645	637	حل لغات
		کی وجہ	645	638	زیارت قبور اور قربانی کے گوشت ذخیرہ کرنے کی اجازت
۴۸		حل لغات	645	638	باب: ۲۱
۴۹		قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے کی اجازت			باب: ۲۱
		باب: ۱۵	645	638	نہی پینے کا جوار
۵۰		سرکہ کی فضیلت	646	639	حل لغات
۵۱		حل لغات	646	639	نہی کا معنی، قائمہ پینے کی شرط اور جوار کا ثبوت
۵۲		ثقل کی ممانعت	647	61	جواب
		باب: ۱۶		639	باب: ۲۲
۵۳		کھانے میں کافرو مؤمن کے درمیان فرق	648	640	شراب اور ہر نشہ آور مشروب حرام ہے
۵۴		حل لغات	648	640	خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت میں اختلاف
۵۵		زیادہ کھانا کھانے کے نقصانات	648	640	خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کی قلیل مقدار کے جواز پر قرآن مجید سے استدلال
		باب: ۱۷		641	باب: ۲۳
۵۶		نیک لگا کر کھانے کی ممانعت	648	641	شراب پینے اس کی خرید و فروخت کرنے اور اس کی
۵۷		حل لغات		641	
۵۸		کھانا کھانے کے مکروہ طریقے			باب: ۱۸

صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان	باب
657	حل لغات	۱۷	650	قیمت کھانے کی حرمت	
	اپنے بالوں میں دوسرے کے بال ملانے کی حرمت	۱۸	650	حل لغات	۷۶
657	کی وجہ			شراب پینا فروخت کرنا خریدنا اور اس کی قیمت لینا حرام ہے	۷۷
	۲۵۔ کِتَابُ الْحَبِّ وَفَضْلِ	650			
658	الْمَرَضِ وَالرُّقِيِّ وَالِدَعْوَاتِ	651		۲۴۔ کِتَابُ اللَّيْكِسِ وَالزَّيْنَةِ	
	باب: ۱			باب: ۱	
658	بیمار کو بیماری پر اجر و ثواب ملنے کا بیان	۱	651	ٹوپی پہننے کا ثبوت	۱
659	حل لغات	۲	651	حل لغات	۲
659	جسمانی بیماریاں بشرط صبر اجر و ثواب کا باعث ہیں	۳	651	ٹوپی اور عمامہ پہننے کا استحباب	۳
	باب: ۲			باب: ۲	
660	بیماری کے لیے دوا ہے	۴	652	بدن پر کپڑا لٹکانے کی کراہت	۴
661	حل لغات	۵	652	حل لغات	۵
	دوا سے بیماری کا علاج کرنا مسنون ہے مگر شافی	۶	652	سندل کی کراہت کا ثبوت	۶
661	صرف اللہ تعالیٰ ہے			باب: ۳	
	باب: ۳		653	ریشم پہننے کی ممانعت	۷
662	پانچ چیزوں میں شفاء ہے	۷	653	دنیا میں مردوں کے لیے ریشم پہننا حرام	۸
662	حل لغات	۸		باب: ۴	
662	اللہ تعالیٰ نے ادویات کو شفاء کا ذریعہ بنایا ہے	۹	654	گھر سے تصویروں کو مٹانا اور کتے کو نکالنا	۹
	باب: ۴		654	حل لغات	۱۰
663	اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنے کا وظیفہ	۱۰	654	تصویر اور کتے کی محسوس	۱۱
663	حل لغات	۱۱		باب: ۵	
664	اللہ تعالیٰ کی پناہ میں نجات ہے	۱۲	655	بالوں کو مہندی اور سرمہ سے خضاب کرنا	۱۲
	باب: ۵		656	حل لغات	۱۳
664	مریض کی عیادت کے وقت دعا کرنا	۱۳	656	سفید بالوں کے رنگنے میں اختلاف	۱۴
664	مریض کے لیے دعا کرنا سنت ہے	۱۴	658	خضاب لگانے میں مذہب اربعہ کا غلام	۱۵
	باب: ۶			باب: ۶	
	حلاوت سے بڑھ کر آزمائش کے درپے ہونے سے	۱۵	657	بالوں کے ساتھ بال ملانے کی ممانعت	۱۶

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
	ممانعت	665		باب: ۵	
۱۶	حل لغات	665	۱۲	نرمی اور حسن خلق کی فضیلت	673
۱۷	امیت سے بڑھ کر مشقت اٹھانا منع ہے	665	۱۳	حل لغات	674
	باب: ۷		۱۴	حسن خلق کا انعام جنت ہے	674
۱۸	صدقہ و استغفار کی کثرت سے بچوں کا حصول	666		باب: ۶	
۱۹	حل لغات	666	۱۵	نبی کریم ﷺ کے اخلاق اور صحابہ کے ساتھ تواضع اختیار کرنے کا ثبوت	674
۲۰	اولاد کے حصول کے لیے صدقہ اور استغفار کی کثرت کرنا	667	۱۶	حل لغات	675
	باب: ۸		۱۷	اخلاق نبوی ﷺ کی جھلک	675
۲۱	مغفرت و سلامتی کا بیان	667		باب: ۷	
۲۲	مغفرت و سلامتی طلب کرنے کی ترتیب	668	۱۸	عورتوں کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز نہیں	676
	۲۶ - کتاب الکاف	668	۱۹	عورتوں سے بیعت کا طریقہ	676
	باب: ۱			باب: ۸	
۱	ماں باپ کے حقوق	668	۲۰	جو مسلمان کی معذرت قبول نہ کرے وہ گناہ گار ہے	677
۲	حل لغات	669	۲۱	حل لغات	677
۳	والدین کے حقوق کی اہمیت	669	۲۲	معاف کرنے کی فضیلت	678
	باب: ۲			باب: ۹	
۴	ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا حکم	670	۲۳	خوشہقول نہ کرنے کی ممانعت	678
۵	کن کے ساتھ خیر خواہی کرنا واجب ہے؟	670	۲۴	حل لغات	679
	باب: ۳		۲۵	ہدیہ اور خوشہقول کرنا مستحب عمل ہے	679
۶	بزرگی اور بڑائی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے	671		باب: ۱۰	
۷	حل لغات	671	۲۶	ستاروں میں غور و فکر کرنے سے ممانعت	679
۸	کبریائی اور عظمت اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات ہیں	672	۲۷	حل لغات	680
	باب: ۴		۲۸	ستاروں میں غور و فکر کرنے کی ممانعت کی وجہ	680
۹	تکبر کی مذمت	672		باب: ۱۱	
۱۰	حل لغات	672	۲۹	بغیر تہجد حمام میں داخل ہونے کی ممانعت	681
۱۱	تکبر کرنے کا انجام دوزخ کا عذاب ہے	672	۳۰	حل لغات	681

صفحہ	عنوان	باب	صفحہ	عنوان	باب
688	طرح ہوتا ہے		681	نگاہانے کی ممانعت کی حکمت	۳۱
689	حل لغات	۵۱		جلب: ۱۲	
689	نگی کی تبلیغ و تلقین کرنے کے فوائد	۵۲	681	پسندیدہ ناموں کا بیان	۳۲
	جلب: ۱۹		682	بیارے نام رکھنا	۳۳
690	افضل جہاد کا ذکر	۵۳		جلب: ۱۳	
690	حق بات کہنا افضل جہاد ہے	۵۳	682	نگی کی تعریف اور گناہ کی بُرائی	۳۴
	جلب: ۲۰		682	حل لغات	۳۵
691	ایچھے مشورہ کی اہمیت	۵۵	682	نگی اور گناہ کا انجام	۳۶
691	حل لغات	۵۶		جلب: ۱۴	
691	مشورہ کی اہمیت	۵۷	683	آداب مجلس کا ذکر	۳۷
	جلب: ۲۱		683	حل لغات	۳۸
692	باہمی محبت میں مسلمانوں کی مثال	۵۸	683	آداب مجلس کے مسائل	۳۹
692	حل لغات	۵۹	683	شانِ نزول	۴۰
692	مسلمانوں کی باہمی محبت و مودت	۶۰		جلب: ۱۵	
	جلب: ۲۲		684	اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کا شکر ادا کرنا	۴۱
693	پڑوسی کے حق میں حضرت جبریل علیہ السلام کی نصیحت	۶۱	684	حل لغات	۴۲
694	حل لغات	۶۲	684	شکر ادا کرنے کی فضیلت	۴۳
694	پڑوسی اور شب بیداری کی فضیلت	۶۳		جلب: ۱۶	
	جلب: ۲۳		685	علم و زیادتی کی ممانعت	۴۴
695	مظلوم کی فریادری کرنا	۶۴	685	حل لغات	۴۵
695	حل لغات	۶۵	685	علم کے نقصانات	۴۶
695	مظلوم کی بددعا سے بچنا	۶۶		جلب: ۱۷	
	جلب: ۲۴		686	مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال کو لینے کا حکم	۴۷
696	زمانہ کوڑا کہنے کی ممانعت	۶۷	687	حل لغات	۴۸
696	حل لغات	۶۸	687	اس حدیث کے فوائد	۴۹
696	زمانہ کوڑا نہ کہنے کی وجوہات	۶۹		جلب: ۱۸	
	جلب: ۲۵			نگی کی رضائی کرنے والا نگی کرنے والے کی	۵۰

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۷۰	محبت کی تاثیر کا بیان	697	باب: ۱		
۷۱	حل لغات	697	۱	مسلمان کا خون معاف کرنے پر جنت کا ملنا	706
۷۲	اس حدیث کی تائید و تصدیق	697	۲	حل لغات	706
۷۳	امام ابو حنیفہ کی ملاقات پر اعتراض کا جواب	698	۳	معاف کرنے کے عبادت کی مشقت پر صبر کرنے اور	
۷۴	"الحب" کی توضیح	698		اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرے گا انعام	707
	باب: ۲۶				
۷۵	کسی کی مصیبت پر خوش ہونے کی ممانعت	699	۴	اول کتاب کی وصیت (خون بہا) کا بیان	707
۷۶	حل لغات	699	۵	وصیت کا معنی اور اس کے احکام	707
۷۷	کسی مصیبت زدہ آدمی کی مدد کرنے کے فوائد	699		باب: ۳	
	۲۷- کِتَابُ الرِّفْقِ	700	۶	زوجوں میں قصاص لینے کا وقت	709
	باب: ۱		۷	حل لغات	709
۱	اعمال کا دار و مدار دل پر ہے	700	۸	احکام کے دلائل	709
۲	حل لغات	700		۲۹- کِتَابُ الْأَحْکَامِ	710
۳	دل کا تعارف اور اس کی اہمیت	700		باب: ۱	
۴	(۱) قلب سلیم	702	۱	حکومت کی اہمیت و ذمہ داری کا بیان	710
۵	(۲) قلب شہید	702	۲	حل لغات	711
۶	(۳) قلب مجاز	702	۳	حکومت و قضاہ ماہم و ذمہ داری اور امانت ہے	711
۷	(۴) قلب خیب	702		باب: ۲	
	باب: ۲		۴	قیامت کے دن عادل بادشاہ سب سے زیادہ بلند	
۸	نبی کریم ﷺ کی گزارشات کا بیان	703		درجہ پر فائز ہوگا	713
۹	حل لغات	703	۵	عادل بادشاہ کی فضیلت	713
۱۰	رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہت سادہ تھی	703		باب: ۳	
	باب: ۳		۶	قاضیوں کی تین اقسام ہیں	713
۱۱	سب سے زیادہ آزمائش والے انسان	704	۷	حل لغات	714
۱۲	حل لغات	705	۸	منصب قضاہ کی اہمیت	714
۱۳	رسول اللہ ﷺ کے اختیاری فقر کی محکم	705		باب: ۴	
	۲۸- کِتَابُ الْجَنَائِزَاتِ	706	۹	حاکم غضب کی حالت میں فیصلہ نہ کرے	715

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۱۰	ملفوظات	715	۴	قیامت سے پہلے میں کذاب ہوں گے	724
۱۱	حالت غضب میں فیصلہ کرنے کی ممانعت کی وجہ	715	۵	ملفوظات	725
	باب: ۵		۶	نبوت کے دعویدار میں جھوٹے دجال ہوں گے	726
۱۲	تین مقصودوں سے قلم اٹھایا گیا ہے	716		باب: ۳	
۱۳	ملفوظات	716	۷	زمانے کی سختی کی وجہ سے لوگ موت کی آرزو کریں گے	726
۱۴	بچوں اور نابالغ بچہ کے مختلف نہ ہونے کی وجہ	717		ملفوظات	727
	باب: ۶		۸	قرب قیامت میں فتنوں کی کثرت کی وجہ سے	727
۱۵	مدنی علیہ رحمۃ اللہ نے کار زیادہ حق دار ہے	717	۹	موت کی تمنا	727
۱۶	ملفوظات	718		۱۳ - کِتَابُ التَّقْوِيَةِ	727
۱۷	مدنی پر گواہ اور مدنی علیہ رحمۃ اللہ کا وجہ	718		باب: ۱	
۱۸	مدنی پر گواہ اور مدنی علیہ رحمۃ اللہ کے لڑم کی حکمت	719		۱ - اَلْم کے معنی کا بیان	727
	باب: ۲		۱	حروف مقطعات کے معانی کی تحقیق	727
۱۹	فریہ و خروشت کرنے و دلائل کے باہمی اختلاف کا حکم	719	۲	باب: ۲	
۲۰	ملفوظات	721	۳	حضرت یوسف علیہ السلام کے احسان کا معنی	729
۲۱	ہائع اور مشتری کے درمیان اختلاف کی صورت میں ہائع کی بات مستبر ہوگی	721	۴	ملفوظات	730
	باب: ۸		۵	حضرت یوسف علیہ السلام کے احسان کی وضاحت	730
۲۲	تنازع مملوک کا بعض کی ہوگی	722		باب: ۳	
۲۳	ملفوظات	723	۶	مؤمن کی ہمسرت کا بیان	730
۲۴	ہائع اور مشتری کے درمیان تنازع صورت میں	723	۷	ملفوظات	730
	۳۰ - کِتَابُ الْفَقْرِ	724	۸	فراست کے مختلف معانی	730
	باب: ۱			باب: ۴	
۱	میری امت پر تلواریں چلانے والا دوزخی ہے		۱۱	قیامت کے دن لوگوں سے لکھ لکھ کے تعلق	731
۲	ملفوظات	724	۱۰	سوال کیا جائے گا	731
۳	مسلمان کو عہد قتل کرنے والا دوزخی ہے	724		قیامت کے دن لوگوں سے سوال کرنے یا نہ کرنے کی آیات میں تطبیق	732
	باب: ۲			باب: ۵	

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۱۱	حضرت جریر بن عطیہؓ کے نزول کی رکاوٹ کا بیان	733	۳۰	حضرت امیر حمزہؓ کی شان	741
۱۲	حل لغات	733		باب: ۱۲	
۱۳	حضرت جریر بن عطیہؓ کے نزول کا ضابطہ	733	۳۱	اہل ایمان کے لیے شفاعت	742
	باب: ۶		۳۲	حل لغات	743
۱۴	حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بُرائی	734	۳۳	شفاعت کی اہمیت	743
۱۵	حل لغات	734		باب: ۱۳	
۱۶	حضرت لوط علیہ السلام کی باغریبان قوم کی چند گمانوں کی بُرائی	734	۳۴	حب کے معنی کا بیان	744
	باب: ۷		۳۵	حب کی مقدار میں اختلاف	744
۱۷	تکلف کی قراءت	734		باب: ۱۴	
۱۸	حل لغات	735	۳۷	حشی کے معنی کا بیان	745
۱۹	”ضعف“ میں دو قراءتیں ہیں	735	۳۷	”وَمَلَأْنِي بِالنَّحْسِ“ سے توحید و رسالت کی تصدیق مراد ہے	745
	باب: ۸		۳۸	حشی کے حدود و صدق	745
۲۰	قیامت کی بعض علامات گزر چکی ہیں	735		۳۲- بَيِّنَاتُ الْوَصَلِيَّةِ	
۲۱	حل لغات	735		وَالْفَوَائِضِ	746
۲۲	قیامت کی علامت دعوئیں کے ظہور میں اختلاف	735	۱	حل لغات	747
	باب: ۹		۲	درغاء کے علاوہ باقی قرابت داروں کے لیے ایک	
۲۳	اولاد آدمی کی کمائی ہوتی ہے	737		تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے	747
۲۴	محنت و کمائی اور اولاد کی اہمیت	737		باب: ۱	
	باب: ۱۰		۳	کیا مسلمان نصرانی کا وارث بن سکتا ہے	748
۲۵	اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا بیان	738	۴	حل لغات	748
۲۶	حل لغات	738	۵	وراثت کے لیے اتحاد و بن ضروری ہے	748
۲۷	قرآن مجید کی آیت اور حدیث کے چند جملوں کی وضاحت			باب: ۲	
	باب: ۱۱		۶	وراثت ذوی الفروض کو دیتا	749
۲۸	حضرت وحشی کے اسلام قبول کرنے کی کیفیت	739	۷	حل لغات	749
۲۹	حل لغات	741	۸	وراثت کی تقسیم کا طریقہ	749
				باب: ۳	

باب	عنوان	صفحہ	باب	عنوان	صفحہ
۹	آزاد کردہ غلام کی میراث کا حکم	749			
۱۰	مذکورہ بالا تقسیم کی وجہ	750			
	باب: ۴				
۱۱	جیم کا مال ناحق کھانا علم ہے	750			
۱۲	علم لغات	750			
۱۳	جیم کے متعلمین کے لیے تخفیف	751			
	باب: ۵				
۱۴	جیم کب تک رہتا ہے	751			
۱۵	علم لغات	751			
۱۶	جیم بلوغت تک ہے	752			
	۳۳- کِتَابُ التَّوْبَةِ				
	وَصِفَةُ الْجَنَّةِ	752			
۱	قیامت کا دن کفار کے لیے حسرت و عذاب کا دن				
	ہرگز	753			
	باب: ۱				
۲	جنت کے ایک شہر اور حوروں کی صفات	754			
۳	علم لغات	755			
۴	جنت اور حوروں کی صفات	755			
۵	انکسار فکر	756			
	❀❀❀❀❀				

راہِ اہل علم و قلم اور ادباء اور فصحاء زمانہ کی خدمات حاصل کر کے نہایت اعلیٰ اور عمدہ معیار کی کتب اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے۔ مثلاً فرید بک شال نے چند تجربہ کار کہنے مشق راہِ اہل علم اکابر علماء شیعہ القرآن و الحدیث والفقہ عقلیات و تعلیمات کے ماہرین، مجھے ہوئے ادباء بلقاء فصحاء مفسرین، محدثین، مفتیان اور ادب و لسانیات عربی، فارسی اور اردو کے اساتذہ زمانہ کے اسمائے گرامی ذکر کے جاتے ہیں تاکہ قارئین کو یقین ہو جائے کہ ہمارا دعویٰ جی برحق ہے۔

نام..... تصنیف	نام..... مترجم، شارح، مصنف
تہذیب ابو شکور سامی	تصنیف: امام اہل سنت علامہ ابو شکور محمد بن عبدالسعد سامی مترجم: مفتی اعظم پاکستان علامہ ابو البرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ
تفسیر ابن عباس	ترجمہ کنز الایمان تسہیل مع تفسیر ابن عباس اردو ترجمہ از عبدالمتکبر بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ، تسہیل: مفتی عزیز احمد قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۱) کشف المحجوب (۲) فتوح الغیب (۳) انفاس العارفين (۴) جامع العلوم (۵) الطائف القدس (۶) جام عرفان	مترجم: حضرت علامہ مولانا سید محمد فاروق القادری ایم۔ اے
(۱) تہیان القرآن (۲) شرح صحیح مسلم (۳) نعمۃ الہاری شرح صحیح البخاری (۴) مقالات سعیدی (۵) تذکرہ الحمدین (۶) توحیح الہیان (۷) معاشرے کے ناسوز (۸) ذکر الحج (۹) مقام ولایت و نبوت	دور حاضر کے عظیم مفسر، محدث، فقیہ، اصولی، متقویٰ مدرس ہے نظیر حضرت علامہ مولانا قلام رسول سعیدی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۱) الوفا بحوالہ المعطوف علیہ السلام (۲) شواہد الحق	مترجم: عبدالاکبر، جامع معقول و منقول شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی قدس سرہ البحرین
شرح مشکوٰۃ (ترجمہ و تفسیر المباحث) جلد چہارم، پنجم	مترجم: شیخ الحدیث، مصنف کثیرہ ماہر عربی، فارسی، اردو کے مصنف و ادیب حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ
(۱) سنن جامع ترمذی (۲) طحاوی شریف (۳) ریاض الصالحین (۴) غنیۃ الطالبین (۵) کتاب الکبائر (۶) الامام الانہام	کہنے مشق ادیب مصنف و مترجم کثیرہ حضرت علامہ شیخ الحدیث مفتی محمد صدیقی ہزاروی دامت برکاتہم العالیہ
تحفہ عقائد اہل سنت	مترجم: علامہ مولانا ظہیر الدین قادری
فیوض غوثیہ دانی ترجمہ (فتح الربانی)	مولانا مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۱) تفسیر مدارک المتعزلی (۲) شرح مستدام اعظم	مترجم و شارح: علامہ مولانا حافظ واحد بخش غوثی مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: مولانا الحاج محمد غفران شاہ قسری صاحب	مولا امام محمد
شارح: شیخ الحدیث علامہ محمد علی قدس سرہ	شرح مولا امام محمد
مترجم: اراچا رشید محمود ایم۔ اے	(۱) انصاف الکبریٰ (۲) تعبیر الرویا
مترجم: قاضی سجاد حسین	(۱) مثنوی مولانا روم (۲) دیوان حافظ

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے محبوب کریم ﷺ کی نگاہ کرم کے صدقے میں یہ سعادت ادارہ کے لیے مقدر فرمادی۔ ادارہ اس سعادت ازلی کے پختوں سے نصیب ہونے پر اپنے خالق و مالک کا جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے اور ادارہ فرید بک سٹال اشاعت علم کے شعبہ میں کوئی نو وارد نہیں ہے بلکہ تین پشتوں سے طباعت و اشاعت کا جذبہ کی پستی تجربہ اور مہارت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کے اس ادارہ فرید بک سٹال رحمانیہ کتب کی مطبوعات پورے عالم اسلام میں شرفاً فرما رہا ہے۔ مثلاً جنوبی دنیا بھر میں قارئین کے ہاں مقبولیت کا شرف حاصل کر چکی ہیں اور قارئین اس کی مطبوعات کو ترجیح دیتے ہیں اور بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

والحمد لله علی ذلك

کسی مصنف کی تصانیف یا کسی ادارہ اور ناشر کی عظمت و خوبی کا معیار یہ نہیں کہ اس نے کتنی کتابیں لکھیں اور چھاپیں بلکہ اس کا حقیقی معیار یہ ہے کہ اس کی تصانیف یا مطبوعات کس قدر معیاری، مستند، مفید اور معلومات افزا اور تحقیقی ہیں۔ فرید بک سٹال کی تقریباً تمام کتب مطلوبہ اس معیار اور پیمانے پر الحمد للہ پوری اترتی ہیں۔

آج کل معیار کے بجائے تعداد بڑھانے پر زیادہ توجہ ہے اس بارے افتخار عارف صاحب کا شعر ہے:

جیسے سب لکھتے رہتے ہیں نظمیں، غزلیں، گیت دیے لکھ لکھ کر انہار لگا سکتا ہوں میں کہنے کو کہتے ہیں: یہ نئے (جدید) موضوع پر کتاب ہے لیکن دیکھتے ہیں تو منظر یہ ہوتا ہے:

وہی فراق کی باتیں وہی حکایت وصل نئی کتاب کا اک اک ورق پہانا ہے

جب کہ فرید بک سٹال کی فقط ایک شرح صحیح مسلم شریف، نحمدہ الباری شرح صحیح بخاری شریف اور تہذیب القرآن کو ہی اگر دیکھ لیں تو ۳۵۰۳۰ موضوعات پر آپ کو عصر حاضر کے اہم ترین نئے اور جدید تحقیقی مقالات عقلی اور نقلی دلائل و براہین سے مزین پورے شرح وسط کے ساتھ مطالعہ کے لیے مل جائیں گے:

(۱) نوٹو گراف	(۲) ریڈیو	(۳) ٹی۔ وی
(۴) ویڈیو	(۵) ریل اور ہوائی جہاز میں نماز	(۶) پوسٹ مارٹم
(۷) ایلیو پیٹنک ادویہ	(۸) انتقال خون	(۹) اعضاء کی پیوند کاری
(۱۰) اسقاط حمل	(۱۱) خضبہ تولید	(۱۲) ٹیسٹ ٹیوب بے۔ بی
(۱۳) رذیت ہلال کا اعلان	(۱۴) بیمہ (انشورنس)	(۱۵) پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ
(۱۶) میعاد قرضوں کی ادائیگی پر زکوٰۃ	(۱۷) ٹیلی فون پر نکاح	(۱۸) اسلام میں کفو کی حیثیت
(۱۹) سود	(۲۰) حدود و تعزیرات	(۲۱) کاغذی کرنسی (نوٹ)
(۲۲) انصاف با طرز	(۲۳) بینک نوٹ	(۲۴) افراط زر کی پیچیدگیاں
(۲۵) عدالتی طلاق	(۲۶) ایک مجلس میں تین طلاقیں	(۲۷) قطبین میں روزے اور نماز کے احکام

(۲۸) مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات (۲۹) پاکستان اور دیگر بعید ممالک میں اختلاف رویت ہلال کے اثر سے
تلف احکام..... وغیرہم۔ (اللہ تعالیٰ مطالعہ کی توفیق دے۔ آمین)

مسند امام اعظم کے مترجم اور شارح کا مختصر تعارف

مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثی ۳۰ جون ۱۹۳۹ء کو مظفر گڑھ کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کے ابتدائی درجات اپنے علاقہ میں اور ڈیر غازی خان میں پڑھے بعد ازاں جب استاذ العلماء حضرت علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ کے متعلق علم منطق اور علم فلسفہ کا شہرہ سنا تو ان علوم کے حصول کے لیے جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہوڑا لاہور میں داخلہ لے لیا۔ علامہ صاحب سے آپ نے مرقات، شرح تہذیب، سلم العلوم، ملاحسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، ہدایہ الحکمت، سعیدی، صدر، شمس، ہازنہ، شرح جامی، شرح عبد الغفور، شرح الحقائق، خیالی، شرح غنیۃ الفکر، بیضاوی، جلالین، (نصف اول)، بخاری شریف، طحاوی شریف، صحیح مسلم شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ، ابوداؤد اور نسائی پڑھیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جامعہ نعیمیہ میں چند سال تدریس بھی کرتے رہے۔ اپنے استاد گرامی حضرت علامہ سعیدی صاحب کے مشورہ سے تفسیر مدارک التنزیل کا ترجمہ کیا جو فرید بک شال لاہور سے تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ [تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ تعالیٰ ج ۱ ص ۷، نساء القرآن، تبلیکیشن لاہور، کراچی]

شارح کی وفات

۵ فروری ۲۰۱۵ء / ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ بروز بدھ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“ اللہ تعالیٰ مولانا کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے لیے نبھات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو اللہ پاک کی عظیم نشانی اور آیت حضور خاتم الانبیاء علیہ السلام کی بشارت اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی دعا کا ثمر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنے کثیر فضائل و مناقب عظام و علم کی کمالات عظیمہ سے نوازا اور ہلال مال فرمایا ہے کہ آپ کے مناقب پڑھنے اور سننے والا آپ کا ذکر مبارک بار بار پڑھتا اور سنتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا اس کی پیاس نہیں بجھتی پھر کہتا ہے:

اعلم ذکر نعمان لسان ذکرہ هو المسک ما کررتہ یتصوع
”ہمارے سامنے نعمان کے ذکر کی تکرار کرو کیونکہ وہ مسک اور کستوری کی طرح مٹے گا جب تکرار کرو گے۔“
آپ کا ذکر کرنے والا آخر کہتا ہے:

نہ من برآں گل عارض غزل سرایم دہس کہ عنایب تو از ہر طرف ہزارانند
اس گل سرسبز کی مدح سرای میں ہزاروں عنایب کے رطب اللسان ہونے کے باوجود بھی بقول ہیدل رحمہ اللہ تعالیٰ صورت حال یہ ہے:

ہم عمر باقو قدح رویم و نہ رفت رخ عمار ما چہ قیاسی؟ کہ نمی ری دکھار ما بہ کنار ما
یعنی چہ شخص آگاہ گر یک دم رخت ما صد نظر غم ہوزم آردو باشد کہ یک بار دیگر غم
حضرت علامہ قلام رسول سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

حضرت امام الامام سراج الامة نعمان بن ثابت رحمہ اللہ تمام فقہاء اور مجتہدین کے رئیس ماہرین حدیث کے امام اور استاد دار فکھان شوق کے قبلہ عابدوں کے رہنما زاہدوں کے قائد سالار صوفیوں کے پیشوا۔ الغرض نبوت و صحابیت کے بعد ایک انسان میں جس قدر محاسن اور فضائل ہو سکتے ہیں وہ ان سب کے جامع بلکہ ان اوصاف میں سب کے لیے ہادی اور مقتدی تھے۔

امام ابوحنیفہ نے فقہ اسلامی کے جو اصول اور قوانین وضع کیے ان کو امت محمدیہ کی اکثریت نے قبول کیا اور اعزاز و افتخار کے ساتھ فقہ حنفی کے مقلد ہوئے بے شمار اصفیاء و اقیام آپ کے مسلک کے مؤید بنے اور بے شمار محدثین اور محققین نے آپ کے اصول اور قواعد کے مطابق فقہی جزئیات کی توضیح اور تشریح کی اور آج دنیا میں دو ٹکٹ سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی فقہ حنفی کے مطابق ہی اپنی عبادات اور معاملات کو انجام دے رہی ہے۔ [تذکرۃ المجتہدین طرہ یک مثال لاہور]

بارگاہ خداوندی میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام و مرتبہ

مولانا محمد ابراہیم میر سیال کوٹی حافظ عبدالمنان صاحب اہل حدیث و زیابادی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ حافظ صاحب ائمہ دین کا بہت ادب کرتے تھے چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ائمہ دین خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ

اچھا نہیں ہوتا۔ [امام ابو حنیفہ ص ۱۳۸ بحوالہ: تاریخ اہل حدیث ص ۳۳۸]

مولانا محمد ابراہیم صاحب میرسہال کوئی غیر مقلد کو حضرت امام اعظم سے کچھ بدعت کی سی پیدا ہو گئی۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں: جب میں نے اس مسئلہ کے لیے کتب مختلفہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کی تو کتب کتب کی درجہ گردانی سے میرے دل میں غبار سا آ گیا جس کا اثر فوری طور پر یہ ہوا کہ ایک دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا کیا ایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا گویا "ظلمات بعضها لولق بعض" کا نظارہ ہو گیا معا خداے میرے دل میں یہ ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب سے بدعتی کا نتیجہ ہے۔ اس سے استغفار کرو۔ میں نے کلمات استغفار کو دہرائی شروع کر دیا وہ اندھیرے کا فور ہو گئے ان کی بجائے ایسا نور چکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو بھی مات کر دیا اس وقت سے میری حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی اور ان شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرین معارج قدسیہ آنحضرت ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے۔

اَلْقَسَادُ وَ تَكَلُّفٌ مَا يُوَدَّ (الحج: ۱۲)

میں نے کچھ بیداری اور ہوشیاری میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔

[تاریخ اہل حدیث ص ۲۔ مقام ابو حنیفہ ص ۱۳۹] بحوالہ: اسرار حضرت امام اعظم رحمہ اللہ: تصنیف: ابوالحسن محمد محبوب الہی رضوی ادارہ معارف اہل

لاہور

مشہور غیر مقلد قاری محمد یحییٰ رسول مگرمی متولد ۱۹۳۵ء فیروز پوری قبا کستانی جامعا اسلامیہ (لاہور) کے رئیس شعبہ القرآن ایک اعتراف کے جوابات دیتے ہوئے بتاتے ہیں: ہم بحر العلوم کراچی پڑھتے تھے دورہ حدیث کے بڑے استاد علامہ محمد یوسف گلکٹوی جو ادارہ کے مہتمم بھی تھے آپ ہمیں پڑھاتے تھے موصوف بڑے عالم ہاٹل تھے۔

سائل: اس دوران کوئی حیرت ناک واقعہ پیش آیا تو بتائیے۔

جواب: قاری محمد یحییٰ رسول مگرمی بتاتے ہیں کہ ایک واقعہ یہ پیش آیا ہے کہ ایک طالب علم نے امام صاحب (حضرت سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ) کے بارے میں گستاخانہ الفاظ کہے۔ جب ہمارے استاد صاحب گلکٹے والے کو علم ہوا تو مولانا نے فرمایا کہ اس کو فوراً مدرسہ سے نکال دو کہیں اللہ کا عذاب نہ آجائے چنانچہ اسے فوراً مدرسہ سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ وہ طالب علم دماغی طبع پر مبنی نہ رہا اور پاگلوں کی طرح شہر میں چکر کاٹا رہتا۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے طرز عمل سے ہمیں بچائے۔ (آمین)

[ماہنامہ "رشد" لاہور جون ۲۰۰۹ء ص ۵۹۸]

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ..... اکابر علماء کی نظر میں

عبدالوہاب مروتی بیان کرتے ہیں کہ جب محدث شیعہ یعنی رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو ہم اکثر ان کی مجلس میں جایا کرتے تھے ان کی عادت شریفہ تھی کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کثرت سے تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک بار ہم نے کہا: حضرت! آپ کب تک ان کی تعریف دو صیف کریں گے ایسی باتیں بیان کیجئے جن سے ہمیں کچھ نفع ہو فرمایا: انفسو کہ تم لوگ ابو حنیفہ کے ذکر اور ان کے مناقب کو افضل لا محال نہیں سمجھتے اگر ان کو دیکھتے اور ان کے ساتھ بیٹھتے تو یہ بات کبھی نہ کہتے۔

حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ فاضل جامعہ ازہر (مصر) سرچشمہ ولایت حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی نسل پاک سے صاحب کشف و کرامت بزرگ حضرت شاہ ابوالخیر علیہ الرحمۃ کے فرزند صالح

ہیں آپ کی تصنیف لطیف ہے۔ [مطبوعہ: الفاروق بک فاؤنڈیشن لاہور]

سوانح..... امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت شاہ ابوالحسن فاروقی الازہری قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ بلاشبہ حضور اکرم ﷺ کا زندہ معجزہ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی کرامت تھے۔ امت مسلمہ پر آپ کا یہ احسان عظیم رہتی دنیا تک باقی رہے گا جو آپ نے فقہ فی الدین کے تعلق سے کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت امام نے اپنی کتابوں میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں پیش کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے آثار صحابہ کا انتخاب کیا ہے نیز تراوی (۸۳) ہزار مسائل بیان کیے ہیں جن میں سے اڑتیس (۳۸) ہزار عبادات کے باقی معاملات کے مسائل ہیں۔

[فیض الرسول اپریل مئی ۱۹۹۰ء بحوالہ: المجاہد المصنف ج ۲ ص ۷۲]

حضرت شاہ ابوالحسن الازہری صاحب مزید لکھتے ہیں:

سید امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت امام الائمہ سراج الائمہ رئیس العلماء والمجہدین سید الاولیاء والمحدثین منہج مصطفیٰ علیہ الخیر والثناء دعا ومرضی شیر خدا رضی اللہ عنہ الغرض نبوت اور صحابیت کے بعد کسی انسان میں جس قدر فضائل اور محاسن پائے جاسکتے ہیں آپ ان تمام اوصاف کے جامع اور رہنما تھے۔

نام و نسب

شرح حقہ نصاریٰ میں مولانا محمد گل نے لکھا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ ایران کے بادشاہ نو شیروان عادل کی اولاد میں سے ہیں۔ [از محمد فطاد باہن قصوری دامت برکاتہ بحوالہ: الولد امام اعظم رضا اکیڈمی لاہور]

تبرہ

اور نو شیروان حضرت اسحاق بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ اس طرح حضرت خلیل اللہ علیہ السلام پر حضرت سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی خاندانی نسبت حضور سید الاولین والآخرین علیہ السلام سے مل جاتی ہے جو آپ کی عظمت اور رفعت پر دلالت کرتی ہے۔

صحابیت کے بعد تابعیت سے بڑھ کر اسلام میں کوئی مقام اور مرتبہ نہیں اور ائمہ مجتہدین میں یہ مرتبہ عالی صرف حضرت امام اعظم ہی کو ملا ہے۔ حدائق الحنفیہ میں لکھا ہے کہ آپ ہیں صحابہ سے زیادہ کے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اور کئی ایک کی زیارت کی ہے اور بعض سے حدیث سنی ہے۔ حضرت امام قسطلانی شافعی نے آپ کو تابعین کے زمرہ میں ذکر کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:

امام ابوحنیفہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو پایا جو کوفہ میں تشریف رکھتے تھے۔ اس طرح امام اعظم اس ارشاد نبوی کے مصداق ہیں: ”طوبی لمن دانی ولعن دانی من دانی“ خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور اس شخص کے لیے جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔

یہاں ایک بات کے انکشاف کو جی چاہتا ہے جس کی خبر میرے استاد حضرت مولانا ابوالوفا علیہ الرحمہ نے دی ہے۔ آپ نے فرمایا: امام ابوحنیفہ طریقت میں حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مجاز اور خلیفہ ہیں اور پھر حضرت داؤد طائی حضرت امام ابوحنیفہ کے اسی طرح مجاز اور خلیفہ ہیں جیسے کہ حضرت حبیب عجمی کے مجاز اور خلیفہ ہیں۔ داؤد طائی نے حضرت ابوحنیفہ سے فقہ میں کمال حاصل کرنے

کے بعد زہد کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ کوفہ میں آپ کا لقب ”الفقیہ الواحد“ تھا۔ امام ابو حنیفہ نے مراحل سلوک و طریقت حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دو سال میں طے کیے ہیں پھر آپ نے فرمایا ہے: ”لولا المستعان لهلك لعنان“ اگر یہ دو سال نہ ہوتے لعنان ہلاک ہو جاتا۔

امام ابو حنیفہ نے روایت حدیث اور سلوک و طریقت کی بجائے صرف فقہ کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ آپ اسلامی قانون مرتب فرماتے رہے۔ آپ نے امت اسلامیہ کی منفعت میں تمام زندگی لگا دی۔ آپ کے اخلاص و روح اور تقویٰ کی بنا پر سب مرحومہ کا تین تہائی حصہ آپ کا حلقہ بگوش بنا۔

فہم حدیث میں امام ابو حنیفہ کا مقام

حضرت امام ابو حنیفہ کو فہم حدیث شریف میں جو بلند مقام اللہ تعالیٰ نے عنایت کیا تھا اس کا کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ محدث کبیر محمد بن ساعدی نے کہا ہے: ابو حنیفہ نے اپنی کتابوں میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں ذکر کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے آثار صحابہ کا انتخاب کیا ہے۔

امام عبد اللہ بن مبارک حدیث کے مشہور حفاظ میں سے ہیں۔ چار ہزار محدثین سے روایت کے باوجود حضرت امام اعظم سے روایت کرتے ہیں۔ میں حضرت امام اعظم کے بیان کو ان کے عربی قصیدہ پر ختم کرتا ہوں۔ فرمایا ہے:

لَقَدْ رَأَى الْبَلَادَ وَمَنْ عَلَيْهَا إِسَامُ الْمُسْلِمِينَ أَهْوَى حَيْفَةً
”مسلمانوں کے امام ابو حنیفہ نے شہروں اور شہروں میں رہنے والوں کو زینت بخشی۔“

بِأَحْكَامٍ وَأَقَابٍ وَلَقَدْ كُنَّا بِأَيِّامِ الزُّبُرِ عَلَى صَوِّفَةٍ
”قرآن حدیث اور فقہ کے احکام سے جیسے صحائف میں زیور کی آیات نے۔“

لَمَّا لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ
”آپ کی مثال نہ کوفہ میں ملتی ہے اور نہ مشرق اور مغرب میں۔“

يَهْنُتُ مُسْتَوْرًا مَهْرَ الْكَلْبِ وَمَسَامُ لَهَارَةٍ لِلْوَاحِدَةِ
”بڑی مستحضر کے ساتھ راتوں کو عبادت میں گزارتے اور غیبت الہی میں دن کو روزہ رکھتے۔“

لَمَنْ كُنَّا فِي حَيْفَةٍ فِي عِلَافٍ إِسَامُ لِلْخَلِيفَةِ وَالْعَلِيفَةِ
”(علم اور دین کی) بلندی میں ابو حنیفہ کی طرح کون ہے جو امت کا امام اور (اللہ کا) خلیفہ ہے۔“

وَأَبَتْ الْعَالِيَيْنَ لَهُ سَفَاهَا بِخَلْقِ الْحَقِّ مَعَ حُبِّهِ حَيْفَةٍ
”میں نے ان کے نکتہ چینوں کو نادان حق کے مخالف اور کمزور دلیلوں والا پایا۔“

وَكَيْفَ يَجْعَلُ أَنْ يُوْذَى لِقِيَّةَ لَمْ يَكُنْ الْأَرْضِ الْإِسَارَ شَرْفَةٍ
”ایسے مقفن کو کہ جس کے علمی فیوض پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہوں ایذا پہنچانا کیونکہ درست ہے۔“

يَعْلَفُ عَنِ الْمَحَارِمِ وَالْمَكَاهِبِ وَمَرْصَادِ الْإِلَهِ لَمْ يَكُنْ حَيْفَةٍ
”آپ بہو لعب اور حرام کاموں سے محفوظ رہے اور رب العزت کی خوشنودی آپ کا مدینہ تھا۔“

وَقَدْ قَالَ ابْنُ إِدْرِيسٍ مَقَالًا صَوِّحَ النَّقْلِ فِي حُكْمِ لَوْفَةٍ

”اور امام شافعی نے لطیف حکمتوں کے طور پر صحیح روایت کی حیثیت سے کیا خوب فرمایا ہے۔“

بِأَنَّ النَّاسَ لَيْسَ لِقَوْلِهِ عَنَّا عَلَى قَوْلِ الْأَمَامِ أَيْ حَقِيقَةً

”حقیقت میں تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کی فقہ کے محتاج ہیں۔“

ہمہ عالم گواہ عصمت اور ست

طوالت سے بچنے کے لیے ذیل میں انہی تذکرہ نگار حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے جو غیر حنفی ہیں اس وجہ سے کہ ایک حنفی کا اپنے امام کی تعریف کرنا فطری امر ہے اور مدح و تحسین کی جلالت شان اس میں ہے کہ دوسرے اس کی مدح میں اپنی زبان اور قلم کو استعمال فرمائیں:

(۱۲) علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی

(۱۳) علامہ ابو بکر خطیب بغدادی حنبلی پھر شافعی

(۱۴) علامہ ابن خلدون اصبہلی مغربی مالکی

(۱۵) علامہ ابن قیم حنبلی

(۱۶) علامہ ابن تیمیہ حنفی دمشق حنبلی

(۱۷) امام عبدالوہاب شمرانی شافعی

(۱۸) علامہ ابن اعماد حنبلی

(۱۹) علامہ ابن حزم اندلسی مالکی

(۲۰) علامہ یوسف لاثانی مالکی

(۲۱) علامہ ابن خلدون حنفی

(۱) امام مالک بانی مذہب مالکی

(۲) امام محمد بن ادریس الشافعی بانی مذہب شافعی

(۳) امام احمد بن حنبل بانی مذہب حنبلی

(۴) حافظ مغرب علامہ ابن عبدالبر مالکی قرطبی

(۵) حافظ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی مالکی

(۶) خطیب حمیری شافعی صاحب مشکاة المصابیح

(۷) علامہ جلال الدین سیوطی شافعی

(۸) علامہ شمس الدین محمد بن یوسف دمشق شافعی

(۹) علامہ ابن کثیر دمشق شافعی

(۱۰) علامہ حافظ شمس الدین ذہبی شافعی

(۱۱) علامہ ابن حجر عسقلانی حنفی

محولہ بالا حضرات گرامی نے حضرت سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کی حیات مبارکہ پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

مسئلہ حنفی کی برتری

امام اعظم ابو حنیفہ نے اجتہاد اور استنباط کے ایسے ذریعے اصول مقرر کیے جن کی وجہ سے آپ کا مسلک دوسرے ائمہ کے مسلک کے مقابلہ میں سب سے زیادہ عقل و آگاہی کے قریب انتہائی محتاط اور مزاج رسالت کی سب سے زیادہ رعایت کرنے والا ہے۔ چنانچہ کتاب اللہ کی رعایت سنت نبوی کی موافقت اور اتباع صحابہ کا سب سے زیادہ عنصر اگر کسی مسلک میں پایا جاتا ہے تو وہ حنفی ہے۔ امام اعظم کے مسلک کی تمام خصوصیات اگر بیان کی جائیں تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ اجمالی طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ مثلاً:

(۱) نماز میں خضوع و خشوع مقصود ہوتا ہے اور خضوع و خشوع کے سب سے زیادہ قریب وہ نماز ہے جس میں گھیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین، قراوت خلف الامام اور آمین بالجہر کا ترک ہو۔

(۲) روزہ سے مقصود قہر نفس ہے دوسرے ائمہ روزہ میں عمار کھانے پینے سے روزہ میں کھارہ لازم نہیں فرماتے۔ امام اعظم نے روزہ کی اس حکمت کے پیش نظر فرمایا: عمار کھانی لینے سے بھی روزہ میں کھارہ لازم آتا ہے۔

(۳) طہارت کے باب میں نظافت اصل ہے اس لیے آپ خون نکلنے سے نقص وضو کو لازم کرتے ہیں۔ نابالغ احکام کا مکلف نہیں ہوتا اس لیے آپ اس کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ٹھہراتے۔

مسک خفی میں احتیاط بہت زیادہ ہے اور اصول حنفیہ کی روشنی میں عبادت دیگر تمام اصول کے لحاظ سے عبادت کی جامع ہے۔ چنانچہ ایک دو چسکی دودھ پی لینے سے رضاعت کا ثبوت وتر کا وجوب اور تین رکعات کے ساتھ اس کی تعیین اور قربانی کی تین دن کے ساتھ تحدید وغیرہ وہ مثالیں ہیں جن سے امام اعظم کے عظیم تقلد اور دین کے معاملہ میں گہری احتیاط پر ہیز گاری اور تقویٰ کا پتہ چلتا ہے۔

امام اعظم کے مسک کی عظمت اور شرف کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کے نزدیک ثابت ہے کہ امام اعظم کا مسائل میں استنباط رسول اکرم ﷺ کی رہنمائی کے تابع ہے اور جس کسی مسئلہ میں آپ نے کوئی حکم بیان کیا وہ حضور ﷺ کی تلقین سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اس کی تائید رئیس الصوفیاء حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے اس بیان سے ہوتی ہے فرماتے ہیں:

میں ایک بار شام میں تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن رسول ﷺ کے مزار کے سرہانے سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں خود کو مکہ معظمہ میں دیکھا اس وقت حضور ﷺ کی زیارت ہوئی کہ آپ باب بنی شیبہ سے تشریف لارہے ہیں اور ایک معمر بزرگ کو اپنے پہلو میں اس طرح لے رکھا ہے جیسے بچوں کو شفقت سے لیتے ہیں میں فرط محبت سے دوڑا اور حضور ﷺ کے پائے اقدس کو چومنے لگا میں سوچ رہا تھا کہ یہ معمر بزرگ کون ہیں؟ حضور ﷺ میرے دل کے اس خیال پر مطلع ہوئے فرماتے لگے: یہ تمہارے شہر کے لوگوں کا امام ہے یعنی ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ۔

اس خواب کو دیکھنے سے میرا یہ خیال قوی ہو گیا کہ امام اعظم ان پاک ہستیوں میں سے ہیں جو اوصاف طیبی سے فانی اور احکام شرع کے ساتھ باقی وقائم ہیں کیونکہ ان کے چلانے والے حضور ﷺ ہیں اگر وہ خود چلتے تو باقی اہلسنت ہوتے اور باقی اہلسنت یا خطی ہوتا ہے یا مصیب۔ اور جب امام اعظم کے قائد حضور ہیں تو فانی اہلسنت ہوئے اور حضور کی صفت بقاء سے قائم ہوئے اور جب حضور سے خطاء محال ہے تو جو آپ کے چلانے سے چل رہا ہے اور اپنی صفت فنا کر کے آپ کی صفت سے قائم ہے اس سے خطاء ہونا مشکل ہے۔ [حضرت رحمہ اللہ سید علی بن عثمان الجوزی حوالہ ۶۵ ص ۲۱۶ کتب الکبیر ص ۲۱۶]

علم حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمات

امام الامامہ مراجع الامۃ سید المقرب و سند الاتقیاء محدث کبیر حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ میں اللہ عزوجل نے علم و عمل کی تمام خوبیوں جمع کر دی تھیں۔ وہ میدان علم میں تحقیق و تدقیق کے شاہسوار اخلاق و عادات میں لائق تقلید اور عبادت و ریاضت میں یگانہ روزگار تھے۔ مسائل فقہیہ میں ان کی سطوت اور اجتہاد میں ان کا سکہ تو ہر ایک نے مانا ہے اہل بیت بعض اہل ہوا کوتاہ بین اور متعصب حضرات فتنہ حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر تکتہ چینی کرتے ہیں اور کچھ بے لگام لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کو صرف مترہ حدیثیں یاد تھیں اس لیے ہم نہایت اختصار کے ساتھ علم حدیث کے فن روایت و درایت میں امام اعظم کا رتبہ اور مقام ٹھوس دلائل اور مستحکم شواہد کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ ناواقف لوگ متعصبین کے جھوٹے پروپیگنڈہ سے محفوظ رہ سکیں۔

حق تو یہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اسلامی علوم و فنون کے تمام شعبوں میں امام اور مجتہد تھے۔ جس طرح وہ آسمان فقہ کے درخشندہ آفتاب تھے اسی طرح عقائد و کلام کے افق پر بھی انہیں کا سورج طلوع ہوتا تھا اور روایت و درایت کے میدان میں ساقیت کا علم بھی انہی کا نصب کردہ ہے۔ فقہ میں یہ آب و رنگ انہی کے دم سے ہے اور فن حدیث میں یہ بہار انہی کی فادشوں کا ثمرہ ہے۔ شافعی اور مالکی فقہ میں ان کے پروردہ ہیں اور صحاح ستہ کے شیوخ ان کے فیض یافتہ وہ نہ ہوتے تو نہ فقہاء کو یہ عروج ہوتا اور نہ بخاری و مسلم کو یہ

جو بن نصیب ہوتا۔

فن حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر اجمالی نظر

امام اعظم نے اگرچہ بنیادی طور پر علم فقہ کی خدمت کی ہے اور اپنی عمر کا تمام حصہ اسی میں صرف کیا ہے تاہم علم حدیث میں بھی ان کا نہایت اونچا مقام ہے۔ انہوں نے افاضل صحابہ اور اکابر تابعین سے احادیث کا سماع کیا۔ پھر ان روایات کو کامل حزم و احتیاط کے ساتھ اپنے تلامذہ تک پہنچایا۔ امام اعظم چونکہ علم حدیث میں مجتہدانہ بصیرت کے حامل تھے اس لیے محض نقل روایت پر ہی اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ قرآن کریم کی نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں روایات کی جانچ پڑتال کرتے تھے راویوں کے احوال اور ان کی صفات پر بھی زبردست تنقیدی نظر رکھتے تھے اور کسی حدیث پر اعتماد کرنے سے پہلے اس کی سند اور متن کو پوری طرح پرکھ لیتے تھے۔

جو لوگ سوچے سمجھے بغیر یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام اعظم کو علم حدیث میں دسترس نہیں تھی وہ اس امر پر غور نہیں کرتے کہ امام اعظم نے عبادات و معاملات، معاشیات و عمرانیات اور قضایا و مقدمات کے اُن گشت احکام بیان کیے ہیں حیات انسانی کا کوئی گوشہ امام اعظم کے بیان کردہ احکام سے خالی نہیں ہے۔ لیکن آج تک کوئی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ امام اعظم کا فلاں حکم حدیث کے خلاف تھا۔ امام اعظم کی مہارت حدیث پر اس سے بڑھ کر اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ ان کا بیان کردہ ہر مسئلہ حدیث نبوی کے موافق اور ہر حکم سنت رسول کے مطابق ہے؟

فن حدیث میں امام اعظم کی مجتہدانہ بصیرت

بسا اوقات ایک ہی مسئلہ میں متعدد اور متعارض روایات ہوتی ہیں مثلاً نماز پڑھتے پڑھتے کوئی شخص رکعات کی تعداد بھول جائے تو بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ از سر نو نماز پڑھے بعض روایات میں ہے کہ وہ رکعات کو کم تعداد پر محمول کرے اور بعض میں ہے کہ وہ غور و فکر کر کے راجح جانب پر عمل کرے۔ اسی طرح سفر میں روزہ کے بارے میں بھی مختلف احادیث ہیں۔ بعض میں انشاء سفر میں روزہ کو نفل کے معانی قرار دیا ہے اور بعض میں عین ثواب ایسی صورت میں امام اعظم فشاء رسالت تلاش کر کے ان روایات میں باہم تطبیق دیتے ہیں اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو سند کی قوت و ضعف اور دوسرے اصول و روایات کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو فشاء وحی اور مزاج رسالت کو پہچانتا ہو روایات کے تمام طرق پر حاوی و روایت کے کل اصولوں پر محیط اور راویوں کے احوال پر ناقدانہ نظر رکھتا ہو۔

امام اعظم کی صحابہ سے روایت

حضرت انس کے سن وصال میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے وہب بن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ [تہذیب اہدیب ج ۱۰ ص ۲۳۸] کا وصال ۹۵ھ میں ہوا ہے اور مشہور ۹۳ھ ہے اور حضرت انس کی زندگی میں امام اعظم بارہا بصرہ گئے تھے اس لیے اس بات کو کوئی نہیں مان سکتا کہ امام اعظم نے پندرہ سال کی عمر تک حضرت انس سے ملاقات نہ کی ہو اور ان سے روایت کا شرف حاصل نہ کیا ہو محققین علماء کرام اور محدثین عظام نے امام اعظم کی مرویات صحابہ کو پوری اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور دلائل سے انہیں تقویت دی ہے۔

امام ابو معشر عبد الکریم بن عبد الصمد طبری شافعی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے اور اس میں روایات کو مع اسناد کے ذکر کیا ہے اور ان کی تحسین و تقویت کی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان

روایات کو اپنے رسالہ ”شمس الصمد“ میں نقل کیا ہے ہم اسی رسالہ سے چند احادیث کا انتخاب پیش کر رہے ہیں:

عَنْ أَبِي يُونُسَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ سَمِعْتُ
أَتَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ
يَقُولُ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ.

عَنْ أَبِي يُونُسَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَسِ
بْنِ مَالِكٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الدَّالُّ
عَلَى الْخَيْرِ كَفَّارٌ لَهُ.

عَنْ أَبِي يُونُسَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ سَمِعْتُ
أَتَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّ
اللَّهَ يُحِبُّ إِعَاثَةَ اللَّهْفَانِ.

عَنْ يَحْيَى ابْنِ قَاسِمٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ حَدَّثَنَا
اللَّهُ بْنُ أَبِي أَوْفَى يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ
مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا وَلَوْ كَمَفْصَحٍ فَكَأَوْ بَنَى اللَّهُ
لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ. [شمس الصمد ص ۶-۹]

مرویات امام اعظم کی تعداد

چونکہ بعض اہل ہوا یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ اس لیے ہم ذرا تفصیل سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم کے پاس احادیث کا دافز ذخیرہ تھا ملا علی قاری امام محمد بن سادہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

إِنَّ الْأَمَامَ ذَكَرَ فِي تَصَانِيفِهِ بِخَمْسٍ وَسِتِّينَ
أَلْفٍ حَدِيثٍ وَانْتَقَبَ الْأَثَرُ مِنْ أَرْبَعِينَ أَلْفَ حَدِيثٍ.

[مناقب علی القاری بذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۷۳]

اور صدرالائمہ امام موفق بن احمد تحریر فرماتے ہیں:

وَانْتَقَبَ أَبُو حَنِيفَةَ الْأَثَرُ مِنْ أَرْبَعِينَ أَلْفَ
حَدِيثٍ. [مناقب موفق ج ۱ ص ۹۵]

امام ابو حنیفہ نے ”کتاب الآثار“ کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا ہے۔

ان حوالوں سے امام اعظم کا جو علم حدیث میں بحر ظاہر و باہر ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

اساتذہ

فقہ کے ساتھ ساتھ امام اعظم نے حدیث کی تحصیل بھی جاری رکھی۔ صحابہ کرام اور قابل غور تابعین میں سے جو حضرات بھی نبی حدیث میں امام اور حجت تسلیم کیے جاتے تھے ان سب کے سامنے زانوئے ادب قہ کیا۔ صدرالائمہ امام موفق بن احمد کی نے ابو عبد اللہ بن حفص کے حوالے سے آپ کے چار ہزار اساتذہ کا ذکر کیا ہے (کیا یہ دنیا کا سب سے بڑا مذاق نہیں ہے کہ دنیا کے چار ہزار اساتذہ جن میں جلیل القدر صحابہ کرام اور تابعین شامل ہیں ان چار ہزار عظیم محدثین سے امام اعظم رحمہ اللہ نے فقط سترہ احادیث یاد فرمائیں)

اسے قصب کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے؟۔ [امام سقی بن احمد کی سنی ۵۶۸ھ مناقب امام اعظم ج ۱ ص ۳۸]

ذہانت و فطانت

امام اعظم رحمہ اللہ بے حد ذہین اور زیرک تھے۔ یوں توفیق حنفی کے تمام اصول و فروع آپ کی ذہانت اور فطانت پر بہترین شاہد ہیں۔ لیکن آپ نے اپنی زندگی میں بارہا لوگوں کے بعض ایسے الجھے ہوئے معاملات کا حل پیش کیا جن کی عقدہ کشائی سے آپ کے تمام معاصرین عاجز ہو چکے تھے اور جب اس وقت کے جلیل القدر ائمہ اور مسلم اساتذہ آپ کے فتاویٰ کو دیکھتے تو ان کی عقلیں حیران رہ جاتیں اور انہیں بے اختیار کہنا پڑتا کہ علم کے جس شہر میں امام ابوحنیفہ رواں دواں ہیں ہم ہنوز اس کے دروازے تک بھی نہیں پہنچ سکے۔

آئیے! اب ہم آپ کے سامنے ان بے شمار فتاویٰ میں سے چند فتووں کی جھلکیاں پیش کریں:

اول: امام ابو یوسف راوی ہیں کہ ایک شخص نے طلاق کی قسم کھا کر اپنی بیوی سے کہا کہ میں اس وقت تک تم سے کلام نہیں کروں گا جب تک تم مجھ سے بات نہ کرو۔ جو اپنی بیوی نے بھی قسم کھائی کہ میں بھی اس وقت تک تم سے گفتگو نہیں کروں گی جب تک تم مجھ سے بات نہ کرو گے۔ اس زمانے کے علماء نے فتویٰ دے دیا کہ ان میں سے جس نے بھی بات کر لی قسم لوٹ جائے گی۔ امام اعظم تک یہ سوال پہنچا تو آپ نے اس شخص کو فرمایا: جاؤ جا کر اپنی بیوی سے گفتگو کرو کچھ نہیں ہوگا۔ سفیان ثوری کو آپ کے فتویٰ کا علم ہوا تو بہت برہم ہوئے اور کہنے لگے: تم حرام کو حلال کرتے ہو۔ امام اعظم نے اپنے جواب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: خاوند نے قسم کھائی تھی کہ وہ بیوی کے بولنے سے پہلے بات نہیں کرے گا یہ سن کر اس کی بیوی نے ایسی ہی قسم کھائی اور جب قسم کھائی تو اس نے خاوند سے بات کر لی اب جب خاوند اس سے بات کرے گا تو یہ کلام بیوی کی گفتگو کے بعد ہوگا کیونکہ بیوی قسم کھا کر اس سے پہلے بات کر چکی ہے اور جب بیوی بات کرے گی تو وہ بات خاوند کی اس گفتگو کے بعد ہوگی لہذا دونوں میں سے کسی کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ امام اعظم سے جواب کی یہ تفصیل سن کر سفیان ثوری کہنے لگے: ابوحنیفہ! تمہارے لیے علم کے وہ راستے کشادہ کر دیئے گئے ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں ہوئی۔ [ملاطی قاری، سنوئی ۱۰۱۳ھ ذیل المجاہد المنصف ج ۲ ص ۳۸۱]

دوم: کتب روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام اعظم سفیان ثوری مسعر مالک بن مغول جعفر بن زیاد اور حسن بن صالح ایک رئیس کے ہاں دیر میں شریک تھے صاحب خانہ نے اپنے دو لڑکوں کی ایسی دولاڑکیوں سے شادی کی تھی جو آپس میں بہنیں تھیں ناگاہ صاحب خانہ حیران و پریشان آیا اور علماء کی اس جماعت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: رات کو غلطی سے دونوں لڑکیوں میں سے ہر لڑکی اپنے خاوند کے غیر کے پاس پہنچا دی گئی اور دونوں بھائیوں میں سے ہر ایک نے رات جس لڑکی کے پاس گزاری ہے وہ اصل میں دوسرے بھائی کی بیوی تھی۔ سفیان ثوری نے فتویٰ دیتے ہوئے کہا: ہر لڑکی اپنے اصل خاوند کے پاس پہنچا دی جائے اور کسی سے کوئی مواخذہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ ہر ایک پر مہر واجب ہوگا۔

مسعر نے امام اعظم کی طرف توجہ کی اور پوچھا: آپ کیا فرماتے ہیں؟ سفیان کہنے لگے: بھلا اس جواب کے سوا اور کیا کہہ سکتے تھے؟ امام اعظم نے ان دونوں بھائیوں کو بلایا اور ہر ایک سے پوچھا: جس لڑکی کے ساتھ تم نے رات گزاری ہے کیا تم اس کو پسند کرتے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم دونوں اپنی اپنی بیویوں کو طلاق دو اور جس کے ساتھ رات گزاری ہے اس سے فوراً نکاح کر لو۔ آپ کے اس جواب سے تمام علماء حیران رہ گئے اور مسعر نے اٹھ کر آپ کی پیشانی چوم لی۔

[ملاطی قاری، سنوئی ۱۰۱۳ھ ذیل المجاہد المنصف ج ۲ ص ۳۸۱]

امام اعظم اور مفتیان کرام کی اصلاح

امام اعظم بعض دفعہ دوسرے علماء کے فتاویٰ اور قضایا کی اصلاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قاضی ابولیلیٰ کے ہاں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بھونہ بیوی کو کچھ کہا تو اس نے جواب میں اسے ”یا ابن الزانیہ“ کہا قاضی نے عورت کو مسجد میں کھڑا کیا اور اس پر دوبارہ حد لگائی۔ امام اعظم کو جب اس فیصلے کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: ابولیلیٰ نے اس فیصلے میں چھ غلطیاں کی ہیں:

اولاً: یہ کہ بھونہ پر حد لگائی حالانکہ جنون کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

ثانیاً: یہ کہ مسجد میں حد لگائی ہے حالانکہ مسجد امن کی جگہ ہے

ثالثاً: عورت کو کھڑی کر کے حد قائم کی حالانکہ عورت کو بٹھا کر حد لگائی جاتی ہے۔

رابعاً: عورت نے ایک کلمہ کے ساتھ تہمت لگائی تھی اور ایک کلمہ کے ساتھ اگر ساری دنیا کو بھی تہمت لگائی جائے تو ایک حد واجب ہے اس لیے اس پر دو حدوں کے قائم کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

خامساً: تہمت خاوند کے ماں باپ پر لگی اور وہ غائب تھے خاوند کو نہ شکایت کا حق تھا اور نہ حد کے مطالبہ کا۔

سادساً: دوسری حد پہلی حد سے صحت یا ب ہونے سے قبل لگائی حالانکہ اصول یہ ہے کہ اگر دو حدیں جاری کرنی ہوں تو ایک سے صحت یا ب ہونے کے بعد دوسری حد لگائی جاتی ہے۔ [امام ابن جریر کی حوالہ صحیح ابن ماجہ ص ۱۱۸]

امام اعظم کی خصوصیات

امام اعظم کو اللہ عزوجل نے وہی اور کسی بے شمار خصوصیات سے نوازا تھا۔ علم و حکمت میں دیکھئے تو وہ ایک بحرِ پیدائش اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے دیکھئے تو نادر روزگار فرست و فطانت کے اعتبار سے پرکھیں تو اپنا جانی نہیں رکھتے استنباط مسائل اور فتاویٰ کے لحاظ سے دیکھیں تو اشمس اور سفیان ثوری بھی ان سے سوال پوچھتے دکھائی دیتے ہیں۔

امام اعظم کو بے شمار ایسے محاسن اور فضائل حاصل تھے جن کی وجہ سے آپ اپنے معاصرین اور بعد کے ائمہ اور مجتہدین سے ممتاز اور فائق تھے۔ ان تمام کا احصاء تو مشکل ہے بعض ازاں یہ ہیں:

(۱) امام اعظم خیر القرون علی الاطلاق قرن اول میں پیدا ہوئے جس قرن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: اس قرن کے لوگ تمام زمانہ کے لوگوں سے بہتر ہیں۔

(۲) آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ اور دیگر متعدد صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی زیارت کی جس کی وجہ سے آپ تابعی کہلائے۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، عاتکہ بنت عمر وغیرہم صحابہ کرام سے آپ کو شرفِ روایت بھی حاصل ہے۔

(۴) آپ کے اساتذہ کی تعداد دیگر تمام ائمہ کے اساتذہ و تلامذہ سے زیادہ ہے۔

(۵) آپ نے سب سے پہلے علم فقہ کو مدون کیا اور ابواب و کتب کے لحاظ سے اس کو مرتب کیا۔ چنانچہ ”موطا“ میں امام مالک نے آپ کے طریقہ تدوین کی اتباع کی ہے۔

(۶) آپ کے طریق اجتہاد سے تمام ائمہ اور مجتہدین نے استفادہ کیا۔ چنانچہ امام شافعی نے فرمایا: ”الْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِبَالُ اِمِي حَنِيفَةَ فِي الْفَقْهِ“۔

(۷) امام اعظم کا مسلک ان ممالک میں پہنچا جہاں آپ کے مسلک کے سوا اور کوئی مسلک نہیں پہنچا جیسے ہندوستان، روم، ترکی اور باوراء النہر وغیرہ۔

(۸) ملا علی قاری کی تصریح کے مطابق اس وقت دہلی کے مسلمانوں میں ۲/۳ مسلک حنفی کے حاملین ہیں اور باقی ۱/۳ دوسرے ائمہ کے مقلدین ہیں۔

(۹) آپ نے کبھی کسی کا صلہ اور انعام قبول نہیں کیا۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے خود بھی کھاتے تھے اور دوسرے علماء و فقہاء پر بھی خرچ کرتے تھے۔

(۱۰) زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں جس قدر آپ کی سعی و تبلیغ اور جدوجہد کا ثبوت ملتا ہے تاریخ میں کسی اور امام کا اس قدر مجاہدہ نہیں ملتا۔ (اللہ تعالیٰ حضرت سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ کو تمام اہل اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین)

کلمات العلماء

امام اعظم کے علمی و عملی کمالات کی آپ کے معاصرین اور بعد کے ائمہ و مجتہدین نے تعریف و تحسین کی اور آپ کی دینی خدمات کو انتہائی عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ خلیفہ بن ابیوبہؓ ہاتھ دہل کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ سے علم حضور ﷺ تک پہنچا وہ علم آپ نے صحابہ تک پہنچایا، صحابہ نے تابعین کو اور تابعین سے وہ علم امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کو ملا۔ حق یہی ہے خواہ اس پر کوئی راضی ہو یا ناراض۔ [حافظ ابوبکر احمد بن علی خلیفہ بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۶]

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تعزیت کے سلسلے میں سفیان کے گھر پہنچا، مجلس آدمیوں سے بھری ہوئی تھی۔ جب امام اعظم آئے تو سفیان نے کھڑے ہو کر ان کی تعظیم کی اور اپنی جگہ ان کو بٹھایا اور خود سامنے سجدہ ہو کر بیٹھ گئے۔ بعد میں میں نے ان سے اس قدر تعظیم کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے: وہ علم میں ذی مرتبہ شخص ہیں۔ اگر میں ان کے علم کے لیے نہ اٹھتا تو ان کے سن اور سال کی وجہ سے اٹھتا۔

اور اگر سن اور سال کی وجہ نہ اٹھتا تو ان کی فقہ کی وجہ سے اٹھتا اور اگر فقہ کی وجہ سے نہ اٹھتا تو ان کے تقویٰ کی وجہ سے اٹھتا۔

[حافظ ابوبکر احمد بن علی خلیفہ بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۸]

امام شافعی بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ امام مالک سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ نے امام ابو حنیفہ کو دیکھا تھا؟ فرمایا: ہاں! میں نے انہیں ایسا شخص پایا کہ اگر وہ اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو اپنے علم کے زور پر ایسا کر سکتے تھے۔

[حافظ ابوبکر احمد بن علی خلیفہ بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۸]

امام شافعی کہتے ہیں: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے پروردہ ہیں۔ امام ابو حنیفہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو فقہ میں موافقت حق عطا کی گئی۔ [حافظ ابوبکر احمد بن علی خلیفہ بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۶۔ تذکرہ ائمہ ثین فرید یک سال لاہور]

حدیث پاک کے طلبہ کے لیے چند اور مفید باتیں

دیوبندی عالم دین منیر احمد منور حنفی صاحب لکھتے ہیں:

ہمارے حنفی مدارس میں اصول فقہ کی کتب میں اصول الشافعی، نور الانوار، حاشی وغیرہ داخل نصاب ہیں، ان میں باب السنۃ بھی پڑھایا جاتا ہے جس میں احناف کے اصول حدیث کا بیان ہوتا ہے، مگر بہت کم طلبہ ہیں جن کے اساتذہ کے ذہن میں یہ بات ہو کہ ہم

اصول حدیث پڑھا رہے ہیں اس کے بعد شرح نخبۃ الفکر اور تذریب الراوی بطور اصول حدیث کے پڑھائی جاتی ہیں تو اساتذہ و طلبہ کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ یہ ہی اصول حدیث ہیں..... حال آں کہ احناف کے اصول حدیث وہ ہیں جو انہوں نے باب السنۃ اصول فقہ کے اندر پڑھے ہیں۔ لیکن ہمارے اساتذہ و طلبہ شافعی اصولوں کو ہی اصول حدیث کے طور پر پختہ کر لیتے ہیں اور پڑھاتے وقت بھی انہی اصولوں کے تحت حدیث پڑھاتے ہیں۔

مثلاً احناف کے اصول حدیث کے مطابق خاندان کا انقطاع ارسال و تدلیس جرح موجب ضعف نہیں لیکن آج حنفی اساتذہ حدیث بھی مخالفین کی طرف سے ارسال و تدلیس کے اعتراض کو سن کر مرعوب ہو جاتے ہیں حال آں کہ جب حنفیہ کے ہاں ارسال و تدلیس موجب ضعف ہی نہیں تو یہ اعتراض ہم پر ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک مجتہد کا حدیث سے اجتہاد..... اس حدیث کی تصحیح ہے اب اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ فلاں محدث کے نزدیک وہ حدیث ضعیف ہے مگر مجتہد کے نزدیک صحیح ہے اور بعض دفعہ ایک حدیث کے ضعف و صحت میں محدثین کے درمیان بھی اختلاف ہو جاتا ہے اس لیے ہمیں اس محدث کی تصحیف (ضعیف قرار دینے) کی وجہ سے اس حدیث کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح بعض دفعہ راوی حدیث صحابی کا فتویٰ اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہوتا ہے ہم جب فتویٰ پیش کرتے ہیں تو اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ فتویٰ اس صحابی کی اپنی بیان کردہ حدیث مرفوعہ کے خلاف ہے لہذا یہ معتبر نہیں۔ حال آں کہ حنفیہ کے اصول کے مطابق صحابی کا اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ اس حدیث کے مؤول یا منسوخ یا موضوع ہونے کی دلیل ہے۔

شافعیہ کے نزدیک لفظ سنت مرفوعہ حکمی کی دلیل ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک سنت کا لفظ سنت رسول ﷺ اور سنت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دونوں پر بولا جاتا ہے۔ [طحاوی شریف]

حنفی اصول کے مطابق حدیث پر عملی تو اثر صحت حدیث کی بہت بڑی دلیل ہے اگر ایک حدیث سنداً ضعیف ہو مگر اس پر عمل تواتر سے ہو تو وہ حدیث متواتر شمار ہوتی ہے اور حدیث متواتر کے ثبوت کے لیے سند کی ضرورت ہی نہیں ہوتی نہ وہ سند کی محتاج ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے کتب فقہ میں اسناد لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیوں کہ ان احادیث کی بنیاد تواتر پر ہے۔ لیکن جب عملی تواتر کے باوجود اس حدیث کی سند پر اعتراض ہوتا ہے تو ہمارا حنفی عالم اپنے اصول حدیث سے ناواقف ہونے کی بناء پر زوداً کی بحثوں میں الجھ جاتا ہے۔

اسی طرح حنفیہ کے نزدیک لفظ السنۃ سنت رسول ﷺ اور سنت صحابہ دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ پھر قرآن کے ساتھ سنت رسول ﷺ یا سنت صحابہ کی تعین ہوتی ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک مطلقاً سنت سے سنت رسول ﷺ مراد ہوتی ہے۔ میں نے بعض نام ور حنفی علماء سے سنا جو شافعیہ کے اس اصول کے مطابق کہہ رہے تھے کہ جب مطلقاً لفظ سنت ذکر کیا جائے تو اس سے سنت رسول ﷺ مراد ہوتی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک جب ضعیف حدیث کی آثار صحابہ کے ساتھ تائید ہو جائے تو وہ حدیث حجت اور قوی ہو جاتی ہے جبکہ شافعیہ اور غیر مقلدین آثار صحابہ کے بجائے اقوال محدثین کو معیار بنا کر بوجہ ضعف سند اس حدیث کو رد کر دیتے ہیں۔

[مقدمہ فقرات بطر شرح نخبۃ الفکر]

ثبوت حدیث کے لیے امام اعظم کی شرائط

محدث اعظم حضرت علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب لکھتے ہیں:

روایت حدیث میں حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام بہت زیادہ غلط تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات سے بہت کم حدیثیں روایت کی گئی ہیں اور قبول حدیث کے معاملہ میں بھی یہ حضرات بہت سخت تھے۔ جب تک کسی حدیث پر اچھی طرح اطمینان نہ ہو جاتا اس وقت تک یہ لوگ کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے۔ امام اعظم بھی اسی کتب فکر سے متاثر اور اسی کے بروکار تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے دوسرے محدثین کی طرح بے تحاشا روایت نہیں کی۔

امام اعظم نے احادیث کو قبول کرنے کے لیے بڑی کڑی شرطیں عائد کی ہیں اور اس سلسلہ میں جو اصول اور قواعد مقرر فرمائے ہیں وہ آپ کی دور رس نگاہ اور حلقہ پر مبنی ہیں۔ یہ شروط اور قواعد باقاعدہ منضبط نہیں ہیں علمائے احناف نے ان میں سے اکثر کو آپ کے بیان کردہ مسائل سے مستنبط کیا ہے۔ ہمیں مختلف کتابوں کے تصحیح سے جس قدر قواعد حاصل ہو سکے انہیں پیش کر رہے ہیں:

(۱) امام اعظم ضبط کتاب کی بجائے ضبط صدر کے قائل تھے اور صرف اسی راوی سے حدیث پتے پتے تھے جو اس روایت کا حافظ ہو۔

[مقدمہ اثبات اصلاح]

(۲) صحابہ اور فقہاء تابعین کے علاوہ اور کسی شخص کی روایت بالسنی کو قبول نہیں کرتے تھے۔ [شرح سند امام اعظم الرطالی قاری]

(۳) امام اعظم اس بات کو ضروری قرار دیتے تھے کہ صحابہ کرام سے روایت کرنے والے ایک یا دو شخص نہ ہوں بلکہ ائمہ کی ایک جماعت نے صحابہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔ [میزان الشرح الکبریٰ]

(۴) معمولات زندگی سے متعلق عام احکام میں ابو حنیفہ یہ ضروری قرار دیتے تھے کہ ان احکام کو ایک سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہو۔ [الخیرات الحسان]

(۵) جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو (یعنی اس سے اسلام کے کسی مسلم اصل کی مخالفت لازم آتی ہو وہ امام اعظم کے نزدیک مقبول نہیں۔ [مقدمہ تاریخ ابن خلدون])

(۶) جو حدیث خبر واحد ہو اور "قرآن کریم" پر زیادتی یا اس کے عموم کو خاص کرتی ہو امام صاحب کے نزدیک وہ بھی قبول نہیں۔

[الخیرات الحسان]

(۷) جو خبر واحد صریح "قرآن" کے مخالف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ [مرآۃ المفاتیح]

(۸) جو خبر واحد سند مشہورہ کے خلاف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ [احکام القرآن]

(۹) اگر راوی کا اپنا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت مقبول نہیں ہوگی کیونکہ یہ مخالفت یا تو راوی میں طعن کا موجب ہو گی یا نسخ کے سبب سے ہوگی۔ [نہر اس]

(۱۰) جب ایک مسئلہ میں صحیح اور محرم دو روایتیں ہوں تو امام اعظم محرم کے مقابلہ میں صحیح کو قبول نہیں کرتے۔ [عمدة القاری]

(۱۱) ایک ہی واقعہ کے بارے میں اگر ایک راوی کسی امر زائد کی نفی کرے اور دوسرا اثبات تو اگر نفی دلیل پر مبنی نہ ہو تو نفی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ نفی کرنے والا واقعہ کو اصل حال پر محمول کر کے اپنے قیاس سے نفی کر رہا ہے اور اثبات کرنے والا اپنے مشاہدہ سے امر زائد کی خبر دے رہا ہے۔ [حاشی]

(۱۲) اگر ایک حدیث میں کوئی حکم عام ہو اور دوسری حدیث میں چند خاص چیزوں پر اس کے برخلاف حکم ہو تو امام اعظم حکم عام کے مقابلہ میں خاص کو قبول نہیں کرتے۔ [عمدة القاری]

(۱۳) حضور ﷺ کے صریح قول یا فعل کے خلاف اگر کسی ایک صحابی کا قول یا فعل ہو تو وہ مقبول نہیں ہے صحابی کے خلاف کو اس پر

محمول کیا جائے گا کہ اسے یہ حدیث نہیں پہنچی۔ [عمدة القاری]

(۱۴) خبر واحد سے حضور ﷺ کا کوئی قول یا فعل ثابت ہو اور صحابہ کی ایک جماعت نے اس سے اختلاف کیا ہو تو آثار صحابہ پر عمل کیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں یا تو وہ حدیث صحیح نہیں ہے اور یا وہ منسوخ ہو چکی ورنہ حضور ﷺ کے صحیح اور صریح فرمان کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی جماعت اس کی کبھی مخالفت نہ کرتی۔ [الخیرات الحسان]

(۱۵) ایک واقعہ کے مشاہدہ کے بارے میں متعارض روایات ہوں تو اس شخص کی روایت کو قبول کیا جائے گا جو ان میں زیادہ قریب سے مشاہدہ کرنے والا ہو۔ [فتح القدیر]

(۱۶) اگر دو متعارض حدیثیں ایسی سندوں کے ساتھ مروی ہوں کہ ایک میں قلت و ساقط سے ترجیح ہو اور دوسری میں کثرت و تعدد ہو تو کثرت و تعدد کو قلت و ساقط پر ترجیح دی جائے گی۔ [مناہج]

(۱۷) کوئی حدیث حد یا کفارہ کے بیان میں وارد ہو اور وہ صرف ایک صحابی سے مروی ہو تو قبول نہیں ہوگی کیونکہ حدود اور کفارات شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ [الخیرات الحسان]

(۱۸) جس حدیث میں بعض اسلاف پر طعن کیا گیا ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ [الخیرات الحسان]

امام اعظم کے بیان کیے ہوئے بے شمار مسائل میں سے یہ چند اصول و قواعد کا استخراج ہے ورنہ روایات کے قبول و رد میں امام اعظم کی تمام شروط کا احصاء کرنا بے حد مشکل ہے۔ بہر حال ان قواعد سے امام اعظم کی جس عمیق نظر و اصلیت فکر اور گہری احتیاط کا پتہ چلتا ہے وہ اہل فہم پر ظنی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعد میں آنے والے محدثین نے امام اعظم کی شروط کی روشنی میں روایات کو پرکھا ہے اور اگر تعصب کو چھوڑ کر تمام محدثین امام اعظم کی قائم کردہ شروط پر متفق ہو جاتے تو آج ہمارا ذخیرہ احادیث مطعون اور موضوع روایات سے اصلاً بے فہار ہوتا۔

روایات میں تطبیق

فہم حدیث میں امام اعظم کے کمالات میں سے ایک عظیم کمال یہ ہے کہ آپ مختلف اور متناقض روایات میں بہ کثرت تطبیق دیتے تھے اور مختلف اور متناقض روایتوں کا محل اس طرح الگ الگ بیان کر دیتے تھے کہ فساد رسالت گھر کر سامنے آ جاتا تھا۔

حضور ﷺ پر سب سے پہلے کون ایمان لایا تھا؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے ہر ایک کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والا ان میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے ان متعارض حدیثوں کو جمع کیا اور فرمایا: مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے عورتوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ [حاشی موائع معروۃ ص ۷۹]

سفر میں روزہ کے بارے میں بھی احادیث مختلف ہیں بعض میں مسافر کے لیے روزہ کو نیکی قرار دیا ہے اور بعض میں نیکی کے منافی اور بعض میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیا ہے امام اعظم نے ان تمام روایات میں تطبیق دی ہے اور فرمایا: اگر سفر آرام دہ ہو تو روزہ رکھنا یقیناً بہتر ہے اور اگر سفر میں مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے اور اگر سفر معتدل ہو تو مسافر کو اختیار ہے روزہ رکھے یا نہ رکھے۔

أَمْوَالَكُمْ وَأَوْلَادَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ“ (الطہارین: ۱۵) تمہارا یہ کہنا کہ رحمت سے بھاگتا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ بارش سے بھاگتا ہے اور تمہارا کہنا کہ یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے تو وہ یہود کے اس قول ”لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ“ (البقرہ: ۱۳) اور نصاریٰ کے قول ”لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ“ (البقرہ: ۱۳) کی تصدیق کرتا ہے جو کہ عین ایمان ہے یہ سن کر وہ آدمی کھڑا ہوا اور امام صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا کہ آپ نے حق فرمایا: میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ [متحد الجمان ص ۲۵۱]

بخاری شریف کی احادیث کی تعداد

کل حدیثیں جو بخاری شریف میں درج ہیں اُن کی مجموعی تعداد بشمول تکررات و معلقات و متابعات نو ہزار بیاسی ۹۰۸۲ ہے یہ تعداد اگرچہ امام بخاری کو جس قدر صحیح حدیثیں زبانی یاد تھیں اُن کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں لیکن امام موصوف کے حسن انتخاب کا بہترین نمونہ ہے۔

بخاری شریف کی ثلاثیات

بخاری شریف کی سب سے اعلیٰ اور اونچی روایات وہ ہیں جن میں حضور ﷺ اور امام بخاری کے درمیان صرف تین واسطے ہیں: (۱) تیج تابعی (۲) تابعی (۳) صحابی۔ ایسی روایات کو ثلاثیات کہا جاتا ہے بخاری شریف میں کل ثلاثیات بائیس ہیں جن میں سے گیارہ (۱۱) روایات مکی بن ابراہیم سے چھ (۶) امام ابو عاصم النبیل سے تین (۳) محمد بن عبد اللہ الانصاری سے ایک (۱) خلا دین یحییٰ الکوفی سے اور ایک عصام بن خالد محمسی سے مروی ہے۔ ۲۲ = ۱ + ۱ + ۳ + ۶ + ۱۱

ان بزرگوں میں سے مکی بن ابراہیم مکی (م ۲۱۵ھ) امام ابو عاصم النبیل کوئی (م ۲۱۲ھ) دونوں حضرت امام ابو حنیفہ کے ارشد علامہ اور شہداء تہذیب فقہ حنفی میں سے ہیں دونوں کا امام بخاری کے کبار مشائخ میں شمار ہوتا ہے تیسرے بزرگ محمد بن عبد اللہ الانصاری البصری رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے علامہ میں سے ہیں اس لحاظ سے گویا بخاری شریف کی بیس (۲۰) ثلاثیات کے راوی حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور حنفی ہوئے۔

امام بخاری کے بعض مشائخ کو امام اعظم کا فیضان عظیم

یہ بات پیچھے ذکر کی جا چکی ہے کہ امام بخاری کے وہ اساتذہ جن سے انہوں نے بخاری شریف وغیرہ میں براہ راست روایت لی ہے تقریباً تین سو دس ہیں جن میں سے پونے دو سو کے قریب عراقی ہیں پھر عراقیوں میں سے تقریباً پینتالیس کوئی ہیں اور بچاسی بصری ہیں باقی دیگر شہروں کے ہیں اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت امام بخاری کے اساتذہ میں سے بہت سے نامور اساتذہ ایسے بھی ہیں جو یا تو براہ راست امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں یا آپ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں چند ایک نام بطور برکت ملاحظہ فرماتے چلیں:

امام بخاری کے چھ ایسے اساتذہ ہیں جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں

- (۱) ضحاک بن مخلد ابو عاصم النبیل، تلمیذ امام ابو حنیفہ
- (۲) عبد اللہ بن یزید العدوی البصری المکی ابو عبد الرحمن المقرئ، تلمیذ امام ابو حنیفہ
- (۳) عبید اللہ بن موسیٰ الکوفی، تلمیذ امام ابو حنیفہ
- (۴) فضل بن عمرو (ذکنین) ابو نعیم الکوفی، تلمیذ امام ابو حنیفہ

(۵) محمد بن عبد اللہ بن النعمان الانصاری البصری تلمیذ امام ابو حنیفہ

(۶) یحییٰ بن ابراہیم النخعی تلمیذ امام ابو حنیفہ

امام بخاری کے نواسیے اساتذہ ہیں جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں

(۱) امام احمد بن حنبل تلمیذ قاضی ابو یوسف

(۲) سعید بن ربیع ابو زید الکھروی تلمیذ قاضی ابو یوسف

(۳) عباس بن ولید تلمیذ قاضی ابو یوسف

(۴) علی بن جعد الجوهری تلمیذ قاضی ابو یوسف

(۵) علی بن حجر المروزی تلمیذ قاضی ابو یوسف

(۶) علی بن المدینی تلمیذ قاضی ابو یوسف

(۷) محمد بن صباح الدولابی البغدادی تلمیذ قاضی ابو یوسف

(۸) یحییٰ بن خارجہ تلمیذ قاضی ابو یوسف

(۹) یحییٰ بن یحییٰ بن عبد الرحمن النیسابوری تلمیذ قاضی ابو یوسف

امام بخاری کے پانچ ایسے اساتذہ ہیں جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد کے شاگرد ہیں

(۱) یحییٰ بن یحییٰ تلمیذ قاضی ابو یوسف و امام محمد

(۲) محمد بن عمرو بن جہلہ النخعی البصری تلمیذ امام محمد

(۳) محمد بن مقاتل ابو الحسن المروزی تلمیذ امام محمد

(۴) ہشام بن عبد الملک باہلی ابو الولید الطالیسی البصری تلمیذ امام محمد

(۵) یحییٰ بن صالح الوحاظی ابو ذکرریا الشافعی تلمیذ امام محمد

یہ امام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے وہ تلامذہ ہیں جن سے امام بخاری نے صحیح بخاری شریف وغیرہ میں براہ راست روایات لی ہیں ان کے علاوہ حضرت امام ابو حنیفہ کے بیسیوں شاگرد ایسے ہیں جن سے امام بخاری نے بالواسطہ روایات لی ہیں بخلاف طوائف ان کا تذکرہ پس انداز کیا جاتا ہے۔

روایۃ بخاری

امام بخاری سے بخاری شریف کو اگرچہ نوے ہزار افراد نے سنا تھا لیکن امام موصوف کے جن تلامذہ سے صحیح بخاری کی

روایت کا سلسلہ چلا وہ چار ہیں:

(۱) ابراہیم بن معقل بن حجاج النخعی (م ۲۹۳ھ)

(۲) حماد بن شاکر النخعی (م ۳۱۱ھ)

(۳) محمد بن یوسف الثوری (م ۳۲۰ھ)

(۴) ابو طلحہ منصور البصری (م ۳۲۹ھ)

ان چار میں سے پہلے دونوں بزرگ ابراہیم اور حماد مشہور حنفی عالم ہیں۔ ابراہیم معقل ان سب میں اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ وہ حافظ الحدیث بھی تھے علامہ ابن حجر نے فتح الباری کے شروع میں اپنا سلسلہ سند ان چاروں حضرات تک بیان کیا ہے ان چاروں حضرات میں ابراہیم اور حماد کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ ان کو امام بخاری سے جامع کی روایت کا سب سے پہلے موقع ملا ہے کیونکہ ابراہیم اور حماد کی وفات بالترتیب ۲۹۳ھ اور ۳۱۱ھ میں ہوئی ہے جبکہ فربری اور ابو طلحہ کی وفات بالترتیب ۳۲۰ھ اور ۳۲۹ھ میں ہوئی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر یہ دونوں حنفی بزرگ امام بخاری کی کتاب کو ان سے روایت نہ کرتے تو جامع کی روایت کی حیثیت جن تنہا فربری پر رہ جاتی اور اس طرح روایتی نقطہ نظر سے صورت حال ناڈک ہو جاتی علامہ کوثری مرحوم اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

هذا البخاري لولا ابراهيم بن معقل النسفي
وحمد بن شاکر الحنفيان لكان مفرد الغروي
عنه في جميع الصحيح سماعاً
یہ امام بخاری ہیں کہ اگر ابراہیم بن معقل حنفی اور حماد بن شاکر حنفی
دونوں حضرات نہ ہوتے تو فربری ان سے ساری کی ساری جامع الحجج
کے سامع میں مفرد رہ جاتے۔

[اعلم علی شروط الامور الخ للاحادیس ۸۱ طبع فی ابتداء ابن ماجہ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی]
بالفاظ دیگر ۳۱۱ھ تک امام بخاری کی جامع الحجج کا روایتی مرکز صرف احناف تھے۔ (امام بخاری غیر مقلدین کی عدالت میں
تصنیف علامہ الوارث رشید صاحب)

حضرت امام کا علم کی طرف راغب ہونا اور علم الفقہ میں تخصص حاصل کرنا

الموفق نے لکھا ہے: یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا کہ حضرت امام نے فرمایا: ایک دن میرا گزر علامہ قسمی پر ہوا انہوں نے مجھے بلایا
اور مجھ سے کہا: تم کہاں جایا کرتے ہو؟ میں نے کہا: بازار اپنے استاد کے پاس جاتا ہوں اور میں نے استاد کا نام بتایا۔ انہوں نے کہا:
میرے پوچھنے کا مقصد بازار کا جانا تھا بلکہ علماء کے پاس جانے کا تھا۔ میں نے کہا: علماء کے پاس میرا جانا کم ہے۔ انہوں نے کہا: تم
غفلت میں نہ پڑو علم میں اپنے کو لگاؤ علماء کی مجلسوں میں جایا کرو میں تم میں بیداری اور کھوج لگانے کا مادہ پاتا ہوں۔
آپ نے یہ فرما کر کہا: قسمی کی ہاست کا میرے دل پر اثر ہوا اور بازار کا جانا میں نے چھوڑا اور میں نے علم کی راہ اختیار کی اور اللہ
نے مجھ کو فائدہ پہنچایا۔

آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ آپ نے تجارت کے اصول کسی استاد سے حاصل کیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نفع
و کرم سے اپنے وقت کے کامیاب تاجروں میں سے آپ کو کیا اور اس ارشاد سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ علامہ قسمی کی فصاحت کے بعد علم
دین کی تحصیل کی طرف راغب ہوئے۔ اس سلسلہ میں تذکرہ نگاروں نے چند روایتیں لکھی ہیں۔ عاجزان میں سے تین روایتیں لکھتا
ہے:

(۱) الموفق نے لکھا ہے: یحییٰ بن شیبان نے حضرت امام کا یہ بیان نقل کیا کہ مجھ کو علم کلام میں مجاہدہ کرنے کا شغف تھا اور مجاہدوں اور
مناظروں میں ایک زمانہ گزر گیا چونکہ مباحثے اور مناظرے کرنے والے افراد زیادہ تر بصرہ میں تھے اسی لیے میں سے ذائد
مرتبہ بصرہ جاتا ہوا۔ کبھی ایک سال کے قریب بھی بصرہ میں میرا رہنا ہوا ہے۔ میں نے خوارزم میں اباضیہ اور صفریہ سے اور
خوئیرہ کے طبقات سے مناظرے کیے ہیں۔ میں علم کلام کو سب سے اعلیٰ علم سمجھتا تھا اور دل میں کہتا تھا کہ یہ اصل دین ہے۔
ایک مدت کے بعد دل میں خیال آیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور ان کے

دوروں سے یہ باتیں پوشیدہ نہیں تھیں جن میں ہم مباحثے کرتے ہیں۔ وہ حضرات ان باتوں کو جانتے ہوئے ان کی طرف راغب نہیں ہوئے بلکہ ان حضرات نے سختی کے ساتھ ان باتوں سے منع کیا ہے اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ حضرات دین کے مسائل اور ابواب فقہ میں غور و خوض کرتے تھے۔ اسی میں ان کی گفتگو ہوتی تھی اور اسی میں ان کی مجلسیں ہوا کرتی تھیں۔ وہ اسی کی ترویج اور تعلیم کیا کرتے تھے۔ اسی میں ان کے مناظرے ہوا کرتے تھے اور اسی کیفیت میں سابقین کا پہلا دور ختم ہوا اور ان ہی کی پیروی تابعین نے کی ہے۔

جب ہم پر یہ بات ظاہر ہو گئی ہم نے مناظرے چھوڑ دیئے اور علم کلام میں غور و خوض کرنے سے باز آئے۔ ہم نے سلف کا طریقہ اختیار کیا اور اصحاب معرفت کی صحبت میں بیٹھے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ جو لوگ علم کلام میں مجاہدے کرتے ہیں ان کے چہرے پر حقد مین کے چہروں کا سا اثر نہیں ہوتا ہے اور نہ ان کا طریقہ صالحین کا طریقہ ہوتا ہے۔ میں نے ان کے دلوں کو سخت پایا۔ وہ کتاب و سنت اور طریقہ سلف کی مخالفت کی پروا نہیں کرتے ہیں اور نہ ان میں ورع و تقویٰ ہوتا ہے۔ مجھ کو یقین ہو گیا کہ اس میں خوبی نہیں ہے اور میں اس سے الگ ہو گیا۔ حمد اللہ علیہ کے لیے ہے۔

(۲) خلیفہ نے اور الموفق نے لکھا ہے: امام زفر حضرت امام کے جلیل القدر شاگرد ہیں وہ حضرت امام سے نقل کرتے ہیں کہ علم کلام میں میری شہرت اتنی بڑھ گئی کہ میری طرف انگلیاں اٹھنے لگیں۔ میری مجلس حاد کے حلقہ درس کے پاس تھی۔ ایک دن ایک عورت نے آکر مجھ سے سوال کیا کہ ایک شخص کی بیوی ایک باندی ہے وہ شخص چاہتا ہے کہ اپنی بیوی کو صحیح طریقہ سے طلاق دے وہ کتنی طلاقیں دے گا؟ میں نے اس عورت سے کہا: تم جا کر حاد سے پوچھو پھر ان کے جواب سے مجھ کو خبر دو۔ چنانچہ عورت ان کے پاس گئی اور پھر یہ جواب لائی کہ جب عورت حیض سے پاک ہو جائے خاوند اس سے ہم بستری نہ کرے اور اس کو ایک طلاق دیدے اور عورت سے الگ رہے جب عورت کو دوسری مرتبہ حیض آجائے اور وہ اس سے پاک ہو جائے خاوند اس سے ہم بستری نہ کرے اور دوسری طلاق دیدے اور عورت سے الگ رہے۔ جب اس کو حیض آجائے اور وہ اس سے پاک ہو جائے وہ اپنے خاوند کے نکاح سے نکل گئی اور اس کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے۔ عورت سے یہ جواب سن کر میں نے اپنی جوتیاں اٹھائیں اور حاد کے حلقہ میں جا کر بیٹھ گیا۔ جو کچھ حاد سے سنتا اس کو یاد کر لیتا۔ حاد کا قاعدہ تھا دوسرے دن شاگردوں سے دریافت کیا کرتے تھے۔ ان کے شاگرد غلطیاں کرتے تھے لیکن مجھ کو یاد ہوا کرتا تھا لہذا حاد نے مجھ کو اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ دی۔

(۳) خلیفہ نے لکھا ہے: حضرت امام ابو یوسف بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام اعظم سے دریافت کیا گیا کہ آپ فقہ کی طرف کیسے راغب ہوئے؟ آپ نے فرمایا: میں نے جب علم پڑھنے کا ارادہ کیا تو تمام علوم پر نظر ڈالی، علم کلام اور عقائد کے متعلق خیال آیا کہ اس میں فائدہ کم ہے اور عاقبت کا کھٹکا ساتھ لگا ہوا ہے اور علم نحو و ادب کے متعلق خیال آیا کہ میرا مشغلہ بچوں کا پڑھانا بن جائے گا اور شعر گوئی میں تعریف و مدح اور غلط بیانی کے سوا کچھ نہیں اور علم قراءت میں دوسروں کو پڑھانے کے سوا کچھ نہیں اور تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے مبارک کلام سے بحث ہے اور نازک مرحلہ ہے اور احادیث شریف جمع کرنے کے لیے ایک عمر چاہیے اور پھر کہنے والے کہیں گے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور میں نے جب فقہ پر نظر ڈالی تو مجھ پر اس کی جلالت شان ظاہر ہوئی۔ اس میں علماء و مشائخ اور اصحاب دانش سے واسطہ پڑتا ہے اقامت دین، فرائض کی ادائیگی اور عبادت کرنے کے طریقوں کی معرفت کا تعلق اسی مبارک طریقہ سے ہوتا ہے۔ (مختصر)

ان تین روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت امام کا میلان علم کلام کی طرف تھا اور آپ نے خوارج سے مناظرے کیے۔ آپ کی کافی شہرت ہوئی پھر آپ کی طبیعت فقہ کی طرف راغب ہوئی اور آپ نے حضرت حاد کی محبت اختیار کی اور فقہ میں درجہ ثانی کو پہنچے دو رہنماہت میں اگرچہ آپ مناظرے کی طرف راغب نہ تھے لیکن اخلاقی طور پر احیاناً کثر شیعہ اور خوارج سے مناظرے کی نوبت آجاتی تھی۔ عاجز ایک مناظرے کا حال لکھتا ہے تاکہ آپ کی نباہت حاضر جوابی اور ”لَا يَتَعَاطُونَ لِي الْمَلَّةَ لَوْعَةً لَّاسِمَ“ کی بھر کیفیت کا حال ناظرین کو معلوم ہو۔

حضرت امام کا خوارج سے زانیہ اور شرابی کے متعلق ایمان پر در مناظرہ

امام موفق نے لکھا ہے: خوارج کو معلوم ہوا کہ گناہ کرنے کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے۔ ہذا ان کے سر افراد آپ کی محفل میں آئے۔ چونکہ محفل میں جگہ نہ تھی وہ کھڑے رہے اور انہوں نے کہا: اے ابوحنیفہ! ہم ایک عیالت کے ہیں تم اہل مجلس سے کہو کہ وہ ہم کو جگہ دیں۔ چنانچہ ان کے واسطے کشائش کر دی گئی اور وہ حضرت امام کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے اور ان سب نے اپنی تلواریں سونت لیں پھر انہوں نے حضرت امام سے کہا: اے امت کے دشمن! اور ان میں سے بعض نے کہہ دیا: اس امت کے شیطان! اور پھر انہوں نے کہا: ہم میں سے ہر ایک کے لیے تمہارا قتل کرنا ستر سال کے جہاد سے بہتر ہے۔ اور ہم نہیں چاہتے کہ تم پر ظلم کریں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم میرے ساتھ انصاف کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! ہم انصاف کریں گے! آپ نے کہا: تم اپنی تلواروں کو نیام میں کر لو کیونکہ تلواروں کی چمک سے دل ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا: ہم اپنی تلواروں کو نیام میں کیسے کریں جبکہ ہم اپنی تلواروں کو تمہارے خون سے رنگنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”فَكَلِمُوا عَلٰی اِسْمِ اللّٰهِ“ تو پھر اللہ کا نام لے کر بات کرو۔ وہ بولے: مسجد کے دروازے پر دو جنازے ہیں۔ ایک عورت کا ہے اس نے زنا کیا جب احساس حمل ہوا خود کٹی کر لی اور دوسرا جنازہ مرد کا ہے اس نے بیٹ بھر کر گلے تک شراب پیا پھر فرغ کرتا ہوا مر گیا۔ حضرت امام نے ان سے کہا: ان دونوں افراد کا قتل کس مذہب سے ہے؟ کیا یہودی ہیں؟ وہ بولے: نہیں! آپ نے پوچھا: کیا نصرانی ہیں؟ جواب ملا: نہیں! آپ نے دریافت کیا: مجوسی ہیں؟ اس کا جواب بھی نہیں ملا۔ آپ نے فرمایا: یہ تو بتاؤ کہ وہ کس ملت سے ہیں؟ انہوں نے کہا: ان دونوں کا قتل اس ملت سے ہے جو ”اشہد ان لا اله الا الله و اشہد ان محمدا عبده و رسوله“ کہتی ہے (یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں) آپ نے پوچھا کہ یہ شہادت یعنی یہ گواہی ایمان کا کتنا حصہ ہے؟ انہوں نے کہا: یہ شہادت پورا ایمان ہے۔ آپ نے فرمایا: ایسے افراد کے متعلق تم مجھ سے کیا پوچھتے ہو جن کے متعلق تم کہتے ہو کہ وہ موسیٰ تھے۔ انہوں نے کہا کہ ان باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ یہ دونوں اہل جنت میں سے ہیں یا اہل نار میں سے؟ آپ نے فرمایا: میں ان دونوں کے متعلق وہ بات کہوں گا جو اللہ کے نبی حضرت امیر ایم علیہ السلام نے اس قوم کے بارے میں کہی ہے جن کا جرم ان دونوں کے جرم سے بڑا تھا۔ ”فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَلَانَهُ مِثْنِيْ وَمَنْ غَضَّيْنِيْ فَلَانَكَ عَذَابٌ رَّحِيْمٌ“ (الحجیم: ۳۶) جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے اور جس نے میرا کہنا نہ مانا تو تو بخشتے والا مہربان ہے اور میں وہ بات کہوں گا جو اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس قوم کے بارے میں کہی ہے جن کا جرم ان دونوں کے جرم سے بڑا تھا۔ ”اِنْ تُعَذِّبْتَهُمْ فَلَتَأْتِيَهُمْ عِبَادُكَ ؕ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَلَا تَكُ الْاَوْفُوْا اَنْفُسِكُمْ“ (المائدہ: ۱۸) اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کر دے تو تو ہی زیر دست حکمت والا ہے اور میں وہ بات کہوں گا جو اللہ کے نبی حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں کی اس بات ”اَتُؤْمِنُ لَكَ وَتَكْفُرُ لَنَا“ ”اَتُؤْمِنُ لَكَ وَتَكْفُرُ لَنَا“ (اشعرا: ۱۱۱) کیا ہم تمہارا ایمان لے آئیں اور تیرے ساتھ کہیں ہو؟ آپ نے جواب میں کہی ہے۔ ”وَمَا عَلَيْنَا كَثُوْرًا يَغْمُرُوْنَ“

إِنْ حَسَبْتَهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّهِ لَوْ تَشْعُرُونَ ۝ وَمَا آتَا بِطَارِدٍ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (الشعراء: ۱۱۲-۱۱۳) جو کام وہ کر رہے ہیں مجھ کو اس کی کیا خبر؟ ان سے حساب کا پوچھنا میرے پروردگار ہی کا کام ہے ۝ اور میں ایمان لانے والوں کو ہٹانے والا نہیں ۝ اور میں حضرت نوح علیہ السلام کی یہ بات کہوں گا: ”وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزَوَّجْتُمْ أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ إِنِّي إِذَا لَمَسْتُ الظَّالِمِينَ“ (سورہ: ۳۱) جو لوگ تمہاری آنکھ میں کہیں ہیں اُن کے متعلق میں نہ کہوں گا کہ اللہ ان کو بھلائی نہ دے گا اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ اُن کے جی میں ہے اگر میں یہ کہوں تو میں بے انصاف ہوں ۝ یہ سن کر خوارج نے اپنے ہتھیار ڈال دیئے اور انہوں نے کہا: ہم اس مسلک سے بیزار ہوتے ہیں جس پر ہم تھے اور اب ہم وہ مسلک اور دین اختیار کرتے ہیں جو کہ اے ابو حنیفہ! تمہارا ہے۔ اور ان لوگوں نے کہا: ”فَلَقَدْ أَمَّاكَ اللَّهُ لَصَلًّا وَحُكْمًا وَعِلْمًا“ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم کو فضیلت اور دانائی اور علم عطا کیا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ اُن سب نے خوارج کا مسلک چھوڑا اور اہل جماعت کا مسلک اختیار کیا اور خیر سے روانہ ہو گئے۔ حضرت امام نے اوائل احوال میں مناظرے کیے۔ ذور تھا بہت میں مناظروں سے اجتناب کیا اتفاقی صورت جیسی کہ اب پیش آئی اس سے بحث نہیں۔ آپ اپنے فرزند گرامی حماد کو اور شاگردوں کو مناظروں سے روکتے تھے۔ علامہ الموفق نے لکھا ہے: عمر بن حماد بن ابی حنیفہ اپنے والد حماد سے بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے فرمایا: علم کلام حاصل کر لو یہ علم کلام فقہ اکبر ہے۔ چنانچہ میں نے یہ علم حاصل کیا اور مجھ کو اس میں مہارت حاصل ہوئی۔ ایک دن میں اصحاب کرام سے مناظرہ کر رہا تھا کہ حضرت والد کی آمد ہوئی آپ نے دریافت کیا: تمہارے پاس کون لوگ ہیں میں نے اُن کے نام آپ کو بتائے۔ آپ نے فرمایا: ”یَا حماد دَعِ الْكَلَامَ“ اے حماد! کلام کو چھوڑ دو میں نے اُن سے کہا: آپ ہی نے علم کلام حاصل کرنے کو کہا تھا۔ فرمایا: تم ٹھیک کہتے ہو اور پھر فرمایا: اے میرے بیٹے! ہاں! میں نے تم سے کہا تھا لیکن اب تم کو اس سے روکتا ہوں۔ اصحاب کلام کا پہلے ایک قول اور ایک دین تھا پھر شیطان نے ان میں عداوتیں ڈال دیں اُن میں اختلاف پیدا ہوئے اور بعض نے بعض کو کافر قرار دیا۔ مشائخ نے اس کو نہ سمجھا اور اہل سلامت نے ان لوگوں سے کہا: اے لوگو! تمہارا امام تمہارا قبلہ تمہاری کتاب تمہاری شریعت ایک ہے۔ جس بات میں اختلاف ہے اس میں مباحثہ کر لو لہذا ہم جمع ہو جاتے تھے اور کوئی تقریر کرتا تھا اور شیطانی اثرات کا بیان کرتا تھا اور سامعین روتے تھے اور مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آج کل تمسخر کیا جاتا ہے اور ٹھٹھے لگاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اس سے بچنا اولیٰ ہے۔ (المختصر)

حضرت امام عالی مقام نے جس ہوش ڈبا حالت میں ”لَعَلَّكُمْ عَلَىٰ اسْمِ اللَّهِ“ کہہ کر سترنگی تلواروں میں محصور ہو کر جس طرح حق کا اظہار کیا ہے وہ افراد جو حضرت امام کی مخالفت میں شب و روز معروف ہیں اس کی نظیر پیش کر سکتے ہیں۔ عاجز کے نزدیک حضرت امام کا اس موقع میں اظہار حق کرنا مصداق ہو رہا ہے اس آیت مبارکہ کا ”لَتَجَاهِلُنَّ لِسِيَّ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ“ (البقرہ: ۵۳) لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا علم والا ہے ۝

علامہ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے:

ان افراد کا ذکر جن سے حضرت امام نے روایت کی ہے اور حضرات تابعین اور ان کے اتباع میں سے چوراسی حضرات کے نام لکھے ہیں پھر ان افراد کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حضرت امام سے روایت کی ہے اور یہ پچانوے افراد کے نام ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے الفصل الثلاثون فی سندہ فی المحدث میں لکھا ہے:

گزر چکا ہے کہ حضرت امام نے چار ہزار مشائخ سے جو کہ ائمہ تابعین تھے اور دوسرے حضرات سے روایت کی ہے اور اس کی بنا پر علامہ ذہبی اور دوسرے حضرات نے حضرت امام کا شمار حدیث شریف کے حفاظ میں کیا ہے۔ اور جس نے یہ خیال کیا ہے کہ حدیث کی طرف آپ کا خیال کم تھا اس نے تسائل سے کام لیا ہے یا حسد کی بنا پر یہ بات کہی ہے۔ یہ بات ایسے شخص کے متعلق کیسے صحیح ہو سکتی ہے جس نے بے شمار مسائل استنباط کیے ہوں اور وہ اپنے مخصوص طریقہ استنباط میں پہلا شخص ہو جس کا بیان اس کے اصحاب نے اپنی تالیفات میں کیا ہے۔

بات یہ ہے کہ وہ مسائل کے استنباط کے کام میں معروف تھے اس لیے ان کی روایتیں پہلی نہیں جس طرح پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایتیں ان کی معروفیات کی وجہ سے کم ہوئیں۔ یہ حضرات معارف عامہ مسلمان میں معروف تھے حالانکہ چھوٹے صحابہ سے زیادہ روایتیں ان کی ہیں۔ یہی حال امام شافعی اور امام مالک کا ہے کہ ان کی روایتیں ان افراد سے کم ہیں جو روایات کرنے کے لیے فارغ تھے جیسے ابو زرعہ اور ابن معین تھے۔ مالک اور شافعی مسائل کے استنباط کرنے میں معروف تھے۔

یہ واضح رہے کہ روایت بغیر روایت کے چنداں مفید نہیں ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے اس کی خدمت میں ایک باب لکھا ہے۔ حافظ محمد الدین ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر دمشقی شافعی متوفی ۷۷۳ھ نے لکھا ہے:

”هو الأمام ابو حنيفة واسمه النعمان بن ثابت مولا هم الكوفي فقيه العراق واحد أئمة الاسلام والسادة الاعلام واحد أركان العلماء واحد أئمة الأربعة أصحاب المذاهب المتويزة وهو أقدّمهم وفاة لأنه آخر له عصر الصحابة ورواهي النس بن مالك قليل وغيره وذكر بعضهم انه روى عن سبعة من الصحابة فالحق اعلم“۔ آپ امام ابو حنیفہ ہیں آپ کا نام نعمان بن ثابت ہے دلاء ایک کوئی کی ہے آپ عراق کے فقیہ ہیں اور اسلام کے ائمہ میں سے اور نام آور حضرات میں سے ایک فرد ہیں اور علماء کے ارکان سے ایک رکن ہیں اور چار مختلف مذاہب کے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ آپ نے صحابہ کا دور پایا ہے اور انس بن مالک کو دیکھا ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کے سوا دوسروں کو بھی دیکھا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے سات صحابہ سے روایت کی ہے۔

ابن کثیر نے آپ کے بعض مشائخ اور بعض شاگردوں کا ذکر کر کے لکھا ہے: یحییٰ بن معین نے کہا ہے: آپ ثقہ اور اہل صدق میں سے ہیں اور جھوٹ بولنے کا اتہام آپ پر نہیں لگایا گیا ہے۔

یحییٰ بن سعید فتویٰ میں آپ کے قول کو اختیار کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: ہم اللہ کے سامنے جھوٹ نہیں بولیں گے۔ ہم نے ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر رائے کسی کی نہیں سنی ہے۔ ہم نے آپ کے اکثر اقوال لیے ہیں۔

ابونعیم نے کہا ہے: ابو حنیفہ مسئلہ کی تہہ تک پہنچتے تھے۔ یحییٰ بن ابراہیم نے کہا ہے: ابو حنیفہ دنیا کے سب سے بڑے عالم تھے۔ خطیب نے سند کے ساتھ اسد بن عمرو سے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ ہر رات نماز میں قرآن مجید پڑھتے تھے (ختم کرتے تھے) اور اتار دیا کرتے تھے کہ ان کے پڑوسیوں کو ان پر ترس آتا تھا۔ آپ نے چالیس سال عشاء کے دھوسے صبح کی نماز پڑھی ہے۔ اور جہاں آپ کی وفات ہوئی ہے ستر ہزار مرتبہ کلام الہی کا ختم کیا ہے۔

حضرت امام ابراہیم رحمہ اللہ

آپ کی کنیت ابو عمران ہے والد کا نام یزید تھا۔ آپ عراق کے مسلم فقیہ تھے۔ چھوٹی عمر میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اگرچہ آپ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث مبارکہ کی روایت کی ہے لیکن آپ کی زیادہ تر روایتیں

اہل تالمین سے ہیں جیسے مسروق، علقمہ، اسود ہیں۔ آپ کی نظر بہ نسبت روایت کے درایت پر زیادہ تھی اور آپ حدیث کی روایت میں ارسال زیادہ کرتے تھے۔ یا اپنے استاذ الاساتذہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لے کر حدیث شریف بیان کر دیا کرتے تھے۔ آپ سے مشہور محدث اعمش نے کہا: جب آپ عبداللہ بن مسعود کی روایت بیان کریں تو بیچ کے واسطہ کا بھی ذکر کر دیا کریں۔ آپ نے فرمایا: اگر میں راوی کا نام لے کر ذکر کروں تو سمجھ لو کہ مجھ سے صرف اسی ایک راوی نے حدیث بیان کی ہے اور اگر میں راوی کا نام نہ لوں تو سمجھ جاؤ کہ روایت کرنے والے چند افراد ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ روایت بغیر فہم و تدبر کے اور فہم و تدبر بغیر روایت کے ٹھیک نہیں، یعنی روایت کے ساتھ درایت کی اور روایت کے ساتھ روایت کی ضرورت ہے۔

آپ نے فرمایا: جب ہم کسی جنازہ میں شریک ہوتے تھے یا کسی کے مرنے کی خبر سنتے تھے تو ہم پر لوں اس کا اثر رہتا تھا۔ ہم کو احساس ہوتا تھا کہ مرنے والے کی انتہایا جنت پر ہے یا دوزخ پر اور اب ہم جنازہ میں شریک ہونے والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ دنیوی باتوں میں مصروف رہتے ہیں اور فرمایا: ہم کسی مرنے والے کو دیکھتے ہیں اور اس کا ذکر نہیں کرتے، ہم کو ڈر لگتا ہے کہیں ہم اس میں جتانہ ہو جائیں اور فرمایا: جو شخص نماز کی گیسیر افتتاح میں تساہل کرے اس کی بلالاح سے ہاتھ دھو لو۔ آپ کو اہل بیت اطہار سے غایت درجہ محبت تھی۔ اس وفور محبت کی وجہ سے بعض افراد نے آپ کو شیعوں لکھ دیا ہے۔

آپ کا پرورش علم و فضل و کمال و زہد و خشیت و اتقا کے گہوارے میں ہوئی۔ حضرت علقمہ بن قیس نخعی آپ کے ماموں تھے اور حضرت اسود اور حضرت عبدالرحمن آپ کے دوسرے ماموں یا بھائی بن قیس نخعی کے صاحبزادے تھے اور یہ تینوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خصوصی اصحاب میں سے تھے۔ حضرت اسود کے فرزند کا نام بھی عبدالرحمن تھا۔ وہ بھی عالم و فاضل اور صاحب کمال تھے۔

حضرت امام ابیہائم اپنے وقت کے فقیہ عراق اور امام اہل رائے تھے جو مسئلہ پیش آتا تھا اس کو حل فرماتے تھے فقہ نقذیری میں بحث نہیں کرتے تھے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا، آپ پر رقت طاری ہو گئی اور آنسو بہنے لگے۔ کسی نے رونے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا: ملک الموت کا انتظار کر رہا ہوں، معلوم نہیں جنت کی بشارت لائے گا یا دوزخ کی خبر سنائے گا۔ ۹۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ امام شعبی نے لوگوں سے کہا: سب سے زیادہ فقیہ کو دفن کر کے تم آرہے ہو۔ کسی نے کہا: کیا حسن بصری سے بھی زیادہ؟ آپ نے کہا: صرف حسن بصری سے زیادہ نہیں بلکہ تمام اہل بصرۃ اہل کوثر اہل شام اہل حجاز سے زیادہ فقیہ تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ واکرم۔

حضرت امام کے اساسی اصول

مسائل کے استنباط اور استخراج کے سلسلہ میں آپ کے سات اصول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید و فرقان جمید۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال و تقریرات۔

(۳) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اور ان کے فتاویٰ۔

(۴) اجماع، یعنی اہل علم کا کسی دور میں کسی مسئلہ پر اتفاق کر لینا۔

(۵) قیاس، یعنی کسی ایسے مسئلہ کا حکم جس کا بیان نہیں آیا ہے کسی ایسے مسئلہ سے نکالنا جس کا حکم معلوم ہو۔

(۶) استحسان، علماء نے فرمایا ہے: قیاس کی ایک قسم علی اور واضح ہے اور اس کا اثر ضعیف ہوتا ہے اور دوسری قسم خفی اور غیر واضح ہے

لیکن اس کا اثر قوی ہوتا ہے۔ پہلی قسم کو قیاس کہتے ہیں اور دوسری قسم کو احسان۔

(۷) وہ مروج طریقہ ہے جس پر بندگان خدا کا تعامل ہو۔

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک

ایک مرتبہ کسی شخص نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: حضرت! حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی لڑائیوں اور جنگ معین کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

امام صاحب نے فرمایا: قیامت کے روز جن باتوں کی پریشانی ہوگی مجھے ان کا ذکر لگا رہتا ہے! ایسے واقعات خدا تعالیٰ مجھ سے نہیں پوچھے گا اس لیے ان واقعات پر چنداں توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ [مخدو الجمان ص ۳۰۵]

طاقت و رکون؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد کوفہ میں تشریف فرما تھے کہ مشہور راغی منظر شیطان طاق آپ کے پاس حاضر ہوا اور کہا: یہ بتائیے کہ لوگوں میں سے بڑا طاقتور اور اہلہ الناس کون ہے؟

امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک اشد الناس حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور تمہارے نزدیک اشد الناس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

شیطان طاق سے پچایا اور کہا: تم نے ہاتھ اٹھ کر دی۔ اصل میں ہمارے نزدیک اشد الناس کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمہارے نزدیک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ابو حنیفہ نے فرمایا: ہر گز ایسا نہیں۔ ہم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اشد الناس قرار دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں معلوم ہو گیا کہ خلافت کا استحقاق ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے تو انہوں نے اسے تسلیم کر لیا۔ اور تمام عمر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی۔ اور تم لوگ کہتے ہو کہ خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جبراً ان سے یہ حق چھین لیا تھا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اتنی قوت اور طاقت نہیں تھی کہ وہ اپنا حق ابو بکر رضی اللہ عنہ سے واپس لے لیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے نزدیک ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ طاقتور اور قوت والے تھے۔ شیطان طاق راغی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ جواب سن کر لال پٹا ہو کر بھاگ گیا۔ [مخدو الجمان ص ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷

سُبْحَانَ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ

[امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حیرت انگیز واقعات: تصنیف: عبدالقیوم عثمانی]

مستجاب الدعوة ہونے کی دعا

لکھا ہے کہ ایک عازم حج بیت اللہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ مسئلہ دریافت کیا کہ مشاہدہ بیت اللہ کے اولین مرحلہ میں کوئی دعا پڑھنی چاہیے کیونکہ علماء فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کے مشاہدہ کے وقت اول نظر پڑتے ہی جو دعا پڑھی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

بِأَن يَدْعُو اللَّهَ عِنْدَ مُشَاهَدَةِ الْبَيْتِ بِاسْتِجَابَةٍ
وَعَاتِهِ فَإِنَّ اسْتِجَابَةَ هَذِهِ الدَّعْوَةِ صَارَ مُسْتَجَابًا
الدَّعْوَةُ: [البحر الرائق کتاب الحج ص ۳۶۲] رہے گی جو قبول نہ ہو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہارگاہ رسالت میں نذرانہ عقیدت

ذیل میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے عربی اشعار جو ہارگاہ رسالت میں بطور ہدیہ عقیدت کے پیش کیے گئے ہیں نقل کر دیے جاتے ہیں کہ احسانی کیفیات میں عشق رسول ﷺ ہی سب سے بڑی دولت ہے جس سے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کو قدرت نے مالا مال کر دیا تھا:

- | | |
|--|--|
| (۱) يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جَعَلْتَ قَاصِدًا | أَرْجُوا بِرُضَاكَ وَاحْتِمَى بِحِمَاكَ |
| (۲) وَاللَّهِ يَا خَيْرَ الْخَلَائِقِ أَنْ لِي | لِقُبَا مُشَوَّلًا لَا يَرُومُ سِوَاكَ |
| (۳) أَنْتَ الَّذِي لَوْلَاكَ مَا عَلِقَ أَمْرُهُ | كَتَلًا وَلَا عَمِلَ الْوَرَى لَوْلَاكَ |
| (۴) أَنْتَ الَّذِي لَمَّا تَوَسَّلَ آدَمُ | فِي زِلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ أَبَاكَ |
| (۵) وَبِكَ الْخَلِيلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهُ | بِرَدًّا وَقَدْ خَمَدَتْ بِسُورِ سِنَاكَ |
| (۶) وَدَعَاكَ إِيوَبُ لِعُزْرِ مَسَّهُ | فَازِلَ عِنْدَ الْخُرْحَيْنِ دَعَاكَ |
| (۷) وَبِكَ الْمَسِيحُ ابْنُ إِسْحَرًا مَعْبُورًا | بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَا دَخَا لِعِلَاكَ |
| (۸) وَكَذَلِكَ مُوسَى لَمْ يَزَلْ مَعْرُوسًا | بِكَ فِي الْقِيَمَةِ مُحْتَمَى بِحِمَاكَ |
| (۹) وَهُوَ دُؤَيْوَسُ مَنْ بَهَاكَ تَجَمَّلَا | وَجَمَالَ يُوسُفُ مِنْ عِنَاءِ سِنَاكَ |
| (۱۰) قَدْ فَتَتْ يَاطَهُ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ | طَرًّا فَسَبَّحَنَ الَّذِي أَسْرَاكَ |
| (۱۱) وَاللَّهِ يَا يَسْنَ مَعْلَكَ لَمْ يَكُنْ | فِي الْعَالَمِينَ وَحَقُّ مَنْ أَنْبَاكَ |
| (۱۲) عَنْ وَصْفِكَ الشُّعْرَاءُ بِأَمْدَانِ | عَجَزُوا وَكَلُوا مِنْ صِفَاتِ عِلَاكَ |
| (۱۳) بِكَ لِي قَلْبٌ مَغْرَمٌ يَا مَتَدَى | وَحَشَاؤُهُ مَحْشُوءٌ بِهَوَاكَ |
| (۱۴) يَا أَكْرَمَ الْعُقَلِينَ يَا كَنْزَ الْوَرَى | جَذَلَنِي بِجُودِكَ وَارْضَنِي بِرُضَاكَ |
| (۱۵) أَنَا طَامِعٌ بِالْجُودِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ | لَا يَسِي حَنِيفَةً فِي الْأَنَامِ سِوَاكَ |
| (۱۶) صَلَّنِي عَلَيْكَ اللَّهُ يَا عِلْمَ الْهَدَى | بِأَحْسَنِّ مَشْعَاقِ الْوَسْوَاقِ |

- (۱) "اے سرداروں کے سردار! میں آپ کے حضور آیا ہوں آپ کی خوشنودی کا امیدوار آپ کی پناہ کا طلب گار۔"
- (۲) "اللہ کی قسم! اے بہترین خلایق! میرا دل آپ ﷺ کی محبت سے لبریز ہے۔ آپ کے سوا کسی کا طالب نہیں۔"
- (۳) "آپ ﷺ اگر نہ ہوتے تو پھر کوئی شخص ہرگز پیدا نہ کیا جاتا۔ اور اگر آپ ﷺ مقصود نہ ہوتے تو یہ مخلوقات پیدا نہ ہوتیں۔"

(۴) "آپ ﷺ وہ ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ کا توسل اختیار کیا اپنی لغزش پر تو کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ کے جذ بزگوار ہیں۔"

(۵) "اور آپ ﷺ ہی کے وسیلے سے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے دعا کی تو آگ سرد ہو گئی۔ اور آگ آپ ﷺ کے نور کی برکت سے بجھ گئی۔"

(۶) "اور حضرت ایوب نے اپنی بیماری میں آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا کی تو ان کی دعا قبول ہوئی اور بیماری دور ہو گئی۔"

(۷) "اور آپ ﷺ ہی کے ظہور کی خوشخبری لے کر حضرت مسیح علیہ السلام آئے انہوں نے آپ ﷺ کے حسن و جمال کی مدح و ثنا کی اور آپ ﷺ کے رجہ بلند کی خبر دی۔"

(۸) "اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آپ ﷺ کا وسیلہ اختیار کیے رہے اور قیامت میں بھی آپ ﷺ ہی کی حمایت کے طالب رہیں گے۔"

(۹) "اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام نے بھی آپ ﷺ ہی کے حسن سے زینت پائی اور حضرت یوسف علیہ السلام جمال بھی آپ ﷺ ہی کے جمال کا حصہ بن گئے۔"

(۱۰) "اے طاہر القلب! آپ ﷺ کو تمام انبیاء پر برتری حاصل ہوئی۔ پاک ہے وہ جس نے آپ کو ایک رات میں اپنے ملکوت کی سیر کرائی۔"

(۱۱) "خدا کی قسم! اے یحییٰ بن قلب! آپ جیسا تو تمام مخلوق میں کوئی ہوا ہے نہ ہوگا۔ قسم ہے اُسی کی جس نے آپ ﷺ کو سر بلند کیا۔"

(۱۲) "اے کل والے! آپ ﷺ کے اوصاف جلیلہ بیان کرنے سے بڑے بڑے شعراء عاجز رہ گئے۔ آپ ﷺ کے اوصاف عالیہ کے سامنے زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔"

(۱۳) "میرے سرکار! میرا حقیر دل آپ ﷺ ہی کا شیدا ہے اور میرے اندر تو آپ ﷺ ہی کی محبت بھری ہوئی ہے۔"

(۱۴) "اے تمام موجودات سے بزرگ و برتر! اے حاصل کائنات! مجھے اپنی بخشش و عطا سے نوازیئے اور اپنی خوشنودی کی مسرت بخشئے۔"

(۱۵) "میں آپ ﷺ کے جو دو کرم کا دل سے طلب گار ہوں کہ اس جہان میں ابو حنیفہ کے لیے آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

(۱۶) "اے ہدایت کے علم سر بلند! مشا قان زیارت کے شوق بے حد کے مطابق قیامت تک اللہ کا درود و سلام آپ ﷺ پر نازل ہوتا رہے۔"

[امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حیرت انگیز واقعات ایضاً]

جھوٹے نبی سے علامات نبوت کی طلب کفر ہے

امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا شاید سزا دیتے ہوں یا بحث و مناظرہ

کرتے ہوں بہر حال جموٹے نبی نے لوگوں سے کہا: مجھے قدرے مہلت دے دو کہ تمہارے سامنے اپنی نبوت کے علامات اور صداقت کے نشانات پیش کر دوں۔

لوگوں نے اس سے علامات نبوت کے طلب کرنے یا دیکھنے میں قدرے تاہل کیا کہ چلو یہ بھی دیکھ لینا چاہیے۔
امام اعظم نے فرمایا: نہیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ جموٹے نبی سے علامات نبوت کی طلب کفر ہے اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ”لا نبی بعدی“ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔
جموٹے نبی سے علامات نبوت کی طلب امکان نبوت کی غماض ہے جس سے حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کی صداقت اور ختم نبوت میں شک پڑنے کا اندیشہ ہے جو موجب کفر ہے۔ [مناقب مولیٰ ص ۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸]

چور پکڑا گیا اور طلاق واقع نہیں ہوئی

امام محمد کا بیان ہے کہ ایک شخص کے گھر میں چور داخل ہوئے اور اس کے گھر سے سامان اور قیمتی مال و متاع اٹھا لیا گیا۔ گھر کا مالک بیدار ہو گیا تو چوروں نے اسے پکڑ لیا۔ اور اس کی تین طلاقی کا حلف لینے پر مجبور کر دیا کہ کسی کو نہیں بتائے گا۔ یعنی یہ کہلوایا کہ اگر میں نے شور مچایا یا کسی کو بتایا کہ چوری کرنے والے لوگ کون ہیں تو میری بیوی پر تین طلاقی۔ چور اس بے چارے کا سارا مال و متاع اور قیمتی مال و اسباب لوٹ کر لے گئے۔

صبح وہ شخص جب بازار آیا تو دیکھا کہ چور اس کا مال و متاع اور اس کے گھر کے قیمتی اسباب بازار میں فروخت کر رہے ہیں۔ مگر وہ حلف کی وجہ سے انہیں کچھ کہنے یا کسی دوسرے کو آگاہ کر دینے یا اس سلسلہ میں بولنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ پریشان تھا اپنا قیمتی سامان فروخت ہوتے دیکھ دیکھ کر اس کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔

آخر یہی سوچا کہ امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ کر لیا جائے شاید کوئی حل نکل آئے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے جب قصہ سنا تو فرمایا: اپنے محلہ کی مسجد کے امام مولانا اور محلہ کے ذی اثر اور چند وجہ افراد کو میرے پاس لاؤ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ جب سب امام صاحب کے ہاں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ چاہے ہو کہ اس بے چارے کا مال و اسباب اللہ کریم اسے واپس کر دے۔

سب نے اثبات میں جواب دیا تو امام صاحب نے فرمایا: تم لوگ اپنے ہاں کے تمام بدچلن اور بدنام و مبہم لوگوں کو ایک گھر یا مسجد میں جمع کر دو۔ ایک دو آدمی دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور جس کی چوری ہوئی ہے اس کو بھی اپنے ساتھ کھڑا کر دو۔

پھر گھر سے ایک ایک کو باری باری نکالتے جاؤ اور اس شخص سے ہر ایک کے بارے میں دریافت کرو کہ ”ہذا لصلک؟“ کیا یہ تمہارا چور ہے؟

اگر وہ شخص اس کا چور نہ ہو تو یہ کہہ دیا کرے کہ یہ میرا چور نہیں اور اگر نکلنے والا شخص واقعہ اس کا چور ہو تو خاموش رہے جس پر یہ سکوت اختیار کرے اسے اپنے قبضہ میں لے لو کہ وہی اس کا چور ہوگا۔ اس طرح چور بھی پکڑ لیا جائے گا اور اس کی بیوی پر طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

لوگوں نے امام اعظم کی تدبیر و تجویز پر عمل کیا تو چور پکڑا گیا اور طلاق بھی واقع نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ابو حنیفہ کی فراست کے مدد سے اس کو تمام مال مسروقہ واپس دلوا دیا۔ [متود الجمان ص ۲۶۹ طائف الاذکیاء]

ایام رمضان میں جماع کی حلف اور امام اعظم ابو حنیفہ کی تدبیر

ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ رمضان کے ایام میں اپنی بیوی سے جماع کروں گا۔ اب اگر جماع کرتا ہے تو روزہ توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور جرم دسرا اور گناہ اس پر مستزاد اور اگر ان ایام میں قربت اختیار نہیں کرتا تو حائض ہوتا ہے۔ بہت سوں کے پاس یہ مسئلہ لایا گیا مگر جواب کہیں سے بھی نہیں ملا۔ جب امام اعظم ابو حنیفہ کے سامنے صورت مسئلہ رکھی گئی تو آپ نے ایک ہی جگہ میں مسئلہ حل کر دیا۔ ارشاد فرمایا:

یسافر بہا فیلطوھا نہاراً فی رمضان۔ مرد سفر پر روانہ ہو عورت کو ہمراہ لے لے رخصت سفر سے فائدہ
[متحد الجہان ص ۲۷۶] اٹھاتے ہوئے روزہ نہ رکھے اور اپنا مقصد پورا کرے۔

نور فقاہت کی جہاں تابی

حضرت مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی صدر مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور لکھتے ہیں:

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

”وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً ۚ وَلَٰكُلُوا فَرَقًا مِّنْ كُلِّ مِرْقَةٍ ۚ وَفِيهِمْ خَازِنَةٌ مُّسْتَفْهِمَةٌ ۚ فِي الْيَوْمِ الْوَاقِعِ لِيَفْشَرُوا أَلْسِنَهُمْ ۚ وَإِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْكُمُونَ“ (توبہ: ۱۲۲) اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو درسائیں اس امید پر کہ وہ بھیجیں۔
اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو دینی فقاہت حاصل کرے اور اس فقاہت کا فائدہ اپنی پوری قوم کو پہنچانے کی کوشش کرے کہ اس عمل کو تعلیمی و تحقیقی دوسروں پر اپنی برتری ظاہر کرنے انہیں مرعوب کرنے یا ذلیل و حقیر ٹھہرانے کا ذریعہ نہ بنائے بلکہ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ قوم کو دین کی ہدایت اور تعلیم کے ذریعہ خوف خدا کی حامل اور اس کے احکام پر عامل بنائے۔

حدیث پاک میں آیا: ”من بصرہ اللہ بہ عبداً یفقهہ فی الدین“ اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی فقاہت عطا فرماتا ہے۔

میں نے غور کیا تو آیت اور حدیث دونوں میں ”فقاہت فی الدین“ کا ذکر جامع ہے۔ دین کے تحت ایک تو وہ عطا ہوئے ہیں جن کو جاننا، ماننا اور دوسروں تک پہنچانا مطلوب ہوتا ہے۔ دوسرے وہ احکام ہوتے ہیں جو عبادات و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور انہیں جاننے کے بعد حسب موقع خود عمل کرنا اور دوسروں کو بتانا عمل کرانا ہوتا ہے۔ تیسرے وہ فضائل ہوتے ہیں جن سے اپنے باطن کو آراستہ کرنا ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ ان رذائل کا بھی ذکر آتا ہے جن سے دل کو صاف رکھنا ہوتا ہے۔

ان تینوں علوم کو بالترتیب: (۱) علم عقائد یا علم کلام (۲) علم فقہ یا علم احکام (۳) علم اخلاق یا علم تصوف سے موسوم کیا گیا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے علم عقائد کو فقہ اکبر سے موسوم کیا۔ اور عقائد پر ”لفقہ الاکبر“ کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں جو حضرات موقعا آ نبوت سے براہ راست فیض یاب ہوئے انہوں نے بہت کم مدت میں عقائد احکام اور اخلاق تینوں کی تعلیم حاصل کر لی۔ وہ تینوں میں راسخ ہوئے اور تینوں میں دیگر افراد کے لیے ہادی و معلم بنے۔

صحابہ کرام سے دین کی فقاہت حاصل کرنے والے اہل تابعین بھی تینوں علوم کے جامع اور دوسروں کے لیے مبلغ و رہنما اور مربی و معلم ہوتے۔ اس وقت فقاہت فی الدین کی تین علوم میں تقسیم نہ تھی بلکہ یکجا تینوں کی تعلیم و تحصیل جاری تھی بعد میں الگ الگ

بچوں فنون کی حیثیت سے ان کی تدوین ہوئی اور علم عقائد، علم احکام، علم اخلاق کو جدا جدا بیان کرنے اور سیکھنے سکھانے کا سلسلہ جاری ہوا۔ انہوں نے بنیاد کتاب و سنت پر قائم ہوئی اور انہی سے اخذ و استناد اور تفریع و تفصیل پر فقہ دین کی پوری مہارت استوار ہوئی۔
کچھ شخصیات ایسی جامع اور عظیم تھیں جو تینوں علوم میں مرجع اور مقتدا بنیں اور کچھ حضرات کو صرف دو یا ایک میں شہرت و مہارت حاصل ہوئی اگرچہ انہیں تعلق تینوں سے تھا اور ہر ایک سے بہرہ ور ہو کر وہ اپنی ذات میں کامل تھے۔ یہ منظر دور اخیر میں بھی نظر آتا ہے، بعض حضرات تینوں میں مرجع و مقتدا ہوئے اور بعض حضرات اپنی جامعیت کے باوجود کسی ایک یا دو میں مرجع و مشہور ہوئے۔

علم عقائد و کلام

علم عقائد و کلام میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدا داد فقاہت کا اندازہ ایک واقعے سے کیا جاسکتا ہے جو ان کے بچپن کا ہے۔
خطیب خوارزمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ روم کے نصرانی بادشاہ نے خلیفہ بغداد کے یہاں اپنا ایلچی بہت سارا مال دے کر بھیجا اور اسے حکم دیا کہ مسلمانوں کے علماء سے تین سوالات کرنا۔ اگر جواب مل جائے تو یہ سارا مال انہیں دے دینا ورنہ مسلمانوں سے خراج کا مطالبہ کرنا۔

وہ قاصد آیا اور تینوں سوالات پیش کیے۔ علماء نے اپنے طور پر جواب دیا لیکن وہ خاموش نہ ہوا، بحث کرتا رہا۔ اس وقت امام اعظم کم سن نابالغ تھے اور اپنے والد کے ساتھ اس مجلس میں موجود تھے، سفیر روم کا جواب دینے کے لیے اپنے والد سے اجازت طلب کی انہوں نے اجازت نہ دی، پھر اٹھ کر خلیفہ المسلمین سے اجازت طلب کی، خلیفہ نے اجازت دے دی۔

امیر المومنین کی اجازت کے بعد وہ سامنے آئے اور عیسائی سے کہا: کیا تم سائل ہو؟ اس نے کہا: ہاں، فرمایا: منبر سے چھپے آؤ۔ سائل کی جگہ زمین پر ہے، میں عجیب ہوں، میری ہڈی منبر پر ہے۔ روی چھپے آ گیا۔ امام منبر پر پہنچے اور فرمایا: اب بتاؤ، تمہارا سوال کیا ہے؟ اس نے پوچھا: اللہ سے پہلے کیا تھا؟ امام نے فرمایا: گنتی جانتے ہو؟ کہا: ہاں، اچانتا ہوں (ایک دو تین چار پانچ) فرمایا: ایک سے پہلے کیا ہے؟ اس نے کہا: کچھ نہیں۔ فرمایا: جب اس واحد مجازی عددی سے پہلے کچھ بھی نہیں تو اس واحد حقیقی سے پہلے کیا ہوگا؟ وہ خاموش ہو گیا۔

پھر اس نے دوسرا سوال کیا کہ اللہ کس جہت میں ہے؟ امام نے فرمایا: شمع جلاتے ہو تو اس کی روشنی کس جہت میں ہوتی ہے؟ اس نے کہا: کبھی جہت میں نہیں ہوتی، چاروں طرف اس کی روشنی نظر آتی ہے۔ فرمایا: جب اس نور مجازی کے لیے کوئی جہت نہیں تو اس نور حقیقی کے لیے کوئی جہت کیسے ہو سکتی ہے؟

اب اس نے تیسرا سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ بے کار رہتا ہے یا کچھ کرتا بھی ہے؟ فرمایا: ”كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ“ وہ ہر دن ہر وقت کسی کام میں ہے۔ اور اس وقت اس کا کام یہ ہے کہ تجھ جیسے بے دین کو منبر سے اتارا اور مجھ جیسے مومن کو منبر پر بلند کیا، تجھ کو ذلت دی اور مجھ کو عزت دی۔ ایلچی خاموش ہو گیا اور جتنا مال لے کر آیا تھا سب دے کر چلا گیا۔

[الاشیاء والاعمال للعلامة زين بن نجيم المصري م ٩٨٠ هـ، "لمن سأل"، كتابات و مراسلات، ٣٨٣٣، باب الفتن و الخلفاء]

امام اعظم کی عظیم دینی فقاہت کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب وہ نہ امام اعظم تھے نہ امام نہ ابو حنیفہ بلکہ صرف نعمان بن ثابت نامی ایک خرد سال فرزند تھے، بعد میں علم عقائد اور کلام و مناظرہ میں ان کی مہارت کا حال یہ تھا کہ بڑے بڑے طہرین اور خوارج و معتزلہ وغیرہ کو چند منٹوں میں لا جواب کر دیتے۔ اس طرح انہوں نے اپنے دور کے فتنوں کو سرنگوں کر دیا۔

ان کی فقاہت باطن اور نورانیت قلب کی بھی ایک شہادت ایک دلی کامل کی زبانی ہے۔ علم شریعت و طریقت کے جامع امام عبدالوہاب شرعی شافعی متونی ۹۷۳ھ اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں نے سید علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے عرفان کے مراتب ایسے دقیق ہیں کہ ان کی معرفت اہل کشف اکابر اولیاء عی کو حاصل ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہ وضو خانے سے بہتا ہوا پانی دیکھ کر اس میں گرنے والے سارے صغیرہ کبیرہ گناہوں اور مکروہات کو جان لیتے اسی لیے انہوں نے وضو میں استعمال شدہ پانی کی تین حالتیں قرار دیں:

اول: یہ کہ وہ نجاست غلیظہ کی طرح ہے یہ اس احتیاط کے تحت کہ ہو سکتا ہے وضو کرنے والا کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہو۔

دوم: یہ کہ وہ نجاست متوسطہ کی طرح ہے۔ یہ اس بنا پر کہ ہو سکتا ہے وضو کرنے والا کسی گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوا ہو۔

سوم: یہ کہ وہ خود پاک ہے مگر دوسرے کو پاک کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ یہ اس لیے کہ ہو سکتا ہے وضو کرنے والا کسی مکروہ یا خلاف اولیٰ کا مرتکب ہوا ہو۔ یہ حقیقتاً گناہ نہیں اس لیے کہ وہ فی الجملہ جائز ہے۔

کچھ مقلدین امام نے یہ سمجھا کہ یہ تینوں اقوال ایک ہی حالت سے متعلق ہیں مگر ایسا نہیں ہے تین اقوال تین حالتوں سے متعلق ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ یہ اس لحاظ سے کہ شرعی گناہ تین قسموں میں منحصر ہیں۔ مکلفین کی اکثریت ان میں سے کسی ایک کے ارتکاب سے خالی نہیں ہوتی مگر نادر۔

دوسری جگہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول نجاست آب مستعمل کے تذکرے میں سیدی علی خواص شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد اپنے سوال کے جواب میں نقل کرتے ہیں:

ہاں امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد عظیم ترین اہل کشف میں تھے۔ وہ لوگوں کے وضو سے گرنے والا پانی دیکھ کر ان کی ان خطاؤں کو جان لیتے تھے جو پانی میں گری ہیں یہ بھی اختیار کر لیتے کہ کون سا طہالہ کہاڑ والا ہے کون صفائے کا ہے کون مکروہات کا ہے اور کون خلاف اولیٰ کی آمیزش رکھتا ہے۔ ہم سے بیان کیا گیا کہ امام ابو حنیفہ جامع مسجد کوفہ کے وضو خانے میں داخل ہوئے ایک جوان کو وضو کرتے اور اس سے پتے پانی کو دیکھا تو فرمایا: بیٹا والدین کی نافرمانی سے توبہ کر اس نے کہا: میں نے خدا کی ہار گاہ میں اس سے توبہ کی۔ دوسرے شخص کا طہالہ دیکھا تو اس سے فرمایا: بھائی رتا سے توبہ کر اس نے توبہ کی۔ تیسرے کا طہالہ دیکھا تو اس سے فرمایا: بھائی شراب نوشی اور آلات لہو سننے سے توبہ کر اس نے کہا: میں نے توبہ کی۔ اس نے کہا: میں نے ان سب سے توبہ کی ان کے نزدیک یہ امور ایسے ہی تھے جیسے محسوس چیزیں ہوتی ہیں۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ امام اعظم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان پر اس طرح کا کشف بند کر دے اس لیے کہ اس میں لوگوں کی پوشیدہ برائیوں سے آگاہی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

[نیز ان الشریعۃ الکبریٰ کتب الطہارۃ ص ۳۰]

امام شرعی نے بتایا ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین اہل کشف و مشاہدہ اور صاحب ولایت تھے۔ اگر یہ حضرات ولی نہ ہوں تو روئے زمین پر کوئی ولی نہیں۔ (ص: ۵۵) تمام ائمہ مجتہدین اپنے قبضین کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ ان پر دنیا، بدرخ، روز قیامت اور پل صراط سے گزرنے تک جو بھی سختیاں درپیش ہوں سبھی ملاحظہ فرماتے اور ان کی دست گیری کرتے ہیں۔ (ص: ۳۰ ص: ۶۵)

وہ لکھتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے چشمہ شریعت سے آگاہی دے کر مجھ پر احسان فرمایا تو میں نے دیکھا کہ تمام مذاہب اس چشمہ سے مرعوب ہیں۔ میں نے دیکھا کہ تمام مذاہب میں مذاہب اربعہ کی ساری نہریں جاری ہیں اور جو مذاہب مٹ گئے وہ جامہ پتھر کی شکل میں ہو گئے۔ ائمہ کرام میں سب سے زیادہ لمبی نہر میں نے امام ابو حنیفہ کی دیکھی۔ پھر امام مالک، پھر امام شافعی، پھر امام احمد ابن

جبل کی اور سب سے چھوٹی نہر مذہب امام داؤد کی دیکھی۔ یہ مذہب پانچویں صدی میں ختم ہو گیا۔ میں نے اس کی تاویل ان مذاہب پر عمل کی مدت کے دراز اور کوتاہ ہونے سے کی۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب جیسے تدوین میں سب مدونہ مذاہب سے پہلے تھا اسی طرح اختتام میں سب مذاہب کے بعد ہے۔ اہل کشف کا بھی یہی بیان ہے۔ [بہر ان ص ۳۸]

امام اعظم کے کشف باطن اور معرفت اسرار سے متعلق درج بالا شہادتوں سے ان کی فقہیت احکام اور تدوین فقہ کی عظمت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ امام اعظم اپنے علم کلام اور علم باطن سے زیادہ اپنے علم فقہ اور قوت اجتہاد میں عالمی شہرت رکھتے ہیں اور ایک امام مجتہد کی حیثیت سے پوری دنیا میں متعارف ہیں۔

امام اعظم کے زمانے تک دستور یہ تھا کہ کوئی مجتہد واقعہ پیش آتا تو اس کا حکم تلاش کیا جاتا مگر مسئلہ پر امام اعظم کا احسان یہ ہے کہ انہوں نے بہت طویل غور و فکر اس پر کیا کہ مستقبل میں کون سے مسائل پیش آسکتے ہیں۔ اس وقت اسلامی سلطنت کا رقبہ بہت وسیع ہو چکا تھا اور روز بروز اس میں اضافہ بھی ہو رہا تھا اس لیے انہوں نے عالم گیر سطح پر غور کیا کہ آئندہ کس طرح کے عائلی معاشرتی، تمدنی اور سیاسی مسائل پیش آسکتے ہیں اور نئے حالات میں عامہ مسلمین فقہاء و حکام اور سلاطین کے لیے دستور العمل کیا ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں انھیں کم از کم درج ذیل مراحل سے گزرنا تھا:

(۱) نئے حالات میں پیش آنے والے مسائل کی تعیین اور ان سوالات کا استخراج جن کے جوابات سے علماء و فقہاء کو عہدہ برا ہونا پڑے۔

(۲) کتاب و سنت اور اجماع کی روشنی میں ان اصول و قواعد کی تفریح جن کے تحت مسائل کو حل کیا جائے۔

(۳) دو مسائل جن کا ثبوت کتاب و سنت کی عبارت، اشارت، دلالت یا انتضاء سے ہوتا ہے۔

(۴) احادیث کا علم ان کے الفاظ پر نظر ان کے راویوں کا علم اور ان کے حالات پر نظر ایک موضوع کے تحت چند حدیثیں ہیں تو یہ سب ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں یا ان میں کچھ اختلاف و تجارض نظر آتا ہے؟ اگر اختلاف ہے تو اس کی بنیاد کیا ہے؟ پھر تطبیق یا ترجیح کی صورت کیا ہے؟

(۵) جملہ احادیث اور ان کے رواۃ کے احوال پر نظر کرتے ہوئے یہ فیصلہ کہ کون سی حدیث احکام میں قابل استناد ہے اور کون اس درجے کی نہیں ہے۔

(۶) جن مسائل کا ثبوت واضح طور پر کتاب و سنت اور اجماع سے نہیں ہوتا ان کا کتاب و سنت کے صریح احکام اور ان کی ملتوں کی روشنی میں استنباط۔

ظاہر ہے کہ ان مراحل سے گزرنے کے لیے زبردست علم، ہمہ جہت نظر، طویل غور و فکر، صبر آزما محنت و استقلال، کامل اخلاص و ہمدردی اور خدا اور رسول ﷺ کی بارگاہ سے خاص عنایت و فیضان ضروری ہے۔

اس لیے امام اعظم نے تدوین فقہ کا کام تھا انجام نہ دیا بلکہ فقہاء و مجتہدین کی ایک مجلس تشکیل دی جس کے سامنے ایک ایک مسئلہ پیش ہوتا ہر شخص اپنی وفقاہت اور دلائل کی روشنی میں بحث کرتا، جب ایک حکم پر سب کا اتفاق ہو جاتا تو اسے درج کر لیا جاتا ورنہ اختلاف کے ساتھ ٹھکرا جاتا۔

اس عظیم جدوجہد کا ثمرہ یہ ہوا کہ ایک جامع دستور العمل تیار ہو گیا جس کا فائدہ سلاطین، امراء، فقہاء، عامۃ المسلمین اور

غیر سبھی کو پہنچا، امام اعظم اور ان کے اصحاب کے احسان کا اعتراف ان جلیل القدر شخصیات نے کیا ہے جو اس کام کی عظمت و اہمیت سے آشنا ہیں۔

حضرت ہذا ابن حکیم جن کی عبادت کا یہ حال تھا کہ ساٹھ سال تک وہ رات کو سوئے نہیں، ظہر کے وقت وضو کرتے پھر اس کے بعد دوسری ظہر کے وقت دوسرا وضو کرتے، یہ بلخ کے امام اور حضرت سفیان ثوری کے شاگرد ہیں، ۲۱۳ھ میں وصال ہوا، وہ فرماتے ہیں:

”لولا من الله علينا بابي حنيفة واصحابه حيث بينوا هذا العلم وخبروا الم نكن لندي عاننا من ذلك وما ننا عليه“ یعنی اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ ہم پر احسان نہ فرمایا ہوتا تو ہم کو کچھ پتہ نہ چلتا کہ ہم کیا لیں، کیا چھوڑیں، کس پر عمل کریں اور کس پر عمل نہ کریں، لیکن ان حضرات نے علم فقہ کو ایسا واضح و آشکارا کر دیا کہ ہمارے لیے کام آسان ہو گیا۔ [مناقب امام اعظم از: امام موقی بن احمد کی م ۵۶۸ھ]

حضرت ابن سرتج رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے امام اعظم پر کچھ تنقید کی تو انہوں نے فرمایا: اے شخص! چپ رہ، ان کے لیے تین چوتھائی (۵/۷) علم بالاجماع تسلیم شدہ ہے اور ایک چوتھائی علم جو باقی رہتا ہے وہ دوسروں کے لیے پورا تسلیم نہیں کرتے۔ اس نے کہا: یہ کیسے؟ فرمایا: اس لیے کہ علم سوال و جواب کا مجموعہ ہے۔ نصف علم سوال اور نصف علم جواب۔ ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سوالات وضع کیے۔ تو یہ نصف علم ان کے حق میں مسلم ہے۔ پھر انہوں نے ان سوالات کے جوابات دیے تو بعض نے کہا: درست ہیں، بعض نے کہا: خطا ہیں۔ ام اگر مان لیں کہ جوابات میں خطا و صواب کی مقدار برابر ہے تو نصف درست ہوئے نصف غلط۔ تو نصف ان کے لیے مسلم ہے۔ اب ایک چوتھائی جو باقی ہے اسے وہ دوسروں کے لیے تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان مسائل میں ان سے بحث کے لیے تیار ہیں تو بقیہ چوتھائی دوسروں کے لیے مسلم نہیں اور ان کے لیے تین چوتھائی مسلم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے شریعت کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور ابو حنیفہ اس شریعت کی تدوین کرنے والے پہلے شخص ہیں تو یہ بعید ہے کہ رب کریم نے جس شریعت کی حفاظت کا ذمہ لیا اس کی تدوین کرنے والا پہلا ہی شخص خطا پر ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم فرائض میں کتاب لکھی اور علم فرائض نصف علم ہے۔ نما اکر م ﷺ کا ارشاد ہے: فرائض سیکھو اس لیے کہ یہ تمہارے دین سے ہے اور یہ نصف علم ہے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ شرائط کے بارے میں کتاب لکھی۔ شرائط کی تعلیم فرمانے والا اللہ عزوجل ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: ”وَلَا تَأْتِبْ كِتَابًا أَنْ يَكْتُبَ عَلَيْنَا عَلْمَهُ اللَّهُ“ (البقرہ: ۲۸۲) شرطیں وضع کر سکتا ہے جو نہایت علم کو پہنچا ہوا ہو اور علماء کے اقوال و مذاہب سے باخبر ہو اس لیے کہ شرطیں تمام الابواب فقہ پر متفرع ہوتی ہیں اور ان کے ذریعہ تمام مذاہب سے احتراز مقصود ہوتا ہے تاکہ کوئی حاکم اپنے مذہب کی بنیاد پر انہیں توڑنے یا فتح کرنے کا فیصلہ نہ کر سکے۔ بڑا کمال یہ نہیں ہے کہ جب شرطیں وضع ہو گئیں تو انہیں سکھایا۔ بڑا کمال ان کی ایجاد اور اول اول انہیں وضع کرنا ہے۔ اگر کوئی دعویٰ کرے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ فقہ فرائض اور شروط کے مدون اول نہیں، ان سے پہلے تدوین ہو چکی تھی تو اس سے کہو: لاؤ تم ہمیں صحابہ یا تابعین کی کوئی ایسی کتاب دکھاؤ جس میں یہ علم جمع شدہ اور مندرج ہوں۔ وہ جھوٹا دعویٰ اور مبہوت ہو کر رہ جائے گا۔ [مناقب موقی بن احمد م ۱۳۸]

کوفہ فقہ سے بھرا ہوا کوئی م ۱۰۳ھ رجال صحاح ستہ سے عظیم محدث ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ کوفہ فقہ سے بھرا ہوا تھا۔ ابن شبرمہ ابن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح اور شریک جیسے کثیر فقہاء کوفہ میں موجود تھے۔ لیکن کس کے اقوال کو رواج عام حاصل نہ ہوا اور امام ابو حنیفہ کا علم بلا دوا نظر میں پھیل گیا۔ اسی کی بنیاد پر خلفاء ائمہ اور حکام کے فیصلے ہوتے اور اسی پر معاملہ قرار پڑتا ہوا۔

مزید فرماتے ہیں:

فقہ میں امام ابو حنیفہ کا قول اللہ کے لیے تھا۔ اگر اس میں غرض دنیا کی کچھ بھی ملاوٹ ہوتی تو اسے آفاق عالم میں یوں نفوذ و قبول حاصل نہ ہوتا خصوصاً جب کہ ان کے عیب جو اور حاسدین بڑی تعداد میں موجود تھے۔ فرماتے ہیں:

امام ابو حنیفہ نے فقہ میں وہ کوشش اور اجتہاد کیا جو ان سے پہلے کسی سے نہ ہوا تو اللہ نے ان کی رہنمائی فرمائی راستہ ان کے لیے آسان کر دیا اور خواص و عوام ان کے علم سے نفع یاب ہوئے۔ [مناقب موثق ص ۳۱]

ابو عاصم یحییٰ (ضحاک بن یحییٰ) بصری (متوفی ۲۴۱ھ) رجال صحاح ستہ سے بلند پایہ محدث ہیں ان سے عثمان بن عفان بھری روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو عاصم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے امید ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے جسے میں روزانہ ایک صدیق کا عمل خدا کے یہاں جاتا ہے میں نے عرض کیا: کیوں؟ فرمایا: اس لیے کہ ان سے اور ان کے اقوال سے انسانوں کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔

[مناقب موثق ص ۳۸]

اور جس کو حکمت دی گئی اسے بہت بھلائی دی گئی۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ط.

(البقرہ: ۲۶۸)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل کی مدد و توفیق اور حفاظت و رحمت جماعت

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ

يدفعه على الجماعة

(رواہ ترمذی) [مشکوٰۃ لمصاب باب الاحصاء

بالکتاب والحدیث الفصل الثانی ص ۳۰ مجلس مکتبہ]

ہے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تدارک دے سکے جس نے ہم سے حدیث سنی اور اس کو یاد رکھا یہاں تک کہ اسے دوسروں تک پہنچایا کہ بہت سے صاحب فقہ ایسے لوگوں کے پاس فقہ پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں اور بہت سے حامل فقہ خود فقیہ نہیں ہوتے۔

نحو الله امر اسمع منا حديثا فحفظه حتى

يلفقه غيره، فرب حامل فقه الى من هو افقه منه.

[ترمذی کتاب الطباق فی الحدیث علی تخلیف اسحاق ج ۲ ص ۹۰]

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

(ترجمہ:) ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عابد کی عبادت اور اس کے زہد و ورع کا فائدہ اس کی اپنی ذات کو ہوتا ہے جبکہ فقیہ کے مستحب کردہ حلال و حرام اور دیگر مسائل کی تعلیم کی بدولت ہزاروں اور لاکھوں دوسرے افراد کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان جس قدر فقیہ سے الرجک ہے اور گھبراتا ہے عبادت گزاروں سے نہیں۔

(ترجمہ:) فقہ دیکھنے میں اپنا پورا زور صرف کر دو کیونکہ فقہ شکی اور تقویٰ کی طرف قیادت کرنے والا بہترین اور میانہ روی سے لے کر چلنے والا رہبر ہے۔ (فقہ) وہ علم ہے جو ہدایت کے راستوں کا ہادی اور رہبر ہے اور وہ فائدہ ہے جو ہر طرح کی مشکلات سے نجات دلانے والا ہے۔ ایک پرہیزگار فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام علیہم السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

”ان رجالا یا تو نکم من الارض یسلفھون فی الدین لاذا الو کم فاستو صوابھم غیروا“ یعنی لوگ تمہارے پاس دین میں فقہیت حاصل کرنے کی غرض سے آئیں گے پس جب وہ آئیں تو ان سے اچھا برتاؤ کرنا۔ [شرح السنہ ج ۱ ص ۳]

اذا ما اعتزذ و علم بعلم فاعلم الفقه اولی باعتزاز

فکم طیب تفوح ولا کمسک و کم طیر یطیر ولا کبار

”جب کوئی صاحب علم علم کی وجہ سے فخر کرے تو علم فقہ سب سے بہترین اعزاز ہے جس وجہ افکار سمجھنا چاہیے۔“

”خوشبوئیں تو بہت ہیں مگر مشک ایسی کوئی نہیں ہے پرندے تو بہت اڑتے پھرتے ہیں مگر باز کے مقابل سے ہزار ہیں۔“

فقہ حدیث کا ثمر ہے اور فقہاء احادیث کے معانی، محدثین سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ چنانچہ ترمذی نے باب (مساجد فی غسل المیت) غسل میت کے بارے میں مذاہب فقہاء بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”و كذلك قال الفقهاء وهم علم المعانی الاحادیث“ فقہاء نے ایسا ہی فرمایا ہے اور فقہاء کرام احادیث مبارکہ کے

معانی محدثین (غیر فقہاء) کی نسبت زیادہ جاننے والے ہیں۔ امام بخاری علیہ الرحمہ جنہیں رئیس المحدثین کہا جاتا ہے انہوں نے باوجود حدیث دانی کے فقہ سیکھنے کے لیے حضرت امام حیدری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فقہ کا علم حاصل کیا جیسا کہ امام سبکی طبقات الشافعیہ الکبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ”وتفقه علی الحمیدی“ [طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۱] امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام حیدری کی شاگردی اختیار کرنے کی کیا پڑی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر علم حدیث سے مسئلہ حل نہیں ہوتا اس کی وضاحت کے لیے ایک دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں بات سمجھ آ جائے گی۔

امام ابراہیم بن خالد بن الیمان ابو ثور الکوفی بغدادی متوفی ۲۴۰ھ جو محدث ہونے کے علاوہ فقیہ بھی تھے ان کے حالات میں

طبقات الشافعیہ الکبریٰ میں لکھا ہے: ”ولاشک ان الفقه کان اھلب علیہ من الحديث وکان اھدون اذا مسطراھن مسائل الفقه اھالوا علیہ“۔ [طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲۸]

کوئی شک نہیں کہ ابو ثور پر حدیث کی نسبت فقہ غالب تھی۔ اور جب محدثین سے مسائل فقہ دریافت کیے جاتے تو ابو ثور کے پاس بھیج دیتے تھے۔ اس عبارت کے بعد امام سبکی علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ متصل والقصہ ذیل لکھا ہے:

(ترجمہ:) ایک غاسلہ (یعنی مردوں کو غسل دینے والی عورت) ایک مجلس میں ٹھہری تھی جس میں محیی بن معین اور ابو یوسف وغیرہ اور عقیق

بن سالم ایک جماعت میں حدیث کا تذکرہ کر رہے تھے پس اس نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے: ”قال رسول اللہ ﷺ“ (رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا) ”رواہ فلان“ (اس حدیث کو فلان روای نے روایت کیا ہے) ”وما حدث بہ ظہیر فلان“ (اس حدیث کو فلان روای

کے سوا کسی اور روای نے روایت نہیں کیا۔) پس اس غاسلہ نے اس سے پوچھا کہ کیا حیض والی عورت میت کو غسل دے سکتی ہے؟

محدثین میں سے کسی نے اس کا جواب نہ دیا حالانکہ وہ جماعت تھی۔ اور ایک دوسرے کی طرف جھانکنے لگے۔ پس ابو ثور آٹکے انہوں

نے اس عورت سے کہا کہ آنے والے سے پوچھ لو وہ ابو ثور کی طرف متوجہ ہوئی اور ابو ثور رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہوئے اس

عورت نے آپ سے یہ پوچھا آپ نے فرمایا: ہاں! غسل دے سکتی ہے اس لیے کہ قاسم نے حضرت عائشہ صدیقہ عقیقہ رضی اللہ عنہا سے

روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے

کہ میں حیض کی حالت میں نبی کریم ﷺ کے سر مبارک میں پانی سے مانگ نکالا کرتی تھی ابو ثور رحمہ اللہ نے فرمایا: جب مانع زعمہ کے سر میں پانی سے مانگ نکال سکتی ہے تو بطریق اولیٰ مردہ کو غسل دے سکتی ہے یہ ہے فقہ جس محدثین بولے: ہاں! اس حدیث کو فلان

نے روایت کیا ہے فلاں نے ہم کو اس کی خبر دی۔ ہم اس کو فلاں فلاں کے طریق سے جانتے ہیں اور وہ روایات وطریق حدیث میں غور و خوض کرنے لگے۔ اس پر وہ عورت کہنے لگی اب تک تم کہاں تھے؟
حضرت امام سلیمان بن مہران اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”یا معشر الفقہاء! انتم الاطباء نحن الصیادلة وأنت ایہا الرجل أخذت بكل الطرفین“ اے گروہ فقہاء! طبیب ہو اور ہم محدثین دوا فرش۔ اور اے ابو حنیفہ! تم دونوں اوصاف کے جامع ہو (محدث بھی ہو فقیہ بھی ہو)۔

[الخیرات الحسان، ص ۶۱، از: علامہ احمد بن حنبل]

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (ولادت: ۸۰ھ وفات: شعبان ۱۵۰ھ) نے فرمایا: ”لا تتبع الرأی والقیاس الا اذا لم اظهر بشیء من الکتاب أو السنة أو الصحابة وحسی اللہ تعالیٰ عنہم“ میں اجتہاد و قیاس نہیں کرتا مگر اس وقت جب کہ مجھے قرآن یا حدیث یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کچھ نہ ملے۔

[عمدة القاری شرح معجم البخاری، ج ۷، ص ۳۰۲، کتاب الحج، باب میں ”أشهر“ و قلند ہدی الحلیفہ لم أحرم“ از: علامہ بدر الدین عینی]

اور فرمایا:

”الشی أقدم العمل بالکتاب، ثم بالسنة، ثم بالقضية الصحابة مقلدا ما اتفقوا علی ما اختلفوا“ و حینما اقلیس میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں اس کے بعد احادیث پر پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متفقہ فیعلہ پر اور ان کے درمیان کسی مسئلے میں اختلاف ہو تو قیاس کرتا ہوں۔ [میزان الشریعہ، لکھنؤ، فصل: فی بیان ضعف قول من نسب الامام ابا حنیفۃ الی أنه یقدم القیاس علی حدیث رسول اللہ ﷺ، از: عارف باللہ امام عبدالوہاب شعرائی رحمہ اللہ تعالیٰ]

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”الناس عیال فی الفقه علی ابي حنیفة ما رأیت أحدا الفقه منه“ لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں میں نے کسی کو ان سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ [الخیرات الحسان، ص ۶۹، از: علامہ احمد بن حنبل]

آخری گزارش

آپ طلبہ حدیث شریف سے مجھے مقالہ کے آخر میں ایک نہایت ضروری اور اہم درخواست یہ کرنی ہے کہ آپ علمی طور پر کتنا ہی اونچا مقام حاصل کر لیں حدیث کے اسباق میں طویل مٹی مباحث یاد کر لیں حدیث شریف کے متن اس کی اسناد اور متعلقہ مباحث اور علمی تحقیقات پر کتنا ہی عبور اور دسترس حاصل کر لیں لیکن یہ سب کچھ صرف ظاہری حسن و کمال ہے اور ۔

اجلاس کی ظاہر میں تو بلبوس چمکیلا سہی خود کو جو خود میں دیکھ لے میلا ہے تو ننگا ہے تو

..... کی خطرناک صورت حال برقرار ہے یعنی ۔

دیکھو تو ایک ٹل بھی نہیں ہے لباس میں سوچو تو سلوٹیں ہیں سو سوا اک روح میں

..... کا میرے بھائی معاملہ ہے۔ لہذا ظاہری طور پر عمل کے زیور سے آراستہ ہونے کے ساتھ اگر آپ کے پاس علم کے ساتھ ساتھ عمل کی روح نہ ہو تو یقین فرمائیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس خالی علم کی وقعت ایک تنکے کے برابر نہیں ہے حدیث مبارکہ ہے اصل غرض دعا و غایت اور مقصد اعلیٰ یہ ہے کہ اس سے اتباع سنت کا جذبہ صادقہ آپ کے اندر پیدا ہو فضائل اعمال کا شوق اور ذوق بیدار ہو خوف خدا فکر آخرت اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کرم ﷺ کی محبت دل میں پیدا ہو اور گناہوں اور نافرمانیوں سے مکمل اجتناب اور

پر بیہوشی کی عادت پیدا ہو اور گناہوں سے شدید نفرت پیدا ہو اور اگر حدیث شریف پڑھنے کے عرصہ میں یہ چیزیں پیدا نہیں ہوتیں تو پھر خود کسی نے علمی طور پر کتنے مباحث رٹ رکھے ہوں لیکن ”کشمش الحمار بمحمل اسفار“ سے معاملہ آگے نہیں بڑھا کیونکہ احادیث مبارکہ صرف قرأت و تلاوت اور مطالعہ و ریٹنگ کے لیے نہیں ہیں اور نہ فقط اس کام کے لیے ہیں کہ انہیں اپنے وعظ و تقریر اور خطاب و لکچر اور درس و مذاکرہ میں بیان کر کے یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم طلب العلم اور تبلیغ دین کے فریضہ سے سبک دوش ہو گئے ہیں اور اگر ہم ان کے تقاضوں پر عمل نہیں کریں گے تو ان پر عمل کے لیے کوئی دوسری مخلوق پیدا نہیں ہوگی جو ہمارے خواندہ علم پر ہمارے لیے عمل کرے گی اور ہماری جگہ اور ہمہ و معاون بن کر آئے گی۔ یہ احادیث مبارکہ ہم پڑھ رہے ہیں تو ان پر عمل کرنا بھی ہماری ہی ذمہ داری ہے۔ لہذا حدیث پڑھنے کے دوران اعمال و اخلاق کی اصلاح کی بھرپور کوشش کرتے رہیے۔ یاد رکھیں اگر علمی مباحث یاد کرنے میں کوئی کمی کوتاہی رہ گئی تو وہ اتنی خطرناک نہیں جتنی علمی مہارت پیدا کرنے کے باوجود اعمال و اخلاق اور سیرت و کردار میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو۔

عزیز طلبہ کرام

میرے شیخ حضرت علامہ محمد عبدالکیم شرف قادری قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے:

علم اور عمل کی مثال اس طرح ہے جس طرح پرندے کے دو پر ہوتے ہیں۔ ایک پر علم ہے اور دوسرا پر عمل۔ اور ظاہر ہے کہ صرف ایک پر کے ساتھ پرندے کا پرواز کرنا اور اڑنا ناممکن ہے اور ہلاکت کی جلی کسی بھی وقت اس کو دریغ کر اس کا تکیہ ہوئی کر کے رکھ دے گی۔ استاد صاحب کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ علم کے ساتھ عمل کی اہمیت کو خوب اجاگر کیجئے کیونکہ انسان کی زندگی کو اگر ایک پرندہ قرار دیا جائے تو علم (حقیدہ سمحہ) اور عمل اس کے دو پر ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک پر کے ساتھ پرواز کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

احادیث مبارکہ میں عمل کی اہمیت

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسناد مسلسل بالمعمل بما علم واوہ“۔ صحیح مسلم شریف کی ایک انوکھی بے مثال حدیث ہے جو مسلسل ایسے روایوں سے مروی ہے جن میں سے ہر ایک اپنے علم پر عمل کرنے والا ہے۔

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت نعمان بن سالم بیان کرتے ہیں: مجھ سے حضرت عمر بن اوس نے بیان کیا وہ کہتے ہیں: مجھ سے حضرت عتبہ بن ابی سفیان نے اپنی مرض الموت میں حدیث بیان کی جو ان تک سند مسلسل سے پہنچی وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ام حبیبہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے سنا ہے وہ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آپ فرماتے تھے:

من صلی النبی عشرة رکعة فی یوم وليلة
جس شخص نے دن اور رات میں بارہ رکعتیں پڑھیں اس کے لیے
ان رکعتوں کے بدلے جنت میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے۔
نبی لہ بہن بیت فی الجنة
حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

میں نے جب سے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے ان بارہ رکعتوں کو پڑھنا ترک نہیں کیا اور عمر بن اوس کہتے ہیں: میں نے جب سے حضرت عتبہ سے سنا ہے ان بارہ رکعتوں کو پڑھنا ترک نہیں کیا اور نعمان ابن سالم کہتے ہیں: جب سے میں نے حضرت عمرو بن اوس سے سنا ہے کبھی ان بارہ رکعتوں کو ترک نہیں کیا۔

امام قسمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا لسنا بالفقهاء، ولكننا سمعنا الحديث
فروينا، ولكن الفقهاء من اذا علم عمل.
ہم فقہاء نہیں البتہ ہم حدیث سن کر روایت کرنے والے ہیں لیکن
فقیر وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔

[سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۳۳]

(۱) عبدالرحمن بن مہدی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کو سنا وہ فرماتے تھے:

ما بلغني عن رسول الله ﷺ حديث قط
الا عملت به ولو مرة. [سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۳۳]
مجھے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث نہیں پہنچی مگر میں نے اس پر عمل
کیا اگرچہ ایک مرتبہ ہی تھی۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے ایک بھی ایسی حدیث نہیں لکھی جس پر عمل نہ کیا ہو یہاں تک کہ میری نظر سے یہ
حدیث گزری کہ نبی اکرم ﷺ نے سینگ لگوائی اور ابو طیبہ کو آپ نے سینگ لگانے کے عوض ایک دینار (اجرت میں) دیا تو میں نے بھی
رسول اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ پر عمل کرتے ہوئے سینگ لگوائی اور تمام (سینگ لگانے والا) کو ایک دینار اجرت دی۔

(۲) حضرت دکیج فرماتے ہیں:

كننا نسعين على حفظ الحديث بالعمل
به. [الامم النبوية ص ۱۵۸]
ہم حدیث پر عمل کے واسطے حدیث کے حفظ پر اللہ تعالیٰ سے
استعانت (مدد طلب) کرتے تھے۔

(۳) حضرت سلیمان ابن عیینہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

من عمل بما يعلم، كفى ما لم يعلم.
[سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۳۵۸]
جو شخص معلوم شدہ پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں اس کی کفایت کرتا ہے جو اس کو ابھی تک معلوم نہیں تھیں۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

الحا لقصرنا علم ما جهلنا تقصيرنا في العمل
بما علمنا.
مجھول چیز کے جاننے میں ہم صرف اس لیے قاصر رہتے ہیں کہ جو
چیز ہمیں معلوم ہے اس پر عمل کرنے میں ہم کوتاہی کرتے ہیں (یعنی عمل کی

کوتاہی ہی ہماری علمی ترقی اور مزید علم کے حصول میں سب سے بڑی
رکاوٹ ہوتی ہے)۔

حضرت دکیج علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت امام احمد علیہ الرحمہ سے قریباً ستر سال کسی نماز کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔

[سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۲۸]

ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: محل مند آدمی علم سے جو آخرت کا حصہ مقصود ہے اس کو اس دنیا کا ایذا حاصل کرنے
کے لیے فروخت نہیں کرتا، علم سے مقصود آخرت کا حصہ اس لیے کہا: علم بذات خود مقصود نہیں ہوتا تمام اشیاء میں اصول یہ ہے کہ کسی بھی
شیء کے طالب کے پیش نظر بذات خود وہ شیء مطلوب نہیں ہوتی بلکہ اس شیء کا نفع مطلوب ہوتا ہے اس طرح سمجھ لیجئے کہ علم اور اس علم کا
نفع یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

”فمن اعرض عن الفعه لم يتفع بفلسه“ و كان كالذي ياكل والعلم له اول و آخر۔“

امام جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کثیر مشائخ سے کسب فیض کی غرض سے ملا ہوں ان کے احوال مختلف تھے علم میں ان کے مراتب بھی متفاوت تھے ان میں سے جس استاد گرامی کی صحبت سے مجھے سب سے زیادہ روحانی اور علمی فائدہ حاصل ہوا وہ وہ تھے جو اپنے علم پر عمل کرنے والے تھے اگرچہ دوسرے اساتذہ ان سے علم میں زیادہ تھے (لیکن مجھے نفع باعمل استاد گرامی کے علم ہی سے زیادہ ہوا)۔

قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم نافع نصیب نہ ہوا اور اس عالم کا گناہ یہود کے گناہ کی جنس سے ہے۔
ابوزکریا ابن نوح اس دمشق فرماتے ہیں:

جب عالم کا عمل اس کے علم کے خلاف ہو اور اس کا فعل اس کے قول کو جھٹلانے والا ہو تو وہ زمین اور آسمان میں ناپسندیدہ اور قابل نفرت ہو جاتا ہے اور جو شخص اس کی پیروی کا ارادہ کرتا ہے یہ اس کی گمراہی کا سبب بنتا ہے اور جب وہ دوسروں کو کسی ایسے امر کا حکم دیتا ہے جس پر خود اس کا عمل نہیں ہوتا تو کان اس کی بات کو جھک دیتے ہیں لوگوں کی نظروں سے اس کا رعب ختم ہو جاتا ہے اور اس کی قدر دلوں سے نکل جاتی ہے جیسا کہ امام مالک ابن دینار علیہ الرحمہ سے نقل کرتے ہیں:

ان العالم اذا لم يعمل بعلمه نزل موعدته
عن القلوب كما يزل القطر من الصفا.
یقین کریں کہ جب ایک عالم اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس کا وعدہ نصیحت لوگوں کے دلوں سے اس طرح پھسل جاتا ہے جس طرح پگھلے پتھر سے بادش پھسل کر جاتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

ولو اعتصم رجل بالعلم الشرعي من غير
عمل بالواجب كان غاویاً واذا اعتصم بالعبادة
الشرعية من غير علم بالواجب كان ضالاً.
جو شرعی اور دینی علوم کو ہاتھ ڈالتا اور لازم پکڑتا ہے لیکن واجبات پر عمل نہیں کرتا وہ غاوی (گمراہ اور خواہش پرست) ہے اور جو شخص ضروری چیزوں کا علم حاصل کیے بغیر عبادات شرعیہ کو ادا کرنے کا التزام کرتا ہے وہ بھٹکنے والا ہے۔ [مجموع الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۰۷]

اسناد

”الا مسند عصبیة فاضلة لهذه الامة ولست لغیرها من الاعمم السابقة الخ“ اسناد (یعنی بیان سند) اس امت کی ایک ایسی امتیازی خصوصیت ہے جو سابقہ امتوں میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے اسی طرح سند عالی (جس میں راوی اور حضور نبی کریم ﷺ کے درمیان نسبتاً کم سے کم واسطے ہوں) کی طلب سلف صالحین کی سنت اور پسندیدہ مرغوب طریق رہا ہے اور اس غرض سے انہوں نے دور دراز کے سفر اختیار کیے۔

سند کا سلسلہ امت محمدیہ ﷺ کا وہ طرہ امتیاز ہے کہ اسلام کے سوا دویان عالم سادی ہوں خواہ غیر سادی کسی دین کو حاصل نہیں اگر کسی دین میں سلسلہ اسناد موجود بھی ہے تو ناقص اور ناقص ہے اپنے منتہی تک نہیں پہنچتی امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ارسال و اتصال کے ساتھ سلسلہ اسناد اگرچہ بعض یہود کے یہاں پایا جاتا ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچے بغیر درمیان میں ہی منقطع ہو جاتا ہے۔ یہی حال نصاریٰ کا ہے وہ بھی اپنی سند کو حضرت شمعون اور حضرت بولص سے آگے نہیں لے جاتے اس کے

برعکس امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کا آپ کی ہر حدیث مبارک سند متصل کے ساتھ آپ ﷺ تک مرفوع ہے اور یہ بیان سند بڑی فضیلت کا درجہ رکھتی ہے 'علامہ کرام کے اس بارے ارشادات ملاحظہ ہوں:

(۱) محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ان هذا العلم دین فانظر واعمن لاعملون فربکم" بے شک یہ علم دین ہے تمہیں دیکھنا سوچنا چاہیے کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔ [مقدمہ صحیح مسلم شریف]

(۲) حضرت جبائی نے فرمایا ہے: "عنہم اللہ هذه الأمة بغلانة اشیاء لم يعطها من قبلها احد الاسناد والا نساب والاعراب"۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت (امت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والسلام) کو تین ایسی چیزوں کے ساتھ خاص فرمایا ہے جو اس سے قبل کسی کو عطا نہیں فرمائی تھیں:

(۱) بیان سند (۲) بیان نسب (۳) اعراب۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں:

ایک دن امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث مبارک روایت کی میں نے عرض کیا: بلا اسناد حدیث سناؤں تو فرمائیے: تم سلمیٰ کے بغیر مکان کی سطح پر جانا چاہتے ہو۔

ہماری اسناد

احقر نے بخاری شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، موطا امام محمد، حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری برکاتی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھی ہیں اور مسلم شریف، طحاوی شریف، موطا امام مالک، سنن ابی داؤد، شیخ محمد عبداللطیف خان قسطنطنیہ رام پوری علیہ رحمۃ سے درس پڑھیں۔

بندہ کو تمام کتب احادیث اور فنون کی اجازت حضرت مفتی محمد عبدالقیوم صاحب علیہ الرحمۃ سے تحریری طور پر حاصل ہوئی اور اسی طرح تمام کتب کی اجازت عامہ حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل ہے جس کی مطبوعہ اجازت اپنے دستخط کے ساتھ راقم کے پاس محفوظ ہے جو حضرت کے شہداء الجواہر الغالیہ فی المسانید العالیہ رقم الاجازۃ چھ صد ہائیس (۶۲۲) تاریخ ۲۰ ذی القعدہ ۱۴۲۳ھ بہ طور تحرک چند سطور کی عکس درج ذیل ہے:

رقم الاجازۃ: ۶۲۲ بسم اللہ الرحمن الرحیم التاريخ: ۲ من ذی القعدۃ ۱۴۴۳ھ

الاجازۃ

اللهم لك الحمد والشكر دائماً ابدياً صل وسلم على سيدنا و مولانا محمد سرمدنا ، الذي انعم فضلاء عدنان و بلغاء قحطان بفصاحته و بلاغته و معارفه ، و على آله و اصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين من الائمة المجتهدين و المحدثين.

اما بعد فان السيد الفاضل و الاستاذ الكامل العلامة غلام تصور الدين الحشفي المدرس بالجامعة النعمية قد احسن الظن بي فطلب مني ان اجيزه في جميع مروياتي عن مشايخي وان لم اكن لذلك اهلاً.

فیقول العبد الفقیر الی ربہ محمد عبد الحکیم شرف القادری ابن المولوی اللہ دنا (معناہ عطاء اللہ)
 ہوشیار ہوئی: انی اجزئہ بکل ما تجود لی روایتہ من معقول و فروع و اصول کما اجاز لی بذلک اجلۃ مشایخی
 رجاء ان یفشو العلم و اتال منہ دعوة صالحة تشملی مع دوام التوفیق و حسن الختام فی جوار سید الانام علیہ
 الفضل الصلاة والسلام و فیما یلی اسماء الاشیاء الاعلام، علی انی اذکر اولا مشایخی من الحرمین الشریفین و
 اعلام العربی و اذکر ثانیاً مشایخی من بالستان و الهند و بعد ذلک اذکر مشایخی المجیزین فی الطریقة و کل ذلک
 من باب التماس برکة الاتصال الحبيب المصطفى ﷺ عن طریق المشایخ المستندین، اسال اللہ العظیم ان
 یشرح صدری و ینقنی بما علمنی و یعلمنی ما لم اعلم و اللہ علی کل شیء قدير.

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم و تب علینا انک انت العراب الرحیم و صلی اللہ تبارک و تعالیٰ
 علی حبیبہ غیر خلقہ صلی اللہ علیہ و آله و اصحابہ اجمعین و بارک و سلم.

کتبہ مخادم العلم و العلماء

محمد عبد الحکیم شرف القادری

اساتذہ العلیہ النبوی الشریف

بالجامعة النظامية الرضوية، داخل بوآة لوهاری

لاهور۔ پاکستان

التوفیق: محمد عبد الحکیم شرف القادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

راقم الحروف (غلام نصیر الدین) کو کتب حدیث شریف اور علوم دینی کی اجازت ہے:

(۱) حضرت استاذ العلماء شیخ الحدیث علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری لاہوری نے دی انہیں.....

(۲) رئیس المدرسین علامہ عطاء محمد چشتی گولڑوی بندیالوی نے تمام علوم دینیہ اور کتب احادیث جوامع، سفن، مسانید وغیرہ کی

روایت جن کے وہ مجاز ہیں اور کتب تفسیر اور علوم و فنون اسلامیہ دینیہ کی اجازت عامہ عنایت فرمائی اور انہیں متعدد شیوخ اور اساتذہ

سے اجازت حاصل ہے، ایک سلسلہ یہاں نقل کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے: ”و هذه سلسلة لفقہية متصلة بالاسمة الحنفية

رحمہم اللہ تعالیٰ“ انہیں.....

(۳) سید عبد القادر، عبد الرزاق خطیب جامع امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ بغداد شریف سے

(۴) انہیں شیخ عبد الحمید بن سید احمد امام و خطیب جامع سیدنا اکاظم رحمہ اللہ سے

(۵) انہیں علامہ قاسم بن محمد سے

(۶) انہیں علامہ الدھر ابو احمد بن عیسیٰ صفاء الدین ابن موسیٰ جلال الدین سے

(۷) انہیں علامہ فہامہ الشیخ حسین کمال الدین الکرکوکي اٹھنے سے

- (۸) انہیں خیر الدین والدہ یافقیہ اعظم شیخ خیر الدین الرطبی (صاحب الفتاویٰ الخیریہ) سے
 (۹) شیخ محمد بن محمد حانوتی سے
 (۱۰) انہیں اپنے والد یعنی شیخ محمد حانوتی سے
 (۱۱) انہیں شیخ محبت الدین ابن شرباش سے
 (۱۲) انہیں ابوالخیر محمد بن محمد الرومی سے
 (۱۳) انہیں شیخ ابوالفتح محمد بن محمد بن علی الحریری سے
 (۱۴) انہیں امیر کاتب بن عمر الاقانی سے
 (۱۵) انہیں الحسام السبین بن علی السفناتی سے
 (۱۶) انہیں شیخ حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی (صاحب المنار والکنز والمدارک) سے
 (۱۷) انہیں شمس الاسلام محمد بن عبدالستار الکردی (نیز شیخ کردی شیخ برہان المرغینانی سے بلا واسطہ بھی مجاز ہیں) سے
 (۱۸) انہیں امام قاضی خان سے
 (۱۹) انہیں برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی (صاحب المہدایہ) سے
 (۲۰) انہیں شیخ برہان الدین الکبیر عبدالعزیز بن عمر مازہ اور شیخ محمود بن عبدالعزیز لاؤد جندی سے
 (۲۱) اور ان دونوں حضرات کو شمس لاؤد السرخسی سے
 (۲۲) انہیں شمس الامامہ اخلوانی سے
 (۲۳) انہیں ابوی علی حسین بن خضر نسفی سے
 (۲۴) انہیں ابوبکر محمد بن الفضل سے
 (۲۵) انہیں الاستاذ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب السہمدونی الحارثی سے
 (۲۶) انہیں امام ابو حفص صغیر عبداللہ سے
 (۲۷) انہیں اپنے والد محترم مشہور امام ابو حفص کبیر احمد بن حفص البخاری سے
 (۲۸) انہیں امام ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی سے
 (۲۹) آپ مجاز ہیں حضرت سیدنا امام الاعظم ابو جعفر لاؤد ابوالمجد شمس ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمہ اللہ سے
 (۳۰) امام صاحب مجاز ہیں حضرت حماد بن سلمہ سے
 (۳۱) وہ حضرت امام ابراہیم نخعی سے
 (۳۲) اور وہ حضرت علقمہ سے
 (۳۳) وہ مجاز ہیں صحابی رسول حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے
 (۳۴) اور وہ شاگرد ہیں حضور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے۔

اس کے علاوہ راقم کو اجازت ہے تفصیلاً شیخ حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری برکاتی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہیں رئیس
 المناطقہ استاذ فی سائذہ حضرت علامہ عطاء محمد گوڑوی بندپالوی سے اور انہیں رئیس المدرسین حضرت علامہ مہر محمد سے اور انہیں اجازت

ہے شیخ الاسلام حضرت علامہ غلام محمد محدث گھوڑی سے اور انہیں جتہ الاسلام صاحب علم لڈنی قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ العزیز سے (نیز علامہ مہر محمد رحمہم اللہ براہ راست بھی حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے مجاز ہیں۔

تعریف علم حدیث و موضوع

علم حدیث کی دو قسمیں ہیں: علم حدیث روایتیہ اور علم حدیث درایتیہ۔ حدیث از روئے روایت اس علم کو کہتے ہیں جس سے حضور ﷺ کے اقوال، افعال، احوال (حضور کی تقریرات بھی احوال میں شامل ہیں، سعیدی غفرلہ) اور اوصاف کی معرفت حاصل ہو۔ اس علم کا موضوع خود حضور کی ذات مقدسہ ہے اور علم حدیث از روئے روایت و علم ہے جس سے راوی اور مروی عنہ کے حالات بہ حیثیت رواد و قبول معلوم ہوں۔ اس علم کا موضوع راوی اور مروی عنہ ہیں۔

اقسام کتب حدیث

کتب حدیث کی انواع اور اقسام کافی زیادہ ہیں، یہاں پر بعض ضروری اقسام کے اسامہ مبارک کو بیان کیا جا رہا ہے:

(۱) صحیح (۲) جامع (۳) سنن (۴) مسند (۵) معجم (۶) مستخرج (۷) مستدرک (۸) رسالہ (۹) جزء (۱۰) اربعین (۱۱) امالی (۱۲) اطراف (۱۳) نہار (۱۴) موضوعات (۱۵) فریب اللہ حدیث (۱۶) مشکل اللہ حدیث (۱۷) الحاصل (۱۸) اسباب اللہ حدیث (۱۹) التراجیم (۲۰) السلسلات (۲۱) الاذکار

ان کی تعریضات کے لیے اصول حدیث کی کتابوں کی طرف رجوع کیجئے، یہاں صرف المسند کی تعریف لکھی جاتی ہے۔

المسند

مسند حدیث مبارک کی اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں احادیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب سے جمع کیا گیا ہو یعنی ایک صحابی کی تمام مرویات یکجا ذکر کر دی جائیں خواہ ان کا تعلق کسی باب سے ہو پھر دوسرے صحابی کی اسی طرح چلتے جائیں۔ پھر ان میں کبھی حروف تہجی کی ترتیب کا اہتمام ہوتا ہے اور کبھی سلسلہ میں فی الاسلام کا اہتمام کر کے ایسے صحابی کی روایات کو مقدم رکھا جاتا ہے جو ایمان لانے میں دوسرے کی بہ نسبت سبقت رکھتا ہو اور بعض میں فضیلت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ نیز طبقات مجازین اور انصار کی ترتیب پر بھی مساند کو مرتب اور مدون کیا جاتا ہے۔

درس حدیث میں آنے سے پہلے جو امور مستحب ہیں

(۱) وضو کرنے، خوشبو لگانے اور داڑھی کو نکھلی کرے۔

(۲) وقار و رعب اور دجاہت کے ساتھ بیٹھے تاکہ حدیث رسول ﷺ کی تعظیم ظاہر ہو۔

(۳) اپنی مجلس کی ابتداء اور انتہاء اللہ تعالیٰ عزوجل کی حمد و ثناء اور حضور نبی کریم ﷺ پر درود و سلام سے کرے (ہمارے استاذ مکرم) محدث جلیل حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ قصیدہ بردہ شریف سے حدیث مبارک کے سبق کا آغاز و اختتام فرماتے جبکہ ہمارے شیخ استاذ گرامی محدث کبیر علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری برکاتی رحمہ اللہ تعالیٰ درس حدیث شریف ”لیک اللہم لیک الی آخرہ“ اور قصیدہ بردہ شریف کے اشعار سے اور اختتام بھی اسی پر فرماتے تھے۔ (آپ کا معمول یہ تھا کہ روزانہ قصیدہ شریف کے ایک شعر کا ترجمہ اور مختصر تشریح کرتے اس طرح سال کے اخیر تک قصیدہ بردہ شریف کے اشعار مع ترجمہ و تشریح حفظ کرنے کا بہترین طریقہ میسر ہو جاتا)۔

- (۴) حاضرین کے فہم و ادراک اور سمجھ سے بالا حدیث مبارک کے معانی اور مطالب بیان نہ کرے۔
- (۵) حدیث شریف کے درس کے اختتام پر طلبہ حدیث شریف کی دل چسپی اور ترقیب کے لیے علمی لطائف اور سبق آموز اور حکمت سے لبریز کوئی مختصر واقعہ اور حکایت بھی بیان کرے تاکہ ان کی تھکان دور ہو جائے اور ایسی ہی قسم طوالت وقت کی وجہ سے اکٹھاٹ اور ملال خاطر نہ ہو۔

ہماری سند الحدیث

آج کے دور میں اسناد حدیث جب سے صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ) اور احادیث مبارکہ کے دوسرے مجموعے مدون ہو کر اور چھپ کر شائع ہو چکے ہیں اور ان کے مصنفین کی طرف ان کی نسبت حد تو اترا تک پہنچ گئی ہے اس وقت سے روایت حدیث کا یہ طریقہ کہ حدیث روایت کرنے والا اپنی پوری سند کو تمام واسطوں کے ساتھ اپنے سے حضور نبی کریم ﷺ تک بیان کرے متروک ہو چکا ہے اور اب اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں رہی ہے صرف حدیث پاک کی کتاب کا حوالہ ذکر کر دینا کافی ہوتا ہے کیونکہ یہ کتابیں ہم تک تو اتر کے ساتھ پہنچی ہیں لیکن حصول برکت کے لیے سلسلہ اسناد شیوخ کرام کا معمول چلا آ رہا ہے کہ یہ طریقہ زیادہ قائل اعتماد ہے اور باعث برکت بھی چنانچہ بڑے مشائخ حدیث کا یہ معمول ہے کہ مصنفین کتب حدیث تک اپنی اسناد کے متعدد طرق کو ایک رسالہ کی صورت میں مرتب فرما دیتے ہیں جس کو اصطلاح میں ”غیب“ کہتے ہیں۔ پھر اختصار کی وجہ سے شیخ اپنے شاگرد کو اہل سمجھ کر صرف ”غیب“ کی اجازت عطا فرما دے تو تمام کتب حدیث کی اسے اجازت حاصل ہو جاتی ہے ہمارے دور میں صحاح ستہ کے مصنفین تک ہماری سندوں کا مدار حضرت الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ ہیں۔

چنانچہ مجھے (غلام نصیر الدین خادم طلبہ حدیث مبارک جامعہ نعیمیہ لاہور) میرے شیخ محترم محدث طویل، فقیہ کبیر، جامع معقولات و معقولات سیدی و سندی علامہ فہامہ ابو سعید مفتی محمد عبدالقدیم ہزاروی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے سلسلہ قراءت و اجازۃ جامع ترمذی شریف کی بالخصوص اور باقی کتب حدیث شریف کی تحریری طور پر سند عنایت فرمائی ہے جو ہندو حقیر کے پاس محفوظ ہے۔

حدیث کی عبارت مع الاسناد پڑھنے کا طریقہ

”قال ابو حنیفہ“ کو پڑھنے کا بہتر طریقہ یہ ہے: درس کی ابتداء میں کہ اس سے پہلے ”ہ قال“ پڑھا جاتا ہے جو (بالسند المتصل مننا الی الامام الاعظم المجتہد الاقدم سیدنا لیمان بن ثابت ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یہ) پوری عبارت پڑھی جائے۔ اس کے بعد ہر حدیث میں ”وہ قال“ پر اکتفاء کیا جائے۔

دعا گو و دعا جو: غلام نصیر الدین
خادم طلبہ علوم دینیہ جامعہ نعیمیہ لاہور



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم و آلہ و اصحابہ اجمعین

اما بعد! قارئین کرام بخوبی آگاہ ہوں گے کہ قرآن مجید اور حدیث شریف رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور اسلامی شریعت میں قابل سند و حجت ہیں مگر مگر مگر حدیث مسلمانوں کا تعلق حدیث نبوی سے ختم کرنے کی غرض سے یہ شک و شبہ وارد کرتے ہیں کہ حدیث شریف تو حضور اکرم ﷺ کے وصال کے اڑھائی سو سال بعد معرض وجود میں آئی ہے اس لیے یہ قابل سند و حجت نہیں ہے اور اسی طرح حاسدین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ ساری زندگی اسلامی فقہ کی خدمت میں مشغول رہے اس لیے انہیں علم حدیث میں عبور حاصل نہیں تھا بلکہ انہیں صرف چند حدیثیں یاد تھیں سو منہ امام اعظم کے ترجمہ و تشریح کے متعلق چند ضروری معروضات پیش کرنے سے پہلے حدیث کی حفاظت و اہمیت اور کتابت و تدوین اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی محدثانہ شان بیان کی جاتی ہے:

قرآن و حدیث کی حفاظت و اہمیت

اسلامی احکام کا بنیادی اور سب سے پہلا ماخذ قرآن مجید ہے یہی رشد و ہدایت کا پہلا سرچشمہ ہے جس کے ذریعے شریعت کے احکام و مسائل معلوم کیے جاتے ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور قیامت تک کے لیے تمام انسانوں اور زمانوں کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ جس طرح حضور سرور عالم ﷺ پر نازل ہوا تھا بالکل اسی طرح بعینہ محفوظ آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

بے شک ہم نے اس نصیحت کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم خود

(البقرہ: ۹۷) اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

اور اسلامی احکام کا دوسرا ماخذ اور اہم ذریعہ حدیث شریف ہے کیونکہ اسلامی احکام کی تفصیلات کا جاننا اور قرآنی آیات کے منشاء اور مراد کا سمجھنا حدیث شریف کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے کہ حدیث مبارکہ قرآن مجید کی وہ قوی اور عملی تفسیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم فرمائی اور سکھائی ہے پس حضور نبی اکرم ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ عمل کر کے بتایا اور جو کچھ آپ کے سامنے ہوا جسے آپ نے پسند فرمایا اور اس پر خاموشی اختیار فرمائی ان تینوں چیزوں کو حدیث کہتے ہیں آپ کے ارشادات (یعنی اقوال) کا نام تو ہی حدیث ہے آپ کے اعمال و افعال کا نام فعلی حدیث ہے اور آپ نے اپنے سامنے ہونے والے جن اعمال و اقوال پر خاموشی اختیار فرمائی ان کا نام حدیث تقریری ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ اہتمام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال اور احوال کو یاد رکھنے اور اس کے تحفظ کا کیا گیا کیونکہ صحابہ کرام جو کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوس پر مشتمل تھے وہ سب کے سب حضور کی احادیث مبارکہ کو غور سے سنتے اور آپ کے اعمال و افعال کو غور سے دیکھتے اور انہیں یاد کر کے

مخطوط کر لیتے تھے اور وہ آپ سے جو احکام و ہدایات حاصل کرتے انہیں بڑی محنت کے ساتھ یاد کرتے دوسروں کو سناتے اور دوسرے سننے والوں سے مقابلہ و مذاکرہ کر کے بار بار صحیح کرتے تھے۔

حدیث شریف کی کتابت و تدوین

احادیث مبارکہ کو لکھنے اور محفوظ کرنے کا کام عہد رسالت میں شروع ہو گیا تھا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور سید عالم ﷺ کے ارشادات و فرمودات اور آپ کے افعال و احوال کو لکھ کر قلمبند کر لیا کرتے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے مکتوبات اور آپ کے فیصلے وغیرہ لکھا کرتے تھے اس کا ایک مجموعہ ان کے پاس آخر تک موجود رہا حضرت عبداللہ عروہ بن العاص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر ارشاد کو لکھ لیا کرتے حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور سے جو کچھ سنا تھا وہ لکھ رکھا تھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پہلے زبان یاد کرتے رہے پھر تمام مرویات کو لکھوا کر محفوظ کر لیا تھا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ سے جو کچھ سنا تھا اسے لکھ لیا تھا اس طرح احادیث مبارکہ کے متعدد مجموعات خود حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں جمع ہو چکے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مجموعہ حضرت عبداللہ بن عروہ رضی اللہ عنہ کا مجموعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مجموعہ اور اس طرح کے متعدد مجموعوں کا ذکر موجود ہے ان کے دیکھنے والوں کی شہادتیں موجود ہیں نیز عہد رسالت کے بعد جن صحابہ کرام نے مجموعے مرتب کیے ان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مجموعہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا مجموعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مجموعہ اور حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مجموعہ ان کے علاوہ بھی متعدد مجموعوں کا ذکر ملتا ہے اور یہ مجموعے دو چار احادیث کے مجموعے نہیں تھے بلکہ ان صحابہ کرام کی جملہ مرویات کے مجموعے تھے گویا یوں سمجھئے کہ دس ہزار سے کم متصل السند حدیثوں کا جو سرمایہ آج موجود ہے وہ تمام تر کتابی شکل میں خود صحابہ کرام ہی کے ہاتھوں مدون ہو چکا تھا غرضیکہ صحابہ کرام نے احادیث مبارکہ سن کر زبانی بھی یاد کر لیا تھا اور لکھ بھی لیا تھا چنانچہ ان ہی صحابہ سے تابعین اور تابعین سے تبع تابعین نے حدیثیں سنیں اور اکثراً پیشتر نے لکھ کر محفوظ کر لیں یہی وہ دفتر تھا جس سے دوسری اور تیسری صدی کے محدثین نے حدیث کی کتابیں مدون کیں اور عہد تابعین میں تو شیعوں کتابیں مدون ہوئیں اور ان کے متعدد نسخے اب بھی کہیں کہیں مل جاتے ہیں اس لیے یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ احادیث کی تدوین کتابی صورت میں تیسری صدی میں ہوئی کیونکہ حسب ذیل کتب تو بہر حال تیسری صدی سے پہلے ہی مرتب و مدون ہو چکی تھیں: (۱) مسند امام ابی حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ (۲) مؤطا امام مالک متوفی ۱۷۹ھ (۳) کتاب الزہد والرقائق امام عبداللہ بن المبارک ۱۸۱ھ (۴) مسند امام ابی یوسف قاضی ۱۸۲ھ (۵) کتاب الآثار بروایۃ امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ (۶) مصنف امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ (۷) مسند امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ (۸) مسند امام ابن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ۔ (ماخوذ از مقدمۃ الادب المطبوعہ فیس اکیڈمی کراچی)

مرویات امام اعظم کی تعداد

چونکہ بعض اہل حوالہ یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں اس لیے ہم ذرا تفصیل سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم کے پاس احادیث کا دافترہ خیرہ تھا۔ حضرت علامہ ملا علی قاری امام محمد بن سمانہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ان الامام ذکر فی تصانیفہ بضع و سبعین الف حدیث و انتخب الاکثر من اربعین الف حدیث۔ امام ابو حنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

(مناقب علی القاری بذیل الجوامع ص ۲ ص ۴۷۴)

اور صدر الامتہ امام مولیٰ بن احمد تحریر فرماتے ہیں:

وانصعب ابو حنیفۃ الآثار من اربعین الف حدیث. (مناقب سوانح ج ۱ ص ۹۵) کیا ہے۔

ان حوالوں سے امام اعظم کا جو علم حدیث میں تحریر ظاہر ہو رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

روایت حدیث میں امام اعظم کا مقام

ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے کہ ستر ہزار احادیث کو بیان کرنا اور کتاب الآثار کا چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کرنا چنداں کمال کی بات نہیں ہے امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ یاد تھیں اور انہوں نے صحیح بخاری کا انتخاب چھ لاکھ حدیثوں سے کیا تھا پس فن حدیث میں امام بخاری کے مقابلہ میں امام اعظم کا مقام بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ احادیث کی کثرت اور قلت در حقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے مہارت ہے۔ ایک ہی متن حدیث اگر سو مختلف طرق اور سندوں سے روایت کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں ان کو سو احادیث قرار دیا جائے گا حالانکہ ان تمام احادیث کا متن واحد ہوگا۔ مگر متن حدیث انکار حدیث کے سلسلے میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ تمام کتب حدیث کی روایات کو اگر جمع کیا جائے تو یہ تعداد کروڑوں کے لگ بھگ ہوگی اور حضور سید عالم ﷺ کی پوری رسالت کے زندگی کے شب و روز پر ان کو تقسیم کی جائے تو یہ احادیث حضور کی حیات مبارکہ سے بڑھ جائیں گی پس اس صورت میں احادیث کی صحت کیونکر قائل تسلیم ہوگی لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ روایات کی یہ کثرت دراصل اسانید کی کثرت ہے ورنہ نفس احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زیادہ نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ امیریمائی لکھتے ہیں:

ان جملة الاحادیث المسندة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الصحیحة بلا تکرار اربعة الف واربع مائة. (توضیح الاکار ص ۶۳)

امام اعظم رحمہ اللہ کی ولادت ۸۰ھ ہے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان دونوں کے درمیان ایک سو چودہ سال کا طویل عرصہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں کثرت اسناد کے ساتھ احادیث شائع ہو چکی تھیں اور ایک ایک حدیث کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کرنا شروع کر دیا تھا۔ امام اعظم کے زمانہ میں راویوں کا اتنا شیوع اور عموم نہیں تھا اس لیے امام اعظم اور امام بخاری کے درمیان جو روایات کی تعداد کا فرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے نفس روایات کا نہیں ہے ورنہ اگر نفس احادیث کا لحاظ کیا جائے تو امام اعظم کی مرویات امام بخاری سے کہیں زیادہ ہیں۔ امام کی بن ابراہیم امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ تھے اور امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں ہائیکس ملاحظات میں سے گیارہ ملاحظات صرف امام کی بن ابراہیم کی سند سے روایت کی ہیں۔ امام صدر الاسلامہ موفق بن احمد ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولزم ابا حنیفۃ رحمة الله عليه وسمع منه اور انہوں نے اپنے اوپر سماع حدیث کے لیے امام ابو حنیفہ کے الحدیث. (مناقب موفق) درس کو لازم کر لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کو اپنی صحیح میں حالی سند کے ساتھ ملاحظات درج کرنے کا جو شرف و اعزاز حاصل ہے وہ دراصل امام اعظم کے تلامذہ کا صدقہ ہے اور یہ صرف ایک امام کی بن ابراہیم کی بات نہیں ہے امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں ان حوالوں سے یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ امام اعظم علم حدیث میں مرجع خلافت تھے ائمہ فن نے آپ سے حدیث کا سماع

کیا اور جن شیوخ کے وجود سے صحاح سہ کی عمارت قائم ہے ان میں اکثر حضرات آپ کے علم حدیث میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔

حدیث میں امام اعظم کی تصانیف

محققین میں تصنیف و تالیف کے لیے آج کل کا مروجہ طریقہ معمول نہیں تھا بلکہ ان کی تصانیف املاء کے تصانیف کی صورت میں ہوتی تھیں جن کو ان کے لائق اور قابل فخر طلاب اپنے شیوخ کی تعلیم و تدریس کے وقت تحریر میں لے آتے تھے اور پھر وہ تصانیف ان شیوخ کی طرف سے منسوب کی جاتی تھیں چنانچہ ”احکام الاحکام جو ابن دقیق الدقیق“ کی تصنیف قرار دی جاتی ہے اصل میں ان کی تصنیف نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس کو اپنے معلم رشید قاضی اسماعیل سے املاء کرایا تھا۔ اسی طرح امام اعظم درہ حدیث کے وقت جو احادیث بیان کرتے ان کے لائق و قابل صد انکار علامہ قاضی امام ابو یوسف امام محمد بن حسن شیبانی امام زفر بن حذیل اور امام حسن بن زیاد بن روایات کو حدیث اور اخبار کے مسنون کے ساتھ قید تحریر میں لے آتے تھے۔ امام اعظم نے اپنی بیان کردہ احادیث کو املاء کرانے کے بعد اس مجموعہ کا نام ”کتاب الآثار“ رکھا۔ امام اعظم کے علامہ چونکہ کثیر التعداد تھے اس لیے کتاب الآثار کے نسخے بھی بہت زیادہ ہوئے لیکن مشہور نسخے چار ہیں: (۱) کتاب الآثار بروایہ امام ابو یوسف (۲) کتاب الآثار بروایہ امام محمد (۳) کتاب الآثار بروایہ امام زفر (۴) کتاب الآثار بروایہ امام حسن بن زیاد لیکن ان تمام نسخوں میں سے زیادہ مقبولیت اور شہرت امام محمد کے نسخہ کو حاصل ہوئی ہے۔ (ماخوذ از: تذکرۃ المجتہدین ص ۸۰-۸۱-۸۲-۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مسانید امام اعظم

امام اعظم ابو حنیفہ کی روایات کو آپ کے بہت سے علامہ مسند امام ابو حنیفہ کے نام سے جمع کرتے رہے ان کی تعداد پندرہ تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ قاضی القضاۃ ابو المودید محمد بن محمود الخوارزمی نے اپنی تالیف جامع مسانید امام اعظم کے خطبہ کے شروع میں لکھا ہے کہ میں نے ملک شام میں بعض جبلاء سے سنا کہ وہ امام اعظم کی تحقیق کرتے ہیں اور انہیں کم تر خیال کرتے ہیں جبکہ ان کے مقابلہ میں دوسروں کو عقیم تر خیال کرتے ہیں اور آپ کو حکمت و دلالت حدیث کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور وہ مسند امام شافعی اور مؤطا امام مالک کے ذریعہ اپنے موقف پر استدلال کرتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی مسند نہیں ہے وہ تو صرف چھ احادیث روایت کرتے ہیں انہیں یہ باتیں سن کر میری غیر متوائمانی اور حیرت دہنی نے جوش مارا میرے اندر ایک تحریک پیدا ہوئی اور میں نے چاہا کہ میں ان تمام پندرہ مسانید کو ایک جگہ جمع کر دوں جن کو چند علماء حدیث نے مرتب کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) مسند الحافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی المعروف بالاسناد

(۲) مسند الحافظ ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشہید العلل

(۳) مسند الحافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن محمد

(۴) مسند الحافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق الصنعانی

(۵) مسند الشیخ ابو بکر محمد بن عبد الباقی بن محمد الانصاری

(۶) مسند الحافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی

(۷) مسند الامام الحافظ عمر بن حسن القصبانی

(۸) مسند الامام ابو بکر احمد بن محمد بن خالد الکلائی

(۹) مسند الامام ابو یوسف القاضی یعقوب بن ابراہیم الانصاری تسمیٰ نسخہ امام ابی یوسف

(۱۰) مسند الامام محمد بن حسن الشیبانی تسمیٰ نسخہ امام محمد

(۱۱) مسند حماد بن امام ابو حنیفہ

(۱۲) مسند الامام محمد بن حسن الشیبانی التسمیٰ کتاب الآثار

(۱۳) مسند الحافظ ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن ابی العوام السعدی

(۱۴) مسند الحافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسر داغی

(۱۵) مسند الامام المادوری۔ (مقدمہ تسبیح النظام ص ۴-۵)

آج کل ہمارے ہاں جو نسخہ متداول ہے وہ امام حارثی کا جمع کردہ ہے اور یہی لوگوں میں مشہور و معروف ہے امام حارثی نے اسے امام ابو حنیفہ سے متعدد واسطوں سے نقل کیا ہے لیکن اس کی ترتیب مسانید کی طرز پر ہے سو اس لیے اس میں امام اعظم کی مرویات کو بغیر قطعی ترتیب کے محض صحابہ کی ترتیب کے موافق جمع کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس میں بھرا رہا ہے اس لیے علامہ فضلی نے اس کا ٹکرا حذف کر کے اس کو مختصر کیا لیکن اس کو امام اعظم کے شیوخ کے اسما گرامی پر حسب روایت ترتیب دیا جس کی وجہ سے حدیث کو تلاش کرنا بہت مشکل ہو گیا خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو مطلوبہ حدیث میں اسما شیوخ سے ناواقف ہوتے ہیں اس لیے علامہ محمد عابد بن احمد علی سندھی انصاری نے اس مسند کو قطعی ابواب کی ترتیب پر مرتب کر دیا تاکہ اس میں سے مطلوبہ حدیث کو تلاش کرنا آسان ہو جائے۔

مسند امام اعظم کے ترجمہ اور تشریح وغیرہ کے متعلق چند معروضات

قرآن مجید اور تفسیر مدارک المتزیل کے ترجمہ اور اس کے حسب ضرورت حواشی لکھنے کے آخری مراحل میں دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ قرآن مجید کے بعد حدیث نبوی ﷺ کی خدمت کی جانے چنانچہ تفسیر مدارک سے فراغت کے بعد میرے محترم و کرم کرم فرما جناب سید حسن اعجاز شاہ صاحب دام اقبال نے مجھے مسند امام اعظم کا ترجمہ اور تشریح کرنے کا حکم دیا تو قطعی تمنا کی تکمیل حاصل ہونے پر فوراً حامی بھری۔

قارئین کرام! مسند امام اعظم کے ترجمہ اور تشریح میں چند امور کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے:

(۱) ترجمہ ہر محدث عام فہم اور آسان اردو میں تحریر کیا گیا ہے۔

(۲) مسند امام اعظم کے عنوانات زیادہ سے زیادہ قائم کیے گئے ہیں۔

(۳) تمام احادیث مبارکہ کی تشریح شروع کرنے سے پہلے بھی مختلف جدید عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔

(۴) ہماری اس شرح میں جن کتب سے تشریح پیش کی گئی ہے ان کے نام جلد صفحہ اور مطبوعہ بھی ذکر کیا گیا ہے تاکہ اصل منبع کی طرف رجوع اور حوالہ تلاش کرنے میں آسانی ہو جائے۔

(۵) مسند امام اعظم کی احادیث مبارکہ جن دیگر کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں تقریباً ہر حدیث کی تشریح میں ان کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ اس حدیث کو فلاں محدثین نے اپنی فلاں فلاں کتب میں روایت کیا ہے علاوہ ازیں بعض احباب کی خواہش پر مزید تین امور کا اضافہ بھی کیا گیا ہے ایک یہ کہ روایت کی تعداد کے اعتبار سے سند کی جو اقسام بنتی ہیں ہر حدیث کے ترجمہ کے بعد اس کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ راوی (محدث و مؤلف کتاب) اور حضور نبی اکرم ﷺ کے درمیان اگر صرف ایک (صحابی کا واسطہ

ہو تو محدثین کی اصطلاح میں ایسی روایات کو وحدانیات کہا جاتا ہے اور اگر محدث اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان دو واسطے ہوں تو ایسی روایات کو ثنائیات کہا جاتا ہے اور اگر اسی طرح تین واسطے ہوں تو ایسی روایات کو ثلاثیات کہا جاتا ہے اور اگر چار واسطے ہوں تو ان روایات کو رباعیات کہا جاتا ہے اور اگر پانچ واسطے ہوں تو انہیں خماسیات اور اگر چھ واسطے ہوں تو ان روایات کو سداسیات کہا جاتا ہے۔ ان اقسام میں سب سے عالی اور اصح وحدانیات کی قسم ہے پھر ثنائیات پھر ثلاثیات اور بعد ازاں رباعیات وغیرہ غرضیکہ جس قدر واسطے کم ہوں گے اسی قدر احادیث مبارکہ زیادہ معتبر و مستند اور زیادہ صحیح ہوں گی اور جس قدر واسطے زیادہ ہوں گے اسی قدر احادیث کمزور ہوں گی۔

مسند امام اعظم کی ایک اہم خصوصیت

مسند امام اعظم کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کئی احادیث مبارکہ وحدانیات کے درجہ کی ہیں یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور حضور نبی اکرم رسول اعظم ﷺ کے درمیان صرف صحابی کا ایک واسطہ ہے اور یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو دیگر محدثین میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے بلکہ ائمہ اربعہ کو بھی یہ فضیلت و خصوصیت حاصل نہیں ہے اس کے بعد ثنائیات کا درجہ آتا ہے اس میں بھی آپ کے ساتھ صرف امام مالک شریک ہیں جبکہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سمیت صحاح ستہ کے مؤلفین وغیرہم میں سے کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے پھر اس کے بعد ثلاثیات کا درجہ ہے جو صحاح ستہ کے مؤلفین اور دیگر محدثین کے نزدیک سند کا پہلا اور عالی اہم ترین درجہ ہے کیونکہ ان کی کتب میں وحدانیات اور ثنائیات کی روایات نہیں ہیں پھر اس کے بعد رباعیات کا درجہ آتا ہے چنانچہ مسند امام اعظم میں تقریباً یہی چار اقسام کی روایات منقول ہیں اس کے بعد خماسیات وغیرہ کی روایات شاذ و نادر ہی مروی ہوں گی۔

دوسرا یہ کہ ”عل لغات“ کا عنوان دے کر اس کے تحت مشکل الفاظ کے معانی اور مختصر عربی گرامر بیان کی گئی ہے تاکہ علوم شرقیہ کے معلمین کے لیے عربی تلفظ اور اس کے معانی سمجھنا آسان ہو جائیں۔ ان دو امور کے بعد حدیث مبارکہ کی تفسیر بیان کی گئی ہے جس میں قرآن مجید احادیث نبویؐ آحاد صحابہ اور اقوال اکابر علماء کی روشنی میں مختلف کتب سے مکمل حوالہ جات کے ساتھ آراستہ تفسیر پیش کی گئی ہے۔

اہل علم و تاریخین کرام کی خدمت اقدس میں عاجزانہ گزارش ہے کہ اس کتاب میں جہاں کہیں غلطی محسوس فرمائیں تو ناشر ادارہ کے مالک کے ذریعہ آگاہ فرمادیں تاکہ اس کی اصلاح کی جائے۔

طالب دعائے مغفرت

حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی



اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے کیونکہ وہی خیر و بھلائی اور جود و سخا کا
لیضان عطاء فرمانے والا ہے۔

اعمال کا مدار نیتوں پر ہے

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان
کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر
فعل کے لیے وہی ہوگا جس کی اس نے نیت کی سو جس شخص کی ہجرت
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور
اس کے رسول کے لیے مستحبر ہوگی (جس پر اسے اجر و ثواب ملے گا) اور
جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے
لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی کی طرف مستحبر ہوگی جس کی طرف اس نے
ہجرت کی نیت کی۔

۰۰۰۔ بَابُ الْأَعْمَالِ بِالنِّيَّاتِ

۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ
الْقُوسِيِّ عَنْ خَلْقَمَةَ بْنِ وَكَّاسٍ اللَّيْثِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ
الْعَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلِكُلِّ امْرُءٍ مَا نَوَى
فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى
اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا
أَوْ امْرَأَةٍ يُنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.

بخاری (۵۴۰-۲۵۲۹-۳۸۹۸-۵۰۷۰-۶۶۸۹-۶۹۵۳) مسلم (۴۹۰۴) ابوداؤد (۲۲۰۱) ترمذی (۱۶۴۷) نسائی (۷۵)۔

(۳۸۰۳-۳۴۳۷) ابن ماجہ (۴۲۲۷)

مل لغات

اعمال عمل کی جمع ہے۔ عمل کا معنی ہے: محنت کرنا، کام کرنا اور کوشش کرنا۔ نیات نیت کی جمع ہے نیت کا معنی ہے: کسی چیز کا قصد
کرنا، کسی کام کا ارادہ کرنا، تو نئی باب: حَسَرْتُ بِحَسْرَتٍ سے واحد نہ کر غائب فعل ماضی معروف کا مینہ ہے۔ اس کا معنی ہے: کسی
چیز کا قصد کرنا، کسی کام کا ارادہ، حفاظت کرنا۔ هَجَرْتُ كَالْفَوَىٰ معنی ہے: ترک کرنا اور چھوڑ دینا جبکہ ہجرت کے شرعی معنی دو ہیں:
(۱) کفار کے علاقہ کو چھوڑ کر مسلمانوں کے علاقہ میں چلے جانا۔

(۲) کفر و شرک کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہو جانا یا گناہوں کو چھوڑ کر نیکوں کی طرف منتقل ہو جانا: يُصِيبُ بَابِ اِفْعَالٍ سے
صیغہ واحد نہ کر غائب فعل مضارع معروف ہے۔ اس کا معنی ہے: پانا، حاصل کرنا، درست کرنا، تکلیف دینا اور مصیبت میں
ڈالنا۔

کتب احادیث میں سب سے پہلے ”الاعمال بالنیات“ ذکر کرنے کی وجوہات

محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ عموماً اپنی کتب احادیث کے آغاز میں دیگر تمام احادیث مبارکہ سے پہلے اس حدیث مبارکہ کو اس
لیے نقل کرتے ہیں:

(۱) تمام اعمال میں اصل چیز نیت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۖ [الاحزاب: ۵]
اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو تم سے نادانستہ صادر ہوا لیکن گناہ
وہ ہے جو تم نے دل کے قصد اور ارادہ سے کیا۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يُوَفِّيهِ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ
اللہ تعالیٰ تمہاری ان قسموں میں گرفت نہیں فرمائے گا جو بغیر ارادہ

يُؤَاعِدُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ بِهِ. زبان سے نکل جائیں مگر وہ اس کام پر تمہیں ضرور پکڑے گا جو تم نے دل [البقرہ: ۲۷۵] کے ارادے سے کیا۔

(۲) یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تمام اعمال میں نیت و اخلاص سب سے زیادہ اہم ترین چیز ہے جس کے بغیر ہر عمل بے کار و بے ثمر اور بے فائدہ ہوتا ہے۔

(۳) جو عمل نیت و اخلاص کے بغیر کیا جائے اس پر اجر و ثواب مرتب نہیں ہوتا۔

(۴) اس میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اعمال حسنہ شروع کرنے سے پہلے حسن نیت کا ہونا قبولیت اعمال کے لیے ضروری ہے۔

(۵) اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ نیک اعمال کی خیریت اور بہتری حسن نیت پر موقوف ہے۔ لیکن وجہ ہے کہ محدثین کرام اپنی تصانیف کے آغاز میں اس حدیث مبارکہ کو روایت کر کے اپنے اخلاص اور حسن نیت کا اظہار کرتے ہیں۔

(۶) تمام مصنفین اور مؤلفین کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنی کتب کی تصنیف و تالیف میں حسن نیت پر کاربند رہیں۔

نیت کی اہمیت و فضیلت

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يُثْبِتُ الْمُؤْمِنَ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ. مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔

[ترمذی: ۲۴۳۱، کنز العمال ج ۳ ص ۳۶۱]

(۲) حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يُثْبِتُ الْمُؤْمِنَ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ وَحَمَلُ النِّيَّاتِ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے اور منافی کا عمل اس

خَيْرٌ مِنْ نِيَّتِهِ وَكُلُّ عَمَلٍ عَلَى نِيَّةٍ فَإِذَا خَلَّ کی نیت سے بہتر ہوتا ہے اور ہر کوئی اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے پھر

الْمُؤْمِنُ خَيْرًا نَزَّاهُ قَلْبُهُ نَوَّزًا. [کنز العمال ج ۳] جب مومن کوئی عمل کرتا ہے تو اس کے دل میں نور ایمان مزید روشن ہو

ترمذی: ۲۴۳۳، مطبوعہ دار الفکر، الشریعہ، لبنان] جاتا ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أَفْضَلُ الْعَمَلِ النِّيَّةُ الصَّادِقَةُ. سب سے بہتر عمل سچی نیت ہے۔

[کنز العمال ج ۳، ترمذی: ۲۴۳۵]

(۴) حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ أَوْفَعَ أَجْرَهُ عَلَى نِيَّتِهِ. بے شک اللہ تعالیٰ آدمی کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ عطا فرماتا

[کنز العمال ج ۳، ترمذی: ۲۴۳۶] ہے۔

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُعْطِي الدُّنْيَا عَلَى نِيَّةِ الْآخِرَةِ وَآلِیْیَیْہِ بے شک اللہ تعالیٰ آخرت کی نیت پر دنیا بھی عطا کر دیتا ہے

أَنْ يُعْطِيَ الْآخِرَةَ عَلَى نِيَّةِ الدُّنْيَا. لیکن دنیا کی نیت پر آخرت کی نعمتیں عطا نہیں فرماتا۔

[کنز العمال ج ۳، ترمذی: ۲۴۳۷]

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا يَتَعَدُّ النَّاسُ عَلَى رِيَابِهِمْ۔
بے شک لوگوں کو ان کی نیتوں پر اٹھایا جائے گا۔

[کنز العمال ج ۳ رقم الحدیث: ۷۲۲۰]

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْبَيْتَةُ الْحَسَنَةُ تَدْخُلُ صَاحِبَهَا الْجَنَّةَ۔
نیک نیت آدمی کو جنت میں لے جائے گی۔

[کنز العمال ج ۳ رقم الحدیث: ۷۲۲۵]

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَكْبَرُ نِيَّةٍ الْمَصَافَةُ مُعَلَّقَةً بِالْعُرْشِ لِيَاذَا حَدَّثَ
الْعَبْدُ نِيَّتَهُ تَحَرَّكَ الْعُرْشُ فَيُغْفَرُ لَهُ

[کنز العمال ج ۳ رقم الحدیث: ۷۲۲۶]

بخش دیا جاتا ہے۔

(۹) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا ظَهَرَ السُّوءُ فِي الْأَرْضِ أَزَلَّ اللَّهُ نَاسًا
بِأَهْلِ الْأَرْضِ وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ يَوْمٌ صَالِحُونَ
يُؤَسِّسُهُمْ مَا أَصَابَ النَّاسُ ثُمَّ يَرْجِعُونَ إِلَى
رَحْمَةِ اللَّهِ وَمَقُورِهِ۔

[کنز العمال ج ۳ رقم الحدیث: ۷۲۵۲]

لونا دیا جاتا ہے۔

(۱۰) یحییٰ بن ابی کثیر نے سرل روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَا يَنْظُرُ إِلَى عِبَادِهِمْ وَلَا إِلَى
أَسْوَائِهِمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِهِمْ وَأَعْمَالِهِمْ
فَمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ صَالِحٌ رَحِمَ اللَّهُ عَلَيْهِ۔

[کنز العمال ج ۳ رقم الحدیث: ۷۲۵۳]

بے شک اللہ تعالیٰ نہ تو تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہارے
مال و دولت کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا
ہے سو جس شخص کا دل نیک ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ مہربانی کرتا ہے۔

(۱۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَتَّبِعُ الْمُؤْمِنُ خَيْرَ مَنْ عَمِلَ وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ
لَيُعْطِي الْعَبْدَ عَلَى نِيَّتِهِ مَا لَا يُعْطَى عَلَى عَمَلِهِ
وَذَٰلِكَ أَنَّ النِّيَّةَ لَا رِبَاةَ فِيهَا وَالْعَمَلُ يُتَعَلَّقُ
بِالْزَبَاةِ۔ [کنز العمال ج ۳ رقم الحدیث: ۷۲۶۷]

مسلمان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے اور بے شک اللہ
عز و جل بندے کو اس کی نیت پر اس قدر زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتا ہے
جس قدر اس کے عمل پر عطا نہیں فرماتا اور یہ اس لیے کہ نیت میں
ریا کاری اور دکھاوا نہیں ہوتا جبکہ عمل میں ریا کاری اور دکھاوا شامل ہو
جاتا ہے۔

عمل کے مقابلہ میں نیت کی فضیلت و اہمیت

حضرت علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی عمل کے مقابلے میں نیت کی فضیلت و اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) نیت عمل کے بغیر تھا بھی عبادت ہے کیونکہ نیکی کی صرف نیت کرنے پر اجر و ثواب ملتا ہے جبکہ جوارح کے عمل کا عبادت ہونا اور

اس پر ثواب کا ملنا نیت پر موقوف ہے اور حدیث مبارکہ میں وارد ہے کہ نیکی کی صرف نیت اور قصد کرنے پر فرشتے ایک کامل نیکی لکھ لیتے ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص رات کو سوتے وقت یہ نیت کر لے کہ وہ صبح کے وقت اٹھ کر نماز تہجد پڑھے گا تو اس پر اس شخص کے لیے نماز تہجد کا ثواب لکھا جائے گا اگرچہ ظہر، عید کی وجہ سے وہ صبح تک سوتا رہے اور نماز تہجد اس سے فوت ہو جائے۔

(۲) نیت کا محل قلب و دل ہے اور دل معرفت الہی کا مرکز و منبع ہے چنانچہ حضرت بہل بن عبد اللہ تسری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں عرش سے لے کر فرش تک کوئی مکان اور کوئی جگہ بندہ مومن کے دل سے زیادہ عزیز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت سے زیادہ عزیز کوئی کرامت مخلوق کو عطا نہیں فرمائی۔

(۳) نیت عمل سے اس لیے بھی بہتر ہے کہ نیت پائیدار اور باقی ہے جبکہ عمل ناپائیدار اور فانی ہے کیونکہ بہشت میں رہنے والے جنتی اور دوزخ میں رہنے والے دوزخی نیت کی وجہ سے ہمیشہ رہیں گے اس لیے کہ جنتیوں کی نیت ہمیشہ زندگی بھر ایمان و توحید کی حامل رہی جبکہ دوزخیوں کی نیت ہمیشہ کفر و شرک کی حامل رہی اور اگر جنتی اپنے اعمال کی مقدار کے مطابق جنت میں رہے اور دوزخی اپنے اعمال کی مقدار کے مطابق دوزخ میں رہے تو پھر جنتی جنت میں صرف اتنے سال رہے جتنے سال وہ دنیا میں نیکی اعمال کرتے رہے اور دوزخی دوزخ میں صرف اتنے سال رہے جتنے سال وہ دنیا میں بد اعمال کرتے رہے۔

(۴) چھٹی وجہ یہ ہے کہ عمل میں ریاء اور دکھاوا شامل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ عمل بے فائدہ ہو جاتا ہے بہ خلاف نیت خیر کے کیونکہ یہ باطن میں اور دل کے اندر ہوتی ہے جس میں ریاء کاری اور دکھاوا داخل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ روایات میں مذکور ہے کہ جب فرشتے بندوں کے اعمال آسمان پر لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بعض فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اے فرشتو! تم فلاں فلاں اعمال نامے پھینک دو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے اللہ! تیرے بندے نے خیر کی بات کہا ہے اور ہم نے خود سنا ہے اور اس نے نیک عمل کیا ہے اور ہم نے خود دیکھا ہے اور اسے نیکیوں کے دیوان میں لکھ لیا ہے اب ہم اسے کیوں پھینک دیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس بندے نے میری رضا اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ عمل نہیں کیا (بلکہ لوگوں کے دکھاوے اور ریاء کاری کے لیے کیا ہے) اور اللہ تعالیٰ بعض فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اے فرشتو! فلاں آدمی کے اعمال نامہ میں فلاں فلاں نیکیاں لکھ لو۔

فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس بندے نے یہ نیکیاں نہیں کیں تو ہم انہیں کیوں کر لکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس بندے نے ان نیکیوں کی نیت اور ارادہ کر لیا تھا۔

(۵) پانچویں وجہ یہ ہے کہ نیک اعمال بے حساب و بے شمار ہیں اور مسلمان کی نیت تمام اعمال سے وابستہ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ ان تمام نیک اعمال کو بجالائے لیکن وہ تمام نیک اعمال کر نہیں سکتا البتہ بے شمار نیک اعمال کی نیت پر اسے بے حساب و بے حد اجر و ثواب ضرور ملے گا کیونکہ حسنات و عبادات اور اعمال صالحہ اس کی نیت میں محدود نہیں ہیں چنانچہ اسی تیس پر (روایت میں) مذکور ہے کہ:

نِيَّةُ الْكَافِرِ ضَرْفٌ جَنِّ عَمَلِهِ۔ کافر کی نیت اس کے عمل سے بدتر ہوتی ہے۔

کیونکہ اس کی نیت تمام گناہوں اور تمام برائیوں کو اپنانے کی ہوتی ہے لیکن اس کے اعمال محدود ہوتے ہیں۔ بعض مشائخ اور صوفیاء نے اسی طرح فرمایا ہے۔ [اصول الصلوات (فارسی) ج ۱ ص ۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت]۔

ایک عمل خیر میں متعدد ثواب حاصل کرنے کا طریقہ

عمل کے مقابلہ میں نیت کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ آدمی ایک عمل خیر میں متعدد نیات جمع کر کے متعدد ثواب حاصل کر سکتا ہے چنانچہ علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

مسجد میں بیٹھنا ایک عمل ہے لیکن اگر کوئی آدمی اس میں متعدد نیتیں جمع کر لے تو وہ بہت سے ثواب حاصل کر لے گا مثلاً:

(۱) ایک یہ کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے لہذا جو آدمی مسجد میں آئے گا وہ گویا اللہ تعالیٰ کی زیارت اور ملاقات کرنے والا ہوگا اور اللہ تعالیٰ نہایت کریم و رحیم اور بے حد مہربان ذات ہے اور کریم میزبان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے زائر مہمان کی ضیافت کرے پس یہ آدمی بھی خانہ خدا میں بیٹھنے کی نیت کی وجہ سے زیارت حق تعالیٰ کی فضیلت و کرامت حاصل کر لے گا۔

(۲) نماز باجماعت پڑھنے کی نیت کر کے اس کا انتظار کرنا کیونکہ صحیح حدیث مبارکہ میں ہے کہ جو شخص نماز کا انتظار کرتا ہے وہ گویا نماز میں ہے پس یہ آدمی بھی انتظار کی برکت سے نماز کا ثواب حاصل کر لے گا اور نیز حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ ایک نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا گناہوں کا کفارہ خطاؤں کے مٹانے اور درجات کی بلندی کا سبب ہے۔

(۳) آدمی مسجد میں محض بیٹھنے کی وجہ سے اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں اور دیگر تمام اعضاء کو ان گناہوں اور عمرات سے محفوظ رکھتا ہے جو بازاروں اور کوچوں میں وقوع پذیر ہو جاتے ہیں پس وہ ان سے بچنے کی نیت کرنے کی وجہ سے ڈیروں ثواب حاصل کر لے گا۔

(۴) آدمی مسجد میں احکام کی نیت کر لے کیونکہ علماء دین فرماتے ہیں کہ آدمی جب بھی مسجد میں آئے احکام کی نیت کر لے تو جب تک وہ مسجد میں رہے گا احکام کا ثواب پائے گا اور بعض علماء دین نے فرمایا کہ عبادت کی نیت سے ایک لمحہ مسجد میں ٹھہر جانا احکام کی کم از کم مدت کے لیے کافی ہے۔

(۵) رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کی نیت اور قصد کرنا اور مسجد میں آنے جانے کے مسنون آداب بجالانے کی نیت کرنا کہ ان پر بے شمار اجر و ثواب ملتا ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تلاوت قرآن مجید کرنے یا سننے کے لیے خلوت و مجرد کی نیت کرنا یا مسجد میں آنے والوں کے لیے تذکیر و ترغیب کی نیت کرنا کیونکہ احادیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ جو شخص مسجد میں ذکر و فکر و حفظ و نصیحت اور تذکیر و ترغیب کی خاطر جاتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں ذکر و تلاوت قرآن کے لیے جمع ہوتی ہے تو فرشتے انہیں رحمت کے ساتھ ڈھانپ لیتے ہیں۔

(۷) مسجد میں حج اور عمرہ کا ثواب حاصل کرنے کا قصد اور ارادہ کرنا کیونکہ ایک روایت میں مذکور ہے کہ جو شخص وضو کر کے مسجد میں آئے اور نماز ادا کرے تو اس کو حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے خصوصاً مسجد نبوی شریف میں۔

(۸) مسجد میں آنے والے لوگوں کے اجتماع میں نیکی کرنے کا حکم دینے اور برائی سے روکنے اور علم دین کے افادہ اور استفادہ کا قصد و ارادہ کرنا۔

(۹) اسلامی بھائیوں کی زیارت و ملاقات کرنے اور راہ خدا میں ان کی مدد کرنے کی نیت کرنا۔

(۱۰) مسجد میں موجود یا اس میں آنے والے ہر مسلمان کو سلام کرنے اور اس کے دکھ درد ہانٹنے کی نیت کرنا۔

- (۱۱) فکر، مراقبہ اور امور آخرت میں قوت فکر یہ کو استعمال کرنے کی نیت کرنا اور اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرنے کی نیت کرنا۔
- (۱۲) حضور باطن، تسکین قلب، مشاہدہ حق کے ذریعہ وصال پانے اور ذات حق تعالیٰ کے شہود میں استغراق کی نیت کرنا اور مسجد کی روحانیت سے نورانیت اور ذوق کے حصول کی نیت کرنا کیونکہ مسجد انوار الہی کی تجلی گاہ ہے۔

[الحدیث المصنوع ج ۱ ص ۲۴ مکتبہ نور پور پبلیکیشنز]

حدیث ”الاعمال بالنیات“ کا پس منظر

محدثین نے اس حدیث مبارکہ کا سبب اور پس منظر یہ بیان کیا ہے:

(۱) ایک آدمی کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا جسے ام قیس کہا جاتا تھا اور یہ عورت مغنیہ (گلوکارہ) تھی جب یہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئی تو وہ آدمی بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلا گیا تاکہ وہ ام قیس سے نکاح کر سکے چنانچہ جب اس آدمی کی ہجرت کا حال رسول اللہ ﷺ کے سامنے عرض کیا گیا تو اس موقع پر آپ نے یہ حدیث مبارکہ بیان فرمائی اور اس کے بعد لوگ اس آدمی کو مہاجر ام قیس کہتے تھے۔

(۲) صحیح بخاری کے بعض شارحین نے کہا ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں عورت کے ذکر کرنے کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنی عربی عورتیں عجیبوں کے نکاح میں نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ نسب میں کلو اور قومیت کا بہت لحاظ رکھتے تھے اور وہ اس سلسلہ میں بہت حصص تھے پھر جب دین اسلام کا بابرکت دور آیا تو عرب میں قومی مصیبت و فحوت کم ہو گئی اور عقد نکاح کے لیے تقویٰ اور صالحیت کی اہمیت بڑھ گئی اور تمام مسلمانوں میں قومی تفاخر اور لہسی برتری ختم ہو گئی اور مسلمانوں کے دلوں میں مساوات محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جذبہ صادقہ موجزن ہو گیا تو بہت سے لوگ عورتوں سے شادی کرنے کے لالچ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے لگے سوائے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمایا (اور ہر عمل خیر میں غلوں سے احتیاط کی ضرورت ہے) اور یہ وجہ عقل کے زیادہ قریب ہے اور یہ قائل ترجیح اور زیادہ دینی ہے جبکہ مہاجر ام قیس کے قصہ کی صحت میں تنقیدی گفتگو ممکن ہے جیسا کہ شیخ الباری شرح بخاری میں علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی کے کلام سے ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[الحدیث المصنوع ج ۱ ص ۳۵ مکتبہ نور پور پبلیکیشنز]

حدیث ”الاعمال بالنیات“ کی فضیلت و اہمیت

(۱) امام شافعی متوفی ۱۵۰ھ سے اس حدیث مبارکہ کی فضیلت میں مروی ہے کہ یہ نصف علم پر مشتمل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نیت قلب کی بندگی ہے اور عمل جسم کی بندگی ہے یا یہ نصف دین پر مشتمل ہے کیونکہ دین کا ایک تعلق ظاہر کے ساتھ ہے اور وہ اعمال ہیں (جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ) اور دین کا دوسرا تعلق باطن کے ساتھ ہے اور وہ نیت اور اسلامی عقائد ہیں (توحید و رسالت، یوم آخرت، حساب و کتاب، انبیائے کرام، ملائکہ اور نظر پر ایمان لانا) جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَعَلَّمُوا الْقِرَآنَ لِأَنَّهَا نِصْفُ الْعِلْمِ۔ تم وراثت کے مسائل و فرائض سیکھو بے شک یہ نصف علم ہے۔

کیونکہ ان مسائل کا تعلق موت کے ساتھ ہے جو حیات کے مقابل ہے۔

(۲) اور امام شافعی سے ہی دوسری روایت میں اس طرح مروی ہے کہ یہ حدیث مبارکہ چوتھی علم پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

عُمْدَةُ الْغَيْرِ عِنْدَنَا كَلِمَاتٌ أَرْبَعٌ فَلِلَّهِنَّ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ



إِنِّي الشُّبُهَاتِ وَأَزْهَمُهَا لَيْسَ بِغَيْبِكَ وَأَغْمَلُ بِؤُوتِهِ

ہمارے پاس چار کلمات سب سے بہتر ہیں جنہیں تمام مخلوقات میں سے بہترین ہستی (رسول اللہ ﷺ) نے بیان فرمایا ہے۔

- (۱) شک و شبہ کی چیزوں سے پرہیز کرو۔ (۲) اور غیر ضروری چیزوں کو ترک کرو۔ (۳) اور اپنی بے مقصد چیزوں کو چھوڑ دو۔ (۴) اور خالص نیت پر عمل کرو۔

واضح ہو کہ اشعار میں چار احادیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے گویا برائیوں سے پرہیز کرنے اور مباحات میں زہد و تقویٰ اختیار کرنے اور فضولیات کو ترک کرنے اور تمام حالات میں خلوص نیت پر عمل کرنے کو معتبر و مستند قرار دیا گیا ہے۔

(۳) امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سے مروی ہے کہ یہ حدیث مبارکہ ایک تہائی اسلام یا ایک تہائی علم پر مشتمل ہے اور امام تہنکی نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ بندے کے کسب کا تعلق یا دل کے ساتھ ہوگا جیسے نیت و قصد کرنا یا اس کی زبان کے ساتھ ہوگا یا اس کے دیگر اعضاء کے ساتھ ہوگا سو ان تینوں میں پہلا ایک تہائی ہوا بلکہ ان سے زیادہ رائج اور وزنی ہے کیونکہ نیت ایک مفرہادت ہے اور اسی وجہ سے حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی نیت پر اس قدر زیادہ اجمد و ثواب عطا فرماتا ہے جس قدر اس کے عمل پر عطا نہیں فرماتا اور یہ اس لیے کہ نیت میں ریاکاری کو دخل نہیں جبکہ عمل میں ریاکاری کی آمیزش ہو جاتی ہے اور یہ روایت بہت سے ضعیف طریقوں سے بیان کی گئی ہے جن کے مجموعہ سے یہ روایت قوی اور معتبر ہو جاتی ہے۔

[مرقات الطالح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان]

(۴) امام شافعی نے فرمایا:

یہ حدیث مبارکہ دین کے ابواب میں سے ستر ابواب پر مشتمل ہے اگرچہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد محض کثرت و مبالغہ ہے تفصیص و حصر نہیں کیونکہ یہ عدد مبالغہ کے بارے میں معروف و مشہور ہے لیکن یہ حدیث مبارکہ بہت سے مسائل و احکام پر مشتمل ہے کیونکہ تمام اقسام خواہ عبادات ہوں خواہ معاملات ہوں یا عادات ہوں بے شمار ہیں اور نیت کو ہر جگہ دخل حاصل ہے۔ تمام علمائے دین اس حدیث مبارکہ کے صحیح ہونے پر متفق ہیں اور بعض علماء نے اسے متواتر بھی کہا ہے۔

[اللمعات ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ نور پر رضویہ سکس]

(۵) امام ابو داؤد و ترمذی متوفی ۲۵۵ھ نے کہا:

لقد کاد ان یخرج احادیث مبارکہ پر ہے: (۱) اعمال کا مدار نیات پر ہے (۲) حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے (۳) میں نے تمہیں جس کام سے منع کیا ہے اس سے پرہیز کرو اور میں نے تمہیں جس کام کا حکم دیا ہے اس پر جہاں تک ہو سکے عمل کرو (۴) تم کسی کو ضرر نہ پہنچاؤ اور تم ایک دوسرے کو باہم ضرر و نقصان نہ دو (۵) دین خیر خواہی ہے امام ابو داؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ چار احادیث مبارکہ ایسی ہیں جو انسان کے دین کے لیے کافی ہیں:

(۱) اعمال کا مقدار نیات پر ہے (۲) حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے (۳) کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ بے مقصد باتوں کو ترک کر دے (۴) کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند کرے جس کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

[ماخوذ از النعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری بحوالہ کشف المحجول لابن الجوزی ج ۱ ص ۱۷۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۳ھ]

”الاعمال بالنیات“ کے مختلف الفاظ کی روایات کا تذکرہ

علامہ ابن الہمام نے کہا کہ یہ حدیث مبارکہ مشہور ہے اور اس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے لیکن اس کے ابتدائی کلمات مختلف مروی ہے:

(۱) إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (۲) الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (۳) الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ (۴) الْكَمَلُ بِالنِّيَّةِ.

امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں اور امام حاکم نے اربعین (اور امام بیہقی نے السرفہ میں) ”الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ بیان کیا ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور مسند امام اعظم میں بھی اسی طرح مروی ہے اور ابن الجارود نے ”المکمل“ میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ (مرقات الفلاح ج ۱ ص ۴۲ مکتبہ امدادیہ لبنان)

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا کہ ان روایات میں سب سے زیادہ مشہور روایت: ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ ہے۔

المصنفات ج ۱ ص ۳۳ مکتبہ نور پور ضلع سکس

اعمال کی تقسیم اور نیت کے معانی

اعمال کی دو قسمیں ہیں: (۱) اعمال مقصودہ (۲) اعمال غیر مقصودہ اعمال مقصودہ سے وہ عبادات مراد ہیں جو شریعت اسلامی میں مقصود بالذات ہیں جیسے نماز روزہ زکوٰۃ اور حج ہے۔ یہ اعمال نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتے اور نہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہوتے ہیں اور ”الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ سے یہی اعمال مقصودہ مراد ہیں اور اگر ان اعمال کی ادائیگی کے وقت نیت نہ کی جائے تو یہ اعمال صحیح اور درست نہیں ہوں گے اور ان پر اجر و ثواب مرحب نہیں ہوگا۔

دوسری قسم اعمال غیر مقصودہ کی ہے اور یہ وہ اعمال ہیں جو اعمال مقصودہ کی صحت کے لیے شرط اور وسیلہ ہیں جیسے وضو اور غسل وغیرہ۔ یہ اعمال نیت کے بغیر صحیح اور درست ادا ہو جاتے ہیں مثلاً تقرب اور رضائے الہی کی نیت کی بجائے محض احتیاء وضو کی منائی کے لیے وضو کیا جائے یا محض طہارت حاصل کرنے کے لیے غسل کیا جائے تو وضو اور غسل صحیح اور درست ہوں گے لیکن نیت نہ کرنے کی وجہ سے ان اعمال پر اجر و ثواب نہیں ملے گا اور اگر نیت کر لی جائے تو صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ ان پر اجر و ثواب بھی ملے گا۔ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی موقف ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ کے اس موقف پر خود بھی حدیث مبارکہ بھی ایک قوی اور مضبوط دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں دنیا حاصل کرنے یا عورت سے نکاح کرنے کی نیت اور ارادہ سے ہجرت کرنے والے آدمی کو مہاجر قرار دیا کیونکہ آپ نے فرمایا:

جو شخص دنیا حاصل کرنے یا عورت سے نکاح کرنے کی نیت سے ہجرت کرے تو اس کی ہجرت اس کی طرف مستحب ہوگی جس کی طرف اس ہجرت کی نیت کی تھی نیز لغت میں نیت کا معنی ہے:

دل میں کسی کام کا قصد اور ارادہ کرنا اور یہ معنی اس شخص میں پایا جاتا ہے جبکہ شریعت میں نیت کا معنی ہے:

اللہ تعالیٰ کے تقرب اور رضا اور اس کے حکم کی تعمیل کے قصد اور ارادہ سے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف ہجرت کرنا چونکہ کفار مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تھے اس لیے اس وقت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا فرض بھی تھا اور عبادت بھی اس لیے اس میں شرعی نیت واجب تھی لیکن مہاجر قرار دینے سے واضح ہو گیا کہ تمام اعمال کے صحیح ہونے کے لیے شرعی نیت لازم نہیں ہے۔

اور اس کا دوسرا جواب وہ ہے جو محقق عصر حاضر حضرت علامہ استاذی الکتریم قبلہ سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے لکھا

ہے:

مخلص اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا
اٹکے پھر اس کو موت پالے تو بے شک اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر
ثابت ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جس ملک یا شہر میں مسلمانوں کو دین اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی آزادی نہ ہو وہاں سے
ہجرت کرنا فرض ہے اور یہ کہ ابتدا میں مکہ کے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض تھا اور مکہ فتح ہونے کے بعد جب مکہ دارالسلام بن گیا تو یہ
ہجرت منسوخ ہو گئی اور ان آیات مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مرد عورتیں اور بچے کمزور ہوں یا بیمار ہوں اور ان کو ہجرت کرنے کی
کوئی تدبیر معلوم نہ ہو نہ راستے کا علم ہو ان کے ہجرت نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا اور ان آیات مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا
کہ کوئی مسلمان نیک نیتی سے کوئی عبادت شروع کرے اور اس کو مکمل کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو اس
نیک کام کا پورا پورا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی فرضیت کے اسباب

ابتداءً اسلام میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے حسب ذیل اسباب تھے:

(۱) مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ پر وقتاً فوقتاً احکام شرعیہ نازل ہو رہے تھے اور دین کی مکمل تعلیم حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا
کہ مسلمان ہر طرف سے اس مرکز علم کی طرف آئیں اسی طرح اب بھی اگر کوئی مسلمان کسی علاقہ میں رہتا ہو جہاں علماء دین نہ
ہوں تو اس پر واجب ہے کہ وہ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اس علاقہ کی طرف ہجرت کرے جہاں علماء دین رہتے ہوں اور
وہاں ان سے علم دین حاصل کرے۔

(۲) مدینہ طیبہ میں مسلمان آزادی سے احکام شرعیہ اور شعائر اسلام پر عمل کرتے تھے جبکہ فتح مکہ سے پہلے مکہ میں شعائر اسلام پر عمل
نہیں کیا جاسکتا تھا سوا اب بھی اگر کسی ملک میں کوئی مسلمان اسلام کے شعائر پر آزادی اور امن سے عمل نہ کر سکے تو اس پر اس
علاقہ سے ہجرت کرنا فرض ہے۔

(۳) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی فرضیت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ بتلایا جائے کہ اسلام میں وطن کی اہمیت نہیں ہے
بلکہ دین کی اہمیت ہے اور دین اسلام کی خاطر ملک اور وطن کو چھوڑ دیا جائے گا اور یہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور اتباع
مسلمانوں پر فرض ہے اور جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر لی تو آپ کی اتباع میں مسلمانوں پر بھی ہجرت
فرض کر دی گئی اور اس لیے بھی کہ مدینہ منورہ اسلام کی پہلی ریاست تھی سو اس ریاست کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے وہاں
مسلمانوں کی عددی قوت بڑھانا ضروری تھا اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب مسلمان مدینہ منورہ میں جمع ہو جائیں۔

ہجرت کے معانی اور اس کی اقسام

ہجرت کا لغوی معنی ہے: ترک کرنا اور چھوڑ دینا جبکہ ہجرت کے شرعی معنی دو ہیں:

- (۱) کفار کے علاقہ کو چھوڑ کر مسلمانوں کے علاقہ میں چلے جانا یا دارالخلافہ سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں چلے جانا۔
- (۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرتے ہوئے کفر و شرک کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہو جانا یا برائیوں اور
گناہوں کو ترک کر کے نیکوں کی طرف منتقل ہو جانا۔

پہلی ہجرت کو ترک مکانی اور دوسری ہجرت کو ترک معاصی کہا جاتا ہے پھر ہجرت مکانی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) دفع ضرر کے لیے ہجرت کرنا (۲) حصول نفع کے لیے ہجرت کرنا۔

دفع ضرر کے لیے ہجرت کی اقسام

(۱) دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا اور یہ ہجرت (خطرہ کی صورت میں فرض اور امن و امان کی صورت میں مستحب ہے) قیامت تک جاری رہے گی۔

(۲) جس علاقہ میں اہل بدعت اور بدعتیہ لوگوں کا غلبہ ہو اور وہاں سلف صالحین (یعنی بزرگان دین) پر تہرا کیا جاتا ہو اور نیک مسلمان اپنی قوت سے اس بدعت کو مٹانے پر قادر نہ ہوں تو وہاں کے مسلمانوں کے لیے اس علاقہ سے ہجرت کرنا واجب ہے۔

(۳) جس سرزمین پر حرام کاموں کا غلبہ ہو اور انہیں مٹانے کی بجائے فروغ دیا جا رہا ہو تو اس سرزمین سے ہجرت کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ رزق حلال طلب کرنا اور حرام کاموں سے بچنا مسلمانوں پر واجب ہے۔

(۴) جس علاقہ میں مسلمان کو اپنی جان کا خطرہ ہو اس پر واجب ہے کہ وہ وہاں سے کسی محفوظ علاقہ میں چلا جائے جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے علاقوں سے ہجرت کرنا۔

(۵) جس شہر میں کوئی متعدی مرض پھیلا ہوا ہو اس شہر سے ایسی جگہ چلا جائے جہاں وہ متعدی وباء نہ ہو اس قاعدہ سے صرف طاعون کا مرض مستثنیٰ ہے۔

(۶) جس علاقہ میں مسلمان کو اپنے مال کے ضائع ہونے یا مالی نقصان کا یقینی خطرہ ہو اس جگہ سے انسان کسی پر امن علاقہ میں چلا جائے۔

(۷) اسی طرح جس جگہ انسان کی عزت اور ناموس کو یقینی خطرہ ہو اس علاقہ سے نکلنا بھی واجب ہے کیونکہ مسلمان پر اپنی جان، عزت اور مال کی حفاظت کرنا فرض ہے۔

حصول نفع کے لیے ہجرت کی اقسام

(۱) کسی علاقہ کے آثار و عذاب سے ہجرت حاصل کرنے کے لیے اپنے ملک سے دوسرے ملک جانا۔ قرآن مجید میں ہے:

أَقْلَمُ نَبِيْرُوْا لِي الْأَرْضِ فَنَنْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُ عَاقِبَةُ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ قَلِيْلِهِمْ (سورہ صافات: ۱۰۹)

پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا۔

اس نوع کی قرآن مجید میں بہت آیتیں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین نے زمین میں اس لیے سفر کیا تھا کہ وہ زمین کے عجائبات دیکھے اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے باطل کو مٹانے اور حق کو نافذ کرنے کے لیے زمین میں سفر کیا تھا۔

(۲) حج کرنے کے لیے سفر کرنا یہ سفر زندگی میں ایک بار بہ شرط استطاعت فرض ہے اور بار بار مستحب ہے۔

(۳) جہاد کرنے کے لیے سفر کرنا اگر دشمن اسلامی ملک کی سرحد پر حملہ آور ہو تو سربراہ ملک جن لوگوں کو جہاد کے لیے بلائے ان کا جانا فرض عین ہے اور تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے لیکن یہ بھی امام یا امیر کی دعوت پر موقوف ہے۔

(۴) اگر رزق حلال اور معاش کا حصول اپنے شہر میں محض راہ و مشکل ہو اور کسی دوسرے شہر میں رزق حلال کے ذرائع حاصل ہوں تو اس شہر میں جانا اس پر فرض ہے کیونکہ رزق حلال طلب کرنا فرض ہے۔

(۵) تجارت کے لیے سفر کرنا اور ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں تجارت کے لیے جانا۔ اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں بھی تجارت کرنے کی اجازت دی ہے۔

(۶) علم دین اور علم نافع کی طلب کے لیے سفر کرنا۔

(۷) متبرک مقامات کی زیارت کرنے کے لیے سفر کرنا۔

(۸) اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے سفر کرنا اور دین کے دشمنوں سے مقابلے کے لیے مجاہدین کا جمع ہونا۔

(۹) ماں باپ کی زیارت کے لیے سفر کرنا رشتہ داروں اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے سفر کرنا۔

(۱۰) ملک کا نظم و نسق چلانے اور انتظامی امور کے لیے سفر کرنا۔ [ماخوذ مع الاختصار از تفسیر بیان القرآن ج ۲ ص ۷۷۵-۷۷۶]

گناہوں سے نیکیوں کی طرف ہجرت

یعنی برے کاموں کو ترک کرنا اور نیک کاموں کو اپنانا۔

چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) مجاہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے منح کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کرے۔ [صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۰]

(۲) مجاہدہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں سے ہجرت کرے۔ [سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۳۳]

(۳) مجاہدہ ہے جو برائیوں سے ہجرت کرے۔ [مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۰۶]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۔ کتابُ الْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ

وَالْقَدْرُ وَالشَّفَاعَةُ

ایمان، اسلام، تقدیر

اور شفاعت کا بیان

امام ابو حنیفہ نے حضرت مالک سے اور انہوں نے حضرت یحییٰ بن یحییٰ سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے شہر مدینہ منورہ میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ تھا کہ چاک اہم نے حضرت عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم ان کے پاس چلیں اور ان سے تقدیر کے بارے میں سوال کریں؟ اس نے کہا: ہاں! تو میں نے کہا: آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں ان سے یہ سوال کروں کیونکہ میں انہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں حضرت یحییٰ نے کہا کہ پھر ہم حضرت عبداللہ کے پاس پہنچے تو میں نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! (یہ حضرت عبداللہ کی کنیت ہے) ہم اس سرزمین میں چلتے پھرتے ہیں اور کبھی ہمارا ایسے شہر میں آنا جانا ہوتا ہے جس میں رہنے والے لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے تو ہم انہیں کیا جواب دیں؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ تم ان کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ بے شک میں ان سے بیزار اور ان سے بری ہوں اور اگر میں کچھ معاویہ اور مددگار حاصل کر لیتا تو ان سے میں ضرور جہاد کرتا پھر وہ ہمیں یہ حدیث بیان

۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عُلَيْمَةَ عَنْ بُخَيْرِ بْنِ يَمْرُوتَ قَالَ سَمِعْتُ مَعَ صَاحِبٍ لِي بِمَدِينَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ بَصُرْنَا بِعَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ فَقُلْتُ لِمَ صَاحِبِي هَلْ لَكَ أَنْ تَأْتِيَهُ لِمَسْأَلَةٍ عَنْ الْقَدْرِ قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ دُعِنِي حَتَّى أَكُونَ أَنَا الَّذِي أَسْأَلُهُ فَوَلَّيْنِي أَعْرِفُ بِهِ مِنْكَ قَالَ فَاتَّهَوْنَا إِلَى عَبْدِ اللَّهِ فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِنَّا نَتَقَلَّبُ فِي هَذِهِ الْأَرْضِ قَرِيبًا لِدِينِنَا الْبَلَدَةِ بِهَا قَوْمٌ يَقُولُونَ لَا قَدْرَ لِمَا تَرَوْنَ عَلَيْهِمْ قَالَ أَلَيْسَ لَهُمْ مِثْلِي لَيْسَ مِنْهُمْ بَرٌّ وَلَوْ أَنِّي وَجَدْتُ أَغْوَانًا لَجَاهَلْتُهُمْ ثُمَّ أَنشَأَ يُعَرِّفُنَا قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ رَهْطٌ مِنْ أَصْحَابِهِ إِذْ أَكْبَلَ شَابٌّ جَوِيلٌ أَيْسَرُ حَسَنِ اللَّيْمَةِ حَتَّى رَجَعَ عَلَيْهِ بَابُ بَعْضٍ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ

کرنے لگے۔ کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھے اور آپ کے پاس آپ کے صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی موجود تھی کہ اچانک ایک حسین و جمیل گورے رنگ کا سفید لباس میں لمبوس نوجوان جس کی خوبصورت زلفیں کاغذوں پر لکھی ہوئی تھیں اور وہ خوشبو میں مہکا ہوا تھا حاضر ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو اور (اے صحابہ!) تم پر بھی سلام ہو۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے سلام کا جواب دیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اسے اسلام کا جواب دیا تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں (آپ کے) قریب ہو جاؤں آپ نے فرمایا: قریب آ جا تو وہ ایک یا دو قدم قریب آ گیا پھر وہ آپ کی تعظیم کرنے کے لیے کھڑا ہوا پھر اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں اور قریب ہو جاؤں آپ نے فرمایا: قریب آ جا تو وہ (آپ کے بالکل) قریب ہو گیا یہاں تک کہ اس نے اپنے گھٹنے رسول اللہ ﷺ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیئے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں۔ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اس کی ملاقات پر آخرت کے دن پر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لاؤ سو اس جوان نے کہا: آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: ہمیں اس کے صداقت کہنے اور رسول اللہ کی تصدیق کرنے پر بہت تعجب ہوا گویا وہ جانتا ہے پھر اس نے آپ سے عرض کیا کہ آپ مجھے ارکان اسلام کے بارے میں بتائیں وہ کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا: نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ شریف کا حج کرنا ہر اس شخص کے لیے واجب ہے جو وہاں تک جانے کی طاقت رکھتا ہے اور رمضان کے روزے رکھنا اور جنابت سے غسل کرنا۔ اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا ہے ہمیں اس کے صداقت کہنے پر بہت تعجب ہوا پھر اس نے عرض کیا کہ آپ مجھے احسان کے بارے میں بتائیں وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو اپنا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے لیے اس تصور سے کرنے لگے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے حاضر دیکھ رہا ہے سو اگر تو اسے اس طرح نہ دیکھ سکے تو یہ تصور کر لینا کہ بے شک وہ تجھے ضرور دیکھ رہا ہے۔ اس جوان نے کہا: جب میں اس طرح

قَالَ لَمَرَدٌ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَدَدْنَا مَعَهُ فَقَالَ أَذْنُو يَارَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَذْنُ لَدُنَّا دُفُوءٌ أَوْ دُسُوتَيْنِ ثُمَّ لَمَامٌ مُؤَقَّرًا لَهُ ثُمَّ قَالَ أَذْنُو يَارَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ أَذْنُ لَدُنَّا حَتَّى الْصَقِّ رُكْبَةً بِرُكْبَةٍ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَلِقَائِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللَّهِ فَقَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجَبْنَا مِنْ تَصَدُّقِهِ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَوْلِهِ صَدَقْتَ كَمَا أَنْتَ بِعَلَمٍ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ شَرَايِعِ الْإِسْلَامِ مَا بِي قَالَ إِقَامُ الصَّلَاةِ وَاتِّعَاذُ الزَّكَاةِ وَحُجُّ الْبَيْتِ بِمَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَالْإِحْسَانُ مِنَ الْجَنَابَةِ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجَبْنَا لِقَوْلِهِ صَدَقْتَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ مَا هُوَ قَالَ الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْمَلَ لِلَّهِ كَمَا تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ فَوَإِذَا لَعَلْتُ ذَلِكَ فَاتَا مُحْسِنٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاقَةِ مَعِيَ وَبِي قَالَ مَا الْمُسْوُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلَكِنْ لَهَا ضَرَائِبٌ فَقَالَ إِنَّ السَّلَةَ هِنْدَةٌ هَلُمُ السَّاعَةِ وَيَنْزِلُ الْقَمْتُ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَنْدِرِي نَفْسٌ مَآذَا تَكْتَسِبُ عَنَّا وَمَا تَنْدِرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (البقرہ: ۳۳) قَالَ صَدَقْتَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَنَحْنُ نَرَاهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بِالرَّجُلِ لَقَمْنَا فِي آثَرِهِ لَمَّا تَنْدِرِي آيْنَ تَوَجَّهَ وَلَا رَأَيْنَا خَبْرًا لَدَعَرْنَا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَذَا جَبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَاكُمْ بِعِلْمِكُمْ مَقَالِمَ دِينِكُمْ وَاللَّهُ مَا آتَايَ بِصُورَةٍ إِلَّا وَآتَا غَيْرَهَا فِيهَا إِلَّا هَذِهِ الصُّورَةُ.

بخاری (۵۰-۴۷۷۷) مسلم (۹۳) ترمذی (۲۶۱۰) نسائی

(۴۹۹۴-۴۹۹۵) ابن ماجہ (۶۳-۶۴)

عمل کرنے لگوں تو میں محسن ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: آپ نے بالکل سچ فرمایا پھر اس نے عرض کیا کہ آپ مجھے قیامت کے بارے میں بتائیں کہ وہ کب وقوع پذیر ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ جس سے سوال کیا جا رہا ہے وہ (اس کے غفلت رکھنے کے راز کو) سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا (بلکہ اس کے غفلت رکھنے کے راز کو دونوں یکساں جانتے ہیں) لیکن اس کی کچھ علامات اور نشانیاں ہیں (جن کے بتانے کی مجھے اجازت ہے) پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی: بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس سرزمین پر مرے گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جانتے والا خوب بتانے والا ہے۔ اس (جوان) نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے پھر وہ واپس چلا گیا اور ہم اسے دیکھ رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس آدمی کو میرے پاس بلا لاؤ چنانچہ ہم اس کے تعاقب میں جانے کے لیے کھڑے ہو گئے لیکن ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس طرف چلا گیا ہے اور نہ ہم اس کا کچھ نشان پائے سوائے کہ یہ بات نبی کریم ﷺ سے ذکر کی تو آپ نے فرمایا: یہ (جوان) جبریل علیہ السلام تھے وہ تمہیں تمہارے دین کے احکام سکھانے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ جس شکل و صورت میں بھی میرے پاس آئے میں نے انہیں پہچان لیا ماسوا اس شکل و صورت کے۔

حل لغات

”بَصُرًا“ صیغہ جمع مکمل برائے مذکر مؤنث فعل ماضی معروف ہے اس کا معنی ہے: دیکھنا ”القدر“ کا لغوی معنی ہے: کسی پر قدرت و غلبہ پانا کسی معاملہ کی تدبیر کرنا اندازہ کرنا، محضن کرنا، کسی چیز کا فیصلہ کرنا، سبکی کرنا، جمع کرنا لیکن یہاں اس سے تقدیر الٰہی مراد ہے جس میں پوری انسانی زندگی کے متعلق فیصلہ جات درج ہوتے ہیں۔ ”نعم“ کا معنی ہے: ہاں، ہاں، اور یم ساکن ہے اگر نون کسور اور یم ساکن اور یم مفتوح ہو تو پھر اس کا معنی لاچھا ہوتا ہے۔ ”دعنی“ میں ”دع“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف باب: ”فَتَحَ يَفْتَحُ“ ہے۔ اس میں نون وقایہ کی ہے اور یاء مکمل کی ضمیر ہے اس کا معنی ہے: مجھے چھوڑ دے مجھے اجازت دے۔ ”إِنْتَهَيْتُنَا“ صیغہ جمع مکمل فعل ماضی معروف باب افعال ہے اس کا معنی ہے: ہم پہنچے ”تَسْقُطُ“ صیغہ جمع مکمل فعل مضارع معروف باب لعل سے ہے اس کا معنی ہے: ہم آتے جاتے ہیں۔ ”أَبْلَسَ“ فعل امر معروف واحد مذکر حاضر ہے اس کا معنی ہے: پہنچا دو۔ ”أَعْوَانًا“ عون کی جمع ہے اس کا معنی ہے: معاونین اور مددگار۔ ”رَهْطًا“ کا معنی ہے: گروہ اس کا اطلاق تین سے دس تک ہوتا

ہے۔ ”شَابٌ“، ”جَوَانٌ“، ”حَسَنُ الْبَلَّةِ“ خوبصورت رئیس ”طِيبُ الْوَجْهِ“ پاکیزہ اور عمدہ خوشبودار۔ ”يَتَابٌ“ کپڑے ”بِضَى“ سفید۔ ”رَدَّةٌ“ واحد مذکر غائب اور ”رَدَدْنَا“ جمع متکلم دونوں باب: ”نَصَرَ يَنْصُرُ“ سے فعل ماضی معروف ہیں۔ یہاں ان کا معنی ہے: سلام کا جواب دینا۔ ”اَذْنُو“ واحد متکلم فعل مضارع معروف ہے اس کا معنی ہے: قریب ہونا یعنی میں نزدیک ہو جاؤں۔ ”اَذْنٌ“ صیغہ واحد مذکر فعل امر حاضر باب ”نَصَرَ يَنْصُرُ“ معنی قریب ہو جا۔ ”مَوْقُرًا“ تعظیم و توقیر کرنے والا۔ ”الْصَّقِ“ باب افعال صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف الصاق سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: ملانا ”رَمْنَةً“ بہ معنی گھٹنا ہے۔ ”شَوَالِيعُ“ یہ شریعہ کی جمع ہے شریعت کا معنی ہے: اسلامی قانون، خدا کی احکام کا مجموعہ، ضابطہ حیات، دلیلیں، چوکھٹ اور دریا کے کنارے پر بسنے والوں کا گھاٹ، یہاں شرائع الاسلام سے اسلام کے ارکان اور فرائض مراد ہیں۔ ”شَوَاطِطُ شَرِيبَةٍ“ کی جمع ہے بہ معنی علامات اور نشانیاں۔ ”الْقَبِيْطُ“ بارش ”غَدَا“ آنے والا کل۔

”اَقْو“ قدم کے نشان۔ ”مَعَالِيْمُ“ یہ ”مَعْلَمٌ“ کی جمع ہے ”مَعْلَمٌ“ کا معنی ہے: راہ کی نشانی۔ کسی چیز کے پائے جانے کی جگہ۔ معالم دین سے اسلام کے ارکان و فرائض اور احکام مراد ہیں۔

اس عنوان کے تحت مذکورہ حدیث مبارکہ میں ایمان، اسلام، تقدیر اور شفاعت کا ثبوت اور اس کی وضاحت بیان کی گئی ہے۔ ایمان کسے کہتے ہیں؟ اسلام کیا چیز ہے؟ اسلام میں تقدیر کی کیا اہمیت ہے اور شفاعت کن لوگوں کے لیے ہوگی۔

ایمان اور اسلام کی توضیح

اگرچہ عرف شرع میں ایمان اور اسلام مترادف ہیں اور اصطلاحی معنی میں باہم متحد ہیں کیونکہ ایمان کے عقائد پر اسلام کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اسی طرح اسلام کے ارکان پر ایمان لانا بھی واجب ہے، لیکن وجہ ہے کہ ایمان اور اسلام ایک دوسرے کے معنی پر بولے جاتے ہیں اور اپنے الگ الگ معنی پر بھی بولے جاتے ہیں لہذا ہر مؤمن مسلم ہے اور اسی طرح ہر مسلم مؤمن ہے لیکن لغوی معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے:

(۱) ایمان دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے اور اسلام زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَبْتَغُوا الْاَعْزَابَ اِنَّمَا قُلْتُمْ تَوْبَتُكُمْ وَلَكِنْ قَوْلُكُمْ اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ط

لَا تَبْتَغُوا الْاَعْزَابَ اِنَّمَا قُلْتُمْ تَوْبَتُكُمْ وَلَكِنْ قَوْلُكُمْ اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ط

لَا تَبْتَغُوا الْاَعْزَابَ اِنَّمَا قُلْتُمْ تَوْبَتُكُمْ وَلَكِنْ قَوْلُكُمْ اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ط

[المجمعات: ۱۳] داخل نہیں ہوا۔

(۲) ایمان اسلامی عقائد کو ماننے کا نام ہے اور اسلام ارکان اسلام پر عمل کرنے کا نام ہے جیسا کہ اس حدیث مبارکہ اور آئندہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایمان تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اس کی ملاقات پر آخرت کے دن پر اور اللہ تعالیٰ کی انجی اور بری تقدیر پر ایمان لانا یعنی ان تمام عقائد کی دل سے تصدیق کرنا اور ماننا جبکہ اسلام یہ ہے کہ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ شریف کا حج کرنا، ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور جنتا بہ سے غسل کرنا۔

(۳) ایمان باطنی اطاعت (قلبی تصدیق) کا نام ہے اور اسلام ظاہری اطاعت کا نام ہے۔

(۴) ایمان کا تعلق قلب و دل اور دماغ کے ساتھ ہے اور اسلام کا تعلق زبان اور دیگر اعضاء کے ساتھ ہے۔

احسان کی توضیح و تقسیم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں احسان کی بہت تاکید و توصیف بیان فرمائی چنانچہ ارشاد ہے:
لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِيَادَةٌ ط۔ [یونس: ۲۶]
جن لوگوں نے نیکیاں کیں ان کے لیے جنت ہے اور زائد (دیدار الہی) بھی۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ○
نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے ○

[الرحمن: ۶۰]

وَأَحْسَنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ○
اور تم نیکی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا

○ [البقرہ: ۱۹۵]

وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ،
اور احسان کر جیسا اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا۔

[قصص: ۷۷]

ان آیات مقدسہ سے وہ اعمال، اخلاق اور احوال مراد ہیں جن پر ایمان اور اسلام مشتمل ہیں اور اس حدیث مبارکہ میں مخصوص معنی مراد ہے اور وہ ہے: اخلاص کیونکہ ایمان اور اسلام کے صحیح ہونے کے لیے اخلاص شرط ہے۔

[مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ دہلی]

احسان کا معنی ہے: نیکی کرنا اور یہ دو طرح ہوتا ہے: ایک یہ کہ لوگوں پر انعام و اکرام کر کے ان کے ساتھ نیکی کرنا اور دوسرا یہ کہ کسی عمل خیر کو مکمل عمدہ اور بہترین طریقہ سے صحیح ادا کرنا جیسا کہ اس کو ادا کرنے کا حق ہے گویا اس حدیث مبارکہ میں مذکور احسان سے مراد اپنے آپ پر احسان کرنا ہے اور اس کے برعکس اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے اور احسان کا مطلب یہ ہے کہ ہر عبادت اور ہر عمل خیر کو اخلاص، خشوع و خضوع، حضور قلب اور پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر ادا کیا جائے۔

در حقیقت کمال ایمان اور کمال اسلام کے لیے اخلاص شرط ہے بلکہ ان دونوں کے صحیح ہونے کی علامت اور نشانی ہے اس لیے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أَنْ تَعْمَلَ لِلَّهِ كَأَنَّكَ تَرَاهُ“ تم اللہ تعالیٰ کے لیے اس طرح عمل کرو گویا تم اسے اپنے سامنے (حاضر و ناظر) دیکھ رہے ہو اور مشہور روایت میں ”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ“ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے اپنے سامنے دیکھ رہے ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب آدمی اس حال میں ہو تو وہ خشوع و خضوع، شوق و ذوق، محبت و جذبہ اور حیا سے سرشار ہو کر اللہ تعالیٰ کے اجمال و ہیبت، تعظیم و تکریم اور اس کے انوار تجلیات میں منہمک و مستغرق ہو جاتا ہے اور اسی مقام کو مشاہدہ اور مکاشفہ کہتے ہیں اور یہ احسان کا اعلیٰ درجہ ہے۔ آگے ارشاد فرمایا:

”لَمَّا لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ“ سو اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں یقیناً دیکھ رہا ہے چنانچہ جب عبادت کرتے وقت آدمی کا یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر حال میں دیکھ رہا ہے تو پھر بھی اس کے دل میں خوف و خشیت، خشوع و خضوع، حرکات و سکنات میں احتیاط و افعال و احوال میں نظم و ضبط اور اطمینان و یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے اور اسی مقام کو مراقبہ اور مجاہدہ کہتے ہیں جو احسان کا دوسرا درجہ ہے اور سردار عابدان امام عارفان رحمہم اللہ کا ارشاد ہے:

”جَعَلْتُ لِقَاءَ غَيْثِي فِي الصَّلَاةِ“ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ یہ احسان کے پہلے درجہ میں فرمایا گیا ہے

کیونکہ یہ سب سے اعلیٰ اور کامل ترین مقام ہے۔ [ماخوذ از مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۸ مکتبہ نوریہ رضویہ سکرا
مخلوق سے علوم خمسہ کی نفی کا مطلب

محقق یہ ہے کہ بعض فرشتوں نبیوں اور خصوصاً سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے ان پانچ چیزوں کا علم ثابت اور
واقع ہے (آپ کے لیے علم قیامت کا ثبوت آگے آرہا ہے) اس لیے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر تعلیم کے اور بغیر کسی واسطے کے
ان پانچ چیزوں کا علم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے اور جن احادیث میں مخلوق سے ان پانچ چیزوں کے علم کی نفی کی گئی ہے ان کا بھی
ایسی مطلب ہے اور جن احادیث میں ان پانچ چیزوں کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے سو مفاتیح الغیب سے مراد ہے: ان پانچ چیزوں کا کلی علم
بایں طور کہ ان پانچ چیزوں کی ہر ہر جزئی کا علم ہو اور ان پانچ چیزوں کی کوئی جزئی بھی اس علم سے خارج نہ ہو مثلاً ابتداء تخلیق سے
قیامت تک تمام ہونے والی بارشوں کا علم ہو اور تمام انسانوں حیوانوں پرندوں پرندوں اور حشرات الارض کی مادوں کے پیٹ میں
کیا ہے اس کا علم ہو اور ہر جان دار کے متعلق علم ہو کہ وہ کل کیا کرے گا اور ہر جان دار کے متعلق علم ہو کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ ایسا علم حینہ
صرف اللہ عزوجل کو ہے اور یہ علم کسی مخلوق کو نہیں دیا گیا اور نبی کریم ﷺ نے جو فرمایا: مجھے ان پانچ چیزوں کے سوا ہر چیز کی چاہیاں
دی گئی ہیں اسی طرح حضرت ابن مسعود نے جو فرمایا: پانچ چیزوں کے سوا تمہارے نبی کو ہر چیز دی گئی ہے اس کا بھی مطلب ہے اور ان
پانچ چیزوں کی چاہیوں سے یعنی ان پانچ چیزوں کے علم کلی سے بعض جزئیات کا علم مخلوق کو بھی عطا کیا گیا ہے اور جس مخلوق کا بہت زیادہ
مرتبہ ہے اس کو اتنی زیادہ جزئیات کا علم دیا گیا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو سب سے زیادہ جزئیات کا علم دیا گیا ہے۔

بارش کے نزول کا علم

اس آیت مبارکہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بارش کب ہوگی اس کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اس کا
کلی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ متصل ہے ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بارش نازل ہونے کی خبر دی ہے۔
فَمَّا بَقِيَ مِنْ أَجَلِكَ خَامٌ فَبَدَأَ النَّاسُ
وَفِيهِ مَعْصُورُونَ [یوسف: ۳۹]
پھر اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر غوب بارش نازل
کی جائے گی اور وہ اسی سال انگوڑوں کا رس بھی خوب نچڑیں گے ○
اور ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی بارش کے نزول کی خبریں دی ہیں۔

امام شافعی نے کتاب الام میں اور امام ابن ابی الدنیا نے کتاب المطر میں مطلب بن حطب سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ
نے فرمایا: رات اور دن کی ہر ساعت میں بارش نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اس بارش کو لے جاتا ہے۔

[مسند امام شافعی بیروت ص ۸۲ الدر المنثور ج ۱ ص ۹۷ وارجاء التراث العربی۔ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۰]
حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوئی سال دوسرے سال سے زیادہ بارش والا نہیں
ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس بارش کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور بارش کے ساتھ فلاں فلاں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ
کہاں بارش ہو رہی ہے اور کس کو رزق مل رہا ہے اور اس کے قطروں سے کیا نکل رہا ہے۔ (یہ حدیث ہر چند کہ صراحۃً موقوف ہے لیکن
حکماً مرفوع ہے)۔ [المسند رک ج ۲ ص ۱۰۳ الدر المنثور ج ۱ ص ۹۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۱۳]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت واقع نہیں ہوگی جب تک اتنی
زبردست بارش نہ ہو جس سے کوئی پختہ بنا ہوا گھر محفوظ رہے گا نہ خیمہ۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

[مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۶۲ طبع قدیم مسند امام احمد رقم الحدیث: ۵۵۵۳ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۱]

ماؤں کے رحموں کا علم

قرآن مجید میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی بشارت دی اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ میں لڑکے کی خوشخبری دی۔

فَالْوَلَدُ لَا تَخَفُ وَبَشِّرُوهُ بِطُلُوعِ عَلِيٍّ
فرشتوں نے کہا: آپ مت ڈریں اور انہوں نے ان کو علم والے لڑکے کی خوشخبری دی۔ [الذاریات: ۲۸]

اس بشارت کا ذکر سورۃ الحجر: ۵۳ میں بھی ہے۔

اسی طرح فرشتوں نے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی بشارت دی قرآن مجید میں ہے:

فَبَشِّرْهُ بِالصَّبِيِّ الَّذِي هُوَ لِسَانُكَ يُصَلِّي ۚ
پس فرشتوں نے زکریا کو ندا کی جبکہ وہ حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔ [آل عمران: ۳۹]

اور حضرت جبریل نے حضرت مریم کو پاکیزہ لڑکے کی بشارت دی اور انہوں نے یہ خبر دی کہ ان کے پیٹ میں کیا ہے:

فَإِنَّا إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لَا هَبْ لَكَ غُلَامًا
جبریل نے کہا: میں صرف آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تاکہ میں
ذکر کروں [مریم: ۱۹]

آپ کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں

اور فرشتوں کو تلا دیا جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور فرشتے ماں کے پیٹ میں لکھ دیتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: اے رب! یہ نطفہ ہے اے رب! یہ جما ہوا خون ہے اے رب! یہ گوشت کا ٹھنڈا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے: یہ لڑکے کا ہے یا مؤمن؟ یہ بد بخت ہے یا نیک بخت؟ اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کی مدت حیات کتنی ہے؟ پھر وہ ماں کے پیٹ میں (یہ چیزیں) لکھ دیتا ہے۔ [صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۶]

اسی طرح ہمارے محترم و محترم نبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے خبر دی کہ سیدنا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت القدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے آج رات ایک خوف ناک خواب دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ کون سا خواب ہے بیان کرو۔ عرض کیا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے جسم اقدس سے ایک کھڑا کٹ کر میری گود میں رکھا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے کیونکہ ان شاء اللہ میری بیٹی فاطمہ ایک لڑکا جنے گی جو میری گود میں آئے گا چنانچہ حضرت فاطمہ کے ہاں حضرت حسین پیدا ہوئے اور میری گود میں دیئے گئے جیسا کہ آپ نے فرمایا: پھر ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور امام حسین کو آپ کی گود میں دے دیا پھر میری توجہ آپ سے ہٹ گئی تو اچانک رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے سو میں نے دیکھ کر عرض کیا: یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کو کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس ابھی جبریل علیہ السلام آئے ہیں اور انہوں نے مجھے خبر دی کہ میری امت میرے اس بیٹے کو شہید کر دے گی۔ میں نے عرض کیا کہ اس (بیٹے حسین) کو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور جبریل نے میرے پاس حسین کے مقتل (کرب و بلا) کی سرخ مٹی میں سے کچھ مٹی لا کر مجھے دی ہے۔ [مختصر الصالح ص ۵۷، مطبوعہ دار الفکر، دمشق]

کل اور آئندہ ہونے والے واقعات کا علم

حضرت یوسف علیہ السلام نے آئندہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں بتایا کہ معروا لے پہلے سات سال کاشت کر کے بہت سا غلہ جمع کریں پھر اس کے بعد سات سال قحط و خشک سالی کے آئیں گے ان میں جمع شدہ غلہ کام میں لائیں گے قرآن مجید میں ہے:

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأْبًا لِّمَا حَصَدْتُمْ
فَلَذَوُوهُ فِي سِنِيهِ إِلَّا لِقِيلًا وَمَا تَكْلُونَ ثُمَّ يَأْتِيهِ
مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا
لِقِيلًا وَمَا تَحْصِنُونَ ﴿۳۷-۳۸﴾ [یوسف: ۳۷-۳۸]

یوسف نے کہا: تم لگاتار سات سال معمول کے مطابق کاشت کاری کرنا اور فصل کاٹ کر اس کو خوشوں میں رہنے دینا سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی چیزوں کے ﴿۳۷﴾ اس کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے وہ ذخیرہ کیے ہوئے غلہ کو کھا جائیں گے سوا اس تھوڑے سے غلہ کے جس کی تم حفاظت کرو گے ﴿۳۸﴾

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے صرف کل کی نہیں بلکہ چودہ سال کی پہلے سے خبر دے دی تھی۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دو ساتھیوں کو ان کے انجام کے متعلق پہلے ہی بتا دیا تھا قرآن مجید میں ہے:

يَصْصِيحُنِي الْيَسْمِينُ اَمَّا اَخِي كَمَا يَتَّبِعُنِي رِبِّي
عَمْرًا وَاَمَّا الْاُخَرُ فَيُضَلُّ فَاَكُلُ الْعُلْفُ مِنْ رَاوِبَةٍ
قَبِيضٍ اَلَمْ يَرِ الْاَيُّ لِيْهِ تَسْتَفْتِيْنَ ﴿۳۹﴾ [یوسف: ۳۹]

اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا اور رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا سرو لوچ کر کھائیں گے تم دونوں جس چیز کے متعلق سوال کر رہے تھے اس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے ﴿۳۹﴾

اس آیت کریمہ میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کے مستقبل کی خبر دے دی اور ہمارے نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے تو قیامت تک بلکہ دخول جنت اور دخول دوزخ تک کے واقعات کی خبر دے دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور ہمیں اجرائے مخلیق سے خبریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنی منازل میں داخل ہو گئے اور اہل نار اپنی منازل میں داخل ہو گئے سو جس نے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے بھلا دیا اسے بھول گیا۔ [صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲]

اور بالخصوص کل کی خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

لَا عَظِيمَ الرَّاۤبِئَةِ عَدَا يَفْعَعُ اللّٰهُ عَلٰی يَدَيْهِ
کل میں جھنڈا اس کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ خیر کو فتح کرے گا۔

[صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰۱، سنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۱۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۰۶]

مرنے کی جگہ کا علم

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قید کے ایک ساتھی سے فرمایا تھا کہ تمہیں سولی دی جائے گی۔ [یوسف: ۳۹] اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے بتا دیا کہ تمہیں پھانسی کے تختہ پر موت آئے گی اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے مرنے کی جگہ کا علم تھا۔ نیز حضرت عزرا نیکل علیہ السلام انسانوں کی روح قبض کرتے ہیں سو ان کو علم ہوتا ہے کہ انہوں نے کس شخص کی روح کس جگہ قبض کرنی ہے۔

اور ہمارے نبی کریم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے بدر میں قتل ہونے والے کفار کے متعلق جنگ سے پہلے فرمادیا تھا کہ:
 هَكَذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ اِنْ شَاءَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ۔
 ان شاء اللہ کل فلاں کافر اس جگہ پر گزے گا اور یہ کل فلاں کے
 [صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۰۷۳] کرنے کی جگہ ہے۔

اور آپ نے فرمایا:
 مَنْزِلُنَا غَدًا اِنْ شَاءَ اللهُ بِمَنْعِهِمْ بَنِي كِنَانَةَ۔
 کل ان شاء اللہ ہماری منزل خیف بنی کنانہ میں ہوگی۔
 [صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۸۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۱]

نیز آپ نے فرمایا:
 حضرت عیسیٰ ابن مریم زمین کی طرف اتریں گے اور شادی کریں گے ان کی اولاد ہوگی اور چونتالیس سال قیام کریں گے پھر
 وفات پائیں گے۔ میرے ساتھ میرے مقبرے میں دفن کیے جائیں گے سو میں اور عیسیٰ ابن مریم ابوبکر و عمر کے درمیان ایک مقبرے
 سے اٹھیں گے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۰ مطبوعہ دار المطابع دہلی]

قیامت کا علم

نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامات بتائیں کہ قرب قیامت میں امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ [سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۰]
 اور فرمایا: قیامت سے پہلے دھواں اٹھے گا دجال کا خروج ہوگا، آتہ الارض (زمین سے ایک جانور) کا ظہور ہوگا۔ سورج
 مغرب سے طلوع ہوگا، حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا، یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا، ایک بار مشرق کی زمین دھنسے گی، ایک بار مغرب کی زمین
 دھنسے گی اور ایک بار جزیرۃ العرب کی زمین دھنسے گی اور آخر میں یمن سے ایک آگ اٹھے گی جو لوگوں کو ہاک کر محشر کی طرف لے
 جائے گی۔ [صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱] اور آپ نے فرمایا: محرم کی دس تاریخ کو قیامت واقع ہوگی۔ [غیاث الاوقات للشمس قرنی
 الحدیث: ۷۲۳ ص ۳۲۱] اور یہ بھی فرمایا کہ جمعہ المبارک کے دن قیامت آئے گی۔ [صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۳] اور یہ بھی بتا دیا کہ جمعہ کے
 دن صحر اور مغرب کے درمیان قیامت آئے گی۔ [الاسماء والصفات للشمس قرنی ص ۳۸۳]

آپ نے قیامت کے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا صرف سن نہیں بتایا کیونکہ اگر آپ سن بھی بتا دیتے تو ہمیں آج
 معلوم ہوتا کہ قیامت کے آنے میں اتنے سال رہ گئے ہیں اور قیامت کا آنا چاک نہ رہتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
 لَا تَأْتِيَكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۖ (الاعراف: ۱۸)
 قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

ان کے سروں پر قیامت اچانک آ جائے گی اور ان کو اس کا شعور
 [الشعراء: ۲۰۲] بھی نہ ہوگا۔

اگر نبی کریم ﷺ قیامت کا سن بھی بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن مجید بھونٹا ہو جاتا اور نبی کریم ﷺ
 قرآن مجید کے مصدق (تصدیق کرنے والے) بن کر آئے تھے اس کے مکتذب (جھٹلانے والے) بن کر نہیں آئے تھے سو آپ نے
 قرآن کریم کی تصدیق کے لیے قیامت کا سن نہیں بتایا اور اپنے علم کے اظہار کے لیے وقوع قیامت کی تمام نشانیاں مہینہ تاریخ دن
 اور دن کا مخصوص وقت سب کچھ بتا دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا بالذات، بجا واسطہ اور از خود علم تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور ان پانچ چیزوں کا کلی علم بھی اللہ تعالیٰ
 ہی کا خاصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتانے سے ان کی جزئیات کا علم فرشتوں اور نبیوں اور رسولوں کو بھی ہے اور اولیاء اللہ کو

بھی ہے اور جس کا جتنا مرتبہ زیادہ ہے اس کو اتنا زیادہ علم ہے اور سب سے زیادہ ان کی جہانیاں کا علم ہمارے نبی کریم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہے۔ (ماخوذ از تفسیر تہمان القرآن ج ۹، ص ۲۹۱-۲۸۶)

فوائد حدیث

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے منکرین تقدیر کے بارے میں یہ فرمایا کہ ”أَبْلَغُهُمْ مِثْنِي أَنِّي بَرِيءٌ مِنْهُمْ“ انہیں میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو کہ بے شک میں ان سے بری اور بیزار ہوں۔

یہ فرمان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صحابی کا قول حجت ہے جیسا کہ خود آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”أَهْوَئِي كَمَا لَتَجُومُ بِأَيِّهِمْ أَفْقَدُيْتُمْ“ میرے تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس صحابی کی پیروی کرو گے ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔ [شرح مسند امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ لملا علی قاری رحمہ اللہ باری ص ۳۲۸]

(۲) ایمان درحقیقت صرف دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے اور رہا اقرار تو وہ اسلامی احکام کے اجرا کے لیے شرط ایمان ہے جزو ایمان نہیں اور اعمال صالحہ ایمان کامل کے لیے شرط ہیں جن کے بغیر ایمان ناقص ہوتا ہے۔

(۳) اس حدیث مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ اچھی بری تقدیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماننا اور اس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کے لیے ضروری اور فرض ہے جس کو برحق تسلیم کرنا ایمانیات میں شامل ہے۔

(۴) ایمان اور اعمال صالحہ کے لیے اخلاص شرط ہے کیونکہ ایمان اخلاص کے بغیر نفاق میں تبدیل ہو جاتا ہے جبکہ اعمال صالحہ اخلاص کے بغیر یا کاری اور دکھاوا بن جاتے ہیں یہ فائدہ احسان کی تعلیم سے حاصل ہوا ہے۔

(۵) جس طرح سورۃ فاتحہ کو ام القرآن اور ام الکتاب کہا جاتا ہے کہ یہ سورت قرآن مجید کے تمام معانی و مقاصد اور مضامین پر مشتمل ہے اور تمام معانی قرآن کی جامع ہے اسی طرح اس حدیث مبارکہ (جسے حدیث جبریل کہا جاتا ہے) کو ام الاحادیث اور ام الجوامع کہا جاتا ہے کیونکہ یہ حدیث ان تمام علوم پر مشتمل اور ان کی جامع ہے جو دیگر احادیث مبارکہ سے حاصل ہوتے ہیں اور تمام محدثین ائمہ اس حدیث کے صحیح ہونے پر متفق ہیں اور بخاری و مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے اس حدیث کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مختلف طریقوں پر روایت کیا ہے۔

(۶) دین اسلام کی بنیاد تین چیزوں پر ہے: (۱) فقہ (۲) کلام (۳) تصوف اور اس حدیث میں یہ تینوں بیان کیے گئے ہیں کیونکہ اسلام سے فقہ کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ فقہ اسلامی اعمال اور احکام شریعہ کے تفصیلی بیان پر مشتمل ہے اور ایمان سے اعتقادات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہی اصول کلام کے مسائل ہیں اور احسان سے اصل تصوف کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تصوف کا مطلب یہی ہے کہ خلوص قلب اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا اور مشائخ طریقت نے تصوف کے جتنے معانی بیان کیے ہیں سب کا خلاصہ یہی معنی ہے اور یہ تینوں آپس میں باہم لازم و ملزوم ہیں کوئی ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں اور اسی وجہ سے امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَّقَ فَقَدْ تَزَوَّدَ وَمَنْ
تَقَيَّعَ وَلَمْ يَتَصَوَّفَ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ جَمَعَ
بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ .

جس نے تصوف حاصل کیا اور علم فقہ حاصل نہ کیا تو وہ یقیناً بے
دین ہو گیا اور جس نے علم فقہ حاصل کیا اور تصوف نہ سیکھا تو وہ یقیناً
فاسق ہو گیا اور جس نے ان دونوں کو جمع کر لیا تو وہ کامیاب ہو گیا۔

(مجموع الفتاویٰ ج ۱، ص ۳۲-۳۷، مکتبہ نور پر صوبہ سکرا)

(۷) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بواسطہ وحی الہی قیامت کا علم حاصل تھا لیکن اس کے وقوع کے سن کو مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس لیے (الف) اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو قیامت کے وقوع کا علم دریافت کرنے کے لیے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجا۔ اگر آپ کو علم نہ ہو تو یہ بھیجنا بے فائدہ ہوگا۔ (ب) حضرت جبریل کا وقوع قیامت کے متعلق دریافت کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کو وقوع قیامت کا علم تھا اور نہ دریافت نہ کیا جاتا (ج) پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں لا علم نہیں فرمایا بلکہ اپنے آپ سے اضافہ کی نفی فرمائی کہ وقوع قیامت کے مخفی رکھنے کے راز کو مسؤل سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس میں آپ نے مطلق علم قیامت کی نفی نہیں فرمائی (د) کسی اہل علم کا اپنے سے بڑے اہل علم سے اس لیے دینی احکام اور مسائل دریافت کرنا تا کہ دوسرے مسلمان ان احکام و مسائل سے آگاہ ہو جائیں حضرت جبریل علیہ السلام کی سنت ہے۔

نبی کریم ﷺ کو وقوع قیامت کے وقت کو مخفی رکھنے کا حکم

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

(۱) بعض علماء نے کہا کہ (بنی اسرائیل) کی آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا بلکہ احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع کیا ہو اور آپ کو اس کی اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو اور قیامت کے متعلق بھی علماء نے اسی طرح کہا ہے۔ واللہ اعلم بحجج الہدی ج ۸ ص ۳۰۳

علامہ اسماعیل قسطلانی شافعی نے بھی یہ مہارت نقل کی ہے۔ ہر شہادۃ ص ۷۷ ص ۱۲۴

(۲) علامہ زرقانی "المواہب" کی شرح میں لکھتے ہیں:

علم قیامت اور باقی ان پانچ چیزوں کے متعلق جن کا سورہ لقمان کی آخری آیت میں ذکر ہے علماء نے بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے اور آپ کو انہیں مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ [شرح المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۱۲۶]

(۳) علامہ جلال الدین سیوطی شافعی لکھتے ہیں:

اور بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو امور غیب کا علم دیا گیا ہے اور وقوع قیامت کا اور روح کی حقیقت کا بھی علم دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

[شرح المصنوع ص ۱۱۹ مطبوعہ بیروت انصاف لکچری ج ۲ ص ۳۳۵، بیروت ۱۳۰۵ھ]

(۴) عارف باللہ علامہ احمد صاوی مائلی لکھتے ہیں:

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم پر مطلع نہیں فرمایا لیکن آپ کو ان علوم کے مخفی رکھنے کا حکم فرمایا۔ [تفسیر صاوی ج ۳ ص ۱۲۵]

(۵) علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم نہیں دے دیا جس کا علم دینا ممکن تھا۔ [تفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۳]

نیز علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو وقوع قیامت کے وقت پر مکمل اطلاع دے دی ہو مگر اس طریقہ پر نہیں کہ اس سے علم الہی کا اعتناء ہو الا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر اس کا اختفاء واجب کر دیا ہو

اور یہ علم رسول اللہ ﷺ کے خواص میں سے ہو لیکن مجھے اس پر کوئی قطعی دلیل حاصل نہیں ہوئی۔ [روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۱۳]
(۶) امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے مخصوص فیض یعنی قیامت قائم ہونے کے وقت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ البتہ ان کو مطلع فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ [تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۸]
نوٹ: یہاں چند حوالہ جات اردو میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اس مسئلہ پر عربی متن کے ساتھ مکمل تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔

[تفسیر بیان القرآن ج ۹ ص ۲۹۶-۲۹۷]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک نوجوان کی شکل و صورت میں سفید لباس میں لباس ہو کر نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ" اے اللہ تعالیٰ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: "وَعَلَیْكَ السَّلَامُ" تجھ پر بھی سلام ہو سو اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کے قریب آ جاؤں؟ آپ نے فرمایا: میرے قریب آ جا (تو وہ قریب آ گیا اور) وہ کہنے لگا: یا رسول اللہ! ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور اس کی اچھی اور بری قدرت پر ایمان لانا۔ اس نے کہا: آپ نے بالکل سچ فرمایا سو ہمیں اس کے "صدقت" کہنے پر تعجب ہوا گویا وہ جانتا ہے پھر اس نے کہا: یا رسول اللہ! اسلام کے ارکان کیا ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور حلال حاصل جتا بت کرنا، اس نے کہا: آپ نے بالکل سچ فرمایا سو ہمیں اس کے "صدقت" کہنے پر تعجب ہوا کہ گویا وہ جانتا ہے پھر اس نے عرض کیا کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے لیے اس طرح عمل کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو سو اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو (یہ تصور کرو کہ) وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے پھر اس نے عرض کیا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس سے قیامت کے قیام کے متعلق سوال کیا جا رہا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا پھر وہ جوان واپس چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس آدمی کو بلا لاؤ سو ہم نے اسے تلاش کیا لیکن ہم نے اس کا کوئی نشان وغیرہ نہ پایا پس ہم نے نبی کریم ﷺ کو اس کے نہ ملنے کی خبر سنائی تو آپ نے فرمایا: یہ

۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عُمَارَ عَنْ اِبْرَاهِمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ جِبْرِیْلُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا صُوِّرَ خَاتَمُ عَلَيْهِ زَهَابٌ بِحَاضِرٍ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَذَنْتَ لِقَالَ اَذَنْتَ لِقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا الْاِيْمَانُ فَقَالَ الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْقَنَدِ غَيْرِهِمْ وَخَيْرُهُمْ قَالَ صَدَقْتَ فَتَعَجَبْنَا لِقَوْلِهِ صَدَقْتَ عَمَّاكَ يَذْهَبُ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَمَّا خَرَجَ الْاِسْلَامُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَمُّ الْعِلْوَةِ وَالْبَنَاءُ الزُّكُورُ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَحُكْمُ الْحَبَاثَةِ قَالَ صَدَقْتَ فَتَعَجَبْنَا لِقَوْلِهِ صَدَقْتَ عَمَّاكَ يَذْهَبُ ثُمَّ قَالَ لَمَّا الْاِحْسَانُ قَالَ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ عَمَّاكَ تَرَاهُ اِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ لَوْنُهُ بَرَّالَهُ قَالَ صَدَقْتَ لَمَّا فَتَمَنَى قِيَامُ السَّاعَةِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمُسَوِّوْنَ عَنْهَا بِأَهْلِكَ مِنَ السَّالِبِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ بِالرَّجُلِ فَطَلَبْنَا فَلَمْ نَرَهُ اَلَمْ نَرَهُ فَتَعَجَبْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَلِكَ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ جَاءَ كُمْ بِعِلْمِكُمْ مَعَالِمَ دِينِكُمْ.

بخاری (۵۰-۴۷۷۷) مسلم (۹۳) ترمذی (۲۶۱۰)

نہائی (۴۹۹۳-۴۹۹۴) ابن ماجہ (۶۳-۶۴)

(حضرت) جبریل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارے دین کے احکام سکھائے
آئے تھے۔

حل لغات

یہ حدیث پچھلی حدیث کا تسلسل ہے جس کے تحت حل لغات میں الفاظ و معانی بیان کر دیئے گئے ہیں یہاں صرف تین الفاظ کے معانی بیان کیے جاتے ہیں۔ ”یَنْذِرُ“ فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ باب ضَوْبٌ يَضْرِبُ سے ہے یہ ذوقیہ سے ماخوذ ہے جس کا لغوی معنی ہے: حیلہ اور قیاس و اندازہ سے کسی چیز کو جاننا لیکن یہاں یہ ”یَعْلَمُ“ کے معنی میں ہے کہ وہ جانتا ہے۔ ”لَفِي“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَعَّلَ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کے پیچھے چلانا لیکن یہاں ”وَلِيًّا“ کے معنی میں ہے یعنی والدین پیچھے مڑ گیا۔ ”عَلَى“ یہ اسمائے افعال میں سے اسم فعل ہے۔ یہ ”اَنْتَ“ کے معنی میں ہے یعنی لاؤ بلاؤ۔ یہ حدیث بھی تقریباً پہلی حدیث کے الفاظ اور مضامین پر مشتمل ہے اس کو مکرر اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ حدیث کا متن ایک ہر سند کی وجہ سے مستحکم و قوی اور محفوظ ہو جائے اور اس کے مضامین کے بارے میں یقین کامل حاصل ہو جائے کیونکہ اس سے پہلے حدیث کی سند میں امام ابو حنیفہ سے پہلے حضرت علقمہ بن مرثد، حضرت یحییٰ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں جبکہ اس حدیث کی سند میں امام ابو حنیفہ سے پہلے حضرت حماد بن مسلم، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت علقمہ بن قیس کوئی اور حضرت عبداللہ بن مسعود راوی ہیں۔

ملاحظہ فرمائی کہ اللہ الباری کہتے ہیں:

شرائع اسلام کی اکثر روایات میں سب سے پہلے تو حید و رسالت کی گواہی دینے کا ذکر ہے پھر نماز کا حکم کرنے، ذکر و دعا کرنے، ماہ رمضان کے روزے رکھنے اور بیت اللہ شریف کا حج کرنے کا ذکر ہے لیکن یہاں ان دونوں روایتوں میں تو حید و رسالت کی گواہی دینے کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ یہ ایمان شری میں داخل ہے اس لیے اس کا الگ ذکر نہیں کیا گیا البتہ اس سے پہلی حدیث میں حج کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس روایت میں حج کا ذکر بھی نہیں کیا گیا۔ شاید یہ روایت حج کے فرض ہونے سے پہلے کی ہو۔

[شرح مصنف امام اعظم رحمہ اللہ، مکتبہ المدینہ، ص ۱۰۲]

ان دونوں احادیث مبارکہ میں غسل جنابت کا ذکر کیا گیا ہے تا تو غسل جنابت کی اہمیت و عظمت اور اس کی رفعت شان کی وجہ سے اس کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ طہارت کا ذریعہ ہے جو تمام عبادات کے لیے شرط ہے یا پھر اس وقت اسلام میں اسی قدر فرض ہوا ہوگا اور غسل جنابت کی فرضیت کا ثبوت قرآن مجید میں ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَأَطْهَرُوا. [المائدہ: ۶]

اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب طہارت حاصل کرو۔

توحید اور رسالت کا بیان

حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ انہیں نبی کریم ﷺ کے چند صحابہ کرام نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چرواہی لڑکی خادمہ تھی جو ان کی بکریوں کو چرایا کرتی اور ان کی دیکھ بھال کرتی تھی اور حضرت عبداللہ نے اسے ایک اور بکری دی اور اسے حکم دیا کہ وہ اس بکری کی دیکھ بھال کرتی رہے اور اس کا خیال رکھنے

۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ اَنْ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُ اَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ رَوَاحَةَ كَانَتْ لَهٗ رَاحِيَةٌ تَتَعَاهَدُ غَنَمَهُ وَانَّهُ اَمَرَهَا تَتَعَاهَدُ شَاةً فَتَعَاهَدُهَا حَتَّى سَقَبَ الشَّاةُ وَاسْتَغْلَبَتِ الرَّاحِيَةُ بَعْضَ الْغَنَمِ لِحَبَاءِ اللَّيْلِ فَاتَّخَذَ الشَّاةُ

وَقَالَتْ لَهَا فَجَاءَ عَبْدُ اللَّهِ وَقَعَدَ الشَّاةَ فَأَخْبَرَتْهُ الرَّاعِيَةُ بِأَمْرِهَا فَلَطَمَهَا ثُمَّ نَبِمَ عَلَى ذَلِكَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ وَقَالَ حُزِنْتُ وَجَعَهُ مُؤْمِنَةٌ فَقَالَ مَسْوَدَاءُ لَا عِلْمَ لَهَا فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهَا آيَنَ اللَّهُ فَقَالَتْ لِي السَّمَاءُ قَالَ لَمَنْ أَنَا قَالَتْ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ إِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ فَأَعْفَقَهَا.

مسلم (۱۱۹۹) ابن جریر (۸۵۹) ابن حبان (۲۲۴۷) سنن

ابن (۲۴۱۶۵-۲۴۱۶۹-۲۴۱۷۴)

چنانچہ وہ اس بکری کی خوب دیکھ بھال کرتی اور اس کا پورا خیال رکھتی یہاں تک کہ وہ خوب موٹی تازی ہوگئی اور ایک دن وہ لڑکی دوسری بکریوں کی نگہرائی میں مشغول ہوگئی اتنے میں اچانک ایک بھیڑیا آیا اور اس موٹی تازی بکری کو پکڑ کر لے گیا اور اسے مار ڈالا جب حضرت عبداللہ تشریف لائے اور اس بکری کو نہ پایا تو اس چرواہی خادمہ نے آپ کو اس بکری کا سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عبداللہ نے غصہ میں آ کر اس کو ایک طمانچہ مارا پھر اس پر نادم و پشیمان ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو نبی کریم ﷺ پر یہ بات بہت گراں گزری اور آپ کو بہت دکھ ہوا اور آپ نے فرمایا کہ تم نے ایک ایمان دار لڑکی کے چہرے پر طمانچہ مار دیا۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ وہ ایک جھٹن لڑکی ہے اسے ایمان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی بھیج کر اس کو اپنے پاس بلوایا اور اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں ہے پھر آپ نے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ تو مسلمان ہے پس تم اس کو آزاد کرو تو حضرت عبداللہ نے اسے آزاد کر دیا۔

حل لغات

”لَتَعَاظِدُ“ صیغہ واحد مؤنث غائب ہے اور باب تفاعل سے فعل مضارع معروف ہے اس کا معنی ہے: حفاظت کرنا اور کسی چیز کی دیکھ بھال کرنا۔ ”عَظِمَ“ اور ”عَظَا“ معنی کے اعتبار سے مترادف ہیں لیکن عدد کے اعتبار سے ”عَظِمَ“ مصدر ہے اور جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ”عَظَا“ واحد کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے ”عَظِمَ“ کا معنی ہے بکریاں یا بکریوں کا ریوڑ جبکہ شاة کا معنی ہے بکری۔ ”رَاعِيَةً“ صیغہ واحد مؤنث اسم فاعل باب فَعَّلَ يَفْعِلُ سے ہے اس کا معنی ہے: بکریوں کو چرانے والی بکریوں کی حفاظت کرنے والی اور ان کی نگہبان۔ ”مَسْوَدَاءُ“ یہ باب کرم بکرم اور باب مَسَجَعُ يَمَسُجِعُ دونوں سے آتا ہے اور یہ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف ہے اس کا معنی ہے: فریبہ اور موٹا ہونا۔ ”اِسْتَفْصَلْتُ“ یہ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب اِخْتَالَ سے ہے جس کا معنی ہے: کسی کام میں مشغول و معروف ہو جانا۔ ”اَلْبَلْبُ“ کا معنی ہے: بھیڑیا اور اس کی جمع ”ذئاب“ آتی ہے۔ ”اِخْتَلَسَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب اِخْتَالَ سے اس کا معنی ہے: اچک لینا، چھپنا مار کر چھین لینا اور اچانک پکڑ لینا۔ ”فَقَدَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب حَضَرَبَ يَحْضِرِبُ سے اس کا معنی ہے: کسی چیز کو گم پانا۔ ”لَطَمَهَا“ میں ”لَطَمَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے اس کا معنی ہے: تھپڑ مارنا طمانچہ رسید کرنا۔ ”عَظِمَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تَعَطَّلَ سے اس کا معنی ہے: گراں گزرتا۔ ”فَاعْفَقَهَا“ اس میں پہلا صیغہ فعل امر حاضر واحد مذکر ہے اور دوسرا صیغہ فعل ماضی معروف واحد مذکر غائب ہے دونوں باب اِفْعَالَ سے ہیں ان کا معنی ہے: آزاد کرنا۔

غلاموں اور نوکروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم

مسلم اقوام کے تمام افراد کے لیے شریعت نے یہ لازمی قرار دے دیا ہے کہ وہ اپنے غلاموں اور ملازمین و نوکروں کے ساتھ اچھے اور بہترین تعلقات قائم کریں اور ان سے حسن سلوک کریں اس طرح کہ وہ ان پر احسان و اکرام اور نرمی کریں اور ان کے ساتھ تکبر و غرور سے پیش نہ آئیں اور نہ ان کو حقیر و ذلیل اور انتہائی گھٹیا خیال کریں اور نہ ان پر بے جا تشدد و سختی کریں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنے غلاموں کے بارے میں خصوصی نصیحت اور تاکید کرتے ہوئے فرمایا: تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت بنایا ہے پس جو کچھ تم خود کھاتے ہو انہیں بھی کھلاؤ اور جو کچھ تم خود پہنتے ہو انہیں بھی پہناؤ اور تم انہیں کسی ایسی چیز یا کسی ایسے کام کی تکلیف نہ دو جس کے اٹھانے کی ان میں استطاعت و ہمت اور طاقت نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اپنی بکری کی ہلاکت پر غصہ میں آ کر اپنی لوطی کو طمانچہ مارا تو بعد میں فوراً ہادم و پشیمان ہوئے اور اس زیادتی پر بہت بچھڑائے کیونکہ دوسری بکریوں کی دیکھ بھال کرنے اور ان کی نگرانی میں مشغول ہونے کی بنا پر لڑکی سے غفلت ہوئی تھی لیکن اس نے ایسا جان بوجھ کر نہیں کیا تھا اس لیے وہ قصور وار نہیں تھی پھر ان کے پیش نظر یہ ارشاد نبوی بھی تھا: ”الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَنَدْبِهِ“ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔ [مشکوۃ المصابیح ص ۱۶ مکتبہ دار الفکر دہلی] نیز صحابہ کرام بجا و راست آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت و اخلاق سے بغض یا بے ہوئے تھے اس لیے صحابہ کرام بھی آپ کے توسل سے اخلاق حمیدہ کے بلند درجہ پر فائز تھے اور آپس میں شیر و شکر ہو کر رہتے تھے اور باہم ایک دوسرے سے درگزر کرتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی ہے:

أُولَئِكَ عَلَى الْكُفْرَانِ رَحْمَةً مِّنْ رَبِّهِمْ. [التغ: ۴۹]

وہ کافروں پر بڑے رحمت تھے آپس میں بہت مہربان تھے۔

بہر حال حضرت عبداللہ بن رواحہ بہت پریشان ہو کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا اور اس کا حل بھی دریافت کیا۔ یہ واقعہ سن کر آپ کو بہت المسوس ہوا اور آپ نے حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ تم اپنی اس لوطی کو آزاد کرو اسے سزا دینے کا یہی کفارہ ہے چنانچہ حضرت عبداللہ نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اسے آزاد کر دیا۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی غصہ میں آ کر کسی پر ظلم و زیادتی کر لے تو اس پر لازم ہے کہ وہ مظلوم پر کوئی احسان کرے اس کی دادی کرے نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ صحابہ کرام آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظلم اور کامل اطاعت گزار تھے کہ آپ نے جیسے ہی احتجاجی حکم فرمایا تو حضرت عبداللہ نے فوراً عمل کرتے ہوئے لوطی کو آزاد کر دیا نیز اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ ایمان کی حقیقت محض تو حید و رسالت کی تصدیق ہے باقی رہے اعمال صالحہ تو وہ حقیقت ایمان سے خارج ہیں اور کمال ایمان کے لیے شرط ہیں۔

۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَصْحَابِيْهِ اِنْهُضُوا بِنَا نَعُوْذُ بِجَارِنَا الْيَهُودِيِّ قَالَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَوَجَدَهُ فِي الْمَوْتِ فَسَأَلَهُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَآتَيْنِيْ رَسُولُ اللّٰهِ فَتَنَكَّرَ اِلَيْيْ اَبِيْهِ فَلَمْ يَكَلِّمْهُ اَبُوهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَآتَيْنِيْ رَسُولُ

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ اٹھو ہم اپنے ایک یہودی پڑوسی کی بیمار پرسی کریں۔ حضرت بریدہ نے فرمایا کہ جب آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس کے پاس پہنچے تو آپ نے اس کو سکرات موت میں پایا سو آپ نے اس سے اس کا حال پوچھا پھر فرمایا کہ تو اس بات کی گواہی دے دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور

اللّٰهُ فَتَشْهَدُ اِلٰى اَبِيهِ فَقَالَ اَبُوهُ اَشْهَدُ لَكَ فَقَالَ الْقَسِي
اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي
اَنْقَذَنِي نَسَمَةً مِّنَ النَّارِ وَلِيَّيْ رِوَايَةُ اللّٰهِ قَالَ ذَاتَ
يَوْمٍ لِّمَصْحَابِهِ اَلْهَضُوْا بِنَا نَعُوْذُ بِجَارِنَا الْيَهُودِيِّ قَالَ
فَوَجَدَهُ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ اَتَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
فَقَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنِّي رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ فَتَشْهَدُ
الرَّجُلُ اِلٰى اَبِيهِ قَالَ فَاَعَادَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَصَفَ الْحَبِيْبَتِ فَبَكَتْ مَرَّتَيْنِ اِلٰى
اَبِيهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَوَصَفَ الْهَمَاءُ اِلٰى قَوْلِهِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ
رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَنْقَذَنِي نَسَمَةً مِّنَ النَّارِ.

بخاری (۱۳۵۶-۵۶۵۷) ابوداؤد (۳۰۹۵)

میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ یہ بات سن کر اس نے اپنے باپ کی طرف
دیکھا لیکن اس کے باپ نے اس سے کوئی بات نہ کی (اور خاموش رہا)
تو نبی کریم ﷺ نے اس سے دوبارہ فرمایا کہ تو اس بات کی گواہی دے
دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا
رسول ہوں۔ یہودی نے دوبارہ اپنے باپ کی طرف دیکھا تو اس کے
باپ نے کہا کہ تو کلمہ شہادت پڑھ لے چنانچہ اس جوان نے کہا "اَشْهَدُ
اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" میں گواہی دیتا ہوں کہ
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک حضرت محمد
(ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے جس نے میری وجہ سے ایک آدمی کو دوزخ کی
آگ سے بچالیا اور دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ ایک دن آپ
نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: تم اٹھو ہمارے ساتھ چلو ہم اپنے پڑوسی
یہودی کی بیمار پرسی کریں۔ حضرت بریدہ بن حبیب نے کہا کہ جب
آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس کے پاس پہنچے تو آپ نے اس کو حالت
نزع میں پایا اور فرمایا: کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے
سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا:
کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟ اس
آدمی نے اپنے باپ کی طرف دیکھا راوی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ
نے اپنے ارشاد کو دوبارہ دہرایا اور آپ نے اسی طرح تین مرتبہ اپنا ارشاد
دہرایا یہاں تک کہ اس نے کہا: "اَشْهَدُ اَنَّكَ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" میں گواہی
دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس پر رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے میرے سبب
ایک انسان کو دوزخ کی آگ سے بچالیا۔

حل لغات

"جَلُوْسٌ"، "جَالِسٌ" کی جمع کسر ہے اس کا معنی ہے: بیٹھنے والے۔ "اَلْهَضُوْا" یہ میخذ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف ہے۔
اس کا معنی ہے: اٹھنا، کھڑا ہونا۔ "نَعُوْذُ" میخذ جمع مکمل فعل مضارع معروف ہے اس کا معنی ہے: عبادت کرنا اور بیمار پرسی کرنا۔ "جَارُوْ"
بہ معنی پڑوسی ہے۔ "اَشْهَدُ" پہلے تین صیغے فعل امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر کے ہیں اور چوتھا میخذ واحد مکمل فعل مضارع معروف
ہے ان کا معنی ہے: گواہی دینا۔ یہ باب سمع بسمع سے ہے۔ "اَنْقَذَ" میخذ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب انفعال ہے اس کا
معنی ہے: نجات دینا، بچانا اور چھوڑنا۔ "نَسَمَةً" اس کا معنی ہے: روح، جان، نفس۔ "اَعَادَ" میخذ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف

باب افعال ہے اس کا معنی ہے: دوبارہ دہرانے، لوٹانا اور کسی بات کا تکرار کرنا۔ ”الہیۃ“ حالت۔

پڑوسی کے حقوق

ملاحظہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بزرگوار شیخ اور امام ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

پڑوسی تین قسم کے ہیں: ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک حق ہے اور دوسرا وہ پڑوسی جس کے دو حقوق ہیں اور تیسرا وہ پڑوسی جس کے تین حقوق ہیں۔ (۱) کافر پڑوسی جس کا صرف ایک حق ہے اور وہ ہے اس کے پڑوسی ہونے کا حق (۲) مسلمان پڑوسی جس کے دو حقوق ہیں ایک حق اسلام اور دوسرا پڑوسی ہونے کا حق (۳) قرابت دار مسلمان پڑوسی جس کے تین حقوق ہیں ایک حق اسلام اور دوسرا صلہ رحمی کا حق اور تیسرا پڑوسی ہونے کا حق۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۳۶-۳۳۵ مطبوعہ بیروت]

اسلامی معاشرہ میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے حسن سلوک کرے اور پڑوسیوں کا احترام کرے۔ ان پر احسان و اکرام کرے اور کسی پڑوسی کو اذیت و تکلیف نہ دے اور نہ ہی اس کو کالی گلوچ دے اور نہ اسے برا کہے اور نہ اس کی بے عزتی دے اور نہ اس کی بے حرمتی کرے کیونکہ سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماعاً کسی شخص کی اصلاح اور نیکیوں کی تلقین کے دوران اس کے رشتہ داروں سے بھلائی کی تاکید کے وقت اپنے ارد گرد کے پڑوسیوں سے حسن سلوک کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے اور اگر کسی شخص کے متعلق دریافت کرنا ہو تو اس کے پڑوسیوں سے دریافت کر لیا جائے اگر وہ اس کی اچھی اور بہتر تعریف و ثناء کریں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص اہل خیر میں سے ہے اور اس کا تعلق اور رشتہ ان لوگوں سے ہے جو سنتوں کی اقتداء اور پیروی کرتے ہیں اور حسن خلق کو مضبوطی سے تھامنے والے ہیں لیکن ایسے شخص میں کوئی بھلائی اور خیر نہیں ہے جس کو اس کے پڑوسی نا پسند اور مکروہ خیال کرتے ہوں۔

(۱) حضرت محمد بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ایک طویل مرفوع حدیث بیان کی ہے جس میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

مَنْ عَمِلَ يَوْمًا بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَمْ يَكُ مِمَّنْ جَاهِلٌ كَمَا جَاهِلُكَ.

جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کی عزت و احترام کرے۔

[سکڑ اعمال رقم الحدیث: ۲۵۶۰۲، اور تبلیغات الشریعہ ملتان]

(۲) حضرت محمد بن حکیم اپنے والد حکیم کی وساطت سے اپنے دادا سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے پڑوسی کا مجھ پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ بیمار ہو جائے تو تو اس کی بیمار پرسی کر اور اگر وہ فوت ہو جائے تو تو اس کے جنازہ کے پیچھے جا اور اگر وہ تجھ سے قرض مانگے تو تو اس کو قرض دے اور اگر وہ برہنہ ہو تو اس کی ستر پوشی کر اور اگر اسے کوئی خیر و بھلائی پہنچے تو تو اس کو مبارک دے اور اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کی تعزیت کر اور تو اس کی عمارت سے زیادہ بلند اپنی عمارت نہ بنا جس کی وجہ سے اس کی طرف ہوا جانے سے رک جائے اور تو اپنی ہنڈیا کی خوشبو سے اس کو ازیت و تکلیف نہ پہنچا مگر یہ کہ تو اپنے سالن میں سے کچھ اسے بھی دے دے۔

[کنز العمال: ۲۵۶۰۳ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ لندن شریف]

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ فلاں عورت رات بھر عبادت کرتی ہے اور دن بھر روزے رکھتی ہے اور نیک کام بہت کرتی ہے اور وہ صدقہ خیرات بھی خوب کرتی ہے لیکن وہ اپنی زبان درازی کے سبب اپنے

پڑوسیوں کو اذیت و تکلیف پہنچاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ وہ دوزخیوں میں سے ہے پھر عرض کیا گیا: فلاں عورت صرف بنگلانہ فرض نمازیں ادا کرتی ہے اور تھوڑا بہت صدقہ خیرات بھی کرتی ہے لیکن وہ کسی کو تکلیف نہیں دیتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ عورت اہل جنت میں سے ہے۔

[کنز العمال ج ۹، رقم الحدیث: ۲۵۶۱۰، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان]

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (حضرت) جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے حق میں مسلسل وصیت و تلقین کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ اسے وارث قرار دے دیں گے اور جبریل علیہ السلام غلام کے حق میں بھی مسلسل مجھے وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کر لیا کہ اس کے لیے کوئی مدت یا وقت مقرر کر دیں گے جب وہ غلام اس مدت یا وقت کو پہنچے گا تو ہر حال میں آزاد کر دیا جائے گا۔ [کنز العمال: ۲۳۸۴۳]

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! کوئی شخص سو من نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے پڑوسی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

[کنز العمال: ۲۳۸۸۱]

عیادت مریض کی اہمیت و فضیلت

کسی بیمار آدمی کے پاس جا کر اس کا حال اور طبیعت کی کیفیت دریافت کرنا عیادت مریض کہلاتا ہے اور یہ بڑا اہم اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جب کوئی رشتہ دار عزیز یا دوست یا کوئی ہمسایہ یا کوئی اور تعلق دار بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت و بیمار پر سی کرے نیز یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے کیونکہ جب کوئی صحابی بیمار ہو جاتا تو آپ اس کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لے جاتے اور اس کے لیے دعائیں کلمات استعمال فرماتے اور اس کو شفا یاب ہونے کی تسلی دیتے۔ بعض اوقات آپ نہ صرف مسلمان کی بلکہ کسی دوسرے غیر مسلم کی بھی عیادت فرماتے جیسا کہ حضرت بریدہ بن حبیب کی اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپ ایک یہودی پڑوسی کی بیمار پر سی کے لیے اس کے پاس تشریف لے گئے۔ مریض کی عیادت کی اہمیت کے پیش نظر یہاں چند احادیث مبارکہ بیان کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی مریض کی عیادت کے لیے اس کے پاس پہنچو تو اس کے لیے درازی عمر کی دعا کرو اور اسے تسلی دو کیونکہ یہ دعا کسی چیز کو نال تو نہیں سکتی لیکن یہ مریض کے دل کو خوش کرے گی۔ [کنز العمال: رقم الحدیث: ۲۵۱۱۹، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان]

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان صبح کے وقت کسی مریض کی عیادت و بیمار پر سی کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے صبح سے شام تک سارا دن اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور جب کوئی مسلمان شام کے وقت کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام سے لے کر صبح ہونے تک ساری رات اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک باغ مقرر کیا جاتا ہے۔

[کنز العمال: رقم الحدیث: ۲۵۱۲۳، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان]

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے خوب اچھی طرح وضو کیا اور حصول ثواب کی نیت سے اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پر سی کی تو اس سے دوزخ کو ستر سال پیدل مسافت کے برابر دور کر دیا جائے گا۔

[کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۱۲۶]

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا میں کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کرتا ہے یا کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو (ایک فرشتہ) پکارنے والا اسے پکار کر کہتا ہے کہ تجھے بشارت ہو اور تیرا چہرہ اچھا اور مبارک رہا اور تو نے اپنے لیے جنت میں بہت بڑا مکان بنالیا ہے۔ [کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۱۲۶]

(۵) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی آدمی کسی بیمار کی بیمار پری کرے تو اسے چاہئے کہ وہ یہ کہے "اَشْفِ عِبْدَكَ فَلَا نَأْتِيكَ لَكَ عَذْوًا اَوْ يَمْشِي اِلَى الصَّلَاةِ" اے اللہ اپنے اس بندے کو شفا عطا فرما کہ یہ تیری خوشنودی کے لیے دشمن کو سزا دے یا یہ نماز پڑھنے چلا جائے۔ [کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۳۰۰]

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی مریض کی عیادت و بیمار پری کرنے کے لیے اس کے پاس جاؤ تو اس سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے کیونکہ اس کی دعا (خالص اور مقبول ہونے میں) فرشتوں کی دعا کی طرح ہوتی ہے۔ [کنز العمال ج ۹ رقم الحدیث: ۲۵۳۱۰]

(۷) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیمار کی عیادت کرنے والا جنت کے باغ کی سیر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ واپس لوٹ آئے۔ [کنز العمال: ۲۵۳۵۰]

(۸) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیمار کی عیادت کیا کرو اور جنازہ کے ساتھ جایا کرو تمہیں آخرت یاد رہے گی۔ [کنز العمال: ۲۵۳۸۰]

(۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو وہ ملائکہ رحمت میں غوطے لگاتا ہے پھر جب وہ بیمار کے پاس کے بیٹھتا ہے تو اسے رحمت گھیر لیتی ہے۔ [کنز العمال: ۲۵۳۹۰]

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیماروں کی عیادت کیا کرو اور انہیں حکم دیا کرو کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں کیونکہ بیمار کی دعا مستجاب (یعنی مقبول) ہوتی ہے اور اس کے گناہ مغفور (یعنی بخش دیئے گئے) ہوتے ہیں۔

[کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۳۴۰]

مشرکین کی اولاد کے بارے میں توقف اختیار کرنے کا بیان

۲۔ بَابُ التَّوَقُّفِ فِي ذِرَايِ الْمُشْرِكِينَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر پیدا ہونے والا بچہ اصل میں دین حق پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی (یا مجوسی) بنا لیتے ہیں۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! جو بچہ یحیٰی میں فوت ہو جائے (تو اس کا کیا حکم ہے) آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں کیا کرنے والے تھے۔

۶۔ اَبُو حَدِیْقَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هُوَ مَزٍ
الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلٰی الْفِطْرَةِ
فَاَهْوَاَ يَهُودِيًّا يَنْصَرَانِيًّا قَبْلَ فَمَنْ مَّاتَ صَبِيْرًا
بَارَسُوْنَ اللّٰهُ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَابِلِيْنَ.

بخاری (۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۸۵-۴۷۷۵-۶۵۹۹) مسلم (۶۷۵۵) ابوداؤد (۴۷۱۴) ترمذی (۲۱۳۸) حاکمی (۲۳۵۹)

حل لغات

”مَوْفُودٌ“ میضہ واحد مذکر اسم مفعول باب حَضَرْتُ یَضْرِبُ سے ہے اور ”یَوْكَلُهُ“ میضہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول اسی باب سے ہے اُن کا معنی ہے: پیدا ہونا۔ ”اَلْفِطْرَةُ“ طبیعی حالت دین سنت طرح پر پیدائش اور وہ اصلی وصف جس کے ساتھ ہر موجود ہونے والا اُنس و جن اپنی ابتداء پر پیدائش میں متصف ہوتا ہے۔ ”يَهْوِيْ ذَانِبُهُ“ میضہ حثیہ مذکر غائب فعل مضارع معروف باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کو یہودی بنانا خوشی میں ڈالنا لہو و لعب میں مشغول کرنا آہستہ آہستہ چلنا ”يَنْصَوِيْهِ“ میضہ حثیہ مذکر غائب فعل مضارع معروف باب تفعیل سے ہے۔ اس کا معنی ہے: کسی کو نصرانی بنانا۔

فطرة کی تحقیق

فطرت کا لغوی معنی ہے: پھاڑنا، ایجاد کرنا اور وہ صفت کہ ہر پیدا ہونے والا پھر اپنی ابتدائی پیدائش میں اس کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور یہاں اس کی اصلی اور پیدائشی حالت مراد ہے یعنی (۱) فطری ایمان مراد ہے کہ جب عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے نکال کر کفر صحیح اور محل سلیم عطا فرما کر روایت فرمایا تھا: ”اَلَسْتُ بِمَوْفُودِكُمْ“ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو تمام بنی آدم نے ”ہلی“ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا اور اس پر ایمان لے آئے تھے اور اسی ایمان پر ہر پیدا ہونے والا پھر پیدا ہوتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ”فَاَلَيْسَ لِيْ خَلْقٌ خَيْرٌ مِّنْ خَلْقِكَ“ (الروم: ۳۰) سے یہی مراد ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم تمام باطل ادیان سے الگ ہو کر صرف اپنے اس قدیم ایمان پر ثابت قدم رہو جو جویم السنت کے موقع پر عالم ارواح میں تم سے صادر ہوا تھا اور سنن ترمذی وغیرہ کی روایت بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں الفطرة کی بجائے الملة ہے اور ان دونوں کا مصداق ایک ہے (یعنی پیدائشی دین و ایمان) چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”وَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ“ (الشعر: ۱۴) ”مَا عَمَّاهُ مِنَ الْاَحْشَرِ يَكْفُرُ“ (الاحقاف: ۱۶) ٹھیک اور درست دین ابراہیم کی ملت ہے جو تمام باطل ادیان سے جدا تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ملت دین سے زیادہ خاص ہے اور اسی لیے یہ کہا گیا ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام و السلام کا دین ایک ہے اور وہ دین اسلام اور توحید ہے اور ان کی ملتیں مختلف تھیں کیونکہ شریعتیں الگ الگ تھیں اور اسی معنی میں یہ حدیث قدسی ہے کہ ”خَلَقْتُ جِبْرِيْلَ مِنْ حُفَاءِ كُلِّهُمْ“ میں نے اپنے تمام بندوں کو توحید پر پیدا فرمایا ہے پھر شیاطین ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان کو توحید کے دین سے ہٹا کر گمراہ کر دیا۔

(۲) فطرت سے مراد یہ ہے کہ اصلی اور پیدائشی حالت میں ہر انسان کو رشد و ہدایت اور دین حق قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت پر پیدا کیا جاتا ہے چنانچہ اگر اس کو اصلی حقیقی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور اسے کفر و شرک کی طرف راغب نہ کیا جائے اور وہ مشرکانہ ماحول سے دور ہے تو وہ بالغ ہو کر بھی رشد و ہدایت اور دین اسلام پر قائم رہے گا اور بغیر کسی دباؤ کے اس کو چھوڑ کر کسی باطل دین کو ہرگز اختیار نہیں کرے گا۔

اور اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اَوَلَيْسَ الَّذِيْنَ اشْعَرُوْا النَّفْسَ لَكَ بِالْهٰنِئِیْ“۔ (البقرہ: ۱۷۳) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا۔

اس آیت مبارکہ میں ہدایت کو اس المال (اصل سرمایہ) قرار دیا گیا جو ان کو فطری طور پر حاصل تھی پھر انہوں نے دنیا میں رہ کر اور کفر و شرک کے ماحول میں آلود ہو کر ہدایت کو فروخت کر کے اس کے بدلے میں گمراہی کو خرید لیا جو ان سے بہت دور تھی اور یہ بھی یاد رہے کہ دنیا میں اسلامی احکام کے اجرا اور نفاذ کے لیے فطری ایمان معتبر نہیں بلکہ دنیا میں از سر نو شرعی ایمان لانا معتبر ہے جو

قصد و ارادہ کے ساتھ دین اسلام قبول کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

[امرات الفایح شرح مشکوٰۃ الصالح ج ۱ ص ۱۶۲-۱۶۱ مطبوعہ مکتبہ المدینہ لکھنؤ]

چونکہ ہر بچہ فطری طور پر اقرار ربوبیت کی وجہ سے فطری ایمان اور توحید و عرفان نیز قبول ہدایت کی استعداد و صلاحیت پر پیدا ہوتا ہے اس لیے ہر انسان اقرار کرتا ہے کہ تمام مخلوقات و مصنوعات کا خالق و صانع صرف اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ وہ غیر اللہ کو الہ قرار دیتا ہو۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ [احکمت: ۱۶۱]
اور اگر آپ ان (مشرکین) سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور
زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے کام میں لگا رکھا
ہے تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے۔

اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے موافق ہے کہ ہر مکلف (عقل و بالغ) پر واجب ہے کہ وہ محل اپنی عقل کے ذریعہ
اللہ تعالیٰ کی معرفت و پہچان حاصل کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کی تصدیق کرے خواہ اسے دعوت اسلام نہ پہنچی ہو
اور وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی بھشت سے واقف نہ ہو۔

[۵۱ غرر از شرح مسند امام اعظم ص ۲۲۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت تصنیف نظام فی شرح مسند امام ص ۸۱ مکتبہ دعائیہ لاہور]

کفار کی نابالغ اولاد کے انجام کی بحث

اس حدیث مبارکہ کے دوسرے حصہ میں صحابہ کرام کے عرض کرنے پر کہ کفار کے جو بچے بلوغت سے پہلے یحیٰن میں فوت ہو
جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ (بالغ ہو کر) آئندہ
زندگی میں کیا کرنے والے تھے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:
مُسْبِلٌ رَّسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ
ذُرَّاءِ الْمُشْرِكِينَ قَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ:
یعنی رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ مشرکین کی نابالغ اولاد کا
کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ بہتر جانتا ہے کہ
وہ آئندہ زندگی میں کیا کرنے والے تھے۔

[مشکوٰۃ الصالح باب الایمان بالقدر ص ۲۱ مطبوعہ مع الطالع دہلی]

در اصل اس مسئلہ میں مختلف روایات وارد ہیں اس لیے اس کے متعلق علمائے اسلام کے اقوال بھی مختلف ہیں جن کی مختصر تفصیل
درج ذیل ہے:

(۱) وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر ان کے ساتھ دوزخ میں رہیں گے جیسا کہ وہ دنیا میں احکام کفر میں اپنے ماں باپ کے تابع
تھے۔

(۲) وہ جنتی ہیں کیونکہ ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

(۳) وہ اہل جنت کے خدام بن کر ان کے ساتھ جنت میں رہیں گے۔

(۴) وہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایسی جگہ میں رہیں گے جہاں وہ نہ تو انعامات پائیں گے اور نہ وہ عذاب جھیلیں گے۔

ملا علی قاری نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ جنت اور دوزخ کی دو منزلوں کے علاوہ کوئی تیسری منزل کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہے اور باہل اعراف کا معاملہ تو ان کا انجام آخر کار جنت ہے۔

(۵) کفار کے جن بچوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہے کہ اگر وہ زندہ رہے تو ایمان لاتے اور ایمان پر ہی مرتے تو ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا اور جن بچوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہے کہ اگر وہ زندہ رہے تو وہ کفر اختیار کرتے اور کفر پر ہی مرتے تو ان کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا۔

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے اس قول کو رد کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ کفار کے جو بچے بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو قطعی اور یقینی علم ہوتا ہے کہ وہ بچپن میں فوت ہو گئے تو پھر ان کا حد بلوغت تک زندہ رہنا اور ایمان یا کفر اختیار کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور اس کو فرض کرنے کا کیا فائدہ؟ نیز دین و شریعت کے اصول کے مطابق اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے گناہوں پر اس لیے مواخذہ کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں طویل و دراز عمر دی جس میں انہوں نے گناہ کیے جبکہ یہ اصول کفار کے بچوں میں مفقود ہے۔

(۶) توقف اختیار کرنا یعنی کفار کے بچوں کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا جیسا کہ مسند امام اعظم کی اور مشکوٰۃ شریف کی مذکورہ بالا حدیثوں میں توقف بیان کیا گیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کے انجام کے بارے میں کوئی قطعی اور یقینی حدیث وارد نہیں ہوئی اور امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی موقف ہے اور اہل سنت کی اکثریت اسی پر قائم ہے۔ [مرقات الفایض شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۶۶ مطبوعہ مکتبہ المدینہ، ملتان، شرح مسند امام اعظم ملا علی قاری ص ۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت، لحد المصاح ج ۱ ص ۹۸ مکتبہ نور پر مشورہ، تفسیر تہذیب النظم فی شرح مسند الامام ص ۹ حاشیہ ۷]

۳۔ بَابُ أَهْلِ الْإِسْلَامِ الشَّهَادَةُ

اسلام کی بنیاد تو حید و رسالت کی گواہی ہے

۷۔ اَمْوَ حَنِیْفَةٌ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَرْتُ اَنْ اَقْبِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا اَوْثَرَا عَصَمُوْا رِیْقَیْ فَمَاءُہُمْ وَاَمْوَالُہُمْ اِلَّا بِحَقِّہَا وَحَسَابُہُمْ عَلَی اللّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ اقرار کرتے ہوئے یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) پھر جب وہ کلمہ کہہ لیں گے تو وہ اپنی جائیں اور اپنے اموال مجھ سے محفوظ کر لیں گے ماسوا اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ تبارک تعالیٰ پر ہے۔

بخاری (۲۵-۱۳۳۵-۲۷۸۶) مسلم (۳۲-۳۸) ابوداؤد (۱۵۵۶-۱۵۵۷) نسائی (۲۶۰۶-۲۶۰۷-۲۳۴۱) ابن ماجہ (۲۹۲۷)

نیل (۵۰۶) مدار الزا (۶۹۱۶-۱۰۰۲۰-۱۸۷۱۸)

حل لغات

”اَمَرْتُ“ صیغہ واحد منکلم فعل ماضی مجہول باب نَصَوْتُ یَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: حکم دینا۔ ”اَقْبِلُ“ صیغہ واحد منکلم فعل مضارع معروف باب مَفَاعَل سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کے ساتھ باہم قتال کرنا، جنگ کرنا اور لڑائی کرنا۔ ”عَصَمُوا“ صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب حَضَرْتُ یَحْضِرُ سے ہے اس کا معنی ہے: محفوظ رکھنا، بچانا۔ ”اَلْاَسَاسُ“ کا معنی ہے: لوگ انسان لیکن یہاں صرف کفار مراد ہیں۔

اسلام قبول کرنے کا فائدہ

اس حدیث مبارکہ میں اگرچہ صرف کلمہ توحید "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کے اقرار کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس سے پورا کلمہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ" مراد ہے کیونکہ صرف توحید کی گواہی سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک توحید کے ساتھ رسالت کی گواہی نہ دے چنانچہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

حَتَّى يَشْهَدُوا أَنِّي لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ. [شرح سند امام اعظم ص ۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت] یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے (آخری) رسول ہیں۔
تسہیل النظام فی سند الامام ص ۹ حاشیہ ۱۸۹

اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کافر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے تو پھر اس کی جان اور مال سے تعرض نہیں کیا جائے گا کیونکہ اسلام قبول کر لینے کے بعد اس کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو گئی اور اس کے علاوہ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان تو نہ ہو لیکن اسلامی حکومت سے صلح کر کے اس کا اطاعت گزار ہو جائے اور اسلامی ملک کی شہریت حاصل کر کے جزیہ قبول کر لے (جزیہ وہ ٹیکس ہے جو غیر مسلم کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے عوض اس سے لیا جاتا ہے) تو پھر بھی اس سے جنگ و قتال نہیں کیا جائے گا بلکہ اس صورت میں اگر اسے کوئی قتل کر دے گا تو اس کے قاتل سے قصاص (خون بہا) لیا جائے گا قاتل خواہ مسلمان ہو یا کافر ہو۔ [ماخوذ از تسہیل النظام فی سند الامام حاشیہ ۹ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

اور "إِلَّا يَسْتَوْفِيهَا" کا مطلب ہے کہ حق اسلام اور حکم شریعت کی خلاف ورزی کی صورت میں سزا ملے گی اگر کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو یا کسی کے ناحق اعضاء کاٹ دیے ہوں تو اس سے قصاص لیا جائے گا یا رونا کیا تو شادی شدہ ہونے کی صورت میں سنگسار کر کے قتل کیا جائے گا یا کسی کا مال چوری کر لیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور چوری شدہ مال واپس لیا جائے گا وغیرہ وغیرہ اور "جَسَاءَهُمْ عَنِ اللَّهِ" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کافر زبان سے اقرار کر کے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے اور وہ ریا کاری کر کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے مگر دل میں نفاق اور کفر کو چھپائے رکھتا ہے تو ہم اس کے ظاہری اور دہائی اقرار اسلام کی وجہ سے اسے مسلمان قرار دیں گے اور ہم اس سے جنگ و قتال نہیں کریں گے اور اس کی قلبی اور باطنی حالت کی تفتیش نہیں کریں گے بلکہ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں گے وہی اس کی ریا کاری اور منافقت اختیار کرنے پر اس سے مواخذہ فرمائے گا چنانچہ علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ طہ و زہد بقی اور منافق کی توبہ قبول کرنے پر یہ حدیث مبارکہ دلیل ہے لہذا اگر کوئی طہ و زہد بقی یا منافق ہمارے پاس آ جائے اور بہ ظاہر توبہ کر لے تو ہم اس کی توبہ قبول کر لیں گے اور اس کے دل اور باطن کے حال کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیں گے۔

[اصول الفقہات شرح مشکوٰۃ ص ۵۰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رشیدیہ مصر]

گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا

حضرت ابو ذر انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا تم (کبیرہ) گناہوں کو شرک شمار کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ ہم کسی گناہ کو شرک و کفر شمار نہیں کرتے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا: یا رسول

۴۔ بَابُ لَا يَكْفُرُ مُرْتَكِبُ الْكَبِيرَةِ

۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ قُلْتُ لِجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ مَا كُنْتُمْ تَعْدُونَ الذُّنُوبَ شِرْكًَا قَالَ لَا لَأَنَّ أَبَا سَعِيدٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ ذَنْبٌ يَبْلُغُ الْكُفْرَ قَالَ لَا إِلَّا الشِّرْكَ بِاللَّهِ تَعَالَى.

مسند الحارثی (۳۵) اللہ کیا اس امت میں کوئی ایسا گناہ ہے جو کفر تک پہنچتا ہو؟ آپ نے فرمایا: نہیں! ماسوا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے۔

حل لغات

”مَا كُنْتُمْ قَعْلُوْنَ“ میں حرف ”مَا“ استفہامیہ ہے۔ بمعنی ”آئی شے؟“ یعنی کیا تم قتل چوری اور شراب نوشی وغیرہم کو شرک شمار کرتے ہو؟ یا یہ ”مَا“ نافیہ ہے اور اس سے پہلے حرف استفہام مقدر ہے کیونکہ جواب سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ ”كُنْتُمْ قَعْلُوْنَ“ فعل ماضی استمراری ہے جس میں ”كُنْتُمْ“ میضج جمع مذکر ماضی فعل ماضی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے بمعنی ہونا اور ”قَعْلُوْنَ“ میضج جمع مذکر مخاطب فعل مضارع معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: شمار کرنا، گنتی کرنا ”الْذُّنُوبُ“ ذنب کی جمع ہے اس کا معنی گناہ ہے۔ ”يَتْلَعُ“ میضج واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: پہنچنا۔ ”الْكُفْرُ“ یہ معنی چھپانا اور انکار کرنا۔ ”اَلْكَفَرُكَ“ یہ معنی ملانا یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات صفات اور احکام و افعال میں مساوی اور برابر قرار دینا یا اس کے لیے بیوی یا بیٹا وغیرہ ثابت کرنا۔

تأفرمان کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ

اہل سنت کے نزدیک مسلمان کسی گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا سوائے شرک کے البتہ مسلمان گناہ کے ارتکاب سے فاسق و فاجر اور نافرمان ہو جاتا ہے اور گناہ کبیرہ (یہ گناہ جیسے قتل و غارت شراب نوشی چوری و زنا کاری والدین کی نافرمانی سود خوری رشوت خوری اور نماز روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ ترک کرنا) کا مرتکب اللہ تعالیٰ کے غم و درد گزرا اس کی مغفرت و بخشش اور اس کے فضل و کرم سے یا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے یا پھر جرم و گناہ کے مطابق عذاب میں مبتلا رہنے کے بعد آخر کار جنت میں داخل ہوگا اور ایک فرقہ کا نام ہے محزلہ جو یہ کہتا ہے کہ مسلمان گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے مسلمان نہیں رہتا اور نہ ہی کافر ہوتا ہے بلکہ فاسق و فاجر ہو جاتا ہے اور دائمی عذاب و دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے کیونکہ اس فرقہ کے نزدیک اعمال ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں حالانکہ حدیث شریف میں صرف توحید و رسالت کی گواہی دینے کو ایمان کی حقیقت قرار دیا گیا ہے اور ایک فرقہ کا نام خوارج ہے جو یہ کہتا ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کفر ہے اور اس کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے اور دائمی عذاب و دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے لیکن اس حدیث مبارکہ سے اہل سنت کا عقیدہ سچا ثابت ہو گیا ہے کہ ماسوا شرک کے باقی کوئی گناہ کفر نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام ماسوا شرک کے کسی گناہ کو کفر شمار نہیں کرتے تھے اور نہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوائے شرک کے کسی گناہ کو کفر قرار دیا ہے بلکہ آپ نے نفی فرمادی ہے لہذا محزلہ کا یہ کہنا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان نہیں رہتا غلط ثابت ہو گیا اور اسی طرح خوارج کا یہ کہنا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کفر ہے اور اس کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے یہ بھی غلط ثابت ہو گیا بہر حال اس حدیث مبارکہ سے ان دونوں فرقوں کی تردید ہو گئی اور اہل سنت کا عقیدہ سچا ثابت ہو گیا۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ، (بعد المصاحف، ص ۵۹ مکتبہ المدینہ، مدینہ منورہ)

اس وضاحت کے بعد اب اہل سنت کے موقف کے ثبوت میں چند آیات اور چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

(۱) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (سورۃ النساء: آیت ۴۸) اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ جو کفر پر مر جائے اس کی بخشش نہیں اس کے لیے بخشش کا عذاب ہے اور جس نے کفر نہ کیا ہو وہ خواہ کتنا ہی گنہگار مرتکب کہاں ہو اور بے توبہ بھی مر جائے تو اس کے لیے غلو و دوام نہیں ہے اس کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے چاہے

معاف فرمائے یا اس کے گناہوں پر عذاب کرے پھر اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے۔

(عن ابن عمر قال فی تفسیر القرآن ص ۱۵۵ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہو گیا کہ شرک و کفر کے علاوہ سب گناہ خواہ کبائر (بڑے) ہوں یا صغائر (چھوٹے) ہوں قابل معفرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف فرمادے اس سے خوارج اور معتزلہ کا رد ہو گیا کیونکہ اگر کوئی مسلمان کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو کر دائمی عذاب کا مستحق ہو جاتا تو پھر اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ تمام گناہوں کی معفرت کا ذکر نہ کرتا۔

(۲) وَإِنْ طَائِفَتٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ اتَّبَعُوا فَأَصْلَحُوا

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو تم ان دونوں میں بہتھماتے [المحرمات: ۹]

صلح کرادو۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ گناہ کفر نہیں کیونکہ جنگ و جدال گناہ ہے مگر اس کے باوجود دونوں فریقوں کو موسیٰ فرمایا گیا ہے اس سے خوارج و معتزلہ کی تردید ہوگئی کہ مسلمان گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

(۳) قُلْ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذَّنُوبَ جُمُعَةً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ [الر: ۵۳]

(اے محبوب!) فرمادیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوئے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔

مہربان ہے

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کفر و شرک کے علاوہ تمام گناہوں کی معفرت ہو جائے گی، لہذا اگر کسی گناہ کی وجہ سے دائمی عذاب ملتا جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کی معفرت کا اعلان نہ کرتا۔

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان کی بنیاد تین چیزیں ہیں: (۱) جو شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے اس سے اپنی زبان روکنا اور کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر نہ کہنا اور کسی برے عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج نہ جانا (۲) اور جہاد کرنا جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے جب سے جہاد جاری و ساری ہے اور اس امت کی آخری جماعت تک جاری رہے گا جو دجال کے ساتھ جہاد کرے گی اس جہاد کو کسی ظالم کا ظلم نہیں مٹائے گا اور نہ عادل کا عدل (۳) اور اللہ پر ایمان رکھنا۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۔ ۱۷ مطبوعہ دار المطابع دہلی]

اس حدیث سے خوارج کی تردید ہوگئی ہے جو کہتے ہیں کہ آدمی گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر ہو جاتا ہے حالانکہ اس حدیث میں کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے سے منع کیا گیا ہے اور اسی طرح معتزلہ کی بھی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے نہ مسلمان رہتا ہے اور نہ کافر حالانکہ اس حدیث میں کسی عمل کی وجہ سے مسلمان کو اسلام سے خارج کرنے سے روکا گیا ہے۔

(۵) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ سفید لباس پہن کر سو رہے تھے۔ کچھ دیر بعد پھر میں آپ کے پاس آیا تو آپ جاگ چکے تھے سو آپ نے فرمایا: جو شخص کلمہ پڑھ کر اس پر قائم رہے یہاں تک کہ پھر اسی پر فوت ہو جائے تو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ میں نے کہا: وہ اگر چہ زنا اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا: اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے۔ میں نے کہا: اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا: اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے۔ میں نے کہا: اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا: اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے لہذا اگر کسی ناک رگڑتے ہوئے اور حضرت

ابو ذر جب بھی یہ حدیث بیان کرتے تو کہتے کہ اگر چاہوں تو اس کی ناک رگڑ جائے۔ (خلق علیہ)

[مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳ مطبوعہ المطابع المطبوعہ دہلی]

اس حدیث مبارکہ سے صراحت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ مسلمان بڑے سے بڑے گناہ کے ارتکاب کے باوجود کافر نہیں ہو جاتا اور نہ اسلام سے خارج ہوتا ہے جیسا کہ خوارج اور معتزلہ نے کہا۔

(۶) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے ہیں: جو شخص یہ گواہی دے دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور بے شک (حضرت) محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ رواہ مسلم [مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵ مطبوعہ المطابع المطبوعہ دہلی]

اس حدیث مبارکہ سے بھی روز روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ کوئی شخص کسی کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر ہو کر دائمی عذاب کا سزاوار نہیں ہو جاتا جیسا کہ خوارج کا قول ہے اور اسی طرح نہ کوئی کسی کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کافر ہوتا ہے اور نہ وہ مسلمان رہتا ہے بلکہ وہ فاسق ہو کر دائمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے جیسا کہ معتزلہ کا قول ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف شہادتین کی گواہی دینے والے شخص پر دوزخ کی آگ حرام ہونے کی خبر نہ سناتے۔

۵۔ بَابُ مُرْتَكِبِ الْكَبِيرَةِ لَا يَخْرُجُ مِنَ الْإِيمَانِ

گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا

حضرت طاووس بن کيسان الخولانی البہدانی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک آدمی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور آپ سے سوال کیا کہ اے ابو عبد الرحمن! یہ بتائیں جو لوگ ہمارے تالے توڑ دیتے ہیں اور ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں اور ہمارا مال و اسباب اور سامان لوٹ لیتے ہیں کیا وہ کافر ہو گئے؟ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ اس نے کہا اچھا یہ بتائیں کہ جو لوگ تادیبیں کرتے ہیں اور ہمارا خون بہاتے ہیں کیا وہ کافر ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ حضرت طاووس نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت ابن عمر اپنی انگلی کو حرکت دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہی سنت ہے اور اس حدیث مبارکہ کو ایک بہت بڑی جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ ابْنِ أَبِي الْمُنْكَدَرِ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عُمَرَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَرَأَيْتَ الَّذِينَ يَكْسِرُونَ أَهْلَانَا وَيَنْقُبُونَ بُيُوتَنَا وَيُهَيِّوُونَ عَلَيَّ أَمْوَالَنَا أَكْفَرُوا قَالَ لَا فَإِنَّ أَرَأَيْتَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَتَاَوَلُونَ عَلَيْنَا وَيَسْجُدُونَ فَمَاءَ نَا أَكْفَرُوا قَالَ لَا حَتَّى يَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ حَيْنًا قَالَ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى أَصْبَحِ ابْنِ عُمَرَ وَهُوَ يُحْبِرُكُمَا وَيَقُولُ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ فَرَفَعُوهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (بخاری ۴۶۵۸)

حل لغات

”يَكْسِرُونَ“ میذبح مذکر غائب فعل مضارع معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: توڑنا۔ ”أَغْلَقَ“ غلق کی جمع ہے اس کا معنی ہے: تالا۔ ”يُهَيِّوُونَ“ میذبح مذکر غائب فعل مضارع معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی

ہے: دیوار میں سوراخ کرنا، نقب زنی کرنا، نقب لگانا۔ ”بُئِثَتْ“ بیعت کی جمع ہے اس کا معنی ہے: گمراہ۔ ”يُؤْمِرُونَ“ میثع جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب افعال سے ہے غارت گری کرنا، لوٹ مار کرنا، تاخت و تاراج کرنا۔ ”أَفْعَفُونَا“ میں ”أَفْعَفْنَا“ متاع کی جمع ہے اس کا معنی ہے: ساز و سامان، مال و متاع، اسباب گمراہ ”أَخْفَرُوا“ میں اُخترہ استفہامیہ ہے اور ”كُفِّرُوا“ میثع جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب نَصَوْ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: انکار کرنا، نہ ماننا، کفر کرنا۔ ”يَتَأَوَّلُونَ“ میثع جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب تَعَلَّل سے ہے اس کا معنی ہے: تاویل کرنا، کلام کی تفسیر کرنا، کسی بات کا مطلب بیان کرنا۔ ”يَنْسِفُكُونُ“ میثع جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب حَضَرَبْ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: خون بہانا، خون ریزی کرنا۔ ”أَصْبَغُ“ کا معنی ہے: انگلی اس کی جمع ”أَصْبِغُ“ ہے۔

کفر و شرک کے علاوہ کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان اسلام سے خارج نہیں ہوتا

یہ حدیث مبارکہ گزشتہ حدیث کی توضیح اور تشریح ہے کہ شرک کے علاوہ کسی گناہ کبیرہ (یعنی بڑے گناہ) کی وجہ سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہوتا اور اس حدیث میں بھی چند کبیرہ (یعنی بڑے) گناہوں کا ذکر کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ چوری، نقب زنی، لوٹ مار، قتل و غارت گری اور خون ریزی جیسے کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے کوئی مومن کافر نہیں ہوتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرے نیز صحاح ستہ اور دیگر سنن کی کتب اس طرح کی احادیث مبارکہ سے بھری پڑی ہیں جن میں سے تین احادیث مبارکہ پچھلی حدیث کی تشریح میں ذکر کر دی گئی ہیں۔ چند مزید احادیث یہ ہیں:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارے لہجہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے سو تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ کو نہ ڈرو۔

(بخاری)

(۲) حضرت معاویہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارد گرد موجود صحابہ کرام کی جماعت سے فرمایا کہ تم اس بات پر مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور نہ تم چوری کرو گے اور نہ زنا کاری کرو گے اور نہ اپنی اولاد کو مار ڈالو گے اور نہ تم اپنے سامنے بہتان تراشی کرو گے اور کسی اچھی بات میں تم میری نافرمانی نہیں کرو گے سو تم میں سے جو شخص یہ عہد پورا کرے گا اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے اور اس کے بدلے میں اسے دنیا میں سزا دی جائے تو یہ سزا اس کے لیے کفارہ ہے اور جو شخص ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے پھر اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو معاف کر دے اور اگر وہ چاہے تو سزا دے دے سو ہم سب نے اس پر آپ سے بیعت کر لی۔ (مسلم و بخاری)

(۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بندوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہ دے۔

(۴) انہیں سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص سچے دل سے یہ گواہی دے دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔

(مسلم و بخاری)

(۵) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بھی مرفوع حدیث بیان کی کہ جو شخص یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دے گا۔ (مسلم)

(۶) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً بیان فرمایا: جو شخص یہ جانتا (یعنی مانتا) ہو اور اسی حال پر وہ فوت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) تو وہ جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں۔ کسی آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! دو چیزیں کیا واجب کرنے والی ہیں۔ آپ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہو فوت ہوگا وہ دوزخ میں داخل ہوگا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو فوت ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ [مسلم] گویا شرک دوزخ کو واجب کرتا ہے اور توحید جنت کو واجب کرتی ہے۔

(ماخوذ از تہذیب النظم فی مسند الامام حاشیہ ۵، مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵-۱۲ مطبوعہ المطابع دہلی)

نوٹ: خوارج اور معتزلہ کو ان احادیث مبارکہ سے مخالف ہوا جن سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے مومن ایمان سے نکل جاتا ہے اور جب وہ ایمان سے نکل گیا تو مسلمان نہ رہا، لہذا ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان ایمان سے خارج ہو کر دوزخ کے دائمی مذاہب کا سزاوار ہو جاتا ہے۔

ایمان کے کامل اور ناقص ہونے کی بحث

اعتراضات: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب زانی رتنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا اور جب چور چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا اور جب شرابی شراب پیتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا اور جب ڈاکو ڈاکہ ڈالتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا جبکہ لوگ اپنے مال کو ترستی لگا ہیں اٹھا کر حسرت سے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور جب خائن خیانت کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا سو تم ان برائیوں سے بچنا۔ [حق علیہ]

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ زنا کاری کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سائبان کی طرح ہو جاتا ہے پھر جب بندہ اس عمل سے الگ ہوتا ہے تو ایمان بھی اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ [ترمذی ابوداؤد] [ماخوذ از مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸، ۱۷ مطبوعہ المطابع دہلی]

جوابات: (۱) اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس سے ایمان کامل مراد ہے یعنی جب یہ گناہ کرتا ہے تو اس سے کامل ایمان نکل جاتا ہے اس لیے وہ اس حالت میں کامل مومن نہیں رہتا کیونکہ اصل ایمان نفس ایمان اور حقیقت ایمان اپنی جگہ اسی طرح قائم و دائم رہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل ایمان صرف توحید و رسالت کی شہادت و تصدیق اور اقرار و اعتراف سے حاصل ہوتا ہے اور چونکہ گناہ کے وقت یہ اقرار قائم رہتا ہے اس لیے اصل ایمان بھی قائم رہتا ہے البتہ نیک اعمال کرنے سے اصل ایمان مزید مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے اور کمال ایمان بڑھ جاتا ہے جبکہ برے اعمال کی وجہ سے ایمان کا کمال نکل جاتا ہے اس لیے ایمان کمزور اور ناقص ہو جاتا ہے لہذا گناہ کے وقت آدمی کامل مومن کی بجائے ناقص مومن ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ فساق و فجار ذاتی اور دنیاوی مفادات کی خاطر ایمان فروخت کر دیتے ہیں کیونکہ ان کا ایمان ناقص و کمزور ہوتا ہے جبکہ نیک آدمی ہر قسم کا نقصان برداشت کر لیتا ہے لیکن ایمان کا سودا نہیں کرتا کیونکہ اس کا ایمان بہت مضبوط ہوتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا نُلِمْتُ عَلَيْهِمْ آيَةٌ رَأَوُهَا كَأَنَّهُمْ بِلِيمَانٍ (مومنین) پر اس (اللہ تعالیٰ) کی آیات تلاوت کی

[الاعمال: ۲] جاتی ہیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت کی برکت سے مومنوں کا ایمان اور زیادہ کامل ہو جاتا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيُؤْذَوْا وَإِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ط [الحج: ۱۳]
وَيُؤْذَوْا الَّذِينَ آمَنُوا بِإِيمَانًا. [المدثر: ۳۱]
یعنی اہل ایمان فرشتوں کی تعداد پر بغیر تامل ایمان لائیں جس سے ان کا ایمان اور کامل ہو جائے۔

ایک گمراہ نے کہا: (سنائے) اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کر دیا؟ سو جو ایمان دار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کر دیا۔

یعنی قرآنی سورتوں کے نزول سے ایمان داروں کا ایمان اور زیادہ کامل اور مضبوط ہو جاتا ہے لیکن منافقوں کے بحث و فتناء میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۲) اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

گناہ کے ارتکاب کے وقت مومن کا اصل ایمان خارج نہیں ہوتا بلکہ فوراً ایمان اس سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ اعتراض میں بیان کردہ دوسری حدیث میں ہے کہ زنا کاری کے وقت مومن کا ایمان اس سے نکل کر اس کے سر پر سات بان کی طرح (سایہ لگن) ہو جاتا ہے جیسے عجمہ شامیانہ یا چھت ہوتی ہے پس سات بان کے ساتھ ایمان کی مثیل و تشبیہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومن اگرچہ گناہ کے سبب ایمان کے حکم اور ایمان کی نورانیت سے خارج ہو جاتا ہے لیکن اب بھی اس حالت ہدیٰ میں ایمان کی پناہ اور اس کے سایہ حمایت میں ہوتا ہے اور اس کا ایمان اس کے سر پر سایہ بن کر اس پر قائم ہوتا ہے اور اس کا ایمان مطلقاً اور بالکل اس سے جدا نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے ایمان کا نور اس سے جدا ہو جاتا ہے ورنہ سات بان کی طرح فرماتا ہے لگنا نہ ہوگا۔

[ماخوذ از: المصنف ج ۸ ص ۷۸ مطبوعہ مکتبہ نورینہ دہلیہ]

(۳) اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں مومن "كُذِّبَ قَيْنَ عَذَابِ اللَّهِ" کے معنی میں ہے (کیونکہ مومن کا مجرد مادہ امن ہے) یعنی مومن بدکاری اور گناہ کے وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن والا نہیں رہتا اور نہ اس کے عذاب سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

(۴) یہاں مومن مطیع کے معنی میں ہے کیونکہ عرب میں جب کوئی شخص کسی آدمی کا مطیع اور فرماں بردار ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے: "آمَنَ لِي" یعنی فلاں شخص فلاں آدمی کا مطیع اور فرماں بردار ہو گیا ہے۔ سو اب حدیث مبارکہ کا مفہوم و معنی یہ ہوگا کہ جب زنا کار زنا کرتا ہے شرابی شراب پیتا ہے چور چوری کرتا ہے یا ڈاکو ڈاکہ دہیرو ڈالتا ہے تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرماں بردار نہیں رہتا بلکہ نافرمان ہو جاتا ہے۔

(۵) اس کا معنی ایمان سے خارج ہونا نہیں بلکہ زجر و توبیخ کرنا شدید و عید و ذرا و دینا اور سخت انداز میں اعتناء کرنا ہے کہ ان بدترین کبیرہ گناہوں کے مرتکب کا انجام برا ہوتا ہے اور اس کے بارے میں کفر کا اندیشہ ہوتا ہے تاکہ مومن اس قسم کی شدید وعید سن کر لرز اٹھے اور ڈر جائے پھر کبھی اس کو ان گناہوں کی جرات نہ ہو بلکہ اسے ایسے بدترین گناہوں سے نفرت ہو جائے۔

گنہگار مسلمان کے جنت میں جانے کی بحث

اس حدیث مبارکہ سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہو گیا کہ خوارج اور معتزلہ کا نظریہ اور اعتقاد باطل و لغو ہے کیونکہ خوارج کہتے ہیں کہ مسلمان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے جبکہ معتزلہ کا یہ اعتقاد ہے کہ مسلمان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے کافر تو نہیں ہوتا لیکن وہ مسلمان بھی نہیں رہتا بلکہ فاسق و فاجر ہو جاتا ہے حالانکہ اس حدیث میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ جو شخص سچے دل سے توحید و رسالت کا اقرار و اعتراف کر لے وہ خواہ کتنا ہی گنہگار ہو لیکن وہ مسلمان ہی رہتا ہے اور وہ جنت کا حق دار ہو جاتا ہے البتہ گنہگار مسلمان کے لیے ابتدائی میں جنت کا حق دار ہونے اور اس میں جانے کی صرف تین صورتیں ہیں: (۱) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کی وجہ سے (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت و مہربانی سے اس کی مغفرت و بخشش فرمادے اور اسے کوئی سزا نہ دے۔ (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں تمام گناہوں سے سچے دل سے توبہ کر لے اور آئندہ زندگی میں مرتے دم تک گناہ نہ کرے اور تمام فرائض و حقوق ادا کرتا رہے ورنہ جنت تو اس کے لیے ضرور ثابت ہے لیکن شروع میں نہیں بلکہ شریعت کے اصول کے مطابق وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا۔

(۱) امام طبرانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو مختصر روایت کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو بتا کر فرمایا: جس نے (سچے دل سے) کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ جنت میں داخل ہو گیا (یعنی وہ جنتی ہو گیا) اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے ابوہریرہ کی ناک خاک آلود ہو جائے۔

(۲) امام احمد، امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ سے جن الفاظ میں روایت بیان کی ہے ان کا ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ جنت میں داخل ہو گیا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کر لے اور اگرچہ ابوہریرہ کی ناک خاک آلود ہو جائے۔

(۳) امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جس بندے نے (صدق دل سے) اقرار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پھر وہ اسی حقیقہ پر قائم نہ کر فوت ہو گیا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا: میں نے عرض کیا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ (تین مرتبہ سوال و جواب کے بعد) چوتھی مرتبہ آپ نے فرمایا: اور اگرچہ ابوہریرہ کی ناک خاک آلود ہو جائے۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام احمد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ جس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ حضرت ابوہریرہ نے تین مرتبہ کہا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تو آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا: ابوہریرہ کی ناک خاک آلود ہونے پر۔

(۵) امام طبرانی نے اوسط میں حضرت سلمہ بن عجمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ جنت میں داخل ہو گیا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔

(۶) امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی (نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: آپ اپنی امت کو خوشخبری سنا دیں کہ جو شخص اس حال میں فوت ہوا ہو کہ وہ زندگی بھر کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراتا رہا ہو تو وہ جنتی ہو گیا۔ میں نے کہا: اگرچہ وہ زنا

کرے اور چوری کرے۔ (حضرت) جبریل نے کہا: جی ہاں! میں نے کہا: اگر چہ وہ دنا کرے اور چوری کرے۔ (حضرت) جبریل نے کہا: جی ہاں! اگر چہ وہ شراب پیتا ہو۔

(۷) امام بزار نے اس حدیث کا پہلا حصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جس شخص نے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (دوسرا حصہ) یعنی بے شک حضرت محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

(۸) امام احمد امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت بیان کی: جس شخص نے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی! سود و زرخ کی آگ اہل توحید پر ہمیشہ کے لیے حرام کر دی گئی ہے۔

(۹) امام احمد اور امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! جو شخص سچے دل سے یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ حضرت معاذ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں یہ بات لوگوں کو بتاؤں۔ آپ نے فرمایا: پھر تو لوگ اسی پر بھروسہ کر لیں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نے علم چھپانے کے گناہ کے ارتکاب سے بچنے کے لیے اپنی موت کے وقت یہ حدیث بیان فرمائی۔ (ماوردی شرح سند امام اعظم للاحادیث القاری ص ۳۳-۳۱۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

ایمان میں شک کرنا کفر ہے

۷۔ بَابُ الشَّكِّ فِي الْإِيمَانِ كُفْرٌ

حضرت ابو مسلم الخولانی سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (مملکت شام کے شہر) حمص میں تشریف لائے تو آپ کے پاس ایک جوان آدمی حاضر ہوا اور اس نے کہا: آپ کا اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جس نے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی اور لوگوں کے ساتھ نیکی کی اور سچ بولا اور امانت ادا کی اور اس نے اپنے پیٹ کو حرام خوری سے اور اپنی شرمگاہ کو حرام کاری سے بچا لیا اور اس نے جہاں تک ہو سکا نیک کام کیے مگر اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بارے میں شک کیا۔ حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا: بے شک اس کا شک و شبہ اور تردد اس کے تمام اعمال صالحہ کو تباہ اور ضائع کر دے گا! پھر اس جوان آدمی نے کہا: اس آدمی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ جس نے گناہوں کا ارتکاب کیا اور ناحق خون بہایا اور اس نے زنا کاری اور غصب مال کا اس طرح ارتکاب کیا جس طرح ان کو حلال جاننے والا کرتا ہے مگر اس نے غلو ص دل سے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک

۱۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْخَارِثِ عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيِّ قَالَ لَمَّا قَرَأَ مُعَاذُ جَمْعَ آتَاءَ رَجُلٍ حَسَابٌ فَقَالَ مَا تَرَى فِي رَجُلٍ وَصَلَ الرَّجِيمَ وَتَوَّأَ وَصَدَّقَ الْحَدِيثَ وَأَذَى الْأَمَانَةَ وَهَفَّ بَطْنَهُ وَفَرَّجَهُ وَغَمَلَ مَا اسْتَغَاغَ مِنْ خَيْرٍ غَيْرَ أَنَّهُ شَكَّ فِي اللَّهِ وَرَسُولِهِ قَالَ إِنَّهَا تُحْبَطُ مَا كَانَ مَعَهَا مِنَ الْأَعْمَالِ قَالَ فَمَا تَرَى فِي رَجُلٍ رَكِبَ الْمَعَاصِيَ وَسَفَكَ الدِّمَاءَ وَاسْتَحْلَ الْفُرُوجَ وَالْأَمْوَالَ غَيْرَ أَنَّهُ شَهِدَ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ مُخْلِصًا قَالَ مُعَاذٌ أَرْجُو وَأَخَافُ عَلَيْهِ قَالَ الْفَقِي وَاللَّهُ إِنْ كَانَتْ هِيَ الْوَقِي أَحْبَبْتُ مَا مَعَهَا مِنْ عَمَلٍ مَا تَصُرُّ هَلْهُ مَا عَمِلَ مَعَهَا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ مُعَاذٌ مَا أَرْغَمَ أَنَّ رَجُلًا أَفْقَهُ بِالسَّنَةِ مِنْ هَذَا.

سند الحارثی (۷۲۳)

حضرت محمد (ﷺ) اس کے خاص بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا: میں امید بھی رکھتا ہوں (کہ وہ ایمان کی بنا پر نجات پائے گا) اور میں اس کے متعلق خوف بھی رکھتا ہوں (کہ وہ گناہوں کی بنا پر عذاب الہی میں جلا ہو) اس جوان نے کہا: اگر اس کے شک (کفر) نے اس کے اعمال حسہ کو تباہ و برباد کر دیا ہے تو اس کے اعمال سیئہ اس کے پر خلوص ایمان کو ہرگز نقصان نہیں پہنچائیں گے پھر وہ واپس چلا گیا اور حضرت معاذ نے فرمایا: میرا خیال یہ ہے کہ اس جوان سے زیادہ سنت (شریعت) کو جاننے والا کوئی آدمی نہیں ہے۔

عمل لغات

”خَبَابٌ“ لوجوان۔ ”وَحَلٌ“ میخدا واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب خَبَرَبْتُ يَخْبُرُ بَخْرًا سے ہے اس کا معنی ہے: جوڑنا، ملانا۔ ”بَرٌّ“ میخدا واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب خَبَرَبْتُ يَخْبُرُ بَخْرًا سے آتا ہے اس کا معنی ہے: نیک کام کرنا اور حسن سلوک کرنا۔ ”حَذَقِي“ میخدا واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب خَبَرَبْتُ يَخْبُرُ بَخْرًا سے ہے اس کا معنی ہے: سچ بولنا۔ ”اَذَى“ یہ میخدا بھی واحد مذکر غائب فعل معروف ہے اور باب خَفَضَلَ يَخْفِضُ خَفْضًا سے ہے اس کا معنی ہے: ادا کرنا۔ ”عَفٌّ“ میخدا مذکورہ باب خَبَرَبْتُ يَخْبُرُ بَخْرًا سے ہے اس کا معنی ہے: حرام دینا جائز کام سے بچنا، پاک دامن ہونا، ہار رہنا اور پاک باز ہونا۔ ”بَعْنٌ“ کا معنی ہے: پھینکا اس کی جمع بطون آتی ہے اس کا معنی ہے: پوشیدہ ہونا، کسی کام کی تہہ تک پہنچنا بھی آتا ہے۔ ”اِسْتَعَاذَ“ میخدا واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب اِسْتَعَاذَ يَسْتَعِذُّ اِسْتِذَاذًا سے ہے اس کا معنی ہے: استعاذت طاعت و قوت رکھنا۔ ”خَشِكَ“ خشک کرنا، یہ فعل ماضی معروف واحد مذکر غائب باب اِنصَرَفَ يَنْصَرِفُ اِنْصِرَافًا سے ہے۔ ”تَغَيَّبَ“ میخدا واحد ماضی غائب فعل مضارع معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: خالی کرنا، مٹانا، ”رَكِبَ“ میخدا واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب رَكَبَ يَرْكَبُ رَكْبًا سے ہے اس کا معنی ہے: سوار ہونا۔ ”مَتَاعِيْسِي“ جمع ہے اس کا واحد ”مَتَاعِيْسَةٌ“ ہے اس کا معنی ہے: گناہوں کا ارتکاب کرنا۔ ”سَفَكَ“ میخدا واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب خَبَرَبْتُ يَخْبُرُ بَخْرًا سے ہے اس کا معنی ہے: بہانا، گرائنا، ”وَمَاءٌ، قَمٌ“ کی جمع ہے یہ معنی خون۔ ”فَرَجٌ“ کی جمع ہے یہ معنی شرمگاہ۔ ”اَوْجُو“ نیز ”اَخَافُ“ دونوں فعل واحد مکمل ہیں مگر پہلا باب اِنصَرَفَ يَنْصَرِفُ اِنْصِرَافًا سے جبکہ دوسرا اِسْمَعُ يَسْمَعُ سَمْعًا سے ہے ”اَوْجُو“ کا معنی ہے: امید رکھنا جبکہ ”اَخَافُ“ یہ معنی ڈرنا ہے۔

تردد و شک کا نقصان اور یقین و اخلاص کا فائدہ

اس حدیث مبارکہ میں دو اہم ترین مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جو تمام نیک اعمال کرتا ہے وہ نمازیں پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے، حج ادا کیا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے، امانت دار و دیانت دار بھی ہے، لوگوں سے حسن سلوک کرتا ہے اور صدقات و خیرات کرتا ہے۔ نیز وہ تمام برے اعمال جیسے زنا کاری، حرام خوری، شراب نوشی، رشوت ستانی، جھوٹ، چوری، بے عادت و سرکشی، ظلم و ستم، قتل و غارت اور لواطت وغیرہ سے بچتا ہے لیکن وہ شخص توحید الہی، انبیاء و رسل کی نبوت و رسالت، کتب سماوی اور تمام ضروریات دین کی تصدیق و تائید نہیں کرتا بلکہ ان میں شک کرتا ہے تو ایسے شخص کا حکم یہ ہے کہ اس کے تمام اعمال ضائع اور تباہ و برباد ہو گئے کیونکہ کفر کے ہوتے ہوئے تمام نیک اعمال اور تمام فلاح و بہبود کے معاملات و کارنامے شریعت اسلام میں غیر

مقبول وغیر مفید اور ہاٹل ہیں۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَبَسَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٢﴾ [آل عمران: ۲۲]

یعنی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے دنیا و آخرت میں
اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔

یعنی ان کفار کی دوسزا نہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی نیکیاں اور فلاحی کارنامے دنیا و آخرت میں برباد ہو گئے۔ اب نہ تو نیکیوں کی
برکت سے ان کی دنیاوی مصیبتیں دفع ہوں (جیسے غار والے تین مسلمانوں کی مصیبتیں ان کی نیکیوں کی برکت سے دور ہوئیں) اور نہ
آخرت میں انہیں اجر و ثواب ملے۔ دوسری سزا یہ ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی مددگار (سفارشی) نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ مَنَّا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَبَجَعْنَاهُ حَبَآءً
مَّنْثُورًا ﴿٢٣﴾ [الفرقان: ۲۳]

اور انہوں نے جس قدر عمل کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں
باریک باریک فہار کے ٹکڑے ہوئے ذرے کر دیا جو روشن دان کی
دھوپ میں نظر آتے ہیں۔

یعنی کفار کے نیک اعمال جیسے صدقات وغیرات مہانوں کی مہمان نوازی، عزیز و اقارب سے حسن سلوک، مسافروں کی مدد
فریوں، مسکینوں اور ناداروں کی خبر گیری اور قیصوں اور بھڑاؤں کی پرورش سب نیکیاں برباد ہو جائیں گی کیونکہ نیکیوں کی قبولیت کے
لیے ایمان اسی طرح شرط ہے جس طرح نماز کے لیے طہارت شرط ہے البتہ ان کے گناہ باقی رکھے جائیں گے تاکہ ان پر انہیں سزا دی
جائے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ
فَخَبَسَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ [آل عمران: ۱۰۵]

یعنی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کی ملاقات
سے انکار کر دیا، سو ان کے اعمال برباد ہو گئے، پس ہم قیامت کے دن ان
کے لیے میزان قائم نہیں کریں گے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کفار کی نیکیاں برباد ہیں کیونکہ کفر نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے جس طرح پیشاب کا قطرہ دودھ کو
خراب کر دیتا ہے اور جس طرح زہر کھانا خراب کر دیتی ہے۔

دوسرا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جس نے توحید و رسالت کی گواہی دی اور تمام ضروریات دین کی تصدیق کی اور ان پر
ایمان لایا لیکن اس نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا، خون بہا، حرام کاری کی اور چوری و ڈکیتی کی تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ
مومن ہے یا وہ ان برے اعمال کے سبب مومن نہیں رہا اور آیا برے اعمال ایمان و تصدیق کو اس طرح تباہ و برباد اور ضائع کر دیتے
ہیں جس طرح کفر نیک اور فلاحی اعمال کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کا
یہ جواب دیا ہے کہ برے اعمال اگرچہ گناہ (بڑے گناہوں) میں سے ہی کیوں نہ ہوں لیکن وہ ایمان اور اسلام کو نہیں مٹا سکتے اور نہ ہی
کفر کو واجب کر سکتے ہیں بلکہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہی رہتا ہے اگرچہ گنہگار اور ناقص مسلمان ہو جاتا ہے البتہ وہ ایمان کی بنا پر
دوزخ کے دائمی عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کی نجات کی امید رکھی جاتی ہے اور گناہوں کی بنا پر اس کے متعلق عذاب کا اندیشہ
ہوتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو معاف فرما دے یا وہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام علمائے کالمین، شہداء اسلام،
صالحین، قرآن کریم، ماہ رمضان کے روزوں اور تاباں فوٹ ہو جانے والے بچوں کی شفاعت کے سبب عذاب دوزخ سے نجات پا
جائے یا پھر وہ تمام گناہوں سے گئی پکی توبہ کر لے۔ [تسمین نظام فی مسند الامام ص ۱۱ حاشیہ ۴ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

اشتباہ: یہاں یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ اس جو ان آدمی کے کلام سے مذہب مرجح کا اظہار ہوتا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان کے ساتھ جرم و گناہ مسلمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا جس طرح عبادات و نیک اعمال کفر کے ساتھ کافر کو کوئی فائدہ اور نفع نہیں پہنچاتے اور ان کا خیال یہ ہے کہ جب کوئی آدمی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ سچے دل سے پڑھ لیتا ہے تو اس کے بعد تمام جرائم کے ارتکاب کے باوجود کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔

اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تفصیل شرح فقہ اکبر میں بیان کر دی گئی ہے اور اس میں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ ہمارے امام جو ائمہ اربعہ میں سب سے پہلے بلند سمت اور عالی شان امام اعظم ہیں وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے تعلق رکھتے ہیں سو اب یہ وہم کرنا مناسب نہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس جو ان آدمی کے اس کلام (کے اس معنی) سے راضی تھے اور انہیں یہ پسند تھا (ہرگز نہیں)۔

جواب: اس جو ان آدمی کے کلام کی تاویل (یعنی اس کا مطلب) یہ ہے کہ جرم و گناہ مسلمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا جس سے وہ ہمیشہ کے لیے دوزخی ہو جائے اور وہ کبھی جنت میں نہ جاسکے (بلکہ جزوی نقصان پہنچاتا ہے کہ بہ قدر جرم وہ دوزخ کے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے) کیونکہ صحابہ کرام میں سے کسی صحابی نے اس قول کا اظہار نہیں کیا بلکہ سب سے پہلے حسن بن محمد بن حنفیہ نے یہ کہا جیسا کہ علامہ دہلوی نے شرح شفا میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (شرح مسند امام اعظم ص ۴۵۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

قرب قیامت میں اسلام مٹ جائے گا

۸۔ بَابُ يَنْدَرُسُ الْإِسْلَامُ

حضرت ربیع بن حراش کی وساطت سے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے فرمایا: اسلام کے آثار اس طرح مٹ جائیں گے جس طرح کپڑے کے نقوش مٹ جاتے ہیں اور اسلام کا کوئی نشان باقی نہیں بچے گا ماسوا ایک بوڑھے بزرگ کے یا ایک انتہائی بوڑھی عورت کے۔ وہ کہیں گے کہ (گزشتہ زمانہ میں مسلمانوں کی) ایک قوم تھی جو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہتی تھی اور وہ (یہ بات کہنے والے) خود ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ نہیں کہیں گے تو (حاضرین مجلس میں سے) صلہ بن زید نے کہا: اے اللہ تعالیٰ کے بندے! کیا ان کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنا نفع دے گا؟ حالانکہ نہ وہ روزے رکھتے ہوں اور نہ وہ نمازیں پڑھتے ہوں اور نہ وہ حج ادا کرتے ہوں اور نہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہوں۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ وہ صرف اس کلمہ کے اقرار کے سبب دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے۔

۱۲۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِي حَبِشَةَ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ جِرَاحٍ عَنْ حَذِيفَةَ قَالَ يَنْدَرُسُ الْإِسْلَامُ كَمَا يَنْدَرُسُ وَهِيَ الْقُوبُ وَلَا يَبْقَى إِلَّا شَيْخٌ كَبِيرٌ أَوْ عَجُوزٌ قَالِيَةٌ يَقُولُونَ قَدْ كَانَ قَوْمٌ يَقُولُونَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُمْ لَا يَقُولُونَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالِ لِمَ هَئِهِمْ بَنُ زَيْدٍ لَمَّا يَنْبَغِي عَنْهُمْ يَا عَبْدَ اللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُمْ لَا يَصُومُونَ وَلَا يُصَلُّونَ وَلَا يُحَاجُّونَ وَلَا يَتَصَدَّقُونَ قَالِ يَنْجُونَ بِهَا مِنَ النَّارِ.

حل لغات

”يَنْدَرُسُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کا نام و نشان مٹ جانا۔ ”وَهِيَ“ کا معنی ہے: نقش و نگار ”عَجُوزٌ قَالِيَةٌ“ کا معنی ہے: بہت بوڑھی عورت۔ ”لَا يَصُومُونَ وَلَا يُصَلُّونَ وَلَا يُحَاجُّونَ وَلَا يَتَصَدَّقُونَ“ یہ چاروں صیغے جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف منفی کے ہیں۔ ان کے حسب ترتیب یہ معنی ہیں: نہ وہ روزہ رکھتے ہوں نہ وہ نماز پڑھتے ہوں نہ وہ حج کرتے ہوں اور نہ وہ صدقہ خیرات (یعنی زکوٰۃ) دیتے ہوں ان میں پہلا اور تیسرا

باب نَصْرَ نَصْرٍ سے ہیں اور دوسرا باب تَفْعِيل سے اور آخری باب التَّعَال سے ہے۔ ”يَنْجُوْنَ“ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف ثبت باب نَصْرَ نَصْرٍ سے ہے اس کا معنی ہے: نجات پانا، خلاصی پانا اور چھٹکارا حاصل کرنا۔

اس حدیث مبارکہ میں ایک تو دعویٰ مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل گزشتہ احادیث نو دس اور گیارہ کی تشریح میں گزر چکی ہے کہ شخص تو حید و رسالت کی تصدیق اور اقرار کرنے پر دائمی عذاب سے نجات اور جنت میں دخول کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں صرف حصول برکت کے لیے دو حدیث مبارکہ کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) امام مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس کے خاص بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور اس کی لوطی کے بیٹے ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جس کو حضرت مریم میں ڈالا اور اس کی طرف سے روح (یعنی رحمت) ہیں اور جنت برحق ہے اور دوزخ برحق ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس دروازے سے وہ چاہے گا داخل کر دے گا۔

(۲) امام مسلم نے دوسری حدیث بھی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک (حضرت) محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ [صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ نور محمد الطابع و کارخانہ تجارت کتب کراچی]

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قیامت کا وقوع بدترین لوگوں پر ہوگا اور اس سلسلہ میں بہت سی مشہور احادیث مروی ہیں۔

(۱) امام احمد، امام مسلم اور امام ذہری تفسیق النظام میں امام ترمذی لکھا ہے (حضرت) انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ قیامت جب قائم ہوگی جب روئے زمین پر کوئی اللہ کہنے والا نہیں رہے گا۔

(۲) امام احمد اور امام مسلم کی ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت صرف بدترین لوگوں پر قائم ہوگی اور اس کو ائمہ ستہ نے روایت کیا ہے۔

(۳) امام حاکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ قیامت جب قائم ہوگی جب کوئی حج کرنے والا نہیں رہے گا۔

[شرح معنی امام اعظم ص ۵۶۳-۵۶۴ مطبوعہ دارالکتب الطبریہ بیروت تفسیق النظام فی شرح معنی الامام ص ۱۱۱ حاشیہ ۵ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۹۔ بَابُ مَرْتَكِبِ الْكَبِيرَةِ لَا يَكْفُرُ

۱۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ وَالْمُسْتَعْرِ عَنْ يَزِيدَ قَالَ كُنْتُ أَرَى رَأَى الْخَوَارِجَ فَسَأَلْتُ بَعْضَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِخَوَارِجٍ مَا كُنْتُ أَقُولُ فَأَنْقَلَبُنِي اللَّهُ تَعَالَى بِهِ. مسند الحارثي (۸۱۶)

گناہ کبیر کے مرتکب کو کافر نہیں کہا جائے گا؟

حضرت یزید سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں پہلے خوارج کی رائے کو صحیح خیال کرتا تھا (کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا) پھر میں نے نبی کریم ﷺ کے بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے برعکس فرمایا ہے (کہ مسلمان گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے کے بعد بھی مسلمان ہی رہتا ہے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ میں بھی نہیں رہے گا) جو

میں کہا کرتا تھا 'سوالہ تعالیٰ نے مجھے اس سے عقیدہ سے بچایا۔

حل لغات

"اُرِی": میں نے واحد مکمل فعل مضارع معروف باب فَعَلَ يَفْعُلُ سے ہے اس کا معنی ہے: دیکھنا مگر یہاں ماضی کا تم کر مراد ہے۔ "اَلْخَوَارِجُ" اس کا واحد "خارج" ہے اس کا معنی ہے: نکلنے والی اور جدا ہونے والی 'خارج' سے وہ گروہ مراد ہے جو قبل سنت سے جدا ہو کر باغی ہو گیا۔ "اَنْفَلَيْتُ" میں "اَنْفَلْتُ" میں نے واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب انفعل ہے اس کا معنی ہے: بچانا، چھڑانا اس کے آخر میں نون وقایہ کی ہے اور یا ضمیر مکمل ہے۔

خوارج کے ایک باطل عقیدہ کی تردید

اس حدیث مبارکہ سے صراحت کے ساتھ واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ خوارج کا عقیدہ باطل و بے بنیاد اور غلط ہے کیونکہ یہ نہ قرآن مجید اور احادیث نبوی اور اقوال صحابہ کرام کے خلاف ہے البتہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ صحیح اور حقیقی ہے کیونکہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ اور اقوال صحابہ کرام کے عین مطابق ہے جیسا کہ خود اس حدیث مبارکہ میں یہ تصریح ہے کہ خوارج کا عقیدہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے خلاف ہے اس لیے حضرت یزید بن مصعب نے صحابہ کرام کی دعوتی کرنے پر خوارج سے باطل و بے بنیاد اور غلط عقیدہ کو ترک کر دیا اور صحابہ کرام کے عقیدہ کی طرف رجوع کر لیا جو اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے اور پھر انہیں نے اعتراف کیا کہ اس میں میرا کوئی ذاتی کمال نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی خصوصی مہربانی ہے کہ اس نے مجھ پر فرمایا اور مجھے خوارج کے اس بدترین عقیدہ سے نہات عطا فرمائی پس ہمیں بھی چاہئے کہ ہر قسم کی خیر و بھلائی ملنے پر اللہ تعالیٰ سے مرہون منت رہیں اور اس پر اس کا شکر ادا کریں تاکہ مزید نعمتیں ملتی رہیں۔

۱۰۔ بَابُ لَا يَقَالُ اَنَا مُؤْمِنٌ

اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

یہ نہ کہا جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

تو ہم مومن ہیں

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ ہم حضرت عطاء اور حضرت عطاء بن رباح کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علقمہ نے حضرت عطاء بن رباح سے پوچھا کہ اے ابو محمد! ہمارے شہروں (کوفہ اور عراق کے بڑے شہروں) میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے لیے ایمان کو یقین کے ساتھ ثابت نہیں کرتے اور وہ یہ کہنا ہرگز پسند نہیں کرتے کہ ہم بلا شک و شبہ یقینی طور پر مسلمان ہیں بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم مومن اور مسلمان ہیں سو حضرت عطاء بن رباح نے (عجب سے) فرمایا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا نہیں کہتے (کہ ہم یقیناً مومن اور مسلمان ہیں) حضرت علقمہ نے جواب دیا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے اپنے آپ کے لیے ایمان ثابت کیا تو ہم نے گویا اپنے جنتی ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت عطاء نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ تو شیطان کا مکرو فریب و حیلہ

۱۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ لَمَّا كُنَّا مَعَ خَلْقَةٍ وَعَطَاءُ بْنُ اَبِي رَیْحٍ فَسَأَلَهُ خَلْقَةٌ فَقَالَ لَهُ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ اِنْ يَكَلِمُنَا قَوْمًا لَا يَقْبَحُونَ لَا نَفْسَهُمُ الْاِيْمَانُ وَيُكْرَهُونَ اَنْ يَقُولُوا اَنَا مُؤْمِنُونَ بَلْ يَقُولُونَ اَنَا مُؤْمِنُونَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يَقُولُونَ قَالْ يَقُولُونَ اِذَا اَلْبَسْنَا لِنَفْسِنَا الْاِيْمَانُ جَعَلْنَا لِنَفْسِنَا الْجَنَّةَ قَالْ سُبْحَانَ اللّٰهِ هَذَا مِنْ خُدْعِ الشَّيْطَانِ وَحَبَالِيلِهِ وَحِيلِهِ اَلْجَاهُ إِلَى اَنْ دَلُّوْا اَعْيُنَكُمْ مِنْهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ وَهُوَ الْاِسْلَامُ وَخَالَفُوْا سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَضِي عَنْهُمْ يَقْبَحُونَ الْاِيْمَانُ لَا نَفْسَهُمْ

سازی اور دھوکہ ہے کہ اس نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے احسان کو نہ مانیں اور وہ بڑا احسان غصب اسلام ہے اور انہوں نے درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت کی ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دیکھا ہے وہ تو اپنے لیے ایمان کو ثابت کرتے ہیں اور وہ اس مسئلہ کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بیان کرتے ہیں پھر حضرت عطاء نے فرمایا کہ صحابہ کرام تو صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم یقیناً مومن ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ ہم (ہر حال میں) جنتی ہیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں تمام رہنے والوں کو عذاب دے دے تو وہ ان پر ظالم نہیں ہوگا (اس لیے کہ وہ سب کا مالک ہے) اس پر حضرت علقمہ نے ان سے کہا: اے ابو محمد! اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو عذاب دے جنہوں نے آگے بھینکنے کے برابر لمحہ بھر بھی اس کی نافرمانی نہیں کی تو کیا وہ ان پر ظالم نہیں ہوگا؟ حضرت عطاء بن رباح نے فرمایا میں ہاں! (وہ بالکل ظالم نہیں ہوگا) مالک جو چاہے کرے! حضرت مالک نے کہا کہ یہ تو ہمارے نزدیک بہت بڑی (عجیب و غریب) بات ہے سو ہم اس کو کس طرح جانیں۔ حضرت عطاء نے ان سے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اسی وجہ سے تو معتزلہ (اور دیگر بدعتی فرقے) گمراہ ہوئے ہیں سو تم ان کی طرح بات کہنے سے بچو کیونکہ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ نیز وہ اللہ تعالیٰ کی بات کو رد کرنے والے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے نہیں فرماتا: "قُلْ لِلّٰہِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ قُلُوْا حَسْبَ الْہٰدِیْنَ" (اے محبوب!) فرمادیتے: پس سب سے بڑی (اور مکمل ترین) حجت تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت عطا کر دیتے حضرت علقمہ نے ان سے عرض کیا: اے ابو محمد! آپ اس کو اس طرح تفصیل سے بیان فرمائیں کہ یہ شک و شبہ ہمارے دلوں سے بالکل زائل ہو جائے۔ حضرت عطاء نے فرمایا کہ کیا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس عبادت و اطاعت پر فرشتوں کی رہنمائی نہیں فرمائی؟ اور کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی توفیق عطا نہیں فرمائی؟ اور کیا ان کو اس پر مہارت و مضبوطی اور پختگی عطا نہیں فرمائی؟ اور کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پر زبردست قائم دائم نہیں فرمایا؟ حضرت علقمہ نے جواب میں عرض کیا: جی ہاں! بالکل صحیح ہے۔ حضرت عطاء نے فرمایا کہ

وَيَذْكُرُونَ ذَلِكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لِّقَالَ لَہُمْ یَقُولُونَ اِنَّا مُؤْمِنُونَ وَلَا یَقُولُونَ اِنَّا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَوْ عَذَّبَ اَهْلَ سَمُوْدِیْہِ وَاَهْلَ اَرْضِیْہِ لَعَذَّبَہُمْ وَہُوَ خَمِیْرٌ عَلَیْہِمْ لَہُمْ فَقَالَ لَہُ عَلَقْمَةُ یَا اَبَا مُحَمَّدٍ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَوْ عَذَّبَ الْمَلَائِکَۃَ الَّذِیْنَ لَمْ یَعْصَوْہُ مَرَّةً غَیْرَ عَذَّبَہُمْ وَہُوَ خَمِیْرٌ عَلَیْہِمْ لَہُمْ قَالَ نَعَمْ لَآنَ ہَذَا عِندَنَا عَظِیْمٌ فَکَیْفَ نَعْرِفُ ہٰذَا لِقَالَ لَہُ یَا اِبْنُ اَیْمَنِ مِنْ ہٰہُنَا مَلُؤْ اَهْلُ الشُّکْرِ لِرَبِّکَ اَنْ تَقُولَ یَقُولُہُمْ لِاَنَّهُمْ اَعْدَاءُ اللّٰہِ تَعَالٰی الرَّادُّونَ عَلٰی اللّٰہِ تَعَالٰی اَلَّہِ یَقُولُونَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَنْبِیْہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قُلْ لِلّٰہِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ قُلُوْا حَسْبَ الْہٰدِیْنَ (الاعلام: ۱۵۰) لِقَالَ لَہُ عَلَقْمَةُ اِخْرَجْ یَا اَبَا مُحَمَّدٍ خُرُجًا یُذْہِبُ عَنْ قُلُوْبِنَا ہٰذِہِ الشُّبْہَةُ فَقَالَ اَلَّہِ تَعَالٰی تَسَارَکَ وَتَعَالٰی قُلْ الْمَلَائِکَۃُ عَلٰی بِلَکِ الطَّاعَةِ وَالْہَمْمُہُمْ اِیَّاهَا وَهَزَمَتْہُمْ عَلَیْہَا وَجَعَلَتْہُمْ عَلٰی ذٰلِکَ لَآنَ نَعَمْ فَقَالَ وَہٰذِہِ نَعَمْ اَنَعَمْ اللّٰہُ تَعَالٰی بِہَا عَلَیْہِمْ لَآنَ نَعَمْ لَآنَ قُلُوْا عَلَیْہِمْ بِشُکْرِ ہٰذِہِ النِّعَمِ مَا قَلَبْتُمْ عَلٰی ذٰلِکَ وَ قَصُرُوْا وَکَانَ لَہُ اَنْ یُعَذِّبَہُمْ بِطُغْیٰہِ الشُّکْرِ وَہُوَ خَمِیْرٌ عَلَیْہِمْ لَہُمْ.

(ابن ماجہ (۷۷) ابوداؤد (۶۹۹))

یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا۔ حضرت علقمہ نے عرض کیا: جی ہاں اب بالکل دست ہے۔ حضرت عطاء نے فرمایا: سوا اللہ تعالیٰ ان سے ان نعمتوں کے شکر کا مطالبہ کرے تو وہ ان نعمتوں کے شکر ادا کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے اور وہ قاصر و عاجز رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کو شکر کی کوتاہی پر ان کو عذاب دینے کا حق حاصل ہو جائے گا اور وہ ان پر ظالم نہیں ہوگا۔

حل لغات

”مُذْعَجٌ“، ”خَذْعَةٌ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: دھوکے یا دھوکے بازیاں۔ ”خَبَائِلُ“ یہ ”خَبَائِلُ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: پسند اُرسی ہاندھنے کا آلہ۔ ”جَحِيلٌ“ (ح) مہملہ مکسور اور یا مفتوح ہے (یہ جیلہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: سازش کرنا، خفیہ تدبیر کرنا، خفیہ چال چلنا، مکر و فریب کرنا۔ ”اَلْجَبَا“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب الفاعل ہے اس کا معنی ہے: کوئی چیز کسی کے سپرد کرنا یا کوئی معاملہ کسی کے حوالے کرنا، کسی کو پہچانا، حفاظت کرنا اور کسی کو مجبور کر دینا۔ ”اَلْهَمَمُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب الفاعل ہے اس کا معنی ہے: دل میں کوئی بات ڈالنا، وحی کرنا یعنی خفیہ پیغام پہنچانا، توفیق دینا، سکھانا، الہام کرنا، ”يَعْمُ“ لون مکسور اور میں مفتوح کے ساتھ ”بِعْمَةٍ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: احسان، مہربانیاں، انعامات۔

ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ نہ کہنے کے دلائل

اس حدیث مبارکہ میں دو مسائل کی وضاحت کی گئی ہے:

(۱) ایک یہ کہ ”اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ“ (اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں مومن ہوں) کہنا صحیح ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کہنا غلط ہے اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے ایسا بھی کہا ہو بلکہ اس حدیث میں حضرت عطاء نے صراحت کے ساتھ وضاحت کر دی ہے کہ صحابہ کرام اپنے لیے پورے یقین کے ساتھ ایمان کو ثابت کرتے اور وہ اس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بیان کرتے تھے جس سے ثابت ہو گیا کہ اپنے لیے ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا رسول اللہ اور صحابہ کرام کی سنت کے خلاف ہے اس لیے یہ عقیدہ بدعت و گمراہی ہے اور شیطان کا فریب ہے اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی (یعنی صحابہ کرام کی) توصیف و تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَوْفَيْكَ هُمْ اَلْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا [الانفال: ۴-۵] یہی لوگ سچے اور برحق مومن ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مذمت و برائی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَوْفَيْكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا [النساء: ۱۵] یہی لوگ حقیقت میں کچے کافر ہیں۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ چونکہ ایمان لانے والوں کا مومن ہونا یقینی ہوتا ہے اس لیے ان پر اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں جیسے عاقل و بالغ مسلمان کے لیے نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا اور مال دار ہونے کی صورت میں زکوٰۃ دینا اور دیگر خیر و بھلائی اور فلاح و بہبود کے کام کرنا جبکہ چوری، زنا کاری، قتل و عارت، شراب نوشی اور دیگر منوعات سے بچنا لازم ہوتا ہے۔ اگر ایمان لانے اور اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی آدمی یقینی مومن نہ ہوتا تو پھر اس پر اسلامی احکام جاری نہ ہوتے حالانکہ تمام مسلمانوں کے لیے

اسلامی احکام پر عمل کرنا واجب و ضروری ہے اور اسی طرح کفر اختیار کرنے والوں کا کفر ہونا بھی یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے اس لیے تو ان کے ساتھ جنگ کرنا اور بہ صورت صلح ان پر جزیہ لازم آتا ہے۔ یہ سب چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ مومن کے لیے ایمان اور کافر کے لیے کفر یقیناً ثابت ہے لہذا ان شاء اللہ کی قید لگانا بے اصل اور غلط ہے۔ چوتھی دلیل عقلی ہے اور وہ یہ کہ اگر ان شاء اللہ اپنے ایمان میں شک و شبہ کی بنا پر کہا جائے تو صریح کفر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت کے حصول یا اس کے ادب و احترام کی وجہ سے یا تواضع و انکساری کے پیش نظر یا تکبر و خود پسندی سے بچنے کے لیے ان شاء اللہ کہا جائے تو پھر بھی درست نہیں بلکہ غلط ہے کیونکہ یہ کلمہ شک و شبہ کو ظاہر کرتا ہے جس کے بولنے پر ایمان مشکوک ہو جاتا ہے لہذا اپنے ایمان کو شک و شبہ سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے آپ کو مومن کہنے کے ساتھ ان شاء اللہ نہ کہنا ضروری ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ اپنے آپ کو مومن کہنا اپنے لیے جنتی ہونے کا دعویٰ ہے تو حضرت عطاء بن رباح نے یہ کہہ کر اس کا جواب دے دیا ہے کہ صحابہ کرام اپنے آپ کو مومن اور ایمان دار کہتے تھے لیکن وہ اپنے آپ کو جنتی نہیں کہتے تھے کیونکہ ایمان تو یقینی طور پر ثابت ہے اس لیے اپنے آپ کو مومن کہنا درست ہے لیکن اپنے انجام اور ایمان پر خاتمہ کا علم نہیں ہے اس لیے اپنے آپ کو جنتی نہ کہنا درست ہے۔

تقدیر الہی کا مطلب

دوسرا مسئلہ تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق مخصوص مقدار اور مخصوص شکل و صورت میں تمام اشیاء کو پیدا کرتا ہے پھر یہ بھی یاد رہے کہ تمام اشیاء کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ان کی مقادیر ان کے احوال اور ان کے زمانوں کا کامل علم ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنے سابق ازلی علم کے مطابق تمام اشیاء کو پیدا کرتا ہے اور ہر عالم کی جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم اس کی قدرت اور اس کے ارادے سے وجود میں آتی ہے۔ کسی چیز کی ایجاد و تخلیق میں مخلوق کے کسب کے علاوہ مخلوق کا اس میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور یہ کسب بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی توفیق الہام اور انعام سے حاصل ہوتا ہے اسی لیے تو حضرت عطاء بن رباح نے تقدیر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اپنے معصوم فرشتوں کو عذاب دے تو اس کے لیے علم نہیں ہوگا کیونکہ وہ خالق و مالک ہے اور فرشتے اس کے مخلوق و مملوک بندے ہیں اور ہر بندے پر اس کے بے شمار احسانات ہیں پس اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے اپنے بے شمار انعامات و احسانات کے شکر کا مطالبہ کرے تو وہ ان احسانات پر اس کا شکر ادا کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے اور وہ قاصد و عاجز رہیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ شکر کی ادائیگی کی تعمیر و کوتاہی کرنے پر ان کو عذاب دے تو وہ عالم نہیں ٹھہرے گا۔

تقدیر پر ایمان لانا واجب اور لازم ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں ہمارے دین میں قضاء و قدر کی حقیقت بیان فرمائیں گویا جس کے لیے ہمیں پیدا کیا گیا ہے کیا جس چیز پر ہم عمل کرتے ہیں اس کا فیصلہ تقدیر پہلے کر چکی ہے اور قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے یا ہم اس پر نئے سرے سے عمل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بلکہ اس چیز کا فیصلہ تقدیر پہلے جاری کر چکی ہے اور قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ حضرت سراقہ نے عرض کیا: پھر عمل کس لیے؟ آپ

۱۱۔ بَابُ يَجِبُ الْإِيْمَانُ بِالْقَدْرِ

۱۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ سُرَّاقَةَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ خَلَقْنَا عَنْ دِينِنَا كَمَا وَلَدْنَا لَهُ اَنَعَمَلُ بَشَرٍ وَ لَقَدْ جَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ وَ جَعَلَتْ بِهِ الْاَقْلَامُ اَمْ فِي شَيْءٍ نَسْتَقْبِلُ فِيهِ الْعَمَلُ قَالَ بَلْ فِي شَيْءٍ وَ لَقَدْ جَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ وَ جَعَلَتْ بِهِ الْاَقْلَامُ قَالَ لَقِيْتُمُ الْعَمَلُ قَالَ اَعْمَلُوا لِكُلِّ مِيسْرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ فَاَمَّا مَنْ اَعْطِيَ وَ اُتِيَ وَ صَلَّيْتُ بِالْحُسْنَى

فَسَيُبْرَأُ لِلْيُسْرَىٰ ۖ وَأَمَّا مَنْ يَبْغِلْ ۖ وَاسْتَفْهَىٰ ۖ
وَكَلَّبَ بِالنَّفْسِ ۖ فَسَيُبْرَأُ لِلْعُسْرَىٰ ۖ (المیل: ۱۰-۵) مسلم (۶۷۳۵) ابوداؤد (۴۶۹۴) ابن ماجہ (۹۱)

نے فرمایا کہ تم عمل کرو سو ہر شخص کے لیے دعویٰ آسان کیا جاتا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے (پھر آپ نے درج ذیل آیات تلاوت فرمائیں:) پس راہ وہ شخص جس نے (ماں) عطا کیا اور پرہیزگار ہو گیا اور اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم اس کے لیے آسانی کو آسان کر دیں گے اور راہ وہ شخص جس نے بخل کیا اور بے پردا ہو گیا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم اس کے لیے سختی کو آسان کر دیں گے

حل لغات

”عَلَيْهِمَا“ میں حدیث میں واحد کر حاضر فعل امر معروف باب افعال ہے اس کا معنی ہے: بیان کرنا خبر دینا کلام کرنا اور اس کے آخر میں ”نا“ ضمیر جمع حکم ہے جس کا معنی ہے: ہم ہمارے ہمیں۔ ”وَلَيْتُنَا“ میں جمع حکم فعل ماضی مجہول باب خبر ب یضرب ہے اس کا معنی ہے: پیدائش پیدا ہونا۔ ”بَسَرَتْ“ میں واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب خبر ب یضرب ہے اس کا معنی ہے: چنا بہنا طے کرنا جاری ہونا۔ ”بَجَعَتْ“ میں واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب خبر ب یضرب ہے اس کا معنی ہے: ٹھک ہونا سوکنا ”مُقَادِيرُ“ مقدار کی جمع ہے اس کا معنی ہے: قدرت ہر چیز کی انتہاء میزان تقدیر ”الْاِفْلَامُ“ قلم کی جمع ہے۔

تقدیر شرعی کی تحقیق

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد، امام مسلم، امام ابن حبان، امام طبرانی اور امام ابن مرددہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وساطت سے حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت سراقہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جس چیز پر ہم عمل کرتے ہیں کیا وہ تقدیر میں ثبت ہو چکی ہے اور اس میں قلم کی تحریر جاری ہو چکی ہے یا ہم اس پر سے سرے سے عمل کرتے ہیں آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ وہ چیز تقدیر میں ثبت ہو چکی ہے اور اس میں قلم کی تحریر جاری ہو چکی ہے۔ حضرت سراقہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! پھر عمل کس لیے ہے۔ آپ نے فرمایا: تم عمل کرتے رہو کیونکہ ہر شخص کے لیے دعویٰ آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے پھر آپ نے یہی آیات مبارکہ تلاوت فرمائیں۔ (شرح منہاج امام اعظم ص ۴۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور قضاء و قدر کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اعمال جو ہم اپنے کسب اور اپنے اختیار سے کرتے ہیں وہ اگرچہ ازل میں مقدر ہو چکے ہیں اور ان کا فیصلہ کیا جا چکا ہے اور لوح محفوظ میں انہیں لکھا جا چکا ہے اور وہ اعمال اللہ تعالیٰ کے علم قدرت اور اس کے ارادے میں ازل سے آچکے ہیں لیکن ان اعمال کے کرنے میں بندے مجبور نہیں ہیں اور نہ ان کا کسب و اختیار ختم کر دیا گیا ہے بلکہ بندوں نے اپنی پیدائش کے بعد دنیا میں آ کر اپنے کسب و محنت اور اپنے اختیار سے جو اعمال کرنے شروع کیے ان کو اللہ تعالیٰ چونکہ ازل میں بھی جانتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کو متعلقہ بندوں کے حق میں مقدر فرما کر لوح محفوظ میں لکھ دیا لہذا بندے اپنی تقدیر اور لوح محفوظ کی تحریر کے تحت مجبور و پابند نہیں بنائے گئے کہ جیسے لکھ دیا ہے ویسے مجبوراً کرنا پڑے گا ہرگز نہیں بلکہ ان کی تقدیر اور لوح محفوظ کی تحریر خود ان کے اپنے اعمال کے عین مطابق ہے جن کو دنیا میں آ کر انہوں نے اپنے کسب و اختیار سے کرنا تھا البتہ جب کوئی بندہ اپنے کسب اور اپنے اختیار سے کوئی عمل کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو اس کے ارادہ کے مطابق پیدا کر دیتا ہے اور وہ اپنے کسب سے اس کو وجود میں لاتا ہے لہذا ہر فعل اور عمل کی تخلیق اور ایجاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے کہ وہی خالق و مالک ہے اور ہر فعل و عمل کا کسب اور اختیار بندے کی طرف سے ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کو کاسب و مختار بنا کر بھیجا ہے اور بندوں کی جزاء و سزا کا

تعلق بھی اسی کسب و اختیار کی جا رہا ہے۔

مکرمین تقدیر کی مذمت

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر امت کے لیے بخوبی لوگ تھے اور میری امت کے بخوبی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو تم ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو تم ان کے جنازوں میں شرکت نہ کرو۔ [مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۱۹ رقم الحدیث: ۱۸۹۰ مطبوعہ فرید ہک سال لاہور]

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا عادی شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ [مسند امام احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۱۹۲۰]

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مکرمین تقدیر کے پاس مت بیٹھو اور نہ ہی ان سے کلام و سلام میں شامل کرو۔ [مسند امام احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۱۹۳۰]

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ چار چیزوں پر ایمان لائے (۱) وہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے (۲) اور وہ موت پر ایمان لائے (۳) اور مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھے پر ایمان لائے (۴) اور وہ تقدیر پر ایمان لائے۔ [ترمذی ابن ماجہ] (۵) حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں دو گروہ ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں (۱) مرجہ کہتے ہیں کہ جتنے کافر کو کوئی نیکی مفید نہیں

ایسے ہی مسلمان کو کوئی گناہ معجز نہیں جو چاہے کرے اس زمانہ کے دیہ شای فقیر اور بعض روافض ان کی یادگار ہیں جن کا عقیدہ ہے وہ شاہ کو مانا لیا یا محرم میں رو پیٹ لیے پھر جو چاہو کرو اور قدر یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہم اپنے اعمال کے خود خالق اور معین ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں فرقے بالکل کافر ہیں مگر علمائے دین فرماتے ہیں کہ ان کا کفر لڑوی ہے نہ کہ اشتراکی لہذا ان کی تکفیر میں احتیاط چاہیے کیونکہ ثبوت کفر کے لیے دلیل قطعی چاہئے یہ حدیث قطعی نہیں۔ [مرآۃ العاجب شرح مشکوٰۃ الصالح ج ۱ ص ۱۱۰]

(۶) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھ آدمی ہیں جن پر میں نے اور اللہ تعالیٰ نے اور ہر مقبول الدعائی نے لعنت کی ہے (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (۲) تقدیر کو جھٹلانے والا (۳) زبردستی مسلط ہو جانے والا (۴) کہ وہ انہیں دلیل کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اور انہیں عزت دے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا (۵) اللہ تعالیٰ کے حرم شریف کو حلال جاننے والا (۶) اور میری آل کے متعلق وہ باتیں حلال جاننے والا جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے (۷) اور میری سنت کو ترک کر دینے والا۔

نوٹ: آخری تینوں حدیثوں کے حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں: [مشکوٰۃ الصالح ص ۲۲ مطبوعہ المطابع دہلی]

انجام کے لیے اختتامی اعمال کا اعتبار ہوتا ہے

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ کوئی آدمی ایسا نہیں ہے مگر اس کا آغاز اور اس کا انجام اور

اس کو دنیا و آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے اللہ عزوجل نے وہ

۱۲۔ بَابُ الْبِرَّةِ بِخَوَاتِيمِ الْأَعْمَالِ

۱۶۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِي خَبِثَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ

رَفِيعٍ عَنْ مُصَنَّبٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ رَمَازٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ إِلَّا وَقَدْ خُتِمَ اللَّهُ

عَزَّ وَجَلَّ مَذْعَلَهَا وَمَعْرُجَهَا وَمَا هِيَ إِلَّا لِقَاءُ قَبِيلٍ
فَقِيْلَ لَكُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالِ اِعْمَلُوْا فَاَكُلْ مِمَّنْ
لَيْسَ خُلُقِيْ لَهُ فَمَنْ تَكَانَ مِنْ اَهْلِ النَّجْوَى يَتَسَوَّلُ لِعَمَلِ
اَهْلِ النَّجْوَى وَمَنْ تَكَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَتَسَوَّلُ لِعَمَلِ اَهْلِ
النَّارِ قَالِ الْاَنْصَارِيُّ الْاَنَّى حَقَّ الْعَمَلُ.

بخاری (۱۳۶۲) مسلم (۶۷۳۳) ابوداؤد (۴۶۹۴) ترمذی

(۲۱۳۶) ابن ماجہ (۲۸)

حل لغات

”مَذْعَلٌ“ اور ”مَعْرَجٌ“ دونوں ظرف مکان کے سینے ہیں اور دونوں باب نَصْرُ سے ہیں۔ پہلے کا معنی ہے: داخل ہونے کی جگہ اور دوسرے کا معنی ہے: نکلنے کی جگہ۔ ”مَنْ تَكَانَ“ میں ما اسم موصول پہ معنی ”الَّذِي“ ہے اور ”هِيَ“ ضمیر متغیض واحد مؤنث غائب ہے ”لِقَاءُ“ اسم فاعل واحد مؤنث کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے: ملاقات اور ملنا۔ ”يَتَسَوَّلُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: آسان کرنا سہل کرنا نِزَم کرنا۔ ”حَقَّ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ بِضَرْبٍ سے ہے یہ معنی ثابت کرنا۔

حسن خاتمہ کے لیے آخر دم تک نیک اعمال ضروری ہیں

اس حدیث میں بھی گزشتہ حدیث کی طرح عمل کرنے کا حکم دے کر رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت پر واضح فرما دیا کہ تقدیر پر بھروسہ کر کے اعمال صالحہ کو ہرگز ترک نہیں کرنا چاہئے اور یہ خیال کرنا کہ اجر و ثواب اور جنت اگر لکھ دی گئی ہے تو وہ ہر حال میں مل کر رہے گی اور اگر عذاب و سزا اور دوزخ لکھ دی گئی ہے تو وہ بھی ہر حال میں مل کر رہے گی کیونکہ تقدیر کا لکھا کبھی غلط نہیں ہو سکتا لہذا اعمال صالحہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسا سوچنا بالکل باطل و غلط ہے اور شیطان کا اٹھا کیا ہوا کفر و فریب ہے۔ مقام غور ہے ذرا سوچیں تو سہی کہ امارت و غربت، خوشحالی و تنگدستی اور صحت و بیماری موت و حیات سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے تو کیا کوئی شخص ان دنیاوی معاملات میں یہ سوچتا ہے کہ رزق میں وسعت و فراخی اور خوشحالی اور صحت و تندرستی اگر تقدیر میں لکھی جا چکی ہے تو ہر حال میں مل کر رہے گی اور اگر رزق میں کمی و تنگ دستی اور بدن میں بیماری و تکلیف لکھی جا چکی ہے تو وہ بھی ہر حال میں مل کر رہے گی لہذا دن رات کمائی کرنے میں لگے رہنے اور علاج معالجہ کے لیے عیسوں اور ڈاکٹروں کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن دنیاوی معاملات میں ایسا کوئی نہیں سوچتا تو پھر دینی معاملات میں ایسی بہانے سازیاں کیوں؟ بلکہ جس طرح دنیاوی معاملات میں رزق میں وسعت و فراخی حاصل کرنے اور مالی ترقی و خوشحالی حاصل کرنے کے لیے تقدیر پر بھروسہ کرنے کی بجائے دن رات مسلسل محنت و کوشش کرتے ہیں اور اپنی جسمانی صحت و تندرستی کے لیے اور بیماری سے چھٹکارا پانے کے لیے عیسوں اور ڈاکٹروں کے پاس علاج و معالجہ کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ غلط بھی نہیں کیونکہ حدیث شریف کے مطابق رزق حلال حاصل کرنا فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے اور عدا ج معالجہ کرانا بھی تقدیر میں سے ہے چنانچہ حضرت ابو خزامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بتلایا کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ہم جو دم درود چھاڑ پھونک کرتے ہیں اور ہم لوگ علاج معالجہ دوا دارو کرتے ہیں اور ہم لوگ کئی مضر چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں تو کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بال دیتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ چیزیں خود اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے

ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد امام ترمذی امام ماجہ نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲ مطبوعہ جامع المطابع دہلی]

اسی طرح ہمیں چاہئے کہ ہم دینی معاملات میں حسن انجام اور اخروی کامیابی حاصل کرنے کے لیے نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے بچنے کے لیے دن رات مسلسل خوب خوب محنت و کوشش کرتے رہیں اس لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم تقدیر پر بھروسہ نہ کرو بلکہ تم عمل کرتے رہو اور اپنی کوشش جاری رکھو یہاں تک کہ خاتمہ بالآخر ہو جائے کیونکہ آخری اعمال کا اعتبار ہوتا ہے اگر آخری اعمال نیک ہوئے تو انجام بہ خیر ہوگا اور اگر آخری اعمال برے ہوئے تو انجام بھی برا ہوگا جیسا کہ احادیث مبارکہ میں مذکور ہے۔

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں صادق و صدوق (سچ بولنے والے اور سچے) رسول ﷺ نے خبر دی ہے کہ بے شک تم میں سے ہر ایک کا مادہ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک تلفہ رہتا ہے پھر اتنا عرصہ جہاں خون بن کر رہتا ہے پھر اتنا عرصہ گوشت کا تو خیر ابن کر رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ایک لڑکتے کو چار ہاتھیں دیتا کہ اس کے پاس بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ اس کے عمل (جو اس نے دنیا میں آکر کرنے ہیں) اور اس کی موت اور اس کا رزق اور وہ بد بخت یا نیک بخت سب کچھ لکھ لیتا ہے پھر وہ اس میں روح پھونک دیتا ہے سو قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اے شک تم میں سے بعض لوگ جنتیوں والے عمل کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے درمیان اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اچانک تقدیر کا لکھا سامنے آ جاتا ہے تو وہ دوزخیوں والے عمل کرنے لگ جاتا ہے پھر وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے اور بے شک تم میں سے بعض لوگ دوزخیوں والے عمل کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کے درمیان اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اچانک تقدیر کا لکھا سامنے آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں والے عمل کرنے لگ جاتا ہے پھر وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ [حلق علیہ] [مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰ مطبوعہ جامع المطابع دہلی]

(۲) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک بعض بندے دوزخیوں والے عمل کرتے ہیں لیکن وہ جنتی ہوتے ہیں اور بعض بندے جنتیوں والے عمل کرتے ہیں لیکن وہ دوزخی ہوتے ہیں اور بے شک اعمال کا اعتبار صرف خاتمہ پر ہوتا ہے۔ [حلق علیہ]

[مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰ مطبوعہ جامع المطابع دہلی]

عمل کی تلقین اور

خاتمہ کا اعتبار

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر انسان کا آغاز اس کا انجام اور اس کو جو کچھ پیش آنے والا ہے سب اللہ تعالیٰ نے لکھ لیا ہے۔ انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! پھر عمل کس لیے ہے آپ نے فرمایا: تم عمل کرتے رہو کیونکہ ہر انسان کے لیے وہی عمل آسان ہوتا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اگر بد بخت ہوتا ہے تو اس کے لیے بد بختوں والے عمل آسان کر دیے جاتے ہیں اور اگر نیک بخت ہوتا ہے تو اس کے لیے نیک بختوں والے

۱۳۔ بَابُ التَّوَعُّبِ فِي الْعَمَلِ

وَالصَّبْرُ بِالْخَوَاتِيمِ

۱۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ مُصَنَّبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَفْسٍ إِلَّا وَقَدْ كَتَبَ اللَّهُ مَذْخَلَهَا وَمَخْرَجَهَا وَمَا هِيَ إِلَّا قِيَّةٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ لِفِيْهِمُ الْعَمَلُ إِذَا بَارَسَ رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ اِعْمَلُوا فَكُلُّ مُسْرَرٍّ لِّمَا خُلِقَ لَهُ أَمَّا أَهْلُ الشَّقَاوَةِ فَيُسْرَوْنَ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ وَأَمَّا أَهْلُ السَّعَادَةِ

فَيَسِّرُوا لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ
 أَلَا نَحَقُّ الْعَمَلَ. وَفِي رِوَايَةٍ أُخَرُغُوا لِكُلِّ مُوسِرٍ
 مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْخَيْرَةِ يُسِّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الْخَيْرَةِ وَمَنْ
 كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّرِّ يُسِّرُ لِعَمَلِ أَهْلِهَا فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ
 أَلَا نَحَقُّ الْعَمَلَ. سابقہ (۱۶)

عمل آسان بنادینے جاتے ہیں تو انصاری نے کہا: اب عمل کی حکمت واضح ہو
 گئی ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تم عمل کرتے رہو کیونکہ ہر ایک آدمی کے
 لیے آسانی مہیا کی گئی ہے پس جو شخص اہل جنت میں سے ہوتا ہے اس کے
 لیے جنتیوں والے عمل آسان ہو جاتے ہیں اور جو شخص دوزخ والوں میں سے
 ہوتا ہے اس کے لیے دوزخیوں والے عمل آسان ہو جاتے ہیں۔ انصاری نے
 کہا: اب عمل کرنے کی وجہ معلوم ہو گئی ہے۔

حل لغات

واضح رہے کہ یہ حدیث مبارکہ مذکورہ بالا سابق حدیث کا تسلسل ہے۔ دونوں احادیث کے الفاظ و معانی اور تشریح ایک جیسی ہے
 اس لیے اس حدیث کے مشکل الفاظ کے معنی اسی میں حل لغات کے تحت بیان کر دیے ہیں وہیں ملاحظہ فرمائیں البتہ اس حدیث کے
 تحت دوسری مسائل کی تشریح کر دی ہے۔

نقد پر پھر دوسرے کی بجائے نیک اعمال کرنا لازم ہیں

اس حدیث میں بھی سابقہ حدیث کی طرح دو مسائل کی وضاحت کی گئی ہے (۱) ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ نقد پر پھر دوسرے کے عمل کو
 ہرگز ترک نہیں کرنا چاہئے بلکہ زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنے چاہئیں۔ ایک تو اس لیے کہ آخرت کا معاملہ ہم ہے کسی کو نہیں معلوم کہ
 اس کا انجام کیا ہوگا اس لیے ہر آدمی کو اپنا انجام بہتر بنانے کے لیے نیک اعمال کرنے کی خوب محنت و کوشش ضرور جاری و ساری رکھنی
 چاہئے اور دوسرا اس لیے کہ ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدرت کسبہ بالفعل حاصل ہے لہذا اس کو استعمال کرتے ہوئے نیک
 اعمال کرتے رہنا چاہئے کیونکہ عقائد صحیحہ اور نیک اعمال سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہوتی ہے اور جب بندہ نیک
 اعمال کے سبب اللہ تعالیٰ کا مقرب بن جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا تو اس کا انجام بھی ضرور بہتر ہو جائے گا کیونکہ
 اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اسے ثابت رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۖ وَ هُنَّ أَمْ
 الْكِتَابِ [الرعد: ۳۹]

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے

حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سعادت اور شقاوت کو بھی محو کر دیتا ہے
 اور رزق و موت کو بھی محو کر دیتا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! اگر تو نے مجھے نیک
 بختوں اور سعادت مندوں میں لکھ دیا ہے تو مجھے اس میں ثابت و قائم رکھنا اور اگر تو نے مجھے بد بخت لکھ دیا ہے تو میری بد بختی مٹا دے
 اور مجھے سعادت مند اور مغفرت یافتہ لوگوں میں ثابت فرما دے بے شک تو جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے ثابت رکھتا
 ہے اور اصل کتاب صرف تیرے پاس ہے۔ [معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت]

اور تیسرا اس لیے نیک اعمال کرنے چاہئیں کہ جنتیوں کے لیے جنت والے اعمال آسان ہو جاتے ہیں اور دوزخیوں کے لیے
 دوزخ والے اعمال آسان ہو جاتے ہیں۔

اعمال کے مطابق خاتمہ ہوگا

دوسرا مسئلہ جس کی اس حدیث میں وضاحت کی گئی ہے یہ ہے کہ خاتمہ اور انجام کا اعتبار اعمال پر ہوتا ہے کیونکہ مرتے وقت چہ

عمل ہوں گے دیباغی انجام ہوگا لہذا ہر بندے کو چاہئے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے ممکن ہے وہی اس کا آخری وقت ہو نیز دنیا میں عموماً اعمال انجام کی علامتیں ہوتی ہیں چنانچہ جنتی آدمی کے لیے نیکیاں آسان اور گناہ بھاری معلوم ہوتے ہیں اور دوزخی آدمی کے لیے برے اعمال اور گناہ آسان اور نیکیاں بھاری معلوم ہوتی ہیں لہذا ہر آدمی کو آخری دم تک نیک عمل کرتے رہنا چاہئے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم کے مطابق جنتیوں کو جنتی ہونے پر اور جہنمیوں کو جہنمی ہونے پر مجبور پیدا نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کسب و محنت کی صلاحیت عطا فرما کر اسے اختیار دے دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے جس راہ کو چاہے منتخب کر لے سو یہ انسان کے اپنے اختیار پر منحصر ہے کہ وہ اہل جنت کا راستہ اختیار کر کے نیک عمل کرے اور برے عمل سے پرہیز کرے یا وہ اپنے اختیار سے اہل نار کا راستہ اختیار کر کے برے عمل کرے اور نیک عمل سے دور رہے جیسا کرے گا دیا بھرے گا۔

۱۷۔ بَابُ أَمْرِ مُقَاطَعَةٍ مِنْ أَهْلِ الْقَدْرِ

۱۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ حُمَرَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيءُ قَوْمٌ يُفَرِّقُونَ لَا قَدْرَ ثُمَّ يَخْرُجُونَ وَتَهُ إِلَى الزُّنْدَلِكَةِ لِرَدِّهَا لِقِيَتَهُمْ فَلَا تَسْلَمُوا عَلَيْهِمْ وَإِنْ مَرُّوا فَلَا تَعْرِضْ لَهُمْ وَإِنْ قَاتَلُوا فَلَا تَشْهَرُهُمْ لِقَائِهِمْ شِعَةَ اللَّجَالِ وَمَنْعُومٌ هَذِهِ الْأَمْرَةُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُلْجِئَهُمْ بِهِمْ فِي النَّارِ.

(رد اور (۴۶۹۲) ابن ماجہ (۹۲)

حل لغات

”لا قَدْرَ“ تقدیر کے معنی میں ہے اسلام کے ابتدائی دور میں ایک گمراہ فرقہ قدر پر گزرا ہے جس کا دعویٰ تھا ”لا قَدْرَ“ یعنی تقدیر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ”الزُّنْدَلِكَةُ“ کا معنی ہے: بے دین ہو جانا شریعت سے نکل جانا۔ ”لِقِيَتَهُمْ“ یہ صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب سَمْعٍ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: ملاقات کرنا اور ملنا۔ ”لَا تَسْلَمُوا“ یہ جمع مذکر حاضر فعل نمی معروف کا صیغہ ہے اور باب تَفْعِيل سے ہے اس کا معنی ہے: سلام کرنا۔ ”لَا تَعْرِضُوا“ یہ جمع مذکر حاضر فعل نمی معروف کا صیغہ ہے اور باب تَقْصُرُ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: عیادت کرنا اور بیمار پر سی کرنا۔ ”لَا تَشْهَرُوا“ یہ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل نمی معروف ہے۔ جب یہ باب سَمْعٍ يَسْمَعُ سے ہو تو اس کا مصدر ”شَهَادَةُ“ آتا ہے یہ معنی گواہی دینا اور جب یہ بات ثَمَرٌ يَكْتُمُ سے ہو تو اس کا مصدر شہود آتا ہے اس کا معنی ہے: حاضر ہونا ان دونوں مصادر سے اسم فاعل شاہد آتا ہے جس کا معنی گواہی دینے والا اور حاضر و ناظر ہونے والا ہے یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔ ”لَا تَشْهَرُوا“ یہ بھی جمع مذکر حاضر فعل نمی معروف کا صیغہ ہے باب تَفْعِيل سے ہے اس کا معنی ہے: تابع ہونا پیچھے چلنا کسی کے ساتھ جانا لیکن یہاں نماز جنازہ میں حاضر نہ ہونا مراد ہے۔

تقدیر یہ اور زندقہ کی مذمت

اس حدیث مبارکہ میں اور اس کے بعد آنے والی احادیث مبارکہ میں تقدیر یہ فرقہ کی کافی مذمت بیان کی گئی ہے اور مسلمانوں کو اس سے معاشرتی اور مذہبی بائیکاٹ کرنے کی پرزور تاکید کی گئی ہے اس لیے اس فرقہ کے متعلقہ عقیدہ کی وضاحت اور اس کی تردید نیز

دنیا میں اس فرقہ کی مدت کے ساتھ ساتھ آخرت میں اس کی محرومی بیان کرنا بھی ضروری ہے پھر اس حدیث مبارکہ میں ذمہ دار کا ذکر ہوا ہے جس کی وضاحت ضروری ہے لہذا پہلے قدر یہ پھر ذمہ دار کی توضیح کی جاتی ہے۔

قدر یہ: یہ فرقہ اسلام کے ابتدائی دور میں نمودار ہوا تھا اس کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ تقدیر کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی تخلیق سے پہلے ان کے متعلق کچھ مقدر نہیں فرمایا کہ دنیا میں ان کے احوال اور افعال وغیرہ کیا ہوں گے اور نہ ہی لوح محفوظ میں ان کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔ دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے افعال و اقوال اور اپنے فیصلوں میں خود مختار ہے اور اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ گویا ہر انسان خالق ہے (نعوذ باللہ من ذالک) حالانکہ اس فرقہ کی یہ دونوں باتیں باطل اور بالکل غلط ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ لِّیْهِ إِلَّا ذَنْبٌ وَكَانَ لِّیْهِ
اَنْفِیْکُمْ اِلَّا لِّیْیَ یَکْتُبُ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّوْرَاَهَا ط اِنَّ ذٰلِکَ
عَلٰی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۲۲﴾ [الحجہ: ۲۲]

زمین میں اور تمہاری جانوں میں کوئی مصیبت نہیں آتی مگر اسے
اس کی پیدائش سے پہلے ایک کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔ بے شک یہ اللہ
تعالیٰ پر آسان ہے

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھیں اور اس وقت اس کا عرش پانی کے اوپر تھا۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔
[مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹ مطبوعہ دار الفکر دہلی]

مذکورہ بالا آیت مبارکہ اور حدیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں ان کی پیدائش سے پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیں بندوں کے افعال کی تخلیق کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ [ہصافات: ۱۶۶]

اور تمہیں اور تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے

اس آیت مبارکہ میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے اعمال و افعال کا خالق بھی ہے۔ انسان اپنے افعال کا خود خالق نہیں بلکہ وہ اپنے افعال کا صرف کاسب ہے خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ نیز قرآن مجید میں مزید ارشاد ہے:

وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ [الاحقاف: ۱۰۱]

اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز کو خوب جانتے والا ہے

اس آیت مقدمہ سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا خالق و مالک ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کی مخلوق ہے اور اس کا علم کامل ہر چیز کو محیط ہے۔

نیز قرآن مجید کی اسی سورت کی اگلی آیت میں ارشاد ہے:

ذٰلِکُمْ اللّٰهُ رَبُّکُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلِیُّ کُلِّ شَیْءٍ
خَبِیْرٌ ﴿۱۰۲﴾ [الانعام: ۱۰۲]

وہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے

اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوا کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے بندوں کے افعال کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ بندوں کے افعال بھی ہر چیز میں شامل ہیں۔

تقدیر کے منکرین کے لیے آخرت میں ناکامی

- (۱) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا عادی شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ [مسند امام احمد، ۱/۲۷۱، رقم الحدیث: ۱۹۲، مطبوعہ فرید ہیک سنال لاہور]
- (۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص مسئلہ تقدیر میں تنہید کرنے کے لیے بحث و گفتگو کرے گا تو قیامت کے دن اس سے باز پرس کی جائے گی اور جو شخص اس میں بحث و گفتگو نہیں کرے گا اس سے قیامت کے دن باز پرس نہیں کی جائے گی۔ اس کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔
- [مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳، مطبوعہ دہلی]
- (۳) امام طبرانی نے جامع کبیر میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین قسم کے اشخاص کی نہ فرض عبادت قبول فرمائے گا اور نہ نفل عبادت قبول فرمائے گا: (۱) ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا (۲) نیکی کر کے احسان جتانے والا (۳) اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔ [تسبیح النظام فی مسند امام ص ۱۳، حاشیہ ۱۵]
- (۴) امام ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی (۱) قدریہ (۲) مرجیہ۔
- (۵) امام طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ نہ عرض کوثر پر وارد ہوں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے (۱) قدریہ (۲) مرجیہ۔
- (۶) امام طبرانی نے جامع کبیر میں اور امام ابن عدی نے اپنی کامل میں حضرت ابو امامہ کی حدیث مرفوعاً بیان کی ہے کہ چار قسم کے اشخاص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا (۱) ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا (۲) احسان جتانے والا (۳) عادی شرابی (۴) اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔

[تسبیح النظام فی شرح مسند امام ص ۱۵-۱۴، حاشیہ ۶، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

قدریوں کو مجوسی کے ساتھ تشبیہ دینے کا سبب

قدریوں (منکرین تقدیر) کو مجوس کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ قدری بھی مجوس کی طرح مشرک ہیں کیونکہ جس طرح مجوس متعدد معبود و خالق مانتے ہیں اسی طرح قدری بھی متعدد معبود اور متعدد خالق مانتے ہیں چنانچہ مجوس کہتے ہیں کہ خیر و بھلائی کا خالق الگ ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور شر و برائی کا خالق الگ ہے جس کو اہرمین کہتے ہیں جبکہ قدری کہتے ہیں کہ ہر انسان اپنے اپنے افعال کا مستقل خود خالق ہے تو گویا انہوں نے تمام انسانوں کو خالق قرار دے دیا اس طرح یہ متعدد معبودوں کے قائل ہو گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ منفرد اور اکیلا معبود برحق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللَّهُمَّ إِلَهٌ وَاحِدٌ [البقرة: ۱۶۳]

اور تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔

اسی طرح کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هَلْ مِنْ خَلْقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَىٰ تَوَلَّوْكُمْ ۚ [الطہ: ۱۳]

کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو زمین و آسمان سے تمہیں رزق پہنچاتا ہے (ہرگز نہیں) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم کہاں دیکھے جا رہے ہو

[شرح مسند امام اعظم ملا علی القاری ص ۳۱۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

زندیق کا تعارف اور اس کا شرعی حکم

زندیق دراصل مجوس قوم کو کہا جاتا تھا جو زند یا زند نامی کتاب کے پیروکار تھے جس کو زردشت مجوسی نے تیار کیا تھا لیکن اب زندیق ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے:

- (۱) جو آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا منکر ہو۔
- (۲) جو زبان سے تو اسلام کا اظہار کرے لیکن دل میں کفر یہ عقائد رکھتا ہو اور قرآن و سنت کی نصوص میں باطل تاویلات کرتا ہو اور اس کے کفر یہ عقائد کا علم ہو جائے۔

(۳) جو آخرت کو اور خالق کی وحدانیت کو نہ مانتا ہو اور کسی چیز کو حرام نہ مانتا ہو۔

(۴) ہر ملحد و بے دین اور دہریہ کو زندیق کہا جاتا ہے۔

(۵) قاضی نے کہا کہ زندیق مجوس کی ایک قوم ہے جس کو محو یہ کہا جاتا ہے یہ دو مہدوں کے قائل ہیں ان میں سے ایک مہدا اور ہے جو خیر و بھلائی کا مہدا ہے اور دوسرا ظلمت ہے جو شر و فساد اور برائی کا مہدا ہے۔

(۶) اسلام سے پھر جانے والی مرتد قوم کو زندیق کہا جاتا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا کہ آپ نے اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جانے والوں کو آگ میں جلوا دیا تھا جنہیں زندوقہ (جمع زندیق) کہا جاتا تھا۔

(۷) یہ عبداللہ بن سبا یہودی کے پیروکار تھے جنہیں قوم سائبہ کہا جاتا تھا یہ لوگ عبداللہ بن سبا کے ساحل کرامت مسلمہ کو گمراہ کرتے دین اسلام میں فتنہ و فساد اور افتراق و انتشار پھیلانے کے لیے زبانی اسلام کا اظہار کر کے مسلمان ہو گئے (لیکن درپردہ کفر یہ عقائد پر قائم رہے) انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بہت بڑا فتنہ برپا کیا تھا پھر یہ لوگ اہل تشیع سے مل گئے اور ان کے جہال (جمع جاہل) کو گمراہ کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں الہ اور معبود ہونے کا اعتقاد گم کر لیا پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ان کو گرفتار کر لیا اور ان کو توبہ کرنے کی دعوت دی مگر انہوں نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا اور آپ نے لوگوں کو عبرت دلانے اور کفار پر شدت و سختی کرنے اور ان کو جبر تک سزا دینے کے لیے آگ میں جلوا دیا لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے توجہ دلانے پر کہ ان لوگوں کو صرف قتل کر دینا کافی تھا کسی کو آگ میں جلانے سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے رجوع کر لیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تحسین فرمائی۔

[مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۸۴ نیز ج ۷ ص ۱۰۴ و المعانی ج ۱ ص ۵۰ نیز ج ۲ ص ۳۵۳]

منکرین تقدیر اس امت کے مجوس ہیں

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک قوم اسی آئے گی جو کہیں گے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے پھر اس سے بے دینی کی طرف نکل جائیں گے سو جب تمہارا ان سے آئنا سامنا ہو جائے تو تم ان کو سلام نہ کرو اور اگر وہ بیمار ہو جائیں تو تم ان کی بیمار پری نہ کرو اور اگر وہ مرجائیں تو تم ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو

۱۵۔ بَابُ الْقَدَرِیَّةِ مَجْهُوسٌ هَذِهِ الْأُمَّةُ

۱۹۔ أَبُو حَنِیْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيءُ قَوْمٌ يَقُولُونَ لَا قَدَرَ ثُمَّ يَغْرُبُونَ مِنْهُ إِلَى الزَّيْدِيَّةِ فَإِذَا لَقِيَتْهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ وَإِنْ مَرَّ مِنْهُمْ فَلَا تَعُوذُوهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوا جَنَائِزَهُمْ لِأَنَّهُمْ شِبَعَةُ الدَّجَالِ

وَمَنْ مِّنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ حَقًّا عَلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يَكُونُوا مِنْهُمْ
يَهْدِي الشَّارِبُ سَدْرَهُ (۱۸)
عمل لغات

”تَبْرُؤًا“ یہ صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب مَبْعُ يَمْشِي سے ہے اس کا معنی ہے: پیار ہونا۔ ”جَسَدًا“ یہ
”خَفَازَةً“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: میت مردہ میت کا تابوت۔ ”شَيْعَةً الدُّجَالِ“ میں شیعہ کا معنی ہے: گروہ قدر یہ فرقہ کو ان
کے عقیدہ کے قاسد و باطل ہونے میں دجال کا گروہ قرار دیا گیا ہے۔ ”حَقًّا“ کا معنی ہے: واجب اور لازم یہاں ”حَقًّا عَلَى اللَّهِ“ کا
مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے۔

منکرین تقدیر کی مذمت کی وجوہات

منکرین تقدیر کی مذمت و تحقیر اور ان سے معاشرتی و مذہبی ہائیکاٹ کرنے کی اہمیت و ضرورت کو واضح کرنے اور ان کو اس
بدعت کی پرستش کرنے کے لیے اس حدیث مبارکہ کو دوبارہ ذکر کیا گیا ہے تاکہ انہیں عبرت حاصل ہو اور وہ توبہ کر لیں جیسا کہ:
(۱) امام ابن عساکر نے اپنی کامل میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس شخص
نے تقدیر کو جھٹلایا اس نے میری ان تمام تعلیمات کے ساتھ یقیناً کفر کیا جو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہوں۔
(۲) امام ابن ابی حاتم نے اپنی مسند میں اور امام طبرانی نے اپنی المعجم الکبیر میں اور امام ابن عساکر نے اپنی کامل میں حضرت عبداللہ
ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم قدریوں (منکرین تقدیر) سے بچو اور ان سے
پرہیز کرو کیونکہ وہ نصرانیوں کی ایک شاخ ہے (کہ جس طرح عیسائی حدود خداؤں کے قائل ہیں اسی طرح قدری بھی متعدد
خداؤں کے قائل ہیں)۔

(۳) امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے
اپنی امت میں سے تین قسم کے افراد پر خوف و اندیشہ ہے:
(۱) بھل جانے والا عالم (۲) قرآن مجید میں جھگڑنے والا منافق (۳) اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔

[تسبیح النظام فی شرح مسند امام ص ۱۵ حاشیہ ۶]

مسند امام عظیم کی اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث میں قدریوں کے ”لَا اِلٰهَ“ (تقدیر کوئی چیز نہیں) کہنے کا یہ مطلب ہے
کہ خیر و شر اور نفع و نقصان کا تقدیر سے کوئی تعلق نہیں بلکہ انسان خود مستقل طور پر اپنے افعال کا خالق ہے اس لیے خیر و شر اور نفع و نقصان
کا خالق بھی خود انسان ہی ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں جنت سے محروم اور جہنم کا سزاوار قرار دیا گیا ہے جیسا کہ گزشتہ عنوانات کے تحت
بیان کیا گیا ہے اور ان کو اسلام کرنے سے منع کرنے کی وجہ اس بدعت کی پر انہیں جہنم کا سزاوار قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ باطن میں کافر ہیں اور بہ
ظاہر قاسق و قاجر ہیں اور دوسری وجہ تقدیر پر ایمان لانے کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرنا ہے کہ جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں لاتا وہ اس
قدر بد بخت ہے کہ اسلام میں سلام دعا کے قائل نہیں رہا اور ان کے مریضوں کی عیادت کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ ان کی
عیادت میں کوئی اجر و ثواب نہیں اور ان کے مرنے والوں کے جنازے میں شرکت سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی عبادت
کا ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور نہ مسلمانوں کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے پر اجر و ثواب حاصل ہوگا کیونکہ وہ ایمان کے ایک اہم ترین اور
بنیادی رکن کا انکار کرنے کی وجہ سے باطن میں کافر ہیں اور مسلمانوں کی عبادت کا ثواب صرف مسلمانوں کو پہنچتا ہے اور ان کو اس امت کا

مجس اس لیے فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ انسانوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی طرف منسوب کرنے کی بجائے خود انسانوں کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انسان خود مستقل طور پر اپنے افعال کے آپ خالق ہیں۔

وہ یہ نہیں کہتے کہ انسان کے افعال کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور اسی نے ان کو مقدر کیا ہے اور انہیں تقدیر میں لکھ دیا ہے لہذا یہ لوگ مجس سے بڑھ کر نجس اور ناپاک ہیں کیونکہ کثرت کے ساتھ متعدد خالقین (خالقوں) کے قائل ہیں جبکہ مجس تو دو خالقوں کے قائل ہیں اس لیے ان کو مجس کے ساتھ اکٹھا کر کے دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۱۹۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

منکرین تقدیر پر لعنت کا جواز

۱۶۔ بَابُ اللَّعْنَةِ عَلَى الْقَدَرِيَّةِ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قدریوں (یعنی منکرین تقدیر) پر لعنت کی ہے اور آپ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس نے اپنی امت کو قدریوں سے ڈرایا اور ان پر لعنت بھیجی۔

۲۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَعَنَ اللَّهُ الْقَدَرِيَّةَ وَقَالَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى قَبْلَهَا إِلَّا خَلَّزَ أُمَّتَهُ مِنْهُمْ وَلَعَنَهُمْ. (مسند الحارثي ۸۹)

حل لغات

”لَعَنَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی پر لعنت کرنا رحمت الہی سے دور کرنے کی بددعا دینا۔ ”القدریہ“ قدر یہ ایک فرقہ ہے جو تقدیر کا انکار کرتا ہے۔ ”يَقْتُلُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: بھیجنا، ابھارنا، برا بھلا کرنا یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ ”خَلَّزَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: ڈرانا، بچانا اور بھیج کرنا۔

لعنت کے مفہوم اور اقسام کی وضاحت

لعنت میں لعنت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا۔

لعنت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) شریعت میں جس عام وصف کے ساتھ لعنت کی گئی ہو اس عام وصف کے ساتھ لعنت کرنا جیسے قرآن مجید میں ہے: کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو فاسقوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور صحیح بخاری میں ہے: جو مرد عورتوں کی مشابہت کریں اور جو عورتیں مردوں کی مشابہت کریں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو

[صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷ مطبوعہ نور محمد ص ۱۵۸ المطابع کراچی ۸۳۸ھ]

(۲) جس شخص کی موت کفر پر دلیل قطعی سے ثابت ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے جیسے ابلیس اور ابولہب پر لعنت کرنا جائز ہے۔

(۳) جو شخص ظاہر حال کے اعتبار سے مومن ہو یا کافر ہو اور اس کا کفر پر مرنا معلوم نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کافر کو اسلام کی توفیق دے دے۔ جامع ترمذی میں ہے: مومن بہت لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ نیز اس میں ہے: اللہ تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ لعنت نہ کرنا اور سنن ابوداؤد میں ہے: جس نے اس شخص پر لعنت کی جو لعنت کا مستحق نہیں ہے تو وہ لعنت لعنت کرنے والے پر لوٹے گی۔ لعنت کافروں پر بھی کی گئی ہے اور گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں پر بھی وصف عام کے ساتھ لعنت کی گئی ہے جیسے جھوٹوں پر لعنت ہو۔

کافروں پر جو لعنت ہے اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکل دور کر دینا اور گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں پر جو لعنت ہے اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے قرب خاص اور اس کی خصوصی رحمت اور رضا سے دور کر دینا۔ بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا ہو اس پر لعنت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ بخیر تعیین کے تمام کافروں پر لعنت کرنا جائز ہے اور بعض نے اس کو واجب کہا ہے اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ کسی معین کافر پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔

[تہیان القرآن ج ۱ ص ۷۳ مطبوعہ فرید بک منال اردو پبلشرز لاہور]

۲۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِزَةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعْنُ اللَّهِ الْقَدْرِيَّةَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ وَلَا رَسُولٍ إِلَّا لَعْنَتْهُمْ وَنَهَى أُمَّتَهُ عَنِ الْكَلَامِ مَعَهُمْ. (ساجد: ۲۰)

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر لعنت کی ہے اور کوئی نبی اور کوئی رسول (دنیا میں) تشریف نہیں لایا مگر اس نے قدریوں پر لعنت کی اور اپنی امت کو ان کے ساتھ گفتگو کرنے سے منع فرمایا۔

حل لغات

”نبی“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام اور وحی کی بنا پر طیب کی باتیں بتانے والا پیشین گوئی کرنے والا اللہ تعالیٰ کے متعلق خبریں دینے والا۔ ”رَسُولٌ“ بھیجا ہوا پیغامبر ”نہی“ دھمک کر قاعب فعل ماضی معروف باب فتح یفتح سے ہے اس کا معنی ہے: روکنا منع کرنا یا روکنا۔

تقدیر کی اہمیت

امام دارقطنی کتاب الحلال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ستر نبیوں کی زبان مبارک سے قدریوں پر لعنت کی گئی ہے۔ (دالرح رہے کہ اس موقوف حدیث کے مقابلہ میں حضرت بریدہ کی مرفوع حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش انبیاء و رسل میں سے ہر نبی اور ہر رسول نے قدریوں پر لعنت کی ہے: واللہ اعلم بالصواب)

امام طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: تقدیر توحید کا حسن اور زیب و زینت ہے سو جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا اور تقدیر پر ایمان لایا تو اس نے بلاشبہ مضبوطی کو تمام لیا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۶۵ مطبوعہ بیروت]

۲۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَدْرِيَّةُ مَجْرُومٌ هَذِهِ الْأُمَّةُ وَهُمْ شِيعَةُ الدُّجَالِ. (ابوداؤد: ۴۶۹۱)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قدریہ اس امت کے مجرم ہیں اور وہ دجال کا گروہ ہے۔

قدریہ اس امت کے دجال ہیں

قدریہ کو اس امت کے مجرم کہنے کی وجہ انیسویں حدیث مبارکہ کی تشریح میں بیان کر دی گئی ہے اور ان کو دجال کا گروہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مکرین تقدیر کفر میں دجال کے مشابہ ہیں اور فسق و فجور میں اسی کے پیروکار ہیں (کیونکہ جس طرح دجال قرب قیامت میں ظاہر ہو کر حق کو چھپائے گا اور باطل کا پرچار کرے گا اسی طرح قدریہ عقیدہ حد تقدیر کا انکار کر کے چھپاتے ہیں اور اپنی طرف سے انسان کو خالق افعال کہہ کر باطل کا پرچار کرتے ہیں)۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۹۵ مطبوعہ بیروت]

۱۷۔ بَابُ الشَّفَاعَةِ لِأَهْلِ الْإِيمَانِ شفاعت صرف اہل ایمان کے لیے ہوگی

۲۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ سَهْمٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ يُخْرِجُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَزِيدُ فَقُلْتُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا (المائدہ: ۳۷) قَالَ جَابِرٌ إِنْ أَمَّا قَبْلَهَا إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا (المائدہ: ۳۶) إِنَّمَا هِيَ لِي الْكُفَّارِ وَلِي رِوَايَةٌ يُخْرِجُ قَوْمٌ مِنَ أَهْلِ الْإِيمَانِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَزِيدُ قُلْتُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا لَقَدْ لَبَّاهُ جَابِرٌ إِنْ أَمَّا قَبْلَهَا إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ذَلِكَ الْكُفَّارُ وَلِي رِوَايَةٌ عَنْ يَزِيدٍ قَالَ سَأَلْتُ جَابِرًا عَنْ الشَّفَاعَةِ فَقَالَ يُعَذِّبُ اللَّهُ تَعَالَى قَوْمًا مِنَ أَهْلِ الْإِيمَانِ بِذُنُوبِهِمْ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَاتِنَ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَلَذَكَرَ الْحَدِيثَ إِلَى آخِرِهِ۔ (سم ۴۷۱، ۴۷۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (حضرت) محمد ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے مسلمانوں کو دوزخ کی آگ سے نجات عطا فرمائے گا (حدیث کے راوی) حضرت یزید نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا“ اور وہ دوزخ کی آگ سے نکلنے والے نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ تم اس سے پہلے (والی آیت مبارکہ) ”إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا“ (المائدہ: ۳۶) پڑھو کیونکہ یہ تو صرف کفار کے بارے میں (فرمایا گیا) ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو (حضرت) محمد ﷺ کی شفاعت کے صدقہ میں دوزخ سے نکالا جائے گا۔ حضرت یزید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا: بے شک اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: ”وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا“ (المائدہ: ۳۷) اور وہ دوزخ کی آگ سے نکلنے والے نہیں۔ سو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس سے پہلے والی آیت مبارکہ ”ان الذين كفروا“ پڑھو۔ وہ تو کفار ہیں (جن کو دوزخ سے نہیں نکالا جائے گا) اور ایک روایت میں حضرت یزید سے اس طرح مروی ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے شفاعت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے (جواب دیتے ہوئے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ الی ایمان کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا پھر اللہ تعالیٰ (حضرت) محمد ﷺ کی شفاعت کے سبب ان کو عذاب سے نکال کر نجات عطا فرمائے گا پس میں نے عرض کیا کہ اللہ عزوجل کے ارشاد کا کیا مطلب۔ پھر آخر تک حدیث ذکر کی۔

حل لغات

”يُخْرِجُ“ صیغہ واحد مکرغائب فعل مضارع معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: نکالنا۔ ”شَفَاعَةٌ“ یہ جار مجرور متعلق ہے اس کا معنی ہے: سفارش کرنا۔ ”اقُوا“ یہ صیغہ واحد مکر حاضر فعل امر معروف حاضر باب فَعَّجَ يَفْعُجُ سے ہے اس کا معنی ہے: پڑھنا۔ ”يُعَذِّبُ“ صیغہ واحد مکرغائب فعل مضارع معروف باب تفعیل ہے اس کا معنی ہے: عذاب دینا سزا دینا۔ تکیف پہنچانا۔

شفاعت کی اہمیت

مسئلہ تقدیر کی طرح مسئلہ شفاعت بھی ایک اہم ترین اور اختلافی مسئلہ ہے جس میں اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ کی رائے مختلف ہے۔ اہل سنت و جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے قیامت کے روز اپنے محبوب و برگزیدہ اور مقرب و

مقبول بندوں کی عزت اور وجاہت دکھانے اور ان کی شان و عظمت ظاہر کرنے کے لیے انہیں شفاعت کا اعزاز عطا فرمائے گا اور انہیں اذن و اجازت عنایت فرمائے گا کہ وہ اس کے گنہگار مسلمان بندوں کی شفاعت کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کو شفاعت کبریٰ کا اعزاز عطا فرمائے گا اور آپ تمام انسانوں کی سفارش کر کے حساب و کتاب شروع کروائیں گے پھر آپ گنہگار مسلمانوں کی شفاعت کر کے ان کو جنت میں داخل کرائیں گے پھر دیگر انبیائے کرام علیہم السلام صحابہ کرام اولیائے عظام علمائے دین شہدائے اسلام حفاظ قرآن اور مسلمانوں کے نابالغ فوت ہو جانے والے بچے نیز قرآن مجید اور ماہ رمضان کے روزے شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے سب کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

معتزلہ کا نظریہ بیان کرنے سے پہلے ان کا مختصر تعارف بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ یہ کون لوگ ہیں۔

معتزلہ کا تعارف

بنو امیہ کے آخری زمانہ میں متکلمین میں سے فلاسفہ کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس نے مردہ روح سے ہٹ کر دینی عقائد کو عقل کی میزان میں تولیہ شروع کیا اور چند ایسے عقائد وضع کیے جو علمائے دین کے مسلمہ عقائد کے متضاد تھے لہذا متکلمین و دیگر علمائے دین اور عام مسلمانوں میں ان کے متعلق مخالفت قائم ہو گئی اور اس مسئلہ پر بحث کردہ کو معتزلہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جبکہ وہ خود اپنے آپ کو اہل العدل والوحد کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس فرقہ کی ابتداء سن دو ہجری کے اوائل یعنی ۱۱۰ھ میں ہوئی اس کا بانی واصل بن عطاء جو مشہور صوفی تابعی اور بزرگ عالم دین حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد تھا۔ ایک روز درس کے دوران بصرہ کی جامع مسجد میں کبیرہ و صغیرہ گناہوں کے ارتکاب اور کفر و ایمان کے تعین کے موضوع پر بحث چل نکلی۔ واصل بن عطاء نے اپنے استاذ سے اختلاف کیا اور کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مسلمان ہے اور نہ کافر ہے چنانچہ وہ اپنے چند ہم خیال طالب علموں کو ساتھ لے کر مسجد کے دوسرے کونے میں جا بیٹھا اور درس دینے لگا اس پر حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قُلْنَا زَاغُوا فَتًا" بے شک وہ (واصل بن عطاء) ہم سے جدا اور الگ ہو گیا۔ چونکہ "زَاغُوا" سے بنا ہے جس کا معنی ہے جدا ہونا الگ ہونا اور علیحدہ ہو جانا سو اس لیے اس فرقہ کو معتزلہ کہا جانے لگا۔ [المعبر اس مع ما شیء ص ۲۷-۲۸ مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ۱۱۱۱ھ] چنت گزہ انہیں شہدائے شفاعت کے بارے میں معتزلہ کا نظریہ یہ ہے کہ صغیر گناہوں کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لیے شفاعت ہوگی لیکن کبیرہ گناہوں کی شفاعت نہیں ہوگی۔ گویا معتزلہ صرف کبیرہ گناہوں کی شفاعت کے منکر ہیں۔

[شرح مسلم ج ۲ ص ۳۹ مطبوعہ لریہ یک سال لاہور]

معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات

معتزلہ کی ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ شفاعت خلاف عدل ہے کیونکہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ برائی پر سزا اور نیکی پر جزا واجب ہو۔ اس لیے ان کے نزدیک اعمال حسنہ پر جزائے خیر اور اعمال سیئہ پر سزائے بد واجب ہے لہذا مجرم کو جرم پر سزا دینے بغیر محض شفاعت سے بخش دینا عدل و انصاف کی خلاف ورزی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شفاعت خلاف عدل نہیں بلکہ موافق فضل و کرم ہے کیونکہ خیر و بھلائی میں وعدہ خلافی کرنا بے شک عیب و برائی ہے لیکن کسی مجرم کے جرم و سزا کو معاف کر دینا وعدہ خلافی نہیں بلکہ محض فضل و کرم ہے کہ صاحب حق اپنے حق سے دست بردار ہو جاتا ہے جیسے کوئی قرض خواہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور اپنے مقروض کو معاف کر دے تو اس میں کوئی عیب نہیں بلکہ خوبی ہے چنانچہ قیامت کے روز صاحب حق بندے کا حق اس وقت تک ساقط نہیں ہوگا جب تک وہ صاحب حق بندہ اپنا حق معاف نہیں کرے گا۔

معتزلہ کی دوسری دلیل دو قسم کی آیات ہیں ان میں پہلی قسم ان آیات مبارکہ کی ہے جن میں مکافات عمل کا قانون بیان کیا گیا ہے اور دوسری قسم ان آیات مبارکہ کی ہے جن میں شفاعت کی نفی کی گئی ہے چنانچہ ان دونوں قسم کی چند آیات مبارکہ پیش کر کے ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

جو شخص برائی کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا دوست نہیں پائے گا اور نہ کوئی مددگار ○
جس شخص نے برا عمل کیا تو اس کو اسی کی مثل بدلہ دیا جائے گا۔

مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا يُصِيرُ ○ [النساء: ۱۲۳]
مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا بِمَا عَمِلَ ○ [المؤمن: ۴۰]

جس شخص نے برائی کی تو اس کا دہال اسی پر ہوگا۔

اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی (کی سزا) ہے۔

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی جان کا کچھ بدلہ نہ دے سکے گی اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی۔
نہ اس دن میں خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی اور نہ شفاعت۔

مَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ○ [حم: ۲۶]
وَجَزَوْا سَيِّئَةً سَيِّئَةً ○ [الشوری: ۴۰]
وَالْقَوْمَ يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا ○ [البقرہ: ۲۸]
لَا يَنْفَعُ فِيهِ وَلَا جُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ○ [البقرہ: ۲۵۴]

خالصوں کے لیے نہ کوئی دوست نہ ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرے والا جس کی بات مان لی جائے ○

سوال کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کوئی طبع نہیں دے گی ○
کوئی شفاعت کرنے والا نہیں مگر اس (اللہ تعالیٰ) کی اجازت کے بعد۔

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَاجَةٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ○ [المومن: ۱۸]
لَمَّا تَقَعَتْهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ○ [الزمر: ۳۸]
مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ○ [النس: ۳]

(۱) ان کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ آیات مبارکہ کفار کے بارے میں ہیں جبکہ شفاعت کا مسئلہ گنہگار مسلمانوں کی مغفرت کے لیے یا

نیکوں کے درجات کی بلندی کے لیے ہے۔ [تسمیع النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۵ حاشیہ ۹ مکتبہ محمدیہ لاہور]

(۲) مذکورہ بالا آیات شفاعت میں مطلق شفاعت کی نفی کی گئی ہے اور یہ عموم نفی خود معتزلہ کے لیے معذور نقصان دہ (اور ان کے خلاف) ہے کیونکہ مضامین (یعنی چھوٹے گناہوں) کی مغفرت اور دفع درجات کے لیے وہ بھی شفاعت مانتے ہیں۔

(۳) یہاں (ماسوا آخری آیت کے) اس شفاعت کی نفی ہے جو اذن الہی کے بغیر ہو (جبکہ اہل سنت اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت کے قائل ہیں)۔ [ماخوذ از شرح مسلم ج ۱ ص ۳۰ مطبوعہ لریڈ بک شال اردو بازار لاہور]

(۴) مذکورہ بالا آیات میں سے آخری آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ شفاعت اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت کے بعد ہوگی لہذا جن آیات مبارکہ میں مطلق شفاعت کی نفی کی گئی ہے اس سے بغیر اذن الہی شفاعت کی نفی مراد ہے۔

نوٹ: شفاعت ہاذا اللہ کا ثبوت قرآن و سنت کی روشنی میں آئندہ حدیث مبارکہ کی تشریح میں بیان کیا جائے گا۔

ان شاء اللہ العزیز!

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

۲۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ

نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مسعودین کی ایک جماعت کو دوزخ کی آگ سے نکالے گا جن کی کھال اور گوشت جل چکا ہوگا ان کی ہڈیاں نمودار ہو چکی ہوں گی اور وہ کونکہ کی طرح کالے سیاہ ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرمادے گا چونکہ جنتی انہیں جہنمیوں کے نام سے پکاریں گے تو اس لیے وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے یہ علامت دور فرمادے گا۔

الْأَسْوَدُ عَنْ رَبِّهِ نَبِيٍّ حَزَّازٍ عَنْ حُلَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُنْفِخُ اللَّهُ تَعَالَى قُوتًا مِّنَ الْمُؤَبَّدِينَ مِنَ النَّارِ نَفْثًا مَا انْفُحُوا وَصَارُوا لَحْمًا فَيُذِيبُهُمُ اللَّهُ تَعَالَى الْجَنَّةَ لِيَسْقُوهُمْ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مِمَّا تَسْقُوهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَهَنَّمِيِّينَ فَيُذِيبُ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ ذَلِكَ.

بخاری (۶۵۶۶-۷۴۳۹) مسلم (۴۵۷) ابوداؤد (۴۷۴۰) ترمذی (۲۵۹۷) نسائی (۱۱۴۱) ابن ماجہ (۴۳۰۹)

حل لغات

”انْفُحُوا“ میضجع مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب التعلیل سے ہے اس کا معنی ہے: کھال کو آگ میں جلاتا آگ کا جلاتا کھال کو گوشت سے پھیل دیتا۔ ”صَارُوا“ میضجع مذکر غائب ماضی معروف باب ضروب ہے اس کا معنی ہے: ہو جانا ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانا واپس ہو جانا۔ ”لَحْمًا“ کا معنی ہے: سخت سیاہ کونکہ۔ ”يَسْقُوهُمْ“ میضجع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب استفعال ہے اس کا معنی ہے: فریاد کرنا مدد مانگنا امداد کی درخواست کرنا۔ ”تَسْقُوهُمْ“ میضجع واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف ہے آخر میں ”هُمْ“ ضمیر جمع مذکر غائب مفعول بہ ہے اس کا معنی ہے: نام رکھنا مصدر مجرد ناقص واوی کی صورت میں یہ معنی بلند ہونا اونچا ہونا اور مثال واوی کی صورت میں علامت و نشانی معنی ہے۔

گنہگار مسلم دوزخیوں کو جنت میں داخلہ کی اجازت

ملاحظہ قاری کیجئے ہیں کہ حافظ ابوالفہم نے ایک حدیث روایت کی ہے جس کو علامہ قرطبی نے طویل حدیث میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جبریل ام (حضرت) محمد ﷺ کی امت میں سے لوگوں کو دوزخ کی آگ سے نکالنا چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام ان کو دوزخ میں سے نکالیں گے جبکہ وہ لوگ جل کر کونکہ بن ہو چکے ہوں گے پھر حضرت جبریل ان کو جنت کے دروازے کے پاس آپ حیات کی نہر میں ڈال دیں گے اور وہ اس میں کچھ عرصہ رہیں گے یہاں تک کہ وہ پہلے سے زیادہ تروتازہ اور روشن ہو جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دے گا (اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے) جبکہ ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوگا کہ (حضرت) محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں سے ان جہنمیوں کو رحمن نے آزاد کر دیا ہے چنانچہ جنتی انہیں اس علامت سے پہچان لیں گے کہ یہ جہنمی ہیں اور وہ جہنمیوں کے نام سے انہیں پکاریں گے جس پر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ و زاری کرتے ہوئے فریاد کریں گے کہ ان کی پیشانیوں سے یہ نام مٹا دیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ اس علامت کو ان سے مٹا دے گا۔

[شرح مصنفہ امام اعظم ص ۶۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

اس حدیث مبارکہ میں اگرچہ شفاعت کا ذکر نہیں ہے لیکن یہاں اس موضوع پر مذکورہ احادیث مبارکہ دلیل ہیں کہ ان لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی شفاعت کی برکت سے دوزخ کی آگ سے نکال کر جنت میں داخل فرمائے گا۔

امام اعظم کی براءت

پھر شفاعت کی یہ احادیث مبارکہ جن کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ امام اعظم کا دامن معتزلہ اور مرجیہ کے مذہب سے بری اور پاک تھا جیسا کہ حاسدین نے آپ کو معتزلہ اور مرجیہ کی طرف منسوب کیا حالانکہ ان

احادیث مبارکہ کے ذریعہ امام صاحب نے ان دونوں مذاہب کی بیخ کنی کر دی ہے کیونکہ گنہگاروں کا دوزخ میں جانا مر جہ کے مذہب کی بیخ کنی ہے کہ وہ کہتے ہیں ایمان کے ہوتے ہوئے اعمال بد کوئی نقصان نہیں دیتے اور شفاعت کے ذریعہ انہیں دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنا معتزلہ کے مذہب کی بیخ کنی ہے کہ وہ کہتے ہیں کبیرہ گناہوں کا موجب ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے۔

قرآن مجید سے شفاعت کا ثبوت

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ط
وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس (کسی کی) شفاعت کرے مگر اس کے اذن اور اجازت سے۔ [البقرہ: ۲۵۵]

اس آیت مبارکہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بندے رب تعالیٰ کے پاس شفاعت فرمائیں گے دوسرا یہ کہ ان کی شفاعت دھونس کی نہ ہوگی بلکہ اذن و اجازت سے ہوگی لہذا جو لوگ شفاعت کے انکاری ہیں وہ بے ایمان ہیں اور جو لوگ مشرکین عرب کی طرح دھونس کی شفاعت کے قائل ہیں وہ بھی بے دین ہیں۔ خیال رہے کہ شفاعت کرنے والے حسب ذیل حضرات ہیں: انبیاء، علماء، شہداء، مشائخ، ہر اسوۂ قرآن مجید، خانہ کعبہ، ماہ رمضان، مسلمانوں کے باپ، بچے۔ نیز شفاعت تین طرح کی ہوگی: (۱) میدان محشر سے نہایت کے لیے (۲) گناہوں کی معافی کے لیے (۳) درجات کی بلندی کے لیے۔ پہلی شفاعت سے (بائع) کفار بھی فائدہ اٹھائیں گے دوسری سے گنہگار مسلمان تیسری سے نیکوکار۔ [تفسیر نور العرفان ص ۶۶، حاشیہ ۵ مطبوعہ مکتبہ نبوی لاہور]

مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ط (پس: ۳)
کوئی شفاعت کرنے والا نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد۔

اس آیت مبارکہ میں بت پرستوں کے اس قول کا رد ہے کہ بت ان کی شفاعت کریں گے انہیں بتایا گیا ہے کہ شفاعت مازونین (اجازت یافتہ) کے سوا کوئی نہیں کرے گا اور مازون صرف اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے ہوں گے۔

[تفسیر فرائض العرفان ص ۷۳، حاشیہ ۵ مطبوعہ مکتبہ انوار القرآن لاہور]

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ هَبْطًا ط (مریم: ۸)
لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنہوں نے رحمن کے پاس عہد لے رکھا ہے

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: یعنی بندے شفاعت کے مالک نہیں ہیں ماسوائے ان حضرات کے جن کو اللہ عزوجل شفاعت کی اجازت دے گا اور انہیں شفاعت کرنے کا حکم دے گا وہ اس کے مالک ہوں گے۔ پھر علامہ آلوسی نے اس کے بعد شفاعت کی حدیث بیان کی ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کا ایک آدمی لوگوں کی ایک جماعت کی شفاعت کرے گا چنانچہ وہ لوگ اس کی شفاعت کی برکت سے جنت میں داخل ہوں گے اور دوسرا آدمی ایک خاندان کی شفاعت کرے گا سو وہ بھی اس کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔

[تفسیر روح المعانی ج ۱۶ ص ۳۸، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور]

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ط (الاحقاف: ۱۰۹)
اس دن کسی کی شفاعت نفع نہ دے گی مگر اسی کی جس کو رحمن نے اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی

علامہ ابن کثیر اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:
قیامت کے دن کسی کی مجال نہ ہوگی کہ دوسرے کے لیے شفاعت کرے ہاں جسے اللہ تعالیٰ اجازت دے۔ نہ آسمان کے فرشتے بغیر اجازت کسی کی سفارش کر سکیں گے اور نہ کوئی بزرگ بندہ بغیر اجازت کسی کی سفارش نہ ہوگی تمام فرشتے اور روح الامین صف بستہ

کھڑے ہوں گے۔ ہے اجازت خداوندی کوئی لب نہ کھول سکے گا خود سید الناس اکرم الناس رسول اللہ ﷺ بھی عرشِ ستی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی خوب حمد و ثنا کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد (ﷺ) اپنا سراٹھاؤ، کہو تمہاری بات سنی جائے گی۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی پھر حد مقرر ہوگی اور آپ ان کی شفاعت کر کے جنت میں لے جائیں گے پھر لوٹیں گے پھر یہی ہوگا چار مرتبہ یہی ہوگا۔ [تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۸۸، نور محمد کارخانہ چھاپت کتب کراچی]

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۖ
اور اس کے پاس شفاعت نفع نہیں دے گی ماسوا اس کے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت دے گا۔ (سہ: ۲۳)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی جی مظہری لکھتے ہیں:

اس آیت مبارکہ میں کفار کے قول کی تردید کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ فرشتے اور بت کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کسی کی شفاعت کسی کو نفع نہیں دے گی ماسوا ان لوگوں کے جن کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دے گا جبکہ بت شفاعت کی اجازت کے ال ہی نہیں ہیں اور کفار اپنے کفر کی وجہ سے شفاعت کے مستحق نہیں اور انبیائے کرام اور فرشتوں کو صرف مومنوں کی شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ [تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۵، مطبوعہ دار المصنفین دہلی]

احادیث مبارکہ سے شفاعت کا ثبوت

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میری شفاعت سے لوگوں میں سے سب سے زیادہ کامیاب وہ شخص ہوگا جس نے غلوں دل یا غلوں نفس سے کہا: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“۔

[صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷، مطبوعہ دار المطابع کراچی]

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شَفَاعَتِي لَا تَهْلِي الْكَافِرَ مِنْ أُمَّتِي“ میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے (بھی) ہوگی۔

[جامع ترمذی ج ۲ باب ما ہادی التخلیو رقم الحدیث: ۳۲۷، مطبوعہ دار یک سال لاہور]

(۳) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں دوزخ میں سے سب سے آخری نکلنے والے دوزخی کو خوب جانتا ہوں اور جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والے کو (بھی میں خوب جانتا ہوں) ایک آدمی دوزخ کی آگ میں سے کھٹکتا ہوا نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: جا اور جنت میں داخل ہو جا سو جب وہ وہاں جائے گا تو اسے خیال آئے گا کہ جنت بھری ہوئی ہے چنانچہ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے جنت کو جنتیوں سے بھرا ہوا پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جا چلا جا جنت میں داخل ہو جا کیونکہ تیری ملکیت میں دنیا کے برابر اور اس سے دس گنا زیادہ جنت عطا کر دی گئی ہے تو وہ آدمی (حیران ہو کر) عرض کرے گا: کیا تو میرا مذاق اڑا رہا ہے یا مجھ پر ہنسی فرما رہا ہے حالانکہ تو بادشاہ ہے چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ خوب ہنسے یہاں تک کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہو گئیں اور کہا جاتا تھا کہ یہ جنت والوں میں ادنیٰ درجہ کا ہوگا۔ متفق علیہ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۲، مطبوعہ دار المطابع دہلی]

(۴) حضرت عبداللہ بن ابی الجعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک آدمی کی شفاعت سے قبیلہ بنی تمیم سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس حدیث کو امام ترمذی، امام دارمی اور امام ابن ماجہ نے

روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۳، مطبوعہ مجمع الطالعیہ دہلی]

(۵) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میری امت میں سے بعض ایک جماعت کی شفاعت کریں گے اور ان میں سے بعض ایک قبیلہ کی شفاعت کریں گے اور ان میں سے بعض ایک کنبہ کی شفاعت کریں گے اور ان میں سے بعض صرف ایک آدمی کی شفاعت کرے گا یہاں تک کہ وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۳، مطبوعہ مجمع الطالعیہ دہلی]

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دوزخیوں کی صف بندی کی جائے گی تو اہل جنت میں سے ایک جنتی آدمی ان کے قریب سے گزرے گا تو ان میں سے ایک دوزخی آدمی عرض کرے گا کہ اے فلاں صاحب! کیا تم مجھے نہیں پہچانتے ہو میں وہی شخص ہوں جس نے تجھے (دنیا میں ایک دفعہ) پانی پلایا تھا اور ایک اور آدمی عرض کرے گا: میرا وہ شخص ہوں جس نے تجھے وضو کا پانی دیا تھا سو وہ جنتی آدمی ان کی شفاعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ اس کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۳، مطبوعہ مجمع الطالعیہ دہلی]

(۷) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "يُشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةُ الْأَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ" قیامت کے دن تین جماعتیں شفاعت کریں گی (۱) انبیائے کرام علیہم السلام (۲) علمائے دین (۳) شہدائے اسلام۔ اس کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۵، مطبوعہ مجمع الطالعیہ دہلی]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد باری تعالیٰ: "خَسِيَ أَنْ يَحْتَفَلَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا" (مترجم: آپ کا پروردگار آپ کو ایسے مقام پر کھڑا کرے گا جہاں سب آپ کی تعریف کریں گے) کے بارے میں فرمایا: مقام محمود سے مراد شفاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا پھر اللہ تعالیٰ (حضرت) محمد ﷺ کی شفاعت کے وسیلہ سے (انہیں عذاب دوزخ سے) نکالے گا اور انہیں ایک مہر پر لایا جائے گا جسے حیوان کہا جاتا ہے جس میں وہ غسل کریں گے پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے تو جنت میں ان کا نام جہنمی رکھا جائے گا پھر وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے تو اللہ تعالیٰ یہ نام ان سے دور کر دے گا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ دوزخ میں عذاب پانے والے اہل ایمان اور اہل قبلہ کی ایک جماعت کو (حضرت) محمد ﷺ کی شفاعت کی برکت سے دوزخ سے نکالے گا اور یہی مقام محمود ہے۔ بعد ازاں ان کو ایک مہر پر لایا جائے گا جسے حیوان کہا جاتا ہے اور اس میں ڈال دیا جائے گا تو وہ لوگ اس میں گھڑیوں کی طرح آگ آئیں گے پھر انہیں اس سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں

۲۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَظِيْمَةَ عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى خَسِيَ أَنْ يَحْتَفَلَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا (الاسرار: ۷۷) قَالَ إِنَّ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ الشَّفَاعَةُ يَقْدِبُ اللَّهُ تَعَالَى لَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ بِدُئُوبِهِمْ ثُمَّ يُخْرِجُ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُؤْتِي بِهِمْ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ فَيَقْبَلُونَ فِيهِ ثُمَّ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فَيَسْمُونَ فِي الْجَنَّةِ الْجَهَنْمِيِّينَ ثُمَّ يُظَلُّونَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فَيَذْهَبُ عَنْهُمْ ذَلِكَ الْأَسْمُ. وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ يُخْرِجُ اللَّهُ تَعَالَى لَوْمًا مِنْ أَهْلِ النَّارِ مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ وَالْقَبْلَةِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَلِكَ هُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ فَيُؤْتِي بِهِمْ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ فَيَلْقَوْنَ فِيهِ فَيَنْبَتُونَ بِهِ كَمَا يَنْبَتُ الشَّعَارِيرُ ثُمَّ يُخْرِجُونَ مِنْهُ وَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فَيَسْمُونَ فِيهَا الْجَهَنْمِيِّينَ ثُمَّ يُظَلُّونَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يَذْهَبَ عَنْهُمْ ذَلِكَ الْأَسْمُ فَيَذْهَبُ عَنْهُمْ. وَزَادَ فِي أُخْرَى

وَعَفَاءُ اللَّهِ تَعَالَى. وَزَوَى أَبُو حَنِيفَةَ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي رُوَيْثَةَ شَدَادِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ. (ماہ ۲۴)

داخل کر دیا جائے گا سو اس میں ان کا نام چھنی پڑ جائے گا پھر وہ اللہ تعالیٰ سے التجا کریں گے کہ ان کا یہ نام مٹا دیا جائے تو ان کا یہ نام مٹا دیا جائے گا اور اس روایت کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ انہیں ”عَفَاءُ اللَّهِ“ (اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ بندے) کہا جائے گا اور اس حدیث مبارکہ کو امام ابو حنیفہ نے ابو ربیعہ شداد بن عبد الرحمن سے بھی روایت کیا ہے۔ انہوں نے اسے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حل لغات

”یُونُی“ میخہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب ضَرَبَ يَضْرِبُ ہے۔ اصل میں یہ فعل لازم ہے لیکن اس کے آخر میں ”یہم“ آ جانے کی وجہ سے حرف ہا چارہ کے سبب متعدی کر لیا گیا ہے۔ اصل میں اس کا معنی آنا ہے لیکن متعدی ہو جانے کی وجہ سے اب یہاں بہ معنی لایا جاتا ہے۔ ”الْحَيَوَانُ“ یہ جنت کی نہروں میں ایک نہر کا نام ہے جس میں غسل کے بعد دوزخی از سر نو تندرست و صحیح سلامت ہو جائیں گے تمام سیاحی صاف ہو جائے گی۔ ”الشَّعَارِبُ“ جلد پروان چڑھنے والی چھوٹی کڑیاں ”عَفَاءُ اللَّهِ“ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ لوگ۔

شفاعت کی اقسام

اس حدیث مبارکہ میں ”تَهْوُ الْحَيَوَانُ“ کا ذکر ہے جبکہ بعض احادیث میں ”تَهْوُ الْعَبَاةُ“ مذکور ہے۔ نیز جس طرح شفاعت کے ثبوت میں مروی احادیث مبارکہ معنایں متواتر ہیں اسی طرح مقام محمود سے شفاعت مراد لینے کے لیے اس کثرت سے احادیث مبارکہ مروی ہیں کہ وہ حد تو اتار کو پہنچ چکی ہیں۔ ان احادیث مبارکہ کے مطالعہ کے لیے اسی آیت کے تحت تفسیر مظہری اور تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے ”الکنز المذہبون“ میں فرمایا کہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت مبارکہ آٹھ اقسام پر مشتمل ہے:

(۱) شفاعت عظمیٰ جو صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ میدان محشر میں جب سورج سوائیزے کے قاصد پر ہوگا اور تمام لوگ پسینہ میں کانوں تک غرق ہوں گے تو اس مصیبت سے نجات پانے اور جلد از جلد حساب و کتاب شروع کرانے کی خاطر تمام لوگ شفاعت حاصل کرنے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک مختلف انبیائے کرام رضی اللہ عنہم کے پاس جائیں گے مگر کوئی پیغمبر تیار نہیں ہوگا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے فرمائیں گے کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ چنانچہ تمام لوگ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں گے اور آپ سب کی شفاعت فرمائیں گے۔

(۲) آپ اپنی امت کا جلد حساب کرانے کے لیے شفاعت فرمائیں گے چنانچہ ابن ابی الدنیا نے ایک طویل مرفوع حدیث مبارکہ روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار! میری امت کا جلدی حساب لے لے تو انہیں بلایا جائے گا اور سب سے پہلے ان کا حساب لیا جائے گا۔

(۳) آپ کی امت کی ایک جماعت کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم مل چکا ہوگا تو آپ ان کو دوزخ میں جانے سے نجات دلانے کے لیے

شفاعت فرمائیں گے چنانچہ ایک طویل مرفوع حدیث مبارکہ میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک جماعت کو جب جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا تو وہ لوگ مجھے پکاریں گے کہ اے محمد (ﷺ)! ہم آپ کو قسم دیتے ہیں کہ آپ ہماری شفاعت فرمائیں سو میں فرشتوں کو حکم دوں گا کہ وہ ان کے ساتھ ٹھہر جائیں پھر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اذن شفاعت کی درخواست کروں گا اور مجھے شفاعت کی اجازت عطا کی جائے گی تو میں سجدہ میں گر جاؤں گا اور میں اللہ تعالیٰ کی خوب حمد و ثنا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آپ اپنا سراٹھالیں جو مانگیں گے عطا کیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ تین دفعہ ایسا کریں گے۔

(۴) آپ اپنے مشفق چچا ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کرانے کے لیے شفاعت کریں گے۔

(۵) آپ اپنی امت کے بہت سے لوگوں کے لیے بغیر حساب جنت میں داخل کرانے کی شفاعت کریں گے۔ اس کو قاضی میاض نے بغیر کسی شاہد و دلیل کے ذکر کیا ہے مگر اس پر وہ حدیث مبارکہ شاہد عادل ہے جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میرے رب تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار افراد کو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا جبکہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے اور میرے رب تعالیٰ کی منگیوں (جیسا اس کے شایان شان ہے) میں سے تین منگیوں مزید ہوں گی۔ [جامع ترمذی ج ۲ ص ۳۲۲ باب ما جاء فی الشفاعۃ رقم الحدیث: ۳۲۹۰ ترمذی یک ضال لا ہو] اس پر حضرت عکاشہ نے عرض کیا: آپ مجھے بھی ان میں شامل کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم بھی ان میں سے ہو (پھر ایک انصاری نے یہی عرض کیا تو آپ نے فرمایا: عکاشہ تم سے سبقت لے گئے)۔

(۶) آپ ان تمام لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے جن کو جنت میں لے جانے کا آپ کو حکم ملے گا (یعنی کفار کے علاوہ تمام گناہگار مسلمانوں کی شفاعت فرمائیں گے)۔

(۷) آپ جنتی صحرات کے درجات کو بلند کرانے کی شفاعت فرمائیں گے تاکہ ان کے اعمال صالحہ سے زیادہ ان کے مراتب بلند کیے جائیں اور محض اس شفاعت کے قائل ہیں۔

(۸) آپ تمام اہل کھار (یعنی کبیرہ گناہوں کے مرتکب دوزخی مسلمانوں) کی شفاعت فرمائیں گے۔

[تسبیح النعمانی شرح مسند الامام ص ۷۱ حاشیہ: مکتبہ حجاب لاہور]

مقام محمود سے شفاعت مراد ہے

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے روز تمام لوگ بیچ ہو جائیں گے اور ہر امت اپنے نبی کو تلاش کرے گی وہ کہیں گے: اے فلاں! تو ہماری شفاعت کر۔ اے فلاں! تو ہماری شفاعت کر یہاں تک کہ شفاعت کی انتہاء نبی کریم ﷺ پر ہوگی پس یہ وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا۔ [صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۸۶ مطبوعہ مطبع المطابع کراچی]

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ:

”عَسَىٰ اَنْ يَّشْفَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا“ (الاسراء: ۷۹) میں مقام محمود کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا

تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد شفاعت ہے۔ [جامع ترمذی ج ۲ ص ۳۲۳ مطبوعہ مطبعہ یک ضال لاہور]

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

آپ کے پروردگار کا آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرنا مقام شفاعت ہے۔ محمود اس لیے ہے کہ اس جگہ اولین و آخرین (اگلے و پچھلے

سب آپ کی حمد و ثناء اور تعریف کریں گے۔ [تفسیر ابن مہاسن ص ۱۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروتی کتب خانہ لبنان]

(۴) علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:

مقام محمود سے مراد مقام شفاعت عظمیٰ ہے جہاں تمام اہل عرش کا فیصلہ ہوگا اس دن تمام لوگ آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے پھر بخاری وغیرہ کے حوالے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بیان کی جس کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روز آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا جہاں تمام اہل جمع آپ کی حمد و ثناء اور تعریف و توصیف بیان کریں گے۔

[تفسیر روح المعانی ج ۱۵، ص ۱۳۰، مکتبہ رشیدیہ لاہور]

(۵) علامہ امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

مقام محمود میں اولین و آخرین سب آپ کی حمد و ثناء اور تعریف و توصیف بیان کریں گے اور یہی مقام شفاعت ہے۔

[تفسیر جلالین مع تفسیر صادی بر حاشیہ ج ۲، ص ۳۳۶، مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ الہابی الکلی بمصر، ۱۹۳۱ء]

(۶) امام محمد غزالی بن رازی لکھتے ہیں:

تمام مفسرین کا اس پر اجماع (یعنی اتفاق) ہے کہ مقام محمود سے مراد شفاعت ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کے متعلق فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

[تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۹۷۸ء]

(۷) علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

یہ ہے مقام محمود جس کا ذکر اللہ عز و جل نے اس آیت میں کیا ہے 'میں یہ مقام' مقام شفاعت ہے۔ حضرت ثناء رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قیامت کے دن سب سے پہلے زمین (قبر مبارک) سے باہر آپ تعریف لائیں گے اور سب سے پہلے شفاعت آپ ہی کریں گے۔ [تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۶۱، ۱۵، مکتبہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی]

(۸) علامہ ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود سیوطی لکھتے ہیں:

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کے روز مقام محمود پر فائز فرمائے گا اور "يُتَعَفَّكَ" کا معنی "يُجِيبُكَ" ہے اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک یہی مقام شفاعت ہے۔ [تفسیر مدارک المتوکلین ج ۳، ص ۱۸۶، حاشیہ بخاری، مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ بمصر]

(۹) علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں:

مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے کیونکہ اس میں تمام اولین و آخرین آپ کی حمد و ثناء اور تعریف و توصیف کریں گے۔

[تفسیر لباب التاویل المعروف تفسیر خازن ج ۳، ص ۱۸۶، مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ بمصر]

(۱۰) علامہ محی الدین ابو محمد الحسین بن مسعود بنغوی لکھتے ہیں:

مقام محمود سے مقام شفاعت مراد ہے یہ آپ کی امت کے لیے ہے کیونکہ اس میں سب اولین و آخرین آپ کی تعریف و توصیف بیان کریں گے۔ [تفسیر معالم المتوکلین المعروف تفسیر ابنغوی ج ۳، ص ۱۳۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، لبنان]

(۱۱) علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

اور صحیح یہ ہے کہ مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل، امام ابن ابی حاتم اور امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کے بارے میں فرمایا کہ مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے

جس میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا۔ [تفسیر مظہری ج ۵ ص ۷۱، ۷۲ مطبوعہ مدوۃ المتصفین، دہلی]

(۱۲) حضرت صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں: اور مقام محمود مقام شفاعت ہے کہ اس میں اولین و آخرین حضور کی حمد کریں گے اسی پر جمہور ہیں۔ [تفسیر خزائن العرفان ص ۵۲۲ حاشیہ ۱۷۳، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی]

(۱۳) حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

یہی وہ مقام ہے جہاں تشریف فرما ہو کر حضور شفاعت کبریٰ کا دروازہ کھولیں گے یہ مقام حضور کے لیے خاص ہے جس پر سب رشک کریں گے۔ [تفسیر نور العرفان ص ۳۶۲ حاشیہ ۸، مطبوعہ پیر بھائی کنبھی لاہور]

(۱۴) ضیاء الامت حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

مقام محمود کی وضاحت فرماتے ہوئے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ [تفسیر ضیاء القرآن ج ۲ ص ۶۷۸، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور]

(۱۵) علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

مقام محمود شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے۔ جب کوئی تائب ہو کر یوں کہے گا: جب آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے عرض کر کے عفت کر تکلیف سے چھڑائیں گے۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ کی حمد و ثناء (تعلیف) ہوگی اور حق تعالیٰ بھی آپ کی خوب تعریف کرے گا۔ گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا۔

[تفسیر عثمانی بر حاشیہ قرآن مجید ص ۷۶، ۷۷ حاشیہ ۱، مطبوعہ دارالتفہیم، کراچی]

(۱۶) حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

یہ وہ مقام ہے جو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو عطا فرمائے گا اور اس مقام پر ہی آپ وہ شفاعت عظمیٰ فرمائیں گے جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوگا۔

[تفسیر حسن البیان ص ۳۸۰ حاشیہ ۹، مطبوعہ مکتبہ دارالسلام الریاض (سعودی عرب) لاہور پاکستان]

حضرت عطیہ عوفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو آیت کریمہ ”عَسَىٰ اَنْ يَّعْفَلَكَ رَبُّكَ وَتَكُنَ مَقَامًا مَّحْمُودًا“ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا: (حضرت) محمد لگی شفاعت کے سبب اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور اہل قبلہ کے ایک گروہ کو دوزخ کی آگ سے نکالے گا اور یہی مقام محمود ہے۔ پھر انہیں ایک نہر پر لایا جائے گا جسے ”حیوان“ کہا جاتا ہے اور ان کو اس میں ڈال دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ لوگ اس طرح نشوونما پائیں گے جس طرح گکڑیاں پروان چڑھتی ہیں پھر انہیں وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جنت میں ان کا نام چہنشی پڑ جائے گا پھر وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ ان سے یہ نام مٹا دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ان سے یہ نام دور

۲۶۔ حَمَلُهُ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ عَنْ عَطِيَّةِ الْغُفَرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَسَىٰ اَنْ يَّعْفَلَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا (الاسراء: ۷۹) قَالَ يُخْرِجُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَوْمًا مِّنَ النَّارِ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ وَالْقِبْلَةِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِذَلِكَ هُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ فَيُؤْتٰى بِهِمْ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ فَيَلْقَوْنَ فِيْهِ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا يَنْبُتُ النَّعَارِيزُ ثُمَّ يُخْرِجُوْنَ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَيَسْمَوْنَ الْجَهَنَّمِيَّيْنَ ثُمَّ يَطْلُبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ يُّذْهِبَ عَنْهُمْ ذٰلِكَ الْاِسْمَ فَيُذْهِبَ عَنْهُمْ. بخاری (۴۷۱۸)

فرما دے گا۔

حل لغات

”يُشْفَعُونَ“ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب افعال ہے اس کا معنی ہے: ڈالنا، پھینکنا۔ ”يَنْبَغُونَ“ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: اگنا، لگنا، بڑھنا، نشوونما پانا۔

اچھی اور بری شفاعت کی وضاحت

نبی کریم ﷺ نے جس طرح سابق حدیث میں واضح فرما دیا کہ مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے اسی طرح اس حدیث میں بھی آپ نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ مقام محمود ہی مقام شفاعت ہے جہاں اللہ تعالیٰ اور تمام اولین و آخرین آپ کی حمد و ثناء اور تعریف و توصیف کریں گے اور وہیں آپ شفاعت کبریٰ فرمائیں گے جس سے تمام مخلوقات کو فائدہ ہوگا۔

اور دوسرا یہ کہ اس حدیث مبارکہ سے اس مسئلہ کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ کسی انسان کے عقیدہ کا فساد جب تک کفر کی حد تک نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک اس کا ایمان کمزور ہی کسی لیکن آخرت میں وہ آخر کار اس کے لیے دوزخ کی آگ سے نکلنے کا موجب بن جائے گا اگرچہ وہ انسان کتنا ہی بد اعمال کیوں نہ ہو لہذا دروافضل خوارج اور معتزلہ کے عقائد اگر کفر کی حد تک نہیں پہنچتے تو ان کے برے عقائد ان کے لیے دائمی دوزخی ہونے کا سبب نہیں بنیں گے۔ [تسہیل النظام فی شرح مسند الامام ص ۷۷ حاشیہ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

بعض لوگ جہالت کی بنا پر کہتے ہیں کہ سفارش کا اسلام میں کوئی وجود نہیں۔ اس دنیا میں نہ آخرت میں اور جو لوگ سفارش کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں ان کی غلط فہمی کی بنیاد اس امر پر ہے کہ ہمارے اس دور میں اکثر و بیشتر سفارش غلط مقاصد اور ناجائز کاموں کے لیے ہوتی ہے۔ بڑے لوگ ڈاکوؤں، سنگتوں وغیرہ کی سفارش کرتے ہیں نظام کی اس خرابی کے سبب لوگوں کے ذہنوں میں یہ غلط تصور جنم لیا ہے کہ شاید سفارش کرنا ہی نفسہ ناجائز عمل ہے اور اسلام جیسے عادلانہ نظام میں اس شفاعت یا سفارش کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دنیا کے اس غلط نظام کو دیکھ کر انہوں نے بزم غولیش یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہے کہ اس کا اطلاق قیامت کے دن پر بھی ہوگا اور وہاں کوئی شفاعت یا سفارش وغیرہ نہیں ہوگی کیونکہ وہاں تو عدل کی کار فرمائی ہوگی (حالانکہ وہاں عدل کے ساتھ فضل و کرم کی کار فرمائی بھی ہوگی) اور ہر ایک کو اس کے عمل کی پوری پوری جزا و سزا ملے گی۔ یہ تصور محض غلط فہمی پر مبنی ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے دنیا اور آخرت دونوں میں شفاعت کا ذکر کیا ہے اور اس کا حق و صاحب ہونا بیان فرمایا ہے۔ شفاعت فی الدنیا کا ذکر قرآن حکیم میں ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے:

مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ
مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا
وَمَنْ يَكُنْ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقَبِّلًا [النساء: ۸۵]

اور جو شخص کوئی نیک سفارش کرے تو اس کے لیے اس (کے ثواب) میں سے حصہ (مقرر) ہے اور جو شخص کوئی بری سفارش کرے تو اس کے لیے اس (کے عذاب) میں سے حصہ مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا قادر ہے

○

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شفاعت یا سفارش دنیا میں جائز بھی ہے اور ناجائز بھی یہ چیز بھی معلوم ہوگئی کہ دنیا میں اچھی سفارش ہر اجر و ثواب ملے گا جبکہ غلط اور بری سفارش کرنے پر اس قدر سزا بھی ملے گی۔

لہذا مذکورہ بالا غلط فہمی کا ازالہ اس آیت قرآنی سے بہ خوبی ہو جاتا ہے جبکہ معتزین کا اس پر اعتراض اس کے غلط استعمال کی وجہ سے تھا۔ قرآن نے دونوں چیزوں کو جدا جدا بیان کیا ہے اس لیے غلط سفارش کی بنا پر درست اور اچھی سفارش کا انکار عدل کے متافی

ہے۔ [مقیّدہ شفاعت ص ۱۰۶-۱۰۵، مطبوعہ منہاج نبلی کمیشن لاہور]

(۱) حضرت مجاہد فرماتے ہیں: یہ آیت مہارکہ ایک دوسرے کی سفارش کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور سفارش کرنے والے کو سفارش کرنے پر اجر و ثواب ملتا ہے اگرچہ اس کی سفارش قبول نہ کی جائے۔

(۲) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی سائل نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر سوال کرتا یا کوئی حاجت طلب کرتا تو آپ ہماری طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے: سفارش کرو (یعنی سائل کی امداد میں شرکت کرو) تمہیں اجر و ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے رسول کی زبان پر جاری کر دیتا ہے۔

[تفسیر سالم الخلیل ج ۱ ص ۳۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر ابن کثیر ج ۱ پارہ ۱۱ ص ۳۷ مطبوعہ دار محمد کاخانہ تہذیب و تمدن کربلا] (۳) اس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی مشکل میں کسی بھائی کی امداد کرنا اس کے حقوق کی بازیابی کی سہی کرنا اس کو رنج پہنچانا اور اس سے کسی تکلیف کو دور کرنے میں کوشاں ہونا بہ شرطیکہ اس سے کسی غیر کی حق تلفی نہ ہو تو یہ اچھی سفارش ہے اور اس پر سفارش کرنے والے کو اجر و ثواب ملے گا اور اگر ایسی سفارش کی جس سے کسی کی حق تلفی ہوئی یا کسی پر ظلم ہوا تو یہ بری سفارش ہے سفارش کرنے والا تنہا رہوگا۔ [تفسیر فیہ القرآن ج ۱ ص ۴۳]

(۴) اسی طرح کسی بھی نیک کام میں سفارش کرنا اچھی شفاعت ہے مثلاً کسی طالب علم کو دینی مدرسہ میں داخل کرنے کے لیے سفارش کرنا کسی ضرورت مند عالم دین کے لیے کسی توکل سے سفارش کرنا کہ ان کی ضرورت کی کتابیں ان کو خرید کر دینا۔ مسجد اور دینی مدرسہ بنوانے کے لیے سفارش کرنا کسی مجاہد کے لیے اسلحہ کے حصول میں سفارش کرنا کسی غریب کی لڑکی کی شادی کے لیے رشتہ یا جھیر کی سفارش کرنا کسی بے روزگار کے لیے ملازمت کی سفارش کرنا بہ شرطیکہ وہ اس ملازمت کا اہل ہو اللہ تعالیٰ کی ہدایت میں کسی مسلمان کے لیے دعا کرنا اس کی مغفرت چاہنا یہ سب اچھی سفارشیں ہیں اور بری سفارش یہ ہے کہ شراب خانہ کے پرست کے لیے سفارش کرنا سینما بنانے کے لیے کسی سے سفارش کرنا آلات موسیقی کی دکان کے لیے کسی سے سفارش کی جائے۔ بینک اور انشورنس کمپنی میں ملازمت کے لیے سفارش کی جائے یا کسی نا اہل اور غیر مستحق کے لیے سفارش کی جائے۔

[تفسیر بیان القرآن ج ۲ ص ۳۷ مطبوعہ فریڈ بک سٹال لاہور]

مسلمانوں کے لیے ایمان کا نفع

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اہل ایمان کی ایک جماعت اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کی آگ میں داخل ہوگی تو مشرکین ان سے کہیں گے کہ تمہارے ایمان نے تمہیں کیا فائدہ دیا؟ حالانکہ ہم اور تم ایک ہی گھر (دوزخ) میں ہیں جہاں ہم سب کو عذاب دیا جا رہا ہے سو اللہ تعالیٰ (یہ طعن سن کر) ان پر غضب ناک ہو جائے گا اور حکم صادر فرمائے گا کہ کہہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھنے والا کوئی شخص دوزخ میں باقی نہ رہے چنانچہ سب کہہ پڑھنے والے مسلمانوں کو دوزخ کے عذاب سے نکال لیا جائے گا حالانکہ وہ جل کر سیاہ کوئلہ کی طرح ہو چکے ہوں گے ماسوائے ان کے

۱۸۔ بَابُ نَفْعِ الْإِيمَانِ لِلْمُسْلِمِينَ

۳۷۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُبَيْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ لَوْمٌ مِّنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ النَّارَ بِذُنُوبِهِمْ فَيَقُولُ لَهُمُ الْمَشْرِكُونَ مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ إِيْمَانُكُمْ وَتَحْنُ فِي ذَارٍ وَاحِدٍ لَّعَلَّكُمْ فَيَضِيبُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُمْ كَيْفَ أَمْرُ أَنْ لَا يَنْفَعِي فِي النَّارِ أَحَدٌ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَيُخْرِجُونَ وَقَدْ اسْتَرَفَقُوا حَتَّىٰ صَارُوا كَالْحَمَةِ السَّوْدَاءِ إِلَّا وَجْهَهُمْ فَتَوَلَّىٰ فَاتَهُ لَا يَنْفَعِي أَغْنَتْهُمْ وَلَا تَسْوَدُّ وَجْهَهُمْ فَيَوَلَّىٰ

بِهِمْ نَهْرًا عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ لِيَقْتَسِلُوا مِنْهُ قِيلَ لَهَا كُلُّ يَوْمٍ وَآذَى ثُمَّ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَالُوا لَهَا بِمَلِكٍ يَنْتَعِمُ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ لِيَسْمَعُونَ مِنَ الْجَهَنَّمِيِّينَ يَسِي الْجَنَّةِ لَأَن لَّمْ يَدْخُلُوا قِيلَ لَهُمْ ذَلِكَ الْأَمْرُ لَأَن يَدْخُلُوا بِهِ أَهَذَا فَإِذَا خَرَجُوا قَالَ الْكُفَّارُ يَا لَيْتَنَا كُنَّا مُسْلِمِينَ قِيلَ لَكَ لَوْلَا كُفَرُوا لَوْ كُنَّا مُسْلِمِينَ (البقرہ: ۲۲)

(سیر النبی ج ۱۰ ص ۷۹)

پہروں کے کیونکہ نہ تو ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور نہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے پھر انہیں جنت کے دروازے پر ایک نہر پر لایا جائے گا جس میں وہ غسل کریں گے تو ان کے جسم سے ہر قسم کے داغ دھبے اور اذیت و تکلیف دور ہو جائے گی۔ پھر ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو ان سے فرشتے کہیں گے: تم خوب پاک ہو گئے ہو سو اب تم جنت میں ہمیشہ رہو پھر وہ جنت میں جہنمیوں کے نام سے موسوم ہو جائیں گے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پھر وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے یہ نام دور فرما دے گا پھر انہیں اس نام سے کبھی نہیں پکارا جائے گا اور جب یہ لوگ جہنم سے نکلیں گے تو کفار کہیں گے: کاش اہم مسلمان ہو جاتے سو اللہ تعالیٰ کے اس (درجہ ذیل) ارشاد کا یہی مطلب ہے: ”وَمَا يَوْذُو الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ“ کفار بہت خواہش کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے

حل لغات

”مَا أَهْنَى“ میں حرف ما استفہامیہ ہے اور اھنی صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افعال ہے اس کا معنی ہے: ہلکا ہونا، ہلکا ہونا، ہلکا ہونا۔ ”يَنْتَعِمُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ ہے اس کا معنی ہے: ناراض ہونا، غضب ناک ہونا۔ ”اِخْتَرَوْا“ صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افعال ہے اس کا معنی ہے: چنا۔ ”الْجَنَّةُ“ بہ معنی کوئلہ۔ ”الْكَفَرَاءُ“ بہ معنی سیاہ۔ ”وَجُودًا“ ”وَجْهًا“ کی جمع ہے بہ معنی چہرہ۔ ”لَا يُزَادُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول متنی باب تفعیل ہے اس کا معنی ہے: نکلا کرنا۔ ”يَنْتَعِمُ“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ ہے اس کا معنی ہے: اچھا ہونا، مزیدار ہونا، ٹھنڈا ہونا، خوش ہونا، عمدہ ہونا۔

دوزخ میں نافرمان مسلمان اور کافر کے عذاب میں فرق کی وضاحت

- (۱) اگرچہ گنہگار مسلمان اور کفار دونوں عذاب جہنم میں مشترک ہوں گے لیکن دونوں فریقوں کے عذاب میں کئی طرح فرق ہوگا:
- (۲) کفار دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے اور انہیں وہاں سے کبھی نہیں نکالا جائے گا جبکہ مسلمان بڑے سے بڑے گنہگار بھی دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ کے لیے نہیں رہیں گے بلکہ کچھ عرصہ بعد انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔
- (۳) دونوں فریقوں کے عذاب کی کیت میں فرق ہوگا۔ کفار سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے جبکہ کفار کے مقابلہ میں مسلمان کے لیے ہلکا عذاب ہوگا۔ نیز کفار کے لیے دائمی عذاب ہوگا جبکہ مسلمانوں کی لیے عارضی اور وقتی عذاب ہوگا۔
- (۴) دونوں فریقوں کے عذاب کی کیفیت میں بھی فرق ہوگا کہ کفار کو کفر و شرک کرنے پر ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہوگا جبکہ گنہگار مسلمانوں کی تادیب و تہذیب اور انہیں گناہوں کی آلودگی سے پاک کرنے کے لیے عذاب ہوگا۔
- (۵) گنہگار مسلمانوں کے اجسام جل کر کوئلہ کی طرح کالے سیاہ ہوں گے لیکن ان کے چہرے سیاہ نہیں ہوں گے اور نہ ان کی آنکھیں نکلا ہوں گی جبکہ کفار کے چہرے کالے سیاہ ہوں گے اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَانُكَلُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝
[آل عمران: ۱۰۶-۱۰۷]

جس دن بہت سے چہرے سفید اور روشن ہوں گے اور بہت سے چہرے کالے سیاہ ہوں گے لیکن وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم نے (روزِ یثاق) ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا، سو اب تم عذاب کا مزہ چکھو کیونکہ تم کفر کرتے رہے اور لیکن وہ لوگ جن کے چہرے سفید و روشن ہوں گے وہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

کفار کے اسلام قبول کرنے کی تمنا کے وقت کی توضیح

کفار اسلام قبول کرنے اور مسلمان ہونے کی تمنا اور خواہش کس حال میں کریں گے اس کے متعلق مختلف اقوال بیان کیے گئے ہیں:

- (۱) کفار بدر جب جہنم کے سامنے پیش کیے جائیں گے تو اس وقت وہ آرزو کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں مومن ہوتے۔
- (۲) ہر کافر مرتے وقت موت کو دیکھ کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کرتا ہے۔
- (۳) اسی طرح قیامت کے دن بھی ہر کافر کی یہی تمنا ہوگی کہ کاش وہ مسلمان ہوتا۔
- (۴) کفار جہنم کے پاس کے پاس کھڑے ہو کر کہیں گے کہ کاش اب ہم دنیا میں واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم اللہ تعالیٰ کی آجھوں کو جھٹلائیں گے اور نہ ایمان کو ترک کریں گے۔
- (۵) جہنمی کافر گنہگار مسلمانوں کو جہنم سے نکلنے دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔

[ماخوذ از تفسیر ابن کثیر ج ۳ پارہ ۱۳ ص ۲ مترجم]

علامہ بغوی لکھتے ہیں:

کفار کی اس حالت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں جس میں وہ مسلمان ہونے کی تمنا کریں گے:

- (۱) حضرت فصاح نے فرمایا کہ کفار جب دوزخ کے عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو اس وقت یہ خواہش کریں کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔
- (۲) بعض علمائے دین نے فرمایا: قیامت کے دن کفار یہ آرزو کریں گے۔
- (۳) مشہور قول یہ ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ گنہگار مسلمانوں کو دوزخ سے نکالے گا اس وقت کفار یہ تمنا کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب دوزخیوں کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں جمع فرمائے گا اور گنہگار مسلمانوں میں سے جن کو چاہے گا ان کے ساتھ دوزخ میں اکٹھا کر دے گا تو اس وقت کفار گنہگار مسلمانوں سے دریافت کریں گے کہ کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں بلکہ ہم تو مسلمان تھے کفار کہیں گے: تو کیا تمہارے اسلام نے تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیا؟ خالاکہ تم تو ہمارے ساتھ دوزخ کی آگ میں ہو۔ مسلمان کہیں گے کہ ہم نے بہت سے گناہوں کا ارتکاب کیا تھا جن کی وجہ سے ہم پکڑ میں آ گئے ہیں (کفار کا یہ طعنہ

سن کر) اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت و مہربانی سے مسلمانوں کو بخش دے گا اور حکم صادر فرمائے گا کہ ہر جہنمی مسلمان کو جہنم سے نکالا جائے چنانچہ تمام مسلمانوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا پس اس وقت کفار تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ (تفسیر معالم الخوئل ج ۳ ص ۲۳ مطبوعہ دار المعرفۃ ہرودت شرح مستدام اعظم ص ۵۶۶-۵۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت) تفسیر روح المعانی ج ۱۳ ص ۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور تفسیر مدارک الخوئل و تفسیر لہاب الدلیل ج ۳ ص ۹۳ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر

سب سے آخر میں دوزخ سے
نکلنے والے آدمی کا بیان

۱۹۔ بَابُ بَيَانِ رَجُلٍ آخَرٍ
خَرُوجًا مِنَ النَّارِ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا موحدین میں سے کوئی شخص جہنم میں باقی رہ جائے گا؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاں! ایک شخص ہوگا جو دوزخ کے سب سے پہلے جہنم خانہ میں پکارا ہوگا: اے حنان! اے منان! یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس کی آواز کو سن لے گا اور اس پر تعجب کرے گا اور کہے گا: یہ عجیب ہے یہ عجیب ہے پھر اسے صبر نہیں ہو سکے گا یہاں تک کہ وہ رحمن کے عرش کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: اے جبریل! ان پانچ افراد کو وہ اپنا سراٹھالے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے مجاہد میں سے کون سی عجیب چیز دیکھی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ اس نے دیکھا (یا سنا) ہے۔ حضرت جبریل عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے دوزخ کے جہنم خانے سے ایک آواز پر سنی ہے جو پکار رہا ہے کہ اے حنان! اے منان! سو مجھے اس آواز پر بہت تعجب ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جبریل! تم دوزخ کے دار و دروازہ مالک کے پاس چلے جاؤ اور اس سے کہو کہ تم اس آدمی کو دوزخ سے نکال لو جو اے حنان! اے منان! پکار رہا ہے چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام دوزخ کے دروازوں میں سے کسی ایک دروازہ پر پہنچیں گے اور اسے کھٹکتائیں گے اور جہنم کا فرشتہ مالک دروازہ پر اس کے پاس آ جائے گا تو حضرت جبریل اس سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس بندے کو دوزخ سے نکالو جو اے حنان! اے منان! پکار رہا ہے چنانچہ یہ مالک نامی فرشتہ دوزخ میں جا کر اسے تلاش کرے گا لیکن اسے کہیں نہیں پائے گا حالانکہ مالک دوزخیوں کو اس سے زیادہ جانتا اور پہچانتا ہے جتنا ماں اپنی اولاد کو جانتی اور پہچانتی ہے پھر وہ دوزخ سے نکل کر حضرت

۲۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ خُصَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: بَجَاءِ رَجُلٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ يَنْطَلِقُ أَحَدٌ مِنَ الْمُتَرَجِّدِينَ فِي النَّارِ قَالَ نَعَمْ رَجُلٌ يَنْطَلِقُ لِعَرِّ جَهَنَّمَ يَتَادَى بِالْحَتَّانِ الْمَتَّانِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتَهُ جَبْرِئِلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَتَعَجَّبُ مِنْ ذَلِكَ الصَّوْتِ فَقَالَ الْعَجَبُ الْعَجَبُ ثُمَّ لَمْ يَغْبِرْ حَتَّى يَصِيرَ بَيْنَ يَدَيْ عَرْشِ الرَّحْمَنِ سَاجِدًا فَيَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَرْفَعُ رَأْسَكَ يَا جَبْرِئِلُ فَيَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُ مَا رَأَيْتَ مِنَ الْعَجَائِبِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا رَأَاهُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنْ لِعَرِّ جَهَنَّمَ يَتَادَى بِالْحَتَّانِ الْمَتَّانِ فَيَتَعَجَّبُ مِنْ ذَلِكَ الصَّوْتِ فَيَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَا جَبْرِئِلُ اذْهَبْ إِلَى مَالِكٍ قُلْ لَهُ اُخْرِجِ الْعَبْدَ الَّذِي يَتَادَى بِالْحَتَّانِ الْمَتَّانِ فَيَذْهَبُ جَبْرِئِلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ جَهَنَّمَ فَيَضْرِبُهُ فَيُخْرِجُ إِلَيْهِ مَالِكٌ فَيَقُولُ جَبْرِئِلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ اُخْرِجِ الْعَبْدَ الَّذِي يَتَادَى بِالْحَتَّانِ الْمَتَّانِ فَيَدْخُلُ لِمَطْلَبِهِ فَلَا يَرُودُ وَأَنَّ مَالِكًا أَعْرَفَ بِأَخْلِ النَّارِ مِنَ الْأُمِّ بِأَوْلَادِهَا فَيُخْرِجُ فَيَقُولُ لِعَبْرِئِلَ إِنَّ جَهَنَّمَ زَكْرَتْ زَكْرَةً لَا أَعْرِفُ الْحَبَابَةَ مِنَ الْخَلِيدِ وَلَا الْخَلِيدَةَ مِنَ الرِّجَالِ فَيَرْجِعُ جَبْرِئِلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى يَصِيرَ بَيْنَ يَدَيْ عَرْشِ الرَّحْمَنِ سَاجِدًا فَيَقُولُ

اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِرْفَعِ رَأْسَكَ يَا جِبْرِيلُ لِمَ لَمْ تَجِي بِعَبْدِي قَبْلَ قَوْلِ يَا رَبِّ إِنَّ مَالِكًا يَقُولُ إِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْءُونَ زُفْرَةٌ لَا أَعْرِفُ الْحَجَرَ مِنَ الْعَبْدِ وَلَا الْعَبْدَ مِنَ الرِّجَالِ قَبْلَ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ قُلْ لِمَالِكٍ إِنَّ عَبْدِي فِي لَعْنٍ كَذَا وَكَذَا فِي بَغْيٍ كَذَا وَكَذَا وَفِي زَاوِيَةٍ كَذَا وَكَذَا قَبْلَ قَوْلِ جِبْرِيلَ قَبْلَ قَوْلِهِ بِذَلِكَ قَبْلَ قَوْلِهِ مَالِكٌ قَبْلَ قَوْلِهِ مَطْرُوحًا مَكُونًا مَشْنُوقًا نَاعِيَةً إِلَى لَعْنَتِهِمْ وَتَذَاهُ إِلَى عُنُقِهِ وَاجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْحَيَاتُ وَالْمَقَارِبُ قَبْلَ جَنَّةٍ حَتَّى تَنْقُطَ عَنْهُ الْحَيَاتُ وَالْمَقَارِبُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ جَذْبَةً أُخْرَى حَتَّى تَنْقُطَ مِنْهُ الشَّالِوِيلُ وَالْأَغْلَالُ ثُمَّ يُخْرِجُهُ مِنَ النَّارِ قَبْلَ قَوْلِهِ فِي مَاءِ الْحَيَاةِ وَيَنْفُخُهُ إِلَى جِبْرِيلَ لِيَأْخُذَ بِنَاصِيَتِهِ وَيَمْدُدَهُ مَدًّا فَمَا مَرَّ بِهِ جِبْرِيلَ عَلَى مَلَكٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا وَقَمَّ يَقُولُونَ أَفَ لِهَذَا الْعَبْدِ حَتَّى يَصِيرَ بَيْنَ يَدَيِ عِزِّ الرَّحْمَنِ سَاجِدًا قَبْلَ قَوْلِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِرْفَعِ رَأْسَكَ يَا جِبْرِيلُ وَيَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَبْدِي أَمَلْتُكَ بِعَلِّي حَسَنٍ أَلَمْ أَرْسِلْ إِلَيْكَ رَسُولًا أَلَمْ يَقْرَأْ عَلَيْكَ كِتَابِي أَلَمْ يَأْمُرَكَ وَتَنْهَكَ حَتَّى يَهْرُ الْعَبْدُ قَبْلَ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى قُلْ لِمَالِكٍ كَذَا وَكَذَا قَبْلَ قَوْلِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَا رَبِّ ذَهَبَتْكَ بِالْعَيْنِ الْمُنَانُ وَأَخْرَجْتَنِي بِفَضْلِكَ فَارْحَمْنِي بِرَحْمَتِكَ قَبْلَ قَوْلِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِشْهَدُوا يَا مَلَائِكَتِي بِأَنِّي رَحِمْتُكَ. مسند امامی (۳۶۶)

جبریل علیہ السلام سے کہے گا: بے شک اس وقت دوزخ بہت بڑی ہوئی اس قدر جوش مار رہی ہے کہ میں پتھر اور لوہے اور لوہے اور آگ کے درمیان فرق نہیں کر سکتا، پس حضرت جبریل علیہ السلام واپس لوٹ آئیں گے یہاں تک کہ وہ رحمن کے عرش کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: اے جبریل! اپنا سراٹھا لو اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے بندے کو کیوں نہیں لائے۔ حضرت جبریل عرش پر گئے اور میرے رب! مالک کہتا ہے کہ جہنم بڑی ہوئی جوش مار رہی ہے یہاں تک کہ میں پتھر اور لوہے کے درمیان اور آگ اور لوہے کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہوا کہ تم مالک سے جا کر کہو کہ میرا بندہ اس طرح کے فلاں تہہ خانہ فلاں پدے اور فلاں کولے میں پڑا ہوں چنانچہ حضرت جبریل مالک کے پاس جا کر اسے بتائیں گے تو مالک دوزخ میں اس جگہ پہنچیں گے اور اسے الٹا پھینکا ہوا اس حالت میں پائیں گے کہ اس کی پیشانی اس کے پاؤں کے ساتھ بندھی ہوئی ہوگی اور اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور سانپ اور بچھواس سے لپٹے ہوئے ہوں گے پھر مالک اس کو کھینچ کر جھکا دے گا تو سارے سانپ بچھواس گر گر جائیں گے پھر دوسری بار بچھ کر اسے کھینچے گا تو تمام بچھوسیاں بیڑیاں اور طوق ٹوٹ کر گر پڑیں گے پھر اس کو دوزخ کی آگ سے نکالے گا اور اس کو آب حیات کے چشمہ میں ڈال دے گا اور (نہلا کر) اس کو حضرت جبریل کے سپرد کر دے گا اور حضرت جبریل اس کو اس کی پیشانی سے پکڑ کر کھینچے ہوئے لے جائے گا اور حضرت جبریل اس کو لے کر فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزریں گے وہ کہیں گے: یوذا المسوس ہے اس بندے پر یہاں تک کہ حضرت جبریل رحمن کے عرش کے سامنے جا کر سجدہ میں گر پڑیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: اے جبریل! تم اپنا سراٹھا لو اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! کیا میں نے تجھے بہترین صورت میں پیدا نہیں کیا؟ کیا میں نے میری طرف کو نہیں بھیجا؟ اور کیا میں نے تجھے میری کتاب پڑھ کر نہیں سنائی۔ کیا میں نے تجھے بھلائی کا حکم نہیں دیا اور کیا میں نے تجھے برائی سے نہیں روکا یہاں تک کہ بندہ تمام چیزوں کا اقرار کر لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر تو نے فلاں فلاں برائیاں کیں

کیس؟ سو بندہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے یہاں تک کہ میں اتنے اتنے سال دوزخ کی آگ میں پڑا رہا لیکن میں نے تجھ سے امید نہیں توڑی۔ اے میرے پروردگار! میں تجھے حنان اور متان کے ساتھ پکارتا رہا اور تو نے اپنے فضل و کرم سے مجھے دوزخ سے نکال لیا، پس اب تو اپنی رحمت و مہربانی کے صدقے مجھ پر رحم و کرم فرما چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے فرشتو! تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس بندے پر رحم و کرم کر دیا۔

حل لغات

”قہر“ گہرائی۔ ”یتاوی“ میخذ واحد کر غائب فعل مضارع معروف باب مفاعلہ اس کا معنی ہے: پکارنا۔ ”یتعصب“ میخذ واحد کر غائب فعل مضارع معروف باب تفعیل ہے اس کا معنی ہے: تعجب کرنا۔ ”ذلوت“ میخذ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف باب ضروب یخرب سے ہے اس کا معنی ہے: لہا اور زور دار سانس لینا چنگھاڑنا ”مطر و حنا“ اسم مفعول کا میخذ ہے اس کا معنی ہے: پھینکنا۔ ”مَنكُوسًا“ یہ بھی اسم مفعول کا میخذ ہے اس کا معنی ہے: الٹا لٹکانا۔ ”مَشْنُودًا“ یہ بھی اسم مفعول میخذ واحد کر ہے یہ معنی بندھا ہوا۔ ”الْحَثَاثَاتُ“ یہ جمع کی جمع ہے اس کا معنی ہے: ساپ۔ ”الْمَقَارِبُ“ یہ مقرب کی جمع ہے یہ معنی چھو۔ ”يُجْلِبُ“ میخذ واحد کر غائب فعل مضارع معروف باب ضروب یخرب ہے اس کا معنی ہے: کھینچنا۔

اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور حنان و متان اسماء حسنی کی فضیلت

اس حدیث مبارکہ سے چند مسائل ثابت ہو رہے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ یہ حدیث مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جس طرح کبیرہ گناہوں کا مرکب غصص نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے فضل اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اولیائے عظام علیہ السلام صلوات امت اور اقرباء و طہیرام کی شفاعت کی وجہ سے مغفرت و بخشش حاصل کر کے جہنم سے نجات پا کر جنت میں داخل ہوگا اسی طرح صاحب حق کی طرف سے اپنے حق سے دست بردار ہونے اور اپنا حق معاف کرنے کی صورت میں بھی مغفرت و بخشش حاصل کر کے جہنم سے نجات پا کر جنت میں داخل ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ: اے فرشتو! تم گواہ ہو جاؤ میں نے اس پر رحم کر دیا ہے (یعنی میں نے اپنے حقوق کی تمام خلاف ورزیاں معاف کر کے اسے بخش دیا ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کے تمام بندوں کو محیط ہے جیسا کہ فرمایا:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط [الاحزاب: ۱۵۶]

اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ خواہ اپنی رحمت و مہربانی سے مجرم کی سزا کم کر کے اسے بخش دے اور دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دے خواہ اپنے عدل و انصاف کے مطابق مجرم کو پوری سزا دے کر اسے دوزخ سے نکال لے اور جنت میں داخل کر دے۔ بہر حال اس سے معتزلہ کے عقیدہ کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک توبہ کرنے والے اور صرف صغیرہ گناہوں کے مرکب دوزخ میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے اور باقی رہ گئے کفار اور کبیرہ گناہوں کے مرکب تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے پھر تو اس حدیث مبارکہ کو شفاعت کی بحث میں پیش کرنا بے کار و بے فائدہ ہو جاتا ہے۔

تسین الکلام فی شرح مسند امام اعظم ۱۸ ماہ ۲۰ کتبہ دہلی

(۲) دوسرا یہ کہ سب سے آخر میں دوزخ سے نکلنے والے اس موجد نے جب اللہ تعالیٰ کو حنان اور متان کے مبارک ناموں سے پکارا اور فریاد کی تو اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو گیا اور اس پر رحم و کرم فرما کر دوزخ سے نکالا اور جنت میں داخل کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں اسمائے حسنیٰ دعا کی قبولیت کے لیے حیر بہدف ہیں اس سے ان مبارک ناموں کی اہمیت و عظمت واضح ہو جاتی ہے چنانچہ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وہ موجد یا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف و توصیف کے طور پر "حنان و متان" پکارتا رہا بطور عبادہ "یا حنان یا متان" پکارتا رہا کیونکہ یہ دونوں اسمائے مبارک مبالغہ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اسم "حنان" "حن" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: شفقت و رحمت اور "متان" "منہ" سے ماخوذ ہے جس کا ایک معنی جو د و عطاء ہے اور دوسرا معنی امتنان و احسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بے شمار نعمتوں کے ذریعہ اپنے بندوں پر جو د و عطا اور امتنان و احسان فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاَيْمٰنِ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی

[[الجزء ۱۱] ہدایت دی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بیان فرمایا کہ حنان وہ ہے جو اس شخص پر بھی نظر کرم سے توجہ فرماتا ہے جو اس سے احوال و روگردانی کرتا ہے اور متان وہ ہے جو سوال کرنے سے پہلے (یعنی مانگے) اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور ان دونوں اسمائے مبارک کو امام اعظم میں سے شمار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم [شرح مسند امام اعظم ص ۲۱-۲۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

(۳) تیسرا یہ کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ذکر کیا گیا کہ جو شخص دوزخ کی آگ سے سب سے آخر میں نکالا جائے گا اس کا نام بناد ہوگا اور وہ ایک ہزار سال تک دوزخ کے عذاب میں جکڑا رہے گا۔ بعد ازاں وہ "یا حنان یا متان" پکارتا ہوا فریاد کرے گا (تو اللہ تعالیٰ اسے صاف فرما کر دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرما دے گا) چنانچہ یہ بات سن کر حضرت خواجه حسن بصری رو پڑے اور فرمایا کہ کاش! میں بناد ہوتا سو حاضرین محل کو اس بات پر بہت تعجب ہوا تو آپ نے فرمایا: تم پر بہت افسوس ہے کیا وہ شخص (بناد) آخر کار ایک دن دوزخ کے عذاب سے نجات حاصل نہیں کر لے گا اور وہ اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ امام غزالی کی منہاج العبادین میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے اور شاکل ترمذی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے آدمی کو بھی اور سب سے آخر میں دوزخ کی آگ سے نکلنے والے آدمی کو بھی میں خوب چاہتا ہوں چنانچہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور حکم فرمایا جائے گا کہ اس کے سامنے اس کے تمام صغیرہ گناہوں کو پیش کیا جائے اور اس کے کبیرہ گناہوں کو اس سے مخفی رکھا جائے گا اور پھر اس سے کہا جائے گا: تو نے فلاں دن یہ گناہ کیا تھا اور فلاں دن یہ گناہ کیا تھا اور وہ سب صغیرہ گناہوں کا اقرار کر لے گا کسی کا انکار نہیں کرے گا اور وہ اپنے کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ڈر رہا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اس شخص کی ہر برائی کے عوض میں ایک ایک نیک عطا کر دو تو فوراً وہ شخص عرض کرے گا: میرے اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا۔ حضرت ابوذر غفاری نے کہا کہ بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اس قدر مسکرائے کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں دوزخ سے سب سے آخر میں

لکھنے والے دوزخی کو خوب جانتا ہوں یہ وہ آدمی ہوگا جو گھنٹوں کے بل دھیرے دھیرے گھسٹتا ہوا دوزخ سے باہر نکلے گا اور اسے کہا جائے گا: جا چلا جا اور جنت میں داخل ہو جا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پس وہ آدمی چلا جائے گا تاکہ جنت میں داخل ہو جائے جب وہاں پہنچے گا تو دیکھے گا کہ لوگوں نے جنت میں اپنی اپنی منزل پالی ہے (اور وہ خیال کرے گا کہ جنت کی تمام منزلیں بھر چکی ہیں) پس وہ واپس لوٹ آئے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! تو اپنی آرزو بتا تو وہ اپنی آرزو بتائے گا چنانچہ اسے کہا جائے گا کہ جس قدر تو نے جنت کی آرزو کی وہ بھی اور دنیا کے برابر دس گنا مزید جنت تجھے عطا کی جاتی ہے سو وہ آدمی عرض کرے گا کہ ہاں! آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں حالانکہ آپ ساری کائنات کے شہنشاہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ اس قدر مسکرائے کہ آپ کی وارسیں ظاہر ہو گئیں۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۵-۲۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

۲۰۔ بَابُ بَيَانِ الشَّفَاعَةِ
کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے

شفاعت کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! آپ قیامت کے دن کن لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: میں کبیرہ گناہوں اور بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کرنے والوں اور خون بہانے والوں کی شفاعت کروں گا۔

لَا أَهْلَ الْكِبَايِرِ

۲۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَنْصُورٍ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ الْهَلَبِيِّ وَ مُحَمَّدِ بْنِ عِيْسَى وَ يَزِيدَ الطُّوسِيِّ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ أُمِّةَ الْحَدَّادِ الْقُدَوِيِّ عَنْ نُوحِ بْنِ قُتَيْبَةَ الرِّقَاقِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَنْ تَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قَالَ لِأَهْلِ الْكِبَايِرِ وَأَهْلِ الْعُظَايِمِ وَأَهْلِ الرِّمَاءِ.

ترمذی (۲۴۳۵) ابوداؤد (۴۷۳۹) الطحاوی (۹۹۸) ابن ماجہ (۴۳۱۰)

عمل لغات

”تَشْفَعُ“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل مضارع معروف باب تَفَعَّلَ يَتَفَعَّلُ ہے اس کا معنی ہے: سفارش کرنا، جنت بنانا اور دھرا کرنا یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ ”الْكِبَايِرُ“ یہ کبیرہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: بڑا ہونا۔ اس کے مقابلہ میں صغائر کا لفظ آتا ہے جو صغیرہ کی جمع ہے اس کا معنی ہوتا ہے: چھوٹا ہونا۔ بہر حال کبائر سے بڑے گناہ اور صغائر سے چھوٹے گناہ مراد ہوتے ہیں۔ ”الْعُظَايِمُ“ یہ ”عُظَيْمَةٌ“ کی جمع ہے اس کا معنی بھی بڑا ہونا ہے اور اس حدیث میں ”لَا أَهْلَ الْكِبَايِرِ“ پر ”وَأَهْلَ الْعُظَايِمِ“ کا عطف یا تو تفسیری ہے یا پھر کبائر سے حقوق اللہ مراد ہیں اور عظام سے حقوق العباد مراد ہیں۔ ”الْهِمَاءُ“ یہ دم کی جمع ہے اس کا معنی ہے: خون بہانا، خوریزی اور کل و عارت کرنا۔

بڑے گنہگاروں کے لیے شفاعت کا ثبوت

امام دیلمی نے اپنی کتاب مسند الفردوس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت بیان کی ہے کہ شفاعت کرنے والے پانچ ہیں (۱) قرآن مجید (۲) رحم (قرابت و رشتہ داری) (۳) امانت (۴) تمہارے پیغمبر (۵) آپ کی اہل بیت۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لیے بھی ہوگی جو میری اہل بیت سے محبت کرتے ہیں۔ اس کو خلیب نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ امام ابن عدی نے اپنی کتاب ”کامل ابن عدی“ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے

فرمایا: اے ام سلمہ! تم خوب عمل کرتی رہو اور فقط مجھ پر بھروسہ نہ کرو کیونکہ میری شفاعت میری امت میں سے (گناہوں کی وجہ سے) ہلاک ہونے والوں کے لیے ہوگی۔ [تسبیح النظام ص ۱۹ حاشیہ ۱۳] اہل کبار سے وہ لوگ مراد ہیں جو رسول اللہ کی امت میں سے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے رہے ان کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت نصیب ہوگی خواہ وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہونے اور کچھ سزا ملنے کے بعد نصیب ہو خواہ دوزخ میں جانے سے پہلے انہیں شفاعت ملنے کی وجہ سے جنت میں داخل نصیب ہو جائے اور دونوں صورتیں بھی جمع ہو سکتی ہیں کہ بعض گنہگاروں کی شفاعت دوزخ میں داخل ہو جائے اور کچھ سزا پانے کے بعد ہو اور بعض گنہگاروں کو دوزخ میں جانے سے پہلے شفاعت نصیب ہو جائے اور اہل العظام کا عطف یا توفیق تفسیری ہے اور دونوں کا ایک معنی ہے یعنی کبیر گناہ اور یہ احتمال بھی ہے کہ عطف تفسیری نہ ہو بلکہ عطف تغایر ہو اور کبار سے حقوق اللہ کی خلاف ورزی مراد ہو اور عظام سے حقوق العباد کی خلاف ورزی مراد ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تخصیص بعد التعمیم ہو اور عظام سے انتہائی بدترین اور شدید ترین بے حیائی کے بڑے بڑے گناہ مراد ہوں جیسے نماز ترک کرنا اور دائمی محرمات کے ساتھ زنا کرنا اور مردوں لڑکوں کے ساتھ لواطت کرنا ”وَعَلَّوْا ذٰلِکَ“ یا یہ تعیم بعد التخصیص ہو اور عظام سے تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہ مراد ہوں اگرچہ وہ اہل تقویٰ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی و بغاوت کی حیثیت سے بہت بڑے اور بہت برے ہوں اور اہل الدماء سے شرعاً محترم و معصوم جانوں کو ناحق ظلم کے ساتھ قتل کرنا مراد ہے علامہ یہ کہ یہ حدیث مبارکہ اور دیگر اس قسم کی نصوص اس بات کی دلیل ہیں کہ بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کے باوجود انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور شفاعت کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ اجماع امت اور قرآن و احادیث کے دلائل سے ثابت ہے کہ کفار کی شفاعت ممنوع اور ناممکن و محال ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ. [المائدہ: ۱۸۳]

پیغمبر اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت و بخشش طلب کریں اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں فرمایا:

لَمَّا تَقَفَّيْتُمْ خِطَاةَ الشُّفْعَيْنِ ۝ [الدھر: ۴۸]

سو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں نفع نہیں دے گی ۝

اور گنہگاروں کے حق میں شفاعت کی احادیث مبارکہ تقریباً متواتر ہیں چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”خَطَايُنِي لِأَهْلِ الْكُفْبَانِ مِنْ أُمَّتِي“ میری شفاعت میری امت کے بڑے بڑے گنہگاروں کے لیے ہوگی۔ اس حدیث مبارکہ کو امام احمد امام ابو داؤد امام ترمذی امام ابن حبان اور امام حاکم نے اپنی کتاب ”المستدرک“ میں روایت کیا ہے اور امام ترمذی امام ابن ماجہ امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جبکہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور الخطیب نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور حضرت کعب بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور علامہ خطیب بغدادی کی ایک روایت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے (درج ذیل) الفاظ سے منقول ہے: ”شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الذُّنُوبِ مِنْ أُمَّتِي وَإِنْ ذُنُوبِي عَلَى رَءِيسِ أَنْفِ أَبِي الدُّدَادِ“ میری شفاعت میری امت کے گنہگاروں کے لیے ہوگی اگرچہ وہ زانی اور چور بن ہوں ابو درداء کی ناک خاک آلود کر کے اور اس قسم کی احادیث مبارکہ میں خوارج اور معتزلہ کے مذہب کے بطلان پر اور اسی طرح مرجعہ کے فساد اعتقاد پر تنبیہ کی گئی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۵۰۲-۵۰۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، تسبیح النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۹ حاشیہ ۵، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ ۱۴۲۸ھ]

اللہ تعالیٰ کے دیدار کا بیان

۲۱۔ بَابُ بَيَانِ رُؤْيَا اللَّهِ تَعَالَى

۳۰۔ حَقْلَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي
عَالِيَةَ وَتَبَانِ بْنِ بَشِيرٍ عَنْ قَبِيصِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ
سَمِعْتُ جَعْفَرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ سَتَرُونَ رَبَّكُمْ كَمَا
تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا تَعْصَمُونَ فِي رُؤْيَاهِ
كَأَنْظُرُوا أَنْ لَا تَنْفَلِتُوا يَسِيْ صَلَوةٍ قَبْلَ طُلُوعِ
الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا قَالَ حَمَّادٌ يَعْنِي الْقِدْوَةَ
وَالْعَشِيَّ. بخاری (۴۵۸۱) مسلم (۴۵۲) ابوداؤد (۴۷۳۰)
ترمذی (۲۵۵۱) ابن ماجہ (۱۷۷)

حضرت قیس بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت
جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: بے شک تم غریب اپنے رب تعالیٰ کو اس طرح دیکھو گے جس
طرح تم اس چاند کو چودھویں کی رات میں دیکھتے ہو۔ تم اس کے دیدار
میں کسی قسم کی مشقت نہیں اٹھاؤ گے سو تم غور و فکر اور کوشش کرو کہ طلوع
آفتاب سے پہلے کی نماز (فجر) اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز
(ظہر و عصر) سے مغلوب نہ ہو جاؤ (کہیں ترک نہ کرو) حضرت حماد
نے فرمایا: ان اوقات سے نماز فجر اور پچھلے پہر (ظہر اور عصر) کی نماز
مراد ہے (کیونکہ ”قبل غروبہا“ کی قید کے سبب ”عشی“ سے
مغرب و عشاء مراد نہیں ہو سکتیں)۔

حل لغات

”تَسْرَوْنَ“ یہ میضہ جمع مذکر حاضر فعل مضارع معروف ہے اس کا معنی ہے: دیکھنا۔ ”الْقَمَرُ“ کا معنی ہے چاند اور ”لَيْلَةُ
الْبَدْرِ“ کا معنی ہے: چودھویں رات کا چاند۔ ”لَا تَعْصَمُونَ“ یہ میضہ جمع مذکر حاضر فعل مضارع معروف خفی ہے اس کی ایک صورت
یہ ہے کہ اس میں تاء مفتوحہ اور یم مشدود ہے اس کی ایک تاء محذوف ہے اور یہ باب تفاعل ہے۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس
میں تاء مضموومہ اور یم مشدود ہے اور یہ باب مفاعلہ سے ہے اور اس کا معنی ہے: دھکم بھل کرنا رش کی بنا پر باہم ایک دوسرے کو کھینچنا اور
حرامت کی وجہ سے باہم جمع ہونا اور مل جانا اور اس کی تیسری صورت یہ ہے کہ اس میں تاء مفتوحہ اور یم مخفف (غیر مشدود) ہے باب
مَسْعٍ مَسْعٍ ہے اس کا معنی ہے: ضرر اور تکلیف۔

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ

قاضی شام اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کرنے پر اتمام الہی السنۃ والجماعۃ کا اجماع (اور اتفاق) منعقد ہو چکا ہے۔

[تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۳۱ مطبوعہ مدوۃ المصلطین دہلی]

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں یعنی خدا تعالیٰ کا دیدار مومنوں کو قیامت کے دن نصیب ہونے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور
اسلاف امت کا اتفاق اور اجماع ہے۔ ائمہ اسلام اور ہدایۃ اتمام سب اس پر متفق ہیں۔

[تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۸۱، پ ۲۹ مترجم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی]

حضرت صدرالافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ آخرت میں مومنین کو دیدار الہی میسر آئے گا، یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ قرآن و حدیث
اور اجماع کے دلائل کثیرہ اس پر قائم ہیں اور یہ دیدار بے کیف اور بے جہت ہوگا۔

[تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۴ حاشیہ ۲۰ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور کراچی]

محقق العصر استاذی الکرم حضرت علامہ سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

اور تمام اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقلاً اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے اور قرآن اور احادیث صحیحہ سے آخرت میں مومنین کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ثابت ہے۔ اس پر تمام متقدمین کا اجماع ہے اور دس سے زیادہ صحابہ نے اس کو نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ معتزلہ خوارج اور بعض مرجیہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی عقلاً نفی کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دکھائی دینے والا دیکھنے والے کی مقابل جانب میں ہونا چاہئے اور دیکھنے والے کی بصری شعاعیں اس سے متصل ہونی چاہئیں اور اہل حق کہتے ہیں کہ یہ شرائط ممکنات کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان شرائط سے بری ہے۔ آخر وہ دیکھتا بھی تو ہے اور جب وہ بغیر سمت اور جانب کے دیکھتا ہے تو اس کے دکھائی دینے سے کیا مانع ہے۔

[تفسیر تبيان القرآن ج ۵ ص ۳۵۵، مطبوعہ مکتبہ دارالاحکام الاسلامیہ، فائدہ مسلم ج ۱ ص ۵۳۱، ۵۳۰، مطبوعہ دارالافتاء، بیروت ۱۴۱۳ھ]

حضرت علامہ عبدالمجید رحمہ اللہ شاہ الازہری لکھتے ہیں:

اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ دار آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو اپنے دیدار سے شرف فرمائیں گے لیکن معتزلہ خوارج اور دیگر بدعتی فرقے اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رویت کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ذات باری تعالیٰ ان سے مبرا ہے اس لیے رویت کا تحقق ناممکن ہے۔ وہ کہتے ہیں: رویت کے لیے دیکھنے والے کا بیٹا ہونا، جس کو دیکھا جا رہا ہے اس کا محسوس ہونا، کسی جہت میں پایا جانا، نہ زیادہ نزدیک اور نہ زیادہ دور ہونا ضروری ہے اور جب اللہ تعالیٰ جہت سے محسوس ہونے سے دور اور نزدیک ہونے سے پاک ہے تو اس کی رویت کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔

اہل سنت اس کا جواب دیتے ہیں کہ تم عالم آخرت کے حقائق کو عالم دنیا پر قیاس کرتے ہو جو سراسر نادانی ہے۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ رویت باری تعالیٰ محقق ہوگی اور ان شرائط کے پائے جانے کے بغیر محقق ہوگی۔ کیف، جہت اور شہوت مسافت کے تکلفات کے بغیر آئیں گے رب کریم کا دیدار کریں گی، نیز کثیر احادیث سے جو مجموعی طور پر حد تو اترا تک پہنچی ہوئی ہیں رویت خداوندی کا ثبوت ملتا ہے۔ اتنی کثیر احادیث کا انکار کیونکر ممکن ہے۔ [تفسیر تبيان القرآن ج ۵ ص ۳۳۵، مطبوعہ فناء القرآن، ممبئی، کشنور کا دور]

رویت باری تعالیٰ کے ثبوت کے لیے قرآن و احادیث سے استدلال

وَجُودُهُ يُؤْتِيهِ لَأَجْنَظُرُ ۖ إِلَىٰ رَبِّهَا لَا يَظُنُّ ۖ

اس دن بہت سے چہرے تر تازہ ہوں گے ○ اپنے رب تعالیٰ کی طرف دیکھنے والے ہوں گے ○ [القصص: ۲۳-۲۴]

(۲) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جنت کے ادنیٰ شخص کا یہ مرتبہ ہوگا کہ وہ اپنی جنتوں کی طرف اور اپنی بیویوں کی طرف اور اپنے خادموں کی طرف اور اپنی کنیزوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھ سکے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہوگا جو صبح، شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا پھر رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا آیت پڑھیں۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

بے شک جنتی حضرات ہر جمعہ المبارک کو اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا کریں گے۔

(۴) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اے میرے اللہ! میں تجھ سے موت کے بعد آرام دہ زندگی اور حیرے رخ زیبائی کی زیارت کی لذت اور حیرے دیدار کے شوق کا

سوال کرتا ہوں بغیر نقصان وہ ضرر اور بغیر گمراہ کن فتنہ کے۔

(۵) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم اپنے رب تعالیٰ کا دیدار ہرگز نہیں کر سکو گے یہاں تک کہ تم دنیا سے وفات پا جاؤ۔

(۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنتی اپنی نعمتوں میں سرور ہوں گے کہ چاہے ان پر ایک نور چمکے گا وہ اپنے سروں کو اوپر اٹھائیں گے تو رب تعالیٰ ان کے اوپر جلوہ افروز ہو کر متوجہ ہوگا اور فرمائے گا: اے جنتیو! تم پر سلام ہو اور یہی مطلب ہے (سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَجِيمٍ) (یس: ۵۸) مہربان رب کی طرف سے سلام کہا جائے گا ○ کا چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے سو جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتے رہیں گے اس وقت تک کسی اور نعمت کی طرف نہیں دیکھیں گے یہاں تک کہ ان کے سامنے حجاب حائل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کی برکت ان کے گھروں میں باقی رہے گی۔ [تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۳۳-۱۳۰ مطبوعہ ندوۃ المصطفیٰ دہلی] نیز حدیث ۲ کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

[تفسیر معالم الثوبیل ج ۳ ص ۲۲۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت] تفسیر روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۳۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور

(۷) امام مسلم اور امام ترمذی حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایک اور نعمت عظیم عطا کروں سو جنتی حضرات عرض کریں گے کہ کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن و سفید نہیں کیا؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور کیا آپ نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات نہیں بخشی؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ ان سے حجاب کو اٹھا دے گا چنانچہ جنتیوں کو ان کے رب تعالیٰ کے دیدار کی نعمت سے بڑھ کر کوئی محبوب ترین نعمت عطا نہیں کی جائے گی (بلکہ ان کے لیے جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر دیدار الہی کی نعمت عظیم ترین اور محبوب ترین ہوگی) اور حضرت جابر کی روایت میں ہے جسے امام ابن ماجہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ الہی جنت کی طرف نظر کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طرف دیکھتے ہوں گے اور جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اس وقت تک وہ جنت کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی طرف نہیں دیکھیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے حجاب ڈال دے گا۔

[تفسیر روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۳۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور]

(۸) قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْاَحْسَنٰی وَزِيَادَةٌ ﴿۱۲۶﴾ [یس: ۱۲۶]

جن لوگوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے بہترین اجر و ثواب

ہے اور مزید سب سے بہترین صلہ ہے۔

الحسن سے جنت مراد ہے اور ”زیادۃ“ سے اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنا اور اس کا دیدار کرنا مراد ہے۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت کا یہی قول ہے جن میں حضرت ابوبکر، حضرت حذیفہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم شامل ہیں اور حضرت حسن بصری، حضرت عکرمہ، حضرت عطاء، حضرت مقاتل، حضرت ضحاک اور حضرت سدی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت مبارکہ کو پڑھا اور فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی (اعلانچی) اعلان کرے گا کہ اے جنت میں داخل ہونے والو! بے شک تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس ایک وعدہ ہے وہ تم سے اپنا یہ وعدہ پورا کرتا چاہتا ہے تو جنتی حضرات عرض کریں گے: وہ کون سا وعدہ ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے

تو بڑھا نہیں دیے؟ اور کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن و سفید نہیں کیا؟ اور کیا اس نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات دلائی؟ فرمائی؟ آپ نے فرمایا: پھر حجاب اٹھا دیا جائے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے چہرہ انور کی طرف دیکھیں گے (جیسا اس کی شہن کے لائق ہے) آپ نے فرمایا: انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر کوئی نعمت محبوب نہیں ہوگی۔

[تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۵۱، مطبوعہ دارالعرفۃ، بیروت، تفسیر روح المعانی الجزء الحادی عشر ص ۱۰۳-۱۰۲، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر غزالی تفسیر مدارک ج ۲ ص ۳۱۱، مطبوعہ دارالکتب العربیہ، الکبریٰ بمصر، تفسیر مظہری ج ۵ ص ۲۲-۲۱، مطبوعہ مدۃ المصطفین، دہلی]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۲۔ کتاب العلم

دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے

۱۔ بَابُ طَلَبِ الْعِلْمِ فَرِيضَةً

۳۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَسَّامٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ (شرحی تفسیر) (۲۲۴) (ضرورت) فرض ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ" (شریعت کا) علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر (پہنچا) ضرورت ہے۔

حل لغات

"طَلَبٌ" یہ باب نَصْرٌ مَفْعُولٌ سے مصدر کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے: تلاش کرنا، حاصل کرنا اور طلب کرنا۔ "الْعِلْمُ" یہ باب سَوْغٌ مَفْعُولٌ سے مصدر کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے: جاننا اور ادا کرنا، پہچاننا، یقین کرنا۔ "فَرِيضَةٌ" بمعنی المفعول ہے اس کا معنی ہے: مقرر کردہ حصہ واجب لازم فرض۔

علم دین کی اہمیت

علم سے علم دین مراد ہے جو کتاب و سنت سے متعلق ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک علم مبادی اور دوسرا علم مقاصد اور علم مہادی سے وہ تمام علوم مراد ہیں جن پر کتاب و سنت کی معرفت موقوف ہے جیسے لغت عرب، صرف و نحو کا علم، علاوہ ازیں دیگر علوم عربیہ اور علم مقاصد سے وہ تمام علوم مراد ہیں جن کا تعلق احوال، اخلاق اور عقائد کے ساتھ ہے۔ [المعتمد لللغات ج ۱ ص ۱۵۰، مطبوعہ نور پور رضویہ سکسرا] علم سے شرعی علم مراد ہے یعنی قرآن و حدیث اور فقہ و فیرہ خیال رہے کہ علم نور الہی ہے جو بندہ کو عطا ہوتا ہے اگر بشر کے واسطے سے حاصل ہو تو یہ کسی علم کہلاتا ہے ورنہ علم لدنی، لدنی کی بہت سی قسمیں ہیں: وحی الہام، فراست وغیرہ۔ وحی انبیائے کرام کے ساتھ خاص ہے اور الہام اولیاء اللہ سے فراست ہر مومن کو بہ قدر ایمان نصیب ہوتی ہے۔ فراست و الہام وہی معتبر ہے جو خلاف شرع نہ ہو خلاف شرع ہو تو یہ دوسرے ہے۔ [مرآۃ السانج شرح مشکوٰۃ الصالح ج ۱ ص ۱۸۵، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ کجرات] ملا علی قاری لکھتے ہیں:

علم مومن کے قلب میں ایک نور ہے جو فائز نبوت کے چراغ سے مستفاد ہوتا ہے۔ یہ علم نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال اور احوال کے ادراک کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، افعال اور اس کے احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے اگر یہ علم کسی بشر کے واسطے سے حاصل ہو تو کسی ہے اور اگر بلا واسطہ حاصل ہو تو علم لدنی ہے۔ علم لدنی کی تین قسمیں ہیں: وحی الہام اور فراست و وحی کا

لغوی معنی ہے: سرعت (جلدی) سے اشارہ کرنا اور اصطلاحی معنی ہے: وہ کلام الہی جو نبی کریم کے دل میں حاصل ہو پھر جس کلام کے الفاظ اور معانی کا حضرت جبریل کے واسطے سے نبی کریم پر نزول ہو وہ کلام الہی یعنی قرآن مجید ہے اور جس کلام کے صرف معانی کا نزول نبی کریم ﷺ پر ہو اور نبی کریم ﷺ اس معنی کو اپنے الفاظ کے ساتھ تعبیر فرمائیں وہ حدیث نبوی ہے۔ الہام کا لغوی معنی ابلاغ (یعنی پہنچانا) ہے اور اصطلاح میں وہ علم حق ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں پر انعام کرتا ہے اور ان کو امور غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اور فراست وہ علم ہے جس میں ظاہری صورت کو دیکھ کر امور غیبیہ منکشف ہوتے ہیں۔ الہام میں ظاہری صورت کا واسطہ نہیں ہوتا بلکہ واسطہ کشف ہوتا ہے اور فراست میں ظاہری صورتوں کا واسطہ ہوتا ہے اور الہام اور وحی میں یہ فرق ہے کہ الہام وحی کے تابع ہوتا ہے اور وحی الہام کے تابع نہیں ہوتی (نیز وحی سے حاصل ہونے والا علم قطعی اور یقینی ہوتا ہے اور الہام سے حاصل ہونے والا علم ظنی ہوتا ہے۔ سعیدی غفرلہ) علم یقین دلائل سے حاصل ہوتا ہے۔ یقین المثبت مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اور حق الیقین تجربہ سے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ (شرح مسلم ج ۷ ص ۳۶۳-۳۶۴ مطبوعہ لریہ یک سال بحوالہ مراتب ج ۱ ص ۲۶۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان)

امام بیہقی بیان کرتے ہیں کہ جب علم کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد علم دین ہوتا ہے اور اس کی متعدد اقسام ہیں:

- (۱) اللہ عزوجل کی معرفت کا علم اس کو علم الاصل کہتے ہیں۔
- (۲) اللہ عزوجل کی طرف سے نازل شدہ چیزوں کا علم اس میں علم نبوت اور احکام اللہ کا علم بھی داخل ہے۔
- (۳) کتاب و سنت کی نصوص اور ان کے معانی کا علم اس میں مراتب نصوص، نسخ اور منسوخ، اجتہاد قیاس، صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کا علم اور ان کے اتفاق اور اختلاف کا علم بھی داخل ہے۔
- (۴) جن علوم سے کتاب و سنت کی معرفت اور احکام شرعیہ کا علم ممکن ہو اس میں لغت عرب، نحو، صرف اور محاورات عرب کی معرفت بھی داخل ہے۔

عوام کے لیے قدر ضروری علم کا بیان

امام بیہقی لکھتے ہیں: امام شافعی نے فرمایا: علم کی دو قسمیں ہیں: عوام کا علم اور خواص کا علم۔ عوام کا علم: عوام کے لیے جاننا فرض اور ضروری ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہیں اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر ماہ رمضان کے روزے فرض کیے ہیں اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے اور ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے اور زنا، قتل، چوری اور شراب نوشی کو ان پر حرام کر دیا ہے اسی طرح وہ احکام جاننا بھی ضروری ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکلف کیا ہے جن کا کرنا اور جن سے اجتناب اس پر ضروری ہے ان سب کا جاننا اس پر ضروری ہے۔ ان احکام کی صراحت قرآن مجید میں مذکور ہے اور یہ احکام اللہ اسلام میں تواریک کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں۔ یہ وہ علم ہے جس میں غلطی، تاویل یا اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

خواص کے لیے قدر ضروری علم کا بیان

احکام شرعیہ کی تمام فروعات کا علم حاصل کرنا، قرآن مجید کی صریح عبارات، دلالت، اشارت اور اقتضاء نصوص کو جاننا اور اسی طرح احادیث اور آثار کا علم حاصل کرنا، قیاس اور اس کی شرائط کو جاننا اور ایسی مہارت و صلاحیت حاصل کرنا کہ تمام پیش آمدہ مسائل کتاب و سنت سے حل بتایا جاسکے۔ ہر شخص کے لیے اتنی مہارت حاصل کرنا ضروری نہیں ہے لیکن مسلمانوں میں سے چند افراد کے لیے اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا
نَفَرْنَا مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ
وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ
يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾ [البقرة: ۱۲۲]

اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سب مسلمان ایک ساتھ نکل کھڑے ہوں
تو ان کے ہر گروہ سے ایک جماعت کیوں نہ نکلی تاکہ وہ لوگ دین کی فہم
حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرائیں تاکہ وہ (گناہوں سے)
بچے رہیں ○

خلاصہ یہ ہے کہ اتنا وسیع علم حاصل کرنا جو احکام شریعہ کی تمام فروعات اور جزئیات پر مع ان کے دلائل محیط ہو یہ فرض کتاب ہے
اور ان جزئیات کے حافظ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام مسائل اور ان کے دلائل نہ ہائی یاد ہوں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس شخص
میں ایسی مہارت ہو کہ جب بھی اس سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ قرآن مجید، احادیث اور کتب فقہ سے دلائل کے ساتھ اس کا جواب
دے سکے اور اسی شخص کو عالم دین مفتی اور فقیہ کہتے ہیں۔ (اغراض انتخاب شرح مسلم ج ۷ ص ۳۶۵-۳۶۳-۳۶۳ مطبوعہ فرید بک سنٹر لاہور)
علم دین اور علمائے دین کی فضیلت

واضح رہے کہ یہاں ہر حدیث کے ساتھ کتاب جلد صحنی اور مطبوعہ کا ذکر کرنے کی بجائے پہلے کنز العمال اور موضوع سے متعلق
تمام احادیث مبارکہ کو مرقوم ذکر کیا جائے گا پھر آخر میں کتاب کا نام جلد صحنی اور مطبوعہ کا ذکر کیا جائے گا۔
(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كَلْبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ. وَوَاجِبُ
الْعِلْمِ حَيْثُ خَيْرٌ أَهْلُهُ كَمَقْلَدِ الْغَنَائِي فِي الْجَوْهَرِ
وَالْمُلُوكِ وَالذَّهَبِ. [کنز العمال: ۲۸۶۳۸]

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض (یعنی ضروری) ہے اور نال ہے
علم پیش کرنے والا اس طرح ہے جس طرح خنزیروں کے گتے میں جڑ
سوتلی اور سونے کے ہار پہنانے والا ہے۔

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كَلْبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَإِنْ
طَالَبَ الْعِلْمَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَخَفَى
الْحِجَابَانِ فِي الْبَحْرِ. [کنز العمال: ۲۸۶۳۹]

علم طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور بے شک طالب علم کے
لیے ہر چیز استغفار و بخشش طلب کرتی ہے یہاں تک کہ دریا اور سمندر میں
اس کے لیے پھیلیاں مشققت طلب کرتی ہیں۔

(۳) كَلْبُ الْعِلْمِ أَفْضَلُ حَيْثُ اللَّهُ مِنَ الصَّلَاةِ
وَالصِّيَامِ وَالْحَجِّ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
تَعَالَى. [کنز العمال: ۲۸۶۵۱]

علم حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز سے اور روزوں سے اور
حج سے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے بہتر ہے۔

(۴) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ سَاعَةٌ خَيْرٌ مِنْ قِيَامٍ لَيْلَةٍ وَطَلَبُ
الْعِلْمِ يَوْمًا خَيْرٌ مِنْ حِيَامٍ ثَلَاثَةِ أَشْهُرٍ.
[کنز العمال: ۲۸۶۵۲]

ایک گھنٹہ علم طلب کرتے رہنا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے
اور ایک دن علم طلب کرتے رہنا تین ماہ کے روزوں سے بہتر ہے۔

(۵) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْعِلْمُ أَفْضَلُ مِنَ الْعِبَادَةِ وَمَلَكَ الْوَرَعِ
الَّذِينَ. [کنز العمال: ۲۸۶۵۳]

علم عبادت سے افضل ہے اور دین کا سرمایہ پر بیزگاری ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ دِيْنٌ اَلصَّلٰوةُ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ قَاعِدُوْنَ هٰذَا الْعِلْمَ وَكَفَيْتُمْ تَصْلُوْنَ هٰذَا الْعِلْمَ لَوْلَاكُمْ تَسَالُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
علم دین ہے نماز دین ہے سو تم غور کرو کہ تم یہ علم کس سے حاصل کرتے ہو اور تم یہ نماز کیسی ادا کرتے ہو کیونکہ قیامت کے دن تم سے الصلوٰۃ لولاکم تسالون یوم القیامۃ۔ پوچھا جائے گا۔

[کنز العمال: ۲۸۶۶۳]

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ لَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ وَذَلِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَ عِلْمٌ عَلٰی اللِّسَانِ فَذٰلِكَ حُجَّةُ الْوَلٰئِ عَلٰی اَبْنِ اٰدَمَ۔ [کنز العمال: ۲۸۶۶۳]
علم کی دو قسمیں ہیں: پس ایک وہ علم جو دل کی اتھاہ گہرائی میں اتر جائے اور یہ مفید و نافع علم ہے اور دوسرا وہ علم جو صرف زبان پر ہے سو یہ علم ابن آدم پر اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔

(۸) ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ مِثْرَانِ وَ مِثْرَاَتِ الْاَنْبِيَاۃِ قَلْبِي۔
علم دین میری مراث ہے اور مجھ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی میراث ہے۔ [کنز العمال: ۲۸۶۶۳]

(۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ وَالْقَالُ يَسْعُرَانِ كُلُّ غَبِيْطٍ وَ الْجَهْلُ وَالْقُفْرُ يَنْكُشَانِ كُلُّ غَبِيْطٍ۔ [کنز العمال: ۲۸۶۶۵]
علم اور مال ہر عیب کو چھپا لیتے ہیں اور جہالت و غربت ہر عیب کو ظاہر کر دیتے ہیں۔

(۱۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْعُلَمَاءُ مَصَابِيْحُ الْاَرْضِ وَ خُلَفَاءُ الْاَنْبِيَاۃِ وَ وُزَرَئِيْ وَ وُزَرَئِيْ الْاَنْبِيَاۃِ۔ [کنز العمال: ۲۸۶۷۳]
علمائے دین زمین پر چراغ ہدایت ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام کے سجادہ نشین ہیں اور میرے وارث ہیں اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے (علمی) وارث ہیں۔

(۱۱) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَتَّبِعُوا الْعُلَمَاءَ فَاِنَّهُمْ سُرُجُ الدُّنْيَا وَ مَصَابِيْحُ الْاٰخِرَةِ۔ [کنز العمال: ۲۸۶۷۷]
تم علمائے دین کی پیروی کرو بے شک وہ دنیا میں (ہدایت کے) چراغ ہیں اور آخرت میں (شفاعت کے) چراغ ہیں۔

(۱۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب بل صراط پر عالم دین اور عابد (عبادت گزار) جمع ہوں گے تو عابد سے کہا جائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور اپنی عبادت کے صلہ میں جنتی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہو اور عالم دین سے کہا جائے گا کہ تم یہیں ٹھہرو اور ہر اس شخص کی شفاعت (سفارش) کرو جس کے ساتھ تمہاری دوستی رہی کیونکہ آج تم جس شخص کی بھی شفاعت کرو گے وہ یقیناً قبول کی جائے گی کیونکہ وہ انبیائے کرام کا قائم مقام ہے۔ [کنز العمال: ۲۸۶۸۳]

(۱۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم علم طلب کرو خواہ تمہیں چھین جانا پڑے کیونکہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ بے شک علم دین کی طلب پر خوش ہو کر فرشتے طالب علم کے لیے اپنے پروں کو جھکا دیتے ہیں۔

[کنز العمال: ۲۸۶۹۳]

(۱۳) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَبِلَهْمِهِ

رُشْدُهُ۔ [کنز العمال: ۲۸۷۰۳]

اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کا سمجھ اور فہم و فراست عطا فرماتا ہے اور اسے دین کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔

(۱۵) حضرت انس بن مالک، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابوذر داء اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن علمائے دین کی سیاهی اور شہیدوں کے خون کا وزن کیا جائے گا تو علمائے دین کی سیاهی شہداء اسلام کے خون پر غالب اور بھاری ہو جائے گی۔ [کنز العمال: ۲۸۷۱۱]

(۱۶) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عالم دین کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح تم میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر میری فضیلت ہے۔ بے شک اللہ عز و جل اس کے فرشتے اور زمین و آسمان والے یہاں تک جو دنیاں اپنے بلوں میں اور عجلیاں و ریاضوں اور سمندروں میں خیر و بھلائی (یعنی دین اسلام) کی تعلیم دینے والے کے لیے رحمت و کرم کی دعا کرتے ہیں۔ [کنز العمال: ۲۸۷۳۶]

(۱۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ (قرب قیامت میں) تمہیں علم دین عطا فرما کر تم سے نہیں چھینے گا لیکن علمائے دین کو (وقات دے کر) اٹھا لے گا اور نہال باقی رہ جائیں گے لوگ ان سے مسائل پوچھیں گے اور وہ (بغیر علم کے) فتویٰ دیں گے تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ [کنز العمال: ۲۸۷۳۷]

(۱۸) حضرت ابوذر غفاری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کسی طالب علم پر طالب علمی کی

حالت میں موت آ جاتی ہے تو وہ اس کے لیے شہادت کی موت ہوتی ہے اور وہ شہید ہوتا ہے۔ [کنز العمال: ۲۸۶۸۹]

(۱۹) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

هَالِكٌ يَنْتَفِعُ بِهِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفٍ عَابِدٍ۔ ایسا عالم دین جس کے علم سے فائدہ اور نفع اٹھایا جاتا ہے وہ ایک

[کنز العمال: ۲۸۷۱۹] ہزار عابد (عبادت گزار) سے بہتر ہے۔

(۲۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَجَالِسُ الْعُلَمَاءِ جِبَادَةٌ۔ [کنز العمال: ۲۸۷۵۲] علمائے دین کی محافل عبادت ہیں۔

(۲۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بہترین عبادت دین کی فہم و فراست اور اس کی سمجھ حاصل کرنا ہے اور سب سے بہترین دین تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنا ہے۔ [کنز العمال: ۲۸۷۵۹]

(۲۲) تم علمائے دین کی تعظیم کیا کرو کیونکہ وہ انبیائے کرام علیہ السلام کے وارث ہیں سو جس شخص نے ان کی عزت و تعظیم کی اس نے بے

شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی عزت و تعظیم کی۔ اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مرفوع بیان کیا ہے۔ [کنز العمال: ۲۸۷۶۰]

(۲۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

أَوَّلُ مَنْ يُشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ قِيَامَتِ كَـ دُن سب سۛ ٲلۛ انبۛائۛ كرام ٱٱٱٱ شفاعت كرس
ثُمَّ الشُّهَدَاءُ. [كنز العمال: ۲۸۷۶۹] كۛ ٱٱٱٱٱٱ دۛن ٱٱٱٱٱٱٱٱٱٱٱٱ اسلام۔

(۲۴) حضرت انس بن مالك رضی اللہ عنہ بیان كرتے ٱٱں كہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قِيَامَتِ كَـ دُن سب سۛ زۛادۛ نخت ترۛن حسرت وندامت دو آدمۛں كو ٱٱوگۛ۔ اۛك وہ آدمۛ جس كو اللہ تعالٰیٰ نے دُنۛا مۛں علم حاصل كرنۛ كا موقع اور قدرت و طاقت عطا كۛ لۛكن اس نے علم حاصل نہ كۛا اور دوسرا وہ آدمۛ جس نے علم تو حاصل كۛا اور دوسرۛ لوگوں نے اس سۛ سن كہ اس كۛ علم سۛ فائدۛ اور نفع اٹھایا لۛكن وہ خود اس سۛ محروم رہا۔ [كنز العمال: ۲۸۷۶۹]

(۲۵) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان كرتے ٱٱں كہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا مَرَدُّكُمْ بِرَبِّكُمْ الْجَنَّةُ فَارْتَعُوا قَبِيلَ وَمَا جِبۛ تم جنت كۛ باغات كۛ ٱاس كز رو توان مۛں سۛ چلۛا كرو۔
رَبَّائِ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: مَجَالِسُ الْعِلْمِ. مرض كۛا كۛا كہ جنت كۛ باغات كون سۛ ٱٱں؟ آپ نے فرمایا: علم كۛ
[كنز العمال: ۲۸۷۶۹] محافل۔

(۲۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان كرتے ٱٱں كہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جَوْفُضُ عِلْمٍ حَاصِلُ كَرۛنۛ كۛ لۛے سر كرتا ٱٱو كوئۛ راستۛ طے كرتا ٱٱے تو اللہ تعالٰیٰ اس كۛ لۛے جنت كۛ طرف جانۛ والا راستۛ آسان كردیتا ٱہ۔ [كنز العمال: ۲۸۷۶۹۵]

(۲۷) حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان كرتے ٱٱں كہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عِلِّمَ عِلْمًا فَلَهُ أَجْرٌ مِّنْ عَمَلٍ بِهِ لَا يَنْقُصُ جِسۛ مۛں كسۛ كو علم سكھا یا تو اسۛ اس علم ٱر عمل كرنۛ والۛ كۛ
وَمِنْ أَجْرِ الْعَامِلِ. [كنز العمال: ۲۸۷۶۹۹] طرح اجر و ثواب طے كا لۛكن عمل كرنۛ والۛ كۛ اجر و ثواب مۛں كۛ
نہیں ٱوگۛ۔

(۲۸) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیان كرتے ٱٱں كہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا جِسۛ كۛ ساتھ اللہ تعالٰیٰ بھلائۛ كا ارادۛ فرماتا ٱہ اسۛ دۛن كۛ
أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يَعْطِي. [كنز العمال: ۲۸۷۵۵] سكھ عطا فرمادیتا ٱہ اور بۛ شك مۛں تقسیم كرنۛ والا ٱوں اور اللہ تعالٰیٰ
عطا فرمانۛ والا ٱہ۔

(۲۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان كرتے ٱٱں كہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بۛ شك جنتۛ لوگ جنت مۛں علمائۛ دۛن كۛ محتاج ٱوں كۛ اور ٱہ اس لۛے كہ جنتۛ جنت مۛں ٱر جحدۛ السبارك كو اللہ تعالٰیٰ كۛ زيارت كرس كۛ اور اللہ تعالٰیٰ ان سۛ فرمائۛ كا كہ تم جو چا ٱو كھ سۛ تمنا كرو تو جنتۛ حضرات علمائۛ دۛن كۛ طرف متوجہ ٱو كر عرض كرس كۛ كہ ہم كۛا تمنا كرس كۛ سو علمائۛ كرام فرمائیں كۛ كہ تم اللہ تعالٰیٰ سۛ اس طرح اور اس طرح تمنا كرو ٱس جنتۛ جنت مۛں ٱہی علمائۛ كرام كۛ اسۛ طرح محتاج ٱوں كۛ جس طرح وہ دُنۛا مۛں ان كۛ محتاج ٱوتے تھے۔ [كنز العمال: ۲۸۷۶۳]

(۳۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ كا بیان ٱہ كہ نبۛ كرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بۛ شك ٱر چۛز كا ستون ٱوتا ٱہ اور اس دۛن كا ستون لحدۛ ٱہ اور بۛ شك اۛك فقیہ شیطان ٱر ہزار عابد سۛ بڑھ كر زۛادۛ نخت اور بھاری ٱوتا ٱہ۔ [كنز العمال: ۲۸۷۶۳]

(۳۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان كرتے ٱٱں كہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک علمائے دین کی مثال آسمان کے ستاروں کی طرح ہے جن سے جنگلوں، صحراؤں اور دریاؤں، سمندروں کے اندر مچروں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، پھر جب ستارے ڈوب جاتے ہیں تو تقریباً رہنمائی پانے والے بھٹک جاتے ہیں۔

[کنز العمال: ۲۸۷۵]

(۳۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کیا میں تمہیں سب سے بڑھ کر بہت بڑے نخی کے بارے میں نہ بتاؤں؟ (سنو) اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ نخی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر بہت بڑا نخی ہے اور (سنو) میں تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ نخی ہوں اور میرے بعد سب سے زیادہ نخی وہ شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا، پھر اسے لوگوں میں پھیلا یا اور اس کی نشر و اشاعت کی (تاکہ لوگ فائدہ اٹھائیں) قیامت کے دن وہ ایک گروہ کی قیادت کرتے ہوئے اٹھے گا اور ایک وہ شخص میرے بعد سب سے زیادہ نخی ہوگا جس نے اپنی جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کر دی، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا۔ [کنز العمال: ۲۸۷۷]

(۳۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اے لوگو!) کیا میں تمہیں اپنے اور اپنے صحابہ اور اپنے سے پہلے انبیائے کرام کے خلفاء (جانشینوں) کے متعلق نشان دہی اور رہنمائی نہ کر دوں؟ (سنو) وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کی رضا کے لیے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی تعلیم و تبلیغ کی ذمہ داری اٹھانے والے علمائے دین ہیں۔ [کنز العمال: ۲۸۷۸]

(۳۴) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم نبی اعظم ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے عالم و عارف کی ایک رکعت نماز اللہ تعالیٰ سے جا ملے تو اوقات کی ایک ہزار رکعات نماز سے بہتر ہے۔

[کنز العمال: ۲۸۷۸]

(۳۵) حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عالم دین کی فضیلت عابد پر ستر درجے زیادہ ہے جن میں سے ہر درجہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ [کنز العمال: ۲۸۷۹]

(۳۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

عالم دین کی فضیلت اپنے غیر پر اس طرح ہوتی ہے جس طرح نبی کی فضیلت اپنی امت پر ہوتی ہے۔ [کنز العمال: ۲۸۷۹]

(۳۷) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میری امت میں سے جو شخص میری سنت سے متعلق چالیس احادیث مبارکہ حفظ کر لے گا میں اسے قیامت کے دن اپنی شفاعت میں داخل کر لوں گا۔ [کنز العمال: ۲۸۸۳]

(۳۸) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس کے پاس موت کا فرشتہ اس حال میں روح قبض کرنے آ جائے جبکہ وہ علم دین حاصل کر رہا ہو تو اس طالب علم کے درمیان اور انبیائے کرام کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق رہ جاتا ہے اور وہ نبوت کا درجہ ہے۔ [کنز العمال: ۲۸۸۴]

(۳۹) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص علم دین کی طلب میں مشغول ہو جاتا ہے تو جنت اس کی طلب میں ہوتی ہے اور جو شخص مٹا ہونے کی طلب میں مشغول ہو

جاتا ہے تو دوزخ کی آگ اس کی طلب میں ہوتی ہے۔ [کنز العمال: ۲۸۸۳۸]

(۴۰) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام بندوں کو جمع فرمائے گا پھر ان میں سے علمائے دین کو الگ کر لے گا اور فرمائے گا: اے جماعت علماء ابے شک میں نے تمہارے دلوں میں اپنا علم اس لیے نہیں رکھا کہ میں تمہیں عذاب دینا چاہتا ہوں (بلکہ تم آزاد ہو اور جنت میں) چلے جاؤ کیونکہ میں نے تمہیں یقیناً بخش دیا ہے۔ [کنز العمال: ۲۸۸۹۶]

[ماخوذ من کتاب کنز العمال ج ۱۰ ص ۵۵-۵۷ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرافیہ لندن]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض (یعنی ضروری) ہے۔

۳۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ قَاصِحٍ عَنْ بُخَيْرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ الْعُلَمَاءِ لِرَبِّهِمْ عَلَى شَكْلِ مَنْسَلِمٍ.

ابن ماجہ (۲۲۴)

دینی مسائل و احکام جاننا عورتوں کے لیے بھی لازم اور واجب ہے

جاننا چاہئے کہ جس طرح طلب علم کی ان مذکورہ بالا دونوں احادیث مبارکہ کی وجہ سے مردوں پر بنیادی دینی مسائل و احکام اور بنیادی حقوق و فرائض کی تعلیم فرض و لازم ہے اسی طرح عورتوں پر بھی یہ تعلیم فرض و لازم ہے۔ خصوصاً خواتین کے مسائل مثلاً حیض و نفاس، غسل و طہارت، حمل و وضع حمل، رضاعت اور عدت وغیرہ کی تعلیم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ باقی رہا مرد و عورتی نظام تعلیم تو موجود ترقی پذیر دور میں معاشی، اقتصادی، صنعتی اور حربی آلات سازی اور دیگر جدید اور جائز ایجادات کی ترقی میں غیر مسلموں کا نہ صرف مقابلہ کرنے بلکہ ان سے سبقت حاصل کرنے کے لیے ان علوم کی تعلیم صاحب صلاحیت ذہین و عقل افراد کے لیے بہت ضروری ہو گئی ہے البتہ عامۃ المسلمین کے لیے ضروری تو نہیں لیکن ممنوع و حرام بھی نہیں ہے شریکہ تعلیمی مواد خلاف اسلام نہ ہو اور اگر مغربی علوم میں خلاف اسلام یا جنسی مضامین کی تعلیم دی جائے تو صرف یہی مضامین ممنوع و حرام ہو جائیں گے۔ البتہ مسلمانوں کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ لڑکوں کے لیے تعلیمی درس گاہیں الگ ہوں اور لڑکیوں کے لیے الگ ہوں نیز طالبات کو صرف خواتین معلمات پڑھائیں اور طلباء کو صرف مرد معلمین پڑھائیں نیز درودی اسلامی تقاضوں اور شرعی آداب کے مطابق ہوتا کہ بے پردگی، اختلاط و میل جول اور جنسی بے راہ روی کا سد باب ہو سکے۔ تعلیم نسواں اور تعلیم کتا بہت نسواں دونوں مضامین کے ثبوت پر دلائل کے ساتھ گفتگو کرنے سے موضوع بہت طویل ہو جائے گا۔ فی الحال مرد و زن کی مخلوط تعلیم کی تباہ کاریوں پر قرآن و سنت اور اقوال صحابہ وغیرہ کی روشنی میں مختصر مگر جامع بیان تحریر کیا جاتا ہے تاکہ مسلمان حکمران خدا خونی کے پیش نظر جلد سے جلد طلباء اور طالبات کے لیے الگ الگ درس گاہیں تعمیر کرائیں اور خود والدین بھی اپنی لڑکیوں کو مخلوط درس گاہوں میں داخل کرانے کی بجائے اپنے گھروں میں پرانویہ تعلیم دلائیں۔ خصوصاً دینی تعلیم تمام بچیوں اور بچوں کو دلائیں تاکہ مستقبل میں آنے والی نسل کی تربیت اسلامی خطوط پر ہو سکے اور صالح معاشرہ وجود میں آ سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور قرآن مجید صالح اور نیک معاشرت و ثقافت کے متقاضی ہیں ہمیں اس لیے اسلام نے زنا کاری اور اس کے اسباب کا سد باب کرنے پر بہت زور دیا ہے چونکہ زنا کاری کی ابتداء غیر محرم کو بری نیت کے ساتھ دیکھنے سے ہوتی ہے جس کے سبب جنسی جذبات میں تحریک پیدا ہوتی ہے جو آخر کار زنا کاری پر منتج ہوتی ہے اس لیے اسلام نے فقط بدکاری سے نہیں روکا بلکہ ان تمام وسائل و ذرائع پر پابندی لگا دی ہے جو انسان کو زنا کاری و بدکاری اور دیگر گناہوں کی

طرف لے جاتے ہیں ان میں سے ایک نظر بد ہے جس کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔

مخلوط نظام تعلیم کی تباہ کاریاں

(۱) اختلاط و میل جول کی مذمت

موجودہ دور جس کو ترقی کا دور کہا جاتا ہے اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کو اکٹھے تعلیم دی جاتی ہے اور آج کے اس دور میں اس کو کوئی معیوب عمل نہیں سمجھا جاتا بلکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ جن سکولوں اور کالجوں میں مخلوط نظام تعلیم ہے وہ ان سکولوں اور کالجوں سے زیادہ کامیاب ہیں جن میں مخلوط نظام تعلیم (یعنی لڑکیوں اور لڑکوں کا اکٹھے تعلیم حاصل کرنے کا نظام) نہیں ہے جبکہ ہمارے پیارے آقا و مولیٰ ﷺ نے غیر محرم مرد اور غیر محرم عورت کو خلوت میں اکٹھے بیٹھنے اور ملنے جلنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے جیسا کہ کنز العمال کی درج ذیل احادیث مبارکہ سے واضح ہو جاتا ہے۔

(۱) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم عورتوں کے ساتھ خلوت نشینی کرنے سے بچو اور اس سے پرہیز کرو کیونکہ مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! جب کوئی مرد کسی غیر محرم عورت سے خلوت و تنہائی میں ملتا ہے تو ان دونوں کے درمیان غیر شیطان داخل ہو جاتا ہے (جو انہیں بدکاری پر اکساتا ہے) اور کسی آدمی کا خنزیر سے بغل گیر ہو کر لڑ پڑنا جس کی وجہ سے وہ خاک آلود یا کچڑ آلود ہو جائے یہ اس کے لیے اس سے بہت بھرا ہے کہ وہ کسی غیر محرم عورت کے کندھے کے ساتھ اپنے کندھے ملا کر چلے یا بیٹھے کیونکہ یہ اس کے لیے حلال و جائز نہیں۔ [کنز العمال: ۱۳۰۳۱]

(۲) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم خلوت میں عورتوں کے پاس مت جا پا کرو اگرچہ وہ بہو اور بھانجی کیوں نہ ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دہر کے ہارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: دیور تو موت ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۳۳]

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم ان عورتوں کے پاس ہرگز نہ جایا کرو جن کے خاوندان ہے دور اور غائب رہتے ہیں کیونکہ شیطان انسان کے خون دوزے کی جگہوں میں دوزتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! اور آپ میں بھی؟ آپ نے فرمایا: مجھ میں بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی تو میرا ہمزاد قرین اسلام قبول کر کے مسلمان ہو چکا ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۳۴]

(۴) حضرت طاؤس رحمہ اللہ تعالیٰ مرسل حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کے ساتھ خلوت نشینی کرے جو خود اس کی محرم نہ ہو اور نہ اس کے ساتھ اس کا اپنا محرم ہو۔ [کنز العمال: ۱۳۰۳۷]

(۲) غیر محرم کو دیکھنے کی ممانعت و مذمت

زنا کاری اور بدکاری کا پہلا راستہ نظر بازی ہے کیونکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب وہ کسی خوف ناک چیز کو دیکھتا ہے تو اس سے ڈرتا ہے اور اس سے دور بھاگتا ہے اور جب وہ کسی حسین و جمیل اور خوبصورت چیز کو دیکھتا ہے تو اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات ہر جائز اور ناجائز طریقے سے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس لیے اسلام نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو اپنی ٹاپیں پہنی رکھنے کا حکم دیا ہے اور ایک دوسرے کو دیکھنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَنْصَابِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ (النور: ۳۰)

(اے محبوب!) آپ مسلمان مردوں کو حکم فرمادیں کہ وہ اپنی ٹاپیں پہنی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے۔

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَنْصَابِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ (النور: ۳۱)

(اے محبوب!) مسلمان عورتوں کو حکم فرمادیں کہ وہ اپنی ٹاپیں پہنی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں۔

چونکہ بدکاری و زنا کاری کا سب سے خطرناک راستہ نظر بازی ہے اس لیے سب سے پہلے اسی کو بند کیا جا رہا ہے اور ان ہر دو آیات مبارکہ میں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی ٹاپیں پہنی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کیونکہ جب تک کسی نامحرم کی طرف نہیں اٹھے گی تو دل میں اس کی طرف تحریک و کشش پیدا ہی نہیں ہوگی تو بدکاری کا ارتکاب مفقود ہو جائے گا اور ان آیات مبارکہ میں آنکھوں کو مطلق بند رکھنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس کی طرف آنکھ بھر کر دیکھنے سے منع کیا گیا ہے جس کی طرف دیکھنا منوع اور حرام ہے اور نبی کریم ﷺ نے بھی نامحرم کی طرف دیکھنے سے سختی کے ساتھ منع فرمادیا ہے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہر انسان کے لیے زنا سے اس کا حصہ مقرر ہے سو آنکھوں کا زنا نظر بازی ہے زبان کا زنا بدکاری کی باتیں کرنا ہے کانوں کا زنا بدکاری کی باتیں سننا ہے دونوں ہاتھ زنا کاری کرتے ہیں سوان کا زنا نامحرم کو چھونا اور اسے پکڑنا ہے۔ دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں پس ان کا زنا بدکاری کی طرف چلنا ہے اور منہ بھی زنا کرتا ہے اور اس کا زنا بوس و کنار ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۴۳]

(۲) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے علی! (کسی نامحرم کو اچانک) دیکھنے کے بعد دوبارہ نہ دیکھنا کیونکہ پہلی نظر جہیں معاف ہے اور دوسری مرتبہ دیکھنا معاف نہیں ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۴۹]

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں واپس جاتی ہے سو جب تم میں سے کوئی آدمی کسی عورت کو دیکھ لے اور وہ اسے اچھی لگے تو وہ فوراً اپنی گھروالی کے پاس آئے کیونکہ بیوی سے جماعت اس کے دل کے نفسانی جذبات کو ختم کر دے گی۔ [کنز العمال: ۱۳۰۵۲]

(۴) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب کوئی مسلمان پہلی مرتبہ کسی عورت کو دیکھتا ہے پھر وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسی عبادت مہیا کر دیتا ہے جس کے ادا کرتے وقت وہ اپنے دل میں سرور و شادمانی اور لطف و لذت پاتا ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۵۵]

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک عورت ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے (جس کے ذریعہ وہ مردوں کو شکار کرتا ہے) سو جب کوئی آدمی کسی حسینہ جمیلہ اور خوب صورت عورت کو دیکھ لے پھر وہ فوراً اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر اپنی آنکھیں بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے

بعد اسے ایسی عبادت کی توفیق دے گا جس میں وہ روحانی لطف و لذت پائے گا۔ [کنز العمال: ۱۳۰۶۳]

(۶) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

پہلی نظر غلطی ہے (جو قابل معافی ہے) اور دوسری بار نظر کرنا عمد قصد اور ارادہ ہے (جس پر پکڑا ہو سکتی ہے) اور تیسری مرتبہ نظر کرنا ہلاکت و تباہی ہے اور عورت کے محاسن میں مسلمان کا دیکھنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر ملا تیر ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی رحمت و مغفرت کی امید پر نظر بازی کو ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے ایسی عبادت عطا کرتا ہے جس میں وہ روحانی لطف و لذت پاتا ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۶۹]

(۷) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس طرح مردوں کے لیے عورتوں کی طرف دیکھنا مکروہ اور ناجائز ہے اسی طرح عورتوں کے لیے مردوں کی طرف دیکھنا بھی مکروہ و ناجائز ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۶۷]

(۳) پردے کی اہمیت اور بے پردگی کی مذمت

دین اسلام نے اپنے ماننے والوں کو زندگی گزارنے کے جو سنہری اصول اور قواعد و ضوابط عطا فرمائے ہیں ان قوانین اور اصولوں پر عمل کیا جائے تو انسان دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہو سکتا ہے لیکن اس کی بجائے دین اسلام کے علاوہ دینی مذہب نے اپنے ماننے والوں کو جو قواعد و ضوابط دیئے ہیں ان میں کافی پیچیدگیاں پریشانیاں اور نقصانات ہیں جبکہ دین اسلام کے قواعد و ضوابط میں پیچیدگیوں کی بجائے آسانیاں پریشانیوں کی بجائے خوشیاں اور نقصانات کی بجائے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ان احکام میں سے ایک حکم اسلام نے اپنے ماننے والیوں (مومنات) کو عطا کیا ہے وہ پردہ کا حکم ہے۔ آج کے اس مادی ترقی یافتہ دور میں عورتوں کے لیے پردہ کو ایک ظلم تصور کیا جاتا ہے لیکن جن لوگوں نے اس پر عمل کیا ان کی عزتیں اور عصمتیں محفوظ رہیں اور جنہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی ان کی عزتیں اور عصمتیں غیر محفوظ رہیں اور وہ مختلف پریشانیوں میں مبتلا رہے۔ اس لیے اہل ایمان خواتین کو حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَذِيْبُنَّ دِيْنَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْحَكُنَّ
بِغَضْبَتِهِنَّ عَلَىٰ جُجُوْبِهِنَّ وَلَا يَذِيْبُنَّ دِيْنَهُنَّ
اور وہ اپنی زیب و زینت ظاہر نہ کریں مگر جتنا خود بخود ظاہر ہے اور
وہ اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگار ظاہر نہ کریں۔

[النور: ۳۱]

اس آیت مبارکہ میں عورتوں کو ختم احکام دیئے گئے ہیں:

(۱) عورتیں اپنی زیب و زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں سوا اس کے جس کے ظاہر کیے بغیر چارہ نہیں (جیسے دونوں آنکھیں، دونوں ہتھیلیاں، دونوں پاؤں)۔

(۲) اپنے دوپٹوں سے اپنے گریبان اور سینے ڈھانپ لیا کریں۔

(۳) اپنی پوشیدہ زیب و زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں (جیسے سینہ، گردن، سر، پنڈلیاں یا بالیاں، چوڑیاں اور پازیب وغیرہ)

یعنی عورت جب اپنے گھر سے نکلے تو ایسا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے کہ جس سے اس کا پورے کا پورا بدن چھپا ہونا چاہئے اور بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہیں ہونا چاہئے خصوصاً عورت کو اپنا سینہ چھپا کر رکھنا چاہئے لیکن آج ہماری بد قسمت عورتیں جب گھر سے باہر نکلتی ہیں تو پردہ کرتا تو دور کی بات ہے اپنے سروں پر دوپٹہ لینا بھی اپنی توہین سمجھتی ہیں جس کی وجہ سے سرنگا، سینہ سنگا، بلکہ آج کل تو ایسا باریک اور

تنگ و چست لباس عورتیں استعمال کرتی ہیں جس سے پورا جسم عیساں نظر آتا ہے جبکہ ایسا باریک لباس مسلم خواتین کے لیے جائز نہیں ہے۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس وقت انہوں نے باریک قمیص اور باریک دوپٹہ پہنا ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے اپنا منہ مبارک پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا جائز نہیں اور آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ماسوا اس کے اور اس کے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۷، ۳، مطبوعہ مطبع الطابع دہلی، کتاب اللباس]

(۲) حضرت علقمہ ابن ابی علقمہ اپنی والدہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت حصہ بنت عبد الرحمن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں جبکہ ان کے سر پر ایک باریک دوپٹہ تھا تو حضرت عائشہ نے (غضب ناک ہو کر) اس دوپٹہ کو پھاڑ کر (دور مال بنا دیا) تاکہ اوڑھنے کے قابل نہ رہے (رو مال کے کام آئے) اور اپنی طرف سے ایک موٹا دوپٹہ اوڑھ کر دیا۔

[مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۷، ۳، مطبوعہ مطبع الطابع دہلی]

اللہ تعالیٰ نے پردہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُكَلِّفُنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَفْضَلُ ۚ إِن يَبْتَغِ الْفَرَسَ فَلَا يُكُونَنَّ ۚ وَكَأَنَّ اللَّهَ فَخْرًا دَرَجَتًا [احزاب: ۵۹]

اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادیں کہ وہ (جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو) اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں یہ اس لیے کہ انہیں پہچان لیا جائے اور انہیں ستایا نہ جائے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے

حد مہربان ہے

شان نزول

اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے عرب میں ہزاروں قسم کی برائیاں قمیص ان میں سے ایک برائی یہ بھی تھی کہ عورتیں جب اپنے گھروں سے باہر نکلتیں خصوصاً رات کے وقت آزاد اور لونڈیاں بغیر کسی امتیاز کے ایک عامیادہ لباس میں قضاے حاجت کے لیے باہر میدانوں اور کھجوروں کے جھنڈوں کی طرف توڑ پھرنے کے یہود و مشرکین کے ادبаш نوجوان راستوں پر کھڑے ہو جاتے اور جب وہاں سے عورتیں گزرتیں تو وہ لوگ لونڈیوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتے اور بسا اوقات وہ آزاد عورتوں کے ساتھ بھی چھیڑ چھاڑ کر لیتے تھے۔

جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے یہاں مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو مسلم خواتین بھی اپنے ضروری کام اور قضاے حاجت کے لیے اپنے گھروں سے باہر نکلتیں تو ادباش نوجوان یہی غلط حرکتیں کرتے تھے۔ اگر انہیں روکا جاتا تو وہ کہتے: ہم پہچان نہیں سکے ورنہ ہماری کیا مجال کہ ہم ایسا کرتے۔

اسلام جو حیا اور پاکدامنی کا دین ہے اور اپنے ماننے والوں کی عزت و عصمت کی حفاظت کرتا ہے بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اس کے ماننے والوں کی عزت و عصمت اور آبرو محفوظ نہ ہو اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا اور اپنے نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے نبی! آپ اپنی ازواج مطہرات اور اپنی صاحبزادیوں اور تمام اہل ایمان کی عورتوں سے فرمادیجئے کہ جب وہ باہر نکلیں تو اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ ڈال لیا کریں اس طرح وہ بہ آسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا

کیونکہ حجاب کے باحیا لباس کی وجہ سے ان کی حشمت و شوکت بڑھ جائے گی اور ان کا رعب و دبدبہ زیادہ ہو جائے گا تو کوئی بدعاش ان سے کوئی طمع اور لالچ نہیں کر سکے گا۔ [تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۸۸، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور]

یہ تو ایک کھلی ہوئی بدیہی بات ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے مسلمان عورتیں جب کسی ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلتیں تھیں تو چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ ان کا سارا جسم مستور ہوتا تھا خصوصاً سورہ نور میں احکام ستر نازل ہونے کے بعد تو اس میں کی شر کی گنجائش نہیں ہے۔ اب سورہ الاحزاب میں احکام حجاب نازل ہونے کے بعد بھی اگر مسلمان عورتیں اسی طرح کھلے منہ پھرتی رہیں یا ان کا اسی طرح کھلے منہ پھرنا جائز ہوتا تو احکام حجاب نازل ہونے کا کیا ثمرہ مرتب ہوا اور آیات حجاب کو نازل کرنے سے کیا مقصد حاصل ہوا؟ اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ آیات حجاب میں عورتوں کو اپنے منہ اور ہاتھوں کو چھپانے کا حکم دیا ہے اور حجاب ستر سے زائد چیز ہے ستر عورت کے جسم کے اس حصہ کو چھپانا ہے جس کو شوہر کے سوا کسی اور شخص کے سامنے ظاہر نہیں کیا جاسکتا اور یہ ہاتھوں اور چہرے کے سوا عورت کا سارا جسم ہے عورت اپنے محارم (باپ، بھائی وغیرہ) کے سامنے صرف چہرہ اور ہاتھ ظاہر کر سکتی ہے اور باقی تمام جسم چھپائے گی اور حجاب کا تقاضا یہ ہے کہ عورت غیر محرم اجنبیوں کے سامنے اپنے تمام جسم کے ساتھ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو بھی چھپائے گی چونکہ پہلے مسلمان عورتیں اور ازواج مطہرات اجنبی مردوں کے سامنے چہرے کو نہیں چھپاتی تھیں اسی لیے حضرت عمر مضطرب رہتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے آیات حجاب نازل کیں تو ازواج مطہرات اور عام مسلمان عورتوں نے اجنبی مردوں سے اپنے چہروں کو حجاب میں مستور کر لیا۔ [تفسیر تہام القرآن ج ۹ ص ۵۵۹، مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور]

۲۔ بَابُ فَضِيلَةِ التَّقِيَّةِ فِي الدِّينِ

دین میں مہارت کی فضیلت

امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میں سن اسی ہجری (۸۰ھ) میں پیدا ہوا اور میں نے اپنے باپ کے ساتھ سن چھپانے (۹۶ھ) ہجری میں حج کیا اور اس وقت میں سولہ کی عمر کا تھا چنانچہ جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا اور میں نے بہت سے لوگوں کو ایک حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ حلقہ کس بزرگ کا ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ حلقہ نبی کریم ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن حارث بن جزمہ الثریذی کا ہے سو میں آگے بڑھ کر ان کے حلقہ میں شریک ہو گیا اور میں نے ان سے سنا کہ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں مکمل سمجھ اور مہارت حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام کاموں میں کفایت فرماتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

۳۳۔ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَلِدْتُ سَنَةَ ثَمَانِينَ وَخَمْسِينَ مَعَ أَبِي سَنَةَ نِسْتٍ وَثَمَانِينَ وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ عَشَرَ سَنَةً فَلَمَّا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَرَأَيْتُ حَلْقَةَ عَظِيمَةً فَقُلْتُ لَا بَيَّ حَلْقَةً بَيْنَ هَذِهِ فَقَالَ حَلْقَةُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْمَةَ الثَّرِيدِيِّ صَاحِبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ مَتَّ لَسَمِعْتُهُ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَفَقَّهَ فِي دِينِ اللَّهِ كَفَاهُ اللَّهُ تَعَالَى مِهْنَةً وَرَزَقَهُ مِنْ خَيْرٍ لَا يَحْتَسِبُ.

حل لغات

”وَلِدْتُ“ یہ میذواحد مکمل فعل ماضی مجہول باب حَضَرَبَ بِضْرَبٍ ہے اس کا معنی ہے: پیدا ہونا۔ ”ثَمَانِينَ“ کا معنی ہے: آٹھ۔ ”خَمْسِينَ“ میذواحد مکمل فعل ماضی معروف باب نَصَرَ بِنَصْرٍ ہے اس کا معنی ہے: قصہ و ارادہ کرنا لیکن یہاں بیت اللہ

شریف کاج کرنا مراد ہے۔ ”تَسْوِیْن“ کا معنی ہے: نوے۔ ”تَفْقُّة“ میں واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعّل ہے اس کا معنی ہے: سمجھنا، سیکھنا، حاصل کرنا لیکن یہاں علم دین کا سیکھنا اور اسے سمجھنا نیز احکام شریعہ کو ادلہ تفصیلیہ کے ساتھ جانتا مراد ہے۔ ”مُهِمَّة“ کا معنی ہے: اہم کام دین و دنیا کے مقاصد اور ضروریات۔

اہل علم کے لیے خوشخبری

جیسا کہ ایک اور حدیث مبارکہ میں یوں وارد ہے کہ:

(۱) جو شخص تمام غموں کو صرف ایک غم (یعنی دین کا غم) بنا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت (دونوں جہانوں) میں اس کے تمام غموں میں کفایت فرماتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود

فرمایا ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر تقویٰ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کا راستہ بنا دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

وَمِنْ غَيْبٍ لَا يَخْتَصِبُ ۚ [الطلاق: ۲۷]

(۲) امام دیلمی نے مسند الفردوس میں اور امام بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت (حدیث قدسی) بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں معبود برحق ہوں سو بے شک میں بندہ مومن کو ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہوں جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

(۳) اور اسی طرح حضرت حسن بصری نے حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سب سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر مشکل میں کفایت فرماتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

[شرح مسند امام اعظم للاحی القاری ص ۵۸۵ تا ۵۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

امام اعظم کے تابعی ہونے اور صحابہ کرام سے روایت کرنے کا ثبوت

معلوم ہونا چاہئے کہ جمہور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ آدمی محض صحابی کی ملاقات اور اس کی زیارت کرنے سے تابعی ہو جاتا ہے اور صحابی کی صحبت میں کچھ عرصہ رہتا اور اس سے روایت بیان کرنا تابعی ہونے کے لیے شرط نہیں ہے۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں تابعی کی تعریف میں یہی بیان فرمایا۔

بعض علمائے دین نے فرمایا کہ تابعی وہ خوش نصیب آدمی ہے جس نے صحابی کی زیارت کی ہو اگرچہ ان کی صحبت میں نہ رہا ہو جیسا کہ صحابی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی ہو اگرچہ آپ کی صحبت میں نہ رہا ہو اور امام حاکم کا یہی موقف ہے۔ علامہ ابن الصراح نے کہا کہ یہی قول صحت کے زیادہ قریب ہے۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ یہی قول ظاہر کے زیادہ قریب ہے۔ علامہ عراقی نے کہا کہ محدثین کی اکثریت کا اسی پر عمل ہے چنانچہ ابن حبان، عیسیٰ اور مسلم نے امام اعظم ابو حنیفہ کو تابعین کے طبقہ میں ذکر کیا ہے اور امام ابن حبان نے کہا کہ ہم نے امام ابو حنیفہ کو اس طبقہ میں اس لیے شمار کیا ہے کہ آپ نے حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ صحابی رسول کی زیارت کی ہے اور حافظ عبد الغنی المقدسی اور یحییٰ بن ابی کثیر نے امام ابو حنیفہ کو اس بنا پر تابعین میں شمار کیا ہے کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت و ملاقات کی ہے اور موسیٰ بن ابی عاصم نے بھی امام ابو حنیفہ کو اس

بنیاد پر تابعی شمار کیا ہے کہ آپ نے حضرت عمرو بن حریث صحابی سے ملاقات اور ان کی زیارت کی ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم یہ بات کہنے میں حق بہ جانب ہیں کہ بلا شک و شبہ ہمارے امام اعظم تابعی ہیں اور (درج ذیل) ارشاد ہادی تعالیٰ کے مصداق میں شامل و داخل ہیں۔

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ يَرْضَوْنَ اللَّهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوا عَنْهُمْ. (البقرہ: ۱۰۰)
اور جن لوگوں نے ان (صحابہ کرام) کی خیر و بھلائی کے ساتھ پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس (اللہ تعالیٰ) سے راضی ہو گئے۔

امام علی قاری نے فرمایا کہ امام اعظم کی بعض صحابہ کرام سے ملاقات اور زیارت یقینی طور پر ثابت ہے البتہ صحابہ کرام سے امام اعظم کا احادیث بیان کرنے میں اختلاف ہے لیکن معتد و معتبر قول یہی ہے کہ صحابہ کرام سے احادیث مبارکہ بیان کرنا آپ کے لیے ثابت ہے سو اس لیے آپ تابعین اعلام میں سے ہیں جیسا کہ علماء و اعیان نے اس کی تصریح کی ہے۔ [تذکرۃ الراشد ص ۷۰] اور علامہ حافظ ذہبی نے تذکرۃ المحفظ میں اس کو ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ امام ابو حنیفہ سن اسی ہجری (۸۰ھ) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو متعدد بار دیکھا ہے کیونکہ آپ کو فہر تشریف لاتے تھے اور ابن سعد نے سیف بن جابر سے انہی کو بیان کیا ہے۔ امام ابو شمر عبد الکریم بن عبد الصمد الطبری الشافعی نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس میں ان روایات کو اسناد کے ساتھ ذکر کیا جن کو امام اعظم نے صحابہ کرام سے بیان فرمایا اور امام جلال الدین سیوطی نے بھی ان روایات کو اپنے رسالہ تمییز الصحیحہ میں ذکر کیا ہے۔

علامہ احمد قسطلانی نے شرح بخاری باب وجوب الصلوٰۃ فی التہاب میں فرمایا کہ حضرت حسن البصری ابن سیرین امام فہمی ابن المسیب اور امام ابو حنیفہ تابعین میں سے ہیں۔

امام محدث عبدالقادر بن ابی الوفاء القرطبی الفہمی البصری نے فرمایا:

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے امام اعظم ابو حنیفہ نے احادیث کا سماع کیا ہے۔ وہ یہ (درج ذیل) ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن انیس (۲) حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی (۳) حضرت انس بن مالک (۴) حضرت جابر بن عبداللہ (۵) حضرت معقل بن یسار (۶) حضرت واسطہ بن اسقع (۷) اور حضرت جانشینت حجر۔

[ماخوذ من انتخاب الاعلام السنن ج ۲ ص ۷۰-۷۱-۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تمییز الصحیحہ میں بیان فرمایا کہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے پاس یہ سوال اٹھایا گیا کہ امام ابو حنیفہ کو تابعین میں شمار کیا جائے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ امام ابو حنیفہ نے صحابہ کرام میں سے ایک جماعت کو دیکھا ہے کیونکہ امام صاحب کوفہ میں سن اسی ہجری (۸۰ھ) میں پیدا ہوئے اور اس وقت صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن ابی اؤلیٰ موجود تھے اور سب کا اتفاق ہے کہ وہ اس کے بعد (یعنی امام ابو حنیفہ کی ولادت کے سات سال بعد ۸۷ھ میں) فوت ہوئے اور اس وقت بصرہ میں حضرت انس بن مالک موجود تھے جو ۹۰ھ یا اس کے بعد (۹۳ھ یا ۹۶ھ میں ملاحظہ ہو: تذکرۃ المحفظین ص ۶۹) وصال فرما گئے۔ علامہ ابن سعد نے معتبر سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کی زیارت کی ہے اور ان دو مذکورہ بالا صحابہ کے علاوہ بھی ملک میں بہت سے صحابہ کرام بقید حیات موجود تھے جن سے آپ کی ملاقات ہوئی اور بعض علماء نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس میں امام ابو حنیفہ کی صحابہ کرام سے روایت کردہ احادیث مبارکہ کو جمع کیا لہذا معتد قول کے مطابق صحابہ سے

آپ کی ملاقات ثابت ہے۔ امام ابن سعد نے اس کو کتاب الطبقات میں بیان کیا ہے اور اس اعتبار سے آپ تابعین کے طبقہ میں شامل ہیں اور آپ کے علاوہ آپ کے ہم عصر ائمہ دین میں سے کسی کو تابعی ہونے کی فضیلت حاصل نہیں جیسے شام میں امام اوزاعی، مصر میں امام حماد کوفہ میں امام سفیان ثوری مدینہ منورہ میں امام مالک، مکہ مکرمہ میں امام مسلم بن خالد زہری اور مصر میں امام سیف بن سعد۔ [شرح مسند امام اعظم لاملی القاری ص ۵۸۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، طلاء السنن ج ۲ ص ۹۴-۹۵، ۹۳، ۹۴، مطبوعہ دارالمنکر بیروت]

علامہ ابن حجر مکی کی شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں: حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت سہل بن سعید اور حضرت ابوالطفیل اور انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ امام کردری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محدثین کی ایک جماعت نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے ملاقات کا انکار کیا ہے اور امام صاحب کے شاگردوں اور ساتھیوں نے اس بات کو صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور امام صاحب کے شاگرد اور ساتھی منکرین سے زیادہ بہتر اپنے امام کے حالات کو جانتے ہیں جبکہ ثبوت روایت لفظی سے بہتر ہے اور امام صاحب کے شاگردوں نے آپ کی صحابہ کرام سے روایت کردہ احادیث کو جمع کیا ہے جن کی تعداد پچاس ہے اور کسی شاعر نے آپ کی شان میں یہ شعر لکھا ہے۔

نَفْسِي السُّعْمَانُ فَسُحْرًا مَا رَوَاهُ
مِنْ الْأَخْبَارِ وَمِنْ غُرُبِ الشُّعْبَانِ

”حضرت نعمان کے فکر کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ نے بزرگ صحابہ کرام سے احادیث مہارکہ بیان فرمائیں۔“

[شرح مسند امام اعظم لاملی القاری ص ۵۸۲-۵۸۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

علامہ محمد علاء الدین الحسکی نے الدر المختار میں لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے سات صحابہ کرام سے حدیث مہارکہ کا سماع کیا ہے جیسا کہ منیۃ المفتی کے اواخر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور آپ نے تقریباً بیس صحابہ کرام کا زمانہ مہارکہ پایا ہے جیسا کہ کتاب الفضلاء کے اوائل میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے اور علامہ شمس الدین محمد ابوالنصر بن عرب شاہ انصاری حلی نے اپنی کتاب ”جہاہر الفقہاء“ میں آٹھ صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جن سے امام اعظم ابوحنیفہ نے احادیث مہارکہ روایت کی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین چنانچہ امام ابوحنیفہ نے (۱) حضرت انس بن مالک انصاری (۲) حضرت جابر بن عبداللہ (۳) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی (۴) حضرت ابوالطفیل عامر بن واہلہ (۵) حضرت عبداللہ بن انیس القنی (۶) حضرت واہلہ بن اسحق (۷) حضرت عبداللہ بن الحارث بن الجوزی (۸) حضرت عائشہ بنت جرد سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے الدر المختار کی شرح رد المحتار المعروف فتاویٰ شامی میں مزید (درج ذیل) صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جن سے امام صاحب نے احادیث مہارکہ کی روایت بیان کی ہے:

(۹) حضرت سہل بن سعد ان کی وفات سن (۸۸ھ) اٹھاسی ہجری میں یا اس کے بعد ہوئی (۱۰) حضرت سائب بن یزید بن سعید ان کی وفات سن ۹۱ یا ۹۲ یا ۹۳ ہجری میں ہوئی (۱۱) حضرت عبداللہ بن بسر ان کی وفات سن ۹۶ ہجری میں ہوئی (۱۲) حضرت محمود بن الربیع اور ان کی وفات سن ۹۹ ہجری میں ہوئی۔

[ماخوذ از رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۵-۳۴، مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت لبنان]

۳۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيلَ عَنْ اَبِي صَالِحٍ
عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَا عَلِيَّةُ لِيَكُنْ شِعَارُكَ الْعِلْمُ وَالْقُرْآنُ۔
حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے عائشہ! تم علم (حدیث)
اور قرآن مجید کو اپنا شعار (یعنی اپنے لیے علامت و پہچان) بنا لو۔

حل لغات

”قَالَتُ“ صیغہ واحد مؤنث غائب قال صیغہ واحد مذکر غائب دونوں فعل ماضی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ ہے ان کا معنی ہے بات کرنا، کہنا، فرمانا۔ ”يَكُنُّ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل امر معروف غائب باب نَصَرَ يَنْصُرُ ہے اس کا معنی ہے: ہونا، ہو جانا، دانق ہونا، ثابت ہونا پایا جاتا۔ ”بُعَاثُ“ کا معنی ہے: علامت، خاص نشانی، فوج میں پہچان کے لیے بولا جانے والا خاص لفظ۔

قرآن اور حدیث کے علم کی فضیلت

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں العلم سے حدیث کا علم مراد ہے کیونکہ ﷺ سے قرآن مجید کی تعلیمات کی توجیح و تشریح معلوم ہوتی ہے۔ نیز علم حدیث قرآن کریم اور دیگر تمام اسلامی احکام و مسائل پر مشتمل ہے اور سب کے لیے عام ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ملا علی قاری ص ۷۳۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں مختصر مگر جامع الفاظ میں قرآن و احادیث کی اہمیت و فضیلت اور ان کی تعلیمات کی ضرورت و عظمت کو اجاگر فرمایا ہے اس لیے کہ یہ دونوں شریعت اسلامی کی بنیاد و اساس ہیں اور ان کی بنیادی تعلیم ہر مسلمان کے لیے بہ قدر ضرورت واجب و لازم ہے کیونکہ عبادات ہوں یا عقائد و نظریات ہوں یا معاملات و اخلاقیات ہوں زندگی کے تمام شعبوں میں ان کی تعلیم ضروری ہے، نیز ان کی تعلیمات سب عبادات سے مقدم و اہم اور سب سے افضل و بہتر ہے کیونکہ ان سب کی صحت کا دار قرآن و سنت کی تعلیمات پر ہے چنانچہ علامہ علاء الدین السبکی کنز العمال نے اس موضوع پر کنز العمال میں بہت سی احادیث بیان فرمائی ہیں ان میں سے کچھ احادیث مبارکہ ہم نے کتاب العلم کی پہلی حدیث کی تشریح میں ”علم دین اور علمائے دین کی فضیلت“ کے تحت بیان کر دی ہیں یہاں صرف دو احادیث مبارکہ کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے

(۱) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ أَفْضَلُ مِنَ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ
وَالْحَجِّ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى.

جہاد کرنے سے افضل و بہتر ہے۔

[کنز العمال: ۲۸۶۵۱]

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ سَاعَةٌ خَيْرٌ مِنْ قِيَامٍ لَيْلَةٍ وَطَلَبُ
الْعِلْمِ يَوْمًا خَيْرٌ مِنْ صِيَامٍ ثَلَاثَةِ أَشْهُرٍ.

ایک گھنٹہ علم دین حاصل کرنا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور
ایک دن علم دین حاصل کرنا تین ماہ کے روزوں سے بہتر ہے۔

[کنز العمال: ۲۸۶۵۲]

[کنز العمال ج ۱۰ ص ۵۷ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشریہ دہلی]

اسی اہمیت و عظمت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے اپنی محبوبہ زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا کہ تم قرآن و حدیث کی تعلیم کو اپنا شعار اور اپنی پہچان بنا لو اور تم آئندہ زندگی کے شب و روز قرآن و سنت کی تعلیم کو عام کرنے اور ان کی نشر و اشاعت میں بسر کرو اس طرح تمہاری زندگی کا مشن صرف قرآن و سنت کی تعلیم عام کرنا ہونا چاہئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

علم کی خدمت یہ بھی ہے کہ اس کو دوسروں تک پہنچایا جائے اور اس سے تزکیہ نفس اور اصلاح امت کا کام لیا جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نبی کریم ﷺ کے بعد تمام اسلامی ممالک میں علم کی اشاعت اور اسلام کی دعوت کے لیے پھیل گئے۔ مکہ معظمہ، طائف، بحرین، یمن، دمشق، مصر، کوفہ اور بصرہ وغیرہ بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ان مقدس متعلمین کی ایک ایک مختصر جماعت قیام پذیر تھی۔ خلافت اور حکومت کا سیاسی مرکز ۲ (ستائیس) برس کے بعد مدینہ منورہ سے کوفہ اور پھر دمشق کو منتقل ہو گیا۔ تاہم مدینہ منورہ کی روحانی عظمت اور علمی مرکزیت ان انقلابات سے بھی نہ مٹ سکی۔ مدینہ پاک میں اس وقت حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ کی مستقل درسگاہیں تھیں لیکن درسگاہ اعظم مسجد نبویؐ کا وہ گوشہ تھا جو حجرہ نبویؐ کے قریب اور زوجہ رسولؐ کے مسکن کے پاس تھا۔ عورتیں لڑکے اور جن مردوں کا حضرت عائشہؓ سے پردہ نہ تھا وہ حجرہ کے اندر آ کر مجلس میں بیٹھتے تھے اور دوسرے لوگ حجرہ کے سامنے مسجد نبویؐ میں بیٹھتے دروازہ پر پردہ پڑا رہتا۔ پردہ کی اوٹ میں وہ خود بیٹھ جاتیں لوگ سوالات کرتے یہ جوابات دیتیں۔

ان عارضی طالب علموں کے علاوہ جو کبھی کبھی حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے آپ اپنے خاندان کے لڑکوں اور لڑکیوں کو اور شہر کے یتیم بچوں کو اپنی آغوش تربیت میں لیتی تھیں اور ان کی تعلیم و تربیت کرتی تھیں جن کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی یعنی محرم نہ تھے وہ السوس کرتے تھے کہ ہم کو حصول علم کا اچھی طرح موقع نہیں ملتا۔ جناب قصیدہ کہتے تھے کہ حضرت عروہؓ مجھ سے علم میں اس لیے آگے بڑھ گئے کہ وہ اندر جاتے تھے۔

امام ابراہیم قمی جو عراق کے متفق علیہ امام تھے وہ لڑکپن میں حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کے دوسرے معاصرین کو اس پر حاکم تھا۔ [ماخوذ از کتاب الاسیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ص ۲۶۰-۲۵۸ مطبوعہ مکتبہ بک (پنج گہرات) رحلت نبی کریم ﷺ کے وقت حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ ۴۸ برس انہوں نے عالم بیوگی میں بسر کیے۔ اس تمام عرصہ میں وہ تمام عالم اسلام کے لیے رشد و ہدایت، علم و فضل اور خیر و برکت کا ایک عظیم مرکز بنی رہیں ان سے ۲۶۱۰ (دو ہزار و سو دس) حدیثیں مروی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ احکام شریعہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔

بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو کوئی مشکل ایسی پیش نہ آئی جس کا علم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ ہو یعنی ہر مسئلہ کے متعلق انہیں نبی کریم ﷺ کا اسوہ معلوم تھا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے قرآن حدیث فقہ تاریخ اور علم الانساب میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ احنف بن قیس اور موسیٰ بن طلحہ کا قول ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر میں نے کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ مبلغ، زیادہ فصیح اور زیادہ تیز فہم کوئی خطیب نہیں دیکھا۔

کتب سیر میں متعدد روایتیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دینی علوم کے علاوہ طب، تاریخ اور شعر و ادب میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی۔

فی الحقیقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پایہ علم و فضل اتنا بلند تھا کہ اس کو بیان کرنے کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ یہاں ہم اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ بہت سے اہل سیر کے نزدیک علمی کمالات، دینی خدمات اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کے نشر و اشاعت کے اعتبار سے حضرت صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔ اگر انہیں ”محسنہ امت“ کہا جائے تو

اس میں مطلق کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ [تذکرہ صحاحات رحمہ اللہ ص ۵۵-۳۶، مطبوعہ اہل بدیع، اردو بازار لاہور]

۳۔ بَابُ فِي فَضْلِ أَهْلِ الذِّكْرِ

۳۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْبَرِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ مَرَّ بِقَوْمٍ يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَعَالَى فَقَالَ أَلَيْسَ مِنَ الدِّينِ أَمْرٌ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِي مَعَهُمْ وَمَا جَلَسَ عَلَيْكُمْ مِنَ النَّاسِ فَيَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا وَخَشَبَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ.

بخاری (۶۴۰۸) ترمذی (۲۳۷۸) ابن ماجہ (۳۷۹۱)

حل لغات

”مَرَّ“ صیغہ واحد مکرم فاعل ماضی معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ ہے اس کا معنی ہے: گزرنا۔ ”أَصْبِرَ“ صیغہ واحد مکرم فاعل مضارع معروف باب صَوَّبَ یَصُوبُ سے ہے اس کا معنی ہے: صبر کرنا، برداشت کرنا۔ ”عَذَلُ“ عین مکسور کے ساتھ ہے اس کا معنی ہے: مساوی، برابر۔ ”حَفَّتْ“ صیغہ واحد مونث فاعل ماضی معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ ہے اس کا معنی ہے: احاطہ کرنا، گھیرنا۔ ”أَجْنِبَتْ“ جناح کی جمع ہے اس کا معنی ہے: بازو پر بندہ کا بازو۔ ”خَشَبَتْ“ صیغہ واحد مونث فاعل ماضی معروف باب سَمِعَ یَسْمَعُ ہے اس کا معنی ہے: احاطہ کرنا، چمپا لینا، پردہ میں لینا۔

حدیث مرسل کے حجت ہونے کا ذکر

حضرت علی بن اقرم رحمہ اللہ تعالیٰ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں اس لیے یہ حدیث مرسل ہے کہ اس میں صحابی کا نام ترک کر دیا گیا ہے لیکن یہ حدیث امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حجت ہے کیونکہ حضرت علی بن اقرم ثقہ راوی ہیں اور جمہور اس پر متفق ہیں کہ جب راوی ثقہ ہو تو اس کی روایت حجت ہوتی ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے مرسل حدیث کے حجت ہونے کا انکار کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ انکار ہمارے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے لیے مضرب نہیں ہے کیونکہ امام شافعی کا انکار ان کے اپنے معاصرین اور بعد والوں کے لیے مضرب ہو سکتا ہے جبکہ امام اعظم امام شافعی سے بہت پہلے ہوئے ہیں نیز جمہور نے راوی کے ثقہ ہونے کی صورت میں مرسل حدیث کو حجت قرار دیا ہے بلکہ شیخ محمد عبدالحی محدث دہلوی نے مشکوٰۃ المصابیح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک اگر حدیث مرسل کا راوی ثقہ ہو اور اسے دوسرے طریقہ سے تقویت حاصل ہو جائے تو اگرچہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو اسے قبول کیا جائے گا۔ [مقدمہ مشکوٰۃ شریف ص ۷، مطبوعہ مع المطابع دہلی]

اور حضرت علی بن اقرم کی یہ روایت دوسرے طرق سے مؤید ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اس حدیث مبارکہ کو امام ترمذی نے جامع ترمذی میں اور امام ابن ماجہ نے سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔

اہل ذکر کی عظمت و فضیلت کا ثبوت

عَابِدُونَ لِقَوْمٍ يُذَكِّرُونَ اللَّهَ تَعَالَى إِلَّا خَلَفَتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَذُكِّرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ۔
جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں انہیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر رحمت خداوندی برتی ہے اور ان پر امن و سکون نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود فرشتوں میں ان کا ذکر خیر کرتا ہے۔

نیز حاکم قاری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر عام ہے۔ تلاوت قرآن مجید ہو خواہ تسبیح و تہلیل ہو یا حمد و ثناء ہو اور یا اس قسم کے دیگر اُرداد ہوں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد کہ مجھے تم جیسے لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے یہ دراصل (درج ذیل) آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسُكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَالْعِيشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ۔ (الکہف: ۲۸)
(اے محبوب!) آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مانوس رکھیں جو صبح و شام اپنے رب تعالیٰ کو پکارتے ہیں وہ شخص اس کی رضا چاہتے ہیں۔

یعنی یہ لوگ اخلاص کے ساتھ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مشغول رہتے ہیں اور وہ اسی کو پکارتے رہتے ہیں اور وہ جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو رحمت کے فرشتے انہیں اپنے پروں کے ساتھ احاطہ لیتے ہیں۔ اس میں ذاکرین کے ساتھ فرشتوں کے کمال قرب اور ان کے ساتھ فرشتوں کی تواضع کی طرف اشارہ ہے اور رحمت سے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت مراد ہے جو صرف ذکر الہی کرنے والوں کے لیے مخصوص ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے پاس موجود مقرب فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر خیر محض ان پر فخر کا اظہار کرنے اور ان فرشتوں کی سرمدش کرنے کے لیے کرتا ہے جنہوں نے بنو آدم پر فتنہ و فساد پھیلانے اور خون ریزی کرنے کا طعنہ دیا تھا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۸۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

(۱) حضرت الاموی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مَنْ لَمْ يَذْكُرْ رَبَّهُ وَالْأَلَدَى لَا يَذْكُرْ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔ [متفق علیہ]
کے زندہ اور مردہ کی طرح ہے (کہ ذکر الہی کرنے والا زندہ کی طرح ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ کی طرح ہے)۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بندے کے گمان کے نزدیک ہوتا ہوں جو وہ مجھ سے رکھتا ہے جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں سو جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اکیلے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اسے ان سے بہتر (فرشتوں کے) مجمع میں یاد کرتا ہوں۔ [متفق علیہ]
(۳) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کیا میں تمہیں تمہارے اعمال میں سے بہترین عمل نہ بتا دوں جو تمہارے رب تعالیٰ کے نزدیک بہت پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت بلند کرنے والا اور وہ تمہارے لیے سونا چاندی خیرات کرنے سے بھی بہتر ہے اور وہ تمہارے لیے اس سے بھی زیادہ بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے جہاد کرو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہیں شہید کریں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: کیوں نہیں (ضرور بتائیں) آپ نے فرمایا: وہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

(۴) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گزرو تو کچھ چڑ لیا کرو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ذکر کے حلقے۔ (ترمذی)

(۵) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ الثَّغَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُوهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُؤْتُهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ
اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو [الحجۃ: ۳۳]

تو ہم اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ بعض صحابہ نے کہا کہ یہ آیت تو سونے چاندی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کون سا مال سب سے بہتر ہے تو ہم صرف اسی کو (اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کے لئے) جمع کرتے آپ نے فرمایا:

أَفْضَلُ لِسَانٍ ذَا كِبَرٍ وَقَلْبٍ شَاجِرٍ وَزَوْجَةٍ مُؤْمِنَةٍ تُعِينُهُ عَلَى إِيْمَانِهِ. [رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ]
مال سے بہترین ذکر الہی کرنے والی زبان اور شجرہ دار اور عسکر دار کرنے والا لالہ اور مسلمان بیوی ہے جو ایمان میں اس کی مدد کرے۔

[ماخوذ من الاحزاب المکتولہ الصحاح ص ۱۹۶۔ ۱۹۸ مطبوعہ جامع القرآن دہلی]

علماء کی مغفرت اور جنت

میں جانے کا بیان

۴۔ بَابُ مَغْفِرَةِ الْعُلَمَاءِ

وَدُخُولِهِمْ فِي الْجَنَّةِ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علمائے دین کو جمع کرے گا اور ارشاد فرمائے گا: بے شک میں نے اپنی حکمت و دانائی تمہارے دلوں میں صرف اس لیے رکھی کہ میں تمہارے ساتھ خیر و بھلائی کرنا چاہتا ہوں تم جنت میں چلے جاؤ سو میں نے تمہارے وہ تمام گناہ بخش دیئے ہیں جو تم سے کسی بھی حالت میں سرزد ہوئے تھے۔

۳۶۔ ابُو حَنِيفَةَ عَنْ عَسَادٍ عَنْ ابِرَاهِيمَ عَنْ عَلِيٍّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الْعُلَمَاءَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَيَقُولَنَّ إِلَيْنِ لَمْ أَجْعَلْ حِكْمَتِي فِي قُلُوبِكُمْ إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُكُمْ الْخَيْرَ إِفْهَرُوا إِلَى الْجَنَّةِ فَقَدْ غُفِرَتْ لَكُمْ عَلَى مَا كُنْتُمْ يَنْكُم. مسند اکابر (۳۷۵)

حل لغات

”يَجْمَعُ“ میخدا واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب فَتَحُ يَفْتَحُ ہے اس کا معنی ہے: جمع کرنا اکٹھا کرنا ملانا۔
”الْعُلَمَاءُ“ عالم کی جمع تکمیل ہے اس سے علوم اسلامی (قرآن و احادیث اور اس سے متعلقہ علوم فقہ وغیرہ) کا علم رکھنے والے مراد ہیں۔
”لَمْ أَجْعَلْ“ میخدا واحد متکلم فعل مضارع معروف نفی۔ تجھ بلیم باب فَتَحُ يَفْتَحُ ہے اس کا معنی ہے: بنانا۔ ”حِكْمَتِي“ سے کتاب و سنت کی معرفت مراد ہے۔ ”أُرِيدُكُمْ“ میخدا واحد متکلم فعل مضارع معروف باب اِفْعَالُ ہے اس کا معنی ہے: ارادہ کرنا چاہنا۔
علماء دین کی فضیلت

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ الہامی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عزت و کرامت کی منزل میں علمائے دین کو جمع فرمائے گا اور ان سے فرمائے گا کہ بے شک میں نے اپنی حکمت تمہارے دلوں میں محض اس لیے رکھی کہ میں دنیا میں بھی تمہارے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا تھا اور اب آخرت میں بھی میں

بِالْخَيْرَاتِ يَأْتِنَ اللَّهُ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝
جَنَّتْ عَنْهُمْ يَذْخُلُونَهَا يُحَلِّقُونَ فِيهَا مِنْ أَسْوَدَ مِنْ
ذُئْبٍ وَكُلُّوْا ۝ وَيَسْأَلُهُمْ فِيهَا حَرِيقُهُ ۝ [طہ: ۳۳]

کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے مہمانہ چال چلنے والے ہیں اور
ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت لے جانے
والے ہیں یہی بہت بڑا فضل ہے ۝ وہ ہمیشہ رہنے والے ہاغوں میں
داخل ہوں گے ان میں انہیں سونے کے کلنگ اور موتی پہنائے جائیں
گے اور وہاں ان کی پوشاک ریشمی ہوگی ۝

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق یہ قول نقل کیا ہے:

هَمْ أُمَّةٌ مُّحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ
یعنی جن لوگوں کو کتاب کا وارث کیا گیا ہے وہ نبی کریم کی
امت ہے۔

اس امت میں ایک گروہ (طالب لنفسہ) وہ ہے جس سے غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور فرائض کی ہوا نیکی میں بھی سستی ہو جاتی
ہے اور بعض (مقصود) وہ ہیں جو درمیانہ رو ہیں جو فرائض کو ادا کرتے ہیں عمرات کے نزدیک نہیں سمجھتے لیکن مستحبات میں سستی
کرتے ہیں اور بعض گروہ چیزیں ان سے سرزد ہوتی ہیں اور تیسرا گروہ (سابق بالخیرات) ان پاک ہازوں اور وفا شعاروں کا ہے
جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے تن من و من کی بازی لگا دی ہے۔ دنیا کی لذتوں سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ دنیا کے مشاغل
یاد حق سے انہیں غافل نہیں کر سکتے۔ ہر نیک کام میں سب سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا سارا وقت ان کا سارا مال بلکہ
ان کا دل و جان بھی رضائے جاناں پر قربان ہے۔ [تفسیر ضیاء القرآن ج ۲ ص ۱۵۶]

رسول اللہ ﷺ پر عہد اجموٹ
بولنے پر سخت وعید

۵۔ بَابُ فِي تَغْلِيظِ الْكَذِبِ عَلَى رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتَعَمِّدًا

۳۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
كَذَبَ عَلَى مَتَعَمِّدًا أَوْ قَالَ مَالَمَ نَقَلَ فَلْيَبْرَأْ مَقْعَدَهُ
مِنَ النَّارِ.

حضرت قاسم بن محمد اپنے والد (حضرت محمد بن ابی بکر) سے وہ
اپنے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے یا وہ مجھ سے
ایسی بات بیان کرتا ہے جو میں نے نہیں کہی تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ
دوزخ میں بنا لے۔

حل لغات

”كَذَبَ“ میخذ واحد کرماعب فعل ماضی معروف باب ضَرْبٌ بِضَرْبٍ ہے اس کا معنی ہے: جھوٹ بولنا، جان بوجھ کر غلط خبر
دینا۔ ”مَتَعَمِّدًا“ یہ میخذ واحد کرام فاعل ہے باب تَعْمَلُ سے ہے اس کا معنی ہے: کوئی کام جان بوجھ کر کرنا، قصد و ارادہ سے کوئی
کام کرنا۔ ”فَلْيَبْرَأْ“ میخذ واحد کرماعب فعل امر معروف باب تَفْعَلُ ہے اس کا معنی ہے: تیار کرنا، بنالیا۔ ”مَقْعَدًا“ یہ اسم ظرف
مکان ہے اس کا معنی ہے: بیٹھنے کی جگہ، بیچ، سیٹ، ٹھکانہ اس کی جمع مقاعد آتی ہے۔

”مَنْ كَذَبَ عَلَى مَتَعَمِّدًا“ کے متواتر ہونے کا ثبوت

یہ بہت مشہور حدیث ہے بلکہ تقریباً متواتر ہے۔ اس حدیث مبارکہ کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں، شیخین، ائمہ اربعہ امام
ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابوداؤد امام حاکم، امام طبرانی، امام دارقطنی اور خطیب بغدادی وغیرہم نے متحد و متحدہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت

کیا ہے۔ ان صحابہ کرام میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ كَذَبَ عَلَى مَتَعَدًّا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ
جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا
ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنالے۔

اور بعض روایات میں یہ الفاظ مروی ہیں:

مَنْ قَالَ مَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ [شرح منہج امام اعظم لہذا علی قاری ص ۳۳۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت] چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنالے۔
جو شخص مجھ سے ایسی بات بیان کرے جو میں نے نہیں کہی تو اسے

علامہ ابن الصلاح نے کہا کہ یہ حدیث متواتر ہے اور احادیث متواترہ میں سے کوئی متواتر حدیث اس حدیث کے ہم مرتبہ نہیں کیونکہ اس کے بیان کرنے والے صحابہ کرام سب سے زیادہ اور بہت بڑی جماعت ہیں یہاں تک کہ بعض علمائے دین نے کہا ہاتھ صحابہ کرام اس کے راوی ہیں ان میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ اس حدیث مبارکہ کے علاوہ کوئی ایسی حدیث ہمیں معلوم نہیں جس کے راویوں میں عشرہ مبشرہ شامل ہوں پھر اس حدیث کے راویوں کی تعداد ہر زمانہ میں بڑھتی رہی۔

[امرات النایج شرح مشکوٰۃ الصالح ج ۱ ص ۲۶۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

یہ حدیث متواتر ہے ۶۲ صحابہ سے منقول ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ اس حدیث کے سوا کسی اور حدیث میں عشرہ مبشرہ جمع نہیں ہوئے۔ [امرات النایج شرح مشکوٰۃ الصالح ج ۱ ص ۱۸۶ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ کجرات]

یہ حدیث اس سلسلہ اسناد سے منقطع ہے کیونکہ حضرت محمد بن ابی بکر نے اپنے والد سے یہ حدیث نہیں سنی اس لیے کہ جس وقت حضرت ابو بکر فوت ہوئے تھے اس وقت یہ کم سن بچے تھے۔ حضرت ابو بکر کے انتقال کے بعد ان کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس سے حضرت علی نے نکاح کیا تھا اور ان کی پرورش حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ بہر حال جب حدیث منقطع کے راوی ثقہ اور مستند ہوں تو اس صورت میں یہ حدیث امام ابو حنیفہ کے نزدیک معتبر و مقبول اور حجت ہوتی ہے اور یہ القطار بھی اسمائے اسناد کے ظاہر کے اعتبار سے ہے درندہ درست بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت قاسم بن عبد الرحمن سے روایت کیا ہے اور حضرت عبد الرحمن نے اپنے والد حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جیسا کہ دیگر مسانید کے نسخوں میں ہے اور امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث کو اسی سلسلہ سند سے بیان کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو تاک عن عبد الرحمن عن عبد اللہ بن مسعود بیان کیا ہے۔

[تسبیح النظام فی شرح منہج الامام حاشیہ ص ۳۱ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۳۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ
عَلَى مَتَعَدًّا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَرَوَاهُ أَبُو
حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي رُوَيْبَةَ حَدَّادِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ
أَبِي سَعِيدٍ.
حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنالے۔ نیز امام ابو حنیفہ نے اس حدیث کو حضرت ابو ربیعہ شداد بن عبد الرحمن سے بہ واسطہ حضرت ابو سعید روایت کیا ہے۔

نوٹ: چونکہ یہ حدیث پانچ مختلف سلسلہ روایات کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور پہلی روایت کے تحت حل لغات کو بیان کر دیا گیا ہے اس لیے اس کو دوبارہ نہیں دہرایا گیا۔

اس حدیث میں ایک اعتراض کا جواب

یہ حدیث مبارکہ امام ابو حنیفہ نے دو سندوں سے روایت کی۔ ایک سند حضرت عطیہ کی وساطت سے دوسری سند حضرت ابو ہریرہ شہاد بن عبد الرحمن کی وساطت سے اور اس حدیث سے پہلے گزر چکا ہے کہ یہ حدیث مبارکہ تقریباً متواتر ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۹۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

سوال: اس حدیث مبارکہ میں ”فلیتوبوا“ فعل امر کا صیغہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ اپنی ذات اقدس پر جھوٹ باندھنے والوں کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنانے کا حکم دے رہے ہیں حالانکہ آپ تو سرِ پادِ رحمت عالمین ہیں آپ سے یہ ناممکن ہے نیز آپ کا منصب تو یہ ہے کہ آپ نیک مسلمانوں کو جنت کی خوشخبری سنانے والے ہیں اور گنہگار مسلمانوں کو دوزخ سے بچانے والے اور کافروں کو دوزخ سے ڈرانے والے ہیں۔

جواب: محدثین کرام نے اس سوال کے دو جواب دیئے ہیں چنانچہ علامہ مکی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی نے اس ارشاد نبوی ”فلیتوبوا“ کے دو معنی بیان کیے ہیں ایک یہ کہ یہ فعل امر دعائے ضرر کے معنی میں ہے گویا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے تو اللہ تعالیٰ اس کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنائے (یہ جواب برہانے عدل درست ہے)۔

اور دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ فعل امر خبر دینے کے معنی میں ہے یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنا دے گا۔ [الکامل للمواوی شرح صحیح مسلم ج ۸، مطبوعہ دارالمرکز للطباعة کراچی] لیکن اگر اس فعل امر کو اپنے حقیقی معنی انشاء میں لیا جائے تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ یہ فعل امر طلب فعل کے معنی میں نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد کی طرح وعید و تہدید (یعنی ڈرانے دھمکانے) پر مشتمل ہے:

وَلَقَدْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ لَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ [کہف: ۲۹]

اور (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ حق تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہے سو جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے کفر اختیار کر لے۔

گویا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ذات پاک پر جھوٹ باندھنے والے کو حکم نہیں دیا بلکہ اسے ڈرایا دھمکایا ہے اور اس کے برے انجام سے اسے آگاہ کیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور نبی کریم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں حق و باطل کو واضح کر دیا ہے اور ہدایت و گمراہی کے دونوں راستے لوگوں پر صاف صاف ظاہر کر دیئے ہیں نیز نیک و بد اعمال کی سب کو پہچان کر ادبی ہے لہذا اس کے بعد اب جو شخص حق کی بجائے باطل کو اور ہدایت کی بجائے گمراہی کو اور نیک اعمال کی بجائے برے اعمال کو اختیار کر لیتا ہے اور بغاوت و سرکشی اور نافرمانی کو اپنی عادت بنا لیتا ہے تو وہ خود اپنا مستقبل اور اپنا انجام خراب کر لیتا ہے اور وہ خود اپنے آپ کو دوزخ کا مستحق و سزاوار بنا لیتا ہے اور وہ خود ہی اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لیتا ہے۔ اسی طرح جو بد نصیب شخص اپنے معصوم و پاک پیغمبر نبی کریم ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ خود اپنا ٹھکانہ دوزخ میں طلب کر لیتا ہے۔

۳۹۔ حَمَلَهُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةِ الْعَوَظِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَى مُتَعَمِّدًا فَلْيَتُوبُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ قَالَ عَطِيَّةٌ وَأَشْهَدُ أَنِّي لَمْ أَكْذِبْ

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنالے۔ حضرت عطیہ نے فرمایا کہ میں حلفاً گواہی دیتا ہوں کہ بے شک میں نے حضرت ابوسعید خدری پر

غُلِيَ ابْنِ سَعْدٍ وَأَنَّ أَبَا سَعْدٍ لَمْ يَكْذِبْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .
 جھوٹ نہیں باندھا اور بے شک حضرت ابوسعید خدری نے بھی رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھا۔

نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے کی سخت وعید

نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے کی اس قدر شدید وعید اور سخت ترین تہدید کی وجہ یہ ہے کہ حدیث وضع کرنا بہت بڑا قبیح اور بدترین جرم و گناہ ہے چنانچہ جس طرح احادیث مبارکہ کی نشر و اشاعت اور ان کی تبلیغ و تدریس کرنے پر اجر و ثواب عظیم ترین ہوتا ہے اسی طرح حدیث وضع کر کے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کرنے پر جرم و گناہ بھی بہت بڑا ہوتا ہے کیونکہ اس میں من گھڑت حدیث کی نسبت حامل قرآن بانی اسلام حبیب خدائے رحمن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کر کے آپ پر بہت بڑا بہتان و افتراء تراشا جاتا ہے اور یہ سازشی تحریک دراصل انسانوں کو گمراہ کر لے اور انہیں دین سے دور کرنے کی کوشش ہے اور احادیث نبوی پر اعتماد کو متزلزل کرنے کی ناکام سعی ہے اور چونکہ قرآن و احادیث دونوں دین اسلام کی بنیاد و مدار ہیں اس لیے حدیث گھڑنے اس میں جھوٹ بولنے اور غلط بیانی کرنے سے دین میں خلل پڑتا ہے۔ دین اسلام کے احکام و مسائل میں باطل کی آمیزش سے اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور دین تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کذاب اور جھوٹے لوگوں نے حدیثیں گھڑنا شروع کیں تو محدثین کرام نے موضوع و من گھڑت احادیث کو غیر موضوع اور اصل احادیث نبوی سے جدا کرنے کے لیے انتھک محنت و کوشش کر کے کتابیں لکھیں نیز احادیث نبوی کی حفاظت کے لیے ایک مستقل فن ایجاد کیا جس کا نام "اسماء الرجال" رکھا اور اس میں ہر حدیث کے راوی کی جانچ پڑتال کی جاتی اور راویوں کے حالات زندگی سے بحث کی جاتی، کھرے اور کھولے، سچے اور جھوٹے راویوں کی نشاندہی کی جاتی، نیز ان محدثین کرام نے احادیث کی کئی اقسام متعین کیں اور حدیث صحیح کو حسن سے اور حسن کو ضعیف سے اور ضعیف کو منکر اور شاذ سے الگ کیا اور موضوع احادیث کو چھانٹ کر الگ کر دیا۔

[ماخوذ عن عرف السیاح انہام فی سند الامام حاشیہ ۵، 'یرصد امام اعظم ص ۲۱' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۴۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَعْدٍ عَنْ اَبِي رَاهِيْمٍ عَنْ
 اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعِدًّا فَلْيَتَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .
 حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا
 تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنا لے۔

بخاری (۱۱۰) ابوداؤد (۳۶۵۱) ترمذی (۲۶۵۹) ابن ماجہ (۳۰)

موضوع حدیث کی مذمت

یعنی جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا دوزخی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حدیث گھڑنا گناہ کبیرہ ہے بلکہ کبھی کبھی کفر بھی ہے کیونکہ اس میں جھوٹ بھی ہے اور دین میں فتنہ پھیلاتا بھی ہے۔ بعض جاہل صوفیوں نے نماز تہجد اور قرآنی سورتوں کے فضائل میں کچھ حدیثیں گھڑیں وہ اس وعید سے عبرت پکڑیں۔ خیال رہے کہ حدیث موضوع (گھڑی ہوئی) اور ہے جبکہ حدیث ضعیف کچھ اور ہے کیونکہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں معتبر ہے اور موضوع حدیث کہیں بھی معتبر نہیں اسی لیے محدثین نے خدمت حدیث میں اپنی عمریں صرف کر دیں۔ الحمد للہ ان کی کوششوں سے موضوع حدیثیں چھٹ گئیں۔ خیال رہے کہ یہاں عملاً کی قید ہے اگر کوئی شخص بے خبری میں موضوع حدیث بیان کر جائے تو گنہگار نہیں البتہ دیدہ و دانستہ (یعنی جان بوجھ کر) موضوع حدیث بیان کرنا گناہ ہے بلکہ جس حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا گمان غالب ہوا سے بھی بیان نہ کرنے فقط موضوعیت کا وہم کافی نہیں ہاں اس کی موضوعیت بتا کر بیان کرنا جائز ہے تاکہ لوگ

بجیس۔ [مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح حاشیہ ۱۲ اور ۱۳ ص ۱۸۶ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات]

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

اس حدیث کی دہد سے حدیث وضع کرنے سے روکنے میں مبالغہ مقصود ہے تاکہ کوئی شخص اپنی طرف سے حدیث وضع کرنے (گھڑنے) کی جرات نہ کرے اور ترغیب و ترہیب (یعنی نیک کاموں کے لیے رغبت دلانے اور برے کاموں کے انجام سے ڈرانے) کے لیے نبی کریم ﷺ پر جھوٹ باندھ کر حدیث وضع کرنا بھی حرام ہے اور بالاتفاق کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور امام الحرمین کے والد ماجد امام محمد الجونی نے اس کو کفر قرار دیا ہے اور اس کے قائل پر دائمی دوزخی ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے اور ایک قوم نے ترغیب و ترہیب کی نیت سے حدیث وضع کرنے کو جائز قرار دیا ہے لیکن یہ مذہب غلط ہے اور حق یہی ہے کہ حدیث وضع کرنا اور موضوع حدیث کو بیان کرنا حرام ہے البتہ موضوع ہونا بتا کر بیان کرنا جائز ہے۔ [اصول الفقہات ج ۱ ص ۱۵۱ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھرا]

۴۱۔ عَنْ الْمَرْثُورِيِّ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَدًّا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. وَرَوَاهُ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَبَّاحٍ. امام ابو حنیفہ حضرت محمد بن مسلم (المعروف ابن شہاب) اثر ہری سے وہ حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا مکان دوزخ کی آگ میں بنالے اور اس حدیث مبارکہ کو امام ابو حنیفہ نے حضرت یحییٰ بن سعید سے بھی روایت کیا ہے۔

جھوٹ بولنے کی ہرمت کا حکم تمام دینی اور دنیاوی معاملات کو شامل ہے

اس حدیث مبارکہ کو مشرہ و مشرہ اور دیگر مسجرات صحابہ کرام میں سے ستر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے روایت کیا ہے اور امام احمد شیعین (امام بخاری و امام مسلم) امام ترمذی امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام احمد بخاری امام ابو داؤد امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے (بھی) روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور ایک دوسری جماعت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بہت بڑے گروہ سے روایت کیا ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ملاحظی بخاری ص ۲۰۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت] شارحین حدیث کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ تہدید حکم عام ہے جو ہر قسم کے جھوٹ کو شامل ہے یا خاص ہے۔

چنانچہ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حکم صرف دینی امور کے ساتھ خاص ہے جیسے کوئی بد بخت آدمی کسی حلال کو حرام قرار دینے کے لیے یا کسی حرام کو حلال قرار دینے کے لیے اپنی طرف سے حدیث گھڑ کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کر دے اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہ دہد شدید ایک مخصوص آدمی کے بارے میں وارد ہوئی ہے جس نے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ گھڑا تھا اور اپنی قوم کے پاس جا کر دعویٰ کیا تھا کہ آپ نے اسے ان کے پاس بھیجا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان تنازعات کا فیصلہ کرے اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حکم عام ہے اور ہر قسم کے جھوٹ کو شامل ہے خواہ اس کا تعلق دنیاوی معاملات سے ہو یا دینی معاملات سے ہو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت تخصیص کی نفی کرتی ہے پس یہ تہدید حکم ہر قسم کے جھوٹ کو عام ہے خواہ دینی امور کے بارے میں ہو یا دنیاوی امور کے بارے میں ہو۔

سوال: جس شخص نے نبی کریم ﷺ پر جھوٹ گھڑنے کا قصد اور ارادہ کر لیا لیکن واقع میں اس نے آپ پر جھوٹ نہیں بولا تو کیا وہ شخص گنہگار ہوگا۔

جواب: یہ شک وہ شخص کو ہوگا لیکن جھوٹ کے سبب نہیں بلکہ جھوٹ بولنے کے قصد اور ارادہ کر لے کے سبب کیونکہ مصیبت و گناہ کا قصد اور ارادہ کرنا بھی مصیبت اور گناہ ہے جب اس سلسلہ کے درجہ سے تھا (کر جائے) (حرم کے ہم معنی ہو جائے)۔

(ماخوذ از منہج تحقیق النظام فی مسند الامام ص ۲۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۳۔ کتاب الطہارۃ

۱۔ باب النہی عن البول

فی الماء الذاکم

طہارت کا بیان

نظہرے ہوئے پانی میں

پیشاب کرنے کی ممانعت

۴۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُولُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الذَّاكِمِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اتم میں سے کوئی شخص نظہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی سے وضو (کھی) کرے۔

حل لغات

”لَا يَبُولُ“ میسر واحد نہ کر غائب فعل غمی معروف ہائون تکیلہ باب نَصَرَ يَنْصُرُ ہے اس کا معنی ہے: پیشاب کرنا۔ ”الذَّاكِمِ“ اس کا معنی ہے: نظہرہ ہوا رکا ہوا ساکن۔ ”يَتَوَضَّأُ“ میسر واحد نہ کر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب فَعَّلَ ہے اس کا معنی ہے: وضو کرنا۔

پانی کے پاک اور ناپاک ہونے کی صورتوں کی وضاحت

یاد رہے کہ ائمہ مجتہدین اور فقہائے دین شیعین کے نزدیک پانی کی دو قسمیں ہیں ایک ماہ لیل (تھوڑا پانی) اور دوسرا ماہ کثیر (زیادہ پانی) پھر یہ پانی ایک جگہ میں نظہرہ ہوا ہوگا یا رواں دواں اور جاری ہوگا۔ جب یہ پانی للیل اور کم ہو نظہرہ ہوا ہو یعنی بہتا نہ ہو تو ایسا پانی ہر قسم کی نجاست و گندگی سے آلودہ ہو جانے کے بعد بھی ناپاک ہو جاتا ہے اس پر سب ائمہ اور فقہاء متفق ہیں اور جب یہ پانی کثیر یعنی زیادہ ہو خواہ نظہرہ ہوا ہو یا جاری و ساری اور بہتا ہوا ہو تو یہ پانی نجاست سے آلودہ ہو جانے کے باوجود بھی دھاپاک نہیں ہوتا اس پر تمام کا اتفاق ہے۔

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں جس پانی میں پیشاب و طہرہ کر لے سے منع کیا گیا ہے اس سے للیل اور نظہرہ ہوا پانی مراد ہے کسی بڑے تالاب یا بڑے حوض کا پانی مراد نہیں جس پر ماہ جاری کا حکم لگایا جاسکتا ہو لہذا یہ حدیث مہارکہ ماہ للیل کے نجس و ناپاک ہو جانے کی اصل ہے اور باقی رہا ماہ کثیر تو یہ اجماع کی رو سے اس حکم سے خارج ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے حوض یا بڑے تالاب کا پانی جس کے ایک کنارے پر پانی کو حرکت دینے سے دوسری طرف پانی میں حرکت پیدا نہ ہو تو وہ ماہ کثیر ہے اور متاخرین علمائے احناف کے نزدیک اس کی مقدار وہ درجہ مقرر کی گئی ہے (دس ضرب وں یعنی سو مربع فٹ کی جگہ میں پانی ہو) اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثیر پانی کی مقدار اثنین (یعنی دو منگے بھر پانی) یا اس سے زیادہ ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثیر پانی وہ ہے جس میں نجاست گرنے سے اس کے تین اوصاف (رنگ، بو اور مزہ) میں سے کوئی وصف نہ بدلے اور بعض فقہانے فرمایا کہ ماہ کثیر (زیادہ پانی) میں بھی پیشاب وغیرہ نہ کیا جائے کیونکہ اس طرح کرنے سے لوگ دیکھا دیکھی پانی میں پیشاب

کرنا شروع کر دیں گے جس کی وجہ سے کوئی وصف (رنگ بزمزہ) تبدیل ہو جائے گا پس ماہ لیل کی صورت میں یہ ممانعت (نہی) تحریمی ہے اور ماہ کثیر کی صورت میں یہ نہی تنزیہی ہے اور پانی میں پیشاب کی طرح پاخانہ کرنا بھی ممنوع ہے بلکہ اس سے زیادہ قبیح ہے اور بعض فقہانے فرمایا: یہ تفصیل دن کے اوقات کے لیے ہے لیکن رات کے اوقات میں پانی میں پیشاب وغیرہ کرنا ہر حال میں منع ہے اس لیے کہ رات کے اوقات میں جنات کی طرف سے ایذا پہنچانے کا زیادہ خطرہ رہتا ہے کیونکہ یہ مقامات جنات کے لیے رات بسر کرنے کے ٹھکانے ہیں پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ماہ جاری (بہتا ہوا پانی) اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے جو جاری (بہتا ہو) نہ ہو کہ پھر وہ اس میں غسل کرے۔

اور اسی طرح جو پانی جاری کے حکم میں ہے وہ بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہے سو یہ حدیث مبارکہ ماہ جاری کو مستثنیٰ قرار دینے کے لیے اجماع سے استدلال کرنے کے علاوہ دوسرا استدلال ہے پھر یہ بھی خیال میں رہے کہ قلین کی حدیث جسے امام احمد بن حنبل ابو داؤد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس کی صحت میں محدثین نے کلام کیا ہے چنانچہ علامہ فیروز آبادی نے سفر السعاده میں فرمایا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور ایک جماعت نے فرمایا: یہ صحیح ہے جبکہ امام احمد بن حنبل کے ہم عصر اور امام بخاری کے شیوخ میں سے علامہ علی بن السدی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث ثابت ہی نہیں ہے نیز اس حدیث کو صحیحین (یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں روایت نہیں کیا گیا اور یہ حدیث صحابہ کرام کے اجماع کے مخالف ہے کیونکہ جب ایک زگی آدمی آب زمزم کے کنویں میں گر گیا تو حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کنویں کا سارا پانی نکالنے کا حکم دیا (حالانکہ کنویں کا پانی قلین سے زیادہ تھا) اور یہ عمل دیگر تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا مگر انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اور امام طحاوی نے فرمایا: اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے کیونکہ لفظ "قلین" بڑے مکے اور منک اور پہاڑ کی چوٹی تینوں معانی میں مشترک ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ یہاں اس کا کون سا خاص معنی مراد ہے اور باقی رہا پھر بضاہ کی حدیث مبارکہ جس سے اصحاب ظواہر نے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث پیر بضاہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ کنواں باغات کی طرف جانے والے پانی کا راستہ تھا لہذا اس کا پانی ٹھہرا ہوا نہیں تھا بلکہ فہرہا کے پانی کی طرح جاری و ساری اور رواں دواں رہتا تھا اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ پیر بضاہ کا پانی کثیر تھا اور فقہاء نے ماہ لیل اور ماہ کثیر کے درمیان فرق کیا ہے کہ نجاست گرنے سے ماہ لیل ناپاک ہو جاتا ہے لیکن ماہ کثیر ناپاک نہیں ہوتا۔

[مجموع الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۸۵ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، تفسیر تیسق النظام فی سند الامام ماہیہ علی سند الامام الاعظم ص ۲۳ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۴۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثِمِ الصَّوَّافِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَبْرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُكَلَّ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يُغْتَسَلَ مِنْهُ أَوْ يَتَوَضَّأَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا کہ پھر وہ اسی (ناپاک) پانی سے غسل کرے یا وضو کرے۔

بخاری (۲۳۹) مسلم (۶۵۶) ابوداؤد (۲۷) ترمذی (۲۱) نسائی (۵۷) ابن ماجہ (۳۰۴)

اور اس کو بخین (امام بخاری اور امام مسلم) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
لَا يَتَوَلَّى أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّالِيمِ الْوَدَى
جو بہتا ہو انیس پھر وہ اس (نا پاک پانی) میں غسل کرے۔

اور امام مسلم کی روایت میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا:
لَا يَتَغَسَّلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّالِيمِ وَهُوَ جُنُبٌ
تم میں سے کوئی شخص غمیرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے جبکہ وہ
جنابت کی حالت میں ہو۔ صحابہ کرام نے کہا: اے ابو ہریرہ وہ کیسے کرے؟
آپ نے فرمایا: اس میں سے لے لے۔

[شرح مصنفہ امام اعظم لعل علی قاری ص ۳۰۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان]
یعنی چھوٹے حوض یا گڑھے میں جو پانی بھرا ہو جیسی اس میں گھس کر نہ نہائے بلکہ چلوؤں لیوں یا برتن سے لے کر الگ نہائے۔
اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ تھوڑا پانی جیسی کے گھس جانے سے ماء مستعمل بن جاتا ہے لہذا جیسی یا بے وضو اگر کوئی میں
گھسا تو پانی مستعمل ہو گیا دوسرا یہ کہ ناپاک آدمی بد وقت ضرورت ندی یا چھوٹے حوض میں سے چلو یا سپ بھر سکتا ہے اس سے پانی
مستعمل نہ ہوگا۔ [مرآۃ التاج اردو شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۱۷، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ ممبیرات]

۲۔ بَابُ بَيَانِ جَوَازِ التَّوَضُّؤِ مِنْ سُوْرِ الْهَرَّةِ

بلی کے چھوٹے پانی سے وضو کے جواز کا بیان

۴۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ قُسْرُو بْنِ
عَابِثَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ
ذَاتَ يَوْمٍ لِمَاءٍ مِنَ الْهَرَّةِ فَشَرِبَتْ مِنَ الْإِنَاءِ فَتَوَضَّأَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ وَرَدَّ مَا بَقِيَ.
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ
نے ایک دن وضو کا ارادہ فرمایا تو ایک بلی آگئی اور وضو کے برتن سے
پانی پی لیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے وضو کیا اور باقی بچا ہوا
پانی زمین پر چھڑک دیا۔

ابوداؤد (۵۷) ترمذی (۹۲) نسائی (۶۸) ابن ماجہ (۳۶۸) حمادی (۴۵)

حل لغات

”تَوَضَّأَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب تفعّل سے ہے اس کا معنی ہے: وضو کرنا یہاں بطور مجاز ارادہ وضو
مراد ہے۔ ”ذَاتَ يَوْمٍ“ میں ذات صرف حمین کلام کے لیے ہے اس کا معنی مراویں ہے اور ”يَوْمٍ“ کا معنی ہے: ایک دن۔ ”جَاءَتْ“
صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب حضر ب یضرب سے ہے اس کا معنی ہے: آنا۔ ”الْهَرَّةُ“ اس کا معنی ہے: بلی۔
”شَرِبَتْ“ صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: پینا۔ ”رَدَّ“ صیغہ واحد
مذکر غائب فعل ماضی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: چھڑکنا۔ ”بَقِيَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف
مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: باقی رہنا ثابت رہنا ہمیشہ رہنا۔

بلی کے چھوٹے پانی کے جواز و کراہت کی وضاحت

یہ حدیث مہار کہ اس بات کی دلیل ہے کہ بلی کا چھوٹا ظاہر و مطہر یعنی خود پاک ہے اور (نا پاک کو) پاک کرنے والا ہے بشرطیکہ

اس وقت بلی نے کسی نجاست کو نہ کھایا ہو یا کسی نجاست کو کھالیا تو اس کے بعد کافی وقت گزر چکا ہو اور ہم نے یہ قید اس سے بیان کی ہے کہ کتاب الواد میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ اگر بلی نے چوہا وغیرہ کھالیا ہو مگر وہ پانی پی لے تو وہ پانی نجس و ناپاک نہیں ہوگا کیونکہ بلی کی عادت ہے کہ وہ کھانے کے فوراً بعد اپنے منہ کو زبان سے چاٹ کر اپنے لعاب سے دھو لیتی ہے اور اپنا منہ صاف سترا کر لیتی ہے سو اس لیے اس کا جھوٹا پانی پاک رہتا ہے اور حدیث میں ہے: ”إِنَّهَا لَتَنْسِفُ بِنَفْسِهَا إِلَیْهَا مِنَ الْعَوَالِیْنِ حَلِیْئَتُهَا“ بے شک وہ نجس نہیں ہے کیونکہ وہ تم پر چکر لگانے والوں اور بار بار تھارے پاس آنے جانے والوں میں سے ہے اور امام طحاوی اور امام دارقطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ بلی کے لیے پانی کے برتن کو جھکا دیتے تھے یہاں تک کہ بلی اس میں سے پانی پی لیتی۔

امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید امام قاضی ابویوسف کے ترجمہ میں کامل ابن ہدی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کے پاس سے کوئی بلی گزرتی تو آپ اس کے لیے برتن کو جھکا دیتے تھے اور وہ اس میں سے پانی پی لیتی تھی پھر آپ اس کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرتے اور وضو کرنے کے بعد جو پانی باقی بچ جاتا آپ اس کو زمین پر چھڑک دیتے۔

یعنی آپ بلی کا جھوٹا بقیہ پانی زمین پر بہا دیتے تاکہ اس کو کوئی اور آدمی استعمال نہ کرے کیونکہ اس میں کراہت آ جاتی تھی اور نبی کریم ﷺ کا بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا محض بیان جواز کے لیے تھا کہ اس پانی سے وضو کرنا حرام نہیں بلکہ جائز ہے لہذا یہ ہمارے علماء (احناف) کے معانی نہیں کہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ بلی کا جھوٹا مکروہ ہے یعنی اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ بلی کے جھوٹے پانی سے وضو نہ کیا جائے مگر جب اس کے سوا پانی دستیاب نہ ہو تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۵۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان]

اس حدیث سے بعض علماء نے اس پر دلیل پکڑی ہے کہ بلی کا جھوٹا نہ تو ناپاک ہے اور نہ مکروہ ہے اس سے ہلا کراہت وضو جائز ہے۔

ہمارے امام صاحب کے ہاں اگر بلی چوہا یا کوئی نجاست کھا کر بغیر منہ صاف کئے برتن میں ڈال دے تو پانی بھی نجس اور برتن بھی گندا ہو جائے گا اور اگر منہ صاف کر کے پانی پی جائے تو وہ پانی مکروہ اور اس سے وضو کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ امام صاحب کا قول قوی ہے اور ان علماء کا اس حدیث سے استنباط ضعیف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے صرف یہ فرمایا ہے کہ بلی کوئی نجس نہیں ہے یعنی اس کا جسم ناپاک نہیں اس میں یہ کہاں ہے کہ اس کا لعاب اور جھوٹا بھی بالکل پاک ہے۔ دیکھو کہ کتے کا سوکا جسم نجس نہیں مگر اس کا جھوٹا نجس ہے۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: جب بلی برتن چاٹ جائے تو اسے ایک یادو بار دھوؤ نیز اسی طحاوی میں ہے کہ سیدنا ابن عمرؓ کہتے ہیں اور گدھے کے جھوٹے سے وضو نہیں کرتے تھے بلکہ اس سے منع فرماتے تھے۔ اس کے متعلق اور بہت سی روایات طحاوی شریف میں منقول ہیں نیز جس جانور کا گوشت ناپاک اور حرام ہو اس کا جھوٹا بھی پاک نہ ہوگا۔ بلی کا گوشت ناپاک اور حرام ہے لہذا اس کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہئے تھا مگر چونکہ یہ گھروں میں بار بار آتی جاتی ہے نیز نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتی لہذا اس کا جھوٹا مکروہ ہے جیسے چھوٹے بچے جو نجاست سے پرہیز نہ کر سکیں اگر وہ پانی میں ہاتھ ڈال دیں تو پانی مکروہ ہوتا ہے۔ [امراء المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۲۲-۳۲۱، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ کجرات]

مجبوری کی بنا پر کھڑے ہو کر

۳۔ بَابُ بَيَانِ جَوَازِ

الْبَوْلُ قَائِمًا لِلْعَذْرِ

پیشاب کرنے کے جواز کا بیان

۴۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَنصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ
حُذَيْفَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَبُولُ عَلَى سُبَاطَةِ قَوْمٍ قَائِمًا.
حضرت ابو دائل حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ
میں نے رسول اللہ ﷺ کو قوم کے کوڑا پھینکنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر
پیشاب کرتے ہوئے دیکھا۔

بخاری (۲۲۴) مسلم (۶۲۴) ابوداؤد (۲۲) ترمذی (۱۳) نسائی (۲۶) ابن ماجہ (۳۰۵)

حل لغات

”یَبُولُ“ میخدا واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اور یہ ”رَسُولَ اللَّهِ“ مفعول بہ و الحال
سے حال واقع ہوا ہے اس کا معنی ہے: پیشاب کرنا۔ ”سُبَاطَةُ“ سین مضموم کے ساتھ ہے اس کا معنی ہے: کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ۔
”قَائِمًا“ میخدا واحد مذکر اسم فاعل باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اور یہ ”یَبُولُ“ سے حال واقع ہوا ہے اس کا معنی ہے: کھڑا ہونا۔
کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی وجوہات کا بیان

اس حدیث کو امام مسلم امام ترمذی اور امام ابن ماجہ وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حضرت ابو دائل سے انہوں
نے حضرت حذیفہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قوم کے کوڑے کرکٹ کے مقام تشریف لائے اور کھڑے ہو کر اس پر
پیشاب کیا سو میں پانی لایا اور میں آپ سے قدرے دور کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھے بلایا یہاں تک کہ میں آپ کے عقب میں پہنچ گیا
پھر آپ نے (استنہا کرنے کے بعد) وضو فرمایا اور اپنے دونوں موزوں پر مسح فرمایا اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابو دائل کے
واسطے سے حضرت غفر بن شعبہ سے مرفوع بیان کیا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا کہ حضرت ابو دائل کی حضرت حذیفہ سے مروی یہ
حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے چنانچہ علماء کی ایک جماعت نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی رخصت دی ہے اور جنہیں یہ معلوم ہوتا
چاہئے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے بارے میں نبی (ممانعت) وارد ہو چکی ہے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث
تخریج کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: جو شخص جنہیں یہ بیان کرے کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو تم
اس کی ہرگز تصدیق نہ کرنا کیونکہ آپ ﷺ پیشاب کرتے تھے۔ [رداء احمد ترمذی و نسائی]

لیکن یہ حدیث حضرت حذیفہ کی حدیث کے معارض و مخالف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں احادیث میں مطابقت و
موافقت اس طرح ہے:

(۱) حضرت صدیقہ گھر میں نبی کریم کے بول و براز کے عمل کا اپنا مشاہدہ اور اپنا علم بیان کر رہی ہیں کیونکہ ان کے مشاہدے اور ان
کے علم میں یہی ہے کہ آپ ﷺ گھر میں بیٹھ کر بول و براز کرتے تھے اور آپ نے گھر میں کبھی کھڑے بول نہیں کیا۔ اس سے
گھر سے باہر کی نفی نہیں ہوتی جبکہ حضرت حذیفہ نے گھر سے باہر اپنا مشاہدہ اور اپنا علم بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ آپ
کو کھڑے ہو کر بول (پیشاب) کرتے ہوئے دیکھا ہے اس سے گھر کی نفی نہیں ہوتی۔

(۲) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھڑے ہو کر بول کرنا عذر کی وجہ سے تھا (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اور جو عمل کسی عذر کی
وجہ سے ہوا اس کا اہتمام نہیں ہوتا لہذا آداب کا مستحکم طریقہ بیٹھ کر بول و براز کرنا ہے کھڑے ہو کر نہیں ماسوا عذر کے۔

(۳) نبی کریم ﷺ کا بیٹھ کر بول و براز کرنا عادت شریفہ اذہب و احرام شرم و حیا اور مروت و تہذیب کا عمل تھا جبکہ کھڑے ہو کر بول
کرنا عذر کی بنا پر یا بیان جواز کے لیے تا دیر و قلیل عمل تھا اور ”السادر والقلیل کالمعدوم“ یعنی تا دیر و قلیل معدوم کی طرح ہوتا

ہے مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھار کا عمل نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اس لیے یہ عمل ماسوا عذر کے معتبر و اہم نہیں۔

(۳) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں حالت قیام میں آپ کے بول کرنے کے دوام و استمرار اور عادت مبارک کی نفی کی گئی ہے جبکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عذر کی بنا پر یا بیان جواز کے لیے کبھی کبھار ایک دو دفعہ حالت قیام میں آپ کے بول کرنے کا ثبوت ہے اس لیے ان دونوں احادیث مبارکہ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو۔ اس روایت کو امام عبدالکریم نے ضعیف قرار دیا ہے اور صحیح روایت وہ ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد سے بیان کی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے جب سے میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ظلم و زیادتی ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے یا کم از کم مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں ستر مکمل جاتا ہے اور پیشاب کے چھینٹوں سے بدن اور کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں اور یہ طریقہ مروءت و ادب اور شرم و حیا کے منافی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا کھڑے ہو کر بول کرنا عذر کی بنا پر تھا جس کے متعلق مختلف اسباب و ملل بیان کیے گئے ہیں: (۱) آپ کی پشت مبارک میں درد تھا جس کی وجہ سے آپ بیٹھ نہیں سکتے تھے اس لیے آپ نے حالت مجبوری میں کھڑے ہو کر بول کیا۔

(۲) عرب کے لوگ پشت میں (ریڑھ کی ہڈی میں) درد کی صورت میں کھڑے ہو کر پیشاب کر کے درد کا علاج کرتے اور اس سے شفا و نجات حاصل کرتے تھے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

(۳) امام حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیمات نے اپنے گھٹنوں میں درد کی وجہ سے کھڑے ہو کر بول کیا تھا۔

(۴) بعض علماء نے فرمایا کہ وہاں بیٹھنے کے لیے کوئی موزوں اور مناسب جگہ نہیں تھی اس لیے آپ نے حالت مجبوری میں کھڑے ہو کر بول کیا کیونکہ وہاں ایک جانب بلند تھی اور دوسری جانب پست تھی سو اگر آپ پستی کی طرف منہ کر کے بیٹھتے تو سامنے راستے میں گزرنے والوں پر ستر مکمل جاتا اور شرمگاہ ظاہر ہو جاتی اور اگر بلندی کی جانب منہ کر کے بیٹھتے تو گر جانے کا خوف رہتا۔

(۵) بعض فقہاء نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان جواز اور اپنی امت کی سہولت و آسانی کے لیے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا تاکہ امت کے لیے بہ وقت ضرورت کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہو جائے اور یہی ظاہر ہے۔

[تیسرے الاقسام فی مسند الامام ص ۲۴ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور ایضاً المطبوعات ج ۱ ص ۲۰۷ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکسرا]

علامہ ملا علی قاری نے مزید یہ لکھا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے یہ عمل اس لیے کیا تھا کہ وہاں بیٹھنے کے لیے کوئی پاک جگہ نہیں تھی کیونکہ وہاں ساری جگہ نجاست سے بھری ہوئی تھی۔

(۷) بعض علماء نے کہا کہ چونکہ آپ کو اطمینان تھا کہ اس وقت صرف پیشاب کرنے کی ضرورت ہے اور براز کرنے کا امکان نہیں

اس لیے بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

(۸) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں مبارک میں زخم تھا جس کی وجہ سے بیٹھنا ممکن نہیں تھا اس لیے کھڑے ہو کر آپ کو بول کرنا پڑا۔ جیسا کہ امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ گھٹنے میں درد کی وجہ سے کھڑے ہو کر بول کیا تھا اور احیاء العلوم میں مذکور ہے کہ تمام اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ سخت تیز بخار میں اور سورج کی سخت تمازت و گرمی کے وقت کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ستر بیماریوں کا علاج ہے۔

[مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ الصالح ج ۱ ص ۳۶۳-۳۶۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکتان شریف]

۴۔ بَابُ لَا يَجِبُ الْوُضُوءُ

دودھ پینے سے وضو

مِنْ شُرْبِ اللَّبَنِ

کرنا لازم نہیں

۴۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ بْنِ جَبْرِ عَنْ

ابن عباسٍ لَاقَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرِبَ لَبَنًا لَمْ يَمْسُصْ وَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے دودھ نوش فرمایا پھر آپ نے صرف کلی کی اور نماز پڑھی اور (دوبارہ) وضو نہیں فرمایا۔

بخاری (۲۱۱) مسلم (۷۹۸) ابوداؤد (۱۹۶) ترمذی (۸۹) نسائی (۷۸) ابن ماجہ (۴۹۸)

حل لغات

”خَرِبَ“ میخذ واحد کر قائب فعل ماضی معروف باب مَسَّعَ يَتَسَعَّ سے ہے اس کا معنی ہے: پینا۔ ”لَبَنًا“ کا معنی ہے: دودھ اور اس کی جمع البان آتی ہے۔ ”لَمْ يَمْسُصْ“ میخذ واحد کر قائب فعل ماضی معروف بیت باب لَعَلَّ يَلْعَلُّ بعد وزن وخرج رہائی مجرد سے ہے اس کا معنی ہے: کلی کرنا۔ ”صَلَّى“ میخذ واحد کر قائب فعل ماضی معروف بیت باب تَعَسَّلَ سے ہے اس کا معنی ہے: نماز پڑھنا۔

کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھونا اور چکنی چیز کھانے پینے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے

شیخ محقق محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

اور اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو منہ کو چکنا کر دے یا کوئی ایسی چیز جس کا اثر منہ میں باقی رہ جائے اور اندیشہ ہو کہ یہ اثر نماز کے دوران پیٹ میں پہنچ جائے گا اگرچہ وہ قراءت سے مانع نہ ہو پھر بھی اس کے کھانے یا اس کے پینے کے بعد منہ کو کلی کر کے اچھی طرح دھولینا مستحب (پسندیدہ) عمل ہے۔ (اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۱ مطبوعہ مکتبہ نور برصغیر سکرا علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

امام مسلم نے صحیح مسلم میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: ”ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ لَمْ يَمْسُصْ“ (ترجمہ:) پھر آپ نے (دودھ پینے کے بعد) پانی طلب فرمایا اور اپنا منہ کلی کر کے اچھی طرح دھویا۔

اور اس حدیث سے صفائی اور نفاست کے لیے دونوں ہاتھوں کا دھونا بھی مستحب ہوتا ہے چنانچہ امام نووی نے فرمایا کہ کھانا کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھوں کے دھونے کے استحباب میں علماء کے مختلف اقوال ہیں اور زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے بھی ہاتھوں کا دھونا مستحب ہے البتہ جب نجاست اور میل کچیل سے ہاتھوں کا پاک ہونا اور صاف ستھرا ہونا تقبی ہو تو

نہ دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور کھانا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی ہاتھوں کو دھونا مستحب ہے البتہ جب ہاتھوں پر کھانے کا اثر باقی نہ رہے کہ کھانا خشک ہو یا کھانا ہاتھوں کو نہ لگا ہو تو پھر نہ دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور بعض فقہانے کہا کہ ہر چکنا ہٹ والی چیز کھانے یا پینے کے بعد پانی سے کلی کرنا مستحب ہے خصوصاً جب چکنا ہٹ منہ میں باقی ہو اور دوران نماز پیٹ میں پھنسنے کا احتمال ہو سو اسی بنا پر ہر اس چیز کی وجہ سے وضو واجب ہو جاتا ہے جس کے متعلق پیٹ میں پھنسنے کا خوف و ڈر ہو اور علامہ ابن الملک نے کہا: یہ شوافع کے نزدیک ہے اور ربہ ہمارے نزدیک تو قناریہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص شکر چینی یا حلوہ کھائے پھر وہ نماز شروع کر دے اور متحاش اس کے منہ میں موجود ہو اور لعاب کے ساتھ پیٹ میں داخل ہو جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ [مرقات الفناج شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان شریف]

امام ابن ماجہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

جب تم دودھ پیو تو اس کے بعد کلی کر لیا کرو کیونکہ دودھ میں چکنا ہٹ ہوتی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم للاعلیٰ قاری ص ۳۸۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

گوشت کھانے سے

وضو کرنا لازمی نہیں

۵۔ بَابُ لَا يَجِبُ الْوُضُوءُ

مِنْ أَكْلِ اللَّحْمِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے شوربے والا

گوشت تناول فرمایا پھر آپ نے نماز پڑھی (اور وضو نہیں کیا)۔

۴۷۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ

أَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَقًا بِلَحْمٍ ثُمَّ

صَلَّى.

بخاری (۲۰۷) مسلم (۷۹۰) ابوداؤد (۱۸۶) ترمذی (۸۰) نسائی (۱۸۲) ابن ماجہ (۴۸۸)

حل لغات

”اَكَلَ“ میخدا واحد مذکر فاعل فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کھانا۔ ”مَرَقًا“ کا معنی ہے:

شوربہ۔ ”لَحْمٌ“ کا معنی ہے: گوشت۔ ”صَلَّى“ کی وضاحت مجمل حدیث گزر چکی ہے۔

آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا وجوب منسوخ ہے

یہ حدیث مبارکہ دلیل ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ”قَوْضَاؤُا جَمَاعَتِ النَّارِ“ (یعنی آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کر لیا کرو) منسوخ ہے یا پھر یہ حدیث نقوی اور عرفی وضو پر محمول ہے اور وہ ہے دونوں ہاتھوں اور منہ کو دھو لینا یا یہ شرعی وضو پر محمول ہے اور اس سے نماز کے وضو جیسا وضو کرنا مراد ہے لیکن یہ احتجاجی حکم ہے وجوبی نہیں (یعنی آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنا مستحب عمل ہے واجب و لازمی نہیں ہے ورنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ترک نہ فرماتے)۔

اور یہ حدیث مبارکہ وضو کو ترک کرنے کے بارے میں بیان جواز کے لیے ہے اور ابن ابی شیبہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت منقول ہے کہ جب تم گوشت پکانے لگو تو شوربہ زیادہ پکا لیا کرو کیونکہ یہ پڑوسیوں کے لیے زیادہ سے زیادہ وسعت و محتاجات کا سبب بن جاتا ہے اور بعض علماء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شوربہ گوشت کا ایک حصہ ہے۔

[شرح مسند امام اعظم للاعلیٰ قاری ص ۱۷۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

اور علامہ ابن الصلاح نے اپنی کتاب میں اس حدیث کے منسوخ ہونے کی تصریح کی ہے چنانچہ انہوں نے کہا کہ جس سے اس

کا منسوخ ہونا معلوم ہوتا ہے وہ صحابی کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کو ترک کرنا ہے۔ علامہ الطحطاوی نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور علامہ ابن حجر نے کہا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کو ہاتھوں اور منہ کے دھونے پر محمول کرنا عقل و قیاس سے بہت بعید ہے اور آپ کا کلام صرف شرعی معانی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام شرعی احکام بیان کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنے کی حدیث کے منسوخ ہونے کی وجہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کو ترک کرنا تھا (یعنی آپ جب پہلے سے با وضو ہوتے تو آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے)۔

[مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۳۶، مکتبہ امدادیہ ملتان]

واضح رہے کہ موجودہ کتب احادیث میں سب سے قدیم کتاب موطا امام مالک سے چند احادیث مبارکہ یہاں پیش کی جارہی ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ نبی کریم ﷺ خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے:

(۱) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری کی دینی تناول فرمائی پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(۲) ابو حارثہ کے غلام حضرت بشر بن یسار حضرت سید بن نعمان سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اسے بتایا کہ وہ فتح خیبر کے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ صحباء کے مقام پر پہنچے اور یہ خیبر کے نزدیک ہے اور یہاں رسول اللہ ﷺ سواری سے نیچے اترے اور نماز عصر ادا فرمائی پھر آپ نے کھانے کا سامان منگایا تو آپ کی خدمت اقدس میں سوتو پیش کیے گئے اور آپ نے اسے تیار کرنے کا حکم دیا تو سوتو پانی میں بھگو کر تیار کر کے آپ کو پیش کیے گئے تو آپ نے سوتو تناول فرمائے اور ہم نے بھی کھائے پھر آپ مغرب کی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے صرف کلی فرمائی اور ہم نے بھی صرف کلی کی پھر آپ نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

(۳) ربیعہ بن عبداللہ بن حداد بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عشاء کا کھانا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھایا پھر حضرت عمر نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(۴) حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے روٹی اور گوشت تناول فرمایا پھر کلی کی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا اور ان کو اپنے چہرے پر مل لیا پھر نماز ادا فرمائی اور وضو نہیں کیا۔

(۵) امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو نہیں کرتے تھے۔

(۶) حضرت یحییٰ بن سعید نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے ایک آدمی کے بارے میں دریافت کیا جو نماز کے لیے وضو کرتا ہے پھر وہ آگ کا پکا ہوا کھانا کھا لیتا ہے آیا وہ دوبارہ وضو کر لے؟ حضرت عبداللہ نے کہا: میرا والد یہی کرتا ہے لیکن وہ دوبارہ وضو نہیں کرتا۔

(۷) حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ انہوں نے گوشت تناول فرمایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(۸) حضرت محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی گئی، پھر روٹی اور گوشت آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، سو آپ نے اس میں سے کھانا کھایا، پھر وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر وہی کھانا جو بچا ہوا تھا آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ نے اس میں سے کھایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(۹) حضرت عبدالرحمن بن زید انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک انصاری عراق سے واپس تشریف لائے تو حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب ان کے پاس ملاقات کے لیے تشریف لائے تو ان دونوں حضرات کے لیے آگ کا پکا ہوا کھانا پیش کیا گیا اور سب نے مل کر اس کھانے میں سے کھایا، پھر حضرت انس کھڑے ہوئے اور وضو کیا تو حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب نے فرمایا: اے انس! یہ کیا ہے کیا یہ عراقی عمل ہے؟ سو اس پر حضرت انس نے فرمایا: کاش! میں نے یہ کام نہ کیا ہوتا اور حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب کھڑے ہوئے اور انہوں نے نماز پڑھی لیکن انہوں نے وضو نہیں کیا۔

[سوطا امام مالک ص ۱۹-۱۸، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی]

مسواک کرنے کا حکم

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چند اصحاب نبی کریم ﷺ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے دانت زرد اور پیلے دیکھ رہا ہوں؟ تم مسواک کیا کرو سواگر مجھے اپنی امت پر مشقت و تکلیف کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا ضرور حکم دیتا اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ کیا بات ہے کہ تم میرے پاس آتے ہو تو تمہارے دانت زرد اور پیلے ہوتے ہیں۔ تم مسواک کیا کرو سواگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت یا ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا ضرور حکم دیتا۔

۶۔ بَابُ الْأَمْرِ بِالسَّوَاكِ

۴۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ الزُّرَّادِ عَنْ ثَمَامٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلُوا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا أَرَاكُمْ قُلُوعًا إِنْ سَأَلْتُمْ فَلَوْلَا أَنْ أَهَقُ عَلَى أُمَّيْ لَا مَوْتَهُمْ بِالسَّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَفِي رِوَايَةٍ عَالِي أَرَاكُمْ تَذْخُلُونَ عَلَى قُلُوعًا إِنْ سَأَلْتُمْ فَلَوْلَا أَنْ أَهَقُ عَلَى أُمَّيْ لَا مَوْتَهُمْ أَنْ يُسَأَلُوا عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ أَوْ عِنْدَ كُلِّ وَضُوءٍ. مسلم (۵۸۹) ابوداؤد (۴۶۷) نسائی (۷) ابن ماجہ

(۲۸۷) سوطا (ص ۵۰)

حل لغات

”مَا أَرَاكُمْ“ میں حرف ”ما“ استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور ”أَرَا“ صیغہ واحد تکلم فعل مضارع معروف باب فَعَّحَ يَفْعُحُ سے ہے اس کا معنی ہے: دیکھنا اور اس کے آخر میں ”کم“ ضمیر جمع مذکر متصل مفعول بہ ہے۔ ”قُلُوعًا“ قاف مضموم کے ساتھ ”قَالَحَ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: دانتوں کا زرد اور پیلہ ہو جانا۔ ”إِسْتَأْخَرُوا“ یہ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر باب اِسْتَعَالَ سے ہے اس کا معنی ہے: مسواک کرنا۔ ”أَهَقُ“ صیغہ واحد تکلم فعل مضارع معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اور حرف ”ان“ ناصہ کی وجہ سے اس کا آخر منصوب ہے۔

مسواک کرنے کے فوائد

”عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ“ یہ معنی ”عِنْدَ كُلِّ وَضُوءٍ صَلَاةٍ“ ہے (یعنی صلوٰۃ کا مضاف محذوف ہے) مطلب یہ ہے کہ نماز کے ہر وضو کے وقت مسواک کیا کر دجیسا کہ دوسری روایات میں ہے اور یہی زیادہ محتاط ہے تاکہ نماز کے وقت مسواک استعمال کرتے

ہوئے مسوڑھوں سے خون نکلنے کے سبب وضو نہ ٹوٹ جائے ورنہ نماز کے وقت مسواک کرنا منع نہیں اور نہ دلوں وقت جمع کرنا منع ہے۔

(۱) امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ ”عَلَيْكُمْ بِالسَّوَالِ لِكُلِّ لَكُمْ مُكَيِّدٌ لِلْفَقْمِ مَرَحًا لِلرَّيْبِ“ یعنی مسواک کرنا تم پر لازم ہے کیونکہ یہ منہ کو پاک صاف کرنے والا ہے اور رب تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ ہے۔

(۲) اور حضرت عبد الجبار خولانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو الفاظ مروی ہیں وہ یہ ہیں:

تم پر مسواک کرنا واجب ہے سو بہترین چیز مسواک کرنا ہے کیونکہ یہ دانتوں کی زبردی کو مٹا دیتا ہے اور دانتوں کو چمکا دیتا ہے اور بلغم کو اکھیر دیتا ہے (یعنی سینے سے باہر پھینک دیتا ہے) اور پینائی کو تیز کرتا ہے اور مسوڑھوں کو مضبوط کرتا ہے اور بد بو کو مٹا دیتا ہے اور معدے کی اصلاح کرتا ہے اور جنت میں درجات کو بلند کرتا ہے اور مسواک کرنے والے کی فرشتے تعریف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہوتا ہے جبکہ شیطان ناراض و غضب ناک ہوتا ہے۔

اور امام صاحب کی اس حدیث کو امام مالک، امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام احمد، ابو داؤد اور نسائی نے حضرت زید بن خالد سے بھی روایت کیا ہے۔ (۳) امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ اور بیہقی کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ (درج ذیل) الفاظ مروی ہیں:

”كُلُّ مَا أَنْشَقَ عَلَى أَمْعَى لَا مَرَاتَهُمْ بِالسَّوَالِ مَعَ كَلْبٍ وَضَوْءٍ“ یعنی اگر مجھے اپنی امت پر مشقت اور دشواری کا ڈر نہ ہوتا تو میں انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم ضرور دیتا۔

(۴) امام احمد اور نسائی کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں:

”كُلُّ مَا أَنْشَقَ عَلَى أَمْعَى لَا مَرَاتَهُمْ جَنَّةٌ كَلْبٌ صَبْلُوهُ يَوْضَوْءٌ وَمَعَ كَلْبٍ وَضَوْءٌ بِسَّوَالِ“ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت و تکلیف کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت وضو کا اور ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا ضرور حکم دیتا۔

(۵) امام حاکم نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے اس کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے: (ترجمہ) اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت ان پر وضو کو فرض قرار دے دیتا۔

(۶) حاکم اور بیہقی کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں ان پر ہر وضو کے ساتھ مسواک فرض قرار دے دیتا۔ [شرح صحیح امام اعظم ملا علی قاری ص ۵۴۱-۵۴۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

(۷) امام احمد بن حنبل نے روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مسواک کے ساتھ ایک نماز مسواک کے بغیر ستر نمازوں سے بہتر و برتر ہے اور محقق فاضل علامہ ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ پانچ مقامات میں مسواک کرنا مستحب ہے: (۱) دانتوں کے زرد ہونے پر (۲) منہ میں بد بو پیدا ہونے پر (۳) سوکر اٹھنے پر (۴) نماز کی طرف کھڑے ہونے کے وقت (۵) وضو کے وقت۔ [مرقات الفلاح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ منکان]

مسواک اور سواک ”سُوَك“ سے بنے ہیں، بمعنی لٹا، مسواک دانتوں کے ملنے کا آلہ شریعت میں مسواک وہ لکڑی ہے جس سے دانت صاف کیے جاتے ہیں۔ سنت یہ ہے کہ یہ پھول دار یا پھل دار درخت کی نہ ہو۔ کڑوے درخت کی ہو اور موٹائی چھلکی کے برابر ہو جبکہ لمبائی ایک باشت سے زیادہ نہ ہو اور مسواک دانتوں کی چوڑائی میں کی جائے لمبائی میں نہ کی جائے بے دانت والا انسان اور عورتیں منہ میں انگلی پھیر لیا کریں۔ مسواک اتنے مقام پر سنت ہے: (۱) وضو میں (۲) قرآن شریف پڑھتے وقت (۳) دانت پیلے

ہونے پر (۳) بھوک (۵) یا دیر تک خاموشی (۶) یا بے خوابی کی وجہ سے 'مٹہ سے بڑا' نے پُر احتیاط کے ہاں مسواک سنت و طہو ہے نہ کہ سنت نماز، لہذا با وضو آدی نماز کے لیے مسواک نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ امام شافعی کے ہاں سنت نماز ہے نہ کہ سنت وضو اور وجہ ظاہر ہے کہ ان کے ہاں خون وضو نہیں توڑتا تو اگر مسواک کرنے سے دانت میں طون نکل بھی آ یا تو نماز درست ہوگی لیکن ہمارے ہاں خون وضو توڑ دیتا ہے۔ (امراء النابیح شرح مشکوٰۃ الصالح ج ۱ ص ۷۵) مطبوعہ ممبئی مکتب خانہ کبریا

٧- بَابُ سُنةِ الْوُضُوءِ

سر کے سوا اعضاء کے تمام اعضاء کو

تَلَحُّمًا تَلَحُّمًا دُونَ الرُّأْسِ

تین تین ہار دھونا سنت ہے

۴۹۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِي خُوَيْفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَلِيٍّ عَنْ غُلَاقِمَةَ
عَنْ عَبْدِ سَامِرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ تَوَضَّأَ
فَتَسَلَّلَ بَحْجَةً ثَلَاثًا وَمَضْمَضَ وَاسْتَنَشَقَّ ثَلَاثًا ثَلَاثًا
وَعَمَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَذَرَأَ عَيْنَهُ ثَلَاثًا وَمَسَحَ رَأْسَهُ
وَعَسَلَ فُتَيْمِهِ وَقَالَ هَذَا وضوء رسول الله صلى
الله عليه وسلم .

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے وضو
کیا تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو تین بار دھویا، تین بار گلی کی، تین بار ناک
میں پانی ڈالا، تین بار چہرہ دھویا، تین بار ہاتھوں کو دھویا، سر کا مسح کیا اور
پاؤں دھوئے اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے وضو کیا تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو تین بار دھویا، تین بار گلی کی، تین بار تاک میں پانی ڈالا، تین بار چہرہ دھویا، تین بار ہاتھوں کو دھویا سر کا مسح کیا اور پاؤں دھوئے اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے۔

جغاری (۱۵۹) مسلم (۵۳۸) برادر (۱۰۶) ترمذی (۴۸) نسائی (۸۴) ابن ماجه (۴۱۳) طبری (۱۱۳) طبری (۸۱)

عمل لغات

”عَفِيَّہ“ یہ کف کی حثیہ ہے اس کا معنی ہے: پھیل۔ ”فَلَاکًا“ ہر جگہ اپنے اٹھنے کی تیز واقع ہو رہا ہے اس کا معنی ہے: تین بار۔ ”مَضْمَعًا“ صیغہ واحد مذکر قاعب فعل ماضی معروف مثبت باب فعلیہ رباعی مجرد ہے اس کا معنی ہے: کھلی کرنا۔ ”اِمْتَعَنَ“ صیغہ واحد مذکر قاعب فعل ماضی معروف مثبت باب استعمال سے ہے اس کا معنی ہے: ناک میں پانی ڈالنا۔

اعضاء و شوکو دو تین بار دھونے کی حکمتیں

محمی کریم رضی اللہ عنہ نے اعضاء وضو کو بھی ایک بار دھویا، کبھی دو بارہ دھویا اور غالب اور احوال میں تین تین بار دھویا پھر ایک بار دھونا مقدمہ فرض اور بیان جواز کے لیے ہے اور دو بار دھونا طہارت و صفائی میں احتیاط اور اجر و ثواب میں زیادتی کے لیے ہے جس کو حدیث میں نور علی نور فرمایا اور تین بار دھونا طہارت و صفائی میں انتہائی احتیاط و مبالغہ اجر و ثواب میں کئی گنا اضافہ کی طلب اور کامل ترین وضو کی نہایت بیان کرنے کے لیے ہے تین بار سے زیادہ دھونا اسراف و ظلم اور ممنوع ہے اور سنت پر نقصان دہ زیادتی ہے جیسا کہ احادیث مہارکہ میں وارد ہے لیکن اس کے باوجود وضو باطل نہیں ہوگا۔ نیز احادیث مبارکہ میں بعض اعضاء کو تین بار بعض اعضاء کو دو بار اور بعض کو ایک بار دھونے کا ذکر آیا ہے اور یہ متعدد صورتیں احادیث میں مذکور ہیں اور یہ تمام صورتیں بیان جواز کے لیے اور وضوء میں وسعت و گنجائش ثابت کرنے کے لیے ہیں البتہ بعض فقہاء کے نزدیک ایک بار دھونا گناہ کا موجب ہے کیونکہ اس سے مشہور سنت کا ترک لازم آتا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ گناہ کا موجب نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بار دھونا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے موطا میں فرمایا کہ علماء فرماتے ہیں: تین بار دھونا الفضل ہے دو بار دھونا کفایت ہے اور ایک بار اعضاء کو مکمل دھونا بھی کافی ہے اور امام ابو حنیفہ کا بھی مذہب ہے جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اعضاء وضو کو تین بار سے زیادہ دھونے کو میں ناپسند کرتا ہوں البتہ میں اسے حرام نہیں سمجھتا لیکن ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور یہ کراہت تہذیبی ہے۔

تھیلیوں کو دھویا اور تین ہار کی کی تین ہار تاک میں پانی ڈالا تین ہار اپنا
چہرہ دھویا اور تین ہار اپنے ہاتھوں کو (کبھیوں سمیت) دھویا پھر اپنی پھلی
میں پانی لیا اور اپنے تالو پر ڈالا پھر فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ
رسول اللہ ﷺ کے وضو کو دیکھے تو وہ اس وضو کو دیکھ لے۔ اور حضرت علی
رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور روایت میں اس طرح کہ آپ نے وضو کرتے
وقت اصغائے وضو کو تین تین ہار دھویا اور فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کا
وضو ہے۔ حضرت عبداللہ بن محمد بن یعقوب جنہوں نے حضرت خالد بن
علقمہ سے امام ابوحنیفہ کے واسطے سے یہ حدیث روایت کی ہے وہ
فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا اپنے سر پر تین ہار مسح کرنے کا مطلب
یہ ہے کہ آپ (ﷺ) نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر کے اگلے حصہ پر
رکھے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کے پچھلے حصے کی طرف (گدی تک)
کھینچ کر لے گئے پھر وہاں سے سر کے اگلے حصے تک لے آئے اور آپ
نے یہ عمل تین مرتبہ کیا اس لیے حقیقت میں یہ صرف ایک ہار مسح ہے
کیونکہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے نہ تو اپنے ہاتھوں کو (ہر بار سر
سے) الگ کیا اور نہ آپ نے تینوں مرتبہ سر سے پانی لیا سو یہ
عمل تو اس شخص کے عمل کی طرح ہوا جو اپنی پھلی میں پانی لے کر بھی تو
اسے اپنی کلائی کی طرف اگلوٹھے کی جز تک لے جائے اور کبھی انگلیوں کی
طرف واپس لے آئے۔

ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى طَهُودِ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا وَبِهِ رَوَايَةٌ
عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَقَالَ هَذَا وَضُوءُ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ
مُحَمَّدَ بْنِ يَعْقُوبَ يَغْنِي بِهِ مَنْ رَوَى عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ
فِي هَذَا الْحَدِيثِ عَنْ خَالِدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا عَلَى أَنَّهُ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى يَا
فَوْجِهِ ثُمَّ مَدَّ يَدَيْهِ إِلَى مُوْخِرِ رَأْسِهِ ثُمَّ إِلَى مُقَدِّمِ
رَأْسِهِ لِحَصَلِ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَإِنَّمَا ذَلِكَ مَرَّةٌ
وَاحِدَةٌ لِأَنَّهُ لَمْ يَبَيِّنْ يَدَهُ وَلَا أَخَذَ الْمَاءَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ
فَهُوَ كَمَنْ جَعَلَ الْمَاءَ فِي كَفِّهِ ثُمَّ مَدَّهُ إِلَى كَوْنِهِ أَوْ
لَا تَرَى أَنَّهُ بَيْنَ فِي الْأَحَادِيثِ الَّتِي رَوَى عَنْهُ وَهُمْ
الْجَارِدُونَ بَيْنَ زَيْدٍ وَخَالِدٍ بَيْنَ مُصْطَبٍ وَأَسَدَ بْنِ
عُمَرَ أَنَّ الْمَسْحَ كَانَ مَرَّةً وَاحِدَةً وَبَيَّنَّ أَنَّ مَعْنَاهُ مَا
ذَكَرْنَا قَالَ وَلَقَدْ رَوَى عَنْ جَمَاعَةٍ مِنْ أَصْحَابِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيرٍ عَلَى هَذَا اللَّفْظِ
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا
بِيَتْنِهِمُ حُتْمَانِ وَعَلَى وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ وَكَثِيرُهُمْ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ وَقَدْ رَوَى مِنْ أَرْجُو
غَرِيبٍ عَنْ حُتْمَانَ تَكَرَّرَ الْمَسْحُ إِلَّا أَنَّهُ مَعَ بَعْضِ
الْحَفَاطِ لَيْسَ بِمُحْتَجِّجٍ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فَهَلْ كَانَ مَعْنَاهُ
إِلَّا عَلَى مَا ذَكَرْنَا فَمَنْ جَعَلَ أَبَا حَبِيبَةَ خَالِطًا فِي
رَوَايَةِ الْمَسْحِ ثَلَاثًا فَقَدْ وَهَمَ وَكَانَ هُوَ بِالْعَلَطِ
أَوَّلَى وَأَخْلَقَ وَقَدْ غَلَطَ خُصَّةً فِي هَذَا الْحَدِيثِ غَلَطًا
فَاجِسًا عِنْدَ الْجَمِيعِ وَهُوَ رَوَايَةُ هَذَا الْحَدِيثِ عَنْ
مَالِكِ بْنِ عُرْفَةَ عَنْ عَبْدِ غَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّ فَصَحَّفَ
الْإِسْمَيْنِ فِي إِسْنَادِهِ فَقَالَ بَدَلُ خَالِدٍ مَالِكٌ وَبَدَلُ
عَلَفَمَةَ عُرْفَةَ وَلَوْ كَانَ هَذَا الْغَلَطُ مِنْ أَبِي حَبِيبَةَ
لَنُسَبِّحَهُ إِلَى الْجَهَالَةِ وَفَلَّةِ الْمَعْرِفَةِ وَلَا خَرَجُوهُ مِنْ

بخاری (۱۵۹) مسلم (۵۳۸) ابوداؤد (۱۰۶) ترمذی (۴۸) نسائی (۸۴) ابن ماجہ (۴۱۳) بیہقی (۸۱)

کیا تم غور سے نہیں دیکھتے کہ جو احادیث مہارکہ حضرت جبارود بن زید، حضرت خارجہ بن مصعب اور حضرت اسد بن عمر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں ان سب میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ سرکاسح صرف ایک بار ہے اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اس (تین بار سح والی روایت) کا وہی معنی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب کی ایک بڑی جماعت نے اسی لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے سرکاسح تین بار کیا۔ حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہم رضی اللہ عنہم انہی میں سے ہیں۔

امام بیہقی نے فرمایا کہ حضرت عثمان کی ہر بار سح والی روایت غریب سند سے مروی ہے۔ نیز یہ روایت خلا حدیث کی روایات کے خلاف ہے اور اہل علم کے نزدیک جہت نہیں ہے۔ پس حدیث سح کی روایت کا وہی معنی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے لہذا جس نے حدیث سح (تین بار سح کرنے) کی روایت میں امام ابو حنیفہ کو غلطی پر قرار دیا ہے اس کو یقیناً وہم ہوا ہے اور وہ خود بہ طریق اولیٰ غلطی کا مرتکب ہوا ہے اور الہتہ اصبر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ نے اس حدیث مہارکہ کے اسناد میں تمام محدثین کے نزدیک قبح ترین غلطی کی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے اس حدیث کی روایت:

”عن مالك بن عرفة عن عبد عمرو بن علي“ سے بیان کی ہے سوانہوں نے اس حدیث کی سند میں دو ناموں میں تحریف کر کے دوسرے دو ناموں کے ساتھ تبدیل کر دیا چنانچہ انہوں نے خالد کی جگہ مالک اور علقمہ کی جگہ عرفہ کہہ دیا اور اگر امام ابو حنیفہ سے یہ غلطی ہو جاتی تو مخالفین زبان طعن دراز کرتے ہوئے انہیں جہالت، قلت معرفت اور کم علمی کی طرف منسوب کر دیتے اور وہ انہیں دین اسلام سے خارج کر دیتے اور مخالفین کا یہ الزام تقویٰ کی کمی اور خرافہ نفسانی کی اتباع کی وجہ سے ہوتا۔

حل لغات

”ذَرَاغِيَّةٌ“ یہ ذراع کی حشیہ ہے اس کا معنی ہے: بازو۔ ”اَلْمَعْنَى“ یہ ”مَد“ اسم مؤنث کی صفت ہونے کی بنا پر مؤنث ہے اس کا معنی ہے: دایاں۔ ”اَتَكَلَّمَا“ یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال ہے اس کا معنی ہے: اظہرنا، جھکانا، اُلٹ کرنا۔ ”مَلَا“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی بھرتا ہے۔ ”اَلْيَسْرَى“ کا معنی بایاں ہے۔ ”اَلتَّوَالَفَى“ یہ مرفوع کی جمع ہے جس کا معنی ہے: کبھی۔ ”خَوَّفَ“ یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب خَوَّبَ يَخْوِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: چلو بھرتا۔ ”صَرَّ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: خوش ہونا۔ ”طَهَّرَ“ طاء مضمر و مفتوح دونوں طرح پڑھنا جائز ہے اس کا معنی ہے: دھو۔ ”يَفْخُخُ“ اس کا معنی ہے: سرکا، گلا، ص۔ ”لَمْ يَكُنْ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل نفی جہد بلم معروف باب مَنَعَلَهُ سے ہے اس کا معنی ہے: جدا ہونا، الگ ہونا۔ ”تَجَوَّعَ“ یہ معنی کھاتی ہے۔ ”صَحَّفَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تَقَعَّلَ ہے اس کا لغوی معنی ہے: پڑھنے میں یا لکھنے میں غلطی کرنا تبدیل کرنا۔ محدثین کی اصطلاح میں سند حدیث میں راویوں کے نام تبدیل کر دینا۔

سرکاسح صرف ایک بار مسنون ہے

سرکاسح کے تکرار میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ تین بار سرکاسح کرنا مستحب ہے جیسا کہ باقی ائمہ کا مسلک تین بار دھونا مستحب ہے اور امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور اکثر فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ سرکاسح ایک بار سے زیادہ نہ کیا

جائے اور احادیث صحیحہ میں صرف ایک بار مسح کرنے کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں مطلقاً مسح کرنے کا ذکر ہے۔ امام شافعی نے صحیح مسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمان نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے تین تین بار وضو کیا اور امام احمد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین بار سر کا مسح کیا اور امام شافعی نے سر کے مسح کو باقی اعضاء کے تین بار وضو سے پر قیاس کیا ہے اور جن احادیث میں ایک بار سر کے مسح کا ذکر ہے ان کو بیان جواز پر محمول کیا ہے۔

[شرح مسلم للعلوی ج ۱، ص ۱۰۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ]

ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کا بیان کیا اور کہا کہ آپ ﷺ نے سر کا ایک بار مسح کیا ہے اور امام ترمذی نے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کا بیان کیا اور ایک بار سر کا مسح کیا اور کہا ہے نبی کریم ﷺ کا وضو ہے: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا وضو دیکھے وہ اس وضو کو دیکھے لے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اسی طرح عبداللہ بن ابی اوفیٰ، حضرت ابن عباس، حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت ربیع نے کہا کہ آپ نے سر کا مسح ایک بار کیا ہے اور ان صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ کے وضو کی حکایت بیان کرنا دائمی عمل کی خبر دیتا ہے اور دائمی عمل وہی ہوتا ہے جو افضل اور اکمل ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رات کو غلوت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے وضو کی حکایت بیان کی ہے اور اس وقت میں افضل عمل ہی کیا جاتا ہے۔ نیز تھم کے مسح میں ٹھکرانہیں ہے اور زخم پر پٹی کے مسح میں ٹھکرانہیں ہے اور مسح کی کسی نوع میں ٹھکرانہیں ہے تو پھر سر کے مسح میں بھی ٹھکرانہیں ہوگی اور ٹھکرانہیں کے قائلین نے جو احادیث بیان کی ہیں ان میں سے کسی میں ٹھکرانہیں کی تصریح نہیں ہے۔

امام ابو داؤد نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تمام صحیح روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ سر کا مسح ایک بار ہے کیونکہ انہوں نے اعضاء وضو کو تین تین بار وضو کرنے کا ذکر کیا ہے اور ان احادیث میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے سر کا مسح کیا اور اس کے عدد کا ذکر نہیں کیا جیسے باقی اعضاء وضو کے وضو کرنے میں عدد کا ذکر کیا ہے اور جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے سر کا تین بار مسح کیا ہے اس کو یحییٰ بن آدم نے روایت کیا ہے اور اس کی وجہ نے مخالفت کی ہے اس نے کہا: فقط تین بار وضو کیا اور حضرت عثمان سے صحیح روایت یہ ہے کہ انہوں نے تین تین بار اعضاء وضو کو وضو یا اور سر کا مسح کیا اور اس کے عدد کا ذکر نہیں کیا۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ابو داؤد نے کہا: یہ صحیح ہے۔ ہم نے جو احادیث بیان کی ہیں وہ صحاح کی روایات ہیں اس سے لازم آیا کہ اس کی مخالف روایت ضعیف ہے اور جن احادیث میں یہ ذکر ہے نبی کریم ﷺ نے تین تین بار وضو کیا اس سے مسح کے ماسوا دیگر اعضاء مراد ہیں کیونکہ اس حدیث کے راوی جب مسح کا الگ ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ نے سر کا مسح ایک بار کیا ہے اور تفصیل اجمال کی حاکم اور تفسیر ہوتی ہے اور اجمال تفصیل کا معارض نہیں ہوتا جس طرح خاص عام کا معارض نہیں ہوتا اور امام شافعی کا سر کے مسح کو وضو کے باقی اعضاء پر قیاس کرنا تھم سے منقوض ہے یعنی ہم اس کے مقابلہ میں سر کے مسح کو تھم پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح تھم کے مسح میں ٹھکرانہیں ہے اسی طرح سر کے مسح میں بھی ٹھکرانہیں ہے اور ایک مسح کو دوسرے مسح پر قیاس کرنا مسح کو وضو پر قیاس کرنے کی بہ نسبت زیادہ قوی ہے۔ نیز جب سر پر تین بار مسح کیا جائے گا تو پھر وہ مسح نہیں رہے گا بلکہ وہ وضو کے مترادف ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سر پر ایک بار مسح بیان جواز کے لیے کیا ہو اور تین بار مسح افضل عمل کے بیان کے لیے کیا ہو اس طرح ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان اور دیگر راویوں نے ایک بار مسح کر کے یہ کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے اور یہ قول اس

پر دلالت کرتا ہے کہ آپ دھما اسی طرح وضو کرتے تھے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کا طریقہ اس لیے بیان کیا کہ سائلین اور حاضرین کو رسول اللہ ﷺ کے دائمی وضو کا طریقہ اور کیفیت معلوم ہو جائے۔ اگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی اور طریقہ سے وضو کرتے ہوئے دیکھا ہوتا تو مطلقاً یہ نہ کہتے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شعیب بن سہرک کی روایت میں جو تین بار سر کے مسح کا ذکر ہے وہ راوی کی خطا ہے کیونکہ جب تمام راوی ایک شخص سے ایک ہی حدیث کی روایت کریں اور تمام راوی ایک صفت کو بیان کریں اور ایک راوی اس کی مخالف صفت کو بیان کرے تو اس ایک راوی پر خطا اور غلطی کا حکم لگایا جائے گا خواہ وہ نقد اور حافظہ ہو اور جب اس کی ثقاہت اور حافظہ معروف نہ ہو تو پھر اس کی روایت میں خطا کا واقع ہونا زیادہ یقینی ہوگا۔

شرح مسلم ج ۱ ص ۸۷۰۔ ۸۶۸ بحوالہ المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ

۱۰۔ بَابُ الْوُضُوءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وضو کے اعضا کو تین تین بار دھونے کا بیان

۵۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَكَانَ هَكَذَا رَأَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ

حضرت حنن کے غلام حضرت حمران (بن ابان) روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کرتے وقت اعضائے وضو تین تین بار دھویا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

بخاری (۱۵۹) مسلم (۵۳۸) ابوداؤد (۱۰۶) ترمذی (۴۸) نسائی (۸۴) ابن ماجہ (۴۱۳) ابوالحسن (۸۱)

کامل وضو کے ساتھ سید الوضو دو گانہ نفل پڑھنے کا فائدہ

بخاری مسلم ابوداؤد نسائی احمد بن حنبل ابن حبان اور دارقطنی (ان سب محدثین) نے حضرت حمران سے روایت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت حمران نے کہا: میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے چنانچہ حضرت عثمان نے سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈال کر ان کو (کلامیوں سمیت) دھویا پھر تین بار گلی کی تین بار تاک میں پانی ڈالا پھر تین بار اپنے چہرے کو دھویا پھر اپنے دائیں ہاتھ کو کبھی سمیت تین بار دھویا پھر اپنے بائیں ہاتھ کو تین بار اسی طرح دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے دائیں پاؤں کو تین بار پھر اپنے بائیں پاؤں کو تین بار دھویا پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس وضو کی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز (حجۃ الوضو) پڑھے کہ ان میں اپنے دل سے کوئی اور بات ہرگز نہ کرے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ [شرح منہاج امام اعظم لملاط قاری ص ۱۵۳۔ ۱۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ الفصل الاول ص ۳۹ مطبوعہ دار المطابع دہلی]

اور امام ابو نعیم نے المعرفۃ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت حمران سے بیان کیا کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا کہ آپ نے پانی طلب کیا اور وضو کیا پھر جب وضو سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح وضو کیا جس طرح میں نے وضو کیا ہے پھر آپ نے قسم فرمایا اور فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں کیوں مسکرایا؟ ہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بے شک نیک بندہ جب وضو کرتا ہے اور اپنا وضو خوب مکمل کرتا ہے پھر وہ نماز شروع کرتا ہے اور اسے خوب مکمل ادا کرتا ہے تو وہ گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح وہ اپنی ماں کے پیٹ سے (گناہوں سے پاک) نکلا تھا۔

[شرح منہاج امام اعظم لملاط قاری ص ۱۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

۱۱۔ بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً

وضو کے اعضاء کو ایک ایک بار دھونا

۵۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ خَلْقَةَ عَنْ اَبِي بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْكَافَرِ قَالَ سَلَّمَ قَوْلًا مَرَّةً مَرَّةً. امام ابو حنیفہ حضرت علقہ بن مرثد سے وہ حضرت ابن بربہ سے اپنے والد (حضرت بربہ) سے روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ وضو کرتے وقت اپنے اعضاء کو ایک ایک بار دھویا۔

بخاری (۱۵۷) ابوداؤد (۱۲۸) ترمذی (۴۶) نسائی (۸۰) ابن ماجہ (۴۱۱) ملیسی (۱۹۳۴) طحاوی (۱۱۷)

اعضاء وضو کو ایک بار دھونا فرض ہے

یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضو میں اپنے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھویا اور ایک بار اپنے سر کا مسح کیا اور یہ عمل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھونا واجب اور لازم ہے جس کے بغیر وضو جائز نہیں اور تین تین بار دھونا سنت ہے اور امام شافعی کے علاوہ جمہور کے نزدیک سر کا مسح صرف ایک بار کیا جائے گا۔ اور امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا تو یہ وضو کا وہ عمل ہے جو لازم و ضروری ہے اور جس شخص نے دو دو بار دھویا اس کے لیے دگنا ثواب ہے اور جس نے تین تین بار دھویا تو یہ (میرا) اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام رضی اللہ عنہم کا وضو ہے۔

[شرح منہاج امام اعظم ص ۳۷۵-۳۷۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

۱۲۔ بَابُ التَّوَسُّعِ لِي غَسَلَ الْأَعْقَابَ

ایڑیوں کے دھونے کی تاکید

۵۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُعَاوِيَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقِيلَ لِلْعَرِيقِ مِنَ النَّارِ. حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایڑیوں کے لیے دوزخ کی آگ میں ہلاکت ہے۔

بخاری (۱۶۵) مسلم (۵۶۶) ترمذی (۴۱) نسائی (۱۱۰) ابن ماجہ (۴۵۴) طحاوی (۱۷۸)

صل لغات

”وَقِيلَ“ اس کا معنی ہے: بہت سخت مصیبت، شر و برائی کا نزول، ہلاکت و تباہی اور دوزخ کی ایک دادی کا نام۔ ”الْعَرِيقُ“ یہ عروق کی جمع ہے اس کا معنی ہے: ایڑیاں اور عروق کے دیگر معانی یہ ہیں: کوچ جیسے کہا جاتا ہے: ”عَرَقَ الْوَجَلَ الدَّابَّةُ“ ایک آدمی نے جانور کی کونچیں کاٹ دیں ایڑی کے اوپر کا پٹھا، دادی کا موڑ، پہاڑی راہ، حیلہ اور ایک شخص کا نام ہے جو جھوٹ بولے اور وعدہ خلافی کرنے میں مشہور تھا۔

وضو کے اعضاء میں ایڑیاں خشک رہ جانے پر عذاب کی وعید

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف واپس آ رہے تھے کہ ہم اسی راہ میں پانی کے ایک چشمے پر پہنچے تو ایک قوم نے عصر کے وقت (کی تنگی کے پیش نظر) جلدی کی اور انہوں نے وضو کرنے میں جلد بازی کی سو جب ہم ان کے پاس چشمے پر وضو کرنے گئے تو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں خشک رہ جانے کی وجہ سے چمک رہی تھیں جنہیں پانی نہیں لگا تھا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَيَلْزِمُ الْعُقَابَ مِنَ النَّارِ أَمْبِغُوهَا الْوُضُوءَ. یعنی خشک رہ جانے والی ایڑیوں کے لیے دوزخ کی آگ کا سخت عذاب ہے وضو پورا کرو۔ (رواہ مسلم)

[مشکوٰۃ المصابیح باب سنن الوضوء الفصل الاول ص ۳۶ مطبوعہ دار الفکر دہلی]

”ویل“ کا معنی سخت عذاب اور ہلاکت بھی ہے اور دوزخ میں ایک وادی کا نام بھی ہے اور ایڑیوں کے لیے دوزخ کے عذاب کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ وضو میں یہی عضو عموماً نہیں دھلتا اور خشک رہ جاتا ہے اور اس حدیث مبارکہ سے یہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے لیکن بعض علماء نے کہا کہ اس سے صاحب عقب ایڑی والا آدمی مراد ہے یعنی ایڑیاں خشک رکھنے والے آدمی کو دوزخ کی آگ کا سخت عذاب ہوگا اور مضاف محذوف ہے کیونکہ آدمی وضو میں پاؤں کے دھولے میں کوتاہی کرتے ہیں اور اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ وضو پورا کیا کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وضو کے اعضاء میں سے کسی عضو کا کوئی جزو خشک نہ رہے کیونکہ دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ اگر تاشن کے سر کے برابر کوئی جگہ خشک رہ گئی تو وضو صحیح نہیں ہوگا یعنی وضو کے فرائض اور سنن کو پوری طرح ادا کرو یا اس کے واجبات کو مکمل ادا کرو کہ تمام اعضاء وضو تک پانی پہنچا کر خوب دھو لو اور بعض علماء نے کہا کہ اسلام اور اس کے احکام کا نیا دور تھا مسلمان پاؤں کے دھولے میں سستی کرتے تھے کیونکہ انہیں ابھی تک احکام شرع معلوم نہیں تھے۔ ابن الملک نے اسی طرح ذکر کیا ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ اس حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جلد بازی کی وجہ سے ایڑیاں خشک رہ گئیں اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے اور مسح کافی نہیں ہے کیونکہ اس کے ترک پر وحید فرمائی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہی مقول اور ثابت ہے اور امام نووی نے کہا کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ پاؤں کا دھونا واجب ہے اور پاؤں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور تمام اعضاء و اعضاء کے جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں اور اس کے خلاف کسی سے کوئی ایسا اختلاف ثابت نہیں ہے جو اجماع میں مستحکم ہو نیز نبی کریم ﷺ کے وضو کا طریقہ بیان کرنے والے صحابہ کرام حضرت علیؓ، عثمانؓ، عبداللہ بن زیدؓ، انس بن مالکؓ، ابو ہریرہؓ، جابر بن عبداللہ اور عبداللہ ابن عمر اور ان کے علاوہ دیگر حضرات رضی اللہ عنہم اس پر متفق ہیں کہ نبی کریم ﷺ وضو کرتے وقت اپنے پاؤں مبارک دھویا کرتے تھے البتہ سوزوں کو پہننے کے بعد ان پر مسح کر لیتے تھے لیکن پاؤں پر بھی مسح نہیں کیا۔

[ماخذ الاحادیث ج ۱ ص ۲۲۰-۲۱۹ مطبوعہ مکتبہ نور پر وضو پر تفسیر مرقات الفاتح ج ۲ ص ۱۶-۱۵ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان]

اس حدیث مبارکہ سے یقین مسئلے ثابت ہوئے ایک یہ کہ جب مولے نہ پہنے ہوں تو وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے مسح جائز نہیں ہے اسی پر تمام صحابہ کرام اہل بیت اطہار اور ساری امت کا اجماع ہے۔ حضرت علیؓ ہمیشہ پاؤں دھویا ہی کرتے تھے جیسا کہ خود شیعوں کی کتب سے بھی ثابت ہے دوسرا یہ کہ مغسولہ اعضاء کو مکمل دھونا فرض ہے حتیٰ کہ وضو میں انگلیوں کے نیچے اور غسل میں بالیوں اور بلاک کے سوراخوں میں پانی پہنچانا فرض ہے اور تیسرا یہ کہ گناہ صغیرہ پر بھی سخت عذاب ہو سکتا ہے۔

[امراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ فیضی کتب خانہ مکتبہ]

شرمگاہ کی جگہ پر
پانی چھڑکنا

حضرت مجاہد قبیلہ ثقیف کے ایک آدمی سے جسے حکم یا ابن الحکم کہا جاتا ہے نے اپنے والد سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور بعد ازاں ایک چلو میں پانی لیا اور اپنی مردانہ طہارت گاہ پر چھڑک

۱۳۔ بَابُ تَصْحِ الْمَاءِ عَلَى
مَوْضِعِ الْفَرْجِ

۵۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ
رَجُلٍ مِّنْ ثَقِيفٍ يُقَالُ لَهُ الْحَكْمُ أَوْ ابْنُ الْحَكْمِ
عَنْ أَبِيهِ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَأَخَذَ حُفْنَةً مِّنْ مَّاءٍ فَنَضَحَ بِهَا مَوَاضِعَ طَهْوِهِ۔
 دیا۔

البدائع (۱۶۶) ترمذی (۵۰) نسائی (۱۲۴) ابن ماجہ (۴۶۱) بذل الحمد ورجح اس ۱۰۶

حل لغات

”حُفْنَةٌ“ چلو بھرنا، لپ بھرنا، لپ کی مقدار لینا۔ ”نَضَحَ“ یہ میخو واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت، باب فَعَّحَ يَفْعُحُ سے ہے، اس کا معنی ہے: چھڑکنا، ترکنا۔ ”مَوَاضِعَ“ موضع کی جمع ہے، یہ ظرف مکان ہے، اس کا معنی ہے: جگہ۔ ”طَهْوٍ“ اس کا معنی ہے: پاک کرنا، صاف کرنا۔ مواضع طہور سے طہارت گاہیں اور شرمگاہیں مراد ہیں۔

رومانی پر پانی چھڑکنے کی حکمت

انسان طبعاً کفر و پیدہ ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَلِيلًا (سورۃ النساء: ۲۸) اور آدمی کفر و پیدہ کیا گیا ہے

سو یہی وجہ ہے کہ انسان شیطانی اثرات کو جلد قبول کر لیتا ہے جس کی بنا پر شکوک و شبہات اور دوسروں و ادھام کا شکار ہو جاتا ہے خصوصاً دینی عبادات میں جب کوئی آدمی شک و شبہ اور دوسرے میں مبتلا ہو جاتا ہے تو مشکلات میں پڑ جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ وہ اس سے کیسے عہدہ براہو اس لیے نبی کریم ﷺ نے ہر مسئلہ کے حل کی تعلیم دے کر ہماری مشکلات کو حل فرما دیا۔ جیسے نماز کے دوران فرض یا واجب میں تاخیر ہو جائے یا واجب ترک ہو جائے یا واجب کرادہ ہو جائے یا نماز کے فرائض اور واجبات میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو سجدہ سہو سے تکمیل نماز کی تعلیم دی اور حج کے دوران کوئی قصیر ہو جائے تو صدقہ یا دم دینے سے اس کی کمی پوری کرنے کی تعلیم دی غرضیکہ نبی کریم ﷺ نے ہماری سہولت اور آسانی کے لیے دینی مسائل میں عملی تعلیم دے کر بھی اپنا اسوۂ حسنہ عنایت فرما دیا ہے چنانچہ ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان وضو کر لے اور اس کے بعد اسے محسوس ہو کہ اس کی شرمگاہ کا کپڑا گھٹا ہو چکا ہے جس کی بنا پر وہ شک و شبہ میں پڑ جائے اور اسے یہ دوسرے لاحق ہو جائے کہ نہ معلوم یہ پیشاب کے قطرے کی وجہ سے گھٹا ہو گیا ہے یا استنجا کے پانی کی وجہ سے گھٹا ہوا ہے اور یہ صورتحال ایک ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار پیش آ سکتی ہے تو اگر ہر بار دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھے تو پھر بار بار وضو کرنا اور نماز پڑھنا مشکل ہو جائے گا۔ اس لیے رحمۃ اللعالمین علیہ التحیۃ والسلام نے ہماری آسانی کے لیے اپنی رومانی پر پانی چھڑک کر ہمیں عملی تعلیم دی ہے کہ ہم وضو کے بعد اپنی شرمگاہ پر یا اس کے متعلق کپڑے پر پانی چھڑک دیا کریں کیونکہ پانی قابض بول ہونے کی بنا پر خصوصاً ٹھنڈا پانی پیشاب کے قطرات کو جاہد کر دیتا ہے۔ نیز اس کے بعد اگر آدمی کپڑے پر تری محسوس کرے گا تو اسے یہ یقین ہوگا کہ یہ تری پانی کے چھڑکاؤ کی وجہ سے ہے اس طرح شیطانی دوسروں اور شکوک و شبہات سے محفوظ رہے گا ورنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی رومانی پر پانی چھڑکنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ آپ تو معصوم ہیں، شیطانی دوسرے آپ کو کیوں کر لاحق ہو سکتے ہیں؟ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْضَحْ“ جب تم وضو کر لو تو چھینٹا دے لو۔ (ترمذی، اب فی النضح بعد الوضوء ج ۱ ص ۹، مطبوعہ مین کہنی، دہلی) بلکہ فرماتے ہیں:

(ترجمہ) دس باتیں قدیم سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہیں (۱) لمبیں کترنا (۲) داڑھی بڑھانا (۳) مسواک کرنا (۴) وضو اور غسل میں ناک میں پانی چڑھانا (۵) ناخن تراشنا (۶) انگلیوں کے جوڑے (یعنی جہاں جہاں میل جمع ہونے کا محل ہے اسے) دھونا (۷) بغلوں کے بال صاف کرنا (۸) زیر ناف بالوں کو موٹنا (۹) شرمگاہ پر پانی ڈالنا۔ راوی نے کہا: دسویں چیز میں

بھول گیا ہوں شاید (۱۰) کلی کرنا ہو۔ احمد، مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے اسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا۔ انکی مسلم باب خصال الفطرہ ج ۱ ص ۱۲۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی اس سے ظاہر ہوا کہ یہ چھینٹا خاص الی وسوسہ ہی کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے سنت ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے وسوسہ کا کیا تعلق کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَأَنسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ. (البقرہ: ۲۲) بے شک میرے (خاص) بندوں پر تیرا غلبہ اور تسلط نہیں ہو سکتا۔ ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ حکم بن سفیان یا سفیان بن حکم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں (ترجمہ) کہ رسول اللہ ﷺ جب بول (چینٹا) کرتے تو (بعد ازاں) وضو کرتے اور شرمگاہ پر چھینٹا دیتے۔ [سنن ابوداؤد باب الاصلع ج ۱ ص ۲۲ مطبوعہ بیہائی لاہور] ابن ماجہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کر کے ستر پر چھینٹا دیا۔

احمد ابن ماجہ دارقطنی حاکم اور حارث بن ابی اسامہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جب جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھ پر پہنچا دیتی ہے کہ حاضر ہوئے تو مجھے وضو اور نماز کی تعلیم دی اور حضرت جبریل نے خود وضو کر کے دکھایا جب وضو کر چکے تو ایک چلو پانی لے کر اپنی صورت مثالیہ کے موضع شرمگاہ پر چھڑک دیا۔ [سنن دارقطنی باب ماجاء فی الطبع علی الفرج ج ۱ ص ۱۱۱ مطبوعہ لئرانہ لبنان شریف]

ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جَاءَنِي جِبْرِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِذَا قَوَّحْتَ فَاتُخِجْ جبریل نے میرے پاس حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! جب آپ وضو کریں تو چھینٹا دے لیا کریں۔

[سنن ترمذی باب فی الطبع بعد الوضوء ج ۱ ص ۹ مطبوعہ امین کتب دہلی]

حضرت جبریل کا اپنی صورت مثالیہ کے ستر پر پانی چھڑکانا نبی کریم ﷺ کے سامنے طریقہ وضو عرض کرنے کے لیے تھا اور نبی کریم ﷺ کا فعل تعلیم امت کے لیے تھا۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: (ترجمہ) شرمگاہ کے قریب شلوار کے آسن پر تھوڑا سا پانی چھڑکا امت کی تعلیم اور اس کے وسوسہ کو دفع کرنے کے لئے۔ [مرقاۃ باب آداب الکلاء ج ۱ ص ۳۶۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان] نیز اس میں اقویا کے لیے جن کو بروقت مثانہ کا عارضہ نہ ہو ایک للع اور بھی ہے کہ شرمگاہ پر سر و پانی پڑنے سے اس میں ضبط اور کنٹرول پیدا ہو کر قطرے موقوف ہو جاتے ہیں۔

امام محمد کتاب الاطعمہ میں فرماتے ہیں:

(ترجمہ) امام اعظم حماد بن سلیمان سے وہ سعید بن جبیر سے وہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب تم تری پاؤ تو شرمگاہ اور وہاں کے کپڑے پر چھینٹا دے لیا کرو پھر شہ گزر دے تو خیال کرو کہ پانی کا اثر ہے۔ امام حماد نے فرمایا کہ ایسا ہی سعید بن جبیر نے مجھ سے فرمایا امام محمد فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب آدمی کو شہ زیادہ ہوا کرے تو یہی طریقہ برتے اور یہی قول امام اعظم کا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

[ماخوذ از تادوی رضویہ مع تخریج ج ۱ ص ۷۷۸-۷۷۹ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور]

موزوں پر مسح کرنے کا ثبوت

۱۴۔ بَابُ اثْبَاتِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

حضرت شریح روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ

۵۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ

صدیقہ رضی اللہ عنہ سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں

شَرِيحٌ لَّانِ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ قَالَتْ

اَنْتَ عَرَلًا لَّمَّا نَكَهَ لَهَا ثُمَّ كَانَ يُسَالِفُ مَعَ النِّسَاءِ صَلَّي
اَللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَرِيحٌ لَّا تَبْتَ عَرَلًا لَّقَالَ لِي
اِنْسَخَ۔

ابن ماجہ (۵۵۲) نسائی (۱۲۹) مسلم (۶۳۹) طحاوی (۵۱۲) کہ تم موزوں پر مسح کیا کرو۔

حل لغات

”اَنْسَخَ“ اس کو دو طرح سے پڑھا جاتا ہے ایک یہ کہ یہ صیغہ واحد مکمل فعل مضارع معروف مثبت باب فتح یفتح سے ہو
اس صورت میں اس کا معنی ہوگا: میں موزوں پر مسح کر لوں دوسرا یہ کہ ہمزہ استفہامیہ قرار دیا جائے اور مسح کو اسم مصدر قرار دے کر ميم
مفتوح سین ساکن اور حاء کو منون پڑھا جائے اب اس کا معنی ہوگا: کیا موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے اس صورت میں ”عَلَيَّ الْخُفَّيْنِ“
ثابت مہذوف کے متعلق ہوگا۔ ”اَنْتَ“ صیغہ واحد مکمل فعل مضارع معروف حاضر باب ضوَبْ یَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے:
آتا حاضر ہوتا۔ ”لَمَّا سَأَلْتُهُ“ میں ”سَأَلْتُ“ صیغہ واحد مکمل فعل مضارع معروف باب فتح یفتح سے ہے اس کا معنی ہے: سوال کرنا
دریافت کرنا۔ ”يُسَالِفُ“ صیغہ واحد مکمل فعل مضارع معروف مثبت باب مفاعله بہ معنی سفر کرنا۔ ”اِنْسَخَ“ صیغہ واحد مکمل
حاضر فعل مضارع معروف باب فتح یفتح بہ معنی مسح کرنا۔

موزوں پر مسح کرنے کی تحقیق

معلوم ہونا چاہئے کہ موزوں پر مسح کرنا سنت اور احادیث و آثار مشہورہ سے ثابت ہے اور جو شخص اس کے جواز کا عقیدہ نہیں رکھتا
وہ بدعتی اور گمراہ ہے اور بعض حفاظ حدیث نے تصریح کی ہے کہ موزوں پر مسح کرنا معتدا تھا و ترا احادیث سے ثابت ہے اور محدثین نے
موزوں پر مسح والی احادیث کے راویوں کو شمار کیا تو اسی سے زیادہ صحابہ کرام نقلے جن میں عشرہ مشرہ صحابہ بھی شامل ہیں جبکہ ملا علی قاری
نے احادیث مسح کے راویوں کو دو سو تک بیان کیا ہے اور علامہ ابن عبد البر نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ علمائے سلف میں سے کسی نے
موزوں پر مسح کرنے کا انکار کیا ہو مواہب اللدنیہ میں اسی طرح ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ستر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو پایا ہے جو سب کے سب موزوں پر مسح
کرنے کے جواز کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ امام ابو الحسن کاشی فرماتے ہیں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی موزوں پر مسح کا انکار کر کے کافر نہ ہو
جائے کیونکہ اس کے بارے میں احادیث و آثار حدیث و ترا تک پہنچ چکے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میں موزوں پر مسح کرنے کا اس
وقت تک قائل نہیں ہوا جب تک آثار صحابہ مجھ پر سورج کی روشنی کی طرح بالکل عیاں اور واضح نہیں ہو گئے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اہل السنۃ والجماعۃ کی علامات کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: شیخین (ابو بکر و
عمر) سے محبت کرنا اور خنثین (عثمان و علی) پر زبان طعن دراز نہ کرنا اور موزوں پر مسح کرنا۔ ملا علی قاری کہتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ کہا جائے
کہ موزوں پر مسح کرنا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے کہ آیت وضو میں ”ارجلکم“ میں نصب کی قراءت کی بنا پر برہنہ پاؤں کی صورت
میں دھونے پر محمول کیا جائے اور جر کی قراءت کی بنا پر موزوں پر مسح کرنے پر محمول کیا جائے اور ان دونوں کو نبی کریم ﷺ نے بیان
فرمایا ہے پھر بعض فقہاء نے فرمایا کہ موزوں پر مسح کرنا اس امت محمدیہ علیہا الخیرۃ والثناء کے خصائص میں سے ہے۔

[احمد المصنوع ج ۱ ص ۲۵۷ مطبوعہ مکتبہ نور یہ رضویہ، کنھڑ، مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۷۸-۷۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان شریف]

امام بیہقی نے کہا: حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کی کراہت منقول ہے۔

حضرت علی کی روایت کا جواب یہ ہے کہ سند صحیح کے ساتھ حضرت علی سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے اور کراہت کی روایت اس درجہ کی نہیں ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کو حضرت علی کے حوالے کر دیا تھا اور حضرت ابن عباس نے اس وقت مکہ کہا جب ان کے نزدیک سورہ مائدہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح ثابت نہیں ہوا تھا اور جب یہ ثابت ہو گیا تو انہوں نے اس کی طرف رجوع کر لیا۔ امام جوزقانی نے کتاب الموضوعات میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکار کرنا ثابت نہیں ہے اور علامہ کاشانی نے کہا: حضرت ابن عباس کے انکار کی روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا مدار حضرت عمرؓ پر ہے اور جب حضرت عطاء کے پاس یہ روایت پہنچی تو انہوں نے کہا: عمرؓ نے جھوٹ بولا اور حضرت عطاء سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس موزوں پر مسح میں لوگوں کی مخالفت کرتے تھے اور موت سے پہلے انہوں نے اس مسئلہ میں رجوع کر لیا۔ علامہ ابن قدامہ نے مغنی میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا: موزوں پر مسح کے متعلق میرے دل میں کوئی تردد نہیں ہے کیونکہ اس مسئلہ میں چالیس صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی مرفوع احادیث بیان کی ہیں نیز امام احمدؒ نے فرمایا: جبر دھونے سے موزوں پر مسح کرنا افضل و بہتر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب افضل و بہتر پر عمل کیا کرتے تھے۔ یہ امام فقہی حکم اور اسحاقی کا مذہب ہے۔

[شرح مسلم ج ۱ ص ۹۳۸ مطبوعہ طبعہ یک سال اردو بازار لاہور]

۵۶۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حُلَيْمَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ
بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَصَلَّى خَمْسَ صَلَوَاتٍ.
حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء فرمایا اور دونوں موزوں پر مسح فرمایا اور
اسی ایک وضوء سے پانچ نمازیں ادا فرمائیں۔

حل لغات

”خَمْسَ صَلَوَاتٍ“ اس میں خمس کا معنی ہے: پانچ اور ”صلوات“ صلوٰۃ کی جمع ہے یہاں صلوٰۃ کا معنی ہے: نماز۔

موزوں پر مسح کرنے یا اتار کر پاؤں دھونے میں اختلاف کا بیان

مسح کا معنی ہے: پانی سے تر ہاتھوں کو کسی عضو پر چھوتے ہوئے پھیر لینا اور موزوں پر مسح کرنے کا یہ معنی ہے کہ ہاتھوں کو پانی سے تر کر کے پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے موزوں کے اوپر رکھ کر چھوتے ہوئے پنڈلیوں کی طرف کھینچ کر لے جانا اور یہ بھی یاد رہے کہ خفین کا لفظ چڑے کے موزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عام جرابوں کے لیے ہرگز استعمال نہیں ہوتا اور احادیث مبارکہ میں بھی چڑے کے موزے مراد ہیں البتہ چڑے کی طرح اتنی موٹی اور مضبوط جرابیں جن میں پانی سرایت نہ کر سکے اور جوتے کے بغیر ماہن کر چلنے سے نہ پھٹ جائیں تو ایسی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے لیکن آج کل کی عام مرد و جد جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں اور یہ جان لینا چاہئے کہ موزوں پر مسح کرنا رخصت ہے اور عزیمت پاؤں کو دھونا ہے اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ جو شخص موزوں پر مسح کرنے کو ناجائز کہتا ہو وہ بدعتی اور گمراہ ہے لیکن جو شخص موزوں پر مسح کرنے کو جائز سمجھتا ہو اور عزیمت کی نیت سے مسح کی بجائے پاؤں دھو لینا ہے تو اسے اس عمل پر اجماع و ثواب ملے گا اور مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ موزوں پر مسح کرنا بہتر ہے یا موزے اتار کر پاؤں دھونا بہتر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ بدعتی فرقے روافض اور خوارج کی تردید کی نیت سے موزوں پر مسح کرنا بہتر ہے کیونکہ یہ فرقے مسح پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور امام احمد بن حنبل کے مذہب میں یہی عقار ہے اور امام نووی کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ مسح کی بجائے پاؤں کو دھو لینا بہتر و افضل ہے کیونکہ پاؤں کا دھونا اصل ہے مسح اس کا نائب ہے اور امام احمد کی ایک روایت میں دونوں برابر ہیں کیونکہ دونوں کے بارے میں شریعت وارد ہو چکی ہے۔ صاحب سفر السعاده فرماتے ہیں: نبی کریم

ﷺ کسی جانب میں تکلف نہیں فرماتے تھے نہ مسح میں اور نہ پاؤں دھونے میں چنانچہ اگر آپ موزے پہنے ہوئے ہوتے تو ان پر مسح کر لیتے اور انہیں اتار کر پاؤں کو دھونے کا تکلف نہ فرماتے اور اگر برہنہ پا ہوتے تو انہیں دھو لیتے لیکن موزہ پہن کر مسح کا تکلف نہ فرماتے۔ (احمد المساعی ج ۱ ص ۲۵۸-۲۵۷ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ کسرا)

۵۷۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ صَلَّى عَمَسَ صَلَوَاتٍ بَوْضُوٍّ وَّاجِدٍ وَمَسَحَ عَلَى عَقْبِهِ فَقَالَ لَهٗ عَمْرٌ مَا رَأَيْتَاكَ صَنَعْتَ هَذَا قَبْلَ الْيَوْمِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمْدًا صَنَعْتُهُ يَا عَمْرُ۔

امام ابو حنیفہ حضرت علقمہ سے وہ حضرت ابن بریدہ سے وہ اپنے والد (حضرت بریدہ) سے روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن پانچ نمازیں ایک وضو سے ادا فرمائیں اور موزوں پر مسح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم نے آج سے پہلے تو آپ کو ایسا کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! میں نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے۔

مسلم (۶۴۲) ابوداؤد (۱۷۲) ترمذی (۶۱) نسائی (۱۳۳)

حل لغات

”مَسَاوَاتُكَ“ اس میں حرف ماضی کے لیے ہے اور ”رَأَيْتَا“ صیغہ جمع حکم فعل ماضی معروف منفی باب فَتَحَ يَفْتَحُ ہے یہ ”رَوْنَةً“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی دیکھنا ہے اور ”لَهٗ“ ضمیر واحد مذکر حاضر مفعول بہ ہے۔ ”عَمْدًا“ کا معنی ہے: جان بوجھ کر قصد و ارادہ اور یہ مفعول مقدم ہے۔ ”صَنَعْتُ“ میں ”صَنَعْتُ“ صیغہ واحد حکم مثبت فعل ماضی معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے جبکہ اس سے پہلے صنعت واحد مذکر حاضر مثبت فعل ماضی معروف باب مذکور سے ہے یہ معنی کام کرنا ہے اور آخر میں ”هٗ“ ضمیر مفعول بہ ہے اور ”یا عمر“ میں حرف ”یا“ ندا کے لیے ہے جو قریب و بعید متادئی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور عمر متادئی قریب ہے۔

ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعجب کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خلاف عادت فتح مکہ کے دن پانچوں نمازیں ایک وضو کے ساتھ ادا فرمائیں کیونکہ آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ہر نماز کے لیے نیا وضو کیا کرتے تھے اور یہ طریقہ کار یا تو قرآن مجید کے ظاہر پر عمل کرنے کے لیے تھا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ط (المائدة: ۶)

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونا چاہو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنوں سمیت دھویا کرو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھویا کرو۔

مگر جمہور علمائے دین ”وَأَنْتُمْ مُّحْدِثُونَ“ کی تقدیر کی بنا پر بے وضو ہونا مراد لیتے ہیں یعنی جب نماز پڑھنا چاہو اور تم اس وقت بے وضو ہو تو پھر وضو کرو اور یہ امر وجوب کے لیے ہے اور یا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام استحباب پر عمل کرنے کے لیے ہر نماز کے لیے نیا وضو کیا کرتے تھے اور بعض علماء کے نزدیک نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے خصوصی طور پر ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا فرض تھا پھر منسوخ ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعجب کی دوسری وجہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن خلاف عادت موزوں پر مسح کیا کیونکہ اگر چہ فتح مکہ سے پہلے موزوں پر مسح کرنا جائز ہو چکا تھا لیکن آپ کی غالب عادت مبارک وضو میں پاؤں کو دھونے کی تھی اس لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے عمر! میں نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ ہر نماز کے لیے نیا

دھوکہ نہ ادا جب اور لازم نہیں ہے اور سب پر واضح ہو جائے کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ملا علی قاری ص ۳۷۳-۳۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

۵۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ أَبِي أُمِيَّةَ عَنْ
إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ جَبْرِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ
رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى
الْعُكَيْنِ بَعْدَ مَا أَنْزَلَتْ سُورَةُ الْمَائِدَةِ.

حضرت جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سورہ
مائدہ کے نازل ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے
ہوئے دیکھا ہے۔

بخاری (۳۸۷) مسلم (۶۲۲) ابوداؤد (۱۵۴) ترمذی (۹۳) نسائی (۱۱۸) ابن ماجہ (۵۴۳)

حدیث منقطع کے مقبول ہونے کا ذکر

یہ حدیث منقطع ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت جریر بن عبد اللہ کے درمیان ایک راوی ساقط ہو گیا ہے اور وہ عالم حضرت
ہام بن حارث ہیں جیسا کہ آئندہ آنے والی اگلی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے اور یہ حدیث مبارکہ احناف کے نزدیک
مقبول ہے کیونکہ جب ساقط سے روایت کرنے والا راوی عادل وثقہ ہو تو اس کی روایت مقبول ہوتی ہے اور یہاں حضرت ابراہیم نخعی
عادل وثقہ اور فقیہ راوی ہیں اس لیے ان کی یہ روایت بھی مقبول ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ شرح مسند امام اعظم میں ملا علی قاری سے تسامع
ہوا ہے کہ انہوں نے جریر بن عبد اللہ کی بجائے جریر بن عبد الملک لکھ دیا (ممکن ہے کہ کتابت و طباعت کی غلطی ہو واللہ اعلم
بالصواب) اور کہا ہے کہ یہ تابعی ہیں کیونکہ علامہ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں تراجم صحابہ میں ان کا ذکر نہیں کیا اور انہوں نے نبی
کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ تابعی (جس نے صرف صحابی کو دیکھا ہے
وہ) کہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے لہذا یہاں یہ حضرت جریر بن عبد اللہ بکلی صحابی مراد ہیں
جیسا کہ جامع المسانید اور مسند کشمینی بن محمد بن خضر بکلی اور ان کے علاوہ مسانید الامام میں تصریح کی گئی ہے۔

[ماخوذ من تقدمه و تاجم التوسمين النظام في شرح مسند الامام ص ۳۳ حاشیہ ۹ مکتبہ مدنیہ لاہور]

۵۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامِ
بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ رَأَى جَبْر بْنَ عَبْدِ اللَّهِ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ
عَلَى عُكَيْنِهِ فُسَّالَهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ لَيْتَ رَأَيْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ وَإِنَّمَا صُحِبْتُ بَعْدَ
مَا أَنْزَلَتْ الْمَائِدَةُ.

حضرت ہمام بن حارث روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت
جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا
تو حضرت ہمام نے ان سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں پوچھا تو
حضرت جریر نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے
دیکھا ہے اور بے شک میں نے شرف صحابیت سورہ مائدہ کے نزول کے بعد

بخاری (۳۸۷) مسلم (۶۲۲) ابوداؤد (۱۵۴) ترمذی (۹۳) حاصل کیا ہے۔

نسائی (۱۱۸) ابن ماجہ (۵۴۳)

موزوں پر مسح کرنا منسوخ نہیں بلکہ سنت جاریہ ہے

ابن ماجہ نے از ابراہیم از ہمام بن حارث روایت کیا ہے کہ حضرت ہمام نے فرمایا کہ حضرت جریر بن عبد اللہ بکلی نے بیٹھاب کیا
پھر (استنجا کرنے کے بعد) وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا تو لوگوں نے کہا: تم یہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت جریر بن عبد اللہ نے فرمایا: بھلا
مجھے اس سے کون روک سکتا ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں

کہ لوگوں نے اس حدیث پر اس لیے تعجب کیا تھا کہ حضرت جریر بن عبد اللہ بکلی سورۃ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے تھے۔ چنانچہ اس حدیث مبارکہ کو ابو داؤد ابن خزیمہ اور حاکم نے از کبیر بن عامر از ابی زرعہ از عمرو بن جریر از جریر بن عبد اللہ بیان کیا ہے اور اس حدیث کے آخر میں حضرت جریر بن عبد اللہ نے فرمایا:

مَا اسَلَمْتُ اِلَّا بَعْدَ نَزْوِلِ الْعَائِدَةِ. میں سورۃ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لایا ہوں۔

امام حاکم نے فرمایا: یہ اضافہ صحیح ہے اگرچہ بخاری اور مسلم نے یہ آخری الفاظ نقل نہیں کیے۔ امام ترمذی نے حضرت ہمام بن عارث سے یہ حدیث روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس باب میں یہ حدیث مبارکہ حضرت عمرؓ علیؓ حذیفہؓ مغیرہؓ بلالؓ سعدؓ ابو ایوبؓ سلمانؓ بريدةؓ عمرو بن امیہؓ انس بن مالکؓ سہل بن سعدؓ علقمہ بن مرہؓ عبادہ بن صامتؓ اسامہ بن شریکؓ ابوامامہؓ جابر اور اسامہ بن زیدؓ علیہم الرضوان سے مروی ہے۔ امام ترمذی نے کہا: حضرت جریر کی یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ حدیث منسوخہ ہے کیونکہ صحیحین کے منکرین نے یہ تاویل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۃ مائدہ کے نزول سے پہلے موزوں پر مسح کیا تھا حالانکہ حضرت جریر بن عبد اللہ نے وضاحت سے ذکر فرمادیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو سورۃ مائدہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

[تصحیح النکاح فی شرح مسند الامام ص ۳۳، مطبوعہ مکتبہ جماعیہ لاہور]

ملاحظہ قاری کیسے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ بکلی نے فرمایا: میں نبی کریم ﷺ کے وصال فرمانے سے چالیس روز پہلے اسلام لایا ہوں (جبکہ سورۃ مائدہ اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی) اور حضرت جریر نے اسلام قبول کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا، لہذا سورۃ مائدہ کی آیت وضو اس کی ناسخ نہیں ہو سکتی بلکہ مسح کو موزے پہننے کی حالت پر محمول کیا جائے گا اور پاؤں کے دھونے کو موزے نہ پہننے کی حالت پر محمول کیا جائے گا اس طرح دونوں قراءتوں پر عمل ہو جائے گا کیونکہ آیت مبارکہ میں اجمال ہے اور نبی کریم ﷺ کا فعل اس کی تفصیل ہے جس طرح آپ کے ارشادات احکام قرآن کی تفسیر و توضیح اور ان کی تشریح کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنزَلْنَا اِلَيْكَ الْوَحْيَ لِيُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ. [نحل: ۱۰۴]

اور (اے محبوب!) ہم نے آپ کی طرف یہ یادگار (کتاب) نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں سے وہ احکام بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کیے گئے ہیں۔

اور صحیحین کی احادیث متواتر کے قریب ہیں بلکہ معنوی طور پر متواتر ہیں اور تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ سفر اور حضر دونوں صورتوں میں موزوں پر مسح کرنا جائز ہے ماسوا امام مالک کی ایک روایت کے جس میں انہوں نے فرمایا کہ سفر میں موزوں پر مسح کرنا جائز ہے لیکن حضر میں (گھر میں مقیم کے لئے) جائز نہیں ہے اور روانہ (اہل تشیع) اور خوارج (بدعتی لوگ) اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ [شرح مسند امام اعظم ملاحظہ قاری ص ۶۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

۶۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمَّادٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ اَبِي اِيُوْبٍ عَنْ اَبِي مُوسَى الْاَشْعَرِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ روایت بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ (حبشہ کی طرف) روانہ ہوئے اور دوران سفر رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے ایک طرف تشریف لے گئے اور آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر پھر واپس تشریف لے

فَقَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ رَجَعَ وَغَلِيهِ جُبَّةٌ رُومِيَّةٌ حَبِيقَةٌ
الْكُتْمَيْنِ فَرَفَعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْ حَيْثُ كَتَمَهَا قَالَ الْمَغْبِرَةُ فَبَعَثْتُ أَصْبُ
عَلَيْهِ مِنَ الْمَاءِ مِنْ إِذَا وَقَعَ مَعِيَ فَعَوَضًا وَطُؤَةً
لِلطَّلُوَةِ وَمَسَحَ عَلَى خُفَيْهِ وَلَمْ يَنْزِ عَنْهُمَا ثُمَّ تَقَلَّمَ
وَصَلَّى.

آئے اور اس وقت آپ نے تک آستینوں والا رومی جہ زیب تن فرمایا
ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے جبہ کی آستینیں تک ہونے کی وجہ سے
اسے اوپر اٹھالیا (اس کے نیچے سے بازو نکال لیے) حضرت مغیرہ فرماتے
ہیں: پھر میں اپنے پاس موجود برتن سے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنے لگا
اور آپ نے نماز کے وضو کی طرح وضو کیا اور اپنے مولے اتارنے کی
بجائے ان کے اوپر مسح کیا پھر آگے بڑھے اور نماز ادا فرمائی۔

حل لغات

"إِنطَلَقَ" مینہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال ہے اس کا معنی ہے: چلے جانا، تشریف لے جانا۔ "قَضَى"
مینہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضرب ہے یہ معنی پورا کرنا۔ "حَبِيقَةٌ" کا معنی ہے: تنگ۔ "الْكُتْمَيْنِ"
یہ کم (کاف مضموم) کا تثنیہ ہے اس کا معنی ہے: آستین۔ "أَصْبُ" مینہ واحد منکرم فعل مضارع معروف مثبت باب نصر ینصرون
معنی اظہار، بھانا۔ "إِذَا وَقَعَ" اس کا معنی ہے: برتن۔ "لَمْ يَنْزِ عَنْهُمَا" مینہ واحد مذکر غائب فعل لئی جہد لم یجہد باب ضرب یہ معنی اتارنا۔
فاضل کا مفضل کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا جواز

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا تو اس وقت آپ نے تک آستینوں والا شامی جہ زیب تن کر
رکھا تھا اور آپ نے اپنے ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکال لیے تھے اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ نے فرمایا: میں اس سطر
میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں تو آپ اپنی سواری
سے نیچے اترے اور قضائے حاجت کے لیے ایک طرف تشریف لے گئے یہاں تک کہ آپ رات کی سیاہی میں مجھ سے اوچل ہو گئے
پھر آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو میں آپ کے ہاتھوں پر برتن سے پانی ڈالنے لگا اور اس وقت آپ نے
اون سے تیار کردہ شامی جہ زیب تن کیا ہوا تھا اور آپ نے اپنا چہرہ دھویا اور ہاتھوں کو اپنے جبہ سے باہر نہ نکال سکے یہاں تک کہ اپنے
دونوں ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکال لیے پھر ان دونوں کو دھویا اور اپنے سر پر اور دونوں موزوں پر مسح کیا اور امام مالک، امام احمد اور ابو داؤد کی
روایت میں ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک میں پیش آیا تھا اور موطا اور مسند ابی داؤد میں ہے کہ یہ نماز فجر کے وقت ہوا تھا اور صحیح مسلم کی
روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ واپس آیا تو نماز باجماعت کھڑی ہو چکی تھی اور
حضرت عبدالرحمن بن حوٹ بھی تھے لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے سو نبی کریم ﷺ (اور میں) آخری رکعت میں شامل ہوئے پھر جب
حضرت عبدالرحمن بن حوٹ نے سلام پھیرا تو رسول اللہ ﷺ (اور میں) کھڑے ہو گئے اور اپنی نماز مکمل ادا کی اور لوگ یہ حالت دیکھ
کر گھبرا گئے (اور آپ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کیا ہے تمہارے کسی ضرورت نہیں) اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ نے فرمایا:
میں نے حضرت عبدالرحمن کو پیچھے کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: رہنے دو اور اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں جن کو میں نے
شرح شامل میں ذکر کر دیا ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لمنازل قاری ص ۳۳۔ ۳۴] مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

علامہ ابو ذر کربا بخی بن شرف نوادی لکھتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیے کہ اس حدیث مبارکہ میں بہت سے فوائد ہیں:

(۱) فاضل کا مفضل کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا جواز

- (۲) نبی کریم ﷺ کا اپنے امتی کے پیچھے نماز پڑھنے کا جواز
- (۳) اول وقت میں نماز ادا کرنا افضل و بہتر ہے کیونکہ صحابہ کرام نے اول وقت نماز ادا کی اور نبی کریم ﷺ کا انتظار نہیں کیا۔
- (۴) اگر امام اول وقت (یا نماز کے لیے مقررہ وقت) سے لیٹ ہو جائے تو جماعت کے لیے مستحب ہے کہ وہ کسی آدمی کو آگے کر دیں اور وہ ان کو نماز پڑھادے جبکہ امام کے حسن خلق پر اعتماد ہو اور اس سے امام کو تکلیف نہ ہو اور ایسا کرنے سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور اگر انہیں امام کے ناراض ہونے کا یا فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ ہو تو اول وقت میں الگ الگ نماز ادا کر لیں پھر اگر اس کے بعد جماعت کو پالیں (نیز نماز نفل پڑھنا مکروہ نہ ہوں) تو دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے۔
- (۵) مسبوق کے شامل ہونے سے پہلے امام جو رکعت ادا کر چکا ہے اسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرنا ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوت شدہ ایک رکعت امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کی۔

- (۶) دوران نماز مسبوق کا نماز کے افعال میں امام کی پیروی کرنا۔
- (۷) مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کی القاء سے الگ ہو جائے گا۔
- (۸) حضرت عبدالرحمن بن عوف کا اپنی نماز میں برقرار رہنا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا پیچھے ہٹ جانا تاکہ نبی کریم ﷺ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں تو ان دونوں میں فرق ہے کیونکہ حضرت عبدالرحمن ایک رکعت نماز پڑھا چکے تھے اس لیے نبی کریم ﷺ آگے نہیں بڑھے تاکہ قوم کی نماز کی ترتیب میں خلل نہ پڑے اور حضرت ابو بکر کا واقعہ اس طرح نہیں تھا۔

[شرح مسلم للحدادی ج ۱ ص ۱۳۵-۱۳۳ مطبوعہ دار المعراج للطباعة کراچی ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء]

- (۹) ٹھگ آستینوں والا جبہ وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے کہ آپ نے خود استعمال فرمایا خصوصاً جہاد میں مجاہدین کا ٹھگ اور چست لباس پہننا تاکہ بھاگ دوڑ میں آسانی رہے۔
- (۱۰) دوران وضو قلیل عمل جائز ہے کہ یہ تسلسل وضو کی خلاف نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوران وضو جبہ اوپر اٹھا کر اس کے نیچے سے اپنے دونوں ہاتھوں کو نکالا اور ان کو دھویا۔
- (۱۱) وضو کرانے کے لیے دوسرے آدمی سے بوقت ضرورت مدد لینا جائز ہے کہ آپ کو حضرت مغیرہ نے وضو کرایا۔
- (۱۲) موزوں پر مسح کا جواز ثابت ہو گیا کیونکہ آپ نے خود موزوں پر مسح کیا۔
- (۱۳) ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دوران ناصیہ پر مسح کیا اور یہ چوتھائی سر کی مقدار کے برابر ہے جس سے مسح سر کے بارے میں قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل ثابت ہو گئی کہ سر کا مسح ایک چوتھائی فرض ہے۔

[ماخوذ از تسبیح النظام فی شرح مسند الامام ص ۳۳۳ حاشیہ ۱۲ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

حضرت مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرایا اور اس وقت آپ نے ٹھگ آستینوں والا ردی جبہ زیب تن کیا ہوا تھا سو آپ نے اپنے ہاتھ اس کے نیچے سے نکال لیے اور موزوں پر مسح کیا اور ایک اور روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا اور اس وقت آپ نے ٹھگ آستینوں والا شامی جبہ زیب تن کیا ہوا تھا اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکالے

۶۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْمُهِمَّرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَصَّاتُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ رُومِيَّةٌ صَبِغَةُ الْكُتْمَيْنِ فَأَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِهَا وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى الْحَقِيقَيْنِ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ صَبِغَةُ الْكُتْمَيْنِ فَأَخْرَجَ

بخاری (۳۶۳) مسلم (۲۶۹) نسائی (۱۲۳) ابن ماجہ (۳۸۹)

جہ مبارک کے رومی یا شامی ہونے کی تحقیق

ملاطی قاری لکھتے ہیں کہ ایک روایت میں ذکر ہے کہ جہ رومی تھا جبکہ دوسری روایت میں ذکر ہے کہ جہ شامی تھا اس سے یہ شر پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ ان دونوں روایات میں منافات اور تضاد ہے کیونکہ اس زمانہ میں شام کا علاقہ مملکت روم میں شامل تھا اور اس کے ماتحت تھا اس لیے دونوں کا مفاد ایک ہے (جیسے لاہور کی کسی مصنوع کو لاہوری کہا جائے یا پاکستانی کہا جائے دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے)۔

اور یہ بات بھی عقل سے کوئی بعید نہیں ہے کہ اس جہ کی نسبت ایک علاقہ کی طرف اس لیے کی جاتی ہو کہ اس کا کپڑا اس میں تیار کیا جاتا ہو اور دوسرے علاقہ کی طرف اس کی نسبت اس لیے کی جاتی ہو کہ اس کپڑے کی سلائی وغیرہ کر کے جہ وہاں تیار کیا جاتا ہو۔

۶۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عُمَارَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ
الْمُؤَيَّرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ. (ماہدہ ۶۱)

موزوں پر مسح کرنے کی اہمیت

حضرت مغیرہ بن شعبہ کی یہ حدیث مختصر بیان کی گئی ہے جبکہ اس کی تفصیل گزشتہ دو حدیثوں میں حضرت مغیرہ نے خود بیان کر دی ہے۔ امام ابن المہدی نے فرمایا کہ ہمیں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف سے ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے نبی کریم ﷺ کے ستر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے موزوں پر مسح کیا۔

اور کتب ستہ کے اصحاب نے حضرت جریر بن عبداللہ رحمہ اللہ کی حدیث روایت کی ہے کہ حضرت جریر نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے بول کیا پھر (استنہاء کے بعد) وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔ حضرت ابی ایوب انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحابہ کرام کو بہت پسند تھی کیونکہ حضرت جریر سورۃ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے تھے۔

[شرح مسند امام اعظم ملاطی قاری ص ۲۵۷-۲۵۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت بیان کرتے ہیں کہ میں ایک غزوہ کے سلسلہ میں عراق آیا تو میں نے حضرت سعد بن مالک کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اے ابن عمر! جب تم اپنے والد کے پاس جاؤ تو ان سے اس کے متعلق پوچھ لینا۔ ابن عمر نے فرمایا: جب میں اپنے والد کے پاس آیا تو میں نے ان سے پوچھا سو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی موزوں پر مسح کرنا شروع کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں جہاد کے لیے عراق میں آیا تو حضرت سعد بن مالک کو موزوں پر مسح کرتے

۶۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي الْجَهْمِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمْتُ عَلَى غَزْوَةٍ فِي الْيَمَامَةِ لَمَّا كَانَ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ مَا هَذَا فَقَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ إِذَا قَدِمْتَ عَلَى أَبِيكَ فَسَلِّ عَنْ ذَلِكَ قَالَ فَاتَّبَعْتُ لَسَأَلَهُ فَقَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ فَمَسَحْنَا. وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ قَدِمْتُ الْيَمَامَةَ لِلْغَزْوِ لَمَّا كَانَ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ مَا هَذَا قَالَ إِذَا قَدِمْتَ عَلَى عُمَرَ لَسَلِّ فَقَالَ قَدِمْتُ عَلَى عُمَرَ

فَسَأَلَهُ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ بِمَسْحَا. وَلَيْسَ بِرِوَايَةِ قَالَ قُلَيْبُ بْنُ الْإِجْرَاقِ لِعَزْرَةَ جَلُولًا فَرَأَيْتُ سَعْدَ ابْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ مَا هَذَا يَا سَعْدُ فَقَالَ إِذَا لَبِثْتَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَاسْأَلْهُ قَالَ فَلَقِيتُ عُمَرَ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا صَنَعَ فَقَالَ عُمَرُ صَدَقَ سَعْدٌ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ فَصَنَعْنَا. وَلَيْسَ بِرِوَايَةِ قَالَ قُلَيْبُ بْنُ الْإِجْرَاقِ فَرَأَيْتُ سَعْدَ ابْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَانْكَرْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لِي إِذَا لَبِثْتَ عَلَى عُمَرَ فَاسْأَلْهُ عَنْ ذَلِكَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَلَمَّا لَبِثْتُ عَلَيْهِ سَأَلْتُهُ وَذَكَرْتُ لَهُ مَا صَنَعَ سَعْدٌ فَقَالَ عَمَّكَ أَفْقَهُ مِنْكَ رَأَيْتَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ بِمَسْحَا.

بخاری (۲۰۳) ابن ماجہ (۵۴۶) مسند احمد (ج ۱ ص ۱۴)

ہوئے دیکھا سو میں نے ان سے کہا: یہ کیا ہے؟ حضرت سعد نے فرمایا: جب تم حضرت عمر کے پاس جاؤ تو ان سے پوچھ لینا چنانچہ ابن عمر نے فرمایا کہ میں حضرت عمر کے پاس آیا تو میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی اپنے موزوں پر مسح کرنا شروع کر دیا اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں جلولا کے جہاد کے لیے عراق آیا تو میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا میں نے کہا: اے سعد! یہ کیا ہے؟ سو انہوں نے فرمایا: جب تم امیر المؤمنین (حضرت عمر) سے ملاقات کرو تو ان سے اس کے متعلق پوچھ لینا۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ جب میں (حضرت عمر) سے ملا تو میں نے انہیں بتایا کہ حضرت سعد موزوں پر مسح کرتے ہیں تو حضرت عمر نے فرمایا: سعد (اپنے قول و فعل میں) سچے ہیں کیونکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے سو ہم نے بھی یہ عمل شروع کر رکھا ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا: ہم جہاد کے لیے عراق آئے تو میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا سو میں نے اس عمل کو تسلیم نہ کیا تو حضرت سعد نے مجھے فرمایا: جب تم حضرت عمر کے پاس جاؤ تو ان سے اس کے متعلق دریافت کر لینا۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: جب میں ان (اپنے والد) کے پاس پہنچا تو میں نے ان سے پوچھا اور حضرت سعد نے جو عمل کیا تھا اس کا میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ حیرانچا (حضرت سعد) تجھ سے زیادہ سنت کا فقیہ ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی مسح کرنا شروع کر دیا۔

حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر روایت بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد (حضرت عبد اللہ بن عمر) اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے درمیان موزوں پر مسح کرنے کے متعلق آپس میں اختلاف ہو گیا تو حضرت سعد نے فرمایا: میں تو مسح کرتا ہوں اور حضرت عبد اللہ نے فرمایا: مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ حضرت سعد نے فرمایا کہ ہم دونوں حضرت عمر کے پاس اکٹھے حاضر ہوئے تو حضرت عمر نے (اختلاف سن کر اپنے بیٹے ابن عمر سے)

۶۴۔ ابُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ تَنَازَعَ أَبُوهُ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ سَعْدُ أَمْسَحُ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ مَا يَعْجِبُنِي قَالَ سَعْدٌ لَمَّا جَمَعْنَا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ عَمَّكَ أَفْقَهُ مِنْكَ سُنَّةٌ. (ص ۶۳)

١٥- بَابُ بَيَانِ تَوْقِيتِ الْمُسْعِ

٦٦- أَمَّا حَنِيمَةُ عَنْ سَمَاعٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ
عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ حُرَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَسْحِ
عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَلِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةَ
أَيَّامٍ وَلِلْإِيَّاهَا لَا يَنْزِعُ خُفَّهُ إِذَا لَبَسَهُمَا وَهُوَ
مُتَوَضِّئٌ. وَفِي رِوَايَةِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمَسَافِرِ
ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً إِنْ شَاءَ إِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ
أَنْ يَلْبَسَهُمَا.

مسح کی مدت مقرر کرنے کا بیان

امام ابو حنیفہؒ حضرت حماد سے وہ حضرت ابراہیم نخعی سے وہ حضرت ابو عبد اللہ الحجدلی سے وہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ موزوں پر صبح کرنے کی مدت مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات ہے اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں وہ اس دوران اپنے موزوں کو نہ اتارے جبکہ اس نے ان کو وضو کر کے پہنا ہو اور ایک روایت میں یوں ہے کہ موزوں پر صبح کرنے کی مدت مسافر کے لیے تین دن ہے اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات ہے اگر وہ (صبح کی مدت پوری کرنا) چاہے جبکہ اس نے ان کو پہننے سے پہلے وضو کر لیا ہو۔

ابجد اور (۱۵۷) ترقی (۹۵) ابن ماجہ (۵۵۳) مسند احمد (۵۰۳) طحاوی (۴۳۳) مسلم (۶۳۹) نسائی (۱۲۸) بیہقی فی الکبریٰ (ج ۱)
مس (۲۷۲) مصنف عبدالرزاق (۷۸۹) مسند احمد (ج ۱ ص ۹۶) طحاوی (۵۰۳)

عمل لغات

”مُؤَيَّمٌ“ صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب افعال ہے، بہ معنی گھر میں رہائش پذیر۔ ”مُنَافِرٌ“ صیغہ مذکورہ بالا باب مفاعله ہے، بہ معنی سڑ کرنے والا۔ ”کِبَالِيٌّ“ کی جمع ہے، بہ معنی رات۔ اس کے آخر میں حاضیر مضاف الیہ ہے۔ ”لَبَسَهُمَا“، ”لَبِسَ“ سڑ کر نے والے فعل ماضی معروف باب نَمَعٌ نَسْمَعُ سے ہے، بہ معنی پہنانا۔ ”هُمَا“ ضمیر متنیہ راجع بہ سوائے نظمین مفعول

مسحِ خضین کی مدت میں اختلاف اور حنفی قول کی ترجیح

انھیں کو مشیہ (دوموزے) ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ صرف ایک موزہ پر مسح کرنا جائز نہیں اور یہ حدیث امام مالک کے خلاف جنت ہے کیونکہ ان کے نزدیک موزوں پر مسح کرنے کی مدت مقرر نہیں بلکہ موزے پہننے والا مسافر ہو یا مقیم ہو جب تک وہ موزے نہیں اتارے گا یا جب تک وہ جنبی نہیں ہوگا موزوں پر مسح کرتا رہے گا اور امام شافعی کا قہیم قول بھی یہی ہے اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک موزوں کے پہننے کے بعد حدیث کے لاحق (یعنی بے وضو) ہونے کے وقت سے صبح کی مدت کا آغاز ہوگا اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت کے مطابق صبح کے وقت سے مدت کا آغاز ہو جائے گا اور علامہ ابن الجوزی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ دلیل کے لحاظ سے یہی معتبر اور رائج ہے اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ موزے پہننے کے وقت سے مدت کا آغاز ہو جائے گا اور مسح کی مدت کے موضوع پر کثرت سے احادیث مبارکہ مروی ہیں اور محدثین کے نزدیک یہ تمام احادیث مشہور ہیں اور ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے امام مسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کرنے کی مدت مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی ہے۔

شرح مسند امام اعظم ملاحی قاری ص ۹۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت

یعنی مسافر حالت سفر میں ایک بار موزے پہن کر مسلسل تین دن اور تین راتیں صبح کر سکتا ہے اور مقیم ایک دن اور ایک رات صبح

کر سکتا ہے۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ مالک احکام ہیں کیونکہ حضرت علی نے اس مدت کی تعیین نبی کریم کی طرف منسوب کی۔ دوسرے یہ کہ دونوں مدتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اول سے لے کر آخر تک ایک حال پر قائم رہیں مثلاً موزے پہننے وقت بھی مقیم ہوں اور آخر مدت تک مقیم رہیں اگر موزے پہننے وقت تو مقیم تھا مگر مدت مسح ختم ہونے سے پہلے مسافر ہو گیا تو اب وہ مسافر کی مدت پوری کرے گا یوں ہی مسافر اگر مقیم ہو جائے تو اب وہ مقیم کی مدت پوری کرے۔ تیسرے یہ کہ رک کی مدت حدت (بے وضو ہونے) کے وقت سے شروع ہوگی لہذا نہ موزے پہننے کے وقت سے شروع ہوگی اور نہ مسح کے وقت سے۔ چوتھے یہ کہ شرعاً مسافر وہ ہے جو تین دن کی راہ کا سفر کرے اس سے کم سفر کی صورت میں مسافر نہیں ہوگا ورنہ ایک دن کی مسافت کا مسافر اس حدیث پر عمل نہیں کرے گا حالانکہ حدیث ہر مسافر کو عام ہے۔ امرأة الناجی شرح مشکوٰۃ الصالح ص ۳۳۵-۳۳۴ مطبوعہ بیروت خانہ کجرات یعنی ہر مسافر کو تین دن موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے علیحدہ نہیں۔ اگر تین دن سے کم مسافت بھی سفر میں جائے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے مثلاً وہابی (غیر مقلد) صاحب اپنے کفایت پر میر کرنے ایک میل کے فاصلہ پر جا کر مسافر بن جائیں تو تین دن مسح کر کے دکھائیں۔ ایسے ہی جو آدی ایک دن چل کر گھر پہنچ جائے وہ اس اجازت سے کیسے فائدہ اٹھائے لہذا تین دن سے کم سفر میں سکا ہی نہیں ورنہ موزوں پر مسح کرنے کی یہ احادیث عمومی طور پر قابل عمل نہ رہیں گی۔ اس دلیل پر ابھی طرح غور کر لیا جائے

[ماہ الحق ص ۴۰۰ چہرہ ہواں باب ۱۵، پہلی فصل ص ۱۵۲-۱۵۱، مطبوعہ بیروت کتب خانہ کجرات]

یاد رہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے منقطع ہے کیونکہ ابراہیم نخعی کے بعد دو راوی ابراہیم نخعی اور عمرو بن مہمون ساقط ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ابراہیم نخعی کا صحابہ نہیں کے بارے میں ابو عبد اللہ احمدی سے سماع ثابت نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک منقطع حدیث بھی حجت ہے بشرطیکہ اس کا راوی ثقہ (مستند) ہو اور حضرت ابراہیم نخعی ثقہ راوی ہیں چنانچہ فقہ الکفریب میں ہے کہ ابراہیم نخعی کوئی ثقہ اور ثقہ (یعنی مستند و معتبر عالم دین) راوی ہیں مگر یہ کثرت سے ارسال کرتے ہیں اور یہ پچاس سال کی عمر میں ۹۶ میں اشغال فرما گئے۔ نیز اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابن حبان نے بھی اس کو صحیح کہا ہے اور ترمذی نے ابن مہمون سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے لہذا علامہ نووی کا شرح المہذب میں یہ دعویٰ کرنا کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے یہ دعویٰ مردود اور غیر مہذب ہے۔

[ماخوذ از تسبیح النظام فی شرح مسند الامام ص ۳۵-۳۴ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے موزوں پر مسح کرنے کی مدت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات ہے۔

۶۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ التَّمِيمِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَتْمُونٍ الْأَوْدِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ حُزَيْمَةَ بْنِ كَثِيرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْغُلَقَيْنِ قَالَ لِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلِلْمَقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً.

موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ

موزوں پر مسح کرتے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں پاؤں کے موزے کے اگلے حصہ پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بائیں پاؤں کے موزے کے اگلے حصہ پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو پھنڈی کی طرف اس طرح کیجئے کہ پانی کی تری کی وجہ

سے خطوط ظاہر ہو جائیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرنے کا یہ طریقہ مسنون ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح مسح کیا کرتے تھے اور کم از کم ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار موزوں پر مسح کرنا فرض ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو وضو کر رہا تھا سو اس نے اپنے موزوں کو دھویا تو آپ نے اس کو اپنے پاؤں سے ٹھونسا دیا اور فرمایا: اس طرح (موزوں کو دھو لینا) سنت نہیں ہے بلکہ ہمیں مسح کرنے کا حکم اس طرح دیا گیا ہے (یہ فرما کر) نبی کریم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو موزوں پر گزار کر انہیں مسح کرنا بتلایا۔ اس کو امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے جبکہ طبرانی کی دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کو مسح کرنے کا طریقہ اس طرح بتلایا کہ ہاتھوں کو ایک دفعہ موزوں کے اگلے حصہ سے پنڈلی تک اس طرح گزار دیا کہ ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہوتی تھیں اور ابن المنذر کی روایت میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے موزوں پر اس طرح مسح کیا کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے نشانات موزوں پر لکیروں کی طرح نمایاں تھے۔

۶۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ الْحَكَمِ بْنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَالِيٍّ عَنْ عَلِيٍّ بْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ السَّافِرُ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثَلَاثَةَ أَهَامٍ وَلِثَلَاثِينَ وَالْمَقِيمُ يَوْمًا وَثَلَاثَةً.

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسافر تین دن اور تین راتیں موزوں پر مسح کر سکتا ہے اور تہیم ایک دن اور ایک رات۔

موزوں پر مسح کرنے کی شرائط

موزے پر مسح کرنے کے لیے شرط ہے کہ پورا پاؤں موزے میں چھپا ہوا ہو کیونکہ اگر پاؤں کا کچھ حصہ نکلا ہوگا تو اس کا دھونا فرض ہوگا اور اس طرح پورے پاؤں کا دھونا لازم ہو جائے گا کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی عضو کو دھویا بھی جائے اور اس پر مسح بھی کیا جائے۔ یہ چیز شروع نہیں ہے ہاں اگر موزہ تھوڑا سا پھٹا ہوا ہے تو وہ مسح سے مانع نہیں ہے مسح ہو جائے گا کیونکہ عدم مسح کے حکم میں حرج ہے۔ نیز معمولی پھلن پر موزہ بدلنا پڑے گا۔ اس لیے لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے اس کی اجازت ہے لیکن تھوڑے سے مراد یہ ہے کہ پاؤں کی چھوٹی تین انگلیاں نظر نہ آئیں اگر چھوٹی تین انگلیاں نظر آئیں گی تو یہ پھلن زیادہ ہوگی اور ایسے موزے پر مسح کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ [ارکان اسلام ص ۳۶، مطبوعہ لریڈ بک سٹال لاہور]

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۷۷ پر موزوں پر مسح کے بارے فرماتے ہیں کہ سوتی یا اونٹنی موزے جیسے ہمارے بلاد (ممالک) میں رائج ہیں ان پر مسح کرنا کسی کے نزدیک بھی درست نہیں کہ وہ نہ تو مجلد ہیں یعنی ٹخنوں تک چھڑا منڈھے ہوئے ہیں نہ منقل ہیں یعنی تلا چھڑے کا لگا ہوا اور نہ وہ ٹخنیں ہیں یعنی ایسے دبیز و محکم کہ تنہا انہیں کو پہن کر قطع مسافت کریں تو شق نہ ہو جائیں اور ساقی (پنڈلی) پر اپنے دبیز ہونے کی بنا پر بے بندش رکے رہیں ڈھلک نہ جائیں اور اگر ان موزوں پر پانی پڑے تو قطرات کو روک میں فوراً پانی نیچے کی طرف چھن نہ جائے جو پائیکا ہے (موزے) ان تینوں وصفوں ”مجلد“ ”منقل“ اور ”فصیع“ سے خالی ہوں ان پر مسح کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ یا موزے ہی اتنے دبیز و محکم بنائیں جائیں تو صاحبین کے نزدیک ان پر مسح جائز ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے موزوں پر مسح جائز ہونے کے لیے سات شرائط ہیں:

(۱) موزے وضو کی حالت میں پہنے گئے ہوں۔

(۲) وہ ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں میں پہنے گئے ہوں۔

(۳) ایسے مضبوط ہوں کہ ان کو پھین کر تین میل شری یا اس سے زیادہ چل سکے۔

(۴) کسی کے بائوٹے کے بغیر پاؤں کے ساتھ چمٹے ہوں۔

(۵) موزے پاؤں کی چوٹی سے کم از کم تین انگلیوں کے برابر چمٹے ہوئے نہ ہوں۔

(۶) پانی کو جذب نہ کرتے ہوں۔ اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو وہ پانی ان کے نیچے کی سطح تک نہ پہنچے (جیسے سوتی، اونٹنی اور ہاتھوں کی جرابیں کہ پانی کو جذب بھی کرتی ہیں اور اگر پانی ان پر ڈالا جائے تو پاؤں کی سطح تک بھی پہنچ جاتا ہے ایسے موزے مسح کے لیے ممنوع ہیں)۔

(۷) موزے اتنے سولے ہوں کہ ان سے نیچے کی جلد دکھائی نہ دیتی ہو۔

[حاشیہ: جامع الصالحین ص ۳۴۷، مطبوعہ نوریہ کتب خانہ لاہور]

حالت جنابت میں دوبارہ جماع کرنا

۱۶۔ بَابُ فِي الْجَنْبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعُوذَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب

۶۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَمْوِي

رات کے پہلے حصہ میں اپنی کسی بیوی سے صحبت کرتے تو (اس کے بعد) فوراً سو جاتے اور پانی کو ہاتھ نہ لگاتے پھر جب رات کے آخری حصہ میں نیند سے بیدار ہوتے تو دوبارہ مباشرت کرتے اور غسل کرتے۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصِيبُ مِنْ أَهْلِهِ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ قَنَامٌ وَلَا يُصِيبُ مَاءً لَوْذَا اسْتَوَقَّطَ مِنْ أَيْمَرِ اللَّيْلِ عَادَ وَاقْتَسَلَ.

ابوداؤد (۲۲۸) ترمذی (۱۱۷) ابن ماجہ (۵۸۱)

جنبی کے لیے بغیر غسل کھانا پینا سونا اور دوبارہ جماع کرنا جائز ہے

امام مسلم اپنی صحیح مسلم میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی قیس نے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے وتر پڑھنے کا طریقہ پوچھا تو آپ نے وہ طریقہ بتا دیا پھر میں نے ان سے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ حالت جنابت میں کیا کرتے تھے آیا آپ سولے سے پہلے غسل کرتے تھے یا سونے کے بعد۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ آپ دونوں طرح کرتے تھے کبھی غسل کر کے سوتے اور کبھی وضو کر کے سو جاتے۔ میں نے کہا: "أَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً" اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے جس نے دین کے ہر معاملہ میں وسعت و آسانی فرمائی ہے۔

[صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد راجع الطحاوی، کراچی ۱۹۵۶ء، ص ۱۳۷]

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

اس باب کی تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جنبی کے لیے غسل سے پہلے کھانا پینا سونا اور جماع کرنا جائز ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اس پر اجماع ہے کہ جنبی کا بدن اور اس کا پینہ پاک ہے اور ان احادیث میں یہ بات بھی ہے کہ ان کاموں سے پہلے جنبی کا وضو کرنا مستحب ہے خصوصاً اس وقت جب اس عورت سے جماع کرنا چاہے جس سے پہلے جماع نہ کیا ہو اس وقت اپنے ذکر (شرمگاہ) کو دھونے کا احتیاب مؤکد ہے اور ہمارے اصحاب نے اس کی تصریح کی ہے کہ جنبی کا وضو سے پہلے کھانا پینا سونا اور جماع کرنا مکروہ ہے اور یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور ہمارے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ وضو واجب نہیں ہے۔ امام مالک اور جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ بعض مالکیہ اور ابوداؤد غلہری نے یہ کہا ہے کہ یہ وضو واجب ہے اور وضو سے مراد نماز کا

وضو کا مل ہے۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ سنن ابوداؤد جامع ترمذی نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جنابت کی حالت میں سو جاتے تھے اور پانی کو نہیں چھوتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ پانی کو نہیں چھوتے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ غسل نہیں کرتے تھے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات آپ پانی کو بیان جواز کے لیے نہیں چھوتے تھے کیونکہ اگر آپ ہمیشہ سونے سے پہلے وضو کرتے تو اس عمل سے وضو کے وجوب کا دایم ہوتا۔

نبی کریم ﷺ تمام ازواج مطہرات کے پاس ایک غسل سے طواف کرتے تھے تو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ درمیان میں وضو کر لیا کرتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ بیان جواز کے لیے وضو ترک کر دیا کرتے تھے کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام ازواج مطہرات کے پاس ایک رات میں تشریف لے گئے اور آپ ہر ایک کے پاس غسل کرتے تھے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ نے ایک ہی غسل پر کفایت کیوں نہ کر لی۔ آپ نے فرمایا: اس میں زیادہ پاکیزگی اور طہارت ہے۔ امام ابوداؤد نے کہا: پہلی حدیث زیادہ صحیح ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات بیان جواز کے لیے غسل نہ کیا ہو اور بعض اوقات حصول فضیلت کے لیے غسل کیا ہو۔

جنابت کے بعد سونے سے پہلے جو وضو کیا جاتا ہے اس کی حکمت کے بیان میں بعض علماء شافعیہ نے کہا تا کہ حدیث میں تخفیف ہو کہ اس سے اعضاء وضو پاک ہو گئے۔ علامہ مازری مالکی نے کہا تا کہ وہ طہارت پر سونے اگر اس دوران موت آ جائے تو طہارت پر موت آئے۔ علامہ مازری مالکی نے کہا: اسی قیاس پر حاکمہ کو بھی سونے سے پہلے وضو کر لینا چاہئے اور علماء شافعیہ نے کہا: حاکمہ کے وضو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

باقی رہا یہ کہ نبی کریم ﷺ ایک غسل کے ساتھ تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ سب کی رضامندی سے ان کے پاس گئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس زوجہ محترمہ کی باری ہو آپ نے اس سے اجازت لے لی ہو۔ اس تاویل کی اس وقت ضرورت ہے جب یہ کہا جائے کہ طہارۃ ازواج مطہرات کی باریوں کی تقسیم واجب تھی لیکن اگر یہ کہا جائے کہ آپ پر باریوں کی تقسیم واجب نہیں تھی تو پھر کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰۵-۱۰۰۳ مطبوعہ فریہ بک سٹال لاہور بحوالہ شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۱۳۴ مطبوعہ نور محمد راجح الطابع کراچی ۵۵/۳۷ھ]

۷۰۔ حُمَلَةُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعِيبُ أَهْلَهُ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَلَا يُعِيبُ مَاءً فَإِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ عَادَ وَاغْتَسَلَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے پہلے حصہ میں اپنی کسی بیوی سے مباشرت کرتے اور پانی کو نہ چھوتے پھر جب آپ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوتے تو دوبارہ جماع کرتے اور غسل کرتے۔

ابوداؤد (۲۲۸) ترمذی (۱۱۸) ابن ماجہ (۵۸۱)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت مردی اور تعدد ازواج کی حکمتیں

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ رات اور دن کے کسی ایک حصے میں تمام ازواج مطہرات کے پاس جاتے تھے اور وہ گیارہ ازواج تھیں۔ راوی کہتا ہے: میں نے حضرت انس سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ اس کی طاقت رکھتے تھے؟

حضرت انس نے کہا: ہم یہ کہتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی قوت دی گئی ہے۔

الحج بخاری ج ۱ ص ۲۱ مطبوعہ دار الفکر للطباعة والنشر بیروت ۱۴۰۳ھ

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں تیس مردوں کی طاقت کا ذکر ہے اور امام ابو یعلیٰ نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ کو چالیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی اور امام ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ آپ کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔

اور امام ترمذی نے جنت کی صفت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومن کو جنت میں اتنی اتنی جماع کرنے کی قوت ہوگی۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا وہ اس کی طاقت رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: اس کو سو مردوں کی طاقت دی جائے گی اور امام حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ہم نے چالیس کوسوں میں شرب الی قوت اس کا حاصل چار ہزار ہوا (یعنی نبی کریم ﷺ میں چار ہزار مردوں کی طاقت ہے)۔

اور علامہ ابن العربی نے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ کو جماع کی غالب قوت حاصل تھی (آپ چار ہزار مردوں کی طاقت رکھتے تھے) ان کے ہاوجود صرف گیارہ ازواج پر قناعت کی اور کھانے میں بھی آپ قناعت سے کام لیتے تھے اور جس طرح امور شرمیہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ میں تعلیم جمع کی تھیں اسی طرح امور دنیاویہ میں بھی آپ کے اندر تعلیم جمع کی تھیں تاکہ دارین میں آپ کا حال کامل ہو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۱۷ مطبوعہ دار الفکر للطباعة والنشر بیروت ۱۴۰۳ھ)

ہر نبی کو عام مردوں کی بہ نسبت بہت زیادہ طاقت دی جاتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک سوازدواج تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نوے ازواج تھیں اور محمد رسول اللہ ﷺ چار ہزار مردوں کی طاقت رکھتے تھے۔ اس کے ہاوجود آپ نے صرف گیارہ ازواج پر قناعت کی اور یہ تصور غلط ہے کہ آپ نے قضاے شہوت کے لیے زیادہ شادیوں کیں کیونکہ شہوت کا زور جوانی کے ایام میں ہوتا ہے۔ آپ نے پچیس سال کی عمر میں ایک چالیس سالہ بیوہ خاتون سے نکاح کیا اور پھر پچیس سال کا عرصہ صرف ان ہی کے ساتھ گزارا اور دوسرا عقد نہیں کیا۔ پچاس سال کی عمر کے بعد آپ نے چند اور عقد کیے اور یہ عقد تبلیغی مصلحتوں کی وجہ سے کیے کیونکہ نکاح کے ذریعہ ایک اور خاندان سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ ملنے چلنے سے تبلیغ کے زیادہ مواقع پھیر آتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تعدد ازواج کی وجہ سے آپ کے گھر کے حالات اور خانگی معاملات کو دیکھنے والیاں اور امت تک پہنچانے والی زیادہ خواتین جو نکاح اور گھریلو معاملات سے متعلق احادیث کی نشر و اشاعت کے زیادہ ذرائع فراہم ہو گئے۔ نیز آپ نے بیک وقت نو ازواج میں عدل و انصاف کر کے دکھایا اور امت کو یہ بتلایا کہ تم چار ازواج میں عدل و انصاف کو مشکل و گراں سمجھتے ہو اور میں نے بیک وقت نو ازواج میں عدل کر کے دکھایا ہے۔ سلام ہو اس نبی امی پر جس کا عمل ہر میدان میں قول سے بڑھ کر ہے۔

اشرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰۸ مطبوعہ لریبک سٹال لاہور

جنسی آدمی کے لیے وضو کرنا مستحب ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سونا چاہتے اور حالت جنابت میں ہوتے تو آپ نماز کے وضو کی طرح مکمل وضو کر لیتے تھے۔

۱۷۔ بَابُ اسْتِحْبَابِ الْوُضُوءِ لِلْجُنُبِ

۷۱۔ ابُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ
الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ قَوَّضًا

وَضُوءُهُ لِلصَّلَاةِ

بخاری (۲۸۸) مسلم (۶۹۹) ابوداؤد (۲۲۴) ترمذی (۱۲۰) نسائی (۲۵۹) ابن ماجہ (۵۸۴)

حل لغات

”آرَادَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: ارادہ کرنا چاہنا۔ ”أَنْ يَنْتَامَ“ اس حرف نمبر مصدر یہ ہے اور ”يَنْتَامُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے بمعنی سونا اُگھنا۔ ”وضوءہ“ ”نوحاً“ کا مفعول مطلق ہے۔

جنبی کے لیے بغیر غسل وضو یا حقیقہ کے سونا مستحب ہے

وضو سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ قدرے طہارت و پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے (عربی میں محاورہ ہے کہ) جب کسی چیز کو مکمل حاصل نہ کیا جائے تو اسے مکمل طور پر ترک بھی نہ کیا جائے اور اس حدیث کو شیخین ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سونا چاہتے اور اس وقت جنبی ہوتے تو پہلے اپنی شرمگاہ کو اچھی طرح دھو لیتے پھر نماز کے وضو کی طرح مکمل وضو کر کے سوتے۔

اور اسی سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی وضو سے ست ہو جائے تو وہ حقیقہ کر لے کیونکہ یہ بھی طہارت کی ایک قسم ہے اور حدیث (بے وضو) یا جنابت کی حالت میں سونے سے یہ بہتر ہے پھر میں نے امام طبرانی کی اوسط میں دیکھا جس میں انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کسی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوتے اور اٹھنے میں سستی اور تھکاوٹ محسوس کرتے تو اپنے ہاتھ دیوار پر مار کر حقیقہ کر لیتے اور کبھی آپ غسل کر کے سوتے تھے اور یہ سب کام احتیاب پر مبنی ہیں کیونکہ اس معاملہ کے متعلق حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پانی کو استعمال کیے بغیر جنابت کی حالت میں بھی سو جاتے تھے۔ اس حدیث کو امام احمد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

[شرح منہاج امام اعظم لاملی قاری ص ۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

مومن ناپاک نہیں ہوتا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مصافحہ کرنے کے لئے) ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اے حذیفہ!) تجھے کیا ہوا ہے؟ (حضرت حذیفہ نے) عرض کیا: بے شک میں ناپاک ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اپنے دونوں ہاتھ ہمیں دکھاؤ۔ ”لَإِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيْسَ بِنَجَسٍ“ سو مومن ناپاک نہیں ہے اور دوسری روایت میں ہے: ”الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجَسُ“ مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

۱۸۔ بَابُ الْمُؤْمِنِ لَا يَنْجَسُ

۲۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ زُجَلٍ عَنْ حُلَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَذْبُذُهُ إِلَيْهِ لَدَفَعَهَا عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَكَ قَالَ إِنِّي جُنُبٌ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ يَدَيْكَ فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيْسَ بِنَجَسٍ وَإِنِّي رَوَاهُ الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجَسُ.

حل لغات

”مَذْبُذٌ“ باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے اور ”مد“ سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: پھیلانا کھینچنا دراز کرنا اور بڑھانا۔ ”دَفَعَ“ یہ بھی باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے اور یہ بمعنی ہٹانا دور

کرنا اور رد کرنا ہے۔ ”جُنُبٌ“ جیم اور نون مضموم کے ساتھ ہے اس کا معنی دور ہونا ہے کہ جنبی قرآن مسجد اور نماز سے دور ہو جاتا ہے نیز اس کا معنی نافرمان مسافر جنبی ناپاک اور جنبی ہے اور یہ واحد حثیفہ جمع اور مذکر و مونث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ہیکل روایت میں ”يَنْجَسُ“ مصدر ہے نون اور جیم مفتوح ہیں بہ معنی گندا ہونا اور ناپاک ہونا اور دوسری روایت میں ”لَا يَنْجَسُ“ مینہ واحد مذکر فعل مضارع معروف ہے اور یہ باب مَكْرُمٌ يَكْرُمُ اور باب مَسُوعَ يَسُوعُ دونوں سے آتا ہے اس کا معنی بھی گندا ہونا اور ناپاک ہونا ہے۔ ”أَرْنَا“ مینہ جمع حاکم فعل ماضی معروف مثبت باب افعال بہ معنی دکھانا۔

جنبی کا بدن ناپاک نہیں ہوتا

نبی کریم ﷺ نے شاید مصافحہ کرنے کے لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف اپنا ہاتھ مبارک بڑھایا لیکن حضرت حذیفہ نے ادب و احترام کی رعایت کرتے ہوئے اپنا ہاتھ کھینچ لیا کیونکہ انہیں یہ گمان تھا کہ وہ جنابت کی وجہ سے ظاہر ابھی ناپاک ہو چکے ہیں اس لیے وہ پاک نہیں رہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے اس عمل کے پیچھے کیا چیز محرک تھی اور کیا چیز مانع تھی؟ حضرت حذیفہ نے اپنے گمان کے مطابق جواب دیا کہ میں جنبی ہو جانے کی بنا پر ناپاک ہوں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے اس خیال کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا: مومن تو ناپاک نہیں ہوتا نہ حقیقت میں نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں بلکہ وہ احکام شریعہ مخصوصہ کی بنا پر صرف حکماً ناپاک ہوتا ہے البتہ کافر باطن میں ناپاک ہوتا ہے اور بعض اوقات ظاہر میں بھی ناپاک ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ. (المائدہ: ۲۸) بے شک مشرک ناپاک ہیں۔

اور جمہور کا بھی قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مشرکین کتے اور خنزیر کی طرح سراپا ناپاک ہوتے ہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مشرکین نجس العین ہیں سو جو مسلمان ان سے مصافحہ کرے اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہاتھ دھو لے۔ [شرح مسند امام اعظم للاحی کا ری ص ۶۳-۶۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

جنبی آدمی کے ساتھ گفتگو کرنا اس کے ساتھ مجلس میں بیٹھنا اور اس کے ساتھ کھانا پینا یہ سب جائز ہیں نیز جنبی کی ہماسہ دنا پاک کی حکمی ہے کہ شریعت میں اس پر غسل کرنے کا حکم واجب کر دیا گیا ہے لیکن اس کا بدلتا ناپاک نہیں ہوتا اس لیے جنبی آدمی کا پسینہ اور اس کا جھوٹا پاک ہے۔ [اصول المفاتیح ج ۱ ص ۲۳۷-۲۳۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، کبیر ۱۲۹۷ھ]

۲۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَمَاءٍ عَنْ حَذِيفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلَّيْتُهُ إِلَيْهِ فَأَمْسَكَهَا عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجَسُ. حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف (مصافحہ کرنے کے لئے) اپنا ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دینے سے روک لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

بخاری (۲۸۴) مسلم (۸۲۵) ترمذی (۱۲۱) ابن ماجہ (۵۳۵) نسائی (۲۶۹)

حل لغات

”أَمْسَكَ“ باب افعال سے مینہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے ”يَمْسُكُ“ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: روک لینا۔

لینا۔

جنسی کے ساتھ مصالحو کا جواز

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے کسی ایک راستہ میں مجھ سے ملے اور میں اس وقت جنبی تھا اور آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تو میں آپ کے ساتھ چل پڑا یہاں تک آپ بیٹھ گئے سو میں چپکے سے وہاں سے نکل گیا اور میں نے گھر میں آ کر غسل کیا پھر میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ وہیں بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ آپ نے (مجھے دیکھ کر) فرمایا: اے ابو ہریرہ! تم کہاں تھے تو میں نے آپ کو واقعہ بتلایا اور آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! مومن تو ناپاک نہیں ہوتا یہ بخاری کے لفظ ہیں اور مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے عرض کیا کہ جب آپ مجھے ملے تو میں اس وقت جنبی تھا اور میں نے غسل کے بغیر آپ کے پاس بیٹھنا ناپسند کیا۔ بخاری کی دوسری روایت میں اسی طرح ہے۔ [مشکوۃ المصابیح ص ۳۹ مطبوعہ راجہ الطحاوی دہلی]

اس وقت حضرت ابو ہریرہ کا خیال یہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں مصالحو وغیرہ سب ممنوع ہے مگر شرم و حیا اور ادب و احترام کی وجہ سے اس وقت عرض نہ کر سکے۔ خیال تھا کہ بعد میں مسئلہ پوچھ لوں گا چونکہ اس کے ناجائز ہونے کا یقین نہ تھا اس لیے خاموشی اختیار کر لی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بھی وضاحت فرمادی کہ جنابت نجاست حقیقہ نہیں تا کہ جنبی سے مصالحو وغیرہ منع ہو اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ جنبی کا پینہ یا جھوٹا نجس نہیں۔ دوسرے یہ کہ غسل جنابت میں دیر لگانا جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ جنابت کی حالت میں ضروری کام کاج کرنا جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ جنبی سے مصالحو معاف ہے بلکہ اس کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا جائز ہے۔ [امراء المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰۸-۳۰۷ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات]

۲۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِيهِمْ عَنْ
الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا نَاوِلِيْنِي الْمَغْمَرَةَ فَقَالَتْ اِنِّي حَائِضٌ
فَقَالَ اِنَّ حَيْضَتَكَ لَيْسَتْ بِيَدٍ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: مجھے چٹائی پکڑانا۔ عرض کیا: میں تو حائضہ (ماہواری سے) ہوں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

مسلم (۶۸۹) ابوداؤد (۲۶۱) نسائی (۲۷۲) ابن ماجہ (۶۳۲) طحاوی (۱۴۳۰) مسند احمد (۲۴۶۸۸)

حل لغات

”ناوِلِيْنِي“ میں ”ناوِلِي“ باب مفاعلہ سے صیغہ واحد مونث حاضر فعل امر معروف ہے اس کا معنی ہے: پکڑانا، عطا کرنا اور دینا۔ اس میں نون و قایہ کی ہے اور آخر میں یائے مکملہ ہے۔ ”الْمَغْمَرَةُ“ میں خاء مضمومہ اور میم ساکن ہے یہ اسم مونث ہے اس کا معنی ہے: کجیور کے پتوں سے تیار کردہ چھوٹی چٹائی، خمیر کرنے کا برتن، شراب کا پھٹ اور شراب کے باعث درد سر کی تکلیف۔ ”حَائِضٌ“ باب ضوَبَ يَضْرِبُ سے اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ ہے اور یہ حیض سے مشتق ہے حیض کا معنی ہے: عورت کا ماہواری خون جاری ہونا تو حائض کا معنی ہے: ماہواری کے خون والی عورت اور یہ اسم مذکر ہونے کے باوجود مونث کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

حیض والی عورت کا پورا جسم پاک نہیں ہوتا

جب نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ بڑھا کر مسجد سے مجھے چٹائی پکڑادو تو حضرت عائشہ صدیقہ نے تعمیل حکم نہ کر سکے پر معذرت کرتے ہوئے عرض کیا: میں حیض سے ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے یہ معذرت یا تو اس خیال کی بنا پر کی کہ جس طرح حیض والی عورت کے لیے مسجد میں داخل ہونا منع ہے اسی طرح شاید ہاتھ بڑھا کر مسجد سے چٹائی اٹھانا بھی منع ہے یا اس بنا پر معذرت کی کہ انہیں یہ وہم ہوا کہ حیض نجاست حقیقی ہے اور حیض کی وجہ سے پورے بدن میں نجاست سرایت کر جاتی

ہے حتیٰ کہ ہاتھوں میں بھی سرایت کر جاتی ہے جیسا کہ حیض کے اختتام پر غسل کے حکم سے محسوس ہوتا ہے لہذا ہاتھ لگانے سے چٹائی نجس و ناپاک ہو جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ تمہارے ہاتھ میں حیض نہیں وضاحت فرمادی کہ حیض حقیقی اور حسی نجاست نہیں ہے کہ پورا بدن ناپاک ہو جائے اور ہاتھ لگانے سے چٹائی بھی ناپاک ہو جائے بلکہ یہ نجاست حکمی اور نجاست شرعی ہے البتہ نجاست حقیقیہ صرف اسی جگہ میں ہوتی ہے جہاں سے خون حیض نکلتا ہے اور اس کے ارد گرد جس جگہ حیض کا خون لگ جاتا ہے۔

[ماخوذ از تسخیر نظام فی شرح مسند الامام ص ۳۶ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

جنسی آدمی اور حیض و نفاس والی عورت کے لیے مسجد میں داخل ہونا بے شک منع ہے لیکن اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ جنسی آدمی اور حیض و نفاس والی عورت مسجد سے باہر رہے ہوئے مسجد میں ہاتھ بڑھا کر اندر کی چیز اٹھا سکتے ہیں۔

۱۹۔ بَابُ وَجُوبِ الْغُسْلِ عَلَى الْمَرْأَةِ بِخُرُوجِ الْمَنِيِّ مِنْهَا
احتملام کے بعد عورت پر منی کے نکلنے کی وجہ سے غسل کا واجب ہونا

حضرت ابراہیم نے کہا: مجھے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کی سماعت کرنے والے راوی نے خبر دی ہے کہ حضرت ام سلیم نے نبی کریم ﷺ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جو خواب میں دی دیکھے جو مرد خواب میں دیکھتا ہے (یعنی اگر عورت مرد کی طرح خواب میں احتلام کی وجہ سے ناپاک ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ غسل کرے۔

۲۵۔ أَبُو خَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ أُمَّ سَلِيمٍ أَنَّهَا سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى مَا يَرَى الرَّجُلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَغْتَسِلُ.

بخاری (۱۳۰) مسلم (۷۱۰) ابوداؤد (۲۳۷) ترمذی (۱۲۲) نسائی (۱۹۵) ابن ماجہ (۶۰۰)

جل لغات

”أَخْبَرَنِي“ میں ”أخبر“ باب افعال سے صیغہ واحد کر فاعل ماضی معروف ہے۔ ”إِبْرَاهِيمَ“ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے: کسی کو کسی چیز سے آگاہ کرنا، خبردار کرنا اور اس کی اطلاع اور خبر دینا۔ اس میں لون دقائہ کی ہے اور پاء شکم کی ہے۔ ”الْمَرْأَةُ“ ام مؤنث ہے اگر ہم مفتوح راہ ساکن اور الف غیر مردودہ پڑھا جائے تو اس کا معنی عورت ہے اور اگر ہم مکسورہ اور راہ ساکن الف مردودہ پڑھا جائے تو اس کا معنی آئینہ ہے۔ ”تَرَى“ باب فصح بفتح سے صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف ہے اس کا مصدر ”رَأَى“ بھی آتا ہے جس کا معنی دیکھنا ہے اور ”رَوَيْتُ“ بھی آتا ہے جس کا معنی خواب میں دیکھنا ہے یہاں ”تَرَى“ کا معنی خواب میں دیکھنا یعنی احتلام ہو جانا مراد ہے۔

احتلام کی صورت میں غسل صرف منی کے نکلنے پر واجب ہوگا

اس حدیث میں ”تَغْتَسِلُ“ خبر بہ معنی امر ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب عورت خواب میں وہ چیز پائے جو مرد خواب میں پاتا ہے ”فَلْتَغْسِلُ“ تو وہ ضرور غسل کرے۔ امام بیہقی اور دیگر محدثین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی نیند سے بیدار ہو اور وہ اپنے جسم یا کپڑے پر تری پائے اور اسے احتلام یاد نہ ہو تو وہ غسل کرے اور جب وہ خواب میں دیکھے کہ اسے احتلام ہو چکا ہے لیکن وہ اپنے جسم یا کپڑے پر تری نہ دیکھے تو پھر اس پر غسل واجب نہیں اور امام نسائی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ جس عورت کو احتلام ہو جائے اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا: جب عورت کو انزال ہو جائے تو وہ غسل کرے۔

امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جو خواب میں وہی چیز دیکھے جو مرد خواب میں دیکھتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب اس (عورت) سے وہی چیز خارج ہو جو مرد سے خارج ہوتی ہے تو وہ غسل کرے۔

[مسند امام اعظم للاعلیٰ قاری ص ۱۳۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت]

مسئلہ: اگر میاں بیوی ایک بستر پر اسٹھے سو جائیں اور بیدار ہونے کے بعد بستر پر تری پڑیں تو یہ تری کس کی شمار ہوگی اور ان دونوں میں سے کس پر غسل واجب ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ سفید ہے تو مرد کی طرف سے ہے اور مرد پر غسل واجب ہے اور اگر وہ تری زرد ہے تو عورت کی طرف سے ہے اور عورت پر غسل واجب ہے اور بعض علماء نے کہا کہ اگر وہ تری لمبائی میں پھیل گئی ہو تو مرد کی ہے اور اس پر غسل واجب ہے اور اگر تری چوڑائی میں پھیل گئی ہو تو عورت کی ہے اس پر غسل واجب ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ میاں بیوی دونوں غسل کر لیں۔

[الحدیث المباحث ج ۱ ص ۲۳۳-۲۳۴، مطبوعہ مکتبہ الرضویہ، دہلی، مکتبہ المصنفات الصحیح ج ۲ ص ۱۳۳، مطبوعہ مکتبہ المعارف العلمیۃ لاہور]

حمام بدترین جگہ ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ حمام بدترین جگہ ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں پردہ داری نہیں رہتی اور پانی پاک نہیں ہوتا۔

۲۰۔ بَابُ بَيْتِ الْحَمَّامِ

۲۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ بْنِ غَابِثَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتُ الْحَمَّامِ هُوَ بَيْتٌ لَا يَسْتُرُ وَمَا لَا يَطْهُرُ.

کامل ابن عدی (ج ۷ ص ۲۶۷) طبرانی (۱۰۹۳۶)

حل لغات

”بَيْتٌ“ فعل ماضی جامد ہے مذمت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لیے اس کو فعل ذم کہا جاتا ہے اور ”الْبَيْتُ“ اس کا معرف باللام لاطل ہے اور بیت کا معنی گھر مکان اور جگہ ہے اور ”الْحَمَّامُ“ مرفوع مخصوص بالذم ہے۔ ”لَا يَسْتُرُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف منفی ہے اور یہ باب نَصَرَ يَنْصُرُ اور باب حَسَرْتُ يَحْزَنُ دونوں سے آتا ہے اس کا معنی ہے: چھپانا، ڈھانکنا اور پردہ کرنا۔ ”لَا يَطْهُرُ“ باب نَصَرَ يَنْصُرُ اور باب حَكَّرُمُ يَحْكُرُمُ سے صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف منفی ہے اس صورت میں اس کا معنی ہوتا ہے: پاک ہونا اور جب تفحیل سے ہو تو اس وقت اس کا معنی ہوتا ہے: پاک کرنا۔

مستعمل پانی کے نجس ہونے پر استدلال

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مستعمل پانی (جو وحدت دور کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے) نجس و نا پاک ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں اور اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بعینہ اسی طرح روایت کیا ہے اور البتہ امام ابن عدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

بَيْتُ الْحَمَّامِ تَوَلَّعَ فِيهِ الْأَصْوَاتُ وَتَكَشَفَ شَرْمَاكُهَا كَلَّ جَاتِي هِيَ۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر

ایمان رکھتا ہے وہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ لے جائے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب پی جاتی ہو۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۵۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت]

علامہ علاؤ الدین متقی کنز العمال میں لکھتے ہیں:

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان عورت ماسوا بیماری کے حمام میں داخل نہ ہو اور تم اپنی عورتوں کو سورۃ نور کی تعلیم دیا کرو۔ [کنز العمال: ۲۷۴۳۳]

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کسی مومن کے لیے رومال ہاندھے بغیر حمام میں داخل ہونا جائز نہیں اور کسی مومنہ عورت کے لیے بیماری کے علاوہ حمام میں داخل ہونا جائز نہیں کیونکہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے آپ فرماتی ہیں: بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس عورت نے اپنے گھر کے علاوہ کسی اور جگہ اپنا دوپٹہ اتار کر رکھ دیا تو اس نے یقیناً اپنے اور اپنے پروردگار کے درمیان حجاب کو چاک کر دیا۔ [کنز العمال: ۲۷۴۱۳]

(۳) حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے لکھا کہ کوئی شخص تہبند ہاندھے بغیر حمام میں داخل نہ ہو اور نہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ [کنز العمال: ۲۷۴۱۷]

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مردوں اور عورتوں کو حمام میں جانے سے منع کر دیا پھر مردوں کو تہبند ہاندھے کر حمام میں جانے کی اجازت دے دی۔ [کنز العمال: ۲۷۴۲۰]

(۵) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے کہا: اے اللہ! جو عورت بغیر کسی بیماری کے حمام میں جائے وہ اس سے یہ چاہتی ہو کہ اس کا چہرہ گورا چٹا ہو جائے تو آپ اس کے چہرے کو اس دن سیاہ کر دینا جس دن بہت سے چہرے سفید اور روشن ہوں گے۔

[کنز العمال: ۲۷۴۲۳] [ماخوذ از کنز العمال ج ۹ ص ۲۴۵-۲۴۴، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرافیہ ملتان]

واضح ہو کہ حمام کی مذمت میں بہت سی احادیث وارد ہیں کیونکہ اس زمانہ میں عرب میں جو حمام ہوتے تھے ان میں بعض چھت کے بغیر ہوتے اور ان کی چار دیواری بھی چھوٹی ہوتی تھی اور پانی کے ذخیرہ کی جگہ بھی کھلی ہوتی تھی جس کی وجہ سے نہاتے وقت غسل کے پانی کے چھینٹے اس کے اندر گرتے تھے اور لوگ چونکہ برہنہ ہو کر نہاتے تھے اس لیے ستر پوشی اور پردہ داری قائم نہ رہتی اور پانی بھی پاک صاف نہ رہتا جس کی بنا پر شرم و حیاء اور طہارت و پاکیزگی قائم رکھنے کے لیے ایسے حماموں میں نہانے سے منع کرنا ضروری تھا جبکہ بعض حماموں میں پانی کی پاکیزگی کا اہتمام تو ہوتا لیکن پردے کا انتظام نہیں ہوتا تھا اس لیے ایسے حماموں میں بھی عورتوں کو جانے سے منع کر دیا گیا اور مردوں کے لیے ناف سے گھٹنوں تک کپڑا ہاندھ کر نہانا ضروری قرار دیا گیا نیز بعض حمام بڑے بڑے کرہ نما ہوتے تھے اور ان میں ٹپ نما بڑے بڑے برتن پانی سے بھرے ہوتے تھے اور کئی آدمی ایک دوسرے کے سامنے برہنہ حالت میں ہاتھوں میں پانی لے کر یا دوسرے چھوٹے برتنوں میں پانی لے کر اپنے اپنے جسم پر پانی ڈالتے اور غسل کرتے تھے جس کی وجہ سے نہ ستر پوشی اور پردہ داری قائم نہ رہتی اور نہ پانی چھینٹوں سے محفوظ رہتا اس لیے حماموں میں نہانے سے منع کیا گیا اور ان کی مذمت کی گئی۔

۲۱۔ بَابُ جَوَازِ فَرْكِ الْمَنِيِّ مِنَ الْقَوْبِ

۷۷۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَسَّافٍ عَنْ اَبِيهِمْ عَنْ

هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ قَوْبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

منی کو کپڑے سے کھرچنے کے جواز کا بیان

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں

رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچ (کراف) دیتی تھی۔

بخاری (۲۲۹) مسلم (۶۶۹) ابوداؤد (۳۷۲) ترمذی (۱۱۶) نسائی (۲۹۷) ابن ماجہ (۵۳۷)

حل لغات

”أَفْرُوكَ“ یہ صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کھر چنا کر گڑنا خوب ملنا۔
منی کے نجس یا طاہر ہونے کی بحث

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ یہ احادیث دلیل ہیں کہ منی نجس ونا پاک ہے جیسا کہ ہمارا (احناف کا) مذہب ہے اور امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے کہ منی نجس اور نا پاک ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل کے مشہور مذہب میں منی طاہر اور پاک ہے۔ ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں اور اس کے دوستوں کی پیدائش کا مادہ اور اصل منی ہے سو اس لیے ہم کس طرح کہیں کہ منی نجس ونا پاک ہے جبکہ (نقلی دلیل یہ ہے کہ) دار قطنی اور طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے منی کے بارے میں پوچھا گیا جو کپڑے کو لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ سو آپ نے فرمایا کہ منی ریشہ اور لعاب دہن کے مشابہ ہے اور کسی کپڑے وغیرہ کے ساتھ اسے صاف کر دینا کافی ہے اور ہم (احناف کی نقلی) دلیل وہ احادیث ہیں جن میں کپڑے وغیرہ سے منی کو دھونے کا حکم دیا گیا اور (گاڑھی اور خشک) منی کو کپڑے سے کھرچ دینے کا حکم محض آسانی کے لیے دیا گیا تاکہ مسلمان مشقت میں مبتلا نہ ہو جائیں طہارت منی کی وجہ سے نہیں اور اگر شوافع وغیرہ یہ کہیں کہ کپڑے وغیرہ سے منی کو دھونا یا کھرچ دینا تو محض کمال تکلف و صفائی کی خاطر ہوتا ہے نہ کہ طہارت و پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے سو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ خلاف ظاہر ہے کیونکہ منی آلود کپڑے وغیرہ کو دھونے یا کھرچنے کے حکم سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم طہارت و پاکیزگی کے لیے ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ منی کو نجس ونا پاک چیزوں میں شامل کیا گیا ہے چنانچہ ہدایہ (نیز دار قطنی میں حضرت عمار بن یاسر سے) مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: کپڑے کو پانچ چیزوں کے لگ جانے سے دھویا جاتا ہے (۱) پیشاب (۲) پاخانہ (۳) خون (۴) منی اور (۵) قہی سے باقی ان کا عقلی دلیل پیش کرنا کہ اللہ کے محبوب بندوں کی پیدائش کی اصل منی ہے تو اس کا ایک عقلی جواب یہ ہے کہ منی ماں کے رحم میں چالیس روز کے بعد حلقہ یعنی جما ہوا خون بن جاتی ہے اور یہ خون بھی اللہ کے محبوب بندوں کی پیدائش کا اصل ہے حالانکہ سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ خون نجس ونا پاک ہے نیز کبھی اللہ تعالیٰ پاک کو پلید سے پیدا کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حلال جاووروں کے دودھ کو خون سے پیدا کرتا ہے اور اس کا دوسرا عقلی جواب یہ ہے کہ منی جس طرح اولیاء اللہ کی پیدائش کی اصل ہے اسی طرح یہ دشمنان خدا ابو جہل فرعون ابولہب وغیرہ کی پیدائش کی بھی اصل ہے تو اب ہم کس طرح کہیں کہ منی پاک ہے کیونکہ یہ نجس ونا پاک مشرکوں اور کافروں کی پیدائش کی بھی اصل ہے لیکن (ان کی نقلی دلیل کا جواب یہ ہے) حضرت ابن عباس کی حدیث کے صحیح ہونے میں جرح و تنقید کی گئی ہے اس لیے یہ قابل اعتماد نہیں رہی اور اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ منسوخ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب
بول اس ۲۵۲ مطبوعہ مکتبہ نور یہ رضویہ سکرا ملا علی قاری نے اس حدیث کے تحت اسی طرح گفتگو کی ہے۔ البتہ انہوں نے حنفیوں کی دلیل میں وہ حدیث بھی پیش کی ہے جو صحیح ابوعوانہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے خشک (اور گاڑھی) منی کو کھرچ دیتی تھی اور جب منی تر اور گیلی ہو تو میں اسے دھو دیتی تھی اور یہ روایت دار قطنی نے بھی روایت کی ہے نیز ملا علی قاری نے حضرت عمار بن یاسر کی حدیث دار قطنی کے حوالے سے نقل کی ہے جسے شیخ محقق نے ہدایہ سے نقل کیا ہے۔ [مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۶۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

۷۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِي اَهِمٍّ عَنْ
 هَمَّامٍ اَنَّ رَجُلًا اَضَافَتْهُ عَالِيَةً اُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوْ سَلَّتْ
 اِلَيْهِ بِمِلْحَحَةٍ فَالْتَحَفَ بِهَا اللَّيْلَ لَاصَابَتُهُ جَنَابَةً
 فَفَسَلَ الْمِلْحَحَةَ كُلَّهَا فَقَالَتْ مَا اَرَادَ بِفَسْلِ الْمِلْحَحَةِ
 اِنَّمَا كَانَ يُجْزِيهِ اَنْ يَتَرُكَّهَ لَقَدْ كُنْتُ اَفْرَكُكَ مِنْ
 ثَوْبٍ وَسَوَّلَ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَصْلُ
 فِيْهِ. مسلم (۶۶۸) ابوداؤد (۳۷۱) ترمذی (۱۱۶) نسائی (۲۹۸)
 ابن ماجہ (۵۳۸) مسند احمد (۲۴۶۵۹) دارقطنی (ج ۱ ص ۱۲۵)
 طحاوی (۲۵۳) ابن خزیمہ (۲۸۸)

حضرت ابراہیم از امام روایت یہاں کرتے ہیں کہ حضرت ام
 المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک آدمی کو اپنے مہمان خانہ میں ٹھہرایا
 اور آپ نے اس کے لیے ایک لحاف بھیجا جسے اس نے رات کو اوڑھ لیا
 اور وہ آدمی احتلام کی وجہ سے جنبی ہو گیا تو اس نے احتیاطاً سارا لحاف
 دھو ڈالا (جب آپ کو نوٹری کے ذریعہ معلوم ہوا) تو آپ نے فرمایا کہ
 لحاف کے دھونے سے اس کا کیا مقصد تھا؟ کیونکہ اس کے لیے نشان
 جنابت کو صرف اچھی طرح کھرج دینا کافی تھا بے شک میں رسول اللہ
 ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرج دیا کرتی تھی پھر آپ اسی میں نماز ادا
 فرماتے۔

حل لغات

”اَضَافَتْهُ“ اس میں اضافت میثد واحد موث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: غیالت کرنا
 مہمان نوازی کرنا اور غیر راجع سوئے رجل مفعول بہ ہے۔ ”وَلْتَحَفَ“ یہ اسم آلہ میثد واحد موث ہے اس کا معنی ہے: لحاف اوڑھنا
 کپڑا پہننا۔ ”الْتَحَفَ“ میثد واحد کر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی لحاف اوڑھنا رضائی پہننا۔ ”يُجْزِي“
 میثد واحد کر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: کافی ہو جانا۔

ناپاک کپڑے میں سونا جائز اور نماز ناجائز ہے

امام ترمذی نے اعمش اور ہمام بن حارث کے واسطے سے تقریباً اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل
 کی ہے اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن (عمدہ) اور صحیح ہے اور فقہاء میں سے سفیان احمد بن حنبل اور اسحاق کا یہی قول ہے۔
 انہوں نے کہا اگر منی کپڑے کو لگ جائے تو اسے کھرج دینا کافی ہے دھونے کی ضرورت نہیں اور اعمش کی روایت کی طرح از منصور از
 ابراہیم از ہمام بن حارث از عائشہ مروی ہے اور ابومعشر نے یہ حدیث از ابراہیم از اسود از عائشہ روایت کی ہے لیکن حضرت اعمش کی
 روایت زیادہ صحیح ہے اور امام ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت اعمش سے روایت کی ہے۔ امام ابوداؤد نے یہ حدیث از ابراہیم از
 ہمام بن حارث روایت کی ہے کہ حضرت ہمام بن حارث حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ رات کو انہیں احتلام ہو گیا
 تو حضرت عائشہ صدیقہ کی نوٹری نے حضرت ہمام کو دیکھا کہ آپ اپنے کپڑے سے جنابت کو دھورہے ہیں تو اس نوٹری نے حضرت
 عائشہ صدیقہ کو یہ خبر سنائی تو آپ نے فرمایا: بے شک میں تو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرج دیتی تھی اور امام طحاوی نے
 نقل کیا ہے کہ ایک فریق نے کہا ہے کہ منی طاہر و پاک ہے اس پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اور انہوں نے انہیں مذکورہ بالا آثار سے
 استدلال کیا ہے اور دوسرے فریق نے کہا ہے: بلکہ منی نجس و ناپاک ہے اور یہ آثار حجت و دلیل نہیں بن سکتے کیونکہ یہ آثار تو سونے
 کے کپڑوں کے ذکر میں وارد ہوئے ہیں نماز کے کپڑوں کے بارے میں نہیں آئے ہم یقیناً دیکھتے اور جانتے ہیں کہ جو کپڑے پیشاب
 پاخانہ اور خون وغیرہ سے نجس و ناپاک ہو جاتے ہیں ان میں سونا ناجائز اور منع نہیں ہے البتہ ان میں نماز پڑھنا ناجائز اور ممنوع ہے کہ
 طہارت لباس شرط صحت نماز ہے اور یہ آثار و احادیث ہم پر حجت ہوتے جب ہم کہتے ہیں کہ منی کپڑے میں سونا جائز نہیں حالانکہ ہم
 ناپاک کپڑے میں سونا جائز سمجھتے ہیں اور لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں کہ نجس و ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے اور حضرت عائشہ

صدیقہ آپ کے اس کپڑے کو دھو دیتی تھیں جس میں آپ نماز پڑھا کرتے جب اسے منی لگ جاتی چنانچہ حضرت سلیمان بن یسار حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں: آپ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو دھو دیا کرتی تھی پھر آپ نماز ادا کرنے کے لیے تشریف لے جاتے اور آپ کے کپڑے میں پانی کی تری کے نشان موجود ہوتے تھے پس حضرت صدیقہ آپ کے اس کپڑے سے منہ کو دھو دیا کرتی تھیں جس میں آپ نماز پڑھتے تھے اور آپ کے اس کپڑے سے منی کو کھرج دیا کرتی تھیں جس میں آپ نماز نہیں پڑھتے تھے البتہ فریق اول معلقہ اور اسود وغیرہا کی حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی حدیث بطور حجت فریق ثانی پر پیش کر سکتے ہیں جس میں آپ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے خشک منی اپنی انگلیوں سے کھرج دیتی تھی پھر آپ اس میں نماز ادا فرماتے اور اس کو نہیں دھوتے تھے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منی کی طہارت پر دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ جائز ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑے سے خشک منی کو اپنی انگلیوں کے ساتھ کھرج کر صاف کر دیتی ہوں اور کپڑا پاک ہو جاتا ہو اگرچہ منی فی نفسہ نجس ونا پاک ہے جیسا کہ مروی ہے کہ جو تے اور سوزے کو گندگی لگ جائے تو ان دونوں کی طہارت منی سے صاف کرنا ہے کیونکہ ان کی طہارت میں منی دھونے سے کفایت کرتی ہے تو جس طرح یہ عمل گندگی کی طہارت کی دلیل نہیں بلکہ گندگی تو فی نفسہ نجس ونا پاک ہی ہے لیکن گندگی سے آلودہ جو تے اور سوزے صرف منی سے صاف کرنے پر ظاہر و پاک ہو جاتے ہیں اسی طرح منی فی نفسہ نجس ونا پاک ہی ہے لیکن خشک منی کو کپڑے سے کھرج دیا جائے تو کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

[ماہر از حسین الخام فی شرح مسند الامام ص ۳۸ ح ۶ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

جس کھال کو رنگ دیا جائے

وہ پاک ہو جاتی ہے

۲۲۔ بَابُ اِيْمَا اِهَاب

دُبِغَ فَلَقَدْ طَهَّرَ

۷۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَمَاعٍ عَنْ يَحْيَى عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اِيْمَا اِهَابَ دُبِغَ فَلَقَدْ طَهَّرَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو چمڑا رنگ دیا جائے وہ یقیناً پاک ہو جاتا ہے۔

مسلم (۸۱۳) بخاری (۱۴۹۲) ترمذی (۱۷۲۸) نسائی (۴۲۴۶) ابن ماجہ (۳۶۰۹) مسند احمد (۱۸۹۵)

حل لغات

”اِهَاب“ کی کھال خام چمڑا۔ ”دُبِغَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب فَتْحٍ مَفْتُحٍ سے ہے اس کا معنی ہے: دھواغت دینا چمڑا رنگنا۔ ”طَهَّرَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلول مثبت باب ثَوْرٍ مَثْوُومٍ سے ہے بے معنی پاک ہونا۔ خنزیر کا چمڑا نجاست اور انسان کا عزت و کرامت کی بنا پر پاک نہیں ہوتا

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ہر قسم کا چمڑا رنگنے کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔ البتہ علمائے اسلام نے خنزیر کے چمڑے کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ خنزیر نجس العین یعنی یہ بعید سراپا نجس ونا پاک اور غلیظ جانور ہے اس لیے اس کی کھال رنگنے کے باوجود پاک نہیں ہوگی اور انسان کی کھال کو بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا لیکن یہ استثناء محض انسان کی عزت و کرامت اور اس کے احترام و بزرگی کی وجہ سے کیا گیا ہے تاکہ اس کی کھال اتار کر توہین و اہانت اور بے حرمتی نہ کی جائے اور کتے کی کھال میں اختلاف ہے اور اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے اپنی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "الایہ ابغ الاصاب لقد ظہر" (رواہ مسلم) یعنی جب کسی کھال کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

(۲) انہیں سے مروی ہے: فرمایا: حضرت میمونہ کی لونڈی کو ایک بکری صدقہ دی گئی، سودہ مرگئی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے پاس گزرے تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتار لی؟ تم اسے رنگ دے کر پکا لیتے اور اس سے نفع اٹھاتے، لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو مردار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا صرف کھانا حرام ہے۔ (متفق علیہ)

(۳) نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت سودہ فرماتی ہیں کہ ہماری ایک بکری مرگئی تو ہم نے اس کا خام چمڑا رنگ لیا، پھر ہم اس میں نبیذ (یعنی انگور یا کھجور کا جوس) تیار کرتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانی مشک بن گیا۔ رواہ البخاری

[مشکوٰۃ شریف ص ۵۲، مطبوعہ مطابع المطالب، دہلی، باب تلخیص اہتمامات]

علامہ طاعی قاری لکھتے ہیں کہ ابن الملک نے فرمایا: حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث اپنے عموم کے اعتبار سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف جمت ہے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ مردار کی کھال رنگنے سے بھی پاک نہیں ہوتی اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف بھی جمت ہے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ کتے کی کھال رنگنے سے بھی پاک نہیں ہوتی، البتہ اس کے عموم سے آدمی کو اس کے اکرام و احترام کے سبب اور خنزیر کو اس کے نجس اعضاء ہونے کی بنا پر مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور حدیث ابن عباس اور حدیث سودہ دونوں اس بات کی دلیل ہیں کہ کھال کا ظاہر اور باطن دونوں رنگنے کے بعد پاک ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کا استعمال ترچیزوں میں بھی جائز ہو جاتا ہے اور اس میں نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ علامہ ابن الہمام نے فرمایا کہ اس باب میں امام دارقطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مردار کے خام چمڑوں کو رنگ دیا جائے تو ان سے فائدہ اٹھاؤ، خواہ انہیں مٹی سے یا راکھ سے یا نمک سے رنگ کر صاف کیا جائے یا دھوپ وغیرہ سے سوکھ کر خشک ہو جائیں اور بدبو وغیرہ ختم ہو جائے اور شرح السنۃ میں مذکور ہے کہ یہ احادیث دلیل ہیں کہ حلال جانوروں کے علاوہ سے نفع اٹھانا حرام نہیں جیسے ہال، سوکھی ہڈیاں، دانت، سینک وغیرہ کیونکہ ان میں حیات نہیں ہوتی اس لیے جانور کے مرنے پر یہ چیزیں نجس و نا پاک نہیں ہوتیں اور ہاتھی کی ہڈیوں کے استعمال کو چار قرار دیا گیا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ ہاتھی کے دانت اور اس کی ہڈیوں کی تجارت میں کوئی حرج نہیں اور القاموس میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلام حضرت ثوبان سے فرمایا کہ تم ہاتھی کے دانتوں سے تیار کردہ نکلن حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے لیے خرید کر لاؤ۔ [بخاری المرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۷۰، مطبوعہ مکتبہ المدینہ، دہلی، صفحہ ۱۱۱]

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

معلوم ہونا چاہئے کہ دباغت کے بعد چمڑے کا پاک ہونا بہ اتفاق ائمہ اربعہ ثابت ہے خواہ مردار ہو یا ذبح شدہ ہو یا کول اللحم جانور کا ہو یا غیر ما کول اللحم جانور کا ہو، البتہ امام احمد بن حنبل کے بعض اصحاب مردار کے چمڑے کے بارے میں کلام کرتے ہیں ان میں سے محققین عبادت کے قائل ہیں اور اس باب میں احادیث مشہور ہیں، البتہ خنزیر اور آدمی کا چمڑہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ آدمی عزت و کرامت کی وجہ سے اور خنزیر اہانت و حقارت کی وجہ سے اور کتے کے چمڑے کے بارے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ خنزیر کی طرح نجس اعضاء نہیں ہے اور ہاتھی امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خنزیر کا حکم رکھتا ہے اور امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ کے نزدیک اس طرح نہیں ہے اور سلف سے منقول ہے کہ ہاتھی وغیرہ کی طرح مردار جانوروں کی خشک ہڈیوں سے نفع اٹھانا جائز

ہے۔ امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھی کے دانت کی کھجور کھائی اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا علی آباؤنا اکرام کے لیے ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدے گئے تھے اور مشہور یہی ہے کہ حاج ہاتھی کے دندان کا نام ہے اور بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ دوسرے دریائی جانور کا نام ہے جس کو ذبل کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دریائی کھجور کا نام ہے۔ واللہ اعلم! (ماخوذ از: حذو المعانی ص ۲۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

۸۰۔ أَبُو جَبْرِ عَنْ يَمَالِكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِشَاةٍ مَبْنِيَةٍ لَبَسَ دَرَّةً فَقَالَ مَا عَلَى أَهْلِهَا لَوْ انْتَفَعُوا بِهَا بِهَا لَسَلَحُوا جِلْدَ الشَّاةِ لَجَعَلُوهُ بَقَاءً لِي أَنْتَبِ حَتَّى صَارَتْ خَنًا. بخاری (۶۶۸۶) مسلم (۸۰۶) ترمذی (۴۲۴۵) مسند احمد (۶۷۹ ص ۴۲۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت میں مری ہوئی بکری کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ اس کے مالکوں کا کوئی نقصان نہیں ہوگا اگر وہ اس کی کھال سے (رنگتے کے بعد) فائدہ اٹھالیں چنانچہ ان لوگوں نے بکری کی کھال کو اتارا اور اس کا مشکیزہ بنا کر گھر میں رکھ لیا یہاں تک کہ وہ پرانا ہو گیا۔

حل لغات

”مَرَّ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نصر ینصرف سے ہے اس کا معنی ہے: گزرنا۔ ”انْتَفَعُوا“ صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افتعال سے ہے اس کا معنی ہے: نفع اور فائدہ حاصل کرنا۔ ”سَلَحُوا“ صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فسخ ینفتح سے ہے اس کا معنی ہے: کھال اتارنا۔ ”بَقَاءً“ پانی پینے کا آلہ مشکیزہ۔ ”خَنًا“ پرانا ہو جانا۔

دہانت کے بعد مردار کی کھال کی طہارت کی تحقیق

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث کو بیان کیا ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے مشکیزہ سے دھو کر ناچا تو آپ کو بتلایا گیا کہ یہ مشکیزہ مردار کی کھال رنگ کر تیار کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی دہانت و رنگائی نے اس کی خواہش و نجاست اور اس کی ناپاکی کو زائل کر دیا ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملل القاری ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان]

شیخ محقق محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے ائمہ نے مردار کے چڑے کی طہارت میں کلام کیا ہے اور اس باب میں وارد شدہ احادیث پر جرح کی ہے البتہ ان میں سے بعض علماء نے ان احادیث کو صحیح تسلیم کیا ہے لیکن انہوں نے کتاب اللہ (قرآن) کے عام حکم کی سنت کے ذریعہ تخصیص کا انکار کیا ہے اور وہ یہ ارشاد ہے: ”خَوَّرْتُ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ“ (المائدہ: ۳) تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے۔

چونکہ کھال بھی مردار کا حصہ ہے اس لیے اس سے نفع حاصل کرنا مردار کے گوشت کی طرح حرام ہے اور انہوں نے ایسی احادیث بیان کی ہیں جن میں مردار کی کھال اس کے پٹھے اور ہڈیوں سے فائدہ اٹھانا ممنوع قرار دیا گیا ہے چنانچہ ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن حکیم کی حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک خط ہمارے پاس آیا کہ تم مردار کی کھال اور اس کی ہڈیوں سے فائدہ حاصل نہ کرو اور حضرت صالح بن احمد بن حنبل کی طرف سے ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے

نزدیک دباغت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی اور انہوں نے دارقطنی سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے تمہیں مردار کی کھال کے متعلق رخصت و اجازت دی تھی لیکن اب جب تمہارے پاس میرا خط پہنچ جائے تو تم لوگ مردار کی کھال اور اس کے پٹھوں وغیرہ سے فائدہ نہ اٹھانا اور یہ حدیث دلیل ہے کہ رخصت کے بعد منع کیا گیا ہے لہذا اگر رخصت تھی تو ممانعت سے پہلے تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح اور حق بات یہی ہے کہ دباغت اور رنگائی کے بعد چڑے سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں صحیح مشہور احادیث مروی ہیں اور ایسی احادیث سے کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) پر اضافی حکم جائز ہے اور قرآن مجید کی حرمت و ممانعت مجمل ہے عام نہیں ہے سنت نے اس کی وضاحت و تفصیل بیان کی ہے اس لیے امام احمد بن حنبل کے مذہب کے محققین علماء دباغت کے بعد مردار کی کھال کی طہارت کے قائل ہیں اور مخالفین کی احادیث ضعیف ہیں حلت و حرمت کے مسائل میں مفید نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مخالفین کی احادیث میں اباب کی حرمت و ممانعت بیان کی گئی ہے اور اباب تو دباغت سے پہلے ہی کھال کو کہتے ہیں جو خون آلود ہو یا نہ ہو اور ہوتی ہے اس کی حرمت کا کوئی منکر نہیں اور تخصیص کا انکار رخصت عرب کا منہ چڑھانے کے مترادف ہے۔ [ماخوذ از لغات الصحاح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۱۵۵ مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ فی شمل عمل روڈ لاہور]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نماز کا بیان

۴۔ کتاب الصلوٰۃ

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضرت ابوذر غفاریؓ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نماز پڑھی تو اس کو ہلکا پھلکا ادا کیا اور رکوع اور سجدے بہت زیادہ ادا کیے پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی نے آپ سے عرض کیا کہ آپ تو رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اور حالت یہ ہے کہ آپ اس قدر ہلکی نماز ادا کرتے ہیں سو آپ نے فرمایا: کیا میں نے رکوع اور سجدہ مکمل ادا نہیں کیا؟ اس آدمی نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا ایک درجہ بلند فرما دیتا ہے سو میں نے چاہا کہ مجھے بہت سے درجے عطا کیے جائیں یا میرے لیے بہت سے درجات لکھے جائیں اور حضرت ابراہیم نخعیؓ سے جس نے یہ حدیث بیان کی اس کی دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ ایک آدمی مقام ربذہ میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے ملے ان کے پاس سے گزرا جہاں آپ ہلکی پھلکی نماز ادا کر رہے تھے اور رکوع اور سجدے بہت سے ادا کر رہے تھے پھر جب حضرت ابوذر غفاریؓ نے سلام پھیرا تو اس آدمی نے عرض کیا: آپ اس قدر ہلکی پھلکی نماز پڑھ رہے ہیں حالانکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی صحابیت کا شرف و اعزاز کا حاصل کیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ

۸۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ صَلَّى صَلَوةً لَمْ يَعْصِفْهَا وَاسْتَكْرَرَ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ أَنْتَ صَاحِبُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُصَلِّي هَذِهِ الصَّلَاةَ فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ أَلَمْ أَهَيِّمُ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ قَالَ بَلَى قَالَ لَئِنْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَجَدَ لِلَّهِ سَجْدَةً رَفَعَ بِهَا ذَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ فَأَحْبَبْتُ أَنْ تُوَلِّيَ لِي ذَرَجَاتٍ أَوْ تَكْتَسِبَ لِي ذَرَجَاتٍ. وَبَيَّ وَابْنُ عَنْ اِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ عَنْ حَدَّثَهُ أَنَّهُ مَرَّ بِأَبِي ذَرٍّ بِالرُّبَذَةِ وَهُوَ يُصَلِّي صَلَوةً خَوِيفَةً يَكْثُرُ فِيهَا الرُّكُوعُ وَالسُّجُودَ فَلَمَّا سَلَّمَ أَبُو ذَرٍّ قَالَ لَهُ الرَّجُلُ تُصَلِّي هَذِهِ الصَّلَاةَ وَقَدْ صَحِبْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَجَدَ لِلَّهِ سَجْدَةً رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا ذَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ فَلِذَلِكَ أُكْثِرُ فِيهَا السُّجُودَ.

مسلم (۱۰۹۳) ترمذی (۳۸۸) نسائی (۱۱۴۰) ابن

فرمایا کہ یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے عوض میں اس کا ایک درجہ بلند فرما دیتا ہے سو اس لیے میں نماز میں سجدے زیادہ ادا کرتا ہوں۔

حل لغات

”تَخَفَّ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: تخفیف کرنا ہلکا کرنا مختصر کرنا۔ ”اَتَمَّكَوْ“ صیغہ مذکر وہ بالاء ہے مگر یہ باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: زیادہ کرنا بہتا کرنا بڑھانا۔ ”اِنْصَرَفَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: پھر جانا مراد نماز سے فارغ ہونا ہے۔ ”اَخِيَّتْ“ صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: پسند کرنا چاہنا چار کرنا۔ ”تَوَقَّيْ“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع مجہول باب ضروب یتضرب سے ہے اس کا معنی ہے: دینا عطا کرنا۔

نماز کی فرضیت و اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں

معلوم ہونا چاہئے کہ اس حدیث کے تحت تین مسائل کی وضاحت بہت اہمیت رکھتی ہے: (۱) نماز کی فرضیت و اہمیت (۲) نماز میں طویل قیام اور کثرت سجود کی باہمی افضلیت (۳) تخفیف نماز اور تطویل نماز کی فضیلت لہذا یہاں پہلے دو مسائل کی وضاحت کی جا رہی ہے جبکہ تیسرے مسئلہ کی وضاحت تخفیف نماز کے باب میں بیان کی جائے گی۔

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَبُوا مَعَكُمْ
الرُّكُوعَ (البقرہ: ۴۳) اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو

اس آیت میں نماز و زکوٰۃ کی فرضیت کا بیان ہے علامہ خازن نے اپنی تفسیر لباب التاویل میں لکھا ہے کہ نماز و زکوٰۃ کا خطاب سب کو ہے اور رکوع کرنے کا خطاب صرف بنی اسرائیل کو ہے کہ ان کی نماز میں رکوع نہیں تھا۔

حُفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ
وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (البقرہ: ۲۳۸) تم تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور درمیان والی نماز کی اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہو

یعنی بیگانہ فرض نمازوں کو ان کے اوقات پر ارکان و شرائط کے ساتھ پابندی سے ادا کرتے رہو۔ اس آیت میں پانچوں نمازوں کی فرضیت کا بیان ہے۔

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ
(الروم: ۳۱) اور تم نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں سے نہ ہو جاؤ

اس آیت میں پہلے نماز کی فرضیت و اہمیت کو بیان کیا گیا ہے پھر ترک نماز پر شدید وعید سنائی گئی کہ جس طرح نماز قائم کرنا فرض و لازم ہے اسی طرح ترک نماز کفر و شرک کے مترادف ہے۔ نماز کا زکوٰۃ کے ساتھ قرآن مجید میں بیسی مرتباً آیا ہے۔

نماز کی فرضیت و اہمیت احادیث کی روشنی میں

واضح ہو کہ نماز کی فرضیت و اہمیت اور اس کی تاکید میں بے شمار احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں ان میں کچھ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچوں نمازیں فرض فرمادی ہیں۔

[خرج مسلم و ابی داؤد و الترمذی]

(۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سرفروغ حضرت میں دودھ اور گھٹیں نماز فرض فرمائیں پھر سرفروغ میں وہی برقرار رہیں اور حضرت میں زیادہ کر دی گئیں۔ [الخروج البخاری]

(۳) حضرت میسرہ بن معبد بھی مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دودھ سال کا ہو جائے تو تم اسے نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ [الخروج احمد و ترمذی و ابن ماجہ]

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہر نماز کے وقت نکار کر کہتا ہے: اے نبی آدم! تم اس آگ کی طرف کھڑے ہو جاؤ جسے تم نے (گناہوں کے سبب) اپنے خلاف چلایا ہے سو تم نماز کے (دریچے سے) بھا دو۔ [رواہ الطبرانی]

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر سب سے پہلے پانچ نمازیں فرمائیں اور ان کے اعمال میں سے سب سے پہلے پانچ نمازیں (بارگاہ الہی میں پیش کرنے کے لئے) اٹھائی جائیں گی اور سب سے پہلے پانچ نمازوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ [رواہ الحاکم]

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے جس چیز کا حساب ہوگا وہ نماز ہے اگر وہ درست ہوئی تو اس کے باقی اعمال درست ہوں گے اور اگر وہ درست نہ ہوئی تو اس کے باقی اعمال بھی خراب ہوں گے۔

[رواہ الطبرانی فی المعجم]
(۷) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہمارے درمیان اور منافقین کے درمیان عہد نماز ہے جس نے نماز کو ترک کیا تو اس نے کفر کیا (یعنی کفران نعمت کیا)۔ [رواہ احمد و ترمذی و النسائی و ابن ماجہ]
(۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کیا تو اس نے یقیناً اعلان کفر کیا۔

[رواہ الطبرانی فی المعجم]
(۹) حضرت انس سے ہی مرفوع حدیث مروی ہے کہ ہمارے درمیان اور شرک کے درمیان حد فاصل ترک نماز ہے جس نے نماز کو ترک کیا اس نے شرک کیا۔ [رواہ ابن ماجہ]

(۱۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دین میں نماز کا مقام اس طرح ہے جس طرح جسم میں سر کا مقام ہے۔ [الخروج الطبرانی]
(۱۱) حضرت ابن عمر سے ہی مروی ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز کو قائم رکھا اس نے یقیناً دین کو قائم رکھا اور جس نے نماز کو ترک کر دیا تو اس نے دین کو مٹا دیا۔ [رواہ الطبرانی فی المعجم]

(۱۲) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں مروی ہے کہ جب مسلمان نماز پڑھنے لگتا ہے تو اس کے گناہ اس کے سر پر بند کیے جاتے ہیں پھر جب وہ نماز کے سجدے میں جاتا ہے تو اس کے گناہ جھڑنے لگ جاتے ہیں پھر جب وہ نماز سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے گناہ جھڑ چکے ہوتے ہیں۔ [رواہ الطبرانی فی المعجم و الترمذی و ابن ماجہ]

(۱۳) امام طبرانی نے الجامع الکبیر میں مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے اور نماز کے ارکان و حقوق کا خیال رکھتے ہوئے اسے سمجھ کر ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

(۱۴) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان بندہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو جنت کے تمام دروازے اس کے لیے کھول دیے جاتے ہیں اور اس بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تمام جہالت کھول دیے

جاتے ہیں اور حرمین اس کا استقبال کرتی ہیں جب تک وہ نماز میں ناک بھاڑنے اور کھانسنے سے باز رہتا ہے۔

[تسبیح النعام فی شرح مسند الامام ص ۲۰]

طویل قیام اور کثرت سجد کی فضیلت و اہمیت

نماز کے تمام ارکان فضیلت و اہمیت کے حامل ہیں لیکن ایک دوسرے کے مقابلے میں فضیلت و برتری اور اجر و ثواب کے زیادہ ہونے کے بارے میں اہل علم کے تین مختلف نظریات ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ سجدے میں زیادہ سے زیادہ تسبیحات پڑھ کر اس کو طویل و دراز اور لمبا کر کے ادا کرنا افضل و اعلیٰ اور بہتر ہے اور زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قیام میں زیادہ سے زیادہ تلاوت قرآن مجید کر کے اس کو طویل و دراز ادا کرنا افضل و اعلیٰ اور بہتر ہے اور زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے یہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کا نظریہ ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ بعض اعتبار سے قیام افضل ہے اور بعض اعتبار سے سجدہ افضل ہے کیونکہ تلاوت قرآن اور مشقت و ریاضت کے اعتبار سے قیام افضل ہے اور قرب الہی اور عجز و انکساری کے اعتبار سے سجدہ افضل ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری کی حدیث سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے اور یہ حدیث مختلف الفاظ سے روایت کی گئی ہے چنانچہ علامہ طحاوی قاری نے اس کی شرح میں وہ تمام روایات انہیں الفاظ کے ساتھ بیان کی ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

(۱) امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ حضرت ابو ذر نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اس کا ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے۔

(۲) امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ سے مروی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

تم کثرت سے سجدے کرو کیونکہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے۔

(۳) امام احمد بن حنبل، امام طحاوی اور امام ربیعانی نے حضرت ابو ذر غفاری سے یوں نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک رکعت یا ایک سجدہ ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کا ایک گناہ معاف کر دیتا ہے۔

(۴) امام ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت عبادہ بن صامت سے اس طرح روایت کیا ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اس کا ایک گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے پس تم کثرت سے

سجدے کرو۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۲۷-۱۲۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب نیز بقول امام نووی امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ کثرت رکوع و سجد سے طویل قیام افضل ہے

کیونکہ حدیث میں ہے:

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل نماز وہ ہے جس میں قیام طویل ہو۔

[صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۸ مطبوعہ دارالمنہج المطابع کراچی]

(۲) قیام میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے جبکہ سجدہ میں تسبیحات پڑھی جاتی ہیں اور تلاوت قرآن نہ صرف تسبیحات سے افضل ہے بلکہ مطلقاً افضل عبادت ہے اس لیے قیام سجدہ سے افضل ہے چنانچہ حدیث میں ہے:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار وہ شخص ہے جو سب سے

أَعْبَدُ النَّاسُ أَكْثَرَهُمْ تِلَاوَةً لِلْقُرْآنِ.

(رقم الحدیث: ۲۲۵۷، کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۷، مطبوعہ زیادہ قرآن کی تلاوت کرنے والا ہے۔

ادارہ تالیفات اشریہ لبنان]

(ب) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ.

سب سے افضل عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہے۔

[رقم الحدیث: ۲۲۶۱، کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۷، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشریہ لبنان شریف]

(ج) حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

أَفْضَلُ عِبَادَةِ امْرِئٍ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ.

میری امت کی افضل عبادت قرآن کی تلاوت ہے۔

[رقم الحدیث: ۲۲۶۱، کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۷، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشریہ لبنان]

(۳) قیام میں محنت و مشقت اور ریاضت سجدے سے زیادہ ہوتی ہے اس لیے طویل و دراز قیام افضل ہے طویل سجدے سے چنانچہ حدیث میں ہے:

حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز میں اتنا طویل قیامت فرماتے تھے کہ آپ کے پاؤں بخورم ہو جاتے۔

[صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۵۲، مطبوعہ نور محمد راجع الطالیح، کابل]

ناف سے گھٹنے تک کا درمیانی حصہ ستر ہے

۱۔ بَابُ بَيْنِ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ عَوْرَةً

حضرت ابراہیم نخعی نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۸۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ لَانَ

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ناف سے گھٹنے تک کا درمیانی

عَبْدُ اللَّهِ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا

حصہ ستر ہے۔

بَيْنِ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ عَوْرَةً.

ابوداؤد (۴۰۱۴) ترمذی (۲۷۹۶) بیہقی (۱۱۷۶) مستدرک للحاکم (۶۴۶۶)

حل لغات

”بَيْنَ“ کا معنی ہے: درمیان۔ ”سُرَّةُ“ کا معنی ناف ہے اور ”رُكْبَةُ“ کا معنی ہے: گھٹنا اور ”عَوْرَةُ“ اس کا معنی ہے: انسان کا

وہ حصہ جس کا اجنبی سے چھپانا واجب ہو۔

ستر کی حد بندی

اس حدیث کو امام حاکم نے المستدرک میں حضرت عبداللہ بن جعفر سے بیان کیا ہے اور امام دارقطنی نے از عطاء بن یسار راہ ابی

ایوب روایت کیا ہے کہ حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

مَا فَوْقَ الرُّكْبَةِ مِنَ الْعَوْرَةِ وَمَا مَسْفُلٌ مِنْ

السُّرَّةِ مِنَ الْعَوْرَةِ.

ہے۔

نیز امام دارقطنی نے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لِيَأْنِ مَا فَخْتُ سُرَّتِي إِلَى

رُكْبَتِي عَوْرَةً“ بے شک ناف کے نیچے سے گھٹنے تک شرمگاہ ہے (جس کا چھپانا واجب ہے)۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الرُّكْبَةُ مِنَ الْعَوْرَةِ“ گھٹنا شرمگاہ میں سے ہے (جس

کو چھپانا واجب ہے) اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مقام شرم و حیا کا اجنبی آدمی سے چھپانا واجب الاجماع ہے (جس کے چھپانے پر

سب اہل علم کا اجماع اور اتفاق ہے) اور نماز میں اس کو اپنے آپ سے چھپانا جائز ہے مگر امام مالک کے نزدیک اپنے آپ سے قائل شرم و حیا مقام کو نماز وغیرہ میں چھپانا واجب ہے جیسا کہ ہمارے ائمہ (امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف قاضی اور امام محمد بن حسن شیبانی وغیرہم) کے نزدیک طواف کعبہ کے وقت قائل ستر اعضاء کو چھپانا واجب ہے اور تمام ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ مرد کی ناف شرمگاہ میں شامل نہیں ہے (لہذا اس کا چھپانا واجب نہیں ہے) مگر امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ گھٹنے بھی شرمگاہ میں شامل نہیں جبکہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ گھٹنے شرمگاہ میں شامل ہیں ان کا چھپانا واجب ہے۔

اور بعض شافعی علماء بھی یہی کہتے ہیں اور بعض علماء نے کہا کہ ناف اور گھٹنے دونوں قائل ستر ہیں ان کا چھپانا واجب ہے اور بعض اہل ظواہر (غیر مقلدین) نے بھی یہی کہا اور اس سب کی اصل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حُدُّوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاحزاب: ۳۱) تم مسجد میں (نماز پڑھنے) جاتے وقت اچھا لباس پہن لیا کرو۔

یعنی تم اپنے آگے اور اپنے پیچھے کے قائل شرم و حیا اور قائل ستر اعضاء کو چھپا کر رکھو۔

[شرح مسند امام اعظم لملاطی قاری ص ۵۶-۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان]

امام بیہقی نے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی جس کے آخر میں ہے: "قُلَانِ مَا تَحْتَ الشَّرْطِ إِلَى رُكْنَيْهِ وَمِنَ الْقُوَّةِ" سو بے شک ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ستر ہے۔ [سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار السنۃ بیروت بوزجیت لبنان]

اعلاء السنن نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ [ج ۲ ص ۲۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان] یہ حوالہ سنن الدار قطنی باب الصلوات الفرائض وانہن خمس (ج ۱ ص ۲۳۰) المسند للامام احمد (ج ۲ ص ۱۸۷) رطبی باب شروط الصلوٰۃ (ج ۱ ص ۶۹۶-۶۹۷) (۱۶۹)

ایک کپڑے میں نماز کے

جائز ہونے کا بیان

۲۔ بَابُ بَيَانِ جَوَازِ الصَّلَاةِ

فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

۸۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ أَتَاهُمْ فِي لَيْلٍ وَاحِدٍ وَهَذِهِ فَضْلُ بَابٍ يُعْرَفُ بِسُؤَالِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو قُرَّةَ قَالَ دَخَرْتُ ابْنَ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ يُصَلِّي الرَّجُلُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ لِيَكِلْكُمْ قُوتَانِ. قَالَ أَبُو قُرَّةَ لَمَسَعْتُ أَبَا حَنِيفَةَ يَذْكُرُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ كُلُّكُمْ بِعِدَّةٍ قُوتَيْنِ. بخاری (۳۵۸) مسند (۱۱۴۸) ابوداؤد (۶۲۵) نسائی (۷۶۴) ابن ماجہ (۱۰۴۷)

حضرت عطاء بن ابی رباح نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ حضرت جابر نے انہیں صرف ایک قمیص میں نماز پڑھائی حالانکہ آپ کے پاس دائرہ کپڑے موجود تھے تاکہ آپ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی تعلیم دیں۔ (دوسری روایت میں ہے:) قاضی ابوقرہ نے کہا کہ ابن جریر نے حضرت زہری سے ذکر کیا انہوں نے ابوسلمہ سے انہوں نے عبدالرحمان سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ایک کپڑے میں آدمی نماز پڑھ سکتا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک شخص کے پاس دو دو کپڑے ہیں؟ (تیسری روایت میں ہے:) قاضی ابوقرہ نے کہا: میں نے امام ابو حنیفہ سے سنا ہے۔ آپ حضرت زہری سے وہ حضرت سعید بن مسیب سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ نے نبی کریم ﷺ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے

ہر شخص تو دو کپڑے نہیں پاتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی جسے آپ نے اپنے جسم پر اچھی طرح لپیٹ لیا تھا بعض لوگوں نے حضرت ابوالخیر سے پوچھا کہ یہ عمل صرف فرض نماز کے علاوہ (نوافل نماز) کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ فرض اور غیر فرض سب کو شامل ہے۔

۸۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مَتَوَفَّيًّا بِهِ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ لَا بِيَ الزُّبَيْرِ غَيْرَ الْمَكْتُوبَةِ قَالَ الْمَكْتُوبَةُ وَغَيْرُ الْمَكْتُوبَةِ.

بخاری (۲۵۳) مسلم (۱۱۵۶) ابوداؤد (۶۲۸) ترمذی (۳۳۹) ابن ماجہ (۱۰۴۹) نسائی (۲۶۵)

حل لغات

”متوفیاً“ یہ صیغہ واحد کرام فاعل باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے کہ کپڑے کا ایک حصہ دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندر سے پڑا لیا اور دوسرا حصہ بائیں بغل کے نیچے سے نکال کر دائیں کاندر سے پڑا لیا۔ ”الْمَكْتُوبَةُ“ کا معنی ہے: لکھا ہوا یعنی فرض نماز یہ اسم مفعول واحد مؤنث کا صیغہ ہے باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اور غیر المکتوبہ کا معنی غیر فرض یعنی نفل نماز۔

لوگوں کی تعلیم کے لیے رخصت پر عمل کرنے کا جواز

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے انیس کے بچے شلوار اور تہبند پہنے بغیر صرف ایک (مخنوں تک لمبی عربی) قمیض میں نماز پڑھائی جبکہ ان کے پاس زائد کپڑے موجود تھے اور کپڑوں کی قلت اور کمی وغیرہ نہیں تھی بلکہ آپ تابعین کی جماعت کو رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کی تعلیم دینا چاہتے تھے جو ایک (بڑے) کپڑے میں نماز پڑھنے کی رخصت و اجازت کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

(۱) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں نے عرض کیا: اے میرے ابا جان! کیا آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں؟ حالانکہ آپ کے پاس اور کپڑے بھی موجود ہیں سو حضرت ابو بکر نے فرمایا: اے میری پیاری بیٹی! رسول اللہ ﷺ نے آخری نماز میرے پیچھے ایک کپڑے میں پڑھی تھی۔ اس کو ابن ابی شیبہ اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

(۲) امام بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہو گیا چنانچہ حضرت ابی نے کہا: نماز کے لیے ایک کپڑا کافی ہے اور حضرت ابن مسعود نے کہا کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کی رائے کو درست قرار دیا اور فرمایا کہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ سرور انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام نے دو صحابی ایک چیز میں اختلاف کریں البتہ حضرت ابن مسعود نے غلط نہیں کہا لیکن جو حضرت ابی نے کہا وہ قول درست صحیح ہے۔

(۳) حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔

(۴) حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے کیونکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا تھا۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ اس دور میں کپڑوں کی قلت و کمی

تھی اس لیے ایک کپڑے میں نماز پڑھنا باعث ملامت نہیں تھا لیکن اب جب اللہ تعالیٰ نے وسعت و خوشحالی اور کشادگی عطا فرما دی ہے تو دو کپڑوں میں نماز پڑھنا زیادہ پاکیزہ اور بہتر ہے۔ اس کو عبد اللہ بن امام احمد نے مسند احمد میں روایت کیا ہے۔

(۵) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود کے درمیان ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہوا تو حضرت ابی نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی کریم علیہ السلام نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے اس لیے ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور حضرت ابن مسعود نے کہا کہ یہ اس وقت تھا جب لوگوں کو کپڑے نہیں ملتے تھے لیکن اب جبکہ لوگوں کو آسانی سے کپڑے مل جاتے ہیں تو دو کپڑوں میں پڑھنی چاہئے یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر فرمایا کہ لوگو! بات وہی ہے جو حضرت ابی نے کہی ہے لیکن ابن مسعود نے غلط نہیں کہا۔ اس کو امام عبد الرزاق نے اپنی الجامع میں روایت کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۳۶-۱۳۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

خلاصہ یہ کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور دو یا دو سے زائد کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل و بہتر اور مستحب عمل ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۶۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنے کے استحباب پر دلائل

نماز کی حالت میں ستر عورت (شرمگاہ کا چھپانا) فرض ہے مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت کا ستر تمام جسم ہے صرف چہرہ ہاتھوں اور پیروں کا استثناء ہے۔ مجبوری کی حالت میں ایک کپڑے کے ساتھ بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تو قیص، شلوار اور عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنی چاہئے۔ غیر مقلدین حضرات اس باب کی احادیث سے غلطی کر نماز پڑھنے پر استدلال کرتے ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ وہ صرف سر کھلا رکھتے ہیں قمیص، شلوار، شیر وانی وغیرہ سب پہنتے ہیں صرف سر نہ ڈھانپنے کے لیے وہ حضرت جابر کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے باوجود اور کپڑوں کے صرف ایک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھی، نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ جس وضع اور ہیئت میں ہم دنیا دار معزز لوگوں کے سامنے جانا خلاف ادب گردانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اس ہیئت میں کھڑے ہونے سے اجتناب کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا حیا اور ادب و احترام سب سے زیادہ کرنا چاہئے اور جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں قیص اور شلوار کے ساتھ عمامہ یا ٹوپی سے سر ڈھانپنے کی وسعت دی ہے تو ہمیں اس وسعت کو اختیار کرنا چاہئے۔ علامہ ابو بکر بن مسعود کا سناں فرماتے ہیں:

(۱) مستحب یہ ہے کہ مرد تین کپڑوں میں نماز پڑھے: قمیص، تہبند اور عمامہ۔

[بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۱۹، مطبوعہ المجمع - ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی]

(۲) امام بخاری روایت کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تو تم (بھی) وسعت اختیار کرو۔

[کج بخاری ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ نور محمد راج المطابع کراچی]

(۳) امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے مجھے ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: کیا میں نے تمہیں اور مزید کپڑے نہیں پہنائے۔ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں تو انہوں نے کہا: اگر میں تمہیں کسی جگہ بھیجوں تو کیا تم اس حالت میں چلے جاؤ گے؟ میں نے کہا: نہیں تو انہوں نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس کے سامنے آراستہ ہو کر جاؤ۔ [السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۶، مطبوعہ نشر المکتبۃ لبنان]

(۴) علامہ علی بن ابی بکر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

عاصم اپنے والد کلیب سے وہ اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ میں سردیوں کے موسم میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ سب ٹوپیاں پہنے ہوئے اور چادریں اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے ہاتھ ان کی چادروں میں (چھپے ہوئے) تھے۔ [مجمع الزوائد ج ۲ ص ۵۱ مطبوعہ دار الکتب العربی]

(۵) امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ لوگ (یعنی صحابہ و تابعین گری کی وجہ سے) عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے تھے (یعنی پیشانی عمامہ کے بیچ اور ٹوپی سے ڈھکی ہوئی ہوتی تھی اور ان کے ہاتھ ان کی آستینوں میں ہوتے تھے۔

[مجمع بخاری ج ۱ ص ۵۱ مطبوعہ دار الفکر ص ۱۸۱]

(۶) امام شعرانی لکھتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نماز میں عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ سر کو ڈھانپنے کا حکم دیتے تھے اور ننگے سر نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔

[کشف القوری ج ۱ ص ۸۷ مطبوعہ مصر]

(۷) علامہ سیوطی حافظ ابن عساکر اور حافظ الزیلعی کے حوالے سے لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ ٹوپی عمامہ کے نیچے پہنتے تھے اور عمامہ کے بغیر صرف ٹوپی بھی پہنتے تھے اور ٹوپی کے بغیر صرف عمامہ بھی پہنتے تھے۔ [الماہج البصیر ج ۱ ص ۳۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

ان تمام احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام و تابعین عظام اور سلف صالحین کا طریقہ عمامہ یا ٹوپی سے سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا تھا۔ اس لیے جب انسان کے پاس عمامہ یا ٹوپی کی وسعت و طاقت ہو تو وہ ننگے سر نماز نہ پڑھے بلکہ عمامہ باندھ کر یا ٹوپی پہن کر نماز پڑھے۔ [ماخذ الشرح مسلم ج ۱ ص ۱۳۳۶-۱۳۳۳ مطبوعہ فرید پک شال لاہور]

۳۔ بَابُ فَضِيلَةِ الصَّلَاةِ فِي مَوَاقِفِهَا

نماز اپنے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا

گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل و اعلیٰ اور بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنے وقت پر نماز پڑھنا (سب سے افضل عمل ہے)۔

۸۵۔ أَبُو خَنِيفَةَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ نَافِعٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا الْعَمَلُ أَفْضَلُ قَالَ الصَّلَاةُ فِي مَوَاقِفِهَا.

بخاری (۵۲۷) مسلم (۲۵۲) ترمذی (۱۷۳) نسائی (۶۱۱)

عمل لغات

”الْعَمَلُ“ میں الف لام جنس کے معنی کے لیے ہے یعنی تمام اعمال میں جنس و ماہیت کے اعتبار سے سب سے افضل عمل کون سا ہے۔ ”افضل“ یہ مینہ واحد کرام تفصیل ہے اس کا معنی ہے: سب سے زیادہ فضیلت و بزرگی والا۔ ”مَوَاقِفُ“ یہ بیقات کی جمع ہے اس کا معنی ہے: وقت۔

مختلف اعمال کو افضل فرمانے کی وجوہات

امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد و امام نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اعمال اپنے وقت پر نماز پڑھنا، پھر ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا، پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا ہیں۔ [شرح مستد امام اعظم ص ۳۱۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت] معلوم ہونا چاہئے کہ افضل اعمال کے بیان میں

مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں چنانچہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ بھوکے کو کھانا کھانا 'سلام کو عام کرنا اور رات کو اس وقت اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھنا جب لوگ سو رہے ہوں نیز حدیث میں آیا ہے کہ افضل اعمال میں یہ ہے کہ تیرے ہاتھ اور زبان سے لوگ سلامت رہیں اور بعض احادیث میں ہے کہ اعمال میں افضل عمل جہاد ہے جس میں مال غنیمت میں خیانت نہ کی گئی ہو اور حج مبرور ہے جس میں معصیت کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو نیز بعض میں افضل عمل اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قرار دیا گیا ہے اور بعض میں آیا ہے کہ بہتر عمل وہ ہے کہ اسے بیٹھ کیا جائے۔

شارحین فرماتے ہیں کہ دراصل نبی کریم ﷺ خدا داد حکمت و دانائی اور بصیرت و فراست کی بنا پر سائلین کے حالات کو پیش نظر رکھ کر مختلف جوابات عنایت فرماتے مثلاً نماز میں غفلت کرنے والے کے جواب میں فرمایا: نماز اپنے (مستحب) وقت پر پڑھنا افضل و محبوب ترین عمل ہے۔ ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی کرنے والے سائل کے جواب میں فرمایا: والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا افضل و اعلیٰ عمل ہے۔ غریبوں اور محتاجوں کی امداد میں ہاتھ روک رکھنے والے سائل کے جواب میں فرمایا: بھوکے کو کھانا کھانا افضل و بہترین نیکی ہے شب بیداری میں سستی کرنے والے کے جواب میں فرمایا: جب لوگ رات کو سو جائیں اس وقت اٹھ کر نماز تہجد پڑھنا افضل و بہتر عمل ہے۔ سلام میں پہل کرنے میں عار محسوس کرنے والے یا تکبر کرنے والے سائل کے جواب میں فرمایا: سلام میں پہل کرنا اور ہر واقعہ و ناواقف کو سلام کرنا بہترین نیکی اور سب سے افضل عمل ہے اور لوگوں کو ستانے والے سائل کے جواب میں فرمایا: سب سے افضل عمل یہ ہے کہ تیرے ہاتھ اور تیری زبان سے لوگ سلامت و محفوظ رہیں جہاد سے جی چھانے والے سائل کے جواب میں فرمایا: جہاد کرنا سب سے افضل عمل ہے نیز کبھی اوقات کے اعتبار سے کسی عمل کو سب سے افضل قرار دیا گیا جیسے اجراء اسلام میں جہاد کو بہترین اور افضل عمل قرار دیا گیا۔ نیز عام حالات میں نماز (رکن اسلام ہونے کی بنا پر) صدقہ و خیرات سے افضل عمل ہے لیکن جب خط و بھوک بڑھ جائے اور صدقہ و خیرات کی اشد ضرورت پڑ جائے تو پھر صدقہ دینا اور بھوکوں کو کھانا کھانا نماز سے افضل عمل قرار پائے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ افضل و بہترین عمل ہونے کی وجہ اور حیثیات مختلف ہیں لہذا جس جگہ فضیلت و بہتری کی ان وجوہ اور حیثیات میں سے کوئی اور وجہ حیثیت پائی جائے گی وہ عمل افضل قرار پائے گا اور یہ بات خیریت و فضیلت کے باب میں عظیم ترین اصل ہے۔ [ماخذ از جامع المسائل قاری ج ۱ ص ۲۸۰ مطبوعہ مکتبہ نور یہ رضویہ سکھرا]

نماز فجر خوب روشنی میں پڑھنے کی فضیلت

۴۔ بَابُ فَضِيلَةِ الْإِسْفَارِ بِالصُّبْحِ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ط نے فرمایا کہ تم

۸۶۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفَرُوا بِالصُّبْحِ فَإِنَّهُ

صبح کی نماز خوب روشنی میں پڑھا کرو کیونکہ اس میں بہت زیادہ ثواب

اَعْظَمُ لِلثَّوَابِ.

ہے۔

ابوداؤد (۴۲۴) ترمذی (۱۵۴) ابن ماجہ (۶۷۳) نسائی (۵۵۰) مسند احمد (ج ۳ ص ۳۶۵)

حل لغات

”اَسْفَرُوا“ یہ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: روشن کرنا۔ اس باب کا ایک خاصہ دخول فی الماخذ ہے یعنی مصدر میں داخل ہونا جیسے ”امسى زيد اى دخل فى المسمى“ یعنی زید شام کے وقت میں داخل ہوا سو اسى طرح ”اَسْفَرُوا بِالصُّبْحِ“ کا معنی ہے: صبح کی نماز خوب روشنی میں ادا کرو کیونکہ صبح کا ایک لغوی معنی ہے: روشن و چمک دار ہونا۔

نماز فجر کے افضل وقت میں ائمہ کا اختلاف

یاد رہے کہ نماز فجر کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے۔ اس دوران جب بھی فجر کی نماز پڑھی جائے خواہ اول وقت میں خواہ درمیان میں یا آخر وقت میں پڑھی جائے ہر حال میں صبح اور درست ہے جبکہ اس سے پہلے باطل و ناجائز ہے اور طلوع آفتاب کے بعد ادا نہیں ہوگی البتہ قضا ہو جائے گی لیکن نماز فجر کے مستحب اور افضل و بہتر وقت کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے چنانچہ امام مالک، امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا افضل و بہتر ہے جبکہ دوسری روایت جسے امام عبد الوہاب شعرائی نے ذکر کیا اس کے مطابق امام احمد نے فرمایا کہ نمازیوں کے حالات کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر اندھیرے میں نماز فجر پڑھنا نمازیوں پر دشوار ہو تو پھر ان کے لیے صبح کے اچالے اور روشنی میں نماز فجر پڑھنا افضل و بہتر ہوگا تاکہ یہ لوگ آسانی کے ساتھ نماز فجر کی جماعت میں شامل ہو سکیں اور اگر وہ لوگ اندھیرے میں مسجد میں جمع ہو سکیں تو پھر ان کے لیے اندھیرے میں نماز فجر ادا کرنا افضل و بہتر ہوگا اور امام طحاوی حنفی نے فرمایا کہ امام نماز فجر اندھیرے میں شروع کرے اور قراءت کو لہا کرے یہاں تک کہ خوب اچالا ہو جائے اور صبح غروب روشن ہو جائے (تاکہ زیادہ سے زیادہ نمازی حضرات جماعت میں شامل ہو جائیں) اور امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف قاضی اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اندھیرے کی بجائے صبح کے اچالے میں نماز فجر پڑھنا افضل و بہتر اور مستحب ہے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے قول و فعل اور صحابہ کرام کے آثار سے استدلال کیا ہے۔

نماز فجر اچالے میں پڑھنے کے دلائل

- (۱) چنانچہ اصحاب سنن وغیرہم نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أَسْفِرُوا بِالصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَكْبَرُ لِلْأَجْرِ" یعنی فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھا کرو کیونکہ اس میں اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔
- (۲) امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں کہا کہ اس حدیث کو بہت سے محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان نے اس حدیث کی (درج ذیل) لفظ کے ساتھ تخریج کی ہے:
- (۳) "أَسْفِرُوا بِصَلْوَةِ الصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَكْبَرُ لِلْأَجْرِ" صبح کی نماز روشنی میں پڑھا کرو کیونکہ اس میں یقیناً بہت زیادہ ثواب ہے۔
- (۴) امام طبرانی اور امام طحاوی نے (درج ذیل) لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے: "كُلُّمَا أَسْفَرْتُمْ بِالصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَكْبَرُ لِلْأَجْرِ" جب تم فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھو گے تو بلاشبہ اس کا (تمہیں) بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا۔
- (۵) امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اس (درج ذیل) لفظ کے ساتھ روایت کی ہے:
- (۶) "أَسْفِرُوا بِصَلْوَةِ الصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَكْبَرُ لِلْأَجْرِ" تم فجر خوب روشنی میں پڑھا کرو سو اس میں بلاشبہ بہت بڑا ثواب ہے۔
- (۷) امام بخاری اور امام مسلم نے یحییٰ بن جابر سے روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے رسول خدا ﷺ کو کبھی وقت کے بغیر نماز پڑھتے نہیں دیکھا سو اس وقت نمازوں کے ایک تو (غروب آفتاب کے فوراً بعد میدان عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ پہنچے اور یہاں) آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں پھر دوسری فجر کی نماز مزدلفہ میں

(صبح صادق کے فوراً بعد معمول کے) وقت سے پہلے اندھیرے میں پڑھائی۔

باقی رہے آثار صحابہ تو ان میں سے چند آثار یہ (درج ذیل) ہیں:

- (۱) امام طحاوی نے حضرت داؤد بن یزید اودی سے نقل کیا ہے انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیں فجر کی نماز پڑھایا کرتے اور ہم سورج کی طرف دیکھا کرتے تھے اس اندیشہ کی بنا پر کہ کہیں سورج طلوع نہ ہو جائے۔
- (۲) حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی سو آپ نے اس میں سورۃ البقرۃ پڑھی جب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج طلوع ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا چنانچہ نمازیوں نے کہا: سورج طلوع ہو جاتا تو آپ نے فرمایا: اگر سورج طلوع ہو جاتا تو ہمیں غافل نہ پاتا۔
- (۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی تو آپ نے سورۃ آل عمران پڑھی۔ لوگوں نے کہا: سورج طلوع ہونے کے قریب آچکا ہے سو آپ نے فرمایا: اگر سورج طلوع ہو جاتا تو غافل نہ پاتا۔
- (۴) حضرت عبدالرحمن بن یزید سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو آپ صبح کی نماز روشنی میں پڑھاتے تھے۔

(۵) حضرت جابر بن نفیر سے مروی ہے کہ امیر معاویہ نے ہمیں صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھادی تو حضرت ابو الدرداء نے ان سے فرمایا: یہ نماز روشنی میں پڑھا کر دو۔

(۶) امام ابن شیبہ اور امام طحاوی نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نے جس قدر صبح کی نماز روشنی میں پڑھنے پر اجماع و اتفاق کیا ہے اس قدر کسی اور مسئلہ پر اجماع اور اتفاق نہیں کیا۔

امام طحاوی نے فرمایا: ہمارے نزدیک اسفار بالفجر (خوب اچالے اور روشنی میں نماز پڑھنے) پر صحابہ کرام کا اجماع اور اتفاق رسول اللہ ﷺ کے عمل تخلیس (اندھیرے میں نماز پڑھانے) کے خلاف جائز نہیں ہو سکتا ماسوا دو صورتوں کے ایک یہ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عمل ان کے نزدیک منسوخ ہو چکا ہو پھر اس کے بعد انہوں نے اسفار بالفجر پر اجماع اور اتفاق کیا ہو اور دوسرا یہ کہ ان کے نزدیک اسفار بالفجر کے حق میں آپ کے اقوال اور ارشادات آپ کے عمل تخلیس کے خلاف ثابت و راجح ہو چکے ہوں اور صاحب البدائع نے یہاں طویل کلام کیا ہے پھر فرمایا: اگر تخلیس فی الوقت ثابت ہو جائے تو یہ ایک تو عذر کی بنا پر اس پر عمل کیا گیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر پر جلد از جلد روانہ ہونے کے لیے غلّس (اندھیرے) میں نماز پڑھا دیتے تاکہ روانگی میں تاخیر نہ ہو جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ عمل ابتدا میں تھا جب عورتیں بھی باجماعت نماز پڑھنے کے لیے شریک ہوتی تھیں لیکن جب عورتوں کو گھروں میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا تو اندھیرے میں نماز پڑھنے کا عمل منسوخ ہو گیا نیز اسفار بالفجر کی احادیث مشہور و معروف ہیں (اور قوی اور فعلی دونوں قسم کی ہیں جبکہ تخلیس کی احادیث صرف فعلی ہیں اور قوی احادیث کو فعلی احادیث پر ترجیح ہوتی ہے)۔

[ماخوذ از کشف المخطا من وجہ السوط الامام مالک ص ۴۲، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی]

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَوَزَّ بِالْفَجْرِ تَوَزَّ اللَّهُ فِي قَبْرِهِ وَ قَبْلَهُ وَ قَبْلَ صَلَاتِهِ. [مجمع البحار ج ۶، رقم الحدیث: ۲۳۲۱۸]

مَنور کر دے گا اور اس کو قبول فرمائے گا اور اس کی نماز کو قبول فرمائے گا۔

(۸) ملا علی قاری نے ”اسفروا بالفجر“ کی حدیث کو مذکورہ بالا طریقہ پر مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف محدثین سے روایت کیا ہے۔

یہاں ان کے صرف حوالہ جات پر اکتفا کیا جا رہا ہے چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو طبرانی، امام شافعی، عبد بن حمزہ، دارمی، ترمذی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور یہ تمام احادیث اسفار بالفجر کے موقف پر ہمارے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دلائل میں سے ہیں جبکہ امام شافعی کا موقف اس کے خلاف ہے۔ واللہ سبحانہ بحقیقہ اعلم۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۳۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان]

نماز عصر کے قضا کرنے

پر سخت وعید

حضرت ابن بریدہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نماز عصر جلدی ادا کیا کرو اور حضرت بریدہ بن حبیب اسلمی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز عصر جلدی ادا کیا کرو۔ حضرت بریدہ اسلمی کی دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس دن موسم آلود اور بادل چھا چکے ہوں تو اس دن نماز عصر جلدی ادا کرو کیونکہ جس شخص کی نماز عصر فوت ہوگئی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو اس کا عمل بے فائدہ ہو گیا۔

بخاری (۵۵۳) سنن (۴۷۳) ابن ماجہ (۶۹۴) مسند احمد (۵/۲۱۱)

حل لغات

”تَجَرَّوْا“ میضجع مذکر حاضر فعل امر معروف باب تفعیل سے ہے اس کا معنی جلدی کرنا ہے کہ یہ ”عَجَلُوا“ کے معنی میں ہے نیز ہر چیز کا اول جیسے دن کے آغاز کو ”بُحْرُورٌ“ (صبح) کہتے ہیں اور موسم کے پہلے پھل کو ”مُتَجَرِّوَةٌ“ کہتے ہیں۔ ”خَبِمَ“ اس کا معنی ہے: بادل۔ ”لَاقَتْ“ میں ”لَاقَتْ“ میضج واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ثبت باب نَصَرَ فَنَصَرُوا سے ہے اس کا معنی ہے: فوت ہو جانا، گزر جانا کسی کام کے وقت کا جاتے رہنا۔ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول بہ ہے۔ ”خَبِمَ“ میضج واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: ضائع ہو جانا تباہ اور برباد ہو جانا۔

نماز عصر کے متعلق مختلف احادیث میں تطبیق کا بیان

امام بخاری نے حضرت ابو یوسف سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم ایک جنگ میں حضرت بریدہ اسلمی کے ساتھ تھے اور اس دن موسم آلود تھا اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ حضرت بریدہ نے فرمایا کہ نماز عصر جلدی ادا کرو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے نماز عصر ترک کر دی اس کے عمل ضائع ہو گئے۔

ملا علی قاری نے کہا کہ اس حدیث کو بخاری، نسائی اور امام احمد نے حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے نماز عصر ترک کر دی اس کے عمل ضائع ہو گئے یعنی کمال عمل ضائع ہو گیا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ نماز عصر کے بارے میں مرفوع احادیث اور موقوف آثار مختلف وارد ہوئے ہیں۔ بعض تو نماز عصر کو قبل

(جلدی) کے ساتھ ادا کرنے پر دلالت و رہنمائی کرتے ہیں اور بعض نماز عصر کو تراخی اور تاخیر کے ساتھ ادا کرنے پر دلالت و رہنمائی کرتے ہیں اس لیے مفتی حضرات نے دونوں قسم کی احادیث کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ نماز عصر کو قبیل کے ساتھ ادا کرنے کا حکم اس صورت میں ہے جب موسم ابر آلود ہو اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہوں تاکہ نماز عصر میں اتنی دیر تک تاخیر نہ ہو جائے کہ مکروہ وقت داخل ہو جائے یا سرے سے نماز عصر قضا ہو جائے کہ سورج غروب ہو جائے اور بادل کی وجہ سے معلوم نہ ہو سکے جیسا کہ یہاں (مسند امام اعظم میں) حضرت بریدہ اسلمی کی حدیث میں وضاحت کر دی گئی ہے اور صحیح بخاری کی حدیث میں بھی یہی وضاحت کی گئی ہے کہ جب موسم ابر آلود ہو اس دن نماز عصر جلدی ادا کیا کرو۔ نیز دوسری بات یہ ہے کہ قبیل کی احادیث مبہم ہیں، مفسر نہیں کیونکہ ان میں اول وقت کی وضاحت نہیں ہے اس لیے ان سے قبیل کا مذہب ثابت نہیں ہوتا (جیسا کہ دیگر ائمہ کا مذہب ہے) جبکہ تاخیر کے احتیاب پر دلالت کرنے والی احادیث میں تاخیر کی وضاحت اور اس کی حد بیان کی گئی ہے کہ سورج کے زرد ہونے اور تغیر پڑنے سے پہلے سورج کی سفید و صاف اور چمکدار روشنی میں نماز عصر ادا کی جائے اور قبیل کی احادیث کا بھی یہی مطلب ہے کیونکہ سورج کے زرد اور چمکا ہوا ہونے پر مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت نماز پڑھنا نفاق کی علامت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ منافق بیٹھ کر سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب سورج زرد اور چمکا ہوا جاتا ہے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان آ جاتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے اور (مرغ کی طرح) چار پوٹھیں مارتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا بہت ہی کم ذکر کرتا ہے۔

[ماخذ از تصحیح النظام فی شرح مسند الامام ص ۳۳ رقم الحديث ۱۰، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

نماز عصر کے مستحب وقت کے دلائل کا بیان

(۱) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ جلدی نماز ظہر پڑھتے تھے اور تم نماز عصر آپ سے بہت زیادہ جلدی پڑھ لیتے ہو۔

اس حدیث کو امام احمد نے (ج ۶ ص ۳۱۰-۱۸۹) اور امام ترمذی نے (باب ما جاء فی تأخیر صلاۃ العصر رقم الحديث ۱۶۱۱) میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہیں آثار السنن اور الجوزی ہر المکی میں ہے کہ اس کے رجال صحیح کی شرط پر ہیں۔

[اعلاء السنن رقم الحديث ۳۹۰ ج ۲ ص ۵۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت بحوالہ ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۳ مشکوٰۃ ج ۶ ص ۶۱۹ شرح السنن ج ۲ ص ۲۱۱ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۱۷]

(۲) حضرت علی بن شیبان سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں: ہم مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو (دیکھا) آپ نماز عصر تاخیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے جب تک سورج سفید اور روشن و چمکدار رہتا اس کو امام ابو داؤد نے (باب فی وقت العصر رقم الحديث ۳۰۸) روایت کیا ہے اور اس کے متعلق سکوت اختیار کیا۔

[اعلاء السنن رقم الحديث ۳۹۱ ج ۲ ص ۵۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

یہ دونوں حدیثیں نماز عصر کو اول وقت سے مؤخر کر کے مکروہ وقت سے پہلے پڑھنے پر دلالت و رہنمائی کرتی ہیں کیونکہ حضرت ام سلمہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: تم نماز عصر نبی کریم سے بہت زیادہ جلدی پڑھ لیتے ہو اور یہ یقینی بات ہے کہ وہ وقت سے پہلے نماز عصر میں جلدی نہیں کرتے تھے (بلکہ وہ اول وقت میں پڑھتے تھے) پس اس سے ثابت ہو گیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز عصر کو دخول وقت کے بعد بہت مؤخر کر کے (دوسرے وقت میں) پڑھتے تھے اور ابن شیبان کی حدیث تو اس بات پر دلالت کر رہی ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سورج کے تغیر و پہلے ہونے سے پہلے ہمیشہ تاخیر کے ساتھ پڑھتے تھے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے اور ابن شیبان کی حدیث میں ایک راوی محمد بن یزید یحییٰ مجہول ہے لیکن امام ابو داؤد نے اس حدیث کو روایت کر کے

ضعیف قرار نہیں دیا، سو اس لیے یہ حدیث ان کے نزدیک حسن ہے۔ [اعلام السنن ج ۲ ص ۵۲۵، دارالمکتبہ الروم]

(۳) حضرت زیاد بن عبد الرحمن غنی سے مروی ہے آپ نے فرمایا: ہم ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ کی بڑی مسجد میں بیٹھ ہوئے تھے کہ مؤذن آیا اور آ کر کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! نماز عصر کا وقت ہو گیا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا: بیٹھ جاؤ تو فوراً بیٹھ گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد اس نے دوبارہ دعائیہ کچھ کہا تو آپ نے بھی پہلے کی طرح دعائیہ کچھ فرمایا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا: یہ کتاب ہمیں سنت کی تعلیم دیتا ہے، سو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ہمیں نماز عصر پڑھائی، پھر ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم اسی پہلی جگہ پر لوٹ آئے جہاں ہم بیٹھے تھے اور ہم سب مل کر دو زانوں میں بیٹھ گئے تو (تھوڑی دیر بعد) سورج فروغ ہوئے کے لیے متغیر ہونا شروع ہو گیا۔ ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ امام حاکم نے المستدرک (۱/۱۹۲) میں اس کو بیان کیا اور فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے، امام ذہبی نے تلخیص میں فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے اور یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ نماز عصر میں تاخیر کرنا سنت ہے کیونکہ اگر نماز عصر میں تاخیر کرنا سنت نہ ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قدر تاخیر نہ فرماتے نیز اگر قبیل (جلدی پڑھنا) سنت ہوتی تو مؤذن کے کہنے پر حضرت علی فوراً نماز عصر پڑھا دیتے اور انکار نہ فرماتے۔ یاد رہے کہ حضرت زیاد بن عبد الرحمن غنی ہی کو زیاد بن عبد اللہ غنی بھی کہا جاتا ہے۔ دارقطنی نے کہا کہ یہ مجہول ہے کیونکہ عباس بن ابراہیم ان سے روایت لینے میں منفرد ہے۔ علامہ برقانی نے کہا کہ ان پر اعتماد و اعتبار کیا جاتا ہے۔ امام ابن حبان نے ان کا ثبات میں ذکر کیا ہے، جس نے ان کی توثیق کی ہے اس نے انہیں پہچان اور جان کر توثیق کی ہے اس لیے ان کا معرول و مستحکم ہونا مجہول ہونے پر مقدم ہے اور امام ذہبی کا اسی حدیث کو صحیح قرار دینا حضرت زیاد کی توثیق کی دلیل ہے۔

[اعلام السنن رقم الحدیث: ۴۹۳، ج ۲ ص ۵۲۵، مطبوعہ دارالمکتبہ الروم]

(۴) حضرت ثوری حضرت منصور سے وہ حضرت ابراہیم غنی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ (صحابہ کرام) ظہر کی نماز جلدی پڑھتے تھے اور عصر کی نماز تم سے بہت زیادہ تاخیر سے پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام ہمیشہ نماز عصر تاخیر کے ساتھ پڑھتے تھے قبیل کے ساتھ نہیں انکی مختار نہ رہے۔ [اعلام السنن رقم الحدیث: ۴۹۴]

(۵) امام ابو حنیفہ سے از حجاج بن ابراہیم مروی ہے کہ حضرت ابراہیم غنی نے فرمایا: میں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب کو نماز عصر آفرودت تک موخر کر کے پڑھتے ہوئے پایا ہے۔ امام محمد نے فرمایا: ہم اسی طریقہ پر عمل کرتے ہیں جب تک سورج متغیر نہ ہو جائے اور امام ابو حنیفہ کا بھی قول ہے اس روایت کو امام محمد نے کتاب آثار میں بیان کیا ہے۔

[اعلام السنن رقم الحدیث: ۴۹۵، ج ۲ ص ۵۲۷، مطبوعہ دارالمکتبہ الروم]

(۶) امام ثوری حضرت ابواسحاق سے وہ حضرت عبد الرحمن بن بزید سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز عصر تاخیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ امام عبد الرزاق نے اس حدیث کو اپنی مصنف (باب وقت العصر رقم الحدیث: ۲۰۸۹) میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال (راوی) ثقات ہیں۔ [اعلام السنن رقم الحدیث: ۴۹۶، ج ۲]

۸۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَىٰ عَنْ ابْنِ بَرِيْدَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ فَاتَنَهُ صَلَوةُ الْعَصْرِ فَلَمَّا تَمَّ وَتَوَّأَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ. حضرت ابن بَرِيْدَة روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی نماز عصر فوت ہو جائے تو گویا اس کے اہل و عیال اور اس کا مال و متاع لوٹ لیا گیا۔

بخاری (۵۵۲) مسلم (۱۴۱۹) ابوداؤد (۴۱۴) ترمذی (۱۷۵) نسائی (۵۱۳) ابن ماجہ (۶۸۵)

حل لغات

”وَتَوَرَّ“ یہ میخدا واحد مذکر غائب فعل باضی مجهول باب ضَرَبَ بِضَرْبٍ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کو تکلیف دینا ستانا اور کسی کا مال یا حق کم کرنا جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَلَنْ يُّخْزِيَكُمْ اَعْمَالُكُمْ“ اور اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے اعمال میں نقصان ہرگز نہیں دے گا۔ [الفتح: ۳۵] یہاں ”وَتَوَرَّ“ یہ معنی سلب ہے یعنی اس کا عیال و مال لوٹ لیا گیا یا چھین لیا گیا۔

نماز عصر کے فوت ہونے یا ضائع ہونے کا مطلب

پھرے استاذ محترم اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ عصر کی نماز فوت ہونے کا مطلب علامہ مہلب نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی جماعت فوت ہو جائے۔ علامہ ابن وہب نے کہا کہ وقت مستحب میں پڑھنے سے رو جائے اور علامہ اوذاعی نے کہا کہ سورج زبرد ہونے سے پہلے نہ پڑھی جائے۔ عصر کی نماز کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت میں دن رات کے اعمال کھینے والے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ دن کے فرشتے جاتے ہیں اور رات کے فرشتے آتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس وقت لوگ اپنے کاروبار اور خرید و فروخت میں مشغول ہوتے ہیں اس لیے اس وقت نماز کی حفاظت کی خصوصی تاکید فرمائی۔

علامہ ابن عبد البر نے کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی اس قدر اہمیت ہے کہ ایک نماز کو نہ پڑھنا گھریار اور مال و دولت کی ہلاکت کے مترادف ہے۔ [شرح مسلم ج ۲ ص ۲۳۷ مطبوعہ مکتبہ دارالاحیاء]

ان دونوں حدیثوں میں سلب الی و مال اور جہ اعمال سے سلب کلی (سب کچھ چھین جانا) اور جہ کلی (سب کچھ ضائع ہو جانا) مراد نہیں کیونکہ یہ معنی تو کفر اختیار کرنے یا مرتد ہونے یا کفر پر موت کے واقع ہونے کی صورت میں ہوتا ہے بلکہ نماز عصر جسے قرآن و حدیث میں نماز وسطیٰ فرما کر تمام نمازوں میں اہم ترین اور فاضل ترین قرار دیا گیا اور اس کی سخت تاکید کر کے اس کی حفاظت کا حکم دیا گیا اس کے ترک پر اجر و ثواب میں نقصان اور کمی واقع ہونے میں تحلیل و تشدید اور مبالغہ کیا گیا ہے اور بعض روایات میں مطلق فرض نمازوں کے بارے میں بھی یہ شدید وعید وارد ہوئی ہے۔ [معجم الصحاح لاری ج ۱ ص ۲۹۲ مطبوعہ مکتبہ نور پر رضویہ سکھرا]

ان اوقات کا بیان جن میں

نفل نماز پڑھنا ممنوع ہے

۶۔ بَابُ بَيَانِ الْأَوْقَاتِ الْمَمْنُوعَةِ

عَنِ الصَّلَاةِ النَّافِلَةِ فِيهَا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نفل نماز جائز نہیں اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی (نفل) نماز جائز نہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دنوں میں کوئی روزہ جائز نہیں اور صرف تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف (تقرب و ثواب کی زیادتی کی خاطر) سفر نہ کیا جائے: (۱) مسجد حرام (۲) مسجد اقصیٰ اور (۳) یہ میری یہ مسجد (یعنی مسجد نبوی ﷺ) اور کوئی عورت اپنے محرم کے بغیر دو دن کی مسافت کا سفر نہ کرے۔

۸۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ أَبِي تَوْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْغَدَاةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيَّبَ وَلَا بِصَافٍ هَذَا الْيَوْمَ الْآخِضِ وَالْأُفْطَرِ وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَإِلَى مَسْجِدِي هَذَا وَلَا لَسَافِرِ الْمَرْأَةِ يَوْمَئِذٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ.

بخاری (۵۸۶-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۷) مسلم (۱۹۲-۲۶۷۴-۳۲۶۱-۳۲۶۲) ابوداؤد (۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۲۰۳۳-۲۴۱۷)

نمازوں کی قضا کو جائز قرار دے دیا ہے اور جب ان دو وقتوں میں نفل نماز پڑھنے کی نئی قوی حدیثوں سے ثابت ہو گئی ہے تو اب وہ احادیث جن میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اس کو آپ کے خصائص میں سے شمار کیا جائے گا تاکہ دلائل باہم متعارض نہ ہوں چنانچہ علامہ بدرالدین عینی نے کہا کہ یہ ہے شک (یعنی عصر کے بعد کی نماز) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے اور اس شخص میں پر وہ حدیث دلیل ہے جسے امام ابو داؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ عصر کے بعد خود تو نماز پڑھا کرتے تھے لیکن اپنی امت کو اس سے منع کرتے تھے اور خود تو وصال کے روز سے رکھا کرتے تھے لیکن اپنی امت کو وصال کے روزوں سے منع کرتے تھے۔ امام سیوطی نے اس حدیث کو الجامع الصغیر میں صحیح قرار دیا ہے اور العریزی میں بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے نیز علامہ کرمانی نے کہا کہ ایک صحیح جواب یہ ہے کہ نبی کی حدیثیں قوی ہیں جبکہ عصر کے بعد نماز پڑھنے کی حدیثیں فعلی ہیں اور جب قول و فعل میں تعارض ہو جائے تو اس وقت قول کو مقدم رکھا جاتا ہے اور اسے ترجیح دے کر اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔

(۲) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب فجر طلوع ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعت سنت نماز کے علاوہ اور کوئی (نفل) نماز نہیں پڑھتے تھے۔ [اعلاء السنن رقم الحدیث: ۵۱۳ ج ۲ ص ۵۳۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، رواہ مسلم فی المسنن باب ۱۳ رقم الحدیث: ۸۸۱ ج ۶ ص ۲۸۳-۲۸۹، رقم الحدیث: ۳۶۵ ج ۲ ص ۳۶۵، شرح السنہ ج ۳ ص ۵۹، والتماسی ج ۱ ص ۲۸۳-۲۸۹ ج ۳ ص ۲۵۵]

عیدین کے دنوں میں روزوں کی ممانعت کا بیان

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے ایک عید الفطر کے دن اور دوسرا عید قربان کے دن۔

[موطا الامام مالک ص ۲۳۱، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی، مسلم ج ۱ ص ۳۶۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع ۷۵/۱۳ ج ۱ ص ۱۹۵۶]

(۲) حضرت موسیٰ ہذلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تشریق کے ایام کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔ [صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع ۷۵/۱۳ ج ۱ ص ۱۹۵۶]

علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ یہ احادیث ان حضرات کی دلیلیں ہیں جنہوں نے فرمایا کہ ان دنوں میں روزے رکھنا کسی حالت میں جائز نہیں۔ امام شافعی کا اظہار قول یہی ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابن المنذر وغیرہا نے بھی یہی فرمایا ہے اور ایام تشریق سے قربانی کے دن کے بعد تین دن (گیارہ بارہ اور حیرہ ذی الحج) مراد ہیں اور ان دنوں کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ مسلمان ان دنوں میں قربانی کا گوشت ہانڈیوں میں پکاتے ہیں پھر اسے سورج کی دھوپ میں سکھاتے ہیں۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ صحیح ترین قول یہ ہے کہ ایام تشریق سے مراد قربانی کے دن کے بعد تین دن ہیں۔ علامہ قسطلانی نے کہا کہ ایام تشریق قربانی کے روز کے بعد تین دن ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ علامہ ذرقانی نے کہا کہ قربانی کے دن کے بعد تین دن ہیں اور حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ ایام تشریق قربانی کے دن کے بعد تین دن ہیں۔

[کشف المستظلم دج الموطا ص ۲۴۱ حاشیہ ۳، حاشیہ علی موطا الامام مالک، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب کراچی]

شیخ محقق و محدث دہلوی لکھتے ہیں:

عید فطر اور عید قربان کے دنوں میں روزے رکھنے کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع کر دیا ہے اور اس پر تمام ائمہ متفق ہیں اور اکثر علمائے دین کے نزدیک ان دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں جبکہ ہمارے (احناف کے) نزدیک ان دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر

ماننا جائز ہے۔ چونکہ ان دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے اس لیے کسی دوسرے دن اس کی قضا کی جائے گی۔ ایام تشریق قربانی کے دن کے بعد تین دن گیارہ بارہ اور تیرہ ہیں۔ ان دنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضیافت و مہمان نوازی کے دن کہا جاتا ہے کیونکہ بندے مہمان ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میزبان ہوتے ہیں چونکہ ان دنوں میں روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت و دعوت سے انکار لازم آتا ہے اس لیے ان میں روزے رکھنا ممنوع اور خوب کھانا پینا اور ذکر الہی کرنا مسنون ہے اور لغت میں تشریق کا معنی گوشت کو خشک کرنا ہے کیونکہ ان دنوں میں مسلمان طلوع آفتاب کے بعد قربانی کا جانور ذبح کرتے ہیں اور ان کا گوشت پکا کر دھوپ میں خشک کرتے ہیں اور یہ اللہ کے ذکر کے ایام ہیں یعنی کھانے پینے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں رہنا چاہئے اور ان دنوں میں ذکر سے مراد فرض نماز کے بعد اور قربانیوں کے ذبح کے وقت اور جمعرات کو کنگر یاں مارنے وقت تکبیرات پڑھنا ہے۔

[امداد المذنبات ج ۲ ص ۱۰۲ مطبوعہ نوریہ دہلیہ نگر]

تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا منع ہے

اس مذکورہ بالا حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف رخصت سفر نہ کرنا چاہئے (۱) مسجد حرام (۲) مسجد اقصیٰ اور (۳) مسجد نبوی یعنی ان تین مساجد کی طرف حصول فضیلت و برکت اور زائد اضافی ثواب کے حصول کی نیت سے سفر کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ ان مساجد میں نماز پڑھنے کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے اور دنیا بھر کی تمام مساجد پر ان کی فضیلت و بزرگی بھی بہت زیادہ ہے چنانچہ مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنے کا اجر و ثواب دیگر مساجد میں پڑھی گئیں ایک لاکھ نمازوں کے اجر و ثواب کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں بھی ایک نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔ نیز مسجد حرام میں بیت اللہ شریف ہے جو تعجیبات و برکات کا مہبط و منبع اور مرکز ہے۔ یہ فضیلت دنیا کی کسی اور مسجد کو حاصل نہیں اور شب معراج مسجد اقصیٰ میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام ﷺ نے نبی کریم ﷺ کی امت میں نماز پڑھی تھی۔ یہ فضیلت کسی اور مسجد کو حاصل نہیں اور مسجد نبوی میں منہج حضرتؐ (یعنی قبر انور) ہے جس میں حبیب خدا نبی کریم ﷺ آرام فرما ہیں اور ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار فرشتے شام کو حاضر ہوتے ہیں اور جمعہ وقت آپ پر صلوٰۃ والسلام پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ فضیلت کسی اور مسجد کو حاصل نہیں اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف فضیلت و برتری اور زائد اجر و ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں اگرچہ مسجد جامع میں ایک نماز کو حدیث میں پانچ سو نمازوں کے برابر قرار دیا گیا لیکن یہ ایک جزوی فضیلت ہے اور مذکورہ بالا تین مساجد کے مقابلہ میں کم تر ہے اور اس حدیث میں مطلق اور عام سفر کی لٹی اور ممانعت مراد نہیں کہ ان تین مساجد کے علاوہ ہر قسم کے سفر کو ممنوع قرار دیا جائے ہرگز نہیں۔

چنانچہ شرح مسند امام اعظم لملائی قاری میں لکھا ہے:

فتح الباری شرح صحیح البخاری میں فرمایا کہ ارشاد نبوی ﷺ "الا المی فلالہ مساجد" میں مستثنیٰ منہ محذوف ہے پھر اگر ہم اسے عام مقدمہ نہیں تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ نیز کسی اور کام کے لیے سفر نہ کیا جائے یا پھر مستثنیٰ مخصوص مراد لیا جائے سو پہلی صورت تو ناممکن ہے کیونکہ اس سے تجارت، عزیز و اقارب سے ملاقات و صلہ رحمی کرنے اور علم دین وغیرہ کے لیے سفر کرنا ممنوع قرار پائے گا تو پھر دوسری صورت متعین ہوگی اور بہتر یہ ہے کہ ایسا مخصوص مستثنیٰ مقدمہ مانا جائے جو اس حدیث کے سیاق و سباق کے زیادہ مناسب ہو اور وہ یہ ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز کے لیے زیادہ اجر و ثواب اور زیادہ فضیلت و برتری حاصل کرنے کی نیت سے سفر نہ کیا جائے (کیونکہ باقی مساجد درجہ اور مرتبہ میں برابر ہیں) اور علامہ قسطلانی نے بھی

تقریباً یہی مفہوم بیان کیا ہے اور علامہ نووی کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں ان تین مساجد کی فضیلت اور ان کی طرف سفر کرنے کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر کرنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے اور باقی رہا یہ کہ حضرت ابو بصیر غفاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے طور کی طرف سفر کرنے سے منع کیا تو وہ اس پر محمول ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے طور میں نماز پڑھنے کے قصد و ارادے سے سفر کرنا چاہا اور وہ اس حدیث میں ممنوع ہے لیکن کسی جگہ کی زیارت کا قصد کرنا ممنوع نہیں ہے۔

[شرح منہاج امام اعظم ص ۲۵۱-۲۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت]

علامہ ملا علی قاری "مرقات شرح مشکوٰۃ میں" لکھتے ہیں:

الرحال رمل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: اونٹ کا پالان لیکن یہاں اس سے کسی اور مسجد کی طرف رشت سفر باندھنے کی فضیلت کی نفی مراد ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں نفی کا معنی نفی ہے یعنی ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کرو کیونکہ باقی تمام مساجد رتبہ میں مساوی اور برابر ہیں ان کی فضیلت میں باہم کوئی فرق نہیں لہذا کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا ضائع اور عبث ہے اور علامہ نووی کی شرح مسلم میں مذکور ہے کہ ابو محمد نے کہا: ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور طرف سفر کرنا حرام ہے اور یہ غلط ہے اور (امام غزالی کی) احیاء العلوم میں مذکور ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ علمائے دین اور صالحین کی قبور اور مشاہد کی زیارت کے لیے سفر کرنا منع ہے لیکن مجھ پر جو حقیقت منکشف اور ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ معاملہ اس طرح نہیں ہے بلکہ ان کی زیارت کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ إِلَّا لِقُرُودِهَا،

میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، مگر لو اب تم ان کی زیارت کیا کرو۔

بہر حال حدیث میں تین مساجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف سفر کرنے کے لیے نفی وارد ہوئی ہے کیونکہ باقی تمام مساجد آپس میں مماثل و مساوی ہیں نیز ہر شہر میں مساجد موجود ہیں تو انہیں چھوڑ کر کسی دوسری مسجد کی طرف سفر کر کے جانے کا کوئی مقصد اور فائدہ نہیں لیکن مزارات سب یکساں نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صاحب مزار کے درجات کے مطابق ان کی زیارت میں فوائد و برکات حاصل ہوتی ہیں پھر کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ کیا یہ قائل شخص انبیائے کرام رضی اللہ عنہم کی قبور کی طرف سفر کرنے کو ممنوع قرار دیتا ہے؟ جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت یحییٰ رضی اللہ عنہم اور ان کی قبور کی زیارت سے منع کرنا نہایت محال اور باطل ہے اور جب انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور کی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ہے اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی انہیں کے معنی میں شامل ہیں تو کچھ بعید نہیں کہ ان کی طرف سفر کے اغراض و مقاصد میں سے انہیں برکات کا حصول ہو۔ جیسا کہ علمائے دین کی زندگی میں ان کی ملاقات و زیارت سے بہت سے مقاصد و فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

[مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۹۰، مطبوعہ مکتبہ المدینہ، لبنان شریف]

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے اسی طرح لکھا ہے: [مجموع الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۲۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ دہلی، مصر]

نیز خاتم المتحققین علامہ محمد امین الشیر با بن عابدین نے بھی اسی طرح لکھا ہے: ملاحظہ ہو:

[رد المحتار المعروف فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۶۰۴، مطبوعہ احیاء التراث العربی، بیروت لبنان]

عورت کے لیے بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت کا بیان

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں جو تھا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ کوئی عورت دو دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے ہرگز نہ کرے یعنی قریبی نسبی رشتہ دار جیسے بیٹا یا بھائی یا پھر تایا چچا وغیرہ اور شیخین (یعنی بخاری و مسلم) نے حضرت قزوہ کے واسطے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ کوئی عورت دو دن کی مسافت کا سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کا خاوند اس کے ساتھ شریک سفر ہو یا پھر اس کا اپنا محرم اس کے ساتھ ہو اور صحیح مسلم کی روایت میں تین دن کی مسافت کا ذکر ہے کیونکہ اس میں لفظ ثلاث (تین دن) ہے اور ان کی دوسری روایت میں فوق ثلاث ہے (یعنی تین دن سے زیادہ مسافت کا سفر ہو) اور امام احمد بن حنبل، شیخین اور ابوداؤد نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ کوئی عورت تین دن کی مسافت کا سفر اکیلے ہرگز نہ کرے مگر یہ کہ وہ اپنے محرم کے ساتھ ہو۔

اور ابوداؤد حاکم اور ابن حبان کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ کوئی عورت ایک برید کی مسافت کا سفر اکیلے نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ ایسا محرم (رشتہ دار) ساتھ ہو جس کا نکاح اس عورت سے حرام ہو اور ایک برید دو فرسخ یعنی تقریباً بارہ میل کا ہوتا ہے لغت کی کتاب القاموس میں یہی مرقوم ہے اور امام طبرانی کی المعجم کی روایت کے مطابق تین میل کا سفر بغیر محرم عورت کے لیے جائز نہیں جب ان سے کہا گیا کہ لوگ تو تین دن کا سفر کہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ وہی ہے اور امام احمد اور شیخین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت بیان کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے اور اس کے پاس تنہائی میں کوئی شخص نہ آئے مگر جب اس کے ساتھ محرم موجود ہو اور یہ حدیث مطلقاً سفر کی ممانعت میں صریح ہے۔ اگر سفر کو لغوی معنی پر محمول کیا جائے کیونکہ سفر ایک دن اور ایک رات سے کم مسافت پر بھی بولا جاتا ہے اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ کوئی عورت جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے وہ ایک دن اور ایک رات کی مسافت کا سفر نہ کرے مگر اس کے ساتھ ایسا رشتہ دار ہو جو اس پر حرام ہو اور مسلم شریف میں "مسیراً لیلۃ" (ایک رات کی مسافت) کا لفظ ہے اور یوم کا لفظ بھی ہے۔

اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ عورت کا بغیر محرم کے ایک دن کی مسافت کے سفر پر گھر سے نکلنا مکروہ ہے لیکن مفتی بہ مذہب یہ ہے کہ عورت کا بغیر محرم کے شرعی سفر کی مدت سے کم مسافت پر کسی حاجت و ضرورت کے لیے گھر سے نکلنا مباح ہے جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے۔ [شرح منہاج امام اعظم لامل القاری ص ۲۵۱-۲۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

اذان اور اقامت کی ابتداء کیسے ہوئی؟

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا گھانا دوزخ کی آگ میں بنا لے۔ نیز امام ابو حنیفہ نے اس حدیث کو حضرت ابوربہ شداد بن عبد الرحمن سے بہ واسطہ حضرت ابوسعید روایت کیا ہے۔ حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو اس نے آپ کو ٹہکنیں دیکھا اور اس انصاری آدمی کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کھانا کھاتا تو اس کے

۷۔ بَابُ كَيْفَ يَذَّ الْأَذَانُ وَالْإِقَامَةُ؟

۹۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِيْدَةَ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ مَرَّ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَاهُ حَزِينًا وَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَعِمَ تَجَمَّعُ إِلَيْهِ فَانْطَلَقَ حَزِينًا بِمَا رَأَى مِنْ حُزْنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَرَكَ طَعَامَهُ وَمَا كَانَ يَجْتَمِعُ إِلَيْهِ وَدَخَلَ مَسْجِدَهُ بُصْلَى قَبَيْتِنَا هُوَ كَذَلِكَ إِذَا نَعَسَ فَاتَّاهُ أَبُي النَّوْمِ فَقَالَ هَلْ عَلِمْتَ مِمَّا حَزِنَ رَسُولُ

الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَالَ فَهَؤُلَاءِ
 السَّادِينَ لَنَابِهِ لَمَرَّةً أَنْ يَأْمُرَ بِكَلَامٍ أَنْ يُؤْذِنَ لَعَلَّمَهُ
 إِلَّا قَالَ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ
 إِلَّا اللَّهُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ مَرَّتَيْنِ
 حَسْبِيَ عَلَى الصَّلَاةِ مَرَّتَيْنِ حَسْبِيَ عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ
 اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ عَلَّمَهُ الْقَامَةَ
 بِمِثْلِ ذَلِكَ وَقَالَ فِي آخِرِهِ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَدْ
 قَامَتِ الصَّلَاةُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 عَادَانِ النَّاسِ وَقَامَتِهِمْ فَأَقْبَلَ الْأَنْصَارِيَّ فَقَعَدَ
 عَلَى بَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرَّ أَبُو بَكْرٍ
 فَقَالَ اسْتَأْذِنْ لِي وَقَدْ رَأَى مِثْلَ ذَلِكَ فَأَعْبَرَ بِهِ النَّبِيُّ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اسْتَأْذَنَ لِلْأَنْصَارِيِّ فَقَدَحَ
 فَأَعْبَرَ بِاللَّيْلِ رَأَى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 لَمَّا أَخْبَرْنَا أَبُو بَكْرٍ مِثْلَ ذَلِكَ فَأَمَرَ بِكَ لَا يُؤْذِنُ
 بِذَلِكَ.

پاس فقراء جمع ہو جاتے (اور وہ انہیں کھانا کھلاتا) 'سو وہ رسول اللہ ﷺ کو غمگین دیکھ کر خود بھی غمگین ہو کر چلا گیا اور اس نے اور جو لوگ اس کے پاس جمع ہو جاتے تھے انہوں نے بھی اس رات کھانا چھوڑ دیا اور وہ مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگ گیا اور اسے اسی حالت میں اچانک اونگھ آنے لگی اور خواب میں اس کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس وجہ سے غمگین ہیں؟ اس انصاری نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم تو اس آنے والے (فرشتے) نے کہا کہ آپ اس اذان کی وجہ سے غمگین ہیں سو تم ان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ حضرت بلال کو اذان کہنے کا حکم دیا پھر اس نے انصاری آدمی کو کلمات اذان سکھائے چنانچہ دوسرے "اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ" اور دوسرے "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" اور دوسرے "أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ" اور دوسرے "حَسْبِيَ عَلَى الصَّلَاةِ" اور دوسرے "حَسْبِيَ عَلَى الْفَلَاحِ" (پھر) "اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" پھر اس (خواب میں آنے والے فرشتے) نے اس انصاری کو اذان کی طرح اقامت سکھائی اور اس کے آخر میں اس نے کہا: "لَمَّا قَامَتِ الصَّلَاةُ لَمَّا قَامَتِ الصَّلَاةُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" جیسا کہ آج کل لوگ اذان اور اقامت کہتے ہیں اور یہ انصاری مسجد سے نکل کر نبی کریم ﷺ کے دروازہ پر آ کر بیٹھ گیا (اور آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرنے لگا) پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے وہاں سے گزرے تو انصاری نے کہا: آپ میرے لیے بھی اجازت لے لیجئے اور دراصل حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح خواب دیکھا تھا سو حضرت ابوبکر نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اپنا خواب بیان کیا پھر حضرت ابوبکر نے انصاری کے لیے آپ سے اجازت طلب کی تو انصاری حاضر ہوا اور اپنا خواب بیان کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابوبکر نے بھی ہمیں اسی طرح اپنا خواب سنایا ہے پھر آپ نے حضرت بلال کو انہیں الفاظ کے ساتھ اذان کہنے کا حکم دیا۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو اس نے آپ کو غمگین دیکھا اور یہ آدمی فقراء کو کھانا کھلانے والا تھا لوگ شام کا کھانا اس کے ساتھ کھاتے تھے

وَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ رَجُلَانِ الْأَنْصَارِيُّ مَرَّ بِرَسُولِ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَاهُ حَزِينًا وَتَكَانِ الرَّجُلُ
 ذَا كَعَامٍ يُعْطَى مَعَهُ فَأَنْصَرَفَ لَمَّا رَأَى مِنْ حُزْنِ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَرَكَ طَعَامَهُ
فَدَخَلَ مُسْجِدَهُ بَصُلًى فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ نَعَسَ
فَاتَّاهُ ابْنُ فِي النَّوْمِ فَقَالَ لَهُ اتَّوَدِدُ مَا أَحْزَنَ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَالَ هُوَ الْبَيْدَاءُ
فَاتَّاهُ بَنَانٌ يَأْمُرُ بِبَلَاءٍ قَالَ الرَّجُلُ فَعَلَّمَهُ الْإِذَانَ اللَّهُ
أَكْبَرُ أَلَّهُ أَكْبَرُ مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
مَرَّتَيْنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ مَرَّتَيْنِ حَيَّ
عَلَى الصَّلَاةِ مَرَّتَيْنِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ اللَّهُ
أَكْبَرُ أَلَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ عَلَّمَهُ الْإِقَامَةَ
كَذَلِكَ ثُمَّ قَالَ فِي آخِرِهِ قَدْ لَانَتْ الصَّلَاةُ مَرَّتَيْنِ
عَمَّا كَانَ النَّاسُ وَالْأَمْرُ بِهِمْ فَانْتَبَهَ الْأَنْصَارِيُّ فَاتَى
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ بِالنَّهَابِ
فَجَاءَهُ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ اسْتَغْفِرُ لِي قَدْ خَلَّ
أَبُو بَكْرٍ فَأَخْبَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِمَقْعِدِ ذَلِكَ ثُمَّ دَخَلَ الْأَنْصَارِيُّ فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالَّذِي رَأَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ مَرَّ بِبَلَاءٍ
يَجْعَلُ ذَلِكَ - بحاری (۶۰۴) بیہداد (۴۹۹) ترمذی (۱۸۹)

لیکن جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو غمگین دیکھا تو وہاں سے ابھری
چلا آیا اور کھانا چھوڑ دیا اور مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ پس اسی
دوران اس پر اچانک اونگھ غالب آگئی تو خواب میں اس کے پاس ایک
آنے والا (فرشتہ) آیا اور اس سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ
ﷺ کو کس چیز نے غمگین کر رکھا ہے؟ انصاری نے کہا: نہیں تو اس
(فرشتے) نے کہا: وہ اذان ہے سو تم آپ کے پاس جاؤ کہ آپ
حضرت بلال کو اذان پڑھنے کا حکم دیں وہ انصاری شخص کہتا ہے کہ پھر
اس (فرشتے) نے انہیں اذان سکھائی چنانچہ دوسرے ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ
اَكْبَرُ“ اور دوسرے ”اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ اور دوسرے ”اَشْهَدُ
اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهُ“ اور دوسرے ”حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ“ اور
دوسرے ”حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ“ (پھر) ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ
اِلَّا اللّٰهُ“ پھر اس (فرشتے) نے انصاری کو اسی کی مثل اقامت پڑھنا
سکھائی پھر اقامت کے آخر میں دو دفعہ ”قَدْ لَانَتْ الصَّلَاةُ“ کہا
جیسے آج کل لوگ اذان اور اقامت پڑھتے ہیں پھر انصاری اپنے خواب
سے بیدار ہو گئے تو وہ فوراً رسول اللہ ﷺ کے گھر آئے اور دروازہ پر
بیٹھ گئے اُسے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی آگئے اور انصاری نے حضرت
ابو بکر سے کہا: آپ میرے لیے اجازت طلب کیجئے سو حضرت ابو بکر
میں داخل ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کو انصاری کے خواب کی طرح اپنا
خواب بیان کیا پھر وہ انصاری گھر میں داخل ہوئے اور نبی کریم ﷺ
کو اپنا خواب بیان کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر
تمہارے بیان کے مطابق اپنا خواب پہلے بیان کر چکے ہیں پھر آپ نے
فرمایا: بلال کو حکم دو کہ وہ اسی طرح اذان دیں۔

حل لغات

”خَزِينًا“ فاعیل کے وزن پر شہیر کی طرح بنی للمفعول ہے یعنی ”مَحْزُونًا“ یہ معنی مفعول ہے غمگین، مضموم رنجیدہ۔ ”قَتَجَعَ“
صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع مجہول باب قَتَحَ يَقْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: جمع ہونا اکٹھا ہونا۔ ”نَعَسَ“ صیغہ واحد مذکر
غائب فعل ماضی محروف باب قَتَحَ اور نَصَرَ دونوں سے آتا ہے یہ معنی اونگھ آنا۔

اذان اسلام کی علامت ہے

اذان نماز کے لیے شرط نہیں لیکن نماز سے پہلے اذان کہنا سنت ہے اور یہ شرط کے مشابہ ہے اور سنت مؤکدہ ہے اور دین اسلام

زید کی طرح خواب میں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔

[رواہ ابوداؤد]

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اذان میں ترجیع سنت ہے، دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابو محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اذان کا طریقہ سکھائیے تو آپ نے فرمایا: تم کہا کرو ”اللہ اکبر، اللہ اکبر، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ تم ان کلمات کو پہلے آہستہ آواز میں کہو پھر بلند آواز سے کہو۔ [رواہ ابوداؤد]

ہمارے مشائخ (حنفی علماء) نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مشہور مؤذنین کی اذان میں ترجیع نہیں ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تمام اذان دینے والوں کے سردار ہیں نہ تو ان کی اذان میں ترجیع ہے اور نہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان میں اور نہ ہی مسجد بکاء کے مؤذن حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ کی اذان میں۔ ترجیع صرف حضرت ابو محمد رحمہ اللہ کی اذان میں ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی یہی فرماتے ہیں: ترجیع حضرت ابو محمد رحمہ اللہ کا وہم بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ عمل تو صرف تعلیم کے لیے تھا جسے انہوں نے ترجیع گمان کیا۔ یہی رائے صاحب ہدایہ کی ہے اور ہو سکتا ہے جب نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا ہو کہ کھڑے ہو جاؤ اور اذان پڑھو تو انہوں نے عرض کیا ہو: مجھے اذان کا طریقہ سکھاؤ اور جب شہادتین پڑھ گئے ہوں تو لوگوں سے شرم کی وجہ سے آواز پست ہو گئی ہو اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہو کہ بلند آواز سے کہو تاکہ دل میں جو اسلام کے خلاف کدورت ہے وہ صاف ہو جائے اور لوگوں پر عیاں ہو جائے کہ ابو محمد رحمہ اللہ مومن ہیں اور اسی کو ابو محمد رحمہ اللہ نے سنت سکھا ہوا اور کہہ دیا ہو کہ ترجیع اذان میں شامل ہے پھر ترجیع بھی مختلف الفاظ سے مروی ہے اس لیے حضرت بلال جو رئیس المؤمنین ہیں کی طرف رجوع ضروری ہے۔

فجر کی اذان: فجر کی اذان میں ”حَسْبُ عَلَيَّ الْفَلَاحُ“ دو مرتبہ کہنے کے بعد ”اَلصَّلٰوَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ“ دو مرتبہ کہا جاتا ہے۔ ابوداؤد اور نسائی کی روایت سے یہ اضافہ ثابت ہے۔ حضرت ابو محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر فجر کی نماز ہوتی تو میں کہتا: ”اَلصَّلٰوَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ“۔

(۱) ابن ماجہ حضرت سعید بن مسیب کے حوالے سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تاکہ آپ کو نماز فجر کے لیے آواز دیں۔ جب بتایا گیا کہ آپ سوئے ہوئے ہیں تو حضرت بلال نے دو مرتبہ ”اَلصَّلٰوَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ“ کہا تو یہ الفاظ اذان کا حصہ بن گئے۔

(۲) حضرت حفصہ حضرت بلال سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تاکہ آپ کو صبح کی نماز کی اطلاع دیں تو انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آرام کرتے ہوئے پایا تو ”اَلصَّلٰوَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ“ کے الفاظ دو مرتبہ کہے پس نبی کریم ﷺ نے بیدار ہو کر فرمایا: اے بلال! یہ الفاظ کتنے خوبصورت ہیں تم انہیں اپنی اذان میں شامل کر لو۔ (رواہ ابوداؤد)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فجر کی نماز کے لیے اذان دیتے ہوئے جب مؤذن ”حَسْبُ عَلَيَّ الْفَلَاحُ“ کہے تو اس کے بعد ”اَلصَّلٰوَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ“ دو بار کہنا سنت ہے اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ یہ روایات فتح القدیر میں مذکور ہیں۔

[ماخوذ من الاحباب والتعرف للعلیل ارکان اسلام ص ۱۹۲۔ ۱۸۸ مطبوعہ فرید بک شال ۱۳۸۱ھ و باز ازلہ اور]

۸۔ بَابُ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ
فَقُولُوا مَا يَقُوْلُ
جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو
تم وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے

۹۱۔ اُمُّ حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَمِعْتُ اَبْنَ عُمَرَ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَدَّى الْمُؤَذِّنُ كَانَ بِمِثْلِ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ۔
حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب مؤذن اذان دیتا تو نبی کریم ﷺ اسی طرح کلمات ادا فرماتے تھے جس طرح مؤذن کہتا۔

بخاری (۶۱۱) مسلم (۸۴۸) ابوداؤد (۵۲۲) ترمذی (۲۰۸) ابن ماجہ (۷۲۰) نسائی (۶۷۴) مسند احمد (ج ۳ ص ۶)

حل لغات

”اَذَّنَ“ میخذ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب التفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: آگاہ کرنا، اطلاع دینا، اعلان کرنا، بلانا اور نماز کے لیے اذان دینا۔ ”الْمُؤَذِّنُ“ میخذ واحد مذکر اسم فاعل باب مذکورہ بالا اس کا معنی ہے: نماز کے لیے اذان دینے والا، اعلان کرنے والا وغیرہ۔

اذان کے جواب دینے کی کیفیت و اہمیت

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

(۱) صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ”حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ“ اور ”حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ“ کے وقت ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ پڑھا کرتے تھے۔

(۲) امام احمد نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مؤذن کی اذان سنتے تو آپ اسی طرح کلمات ادا فرماتے تھے جس طرح مؤذن کہتا یہاں تک کہ وہ ”حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ“ اور ”حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ“ پر پہنچتا تو آپ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ پڑھتے تھے۔

(۳) امام ابوداؤد اور امام حاکم کی روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مؤذن سے شہادتین کے کلمات سنتے تو آپ فرماتے: ”اٰنَا وَاٰنَا“ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

(۴) اور ابن السلی کی روایت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مؤذن کو ”حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ“ کہتے ہوئے سنتے تو آپ فرماتے: ”اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُعْلِيَيْنِ“ اے میرے اللہ! تو ہمیں فلاح پانے اور کامیاب ہونے والوں میں سے بنادے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۴۲۹-۴۲۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

اگرچہ مذکورہ بالا احادیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول مبارک بیان کیا گیا ہے لیکن آپ کا یہ عمل مسلمانوں کے لیے سنت ہے۔ علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو بھی یہی حکم دیا ہے چنانچہ یہاں اس کے ثبوت میں صحیح مسلم کی چند احادیث قارئین کے ذوق کے لیے پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِذْنَ فَقُولُوا بِمِثْلِ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ۔ جب تم اذان سنو تو تم بھی اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا۔

—

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

جب تم مؤذن سے اذان سنو تو تم وہی کلمات کہو جس طرح وہ کہتا ہے پھر تم مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے پھر تم اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کی درخواست کرو کیونکہ وہ جنت میں ایک ایسا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لیے مخصوص ہوگا اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں سو جو شخص میرے لیے وسیلہ کی دعا کرے گا اس پر میری شفاعت لازم ہو جائے گی۔

(۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب موزن "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہے تو تم میں سے جو شخص اس کے جواب میں "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہے پھر موزن "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہے تو وہ بھی "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہے پھر موزن کہے: "اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ" تو وہ بھی "اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ" کہے پھر موزن "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ" کہے تو وہ شخص "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کہے پھر موزن کہے: "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" تو وہ شخص "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کہے پھر موزن کہے: "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" تو وہ شخص بھی کہے: "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" پھر موزن کہے: "لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ" تو وہ شخص بھی کہے: "لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ" یہ تمام کلمات وہ شخص خلوص دل سے کہے تو وہ جنت میں جائے گا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۷-۱۶۸ مطبوعہ دارالحدیث مطابع ۱۳۷۵ھ/۱۹۶۵ء، کراچی)

اذان میں انگوٹھے چومنا مستحب عمل ہے

خاتم المجتہدین علامہ الشیخ محمد امین العظیمیہ باین العاہدین لکھتے ہیں کہ پہلی بار ”اَشْهَدُ اَنْ مَحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ“ سنتے وقت ”صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ“ کہنا مستحب ہے اور دوسری بار ”اَشْهَدُ اَنْ مَحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ“ سنتے وقت یہ کہنا مستحب ہے کہ ”قُرْءَةُ عِشْرِیْنَ یَلَدَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ“ یعنی اے اللہ کے رسول! آپ میری آنکھوں کی مانند ک ہیں پھر دونوں آنکھوں پر انگوٹھوں کے ناخن رکھنے کے بعد کہے: ”اَللّٰھُمَّ فِتِّحْ عَلَیَّ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ“ یعنی اے میرے اللہ! میری آنکھوں اور میرے کانوں کے ساتھ مجھے نفع پہنچا کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا کہنے والے شخص کی قیادت کرتے ہوئے اسے جنت میں لے جائیں گے۔ قصصی کی کنز العباد میں اسی طرح مذکور ہے اور الفتاویٰ الصوفیہ میں بھی اسی طرح ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اذان میں ”اَشْهَدُ اَنْ مَحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ“ کے سننے پر اپنے دونوں انگوٹھے چومے گا تو میں (قیامت کے دن) اس کا قائد ہوں گا اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کروں گا اور اس کی پوری بحث حاشی البحر للمرملی میں المقاصد الحسینۃ للسخاوی سے مذکور ہے۔

[اردو المختار المعروف فتاویٰ شاہی ج ۱ ص ۲۶۷، مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت لبنان]

اس شخص کے اجر و ثواب کا بیان جو

اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بنائے

حضرت عبداللہ بن ابی اونی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے

۹۔ بَابُ فِي أَجْرِ عَنِ بَنِي

لِلّٰهِ فَسَجْدًا

۹۲- اَبُو حَنِيفَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي
أَوْفَى يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَمَنْ يَقُولُ مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا وَلَوْ كَفَفْخَصٍ بِيَسْجِدٍ تَقِيرُ كَرَّهٍ كَا اِگر چہ وہ پرندہ کے گھونسلے کے برابر ہو تو اللہ تعالیٰ لکھاؤ بَنَى اللّٰهُ تَعَالٰی لَهٗ يَتَقَا فِي الْجَنَّةِ۔
اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

بخاری (۴۵۰) مسلم (۱۱۸۹) ترمذی (۳۱۸) نسائی (۶۸۹) ابن ماجہ (۷۳۸) سند احمد (۲۱۵۷)

حل لغات

”بَنَى“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: گھر تعمیر کرنا اور بنانا۔
”مَفْخَصٌ“ یہ ظرف مکان ہے اس کا معنی ہے: وہ گڑھا جو سنگ خوار نے اٹھارے دینے کے لیے کھودا ہو چوکنکہ یہ گڑھا گھونسلانما ہوتا ہے اس لیے اس کو یہاں گھونسلے کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ”فَطَاةٌ“ اس کا معنی ہے: سنگ خوار، اردو میں اس کا ترجمہ ہوتا ہے: بھٹ، تیر اور یہ پرندہ غم میں کبوتر کے برابر ہوتا ہے۔

تعمیر مسجد کی اہمیت و فضیلت

اس حدیث میں تعمیر مسجد کو سنگ خوار پرندے کے زمین میں کھودے ہوئے گھونسلے سے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ اس کے کھودے ہوئے گڑھے کے برابر جگہ نماز پڑھنے کے لیے کافی نہیں ہوتی تو حدیث میں اس سے مراد تعمیر مسجد میں اس گڑھے کی مقدار حصہ بنانے میں شریک ہونا ہے دراصل اس سے مسجد کی تعمیر و ترقی کی اہمیت و فضیلت واضح کرنا مقصود ہے کہ جو شخص تعمیر مسجد میں اس قدر بنانے میں شریک ہوگا اسے بھی اللہ تعالیٰ جنت میں ایک محل عطا فرمائے گا۔ امام ابن حبان وغیرہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے جبکہ امام ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں ”يَسْجِدًا“ کا اضافہ ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(۱) ”مَنْ بَنَى مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ يَتًا فِي الْجَنَّةِ وَفَلَاةٌ“ یعنی جو شخص مسجد تعمیر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مثل جنت میں اس کے لیے ایک گھر تعمیر کر دے گا اور ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو اسی طرح بیان کیا ہے۔

(۲) امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ”مَنْ بَنَى مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ يَتًا فِي الْجَنَّةِ“ جس نے (دنیا میں) مسجد تعمیر کی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر فرمائے گا۔

(۳) امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا جس کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ بَنَى مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ يَتًا فِي الْجَنَّةِ
أَوْ مَسْجِدٌ مِنْهُ. [شرح مسند امام اعظم ص ۵۹۰-۵۸۸] جنت میں اس کے لیے مسجد سے زیادہ وسیع اور کشادہ گھر بنائے گا۔

مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان
کرنے کی ممانعت کا بیان

۱۰۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ اِنْشَادِ
الضَّالَّةِ فِي الْمَسْجِدِ

حضرت ابن بریدہ اپنے والد (حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں ایک آدمی کو گمشدہ اونٹ کا اعلان کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: حیرا اونٹ تجھے نہ ملے۔ اور ایک روایت

۹۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ
اَبِيهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا
يُنْشِدُ جَمَلًا فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ لَا وَجَدْتُ وَفِي

رَوَانِي سَمِعَ رَجُلًا يُنَادِي لَقَالَ لَا وَجَدْتُ إِلَّا هَذِهِ الْيَوْمَ بَيِّنَتْ لَهَا وَفِي رَوَانِي أَنَّ رَجُلًا اِطْلَعَ فِي الْمَسْجِدِ لَقَالَ مَنْ دَعَا إِلَى الْجَمْعِ الْأَخْمَرِ لَقَالَ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا وَجَدْتُ إِلَّا بَيِّنَتْ هَذِهِ الْمَسَاجِدُ لَهَا بَيِّنَتْ لَهُ.

مسلم (۱۲۶۲) ابوداؤد (۴۷۳) ابن ماجہ (۷۶۵) نسائی (۷۱۸) سند احمد (۲۳۴۳۲) ابن خزیمہ (۱۳۰۱) ابن حبان (۱۶۵۲)

(۱۶۵۲)

حل لغات

”يُنَادِي“ یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف بہت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: گم شدہ چیز کو ڈھونڈنا، تلاش کرنا، گم شدہ چیز کی تشہیر کرنا اور اس کا اعلان کرنا، اطلاع دینا۔ ”بَيِّنَتْ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب ضروب بَيِّنَتْ سے ہے اس کا معنی ہے: گھر جانا، گھر تعمیر کرنا۔ ”جَعَلَ“ کا معنی ہے: اونٹ اور ”بُيِّنَتْ“ کا معنی بھی اونٹ ہی ہے۔ ”احمر“ اس کا معنی ہے: سرخ۔

مساجد صرف عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں۔ یہ نمازوں اور تلاوت قرآن و حدیث اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے بنائی گئی ہیں، لہذا اگر کوئی مسلمان مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان سنے تو اس کے جواب میں کہے: ”لَا رَدَّهَا إِلَهُا عَلَيْكَ“ اللہ تعالیٰ یہ چیز تجھے ہرگز واپس نہ کرے کیونکہ مسجد میں گم شدہ سامان کے اعلان کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ امام مسلم، امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ سب نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس ممانعت میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کے لیے مسجد نہیں بنائی گئی جیسے خرید و فروخت، دنیاوی گفتگو اور اجرت پر سلائی لکھائی اور بچوں کی پڑھائی وغیرہ اور اسی طرح ہر وہ کام جو نمازی کی توجہ نماز سے ہٹا دے اور اس پر نماز میں تشویش پیدا کر دے یہاں تک کہ ہمارے بعض علماء نے مسجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کو حرام کہا ہے بلکہ بعض نے کہا کہ گڑگڑا کر مبالغہ آمیزی کے ساتھ یا صفوں کو چیرتے ہوئے اور گردلوں کو پھلانگتے ہوئے بلند آواز سے مانگنے والے مسائل کو یا حالت خطبہ میں مال دینا اور اس کی مدد کرنا حرام ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۶۱ و ۶۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان]

۱۱۔ بَابُ إِلَى آيَةٍ يَرْفَعُ يَدَيْهِ

عِنْدَ الْفَتْحِ الصَّلَاةِ؟

۹۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُتَحَادَى بِهِمَا شَحْمَةُ أُذُنَيْهِ. وَفِي رَوَانِي عَنْ وَائِلٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ

نماز کے آغاز میں ہاتھوں کو

کہاں تک اٹھانا چاہیے؟

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز شروع کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا بلند کرتے تھے کہ انہیں اپنے دونوں کانوں کی لو کے برابر لے جاتے تھے اور ایک روایت میں حضرت وائل سے یہ یوں مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا

يَذِيهِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى يُجَاذِيَ شَخْمَةَ اَذْنِهِ۔ کہ آپ نماز کے شروع میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا بلند کرتے کہ انہیں
سلم (۸۶۳) ابوداؤد (۷۲۴) نسائی (۸۸۰) طحاوی (۱۱۳۲) اپنے کانوں کی لو کے برابر لے جاتے۔

حل لغات

”يَرْفَعُ“ میخذ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب فَتَحَ يَقْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: اٹھانا بلند کرنا اور اونچا
کرنا۔ ”يُجَاذِي“ یہ میخذ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب مفاعل سے ہے اس کا معنی ہے: ایک دوسرے کے برابر
ہونا ایک دوسرے کے مقابل ہونا اور ایک دوسرے کے آگے سامنے ہونا۔ ”شَخْمَةُ“ اس کا معنی ہے: کان کی لو۔

رفع یدین کی حکمتیں

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا: میں رفع یدین اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے
لیے کرتا ہوں۔ بعض علماء نے کہا: اس میں اطاعت گزاری کا اظہار ہے اور قیدی جب مغلوب ہو جاتا ہے تو اطاعت گزاری کے طور
پر اپنے ہاتھ بلند کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس میں نماز کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے کہا: اس میں امور دنیا کو ترک کرنے اور
بالکلیہ نماز اور اپنے رب سبحانہ و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے کہا: اس میں نماز میں داخل ہو جانے کی
طرف اشارہ ہے۔ بعض نے کہا: تاکہ بہر آدمی بھی رفع یدین کرنے سے جان لے کہ وہ نماز میں شروع ہو گیا ہے۔ بعض نے کہا: اس
میں شرک سے براءت کا اظہار ہے اور بعض نے کہا کہ رفع یدین نماز کی لذت ہے۔

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث و آثار کا بیان

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

- (۱) حضرت مالک بن حورث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو کانوں تک ہاتھ اٹھاتے۔
- (۲) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے جب نماز شروع کی تو آپ نے تکبیر کی
اور ہاتھ بلند کیے۔ ہم نے بیان کیا کہ کانوں تک ہاتھ اٹھائے۔

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

- (۳) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو کانوں تک ہاتھ اٹھاتے۔
اس حدیث کو امام دارقطنی نے بھی متعدد اسانید سے روایت کیا ہے اور اس کی بعض اسانید سے یہ روایت ہے کہ آپ صرف پہلی
بار رفع یدین کرتے تھے اور بعض اسانید سے یہ روایت ہے کہ پھر آپ نماز کے اختتام تک دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ بعض میں
ہے: پھر آپ دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور اس حدیث کو امام طحاوی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

- (۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے تکبیر کی (”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“) کہا حتیٰ کہ آپ
کے انگوٹھے کانوں کے بالمقابل تھے۔ اس حدیث کو امام تہجدی نے بھی روایت کیا ہے۔

علامہ حافظ نور الدین ابوشامی بیان کرتے ہیں:

- (۵) حضرت حمید بن ہلال کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث اس شخص نے بیان کی جس نے ایک اعرابی سے سنا۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں

نے نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دکھا۔ آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور کانوں تک ہاتھ اٹھائے۔ امام احمد بن حنبل نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(۶) حضرت حکیم بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ تعلیم دیتے تھے کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے۔ ہر چند کہ مؤخر الذکر دونوں حدیثیں سنداً ضعیف ہیں لیکن ہم نے ان کو اس لیے درج کیا ہے کہ یہ دوسری احادیث صحیح کی مؤید ہیں۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

(۷) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا اور میں نے سوچا کہ میں نبی کریم ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا چنانچہ آپ نے (نماز شروع کرتے ہوئے) ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کہا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے دیکھا آپ کے انگوٹھے کانوں کے قریب تھے۔

(۸) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے۔

(۹) حضرت ابراہیم کہتے ہیں کہ (نمازی) پہلی تکبیر میں کانوں تک ہی ہاتھ اٹھائے۔

(۱۰) حضرت ابو جعفر کہتے ہیں کہ رفع یدین کے وقت اپنے ہاتھوں کو کانوں سے تجاوز نہ کیا جائے۔

(۱۱) حضرت ابو میسرہ کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب جب ہاتھوں کو اٹھاتے تو کانوں تک بلند کرتے۔ امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

(۱۲) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔

(۱۳) حضرت داؤد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت وہب بن منہ کو دیکھا جب وہ نماز میں ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کہتے تو کانوں تک ہاتھ اٹھاتے۔

(۱۴) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر تحریر کرتے تو اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے یہاں تک کہ آپ کا انگوٹھا کانوں کے قریب ہو جاتا۔

(۱۵) امام ابو حوادہ روایت کرتے ہیں:

حضرت مالک بن حورث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نماز میں داخل ہوتے تو ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کہہ کر کانوں تک ہاتھوں کو بلند کرتے۔

امام ابو یوسف روایت کرتے ہیں:

(۱۶) حضرت ابراہیم کہتے ہیں کہ جب نمازی ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کہہ کر نماز کو شروع کرے تو کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور اس سے تجاوز نہ کرے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

(۱۷) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کانوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔

(۱۸) حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے بھی کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی روایت منقول ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۰۸-۱۱۰۳ مطبوعہ فرید بک سنال ۸۳۸ھ و بازار لاہور]

نوٹ: مذکورہ بالا تمام احادیث کے مکمل حوالہ جات بمع عربی متن کے لیے محولہ بالا شرح صحیح مسلم ملاحظہ فرمائیں۔

۹۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ
وَاللِّ بْنِ حُجْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ وَيُسَلِّمُ عَنْ
يُمَيْنِهِ وَيَسَارِهِ.

حضرت عبد الجبار بن وائل اپنے والد (حضرت وائل بن حجر) سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ تکبیر تحریرہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھاتے (یہاں تک کہ وہ دونوں کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔ حسب سابق حدیث) اور آپ نماز کے اختتام پر اپنی دائیں اور بائیں (دونوں) جانب سلام پھیرتے۔

مسلم (۱۳۱۵) ابوداؤد (۹۹۷) نسائی (۱۳۱۷) ابن

ماہ (۹۱۵) سند احمد (۱۸۰)

حل لغات

”رَأَيْتُ“ صیغہ واحد تکلم فعل ماضی معروف مثبت فعل ہا فاعل ہے اور باب فَتَحْ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: دیکھنا اور آخر حدیث تک سارا کلام مفعول ہے۔ ”يَرْفَعُ“ باب مذکور سے فعل مضارع معروف واحد مکرر غائب بہ معنی بلند کرنا، اٹھانا، اونچا کرنا۔ ”يُسَلِّمُ“ یہ کا تثنیہ ہے دونوں ہاتھ حاضر مضارع ماضی الیہ ہے۔ ”يُسَلِّمُ“ باب تَعْمِلُ سے فعل مضارع معروف مثبت واحد مکرر غائب معنی سلام پھیرنا سلام کہنا سلام پڑھنا۔ ”يُسَلِّمُ“ کا معنی دائیں جانب۔ ”يُسَلِّمُ“ کا معنی بائیں جانب۔

رفع یدین اور تکبیر تحریرہ کے اقراران اور تقدیم و تاخیر میں اختلاف

اس حدیث میں دو مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تکبیر تحریرہ کہتے وقت ہاتھوں کو اوپر اٹھانا اور دوسرا نماز کے اختتام پر دائیں اور بائیں دونوں جانب سلام پھیرنا۔

اگر مجتہدین اور فقہائے کرام ان دونوں مسائل میں مختلف آراء رکھتے ہیں۔ پہلے مسئلہ میں حنفی فقہاء کی دورائیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ رفع یدین اور تکبیر تحریرہ بغیر کسی تقدیم و تاخیر کے دونوں آپس میں متصل و متعارف ادا کیے جائیں اس حدیث سے یہ ظاہر اسی کی تائید ہوتی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تکبیر تحریرہ کہتے وقت اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتے۔ چنانچہ امام ابو یوسف، امام طحاوی، قاضی خان اور فقہائے حنفیہ کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ رفع یدین تکبیر تحریرہ کے لیے سنت ہے اس لیے تکبیر تحریرہ کہنے کے ساتھ ہی ہاتھوں کو بھی بلند کیا جائے اور اکثر طرق اس کی تائید کرتے ہیں۔ امام ابوداؤد وغیرہ نے حضرت وائل اور حضرت ابوبریرہ رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ (۱) ”إِذَا كَثُرَ لِلصَّلَاةِ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ“ یعنی جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے لیے تکبیر ادا کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں کے برابر کر لیتے۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ

”كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَثُرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ“ یعنی نبی کریم ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے:

”إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ كَثُرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ“ یعنی جب رسول اللہ ﷺ فرض نماز کے لیے کھڑے

ہوتے تو تکبیر تحریر یہ کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر بلند کرتے۔

(۴) حضرت مالک بن حورث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتے۔

(۵) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ ”عَمَّا كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قُرْبَيْهِ بَيْنَ أُذُنَيْهِ“ یعنی نبی کریم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے قریب تک بلند کرتے۔

نیز اس قسم کی احادیث اصحاب السنن اور صحاح نے تخریج کی ہیں اور وجہ استدلال یہ ہے کہ اگرچہ شرط بالذات جزاء سے مقدم ہوتی ہے لیکن شرط اور جزاء کا زمانہ باہم مقترن (ملا ہونا) ہوتا ہے اور مذکورہ بالا احادیث میں تکبیر تحریر یہ اور رفع یدین کو شرط اور جزاء کی صورت میں بیان کیا گیا ہے سو اس لیے دونوں ایک وقت میں مقترن و متصل ادا کیے جائیں گے اور دوسری رائے یہ ہے کہ رفع یدین پہلے کیا جائے اور تکبیر تحریر یہ بعد میں پڑھی جائے۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ رفع یدین سے مقصود غیر اللہ سے عظمت و کبریائی کی الٹی کرنا ہے اور تکبیر ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کہنے میں اللہ تعالیٰ کے لیے عظمت و کبریائی اور رفعت کا اثبات ہے اور الٹی اثبات پر مقدم ہوتی ہے جیسے کلمہ طیب میں ”لا الہ“ میں معبودان باطلہ کی نفی ہے اور ”الا اللہ“ میں معبود بحق اللہ تعالیٰ کا اثبات ہے اور طریقین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن شیبانی نے اسی موقف کو اختیار فرمایا ہے اور عام مشائخ اسی پر قائم ہیں اور ہدایہ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور اس موقف کی بہت سی احادیث تائید و تصدیق کرتی ہیں ان میں چند درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے امام ابوداؤد اور امام نسائی نے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

”عَمَّا كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ خَلَاءَ مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَكْبِتُ“ یعنی نبی کریم ﷺ (نماز شروع کرتے وقت) اپنے دونوں ہاتھ مبارک کندھوں کے برابر تک اٹھاتے پھر تکبیر تحریر یہ کہتے۔

(۲) حضرت ابوجہد الساعدی رضی اللہ عنہ سے امام ابن ماجہ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

”عَمَّا كَانَ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ اِغْتَدَلَ قَائِمًا وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُخَاذِيَ بِهَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ یعنی نبی کریم ﷺ رؤف الرحیم علیہ الخلق و التسلیم جب نماز میں کھڑے ہونے لگتے تو آپ پورے اعتدال کے ساتھ کھل کھڑے ہوتے اور اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے یہاں تک کہ ان کو اپنے کندھوں کے برابر لے جاتے پھر آپ ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ فرمایا کرتے۔

علامہ ابن الہمام نے شرح ہدایہ میں یہاں ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ تکبیر تحریر یہ پہلے کہنا پھر اس کے بعد ہاتھوں کو اٹھانا چنانچہ علامہ ابن ہمام نے کہا کہ امام بیہقی نے حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ (۱) ”إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُخَاذِيَ بِأُظْفَارِهَا أُذُنَيْهِ“ یعنی آپ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو (پہلے) تکبیر تحریر یہ کہتے پھر آپ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ اپنے دونوں انگوٹھے اپنے کانوں کے برابر لے جاتے۔ امام بیہقی نے فرمایا کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۲) حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب بن شہاب کی وساطت سے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت وائل نے کہا: میں نے دل میں کہا کہ میں آج بڑے غور سے رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھوں گا کہ آپ نماز کیسے پڑھتے ہیں۔ حضرت وائل کہتے ہیں: (میں نے دیکھا) کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کیا۔ ”فَكَبَّرَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى خَاذَا أُذُنَيْهِ“ اور تکبیر تحریر یہ کہی پھر اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ ان کو اپنے کندھوں کے برابر لے گئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف اوقات میں تمام طریق ہائے مذکورہ بالا پر عمل کیا

ہو (یعنی کبھی پہلے ہاتھ اٹھائے ہوں پھر تکبیر تحریر یہ کبھی ہو اور کبھی ہاتھوں کے اٹھانے کے ساتھ متصل تکبیر تحریر یہ کبھی ہو اور کبھی پہلے تکبیر تحریر یہ کہہ دی ہو پھر ہاتھ اٹھائے ہوں) بہر حال یہ مقام وسیع ہے اور کسی ایک طریقہ کی افضلیت کو قیاس کے ذریعہ ترجیح دی جاسکتی ہے۔ [تسبیح النظام فی شرح مسند الامام ص ۸۸ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

جاننا چاہئے کہ مذکورہ بالا احادیث میں سے بعض میں کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہوا ہے اور بعض میں ہاتھ کے انگوٹھے کا کانوں کی لو کے برابر ہونے کا ذکر ہوا ہے تو یہ ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ جب انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر کیے جائیں تو ہاتھ کاندھوں کے برابر ہو جاتے ہیں اور جب ہاتھ کاندھوں کے برابر تک اٹھائے جائیں گے تو انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں گے اس طرح دونوں قسم کی احادیث پر عمل ہو جائے گا چنانچہ جہاں کاندھوں کا ذکر ہوا ہے وہاں ہاتھ ارشاد ہوا ہے اور جہاں کانوں کا ذکر ہوا ہے وہاں انگوٹھوں کا ذکر ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ہاتھوں کو کاندھوں تک اس طرح اٹھایا جائے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں۔

نماز کے اختتام پر دونوں طرف سلام پھیرنے کا بیان

اس حدیث میں دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز کے آخر میں دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرتے تھے اور یہی طریقہ سنت ہے اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر تمام ائمہ خصوصاً امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ دونوں طرف سلام پھیرنے پر حقیق ہیں چنانچہ امام ابو داؤد نے سلمہ بن کہیل سے از علقمہ بن وائل از والدہ خود ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

(۱) "صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يُمَيْنِهِ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ وَعَنْ شِمَالِهِ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ" یعنی میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ اپنی دائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے فرماتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور اپنی بائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے فرماتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ علیہ الخیرۃ والسلام دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے رخسار کی سفیدی نظر آ جاتی تھی اور آپ دونوں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فرماتے تھے۔

(۳) حضرت جابر بن سمور رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے لیے اس قدر رکائی نہیں کہ وہ نماز میں اپنی دائیں اور اپنی بائیں طرف نمازی بھائی کو صرف اٹکی کے اشارے سے سلام کرے۔

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے امام دارمی نے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ آپ دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے یہاں تک کہ دونوں اطراف میں آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھی جاسکتی تھی۔

(۵) امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ "كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يُمَيْنِهِ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ وَعَنْ شِمَالِهِ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ" یعنی نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی دائیں اور اپنی بائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی۔

(۶) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جنگ جمل کے دن ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی جس نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی نماز یاد کرا دی جسے ہم یا تو بھول چکے تھے یا پھر ہم نے اسے ترک کر دیا تھا ہم اپنی دائیں اور بائیں

دونوں طرف سلام کرتے تھے اور امام ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کی حدیث روایت کر کے آخر میں کہا کہ اس باب میں

سعد بن ابی وقاص، عبداللہ ابن عمر، جابر بن سمرہ، براء بن عازب، عمار بن یاسر، داکل بن جرج، عدی بن حمرہ، جابر بن عبد اللہ سے روایات مروی ہیں پھر امام ترمذی نے کہا کہ ابن مسعود کی حدیث حسن اور صحیح ہے اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین میں اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے اور امام سفیان ثوری، عبد اللہ ابن المبارک، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا بھی قول ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ دونوں طرف سلام پھیرنے کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔

[ماخوذ از مسبق النظام فی شرح مسند الامام علی ہاشم مسند امام اعظم ص ۳۸ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور]

۱۲۔ باب ترک رفع الیدین عند الركوع والسجود

۱۲۔ باب ترک رفع الیدین عند الركوع والسجود

حضرت ابراہیم نخعی نے بتایا کہ حضرت داکل بن جرج رضی اللہ عنہ یہاں کے رہنے والے صحابی تھے۔ انہوں نے اس سے پہلے کبھی کوئی نماز نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہیں پڑھی تھی۔ کیا وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان کے ساتھیوں (دیگر صحابہ کرام) سے زیادہ جانتے ہیں کہ انہوں نے (رکوع اور سجدہ میں) رفع یدین کا مسئلہ یاد کیا یا نہ کیا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود دو دیگر صحابہ کرام نے یا انہوں نے کیا اور ایک روایت میں یوں مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم نخعی کے جانتے حضرت داکل بن جرج رضی اللہ عنہ سے کہ کوئی گالی تو انہوں نے کہا حضرت داکل بن جرج رضی اللہ عنہ آؤں ہیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس سے پہلے کبھی کوئی نماز نہیں پڑھی تھی کیا وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے زیادہ جانتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم نخعی کے پاس حضرت داکل بن جرج رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا گیا انہوں نے نبی کریم ﷺ کو رکوع اور سجود کے وقت رفع یدین کرنے سے روک دیا تھا تو فرمایا وہ دیکھنا ہی آؤں ہیں۔ (حضرت عبداللہ کی طرح) اسلام کو پوری طرح نہیں جانتے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف ایک نماز پڑھی ہے اور بے شک مجھے حضرت عبداللہ ابن مسعود کی حدیث اس قدر زیادہ راویوں نے بیان کی ہے جنہیں میں شمار نہیں کر سکتا کہ حضرت عبداللہ صرف نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور انہوں نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے بیان کی ہے اور حضرت عبداللہ اسلام کے احکام و حدود کے عالم تھے اور نبی کریم ﷺ کے احوال کی جستجو میں رہا کرتے تھے اور سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھی ہیں۔

۹۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَقَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِي وَاقِلِ بْنِ خُبَيْرٍ أَقْرَأَنِي لَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً قَبْلَهَا لَمْ يَأْمُرْ أَنْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ فِي السُّجُودِ وَحَقَّقَ وَكَمْ يَحْفَظُوا بِغَيْرِ وَفَّقَ الْيَدَيْنِ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ ذَكَرَ حَدِيثَ وَاقِلِ بْنِ خُبَيْرٍ فَقَالَ أَقْرَأَنِي صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا صَلَّى صَلَاةً قَبْلَهَا هُوَ أَعْلَمُ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ. وَفِي رِوَايَةٍ ذَكَرَ عَنْهُ حَدِيثُ وَاقِلِ بْنِ خُبَيْرٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَحِينَ السُّجُودِ فَقَالَ هُوَ أَقْرَأَنِي لَا يَتَرَفَّعُ إِلَّا صَلَاةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِي مَنْ لَا أَتَخْشَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي بَدْءِ الصَّلَاةِ فَقَطَّ وَحَكَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبْدُ اللَّهِ عَلِيمٌ بِشُرَائِعِ الْإِسْلَامِ وَحُدُودِهِ مَقْفُودٌ لَا تَحْزَلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلَايَمَ لَهُ فِي إِفَاتِهِ وَفِي إِسْفَارِهِ وَقَدْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا يَحْصَى.

ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۲۳۶) مطبوعہ (۱۳۶۸-۱۳۱۹)

حل لغات

”اَنْعَرَابِي“ عرب کے دیہات میں رہنے والا۔ ”لَا اُحْصِي“ سینہ واحد حکم فعل مضارع معروف حقیقی باب افعال سے ہے اس کا مصدر احصاء ہے جس کا معنی ہے: شمار کرنا، گنتی کرنا، کسی چیز کو قابو میں لانا سمجھنا۔ ”لَفْطًا“ یہ مرکب کلمہ ہے جو قاء اور فاء سے مرکب ہے اس کا معنی ہے: صرف، بس۔ ”مَنْطَقًا“ سینہ واحد مذکر اسم فاعل باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: جستجو کرنا، تلاش کرنا، کریدنا، طلب کرنا۔

ترک رفع یدین کی بحث

اس حدیث میں طویل القدر رفیقہ نیک و بزرگ ترین عالم دین اور ثقہ و مستند تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خصافہ نماز اور عادلانہ فیصلہ بیان کرتے ہوئے رکوع و سجود میں جاتے وقت رفع یدین کو ضرر جو حرام قرار دیا گیا ہے اور نماز کے شروع میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے اور رکوع و سجود میں جاتے وقت ترک رفع یدین کو رائج و روزی اور مستنون قرار دیا گیا ہے اور حضرت ابراہیم نخعی کا حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو دیہاتی کہنا طعن روزی و حیب جوئی اور توہین کرنا نہیں بلکہ صرف اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ چونکہ حضرت وائل دیہات میں رہنے والے تھے انہیں علیہ السلام کی صحبت و رفاقت ایک ذوق و رغبت سے زیادہ پیڑھیں ہوئی جبکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ چونکہ خادم خاتون کی حیثیت سے ہمیشہ سطر و حجر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے اس لیے انہیں آپ کی اقتداء میں روزانہ پانچ وقت نماز پڑھنے اور آپ کی نماز کی کیفیت کو قرع و قیچے سے دیکھنے اور جاننے کے زیادہ مواقع میسر آئے۔ پس ان کی روایت کردہ حدیث ترک رفع یدین کے بارے میں رائج اور زیادہ روزی ہے لہذا حضرت ابراہیم نخعی کے پاس سے ایسا کہنا اور سونپنا سوچ ظن اور بدگمانی کے علاوہ کم عقلی ہے کیونکہ احادیث کے روایت پر حرج و تعدیل کرنا طعن روزی نہیں ہوتی تو اظہار حقیقت کو طعن روزی کیسے قرار دیا جاسکتا ہے خصوصاً ایک طویل القدر عالم و فقیہ عادل و صاحب تامل کے بارے میں طعن روزی کا الزام سراسر لغو اور باطل ہے۔ نیز روافض کے لیے ترغیب و تحریک کا باعث بن سکتا ہے بلکہ تمام تابعین صحابہ کرام کی زیارت و ملاقات اور صحبت و رفاقت کو باعث فخر سمجھتے تھے اور وہ تمام صحابہ کرام کا ادب و احترام کرتے رہے۔ وہ روزی ہانپتے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی غرض حضرت وائل کی روایت پر اس سے زیادہ قوی و مضبوط روایت کے ذریعہ معارضہ پیش کرنا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ روایت و ثقافت حفظ و اتقان عظیم و فراست اور سطر و حجر میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت و رفاقت اور صحبت و کثرت ملازمت کی وجہ سے حضرت وائل پر فضیلت و فوقیت رکھتے ہیں انہیں لیے حضرت عبداللہ کی روایت قابل ترجیح اور زیادہ روزی ہے اور یہاں یہ مسئلہ یاد رہنا چاہئے کہ جس طرح پہلے نماز میں ضروری بات چیت کرنی جاتی تھی پھر کچھ عرصے کے بعد نماز میں بات چیت اور گفتگو کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا اور ادب و احترام اور خاموشی کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ اسی طرح پہلے نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ بھی ایک عرصہ تک رفع یدین کیا جاتا تھا پھر بعد میں نبی کریم ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرنا ترک کر دیا اور صحابہ کرام کو بھی رفع یدین ترک کر دیا لیکن جو صحابہ کرام اس حکم سے پہلے دور دراز کے علاقوں میں جا چکے تھے وہ بدستور رفع یدین کرتے رہے نیز آپ ﷺ کبھی بیان جواز کے لیے رفع یدین کر لیتے تھے جیسا کہ حضرت وائل بن حجر نے آپ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا اور بیان کیا حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے سیکڑوں مرتبہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رفع یدین ترک کرتے ہوئے دیکھا اور بیان بھی کیا۔ نیز آپ نے صحابہ کرام کے بہت بڑے مجمع کو ترک رفع یدین والی نماز نبوی پڑھا کر دکھا دی اور سب نے تائید کی اور کسی صحابی نے اختلاف

نہیں کیا۔ پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد صحابہ کرام اور تابعین اور ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہوا چنانچہ جن کو ترک رفع یدین کی خبر نہ ملی ان کے نزدیک رفع یدین سنت ٹھہرا جبکہ اکثر صحابہ کرام تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک ترک رفع یدین سنت ٹھہرا۔ بہر حال امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے تلامذہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ ترک رفع یدین سنت ہے۔ امام سفیان ثوری امام زفر امام عاصم بن کلیب بن شہاب کا بھی مذہب ہے اور امام مالک اور آپ کے تلامذہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور بعض متحققین کے نزدیک فتنائے الہمی یہ ہے کہ حبیب کبریاؐ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ہر سنت اور ہر ادا کو قیامت تک جاری و ساری رکھا جائے اور چونکہ ترک رفع یدین کا موقف مضبوط و مستند اور زیادہ وزنی اور رائج ہے اور یہ ناسخ اور آخری عمل ہے۔ نیز یہ نماز میں خشوع و خضوع اور سکون وطمینان کے زیادہ قریب ہے اس لیے یہاں بتوفیقہ تعالیٰ ترک رفع یدین کے ثبوت میں چند احادیث پیش کی جا رہی ہیں۔

ترک رفع یدین کا ثبوت

(۱) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے (صحابہ و تابعین سے) فرمایا:

”أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَوةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّكُمْ تَرَفَعُ يَدَيْهِ إِلَىٰ أَوَّلِ مَرْوَةٍ“ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ پھر آپ نے (سب کے سامنے) نماز پڑھی اور آپ نے صرف کھلی مرتبہ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس باب میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام ابویوسفی ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کی یہ حدیث حسن (عمدہ اور جید) ہے اور صحابہ و تابعین میں سے بہت سے اہل علم اسی بات کے قائل ہیں اور امام سفیان ثوری اور اہل کوفہ (یعنی امام ابوحنیفہ اور آپ کے تلامذہ) کا بھی قول ہے۔ [جامع ترمذی ص ۶۵-۶۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ حجاز کتب، کراچی] امام ترمذی کے علاوہ اس حدیث کو ابوداؤد نسائی ابن ابی شیبہ دارقطنی طحاوی اور مسند ابویعلیٰ میں روایت کیا گیا ہے۔

علامہ علاء الدین ابن الترمکانی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن حزم نے لکھنی میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[الجمہور المثل علی ما مشہور فی سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ]

علامہ ابن حزم غیر مقلد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: ”إِنَّ هَذَا الْخَبَرَ صَحِيحٌ“ بے شک یہ حدیث صحیح ہے۔ [مختار ج ۳ ص ۸۸] اور اس کے حاشیہ پر علامہ احمد شاہ کرغیر مقلد لکھتے ہیں: ”وَهُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ“ اور یہ حدیث صحیح ہے۔ [مختار الکتاب کشف الرین فی مسئلۃ رفع یدین ص ۱۸، مطبوعہ مکتبۃ دارالاحمد رضا اکیڈمی، گوہر نوالہ]

یہ حدیث صحیح کیوں نہ ہو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت کو آپ ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھائی اور اس میں تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا اور کسی صحابی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، اگر ترک رفع یدین سنت نہ ہوتا تو صحابہ کرام ضرور اعتراض کرتے سوائے ان کی تائید صحت حدیث اور ترک رفع یدین کے سنت ہونے کی دلیل ہے، لہذا امام ترمذی کو یہ حدیث یا تو حسن سند سے پہنچی ہے یا انہوں نے لغوی معنی میں حسن کہا ہے۔

(۲) دوسری سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ آپ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا:

”أَلَا أُحِبُّكُمْ بِصَلَوةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ لَقَامَ لَرَفَعُ يَدَيْهِ أَوَّلَ مَرْوَةٍ لَمْ يُعَلِّمْ“ کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں نہ بتاؤں؟ حضرت علقمہ نے کہا کہ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود کھڑے ہوئے اور

(وَلَيْ نُسَخِّعَ: لَمْ يَرْفَعِ).

پہلی مرتبہ (تکبیر تحریرہ کے وقت) ہاتھ اٹھائے پھر (پوری نماز میں) ہاتھ نہیں اٹھائے۔

اس روایت کو امام نسائی نے روایت کیا اور اس کے متعلق خاموشی اختیار کی اور تعلق الحسن (ج ۱، ص ۱۰۴) میں ہے: "هَذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ" یہ سند صحیح ہے اور اس کے رجال صحیحین کے رجال ہیں ماسوا حضرت سدید کے اور یہ نقد راوی ہیں اور ماسوا حضرت عامر کے کیونکہ یہ صحیح مسلم کے نقد رجال میں سے ہیں۔ [اعلاء السنن ج ۲ ص ۸۳۰-۸۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان]

(۳) حضرت ابراہیم نخعی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھ روایت کرتے ہیں:

"أَنَّكَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَا يَفْتَحُ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا" یعنی حضرت عبداللہ نماز شروع کرتے وقت پہلی مرتبہ اپنے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے پھر (پوری نماز میں) نہیں اٹھاتے تھے۔ اس کو امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور کہا: یہ سند صحیح ہے۔ اور [الجوہر النبی ج ۲ ص ۷۹ علی حاشی السنن الکبریٰ للبیہقی، مطبوعہ نثر السنن لبنان] میں اسی طرح ہے اور حضرت ابراہیم نخعی نے اگرچہ حضرت عبداللہ سے سماع نہیں کیا لیکن حضرت عبداللہ سے ان کی مرسل حدیث بھی موصول کے حکم ہوتی ہے اور امام طحاوی نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نخعی حضرت عبداللہ سے اس وقت ارسال کرتے ہیں جب ان کے نزدیک حدیث کی صحت اور اس کی حضرت عبداللہ سے روایت تواتر سے ثابت ہوتی ہے۔ [اعلاء السنن ج ۲ ص ۸۳۶ رقم الحدیث: ۸۱۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت]

(۴) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا حَتَّى يَقْرَأَ. [مسند ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۶۶، مطبوعہ مکتبہ المدینہ لبنان]

(۵) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ افْتَحَ الصَّلَاةَ ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا حَتَّى انْصَرَفَ لَإِنَّ أَبَا ذَاوَدَ هَذَا الْحَدِيثَ لَيْسَ بِصَوِّحٍ. میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ صرف نماز شروع کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر آپ ساری نماز میں نہ اٹھاتے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاتے۔ امام ابوداؤد نے فرمایا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے (بلکہ حسن ہے)۔

[سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۹، مطبوعہ مکتبہ پاکستان لاہور، سنن ابوداؤد مترجم ج ۱ ص ۳۰۴، مطبوعہ فرید بک سنال اردو بازار لاہور]

امام ابوداؤد نے اس حدیث کے صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ بیان نہیں کی یہ حدیث کیوں صحیح نہیں اس کا کون سا راوی ضعیف ہے اور وہ کیوں ضعیف ہے اس لیے یہ بہم جرح ہے اور محدثین کے نزدیک بہم جرح قابل اعتماد قبول اور قابل اعتبار نہیں ہوتی لہذا یہ بہم جرح غیر معتبر اور نامقبول ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا یہ کہ اس حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ حدیث کی تین قسمیں ہیں (۱) صحیح (۲) حسن اور (۳) ضعیف، صحیح کی نفی سے حسن کا ثبوت لازم آتا ہے، ضعیف کا نہیں لہذا یہ حدیث حسن ہے اس لیے قابل استلال ہے، تیسرا یہ کہ ہم احناف امام ابوداؤد کے مقلد نہیں کہ یہ جرح ہمیں نقصان دے بلکہ ہم تو امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد ہیں ان کے بعد کسی راوی کی وجہ سے حدیث کا مجروح ہونا احناف کے لیے نقصان دہ نہیں۔

(۶) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

لَا تُرْكُ الْآيَاتِ إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَإِذَا رَأَى الْيُسْتِ وَعَلَى الصَّفَا وَالْحَمْرُورَةَ وَفِي عُرْكَاتٍ وَفِي جَمْعٍ وَحَدِّ الْجَمَارِ.

ہاتھوں کو صرف سات مقامات پر اٹھایا جائے (۱) جب نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو (۲) اور جب ڈاکٹر بیت اللہ کو دیکھے (۳) اور صفا پہاڑ پر اور (۴) مردہ پہاڑی پر اور (۵) عرفات میں اور (۶) مزدلفہ میں اور (۷) شیطاں کو بکریاں مار دینے وقت۔

[مسند ابن شیبہ ج ۱ ص ۲۶۸-۲۶۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ دہلی]

اس روایت میں صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کو سنت قرار دیا گیا ہے لیکن رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں کیا گیا جس سے واضح ہو گیا کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین سنت نہیں۔

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ.

میں کریم ﷺ پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھ اٹھاتا کرتے تھے پھر آپ

[شرح معانی الآثار للعلامة ابن حجر مطبوعہ مکتبہ ابن کثیر دہلی]

اس حدیث کو امام ترمذی نے حرج کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور امام نسائی نے اس کو اچھی میں حرج کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "لَقَامَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ" سو آپ کھڑے ہونے اور پہلی جرحہ اپنے ہاتھ اٹھانے پھر نہیں اٹھائے۔ علامہ محمد باقر المدنی نے کشف الخصال میں لکھا کہ امام نسائی نے اس حدیث کی اتناو ثعلبیین (بخاری و مسلم) کی شرط پر ہیں۔ [شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۵۴ مطبوعہ مکتبہ ابن کثیر دہلی]

(۸) حضرت طبرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حضرت واکن رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز شروع کرتے وقت اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو یہ بات بن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر حضرت واکن نے یہ عرض کیا تو یہ حدیث صحیح ہے اور اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ عرض کیا تو یہ حدیث صحیح ہے۔ [شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۵۴ مطبوعہ مکتبہ ابن کثیر دہلی]

(۹) حضرت اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ وَرَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ مَسْعُودٍ يَفْعَلَانِ ذَلِكَ.

میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے پھر آپ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور میں نے امام ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام عامر رضی اللہ عنہ کو یہی کرتے ہوئے دیکھا کہ صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

امام ابو جعفر حمادی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔ حدیث صحیحہ اور صحیح حدیث کا دار و مدار حضرت حسن بن حیاث پر ہے اور یہ ثقہ اور حجت ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معین وغیرہ نے یہی ذکر کیا۔ [شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۵۶ مطبوعہ مکتبہ ابن کثیر دہلی]

(۱۰) حضرت اسود فرماتے ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ مِنْ صَلَاتِهِ
إِلَّا حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ وَرَأَيْتُ
الشَّعْبِيَّ وَابْنِ رَاهِمٍ وَأَنَا إِسْحَاقُ لَا يَرْفَعُونَ
أَيْدِيَهُمْ إِلَّا حِينَ يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ.

میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے سو آپ نے شروع نماز کے علاوہ اپنی پوری نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کیا۔ حضرت عبدالملک (رازی) نے فرمایا: اور میں نے امام حارثی اور امام ابراہیم نخعی اور امام ابو اسحاق کو دیکھا کہ یہ حضرات شروع نماز کے علاوہ کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

اور اس حدیث کی سند امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ [املاء سنن ج ۲ ص ۸۴۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

(۱۱) حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد حضرت کلیب بن شہاب سے روایت کرتے ہیں:
إِنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ
فِي أَوَّلِ تَكْبِيرِهِ مِنَ الصَّلَاةِ فَلَمْ لَا يَرْفَعُ بَعْدَهُ
حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے وقت صرف پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے پھر ان کے بعد نہ اٹھاتے تھے۔

[شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نبی کریم ﷺ کے ہارے میں رفع یدین کی حدیث روایت کرنے کے بعد خود پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا بلکہ اس کو ترک کر دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک رفع یدین کے حلقہ نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل منسوخ ہو چکا ہے سو جب حضرت علی کی ترک رفع یدین کی یہ حدیث صحیح ہے تو پھر ترک رفع یدین کرنے والوں کے قول شک کے لیے بہت بڑی نجات اور دلیل ہے۔ [ماخوذ از شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

علامہ دہلوی نے کہا: "وَهُوَ أَكْثَرُ صَوْتٍ" اور یہ اثر (بخاری) صحیح ہے اور الدراوی نے کہا: "سواء من كان من أصحابه من رفع يديه أو من كان من أصحابه من تركها" اور مستند ہیں اور اعلیٰ الحسن بن علی سے ہے اور علامہ بدر الدین عینی سے ہے۔ [ماخوذ از علاء السنن ج ۲ ص ۸۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

(۱۲) حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
"فَلَمَّا صَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرِ الْأَوَّلِيِّ مِنَ الصَّلَاةِ" میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نماز میں پہلی تکبیر کے علاوہ کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے سو یہ ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا پھر نبی کریم ﷺ کے بعد خود رفع یدین کرنا ترک کر دیا پس یہ جب صحیح ہو سکتا ہے جب ان کے نزدیک آپ کا رفع یدین کا فعل منسوخ ہو چکا ہو اور اس پر حجت قائم ہو چکی ہو۔

اعتراض: حضرت طاؤس نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ سے اپنی روایت کردہ حدیث کے موافق رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

جواب: حضرت طاؤس نے جو ذکر کیا ہے حضرت مجاہد نے اس کے مخالف ذکر کیا ہے سو اس صورت میں جواب یہ ہے کہ حضرت طاؤس نے حضرت ابن عمر کا جو فعل ذکر کیا ہے وہ رفع یدین کی حدیث کے منسوخ ہونے پر حجت قائم ہونے سے پہلے کا ہے پھر حضرت ابن عمر کے نزدیک جب رفع یدین کی حدیث کے منسوخ ہونے پر حجت قائم ہو گئی تو آپ نے رفع یدین ترک کر دیا اور ترک رفع یدین کا وہی عمل شروع کر دیا جس کا ذکر حضرت مجاہد نے کیا ہے۔

[شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت] [مطبوعہ مکتبۃ المدینہ]

اور امام بیہقی نے اس روایت کو کتاب المعرفۃ میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ آثار السنن میں ہے۔

[اعلاء السنن ج ۲ ص ۸۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

(۱۳) امام ابواسحاق تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كَانَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللَّهِ وَأَصْحَابُ عَلِيٍّ لَا يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَّا فِي الْفِتَاخِ الصَّلَاةِ قَالُوا وَيَكْفِيَنَّهُمْ لَا يَرْفَعُونَ.

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام ساتھی صرف نماز کے شروع میں (تکبیر تحریرہ کے وقت) اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔ امام دکنی نے فرمایا: پھر وہ نماز میں کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

[مسند ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۶۷ مطبوعہ مکتبہ المدینہ لدایہ لبنان] تھے۔

علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان المارونی المعروف ابن الترمذی فرماتے ہیں:

وَهَذَا أَيْضًا مَسْنَدٌ صَوِّحَ جَلِيلٌ قَبْلِي بِاتِّفَاقِ أَصْحَابِهِمَا عَلَى ذَلِكَ مَا يُدَلُّ عَلَى أَنَّ مَلَكَهُمَا كَانَ تَكْدُّ ذَلِكَ. [الجوہر النبی ص ۷۹ مطبوعہ لشرائعہ لبنان]

اور یہ سند بھی صحیح ہے اور جلیل ترین (یعنی جید و عمدہ) ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب (ساتھیوں) کا اس پر اتفاق و اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں حضرات کا تہہ بہ تہہ یہی تھا۔

(۱۴) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابْنِي تَحْمِيْرٌ وَغَيْرُكُمْ يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ الْفِتَاخِ الصَّلَاةِ أَخْرَجَهُ النَّبِيُّ وَاسْتَأْذَنَ بَعْدَ تَكْدُّ فِي الْجَوْهَرِ النَّبِيِّ.

میں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز میں پڑھی ہیں اسودہ صرف نماز کے شروع میں تکبیر تحریرہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے (پھر نہیں) اس حدیث کو امام بیہقی نے تخریج کیا ہے اور اس کی سند جید (یعنی بہترین اور عمدہ) ہے الجوہر النبی میں اسی طرح ہے۔

[اعلاء السنن ج ۲ ص ۸۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۸۰-۷۹، الجوہر النبی ص ۷۸، علی حدیث مطبوعہ لشرائعہ لبنان]

اعتراض: امام بیہقی نے کہا کہ اس روایت میں محمد بن جابر منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔

[السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۸۰ مطبوعہ لشرائعہ لبنان]

جواب: علامہ علاؤ الدین ماردینی المعروف ابن الترمذی فرماتے ہیں کہ امام ابن عدی نے ذکر کیا ہے کہ امام اسحاق بن ابی اسرائیل حضرت محمد بن جابر کو مشائخ عظام کی جماعت پر فضیلت دیتے ہیں حالانکہ وہ مشائخ کرام ان سے تو شیخ اور مرتبہ میں بڑھ کر ہیں کیونکہ حضرت محمد بن جابر سے بڑے بڑے محدثین کرام نے روایت کی ہے جیسے امام ایوب، امام ابن عون، امام ہشام بن حسان، امام سفیان ثوری، امام سفیان بن عیینہ، امام شعبہ اور ان کے علاوہ دیگر محدثین۔ اگر محمد بن جابر ثقہ نہ ہوتے تو اکابر مشائخ کرام ان سے روایت نہ کرتے۔ علامہ فلاس نے کہا کہ محمد بن جابر صدوق (یعنی بہت سچ بولنے والے) ہیں اور امام ابن حبان نے انہیں ثقات راویوں میں داخل کیا ہے۔ [الجوہر النبی ص ۷۸، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۸۰، مطبوعہ لشرائعہ لبنان شریف]

(۱۵) حضرت ابوبکر بن عباس رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا رَأَيْتُ قَوْمًا قَطُّ يَفْعَلُونَ بِرُفْعِ يَدَيْهِمْ غَيْرَ

میں نے کبھی کسی فقیہ کو (نماز میں) پہلی تکبیر کے علاوہ ہاتھ اٹھاتے

نہیں دیکھا۔

تکبیرۃ الاولیٰ۔

[شرح معانی ۱۸ ج ۱ ص ۱۵۶ مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ کراچی]

اور اس روایت کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے ابن ابی داؤد کے اور یہ فقہ اور مستند راوی ہیں اور یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت یدین کرنا تابعین کے زمانہ میں متروک العمل ہو چکا تھا کیونکہ حضرت ابو بکر بن عباس اکابر اتباع تابعین میں سے ہیں ان سے امام سفیان ثوری وغیرہ نے روایت کی ہے۔

[اعلاء السنن ج ۲ ص ۸۳۶ رقم الحدیث: ۸۲۷]

(۱۶) حضرت اشعث امام عامر شعی سے روایت کرتے ہیں:

إِنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ التَّكْبِيرَةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا.
بے شک آپ صرف پہلی تکبیر میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے پھر انہیں نہیں اٹھاتے تھے۔

(۱۷) حضرت حصین اور حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی فرمایا کرتے تھے کہ:

إِذَا كُنْتُ فِي قَائِمَةِ الصَّلَاةِ فَارْفَعْ يَدَيْكَ ثُمَّ لَا تَرْفَعُهُمَا فِيمَا بَقِيَ.
جب تم نماز کے شروع میں تکبیر کہو تو تم اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھاؤ پھر باقی نماز میں تم انہیں نہ اٹھاؤ۔

(۱۸) حضرت طلحہ نے امام طبعہ اور امام ابراہیم کے بارے میں فرمایا:

كَانَا لَا يَرْفَعَانِ أَيْدِيَهُمَا إِلَّا فِي يَدَوِ الصَّلَاةِ.
یہ دونوں حضرات صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے۔

(۱۹) حضرت اسماعیل فرماتے ہیں:

كَانَ قَسَمٌ يَرْفَعُ يَدَيْهِ أَوَّلَ مَا يَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا.
امام قیس نماز میں داخل ہوتے وقت شروع میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے تھے پھر انہیں نہ اٹھاتے تھے۔

(۲۰) حضرت جابر حضرت اسود اور حضرت علقمہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں:

إِنَّهُمْ كَانُوا يَرْفَعَانِ أَيْدِيَهُمَا إِذَا انْتَهَوْا ثُمَّ لَا يَرْفَعُونِ.
بے شک یہ دونوں حضرات جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے تھے پھر انہیں نہ اٹھاتے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۶۸-۲۶۷ مطبوعہ مکتبہ المدینہ لدان شریف]

واضح رہے کہ رفع یدین کی صرف فعلی احادیث مروی ہیں لیکن قولی کوئی ایک حدیث بھی مروی نہیں ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہو کہ تم رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرو سوا اگر رفع یدین کرنا سنت جاریہ ہوتی تو آپ داڑھی اور دیگر سنن ہڈی کی تاکید کی طرح رفع یدین کی تاکید کے لیے اس کا حکم فرماتے مگر آپ نے ایسا نہیں فرمایا لہذا یہ سنت متروکہ ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں ترک رفع یدین کی احادیث قطعی بھی ہیں جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ائمہ کرام تابعین عظام اور اتباع تابعین کے بارے میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنے کا عمل بیان کیا گیا ہے اور قولی احادیث بھی مروی ہیں جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو نماز کے اندر رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر تعجب و ناراضگی کا اظہار فرمایا اور آپ نے انہیں رفع یدین ترک کر کے نماز کے اندر سکون اختیار کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت کرتے ہیں:

(۲۱) قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكَبُوا أَيْدِيَكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ كَأَنَّهُمْ أَذْنَابُ النَّحْلِ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَكُونُوا فِي الصَّلَاةِ
حضرت جابر بن سمرہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کمرے
کل کر ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تمہیں
دیکھتا ہوں کہ تم اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھاتے ہو گویا وہ سرکش گھوڑوں کی
دیں ہیں (جو اوپر نیچے ہو رہے ہیں) تم نماز میں سکون اختیار کرو۔
[صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۱ مطبوعہ دارمجامع المطابع کراچی ۱۴۰۵ھ/۲۰۲۴ء]

اگرچہ اس حدیث کے آخر میں ”اسکبوا فی الصلوٰۃ“ سے واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے
تو آپ نے انہیں نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم دے کر رفع یدین سے منع کر دیا کہ یہ سکون و اطمینان کے خلاف ہے لیکن شیخ زکریا
کے لوگ ایسے جمل کلام کو نہیں سمجھ سکتے اس لیے دیگر کتب احادیث میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ صحابہ کرام نماز کے اندر
رفع یدین کر رہے تھے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم دینے کے بعد رفع یدین سے منع کر دیا چنانچہ
نبین نبائی میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ۔

(۲۲) قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ رَاغِبُونَ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكَبُوا أَيْدِيَكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ كَأَنَّهُمْ أَذْنَابُ النَّحْلِ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَكُونُوا فِي الصَّلَاةِ
حضرت جابر بن سمرہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کمرے
کل کر ہمارے پاس تشریف لائے حالانکہ ہم اس وقت نماز کے اندر تھے
ہاتھوں کو اوپر اٹھاتے تھے تو آپ نے فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو
نماز میں اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھا رہے ہیں گویا وہ سرکش گھوڑوں کی
دیں ہیں۔ تم نماز میں سکون اختیار کرو۔
[سنن نسائی ج ۱ ص ۲۶۶-۲۶۷ حریم مطبوعہ فریڈ بکسٹال لاہور]

لہذا امام بیہقی نے اسی طرح دو قصہ شیخ زکریا کی ہیں بخوالہ ملاحظہ فرمائیں: اس میں بھی رفع یدین سے منع ہے بلکہ اشارہ ہے کہ
واضح رہے کہ یہاں صحیح مسلم میں ترک رفع یدین کی حدیث کے بعد حضرت جابر بن سمرہ سے ایک اور حدیث بھی مروی ہے جس
میں سلام کے وقت ہاتھوں کے ساتھ اشارہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے۔

عَلَى صَلَاتِهِمْ (وَأَيْدِيَهُمْ حَالَتَا) تَجْعَلُ رُءُوسَهُمْ
حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی ﷺ نے (ہر ایک
اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَأَنَّهُمْ أَذْنَابُ النَّحْلِ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَكُونُوا فِي الصَّلَاةِ
روایت میں ہے ہم نے) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی تو ہم
پائینینہ السلام علیکم السلام علیکم فَنَظَرُ إِلَى رُءُوسِهِمْ
جب سلام پھیرنے لگے تو ہم نے اپنے ہاتھوں کے ساتھ اشارہ کرتے
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا شَأْنُكُمْ
ہوئے تڑا کہیں اور ہمیں دو کوئی طرف کی سلام علیکم والسلام علیکم کہا
نُفِيسُونَ بِأَيْدِيكُمْ كَأَنَّهُمْ أَذْنَابُ النَّحْلِ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَكُونُوا فِي الصَّلَاةِ
رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا: تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم
سَلَّمَ أَحَدُكُمْ فَلَمْ تَلْقُفْ إِلَيَّ حَتَّى جِدَّ وَلَا تَوَمَّنْ يَدَهُ
اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو گویا یہ سرکش گھوڑوں کی دیں ہیں جب
[صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۱ مطبوعہ دارمجامع المطابع کراچی ۱۴۰۵ھ/۲۰۲۴ء]

تم میں سے کوئی شخص سلام پھیرے تو اپنے ساتھی کی طرف توجہ کرے اور
اپنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔
اعتراض: یہاں رفع یدین کے قائلین کہتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں ایک مسئلہ سے متعلق ہیں اور وہ یہ ہے کہ نماز کے آخر میں
سلام پھیرتے وقت ہاتھوں کو اٹھا کر اشارہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

جواب: دراصل صحیح مسلم کی یہ دونوں حدیثیں الگ الگ دو مسائل کے بارے میں وارد ہوئی ہیں چنانچہ پہلی حدیث میں نماز کے اندر رفع یدین کرنے سے منع کر کے نماز میں سکون و اطمینان اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ دوسری حدیث میں نماز کے آخر میں سلام پھیرتے وقت ہاتھوں سے اشارہ کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ان دونوں احادیث کے مسائل میں چند وجوہ سے فرق ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) پہلی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: ”مَا لِي أَرَاكُمْ وَافِيَّ آيَاتِكُمْ“ یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں رفع یدین (ہاتھوں کو اٹھا کر اوپر) کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز کے آخر میں سلام پھیرتے وقت ہاتھوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: ”مَا لِي أَرَاكُمْ تَشِيرُونَ بِآيَاتِكُمْ“ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو۔

(۲) ترک رفع یدین کے بارے میں وارد شدن نسائی اور سنن کبریٰ کی احادیث میں یہ تفصیل موجود ہے کہ صحابہ کرام نے کہا: جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر سے مسجد میں تشریف لائے تو ”فَنَحْنُ وَافِعُونَ آيَاتِنَا فِي الصَّلَاةِ“ ہم نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے جبکہ ممانعت اشارہ بالید کی حدیث میں ہے ”إِذَا سَلَّمْنَا فَلَنَّا بِآيَاتِنَا السَّلَامَ عَلَيْكُمْ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ“ کہ جب ہم سلام پھیرتے تو ہم اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے (دائیں طرف منہ پھرتے ہوئے) السلام علیکم کہتے (اور دائیں طرف منہ کرتے ہوئے) السلام علیکم کہتے۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ ممانعت رفع یدین کی حدیث میں ”اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ“ کے الفاظ ہیں کہ تم نماز میں سکون اختیار کرو جبکہ ممانعت اشارہ بالید کی حدیث میں ”إِذَا سَلَّمْتُمْ أَحَدُكُمْ فَلْيَكُفَّ إِلَيَّ صَاحِبِهِ وَلَا يَزِيدْ يَدَهُ“ کے الفاظ ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص سلام پھیرے تو اپنے ساتھی کی طرف توجہ کرے اور اپنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

(۴) چوتھا فرق یہ ہے کہ ممانعت رفع یدین کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر سے مسجد میں تشریف لائے تو صحابہ کرام کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا اور منع کرتے ہوئے فرمایا: ”اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ“ تم نماز میں سکون اختیار کرو۔ گو یا اس نماز میں آپ صحابہ کے ساتھ شریک نماز نہیں تھے بلکہ تمام یا بعض صحابہ کرام سنن و فرائض ادا کر رہے تھے جبکہ ممانعت اشارہ بالید کی حدیث میں نماز باجماعت کا ذکر ہے جس میں آپ نے صحابہ کرام کو نماز کے اختتام پر سلام پھیرتے وقت ہاتھوں سے اشارہ کرنے سے منع فرمایا۔

(۵) اگر دونوں احادیث میں نماز میں رفع یدین کی ممانعت کی بجائے صرف سلام پھیرتے وقت ہاتھوں کو اٹھا کر اشارہ کرنے سے منع کرنا مقصود ہوتا تو پھر رسول اللہ ﷺ جوامع العرب میں ”اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ“ کی بجائے ”اسْكُنُوا عِنْدَ السَّلَامِ“ فرماتے کیونکہ سلام پھیرنے پر نماز اختتام پذیر ہو جاتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے: ”الْعَكْبِيرُ تَحْرِيمُهَا وَالْقَسِيلُ تَحْلِيلُهَا“ یعنی عکبیر تحریمہ خلاف نماز امور کو حرام کو کر دیتی ہے اور سلام پھیرنا ان امور کو حلال کر دیتا ہے۔

لہذا اس موقع پر ”اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ“ فرماتا فصاحت و بلاغت کے خلاف اور معنوی اعتبار سے لغو ہو جاتا ہے کیونکہ اس کلام کا معنی ہے کہ تم نماز کے اندر سکون اختیار کرو۔ البتہ جب اس جملے کو نماز کے اندر رفع یدین کی ممانعت پر محمول کیا جائے تو پھر یہ کلام مناسب و موزوں اور بر محل واقع ہو جاتا ہے کیونکہ رفع یدین نماز کے اندر ہوتا ہے جو اوپر نیچے حرکات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نماز میں سکون و اطمینان اور خشوع و خضوع کے خلاف ہے اس لیے اس سے منع کرنے کے لیے ”اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ“ فرماتا ہی مناسب و

موزوں اور صحیح ہے لہذا رفع یدین کے کاٹلین کو اس پر اصرار نہیں کرنا چاہئے کہ یہ عمل مرجوح اور منسوخ ہو چکا ہے جبکہ ترک رکعت یدین رائج اور تاریخ ثابت ہو چکا ہے۔ نیز فطری احادیث میں سے کسی حدیث میں یہ مسئلہ نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ پہلے رفع یدین نہیں کرتے تھے پھر بعد میں آپ نے رفع یدین کرنا معمول بنالیا جبکہ اس کے برعکس فطری حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتداءً اسلام میں رفع یدین کرتے تھے پھر بعد ازاں اسے ترک فرما دیا چنانچہ محدث کبیر علامۃ الشیخ ابو محمد بدرالدین محمود بن احمد جینی لکھتے ہیں:

یعنی بے شک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تم آئندہ ایسا نہ کرنا کیونکہ یہ وہ عمل ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے پہلے کیا تھا پھر آپ نے اسے ترک فرمایا۔

امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کا رفع یدین کے مسئلہ میں مناظر

حضرت سلیمان بن عیینہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ کرمہ کے دارالحکامین میں امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی جمع ہوئے تو امام اوزاعی نے امام ابو حنیفہ سے کہا: کیا بات ہے کہ تم رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت نماز میں رفع یدین نہیں کرتے؟ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ رفع یدین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے (جس پر بلا حارضہ اعتقاد کیا جائے) امام اوزاعی نے فرمایا کہ صحیح حدیث کیوں کہ مروی نہیں؟ حالانکہ مجھے امام زہری نے حضرت سالم بن عبداللہ سے بیان کیا ہے اور حضرت سالم نے اپنے والد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے اور جب آپ رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے ان سے فرمایا کہ ہمیں حضرت حماد نے حضرت ابراہیم نخعی سے بیان کیا حضرت ابراہیم نخعی نے حضرت علقمہ اور حضرت اسود سے بیان کیا اور ان دونوں حضرات نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ صرف نماز کے شروع میں (کبیر تحریر کے وقت) رفع یدین کرتے تھے پھر اس کے بعد نماز کے کسی رکن میں دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ امام اوزاعی نے یہ سن کر فرمایا: میں آپ سے انکار ہری

إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ رَأَى رَجُلًا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ رَأْسِهِ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ لَهُ لَا تَفْعَلْ لِإِنَّ هَذَا شَيْءٌ فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَوَكَّأَ: [امروا البخاری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۸۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

۱۳۔ مناظرۃ ابی حنیفۃ و الاوزاعی

فی مسئلۃ رفع الیدین

۹۶۔ سَمِعْتُكَ بْنَ عُبَيْدَةَ قَالَ اجْتَمَعَ أَبُو حَنِيفَةَ وَالْأَوْزَاعِيُّ فِي ذَاوِ الْحِجَازِ بِنِكَهٍ فَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ لِأَبِي حَنِيفَةَ مَا يَكُنُّمْ لَا تَرَفَعُونَ أَيْدِيَكُمْ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لَا جُنْدَ اللَّهِ لَمْ يَنْصَحْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ فَإِنْ كُنْتَ لَا تَنْصَحُ وَلَقَدْ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَحَ الصَّلَاةَ وَعِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ لَهُ أَبُو حَنِيفَةَ وَحَدَّثَنَا حَمَادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسَدِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ الْفَتْحِ الصَّلَاةِ وَلَا يَعُودُ لِنَفْسِهِ مِنْ ذَلِكَ فَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ أَخْبَرْتُكَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ وَتَقُولُ حَدَّثَنِي حَمَادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فَقَالَ لَهُ أَبُو حَنِيفَةَ كَانَ حَمَادٌ أَلْفَمَهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ وَكَانَ إِبْرَاهِيمُ أَلْفَمَهُ مِنْ سَالِمٍ وَهَلْقَمَةُ لَيْسَ بِثَوْنِ ابْنِ عُمَرَ فِي الْهَفْوِ وَإِنْ

كَانَتْ لِابْنِ عَمَرَ صَلَاحٌ وَلَهُ فَضْلٌ مُصَحَّحٌ لَا لَأَسْوَدَ
لَهُ فَضْلٌ مُخَيَّرٌ وَهَذَا السُّلُوهُ هُوَ هَذَا اللَّهُ فَسَكَّ
الْأَوَّلَ أَيْ.

از سالم از والد خود حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ فرماتے ہیں کہ مجھے
حداد حضرت ابراہیم ولیرہ سے حدیث بیان کرتے ہیں تو امام حنیفہ نے
فرمایا: حضرت حداد امام زہری سے زیادہ فقیہ تھے اور حضرت ابراہیم نخعی
حضرت سالم سے زیادہ فقیہ تھے اور حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن عمر
سے فقہ میں کم نہیں ہیں اور اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمر کو نبی کریم ﷺ
کی صحبت میسر ہے اور اس بنا پر انہیں صحابیت کا شرف و فضل حاصل ہے
لیکن حضرت اسود کو بہت سے دوسرے فضائل حاصل ہیں اور حضرت
عبداللہ بن مسعود تو حضرت عبداللہ بن مسعود ہی ہیں سو امام اوزاعی یہ سن کر خاموش
ہو گئے۔

حل لغات

”قَالَ ابْنُ حَنَابٍ“ اس سے مراد کہ کمرہ میں گندم کی خرید و فروخت کی منڈی ہے ”لَمْ يَصِحَّ“ میخذ واحد مکر غائب فعل لی
جذر بلم معروف باب ضَرْبَ يَضْرِبُ ہے جس کا معنی ہے کہ (یہ حدیث) صحیح نہیں۔ ”لَا يَخُوذُ“ میخذ واحد مکر غائب فعل مضارع
خفی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے جس کا معنی ہے: دوبارہ نہ لوٹنا۔ ”أُخْبِرْتُ ذَلِكَ“ اس میں احدث فعل واحد مکمل فعل مضارع
معروف کا میخذ ہے اور باب تَعَمَّلَ سے ہے اس کا معنی ہے: حدیث بیان کرنا اور آخر میں کاف ضمیر مخاطب مفعول بہ ہے۔ ”رَقْنَهُ“
میخذ واحد مکر اسم تَعَمَّلَ باب عَكْرَمَ يَكْرُمُ سے ہے اس کا معنی ہے: علم میں غالب ہونا احکام شریعہ کا ماہر/زیرک/ذہین سمجھ دار اور علم
فقہ کا بہت جاننے والا۔

مناظرہ کے چند فوائد کا بیان

امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کے اس مناظرہ سے چند فوائد واضح طور پر ثابت ہو رہے ہیں ایک یہ کہ احادیث نبویہ علیہ التحسینہ
والثناء سے ماخوذ فقہی مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو فہم و فراست عقل و ذہانت غور و فکر اور بحث و مناظرہ کی قوت بہت زیادہ
عطا کی گئی تھی جس کی وجہ سے آپ اپنے مد مقابل پر بحث و مناظرہ میں غالب آ جاتے تھے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ فقہی مسائل میں امام
ابو حنیفہ کا مذہب (یعنی اجتہاد) سنت قویہ اور روایت مرفوعہ سے ثابت و مؤید ہے محض قیاس اور رائے سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ بعض
معتصب لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ اور آپ کے اصحاب کا مذہب قیاس اور رائے پر مبنی ہے۔
تیسرا یہ کہ رفع یدین کے مذہب کے مقابلہ میں آپ کا مذہب ترک رفع یدین رائج اور زیادہ قوی ہے اس لیے تو عظیم مجتہد امام
اوزاعی آپ کے مقابلہ میں خاموش ہو گئے۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ حدیث سے ماخوذ کسی بھی فقہی مسئلہ میں کسی مذہب کا رائج اور دینی ہونا تب معتبر ہوگا جب اس حدیث کے
رواقہ فقاہت، تبحر علمی اور بصیرت و فراست کے حامل ہوں گے اور دینی فقاہت، تبحر علمی اور بصیرت و فراست کے مقابلہ میں حفظ و
اتقان اور عدالت معتبر نہیں ہے۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ شرف صحابیت ایک الگ چیز ہے اور فقاہت، تبحر علمی، فطانت و ذہانت اور فراست و بصیرت دوسری چیز
ہے لہذا خاص جہت اور مخصوص حیثیت کے سبب غیر صحابی کے لیے صحابی پر جزوی فضیلت ممکن ہے کیونکہ فضیلت کا مدار اللہ تعالیٰ کا فضل

ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے ہاں! البتہ صحابہ کرام میں سے فقہاء صحابہ اور طویل و دراز صحبت نبوی حاصل کرنے والے صحابہ کرام مناقب جلیلہ اور مواہب جزیلہ کے حامل ہیں اس لیے یہ حضرات فقہات میں بھی اپنے علاوہ تمام لوگوں سے افضل و اعلیٰ ہوتے ہیں جیسے خلفائے راشدین دیگر عشرہ مبشرہ اور افاضل صحابہ کرام علیہم الرضوان۔

[ماخوذ بتسبیح النظام فی شرح مسند الامام ۵۰ ماثیہ نمبر ۱ مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور]

نماز میں فاتحہ اور کسی سورت کا اس کے

ساتھ ملا کر پڑھنا واجب ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وضو نماز کی چابی ہے اور تکبیر خلاف نماز چیزوں کو حرام کر دیتی اور سلام پھیرنا ان چیزوں کو حلال کر دیتا ہے اور ہر دور رکعت پر سلام پڑھا کرو اور نماز سورت فاتحہ اور اس کی ساتھ کوئی اور سورت ملائے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اور دوسری روایت میں مقری کی وساطت سے امام ابو حنیفہ سے اسی کی مثل مروی ہے اور اس کے آخر میں اضافہ ہے کہ (حضرت مقری نے کہا:) میں نے امام ابو حنیفہ سے عرض کیا کہ آپ (ﷺ) کے ارشاد ”فی کل رکعتین سلم“ سے کیا مراد ہے؟ سو آپ نے فرمایا: اس سے تشہد مراد ہے حضرت مقری نے کہا: جی ہاں۔ اور ایک اور روایت میں بھی اسی طرح ہے مگر اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ کوئی نماز فاتحہ الکتاب اور اس کے ساتھ کوئی سورت ملائے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

۱۴۔ بَابُ وُجُوبِ قِرَاءَةِ الْقَاتِحَةِ

وَالسُّورَةِ مَعَهَا فِي الصَّلَاةِ

۹۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ كَرِيمِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَانَ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْوُضُوءُ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ وَالتَّكْبِيرُ نَحْوِيَّتُهَا وَالتَّسْلِيمُ تَحْلِيلُهَا وَفِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ لِسْلَمٌ وَلَا تُجْزَى صَلَاةٌ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَعَهَا غَيْرُهَا. وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى عَنِ الْمُقَرِّي عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ مِثْلَهُ وَزَادَ فِي أُخْرَى: «فَلْتَلَا بِهَا خَبِيفَةً مَا يَخِينُ بِقَوْلِهِ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ لِسْلَمٌ فَقَالَ يَتَّبِعِي الْقَشْدَةَ قَالَ الْمُقَرِّي صَدَقَ. وَفِي رِوَايَةٍ نَحْوَهُ وَزَادَ فِي أُخْرَى: وَلَا تُجْزَى صَلَاةٌ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَعَهَا شَيْءٌ»

ترمذی (۳) ابوداؤد (۶۱) ابن ماجہ (۳۷۵) بیہقی (۲۴۳)

حل لغات

”مِفْتَاحُ“ یہ اسم آلہ ہے اور اس کی جمع مفاہیح آتی ہے جیسے مصباح کی جمع مصابیح آتی ہے اور اس کا معنی ہے: چابی کلمی۔ ”لِسْلَمٌ“ صیغہ واحد کر فعل امر حاضر معروف باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: سلام کرنا۔ ”لَا تُجْزَى“ یہ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع منفی معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کا حق پورا ادا کرنا کسی چیز کا کافی ہونا اور کسی کا پورا بدلہ دینا۔ وضو تکبیر تحریر فاتحہ اور اس کے ساتھ سورۃ ملانا اور سلام کی اہمیت

اس حدیث میں سب سے پہلے فرمایا: ”الْوُضُوءُ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ“ کہ وضو نماز کی چابی ہے جس طرح چابی کے بغیر تالا نہیں کھلتا اسی طرح وضو کے بغیر نماز جائز نہیں ہوتی کیونکہ وضو نماز کے لیے شرط ہے جس کے بغیر مسلمان نماز میں داخل نہیں ہو سکتا البتہ وضو کے قائم مقام غسل اور تیمم سے نماز پڑھ سکتا ہے ”والتَّكْبِيرُ نَحْوِيَّتُهَا“ اور تکبیر نماز کے منافی امور کو نماز میں حرام کر دیتی ہے اور تکبیر بھی وضو کی طرح نماز کے لیے شرط ہے لیکن یہ ارکان نماز کے ملاصق و متصل ہے اور بعض اہل علم حضرات نے تکبیر کو نماز کے ارکان شمار کیا ہے اور اس تکبیر ادائی کو تحریر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نماز پر نماز میں ان تمام افعال کو حرام دیتی ہے جو نماز میں داخل ہونے سے

رکعت مکمل نماز ہے سو اس لیے جس نے یہ قسم کھائی کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا پھر اس نے صرف ایک رکعت پڑھ لی تو امام شافعی کے نزدیک اس کی قسم ٹوٹ گئی اور امام مالک کے نزدیک ”للاکثر حکم الكل“ کے مطابق تین رکعات میں قرعت فرض ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک صرف دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے کیونکہ حدیث میں صراحت کے ساتھ لفظ الصلوٰۃ مذکور ہے سو اس لیے اس سے کامل نماز مراد ہے اور وہ عرف میں دو رکعت ہے اور البتہ قسم کے مسائل میں چونکہ صلاۃ کا ذکر صراحت نہیں ہے اس لیے اس سے صرف ایک رکعت مراد ہے جس کے پڑھنے پر حالف حاث ہو جائے گا لیکن نفل نماز کی دوسری دو رکعت مستقل نماز ہے اور ان کی طرف قیام اس طرح ہے جس طرح شروع نماز میں تکبیر تحریمہ ہے سو ان میں قراءت کرنا اسی طرح فرض ہے جس طرح پہلی دو رکعت میں قراءت فرض ہے (نفل نماز سے فرض نماز کے علاوہ نماز مراد ہے خواہ سنت ہو یا محض نفل) اور باقی رہا فرض نماز کی دوسری دو رکعت (یا ایک) تو اس میں قراءت کے بغیر جائز ہے بلکہ قراءت کرنا ان میں سنت ہے اور تسبیح پڑھنا مباح ہے اور سکوت کرنا مکروہ ہے۔ [الجوهرة المبرورة ج ۱ ص ۸۷ مکتبہ ادبیہ لبنان] کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”الْقِرَاءَةُ فِي الْأَوَّلِينَ قِرَاءَةٌ فِي الْأَخْسَرِينَ“ فرض نماز کی پہلی دو رکعت میں قراءت کرنا آخری دو رکعت میں قراءت کرنے کے مترادف ہے یعنی پہلی دو رکعتوں کی قراءت دوسری دو رکعتوں کی قراءت کی ناعب ہے (اس لیے فرض کی آخری دو رکعتوں میں قراءت کرنا فرض نہیں سنت ہے اور وہ صرف سورت فاتحہ پڑھنا ہے) اور شیخین (امام بخاری و امام مسلم) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں: ”لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ“ اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورت فاتحہ نہیں پڑھی۔ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سورت فاتحہ نماز میں پڑھنا فرض ہے یہاں تک کہ نماز جنازہ میں بھی سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے کیونکہ اس سے جواز کی لٹی مراد ہے جبکہ حنفی کے نزدیک کمال کی لٹی مراد ہے یعنی ”لَا صَلَوةَ كَامِلَةً“ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قراءت کی فرضیت صرف ارشاد باری تعالیٰ: ”لَا تَقْرَءُوا وَلَا تَكْثُرُوا مِنَ الْقُرْآنِ“ [سورة البقرہ آیت ۲۰] سقرآن میں سے جو حصہ آسان ہو وہی پڑھ لو گے ثابت ہے۔ اور یہ حدیث خبر واحد ہے اس سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے ثبوت میں شہد ہے پس اس حدیث سے سورت فاتحہ کے پڑھنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے تاکہ قرآن وحدیث دونوں دلیلوں پر عمل ہو جائے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی تدریج ص ۱۳۱-۱۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

احتاف اس حدیث سے کمال کی لٹی اس لیے مراد لیتے ہیں کہ حضرت ابوبریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من صلى صلوٰۃ لم يقرأ فيها بآم القرآن فهي خداج ثلاثا غير تمام. [مکتبۃ الصالح ص ۸۷ باب القراءۃ] جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورت فاتحہ نہیں پڑھی تو وہ نماز ناقص ہے تین مرتبہ فرمایا یعنی ناقص و نامکمل ہے۔

نماز کا ناقص و نامکمل ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں سو اس کے ترک سے نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ ناقص و نامکمل اور نامکمل ہوگی اور چونکہ سورت فاتحہ کی تلاوت ہمارے ہاں واجب ہے اس لیے اس کے ترک سے عہدہ سہولاً لازم آئے گا جس کے ادا کرنے کے بعد نماز ناقص نہیں کامل ہو جائے گی۔

نماز میں بسم اللہ شریف بلند آواز سے نہ پڑھی جائے
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر

۱۵۔ بَابُ لَا تُجْهَرُ التَّسْمِيَةُ فِي الصَّلَاةِ
۱۰۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ وَسَلِّمْ وَآلِهِمْ وَتَحِيَّاتُكَ لَا يَجْهَرُونَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کو بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

بخاری (۷۴۳) مسلم (۸۹) ابوداؤد (۷۸۲) ترمذی (۲۴۶) نسائی (۹۰۸) ابن ماجہ (۸۱۳) سند احمد (ج ۳ ص ۱۷۹) طحاوی (۱۱۶۳) دارقطنی (ج ۱ ص ۳۱۵) سنن کبریٰ للبیہقی (ج ۲ ص ۵۱)

حل لغات

”لَا يَجْهَرُونَ“ یہ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف منفی باب فَتَحْ يَفْتَحْ سے ہے اس کا معنی ہے: آواز بلند کرنا بلند آواز سے بولنا۔

نماز میں ”بسم اللہ“ آہستہ پڑھنا مستنون ہے

یہ حدیث بہ ظاہر عام ہے کہ نہ تو سورت فاتحہ سے پہلے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی جائے اور نہ کسی اور سورت سے پہلے بلند آواز سے پڑھی جائے اور اس کا مضمون یہ ہے کہ آپ ﷺ اور شیخین بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کی بجائے آہستہ اور پست آواز سے پڑھا کرتے تھے اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوداؤد سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ”بسم اللہ“ اور ”اعوذ باللہ“ اور ”ربنا لك الحمد“ کو آہستہ اور پست آواز سے پڑھا کرتے تھے لیکن یہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت شدہ حدیث کے خلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ اس کو امام حاکم نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے اور اسے دارقطنی نے بھی صحیح قرار دیا ہے مگر ابن نمیرہ نے کہا کہ ہم نے دارقطنی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ بسم اللہ کو نماز میں بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے اور امام طحاوی اور علامہ ابن عبدالبر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ نماز میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا عرب کے دیہاتیوں کی قراءت ہے۔ امام ابن الصلاح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے نماز میں کبھی بسم اللہ کو بلند آواز سے نہیں پڑھا یہاں تک کہ آپ وصال فرما گئے۔ سو حضرت ابن عباس سے مروی روایات میں تعارض پیدا ہو گیا پس اگر ان کو تسلیم کیا جائے تو پھر جہر کی حدیثیں اس پر محمول ہوں گی کہ نبی کریم ﷺ کبھی کبھار ابتدا میں پست آواز بلند بسم اللہ پڑھتے ہوں گے تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ بسم اللہ کو نماز میں پڑھا جائے ترک نہ کیا جائے جیسا کہ امام مالک نے فرمایا اور اس معنی کی تائید امام مسلم کی حضرت انس سے مروی روایت سے ہوتی ہے جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی لیکن ان میں سے کسی نے نہیں سنا کہ اس نے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھی ہو اس حدیث میں بسم اللہ کے پڑھنے کی نفی مراد نہیں جیسا کہ اس کے ظاہر سے امام مالک نے بسم اللہ بالکل نہ پڑھنے پر استدلال کیا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ”بسم اللہ“ کو آہستہ اور پست آواز سے پڑھنے کی بنا پر حضرت انس اس کی سماعت نہیں کر سکے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت انس سے صراحت ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام نماز میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کو بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام نسائی نے صحیح کی شرط پر اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہیں سو یہ سب حضرات نماز میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ آہستہ اور پست آواز میں پڑھا کرتے اس کو امام ابن

ماجد نے روایت کیا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت حسن کے ذریعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین نماز میں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کو پست آواز سے پڑھتے تھے اور امام ثوری کا بھی یہی مذہب ہے علامہ ابن عبد البر اور علامہ ابن المنذر نے بیان فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ ابن الزبیر، حضرت عبداللہ ابن مغفل، حضرت عمار بن یاسر، حضرت حسن بن ابوالحسن، امام شعبی، امام ابراہیم نخعی، امام اوزاعی، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت قتادہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام اعظم، امام زہری، حضرت مجاہد، حضرت حماد، حضرت ابو سعید، امام احمد اور امام اسحاق وغیرہم کا یہی قول ہے۔ [شرح سند امام اعظم لملا علی القادری ص ۸۳۔ ۸۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

۱۰۱۔ اَبُو حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِي سَفْيَانَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَغْفَلٍ اَنَّهُ صَلَّى خَلْفَ اِمَامٍ فَجَعَلَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فَلَمَّا اَنْصَرَفَ قَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِحْسِنْ عَلٰی نِعْمَتِكَ هَلِیْهِ لَوِیْنِ صَلَّیْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ اَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْهُمْ يَجْهَرُوْنَ بِهَا وَهَذَا صَحَابِیْ قَالَ الْجَامِعُ وَرَوَتْ جَمَاعَةٌ هَذَا الْحَدِیْثُ عَنْ اَبِي حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِي سَفْيَانَ عَنْ يَزِيدَ عَنْ اَبُو عَنْ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قِیْلَ وَهَرِ الصَّوَابُ لِاَنَّ هَذَا الْخَبَرَ مَشْهُورٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَغْفَلٍ۔ ترمذی (۳۴۴) ابن ماجہ (۸۱۵) بخاری (۱۱۶۱)

حضرت یزید بن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی تو اس نے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کو بلند آواز سے پڑھا پھر جب (حضرت عبداللہ اور امام نماز سے) فارغ ہو گئے تو حضرت عبداللہ بن مغفل نے اس امام سے فرمایا: اے اللہ کے بندے! اپنا یہ نغمہ ہم سے بند رکھو (یعنی ”بِسْمِ اللّٰهِ“ اونچی آواز سے پڑھنا چھوڑ دو) کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں لیکن میں نے انہیں اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا اور یہ (حضرت عبداللہ بن مغفل) صحابی ہیں۔ جامع نے کہا کہ ایک جماعت نے یہ حدیث امام ابو حنیفہ سے انہوں نے حضرت ابوسفیان سے انہوں نے حضرت یزید (بن عبداللہ) سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے (اس طرح یہ حدیث مرفوعہ قرار پائے گی) اور بعض حضرات نے کہا کہ یہی صحیح اور درست ہے کیونکہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مغفل سے مروی ہونا مشہور ہے۔

حل لغات

”اَنْصَرَفَ“ یہ میثد واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب انفعال سے ہے اس کا معنی ہے: واپس ہونا باز رہنا لیکن یہاں اس کا معنی ہے: نماز سے فارغ ہو جانا۔ ”اِحْسِنْ“ میثد واحد مذکر فعل امر حاضر معروف باب صَرْفَ بَصْرٍ سے ہے اس کا معنی ہے: روکنا بند کر کے رکھنا گھر میں باندھ کر رکھنا۔ ”نَعْمَةً“ اس کا معنی ہے: گانے میں سر نکالنا، سریلی آواز لیکن یہاں اس کا معنی ہے: اونچی آواز میں بسم اللہ پڑھنا۔

سورتوں کے شروع میں بسم اللہ کے جزء ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف

تمام علمائے دین کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ نمل میں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ آیت کریمہ کا حصہ اور جزء ہے لیکن اس کے علاوہ جو سورتوں کے شروع میں لکھی جاتی ہے اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ کسی سورت کا جزء ہے یا نہیں۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی

جی نے تفسیر مظہری میں تین قول ذکر کیے ہیں:

(۱) مدینہ منورہ اور بصرہ کے قراء اور امام ابو حنیفہؒ نیز کوفہ کے فقہاء کا قول یہ ہے کہ ”بِسْمِ اللّٰهِ“ نہ تو سورۃ فاتحہ کا جزء ہے اور نہ کسی اور سورت کا جزء ہے بلکہ سورتوں کے شروع میں اسے صرف خیر و برکت کے لیے لکھا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ قرآن میں سے نہیں ہے لیکن حق بات یہ ہے کہ یہ قرآن مجید میں سے ہے اور سورتوں کے شروع میں فاصلہ کی خاطر لکھی جاتی ہے چنانچہ امام حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے جسے انہوں نے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ دو سورتوں کے درمیان فاصلہ کو نہیں پہچانتے تھے یہاں تک کہ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ نازل ہوئی۔

(۲) مکہ مکرمہ اور کوفہ کے قراء اور حجاز مقدس کے اکثر فقہاء کا قول ہے کہ بسم اللہ صرف سورت فاتحہ کا جزء ہے اس کے علاوہ کسی اور سورۃ کا جزء نہیں ہے اور سورتوں کے درمیان صرف قائلے کے لیے لکھی جاتی ہے۔

(۳) ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جزء ہے اور اسی طرح سورۃ توبہ کے سوا ہر سورۃ کا جزء ہے۔ امام شافعیؒ امام ثوریؒ اور حضرت عہد اللہ ابن مبارکؒ کا یہی قول ہے۔ [ماخذ التفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۰۳ مطبوعہ مدوۃ المصنفین دہلی]

پھر اس بات میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ کو نماز میں بلند آواز سے پڑھا جائے یا پست آواز میں پڑھا جائے سو پہلے قول کی بنا پر ”بِسْمِ اللّٰهِ“ کو نماز میں ہر حال میں آہستہ پڑھا جائے گا خواہ نماز جہری ہو یا سری ہو خواہ سورت فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت ہو اور دوسرے قول کی بنا پر بسم اللہ کو صرف سورۃ فاتحہ کے شروع میں فقط جہری نمازوں میں جہراً پڑھا جائے گا اور تیسرے قول کی بنا پر سورۃ توبہ کے علاوہ سورۃ فاتحہ اور ہر سورت کے شروع میں جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سراپندی جائے گی۔

۱۶۔ بَابُ قِرَاءَةِ سُورَةِ التِّينِ فِي الْعِشَاءِ نماز عشاء میں سورۃ التین کی تلاوت کرنا

۱۰۲۔ ابُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ بْنِ الْأَرْبَاءِ لَأَنَّ حضرت براء بن عازبؓ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز باجماعت ادا کی اور آپ نے عشاء کی نماز میں سورۃ التین والزیتون کی تلاوت فرمائی۔

بخاری (۲۶۹) مسلم (۱۰۳۸) ترمذی (۳۱۰) نسائی (۱۰۰۱) ابن ماجہ (۸۳۸)

نماز میں رسول اللہ ﷺ کی لمبی اور کبھی مختصر قراءت کی حکمتیں

امام بخاریؒ امام مسلمؒ اور امام ابن ماجہؒ وغیرہم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عدی بن ثابتؓ نے حضرت براء بن عازبؓ سے بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اور فرمایا کہ میں نے آپ کی تلاوت سنی آپ نماز عشاء میں ”والتین والزیتون“ پڑھ رہے ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو عشاء کی نماز پڑھائی اور بڑی طویل اور لمبی نماز پڑھائی تو رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ سے شکایت سن کر حضرت معاذ سے) فرمایا: ”وَالشَّمْسُ وَصَهْفُهَا“ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ”اور ”اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“ پڑھ لیتے۔ [تسبیح الطحطاوی شرح مسند الامام ص ۳۰ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

دراصل نماز کی قراءت میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں بعض میں طویل اور لمبی قراءت کا ذکر ہے اور بعض میں مختصر اور چھوٹی قراءت کا ذکر ہے مگر یہ احادیث آپس میں ایک دوسرے سے متعارض نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی تلاوت موقع و محل اور حالت و

وقت کے لحاظ سے مختلف ہوتی تھی آپ بھی ایسی قراءت کرتے اور بھی مختصر اور چھوٹی قراءت کرتے جیسا موقع ہوتا ایسے تلاوت کرتے نیز بعض حالات میں مستحب پر عمل فرماتے اور بعض حالات میں صرف جواز پر عمل فرماتے لہذا احادیث آپس میں ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔ [ماخذ: بحر مازراۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۰، نعیمی کتب خانہ کجرات]

نماز فجر میں قراءت کا بیان

۱۷۔ بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ

۱۰۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ وَمُسْعَرٌ عَنْ زَيْدٍ عَنْ قُتَيْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي إِحْدَى رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ وَالنَّحْلَ بِأَمْسَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ۔
حضرت قطبہ بن مالک شلبی رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز فجر کی دو رکعتوں میں کسی ایک رکعت میں ”وَالنَّحْلَ بِأَمْسَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ“ کی قراءت کرتے ہوئے سنا ہے۔

مسلم (۱۰۲۵) ترمذی (۳۰۶) نسائی (۹۵۱) ابن ماجہ (۸۱۶)

حل لغات

”رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ“ اصل میں رکعتیں تھیں لیکن اضافت کی وجہ سے نون ثنیہ گر گیا ہے۔ ”النَّحْلُ“ اس کا معنی ہے: کجوریں اور اس کا واحد ”نَحْلَةٌ“ ہے۔ ”بِأَمْسَاتٍ“ یہ معنی دراز اور لمبی اس کا واحد ”بِأَمْسَاتٍ“ ہے۔ ”طَلْعٌ“ اس کا معنی ہے گا یا شگوفہ۔ ”نَضِيدٌ“ تہ بہ تہ اور پیچھے پیچھے جڑی ہوئی کجوریں کی ہوئی کجوریں۔

قراءت کی تحقیق

یاد رہے کہ اس حدیث میں جس آیت کریمہ کی تلاوت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ چھ بیسویں پارہ میں سورۃ ق کی آیت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز فجر میں سورۃ ق کی تلاوت فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فجر کی نماز میں سورۃ ”ق وَالْقُرْآنِ“ پڑھا کرتے تھے اور اسی طرح کی کوئی اور سورۃ تلاوت فرماتے تھے اور بعد میں آپ کی نماز کچھ بالکل ہو گئی۔ رواہ مسلم۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۷، مطبوعہ دار المطابع دہلی]

قرآن عظیم سورۃ حجرات سے آخر تک مفصل کہلاتا ہے اس کے تین حصے ہیں: سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک طوال مفصل ہیں اور ”بروج“ سے ”لم یکن“ تک اوساط مفصل ہیں اور ”لم یکن“ سے سورۃ ”ناس“ تک قصار مفصل ہیں۔ سنّت یہ ہے کہ فجر و ظہر و عشا میں ہر رکعت میں کامل سورۃ اوساط مفصل سے اور مغرب کی ہر رکعت میں ایک سورۃ کاملہ قصار مفصل سے پڑھی جائے اگر وقت تنگ ہو یا جماعت میں کوئی مریض یا زیادہ بوڑھا یا کسی شدید ضرورت والا شریک ہو جس پر اتنی دیر میں ایذا و تکلیف اور حرج ہوگا تو اس کا لحاظ کرنا لازم ہے اور جس قدر وقت کمزور نہ ہونے پائے اور اس مقتدی کو تکلیف نہ ہو اسی قدر پڑھیں اگرچہ صبح کی نماز میں ”إِنَّا أَعْطَيْنَا“ اور ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ ہوں۔

یہی سنت ہے اور جب یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو اس مذکورہ طریقہ کو ترک کرنا اور صبح یا عشا میں قصار مفصل پڑھنا ضرور خلاف سنت و مکروہ ہے مگر نماز ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم! [الماذی رضویہ ج ۳ ص ۳۳، مطبوعہ دار الاشاعت طبریہ رضویہ لکھ پور فیصل آباد]

۱۸۔ بَابُ قِرَاءَةِ الْإِمَامِ قِرَاءَةً لِّمَنْ خَلْفَهُ

۱۰۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُوسَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ

امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

شَدَّادٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَهُ الْإِمَامُ لَهُ قِرَاءَةً وَهُوَ يَدْرِي بِرَوَايَةِ أَنَّ رَجُلًا قَرَأَ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّهْرِ أَوْ الْعَصْرِ وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَتَنَاهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اتَّهَانِي أَنْ أَقْرَأَ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ أَكْرَأَ ذَلِكَ حَتَّى سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى غَلَفَ الْإِمَامِ كَانَ قِرَاءَةً الْإِمَامَ لَهُ قِرَاءَةً. وَهُوَ يَدْرِي قَالَتْ جَابِرٌ لِرَجُلٍ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَلَيْسَ بِرَوَايَةٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ فَقَرَأَ رَجُلٌ خَلْفَهُ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ أَيُّكُمْ قَرَأَ خَلْفِي ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ مَنْ صَلَّى غَلَفَ الْإِمَامِ كَانَ قِرَاءَةً الْإِمَامَ لَهُ قِرَاءَةً. وَهُوَ يَدْرِي قَالَتْ انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ أَوْ الْعَصْرِ فَقَالَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ سُبْحَ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى لَسَكْتُ الْقَوْمَ حَتَّى سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ يَوْمًا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَقَدْ رَأَيْتُكَ تَنَازَعْنِي أَوْ تُخَالِجُنِي الْقُرْآنَ.

بخاری (۹۱) مسلم (۸۸۷) ابوداؤد (۸۲۶-۸۲۹)

ترمذی (۳۱۲) نسائی (۹۱۹-۹۲۰) ابن ماجہ (۸۵۰) طحاوی

(۱۲۵۹) در قلعنی (ج ۱ ص ۳۲۳)

فرمایا کہ جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز میں یا عصر کی نماز میں قرآن مجید میں سے کچھ پڑھا اور ایک آدمی نے اسے اشارہ کر کے منع کیا (لیکن وہ باز نہ آیا) پھر وہ نماز سے فارغ ہو کر کہنے لگا: کیا تم مجھے نبی کریم ﷺ کے پیچھے پڑھنے سے منع کرتے ہو؟ دونوں نے اس بات کا اتنی بلند آواز سے تذکرہ کیا کہ نبی کریم ﷺ نے سن لیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو امام کا پڑھنا ہی اس کا پڑھنا ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں قراءت کی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے منع فرمایا۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو ایک آدمی نے آپ کے پیچھے (قرآن مجید میں سے کچھ) پڑھا پھر جب آپ نے نماز مکمل ادا فرمائی تو تین دفعہ فرمایا کہ تم میں سے کس نے میرے پیچھے (قرآن مجید میں سے کچھ) پڑھا ہے تو ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے پڑھا ہے سو آپ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا: جب نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز یا عصر کی نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے کس شخص نے (میرے پیچھے) سورت "سُبْحَ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى" کو پڑھا ہے؟ تمام لوگ خاموش رہے یہاں تک کہ آپ نے یہ سوال بار بار دہرایا پھر لوگوں میں سے ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے پڑھا ہے۔ آپ نے فرمایا: بے شک میں نے تمہیں دیکھا ہے کہ تم قرآن کی تلاوت کے ساتھ مجھ سے جھگڑا کر رہے ہو یا تم اسے مجھ پر غلط ملط کر رہے ہو۔

حل لغات

”أَوْمَأَ“ یہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: اشارہ کرنا۔ ”فَتَنَاهُ“ فاعل صلیبیہ ہے اور آ خر میں ضمیر متصل مفعول بہ کی ہے اور ”تَنَاهَا“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت اور ”اتَّهَانِي“ ہمزہ استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور آ خر میں لون وقایہ اور یاء متکلم کی ہے اور ”تَنَاهَا“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل مضارع معروف مثبت دونوں متعل یا لی

باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہیں ان کا معنی ہے: روکنا، منع کرنا۔ "فَلَا تَكْرَاهُوا" یہ صیغہ تشبیہ مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب مفاعله سے ہے اس کا معنی ہے: مذکر کرنا، باہم تکرار۔ "فَلَا تَكْرَاهُوا" آخر میں نون وقایہ اور یائے متکلم مفعول بہ ہے اور "فَلَا تَكْرَاهُوا" صیغہ واحد مذکر حاضر فعل مضارع معروف مثبت باب مفاعله ہے اس کا معنی ہے: آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا۔ "فَلَا تَكْرَاهُوا" آخر میں نون وقایہ اور یائے متکلم ضمیر مفعول ہے۔ "فَلَا تَكْرَاهُوا" صیغہ واحد مذکر مضارع معروف مثبت باب مفاعله سے ہے اس کا معنی ہے: الجھادینا، غلط ملط کرنا، گڈمڈ کر دینا۔

قراءت خلف الامام کی تردید کے دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا

اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو
لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ (الاعراف: ۲۰۳)

تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جس وقت قرآن کریم پڑھا جائے خواہ نماز میں یا خارج نماز اس وقت سنتا اور خاموش رہنا واجب ہے۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس طرف ہیں کہ یہ آیت مقتدی کے سننے اور خاموش رہنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ نماز میں امام کے ساتھ قراءت کرتے ہیں تو نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا: کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اس آیت کے معنی سمجھو غرض اس آیت سے قراءت خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس کو اس کے مقابل جہت قرار دیا جاسکے۔ قراءت خلف الامام کی تائید میں سب سے زیادہ جس حدیث پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ یہ ہے: "لَا صَلَوةَ إِلَّا بِطَاعَةِ الْكِتَابِ" مگر اس حدیث سے قراءت خلف الامام کا وجوب تو ثابت نہیں ہوتا صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی تو جب حدیث "قِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَكُمْ قِرَاءَةٌ" سے ثابت ہے کہ امام کا قراءت کرنا ہی مقتدی کا قراءت کرنا ہے سو جب امام نے قراءت کی اور مقتدی ساکت و خاموش رہا تو اس کی قراءت حکمہ ہوئی اس کی نماز بے قراءت کہاں رہی یہ قراءت حکمہ ہے پس امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے سے قرآن وحدیث دونوں پر عمل ہو جاتا ہے لیکن امام کے پیچھے قراءت کرنے سے اس آیت کریمہ کا اتباع متروک ہو جاتا ہے لہذا ضروری ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی فاتحہ وغیرہ کچھ نہ پڑھے۔ (ماخذ از عزائم بعرفان فی تفسیر القرآن ص ۳۱۷ مطبوعہ نیاہ القرآن لاہور)

علامہ کمال الدین ابن الصمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں دو چیزیں مطلوب ہیں: (۱) سامت (۲) انصات و خاموشی پس جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے گی ان دونوں میں سے ہر ایک پر لازمی طور پر عمل کیا جائے گا اور واضح بات یہ ہے کہ سامت تو جہری تلاوت کے ساتھ مخصوص ہے البتہ سکوت و خاموشی اپنے اطلاق پر جاری ہے لہذا قرآن مجید کی قراءت و تلاوت کے وقت مطلقاً (یعنی ہر حال میں) سکوت و خاموشی واجب ہے۔ علامہ ابوالبرکات نسفی نے تفسیر مدارک التزیل میں لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز وغیرہ میں قرآن مجید کی تلاوت و قراءت کے وقت اسے سنتا اور خاموشی واجب ہے اور اللہ عزوجل نے فرمایا: "فَلَا تَقْرَءُوا مَعَ سُرْمِينَ الْقُرْآنِ" سو قرآن میں سے جو حصہ آسان ہو وہی تم پڑھ لیا کرو نیز نبی کریم ﷺ نے نماز کی تعلیم دیتے ہوئے ایک اعرابی سے فرمایا کہ تمہیں قرآن میں سے جو آسان لگے وہی پڑھ لو۔ سو معلوم ہوا کہ نماز میں مطلق قراءت فرض ہے خواہ سورت فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت ہو اور یہی مذہب کتاب اللہ اور احادیث رسول کے موافق ہے۔ (ماشیہ شرح مسند امام اعظم لامل قاری ص ۳۰۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت) امام مسلم نے یہ حدیث نقل کی

ہے کہ ”لَإِذَا قُؤُوا فَانصِتُوا“ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ امام مسلم نے کہا: یہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔

[صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۷۲، مطبوعہ دار محمد صالح الطالح، کراچی]

(۲) امام نسائی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّمَا الْأَمَامُ يُقْرَأُ بِهِ لَإِذَا تَكَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قُؤُوا فَانصِتُوا“ (ترجمہ:) بے شک امام صرف اس لیے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء اور پیروی کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن کی قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ امام ابو عبد الرحمن نسائی کہتے ہیں کہ علامہ فخری کہتے تھے: حضرت محمد بن سعد انصاری ثقہ راوی ہیں۔

[سنن نسائی ج ۱ ص ۹۳، مطبوعہ دار محمد صالح الطالح، کراچی]

یاد رہے کہ امام ابن ابی شیبہ (متوفی ۲۴۵ھ) نے اپنی مصنف میں قراءت خلف الامام کی کراحت میں ستائیس احادیث روایت کی ہیں ان میں سے چند احادیث یہاں بیان کی جاتی ہیں:

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے قراءت کرتے تھے تو آپ نے فرمایا: ”خَلْفَتُمْ عَلَى الْقَوَانِ“ تم نے مجھ پر قرآن مجید غلط ملط کر دیا۔

(۴) حضرت عبد اللہ بن شداد نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ كَانَ إِمَامًا فَلْيَوَازِلْهُ لَكَ قِرَاءَةٌ“ جس شخص کا کوئی امام ہو تو کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔

(۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”مَنْ قُؤَا خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَخْطَأَ الْفُطْرَةَ“ جس نے امام کے پیچھے قراءت کی اس نے فطرت کے خلاف کیا۔

(۶) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”وَذَكَ أَنَّ الْأَوَّلَى يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي بَيْتِ جُمُرَةٍ“ میں پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کے منہ میں آگ کے انگارے ہوں۔

(۷) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ“ امام کے پیچھے قراءت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۸) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تَكْفِيكَ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ“ (اے مقتدی!) تجھے امام کی قراءت کافی ہے۔

(۹) امام ابراہیم نخعی نے روایت کیا کہ حضرت اسود بن یزید بن قیس نخعی نے فرمایا کہ مجھے امام کے پیچھے قراءت کرنے کی بجائے انگارے چبانا زیادہ پسند ہے۔ یہ شرطیکہ مجھے معلوم ہو کہ امام قراءت کر رہا ہے۔

(۱۰) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ إِلَّا جَهْرًا وَلَا إِنْ حَافَتْ“ امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے خواہ وہ بلند آواز سے قراءت کرے یا پست آواز سے قراءت کرے۔

(۱۱) حضرت ابو ہارون نے کہا: میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے قراءت خلف الامام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ”بِكُفَيْكَ ذَلِكَ الْإِمَامُ“ تمہیں اس کے لیے امام کافی ہے۔

(۱۲) حضرت اسود بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے تو ”قُلِي قُؤُوا تَرَابًا“ اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔

(۱۳) حضرت مغیرہ حضرت ابراہیم نخعی سے بیان کرتے ہیں کہ آپ امام کے پیچھے قراءت کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ تمہیں امام کی قراءت کافی ہے۔

(۱۴) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَا صَلَوةَ لَهُ“ جس نے امام کے پیچھے قراءت کی تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔

(۱۵) حضرت ولید بن قیس نے کہا: میں نے حضرت سید بن غفلہ سے پوچھا:

”أَقْرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَقَالَ لَا“۔

میں ظہر اور عصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کر لوں تو آپ نے فرمایا نہیں۔

(۱۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک امام صرف اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء اور پیروی کی جائے سو جب وہ ”اللّٰهُ أَكْبَرُ“ کہے تو تم بھی ”اللّٰهُ أَكْبَرُ“ کہو۔

”وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا“ جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

(۱۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”كُلُّ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَيَقْرَأُ فَهُوَ قِرَاءَةٌ“ ہر وہ شخص جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۱۲-۳۱۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان]

فیصلہ الشیخ العلامة ابو محمد بن احمد المعروف بدرا الدین الحنفی لکھتے ہیں:

قراءت خلف الامام کی ممانعت اسی (۸۰) اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے ان میں حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ عنہم ہیں اور اس سب کے اسمائے گرامی محدثین کرام کے پاس محفوظ ہیں سو ان تمام حضرات کا اتفاق اجماع کی مانند ہے پس اس لیے ہمارے اصحاب میں سے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ قراءت خلف الامام کے ترک پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

رَوَى مَنْعُ الْقِرَاءَةِ فِي خَلْفِ الْإِمَامِ عَنْ ثَمَانٍ مِنَ الصَّحَابَةِ الْكِبَارِ مِنْهُمْ: الْمُرْتَضَى وَالْوَهَّابُ وَالْقَلَاءَةُ وَأَسَاطِيرُهُمْ جُنْدُ أَهْلِ الْخَيْبَةِ مَكَانَ يَتَّفِقُهُمْ بِمَنْزِلَةِ الْأَجْمَاعِ لَمَنْ هَذَا قَالَ صَاحِبُ (الْهَدَايَةِ) مِنْ أَصْحَابِنَا وَحَلَّى تَرْكُ الْقِرَاءَةِ فِي خَلْفِ الْإِمَامِ إجماع الصَّحَابَةِ. [عمد القاری شرح معجم البخاری ج ۳ ص ۴۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان]

تطبیق کا منسوخ ہونا

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم (پہلے ابتداء میں) تطبیق کیا کرتے تھے پھر ہمیں گھنٹوں پر ہاتھ رکھ کر پکڑنے کا حکم دیا گیا۔

۱۹۔ بَابُ بَيَانِ نَسْخِ التَّطْبِيقِ

۱۰۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي يَحْيَى عَنْ حُذَافَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نَطْبِيقُ ثُمَّ أُمِرْنَا بِالرُّكُوبِ.

بخاری (۷۹۰) مسلم (۱۱۹۶) ابوداؤد (۸۶۷) ترمذی (۲۵۹) نسائی (۱۰۳۴) ابن ماجہ (۸۷۳)

حل لغات

”نُطْبِيقُ“ یہ میثاق جمع مکمل فعل مضارع معروف مثبت باب تکمیل سے ہے اس کا معنی ہے: ہاتھوں کو بند رکھنا، کسی چیز کا بند ہونا، موافق و مطابق ہونا، عرف شرع میں رکوع کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں کے درمیان رکھنا۔ ”أُمِرْنَا“ میثاق جمع

حکلم فعل ماضی مجہول ثبت باب نَصَرَ مَنْصُرٌ سے ہے اس کا معنی ہے: حکم دینا۔ ”بِالْوَثْبِ“ جمع ہے اس کا واحد ”الْوَثْبَةُ“ ہے جس کا معنی ہے: گھٹنا زانو۔

تطبیق کے منسوخ ہونے کے دلائل

اس حدیث کو ائمہ حدیث نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابو یوسف اور حضرت معصب بن سعد اور سعد بن مالک ابو وقاص سے مرفوع روایت کیا ہے نیز امام شعبہ کے واسطے سے حضرت ابو یوسف سے مروی ہے کہ امام بخاری نے از ابی الولید از شعبہ از ابی یوسف روایت کی ہے کہ میں نے حضرت معصب بن سعد سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص کے پہلو میں نماز پڑھی سو میں نے رکوع میں اپنی دونوں ہتھیلیوں کو باہم ملایا یا پھر میں نے ان دونوں کو اپنی رانوں کے درمیان رکھا میرے والد نے مجھے منع کیا اور فرمایا: ہم پہلے یہ کرتے تھے پھر اس سے منع کر دیا گیا اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھا کریں اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا تمہارے لیے سنت ہے پس تم گھٹنوں پر ہاتھ رکھا کرو۔ اس باب میں حضرت سعد، حضرت انس، حضرت ابو حمید، حضرت ابو اسید، حضرت سہل بن سعد، حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں امام ابو یوسف ترمذی نے کہا کہ حضرت عمر کی حدیث حسن صحیح ہے اور صحابہ کرام تابعین اور ان کے بعد تمام اہل علم حضرات کا اسی پر عمل ہے اس مسئلہ میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور آپ کے بعض اصحاب (جن کو نسخ کی روایت نہیں پہنچی تھی) تطبیق کرتے تھے یعنی دونوں ہاتھوں کو باہم ملا کر رانوں کے درمیان رکھ لیتے تھے لیکن اہل علم کے نزدیک تطبیق منسوخ ہے کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم پہلے تطبیق کرتے تھے پھر ہمیں اس سے منع کر دیا گیا اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کی اس روایت کو حضرت تھیبہ نے حضرت ابو عوانہ، حضرت ابو یوسف اور حضرت معصب بن سعد کے واسطے سے بھی بیان کیا ہے۔ علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں کہا ہے کہ ہمارا مذہب اور امام علماء کا مذہب یہی ہے کہ رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے اور تطبیق مکروہ ہے البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور آپ کے دونوں ساتھی حضرت علقمہ اور حضرت اسود کہتے ہیں کہ تطبیق سنت ہے کیونکہ انہیں نسخ حدیث نہیں پہنچی اور وہ حضرت سعد ابی وقاص کی حدیث سے اور یہاں اس بحث سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ تطبیق منسوخ ہے اور اس کے نسخ کی روایت صریح اور ظاہر ہے اور اس کی ممانعت میں اخبار صحیحہ اور عمدہ اسناد کے ساتھ مرفوع حدیث مروی ہے سو اس بنا پر امام ابو حنیفہ پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو بعض مخالفین نے وارد کیا ہے کہ ابو حنیفہ نے رفع یدین کے مسئلہ میں تو تمام صحابہ کو چھوڑا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑا اور ترک رفع یدین کو اختیار فرمایا لیکن یہاں تطبیق کے مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا دامن نہیں پکڑا بلکہ ان سے اختلاف کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ترک رفع یدین کے مسئلہ میں نسخ ثابت نہیں ہے چنانچہ اس کے نسخ پر کوئی حدیث مرفوع یا موقوف، صحیح یا ضعیف صراحۃً یا کنایۃً نہیں ملی اور اس کا تصور ممکن ہے جیسا کہ ترک رفع یدین کی بحث میں پہلے ہم نے بیان کر دیا ہے اور جب ترک رفع یدین صحیح احادیث سے ثابت ہو گیا تو آپ نے ترک رفع یدین کے موقف کو اپنا لیا اور یہاں چونکہ تطبیق کا نسخ صحیح احادیث سے ثابت ہو چکا ہے اس لیے آپ نسخ کے قائل ہو گئے اور بتا دیا کہ تطبیق سنت نہیں ہے بلکہ رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے اور یہ کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود اور آپ کے ساتھیوں پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ ہم اللہ تعالیٰ اس کے رسول اس کی کتاب اور احادیث نبویہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم نے ترک رفع یدین اس لیے اپنا لیا کہ یہ سنت نبویہ ہے نہ کہ یہ سنت مسعودیہ ہے۔ [ماخوذ از تسبیح الظہام فی شرح مسند الامام ص ۷۰ حاشیہ ۹ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۲۰۔ بَابُ الْإِمَامِ يَقُولُ التَّسْمِيعَ وَالْمُؤْتِمُّ التَّحْمِيدَ

۱۰۶۔ إِبْنُ أَبِي السَّيِّحِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ رَأَيْتُ أَبَا خَبِيفَةَ يَسْأَلُ عَطَاءَ عَنِ الْإِمَامِ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِيدُهُ أَيْقُولُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ قَالَ مَا عَلَيْهِ أَنْ يَقُولُ ذَلِكَ ثُمَّ رَوَى عَنِ ابْنِ عُمَرَ صَلَّى بِنَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِيدُهُ فَقَالَ رَجُلٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَنْ ذَا الْمَعْكَلِمِ بِهَذِهِ هَالِكًا فَلَمَّا قَامَ قَالَ الرَّجُلُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ قَالَ هُوَ الَّذِي يَغْنِي بِالْحَقِّ لَقَدْ رَأَيْتُ بَضْعَةً وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَتَدَرُونَ أَيُّهُمْ يَكْتُمُهَا لَكَ وَأَوَّلُ مَنْ يَرُفَعُهَا.

بخاری (۷۹۹) ابودود (۷۲۰) نسائی (۱۰۶۳)

امام رکوع کے بعد ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِيدُهُ“ کہے اور مقتدی ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ کہے

حضرت ابن ابی السیح بن طلحہ نے کہا: میں نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ وہ حضرت عطاء بن ابی رباح سے یہ سوال کر رہے ہیں کہ جب امام رکوع کے بعد ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِيدُهُ“ کہے گا تو کیا وہ ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ بھی کہے گا؟ حضرت عطاء نے فرمایا کہ امام پر یہ کہنا ضروری نہیں پھر انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی کہ (حضرت ابن عمر نے فرمایا:) نبی کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو آپ نے ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِيدُهُ“ فرمایا پھر ایک آدمی نے کہا: ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ“ پس جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو تم میں مرجع فرمایا: یہ کلمات کس نے کہے ہیں؟ ایک آدمی نے عرض کیا: یا نبی اللہ! میں نے (یہ کلمات کہے ہیں) آپ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھجوا ہے میں نے تم سے زیادہ فرشتوں کو اس کو طرف جھپٹتے ہوئے دیکھا ہے ان میں سے کون ان کلمات کو سب سے پہلے لکھ لیتا اور کون سب سے پہلے انہیں اوپر لے جاتا ہے۔

حل لغات

”رَوَى“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب مضروب سے ہے اس کا معنی ہے: روایت کرنا بیان کرنا نقل کرنا۔ ”يَغْنِي“ اس کے آخر میں یا ئے متکلم اور نون وقایہ ہے جبکہ ”بَعَثَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فَتْحٍ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: مبعوث کرنا بھیجنا اٹھانا۔ ”يَتَدَرُونَ“ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب يَجْعَلُ سے ہے اس کا معنی سبقت کرنا آگے بڑھنا دوڑنا۔

تسمیع و تحمید کہنے کی تحقیق

تمام ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ مقتدی ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِيدُهُ“ کا ذکر نہیں کرے گا البتہ امام ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ کہے گا یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے سوال کے جواب میں حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا: ”مَا عَلَيْهِ“ کہ اس پر لازم نہیں اور یہ معنی بھی ہے کہ امام ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ کہہ لے اس پر حرج نہیں اور شرح الاقطاع میں امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ امام اور مقتدی دونوں کو جمع کریں گے اور اصح قوں میں امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے اسی کو اختیار کیا ہے جیسا کہ ابن مالک نے شرح المشرق میں ذکر کیا ہے لیکن احناف کا مشہور مذہب یہ ہے کہ منفرد اور اکیلا نمازی دونوں کو جمع کرے گا

یعنی ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ اور ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ دونوں کہے گا لیکن امام فقط ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ پر اکتفا کرے گا اور مقتدی صرف ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ کہے گا اور ایک قول میں امام شافعی نے یہی فرمایا ہے اور آپ کے بعض اصحاب نے بھی یہی اختیار کیا ہے اور امام مالک امام احمد بن حنبل اور امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے اس کی دلیل صحیح مسلم کی حدیث ہے جس میں ہے: ”إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ جب امام کہے: ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ تو تم کہو: ”اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے کلمات کو تقسیم فرمایا کہ امام صرف تمسج کہے گا اور تم صرف تحمید کہو گے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے اور اس حدیث کو امام احمد امام بخاری امام نسائی اور امام ابن حبان نے حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے آپ نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا تو آپ کے پیچھے ایک آدمی نے کہا: ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ“ پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: یہ کلمات ابھی کس نے بولے ہیں؟ ایک آدمی نے عرض کیا: میں نے کہے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں نے تم سے زائد فرشتوں کو اس کی طرف جھپٹتے ہوئے دیکھا ہے کہ ان میں سے کون ان کلمات کا اجر و ثواب سب سے پہلے لے لے۔

[شرح منہاج امام اعظم لجامی قاری ص ۱۶۱-۱۶۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

سجدہ میں ہاتھوں سے پہلے
گھٹنے رکھنے کا بیان

۲۱۔ بَابُ وَضْعِ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ
الْيَدَيْنِ فِي السُّجُودِ

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنوں کو زمین پر رکھتے اور جب (سجدہ سے سر اٹھا کر) کھڑے ہونے لگتے تو اپنے گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے۔

۱۰۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ.

ترمذی (۲۶۸) ابوداؤد (۷۳۸) نسائی (۱۰۹۰) ابن ماجہ (۸۸۴) ترمذی (۱۴۸۱)

سجدہ میں جاتے وقت اعضاء رکھنے کی ترتیب

حضرت وائل بن حجر کی اس حدیث کو امام ابوداؤد امام ترمذی امام نسائی امام ابن ماجہ اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔ مشکوٰۃ الصالح ص ۸۳ باب السجود وفضل مطبوعہ مطبع المطابع دہلی عطائے دین مشین نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت زمین سے قریب ترین عضو زمین پر پہلے رکھا جائے بعض پہلے گھٹنے پھر ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی رکھی جائے اور بعض کے نزدیک ناک اور پیشانی میں ترتیب نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں ایک عضو ہیں اور سجدے سے اٹھتے وقت اس کے برعکس کیا جائے کہ پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے اٹھائے جائیں۔ [ماخذ از اربعہ المطبوعات ج ۱ ص ۳۹۷ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکس مراۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۵ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات]

جمہور ائمہ دین امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام احمد ضلیل کا مشہور مذہب یہی ہے کہ وہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور سجدہ میں جاتے وقت ہاتھوں سے پہلے گھٹنے زمین پر رکھتے ہیں جبکہ امام مالک امام اوزاعی اور ایک قول کے مطابق امام احمد اور انہما کا ایک گروہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کرتے ہیں جس میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ گھٹنوں کو زمین پر رکھنا چاہئے لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث حضرت ابو ہریرہ کی حدیث

سے زیادہ صحیح اور زیادہ ثابت و قوی تر ہے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کو صحیح ترین اور راسخ قرار دیا ہے اور جب ایک مسئلہ میں دو مختلف حدیثیں وارد ہو جائیں تو اس وقت زیادہ قوی اور زیادہ صحیح پر عمل کیا جاتا ہے اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث ناخ ہے اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث منسوخ ہے اور صحیح ابن خزیمہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ مجہدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھتے تھے اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوسعید خدری کی حدیث میں ہے کہ ہم شروع میں گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو زمین پر رکھا کرتے تھے پھر بعد ازاں ہمیں ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کا حکم دیا گیا۔

[اصح المسندات ج ۱ ص ۳۹۷ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ مکہ]

علامہ ابن الہمام نے فرمایا کہ حضرت وائل کی ایک حدیث میں ہے جب نبی کریم ﷺ مجہدہ سے اٹھتے تو اپنی رانوں کا سہارا لیتے اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مجہدہ سے اٹھتے وقت زمین پر ہاتھ رکھ کر سہارا لیتے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیثیں آپ کے بڑھاپے کے حال پر محمول ہیں یا پھر جواز کے بیان کے لیے ایسا کیا۔ امام طحاوی نے فرمایا: زمین پر ہاتھ رکھ کر سہارا لینا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ حلوانی نے کہا ہے کہ اختلاف صرف الفضل عمل ہونے میں ہے۔

[شرح منہ امام اعظم ص ۴۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

سات اعضاء پر سجدہ
کرنے کا حکم

۲۲۔ بَابُ الْاَمْرِ اَنْ يَسْجُدَ
عَلَى سَبْعَةِ اَعْضَاءٍ

۱۰۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ هُبَيْرٍ
اَوْ غَيْرِهِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ اَوْجِبِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَسْجُدَ
عَلَى سَبْعَةِ اَعْضَاءٍ

امام ابو حنیفہ حضرت طاووس سے وہ حضرت ابن عباس یا کسی اور صحابی سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو وحی کے ذریعے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے

بخاری (۸۰۹) مسلم (۱۰۹۷) ابوداؤد (۸۸۹) ترمذی (۲۷۳) نسائی (۱۰۹۴) ابن ماجہ (۸۸۴) طحاوی (۱۴۱۸)

حل لغات

”اَوْحِيَ“ صیغہ واحد کرغائب فعل ماضی مجہول مثبت باب افعال سے ہے اور یہ ”وَحْيٌ“ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے: ارشاد کرنا، پیغام دینا، الہام کرنا، مخفی اور پوشیدہ پیغام بھیجنا، انبیائے کرام کی طرف وحی کرنا۔ ”اَعْظَمُ“ یہ عظیم کی جمع ہے اس کا معنی ہے: ہڈی۔

سجدہ میں پیشانی اور ناک زمین پر لگانے میں مختلف اقوال

امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد حنبل اور تمام ائمہ حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سات اعضاء پر سجدہ کرنا مشروع ہے جن میں پیشانی، دو ہاتھ، دو گھٹنے اور دو قدم شامل ہیں البتہ ناک کے بارے میں اختلاف ہے۔

[المعنی ج ۱ ص ۳۰۳-۳۰۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ]

امام ابو حنیفہ کے نزدیک پیشانی یا ناک میں سے کسی ایک پر سجدہ کرنا فرض ہے اور پیشانی کے ساتھ ناک بھی لگانا سنت یا مستحب ہے اگر ناک نہ لگی تب بھی سجدہ ہو جائے گا کیونکہ اس باب کی پہلی حدیث میں ناک کا ذکر نہیں ہے اگر واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ

فَلْيَضَعْ كُلَّ عَظْمٍ مَوْضِعَهُ وَإِذَا رَكَعَ فَلَا يَدْبِغْ
تَدْبِغُ الْحِمَارِ۔

بخاری (۸۱۲) مسلم (۱۰۹۸) نسائی (۱۰۹۸) ابن ماجہ (۸۸۴)

حل لغات

”مَقْتَمٌ“ آگے کسی چیز کا سامنے کا حصہ اس سے پاؤں کی انگلیوں کے پورے مراد ہیں۔ ”فَلْيَضَعْ“ میخذ واحد مذکر حاضر فعل امر حاضر مثبت باب فَضَحَ يَفْضَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: لکھنا۔ ”فَلَا يَدْبِغْ“ میخذ واحد مذکر غائب فعل نفی معروف باب تَفْعِيل سے ہے اس کا معنی ہے: اپنے سر کو پشت سے زیادہ نیچے جھکا لینا (جبکہ پشت اور سر کو رکوع میں برابر رکھنا سنت ہے)۔

رکوع کرنے کی کیفیت کی توضیح

اس حدیث میں دو مسائل کی وضاحت کی گئی ہے ایک تو سجدہ کرنے کی وضاحت کی گئی ہے کہ نمازی اپنی نماز میں سات اعضاء پر سجدہ کرے جس کی تفصیل و تشریح اس سے پہلی حدیث میں بیان کر دی گئی ہے اور دوسرا مسئلہ رکوع کی کیفیت کی وضاحت ہے کہ نمازی رکوع میں اپنی پشت کو خم دینے بغیر اس کو سیدھا رکھے نیز اپنے سر کو پشت کے برابر رکھے نہ تو اس سے بلند کرے اور نہ اس سے پست کرے چنانچہ مجمع البحار میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز میں حالت رکوع میں اپنے سر کو پشت سے زیادہ نیچے جھکانے سے منع فرمایا ہے نیز امام دارقطنی نے الحارث ازعلیٰ اور ابی بردہ نے ازوالد خود مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے علی! بے شک میں تمہارے لیے وحی پسند کرتا ہوں جو میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں اور میں تمہارے لیے وحی ناپسند کرتا ہوں جو میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں (سنو) جب تم صلی ہو تو قرآن نہ پڑھو اور جب تم بالوں کا جوڑا ہا نہ لو تو نہ رکوع کرو نہ سجدہ کرو اور نہ نماز پڑھو اور نہ گدھے کی طرح رکوع میں اپنا سر حد سے زیادہ جھکالو۔ نیز دارقطنی نے ایک اور سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے تو اپنا سر پشت سے زیادہ نیچے اس طرح نہ جھکالے جس طرح گدھا اپنا سر پیچے کی طرف جھکا لیتا ہے بلکہ اپنی پشت کے برابر سیدھا رکھے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید سے مرفوع روایت بیان کی ہے اور اس میں ہے: جب آدمی رکوع کرے تو اپنی پشت کو برابر اور سیدھا رکھے حتیٰ کہ اگر اس پر پانی بہا یا جائے تو وہ پہنے کی بجائے ٹھہر جائے۔

۱۱۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سَفْيَانَ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمُدَّ رَجْلَيْهِ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ يَسْجُدُ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ جَبْهَتِهِ وَبَدَنِهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَرِجْلَيْهِ. وَإِنِّي رَوَيْتُهُ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمُدَّ صَلْبَهُ. وَإِنِّي رَوَيْتُهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَمُدَّ الرَّجُلُ صَلْبَهُ فِي سُجُودِهِ. سند البخاری (۳۲۳)

حضرت ابو نعیرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی سجدہ کرے تو اپنے پاؤں نہ پھیلائے کیونکہ ہر انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرے پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں ٹخنوں اور دونوں پاؤں پر۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی سجدہ کرے تو اپنی پشت کو نہ پھیلائے۔ اور ایک روایت میں حضرت ابو نعیرہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے آدمی کو سجدہ میں اپنی پشت پھیلانے سے منع فرمایا ہے۔

حل لغات

”لَا يَمُدُّ“ میخذ واحد مذکر غائب فعل مضارع منفی معروف باب نَصَوْنَ يَنْصُوْنَ سے ہے اس کا معنی ہے: کھینچنا، پھیلانا، دراز کرنا۔

سجدہ کرنے کی کیفیت کی وضاحت

اس حدیث کو امام احمد، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں: چہرہ، دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے اور دونوں قدم۔ [شرح مسند امام اعظم لاملی قاری ص ۳۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

چونکہ قرآن مجید میں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے نماز میں سجدہ کرنا فرض قرار دیا گیا ہے اور سجدہ کی حقیقت زمین پر چہرہ کو رکھنا ہے اور زمین پر پیشانی یا ناک لگنے سے زمین پر چہرہ لگ جاتا ہے لہذا پیشانی یا ناک میں سے کسی ایک کے لگنے سے فرض سجدہ ادا ہو جاتا ہے اور حدیث میں جن سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے صرف پیشانی کو زمین پر رکھنا فرض ہے جو کہ قرآن مجید کے مطابق ہے اور باقی دیگر اعضاء یعنی دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کا زمین پر رکھنا فرض نہیں ہے کیونکہ خبر واحد سے فریضہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ واجب ہے۔

۱۱۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عُمَرَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرٌ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَلَا أَكُفُّ شَعْرًا وَلَا لَوْحًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور میں نہ بالوں کو لپیٹوں اور نہ کپڑوں کو سمیٹوں۔

بخاری (۸۰۹) مسلم (۱۰۹۷) ترمذی (۲۷۳) ابوداؤد (۸۸۹) نسائی (۱۰۹۴) ابن ماجہ (۸۸۳) طحاوی (۱۴۱۸)

حل لغات

”لَا أَكُفُّ“ میں واحد حکم مضارع منفی معروف باب تَصَرُّعٌ مَنصُرٌ سے ہے اس کا معنی ہے: لپیٹنا، سمیٹنا، اکٹھا کرنا، جمع کرنا۔

بالوں کو لپیٹنے اور کپڑوں کو سمیٹنے کی ممانعت

اس حدیث میں ایک تو سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا بیان ہے جس کی توجیح و تشریح پہلے بیان ہو چکی ہے البتہ یہاں مزید دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز میں بالوں اور کپڑوں کو سمیٹنا منع ہے کیونکہ بالوں اور کپڑوں کو اپنے حال پر چھوڑ دینا تا کہ یہ بال اور کپڑے نمازی کے اعضاء کے ساتھ سجدہ ریزی میں شامل ہوں اس طرح نمازی اپنے متعلقات سمیت مکمل طور پر سجدہ ریز ہوگا اور یہی عیدیت کا تقاضا اور شریعت کا مقصد ہے جبکہ بالوں کو موڑنے، جمع کرنے اور جوڑا بنانے سے اور کپڑوں کو سمیٹنے اور اوپر چڑھانے سے یہ مقصد اور تقاضا ضائع ہو جاتا ہے اس لیے بالوں کو لپیٹنے اور اس کا جوڑا بنانے سے منع کیا گیا ہے چنانچہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ لَمْ يَأْمُرْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَلَا أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَهْوَاٍ وَلَا أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَهْوَاٍ۔ حضرت ابورافع نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی آدمی اس حال میں نماز پڑھے کہ اس کی چوٹی بندھی ہو۔

فتح القدیر میں ہے کہ اس روایت کو امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے اور اسی طرح نماز میں کپڑے سمیٹنا اور اوپر چڑھانا منع ہے لہذا آستینیں یا شلوار اور پتلون کے پائینے چڑھا کر نماز پڑھنا منع ہے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بے وجہ نماز میں رکوع اور سجدہ کرتے وقت کپڑوں کو اوپر اٹھا لیتے ہیں نیز آستینیں چڑھا لیتے ہیں حالانکہ ایسی حرکات آداب نماز کے خلاف ہیں اور اس قسم کی لغو اور بے ہودہ حرکات و اعمال سے نماز میں خشوع و خضوع ضائع ہو جاتا ہے اور حضور قلب اور یکسوئی ختم ہو جاتی ہے اس لیے اس سے منع کیا

گیا ہے۔

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ علامہ طبری نے کہا کہ اس حدیث کی بنا پر فقہاء نے فرمایا ہے کہ بالوں کی چوٹی کاٹنا اور بالوں کو گدی کے پیچھے گرہ لگانا نیز سجدہ کرتے وقت کپڑے سینٹا مکروہ ہے اور علامہ ابن حجر نے کہا کہ نماز میں بالوں اور کپڑوں کا سینٹا وغیرہ اگر فی ارادی ہو تو پھر یہ عمل مکروہ تنزیہی ہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی نے کسی کام کے لیے بال اور کپڑے سمیٹ لیے ہوں پھر رقت نماز آنے پر اسی حال میں نماز پڑھ لی ہو تو یہ کراہت تنزیہیہ ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۱۹ مطبوعہ مکتبہ المدینہ)

نمازی سجدہ میں اپنے

۲۳۔ بَابُ لَا يَقْتَرِشُ ذِرَاعِيْهِ

بازوؤں کو نہ بچھائے

فِي السُّجُودِ

۱۱۲۔ ابُو حَنِيفَةَ عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سَجِيْمٍ عَنْ غُنْدِ
اللّٰهُ بَنِي عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فَلَا يَقْتَرِشُ ذِرَاعِيْهِ الْفِرَاشِ الْكَلْبِ. بچھائے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز پڑھے تو وہ (سجدہ میں) اپنے بازو کتے کی طرح نہ

بخاری (۸۲۲) مسلم (۱۱۰۳) ابوداؤد (۸۹۷) ترمذی (۲۷۶) نسائی (۱۱۰۴) ابن ماجہ (۸۹۲) مستدرک (۳/۴۵)

حل لغات

”لَا يَقْتَرِشُ“ سینہ و اعضاء کرفاقب فعل فی معروف باب افتعال سے ہے اس کا معنی ہے: بچھانا، پھیلاتا، کشادہ کرنا۔ ”ذِرَاعِيْهِ“ اپنے دونوں بازو۔ ”الْفِرَاشِ الْكَلْبِ“ کتے کی طرح زمین پر بازو بچھانا۔ ”الْفِرَاشِ“ باب افتعال کا مصدر ہے اور اپنے فعل ”لَا يَقْتَرِشُ“ کا مفعول مطلق ہے۔

سجدہ کے مکروہات

امام عبدالرزاق اپنی مصنف میں حضرت سفیان ثوری کی وساطت سے حضرت آدم بن علی المہری سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے کہا: میرے بچانے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ میں نے (سجدہ میں) اپنے بازو زمین سے اوپر نہیں اٹھائے تو فرمایا: اے میرے بچے! اور غلوں کی طرح تو اپنے بازو زمین پر نہ بچھا اور صرف اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھ کر ان پر سہارا لے اور اپنے بازو بغلوں سے دور رکھ۔ امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح اور مرفوع قرار دیا ہے اور صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مالک بن محسیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سجدہ میں اپنے بازو دور رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی۔ امام احمد امام ابوداؤد نسائی امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے حضرت عبدالرحمن بن قیل سے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (سجدہ میں) کوڑے کی طرح جلدی جلدی چوٹی مارنے اور درندے کی طرح زمین پر بازو بچھانے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ کوئی آدمی مسجد میں اپنے لیے ایک جگہ مخصوص کر لے جیسے اونٹ اپنی جگہ مخصوص کر لیتا ہے۔ (شرح مسند امام اعظم ملا علی قاری ص ۵۰۶ مطبوعہ دارالکتب احیاء بیروت)

یعنی ساجد سجدہ میں ایسی جلدی نہ کرے جیسے کوا زمین پر چوٹی مار کر فوراً اٹھالیتا ہے اور سجدے میں کہیاں زمین پر نہ لگائے جیسے کتا بھیڑیا وغیرہ بیٹھتے وقت لگا لیتے ہیں نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اپنے واسطے کوئی جگہ خاص کر لینا کہ اور جگہ نماز میں دل ہی نہ لگے مکروہ ہے ہاں! شرعی ضرورت کے لیے جگہ مقرر کر لینا جائز ہے جیسے امام کے لیے عراب مقرر ہے اور بعض مسجدوں میں مکبر کے لیے امام کے پیچھے کی جگہ مقرر ہوتی ہے انہیں بھی چاہیے کہ سنتیں اور نفل کچھ ہٹ کر پڑھیں مسجد میں جس جگہ جو پہلے پہنچے وہاں

کا وہی مستحق ہے، بعض سلاطین اسلامیہ خاص امام کے پیچھے اپنے لیے جگہ رکھتے تھے وہ معذوری کی بنا پر تھا کیونکہ اور جگہ انہیں جان کا خطرہ ہوتا تھا یہاں باقاعدہ ان کی حفاظت کا انتظام ہوتا تھا لہذا وہ اس حکم سے عذرا مستثنیٰ ہیں دیکھو شاہی وغیرہ۔

[امراء شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۸۷، نسیمی کتب خانہ گجرات]

۲۴۔ بَابُ الْقَنُوتِ فِي

الْفَجْرِ شَهْرًا

صبح کی نماز میں ایک ماہ تک

دعائے قنوت پڑھنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز میں کبھی دعائے قنوت نہیں پڑھی ماسوا ایک ماہ کے آپ کو نہ اس سے پہلے کبھی دعائے قنوت پڑھتے ہوئے دیکھا گیا اور نہ اس کے بعد اور آپ (صرف ایک ماہ) مشرکین کے چند لوگوں کے خلاف دعائے ضرر فرماتے رہے۔

۱۱۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ اَبِي مَسْعُودٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَقْنُتْ فِي الْفَجْرِ قَطُّ إِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا لَمْ يُمْرَ قَبْلَ ذَلِكَ وَلَا بَعْدَهُ يَدْعُو عَلَى نَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ.

بخاری (۱۰۰۳) مسلم (۱۵۵۴) نسائی (۱۰۸۰) ابن ماجہ (۱۲۴۳) طحاوی (۱۴۳۰) طبرانی فی المعجم (ج ۱ ص ۸۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے صرف چالیس روز دعائے قنوت پڑھی ہے جس میں آپ عرب کے قاتل حصیہ اور ذکوان وغیرہ پر دعائے ضرر فرماتے رہے پھر آپ نے وصال فرمانے تک کبھی دعائے قنوت نہیں پڑھی۔

۱۱۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ اَبِي سَوِيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ لَمْ يَقْنُتْ إِلَّا اَرْبَعِينَ يَوْمًا يَدْعُو عَلَى حُصَيْبَةَ وَذَكْوَانَ ثُمَّ لَمْ يَقْنُتْ اِلَى اَنَّ مَاتَ. سَابِق (۱۱۳) سند البخاری (۲۶۵)

عمل لغات

”لَمْ يَقْنُتْ“ صیغہ واحد کرغائب فعل نئی۔ محمد یلم معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: دعائے قنوت پڑھنا۔ ”لَمْ يَمْ“ صیغہ واحد کرغائب فعل نئی۔ محمد مجہول باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: دیکھنا۔ ”يَدْعُو“ صیغہ واحد کرغائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اگر ”دَعَا يَدْعُو“ کے صلہ میں حرف ”عَلَى“ آ جائے تو اس کا معنی بددعا دینا ہوتا ہے لیکن ادب و احترام کے پیش آپ ﷺ جب کسی کے خلاف دعا کریں تو اسے دعائے ضرر کہا جائے گا بددعا دینا نہیں کہا جائے گا اور اگر اس کا صلہ حرف لام آ جائے تو دعائے خیر کرنا مراد ہوتا ہے۔

قنوت نازلہ

قنوت کے معنی دعا ہیں اور نازلہ سے مراد نازل ہونے والی آفت اور مصیبت اگر مسلمانوں پر خدا نخواستہ کوئی مصیبت نازل ہو مثلاً دشمن کا خوف ہو نقطہ ہو خشک سالی ہو ذہاب ہو طاعون ہو یا کوئی اور ضرر ظاہر ہو تو آخری رکعت میں رکوع کے بعد امام کہتا ہو ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور جہری نماز میں یہ آواز بلند اس مصیبت کے دور ہونے کی اور مسلمانوں کے لیے کشادگی کی دعا کرے اور مقتدی امام کی دعا پرائیں کہیں اور اگر سری نماز ہو تو امام آہستہ دعا مانگے اور مسلمان اس وقت تک نماز میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے مصیبت دور نہ کرے۔ [شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹، مطبوعہ قریہ یک سال لاہور]

فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا بدعت ہے

بحر العلوم علامہ محمد عبدالعلی فرنگی مکی لکھتے ہیں:

امام شافعی اور امام مالک علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز میں بھی دعائے قنوت پڑھنا سنت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دعائے قنوت بلند آواز سے پڑھی جائے گی اور مقتدی اس کے جواب میں آمین کہے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام آہستہ دعائے قنوت پڑھے گا اور مقتدی بھی پڑھیں گے۔ اس سلسلہ میں احادیث نقل کی جاتی ہے:

(۱) عَنْ أَنَسٍ مَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتِي فِي الصُّبْحِ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں ہمیشہ دعائے قنوت پڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اس دنیا کو خیر باد فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز پڑھتے ہوئے دوسری رکعت کے رکوع سے جب اٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعا مانگتے۔ "اللهم اهدني لهدى" الخ۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اور احناف کے نزدیک فجر کی نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھی جائے گی۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے:

(۳) عَنْ أَبِي مَالِكٍ سَعْدِ بْنِ عَادٍ فِي الْأَضْحَى قَالَ لَمَسْتُ لَأَنَسَ إِنَّكَ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَى بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ هُنَا بِالْكُوفَةِ خَمْسَ مِائَتَيْنِ أَكَانُوا يَقْتَنُونَ قَالَ أَيْ بَنِي مُخَذَّجٍ. (رواہ الترمذی و النسائی)

(۴) امام نسائی کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی مگر آپ نے دعائے قنوت نہیں پڑھی۔ میں نے حضرت ابو بکر کے پیچھے نماز ادا کی انہوں نے بھی دعائے قنوت نہیں پڑھی میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی دعائے قنوت نہیں پڑھی میں نے حضرت عثمان کے پیچھے نماز پڑھی مگر انہوں نے بھی دعائے قنوت نہیں پڑھی میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی دعائے قنوت نہیں پڑھی پھر فرمایا: اے بنے! یہ بدعت ہے۔

(رواہ النسائی وابن ماجہ الترمذی)

اس لیے اگر امام فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھے تو مقتدی اقتداء نہ کرے۔ کیونکہ یہ بدعت ہے۔ دراصل فجر اور دوسری فرض نمازوں میں مصیبت کے وقت دعائے قنوت پڑھنا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ اسے فجر کی نماز کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

(۵) رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا مُتَابِعًا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پورا ایک مہینہ مسلسل ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں "سُجُوعَ"

والمغرب والعشاء والصبح دبر كل صلوٰۃ ۱۵
 قال سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد من
 الركعة الاخيرة يدعو على احياء من بنى سليم
 على رعل وذكوان وعصية ويؤمن من خلفه.

[رواہ ابوداؤد]

قنوت نازلہ کے بارے میں اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات ہیں لیکن صرف فجر کی نماز میں مسلسل دعائے قنوت پڑھنا مشروع نہیں ہے۔

رعی وہ دودھ شیش جو اوپر نقل کی گئیں دلیل نہیں بن سکتیں اس لیے کہ ان کی سند میں ضعف ہے بلکہ ان کی سند میں ایک طرح کا انقطاع ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ان کی سندوں کے ضعف کی وجوہات پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ انقطاع کی بات ہم اس لیے کرتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نظریہ کے مطابق اگر دعائے قنوت مشروع ہوتی اور اسے سنت کا درجہ حاصل ہوتا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے بلند آواز سے ہمیشہ پڑھا ہوتا اور صحابہ کرام نے اس پر آمین کہا ہوتا تو یہ عمل صحابہ کرام علیہم الرضوان میں مشہور و معروف ہوتا اور ان سے یہ راستہ قطعی نہ ہوتا۔

اسی طرح اگر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق دعائے قنوت امام اور مقتدی آہستہ پڑھتے اور اس پر رسول اللہ ﷺ کی مواعبت ہوتی تو روزانہ کا یہ طویل سکوت بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے علم میں ضرور ہوتا اور اس میں پڑھی جانے والی دعا سے بھی وہ ناواقف نہ ہوتے اور بہر تقدیر یہ دعا اسی طرح مشہور ہوتی اور نقل ہوتی جس طرح قومہ میں امام بلند آواز سے ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“..... کہتا ہے اور قومہ کرتا ہے کیونکہ عادت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی چیزیں جو ایک عرصہ تک مواعبت کے ساتھ ہوتی آئی ہوں وہ قطعی نہ رہیں جب دعائے قنوت فرضوں میں مشہور نہیں تو واضح ہوا کہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت سرے سے پڑھی ہی نہیں جاتی تھی۔

ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ جب بہت سارے لوگ کسی چیز کے جاننے کے سبب میں مشرک ہوں اور اس کی نقل پر دواہی بھی بہت سارے ہوں اور ان میں سے کوئی ایک بھی اسے نقل نہ کرے بلکہ ان میں سے کسی ایک کی طرف اس کی نقل کو منسوب کر دیا جائے تو اس کے جھوٹ ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں رہ جاتا۔ چونکہ ان کے بقول رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں زندگی بھر دعائے قنوت پڑھتے رہے تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ نقل ہی جھوٹ پر مبنی ہے۔ اگر اس پر آپ کی مواعبت ہوتی تو اسے مشہور ہونا چاہئے تھا اور ایک نہیں بلکہ ایک سے زائد بہت سے لوگ اسے نقل کرتے اور اس پر مواعبت سے اب بھی عمل ہوتا۔ یہاں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہ نے قنوت نازلہ کو دعائے قنوت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ (یعنی انہوں نے قنوت کا لفظ استعمال کیا) لیکن قنوت نازلہ کی تصریح نہیں کی۔

بعض راویوں نے صرف لفظ کے ظاہر کو دیکھا اور اسے اسی طرح نقل کر دیا اور اس میں غور و خوض نہ کر سکے اور گمان کر بیٹھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر مواعبت کی ہے پھر اسی طرح یہ روایت اگلے لوگوں نے نقل کی اور اس طرح یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ اس لیے صحابہ کرام میں سے جس سے دعائے قنوت پر مواعبت نقل کی گئی ہے اسی صحابی سے صحیح سند کے ساتھ اس کے مخالف روایت بھی نقل کی گئی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ وہ نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھتے

تھے یعنی فرض نمازوں میں۔ رہا یہ مسئلہ کہ قنوت نازلہ مشروع ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں بھی اجتہادی نوعیت رکھتا تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مصائب و آلام کے وقت قنوت نازلہ پڑھنا مشروع ہے اور یہ سنت ہے کیونکہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے قنوت نازلہ پڑھی ہے اور مسیلہ کذاب کی شیطنیت کے ظہور کے وقت افضل الصدیقین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی قنوت نازلہ پڑھی تھی۔ ہمارے نزدیک فرض نمازوں میں مشروع نہیں ہے یہی راستے زیادہ صحیح ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

(۱) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَقْنُتْ فِي الْقَبْرِ قَطُّ إِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز میں صرف ایک ماہ دعائے قنوت پڑھی تھی۔

ایک ماہ دعائے قنوت کا پڑھنا مشرکین کے لیے بددعا (دعائے ضرر) کرنے کی غرض سے تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دعا تھوڑے عرصہ کے لیے پڑھی گئی اور بعد میں اسے ترک کر دیا گیا۔

(۲) عَنْ ابْنِ عَمْرٍاءَ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الْوُكُوعِ فِي الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ الْقَبْرِ يَقُولُ اللَّهُمَّ الْعَنِ فَلَانًا وَفُلَانًا وَفُلَانًا بَعْدَ مَا يَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ يَمْنُ خَمْدَةً رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب آپ نماز فجر کی دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو ”سَمِعَ اللَّهُ يَمْنُ خَمْدَةً رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ“ کہنے کے بعد مشرکین پر لعنت بھیجتے اور کہتے: اے اللہ فلاں پر لعنت بھیج اے اللہ! فلاں پر لعنت بھیج..... سو اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی: ”لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ... فَأَنُتَّهِمُ ظَالِمُونَ“ تک۔

[رد المحتار والترمذی والنسائی]

(۳) عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ يَقُولُ كَانَ يَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ يَفْرُغُ مِنْ صَلَاةِ الْقَبْرِ مِنَ الْقِرَاءَةِ وَيَكْبُرُ يَرْفَعُ رَأْسَهُ سَمِعَ اللَّهُ يَمْنُ خَمْدَةً رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ اللَّهُمَّ الْبِجِ وَالْوَلِيدِ بْنِ الْوَلِيدِ وَسَلَمَةَ بْنِ هِشَامٍ وَعِيَاشَ بْنِ أَبِي رِبْعَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں جب قراءت سے فارغ ہوتے اور تکبیر کہتے (رکوع کرتے) اور رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو ”سَمِعَ اللَّهُ يَمْنُ خَمْدَةً رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ“ کہا کرتے پھر اس کے بعد کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھتے: (ترجمہ) اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور مسلمانوں کو کفار سے نجات دے۔

اے اللہ! (قبیلہ) معز کو سختی سے روند ڈال اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی طرح قحط کے سال مسلط کر دے۔ اے اللہ! یحییٰ بن زعل و ذکوان اور عصبہ پر لعنت بھیج جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں پھر ہمیں معلوم ہوا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ”لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ... فَأَنُتَّهِمُ ظَالِمُونَ“ تو آپ نے اس دعا کو ترک فرمادیا۔

(آل عمران: ۱۲۸) (رواہ مسلم)

یہ دونوں حدیثیں بتاتی ہیں کہ قنوت نازلہ کا ذکر صحیحین میں بھی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ تصریح بھی ہے کہ آیت کے نزول کے

بعد اسے چھوڑ دیا گیا کیونکہ آیت کریمہ نے اس کو منسوخ کر دیا۔ بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوہ احد کے دن نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ کے دندان شہید ہوئے اور آپ ﷺ نے کفار کے لیے بددعا (دعائے ضرر) کرنے کا ارادہ فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ دُوروں میں دعائے قنوت غزوہ احد سے پہلے شروع ہو گیا کیونکہ ہیر معونہ (جہاں ستر قاریوں کو دھوکے سے شہید کیا گیا) کا واقعہ احد کے بعد وقوع پذیر ہوا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت آچکی ہے کہ دعائے قنوت ہیر معونہ کے موقع پر پڑھی گئی لیکن اس سے ہمارے مقصود پر کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ بعد دعائے قنوت پڑھنا چھوڑ دیا اب یہ ترک کرنا اسی آیت کے نزول کے سبب ہو یا کسی اور وحی منکویہ غیر منکویہ کے سبب ہو۔ [ارکان الاسلام ص ۳۶۶-۳۶۷ مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور] ہیر معونہ میں ستر قاریوں کی شہادت کا واقعہ غزوہ احد کے چار ماہ بعد ۳ (چار) ہجری میں پیش آیا۔ اس وقت آپ نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ (کفار کے لیے دعائے ضرر) پڑھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قنوت نازلہ پڑھنے سے روک دیا اور آپ نے قنوت نازلہ پڑھنا ترک کر دی۔ ہیر معونہ کے بعد آپ چھ سال (حیات ظاہری کے ساتھ) زہرہ رہے۔ کفار کے ساتھ متعدد جہزیں اور جنگیں پیش آئیں۔ کئی بار مسلمان مشکلات اور پریشانیوں کا شکار ہوئے لیکن آپ نے قنوت نازلہ کبھی نہیں پڑھی۔ اگر قنوت نازلہ پڑھنا شروع ہوتی تو آپ ضرور پڑھتے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۱ مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور]

تشہد میں بیٹھنے کی حالت کا بیان

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز میں بیٹھے تو اپنے ہاتھ پاؤں کو بچھا لیتے اور اس پر بیٹھ جاتے اور اپنا دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے۔

۲۵۔ بَابُ كَيْفِيَّةِ الْجُلُوسِ فِي التَّشَهُّدِ

۱۱۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ غَاثِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ كَانَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ أَصْبَحَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى.

ابوداؤد (۲۲۶) نسائی (۱۱۶۰) مسند (ج ۴ ص ۳۱۹)

عمل لغات

”جَلَسَ“ صیغہ واحد مذکر قاعب فعل ماضی معروف مثبت باب مَضَرُوبٌ سے ہے اس کا معنی ہے: بیٹھنا۔ ”أَصْبَحَ“ صیغہ واحد مذکر قاعب فعل ماضی معروف مثبت باب اَفْعَالٌ سے ہے اس کا معنی ہے: زمین پر ٹال لینا اور بچھانا۔ ”قَعَدَ“ صیغہ واحد مذکر قاعب فعل ماضی معروف مثبت باب مَضَرُوبٌ سے ہے اس کا معنی ہے: بیٹھنا۔ ”نَصَبَ“ صیغہ واحد مذکر قاعب فعل ماضی معروف مثبت باب مَضَرُوبٌ سے ہے اس کا معنی ہے: نصب کرنا کھڑا کرنا گاڑنا تھکانا۔

تشہد میں دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں بچھا کر بیٹھنا مسنون ہے

(۱) امام ترمذی نے بھی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت وائل نے فرمایا کہ جب میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تو میں نے دل میں کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو ضرور غور سے دیکھوں گا (پھر میں نے دیکھا کہ) جب آپ تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھے تو آپ نے اپنا بائیں پاؤں زمین پر بچھایا اور (اس پر بیٹھ کر) اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھا اور اپنا دایاں پاؤں کھڑا کر لیا (اور دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھا) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے اور امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ بن مبارک اور اہل کوفہ (یعنی امام ابو حنیفہ اور آپ

کے اصحاب) کا یہی مذہب ہے پھر امام ترمذی نے حضرت ابو حمید ساعدی سے روایت کی اور کہا کہ یہ حدیث بھی حسن اور صحیح ہے اور بعض اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ کا یہی قول ہے اور انہوں نے حضرت ابو حمید ساعدی کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ نمازی آخری تشہد میں دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر سرین کے بل بیٹھے گا اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ نمازی پہلے تشہد میں اپنے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے گا اور اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کرے گا۔

(۲) امام بخاری حضرت عبداللہ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ جب نماز میں بیٹھے تو چارزانوں ہو کر (چوڑی مار کر) بیٹھے سو میں نے بھی اسی طرح کیا اور اس وقت میری عمر چھوٹی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے مجھے اس طرح نماز پڑھنے سے منع کیا اور فرمایا کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ تم تشہد میں اپنا بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ اور اپنا دایاں پاؤں کھڑا کر لو تو میں نے عرض کیا: آپ خود تو چارزانو ہو کر بیٹھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ برداشت نہیں کرتے۔

(۳) امام مسلم نے حضرت ابوالجوزاء کے توسط سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں اپنا بائیں پاؤں بچھا پیتے اور اپنا دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے تھے۔

(۴) امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام احمد بن حنبل نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپ نے سجدہ کیا پھر اپنے بائیں پاؤں کو بچھایا اور اس پر بیٹھ گئے اور اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کیا۔

(۵) امام نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: نماز کی سنت ہے کہ دائیں پاؤں کو کھڑا کیا جائے اور اس کی انگلیوں کو قبلہ رخ کیا جائے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھا جائے۔

(۶) امام احمد نے حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اعرابی سے فرمایا کہ جب تم تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھ لگو تو اپنا بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ۔

تشہد میں قعدہ کی کیفیت کے متعلق ائمہ اربعہ کے مختلف اقوال کا بیان

(۱) امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کا مذہب افتراش ہے جس کا مطلب ہے کہ نمازی دونوں قعدوں میں دائیں پاؤں کو کھڑا کر لے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے جیسا کہ امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے۔

(۲) امام شافعی پہلے قعدہ میں افتراش کے اور دوسرے قعدہ میں تورک کے قائل ہیں اور تورک کا مطلب ہے کہ نمازی اپنے دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر سرین پر بیٹھ جائے جیسا کہ حضرت ابو حمید ساعدی کی حدیث میں ہے۔

(۳) امام مالک دونوں قعدوں میں تورک کے قائل ہیں جبکہ بعض مالکیہ کے نزدیک احتلاف کی طرح دونوں قعدوں میں افتراش پر عمل کیا جاتا ہے۔

(۴) امام احمد بن حنبل ایک تشہد والی نماز میں افتراش کے قائل ہیں اور جس نماز میں دو تشہد ہوں اس میں پہلے قعدہ میں افتراش اور دوسرے قعدہ میں تورک کے قائل ہیں اور حنفی حضرات کہتے ہیں کہ (۱) قعدہ میں افتراش کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے (۲) حدیث میں ہے کہ تشہد میں افتراش سنت ہے (۳) نبی کریم ﷺ کا قعدہ اسی کیفیت و حالت میں ہوا کرتا تھا (۴) یہ

طریقہ کا رخت محنت طلب اور مشقت بھرا ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ افضل عمل وہ ہوتا ہے جس میں محنت و مشقت زیادہ ہو اور آخری قعدہ کے بارے میں تورک کی حدیث حالت ضعف و کمزوری اور بڑھا پے پر محمول ہے کیونکہ اس میں قعدہ طویل اور لمبا ہوتا ہے جس میں سہولت و آسانی مناسب ہے۔ [مسین نظام فی شرح مسند الامام ص ۷۵ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۲۶۔ بَابُ كَيْفِيَّةِ الْجُلُوسِ
لِلنِّسَاءِ فِي التَّشَهُّدِ

عورتوں کے لیے تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کا بیان
حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عورتیں نماز میں کس طرح پڑھتی تھیں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا: وہ چارزانوں ہو کر (یعنی چوڑی مار کر) بیٹھتی تھیں پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ سمت کر اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر سرین پر بیٹھا کریں۔

۱۱۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سُئِلَ كَيْفَ كُنَّ النِّسَاءُ يُصَلِّينَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّ يَتَرَبَّعْنَ ثُمَّ أُيْرُنَ أَنْ يُخَفِّزْنَ. [مسند الحارثي (۲۹)]

حل لغات

”کُنَّ“ میذ جمع مونث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ نَصْرًا سے ہے اس کا معنی ہے: ہو جانا، پایا جانا، واقع ہونا موجود ہونا۔ ”النِّسَاءُ“ یہ کن کی ضمیر جمع سے بدل ہے اور یہ مرآۃ کی بغیر لفظ جمع مونث ہے اس کا معنی ہے: عورتیں، خواتین۔ ”يُصَلِّينَ“ میذ جمع مونث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تَفَعَّلَ سے ہے اس کا معنی ہے: نماز پڑھنا۔ ”يَتَرَبَّعْنَ“ میذ جمع مونث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تَفَعَّلَ سے ہے اس کا معنی ہے: چوڑی مار کر بیٹھنا۔ ”أُيْرُنَ“ میذ جمع مونث غائب فعل ماضی مجهول مثبت باب نَصَرَ نَصْرًا سے ہے اس کا معنی ہے: حکم دینا۔ ”يُخَفِّزْنَ“ یہ میذ جمع مونث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب اِتَّعَالَ سے ہے اس کا معنی ہے: سمت کر سرین کے بل بیٹھنا۔

تشہد میں چارزانوں (چوڑی مار کر) بیٹھنا مکروہ ہے

الجامع الکبیر میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپ تشہد میں چوڑی مار کر بیٹھے ہیں اسے امام ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور ممکن ہے کہ آپ کا چوڑی مار کر بیٹھنا نفل نماز میں ہو یا کسی ضرورت و حاجت کی بنا پر ہو یا پھر بیان جواز کے لیے ہو کیونکہ مسند ابو ہریرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نماز میں چوڑی مار کر بیٹھنے کو مکروہ اور ناپسند قرار دیتے تھے۔ اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔

نماز کے لیے تشہد کی تعلیم کا بیان

۲۷۔ بَابُ فِي تَعْلِيمِ التَّشَهُّدِ لِلصَّلَاةِ

۱۱۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْلَمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يَعْلَمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ہمیں تشہد کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن مجید کی سورت کی تعلیم دیتے۔

مسلم (۹۰۳) ابوداؤد (۹۷۴) ترمذی (۲۹۰) نسائی (۱۱۷۶) ابن ماجہ (۹۰۰) طحاوی (۱۵۲۹) مسند احمد (۲۹۲) ابن ابی شیبہ (۲۹۳) دارقطنی (۳۵۰)

حل لغات

”يَعْلَمُنَا الشَّهْدَ“ اس میں ”يَعْلَمُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس کے ساتھ ”نا“ ضمیر جمع متکلم پہلا مفعول بہ ہے اور ”الشَّهْدَ“ اس کا دوسرا مفعول بہ ہے اور اس کا معنی ہے: سکھانا۔
تشہد اور دیگر واجبات کے وجوب کی اہمیت

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح قرآن مجید سکھانے کے لیے خوب اہتمام فرماتے تھے اسی طرح التحیات سکھانے کے لیے بھی خوب اہتمام فرماتے تھے۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ تشہد پڑھنا نماز میں واجب ہے ورنہ اس قدر اہتمام نہ کیا جاتا۔ دوسرا یہ کہ تشہد کا سیکھنا اور اسے یاد کرنا بھی واجب و ضروری ہے جس طرح قرآن مجید بقدر ضرورت سیکھنا اور یاد کرنا واجب اور ضروری ہے تاکہ نماز وغیرہ میں اسے تلاوت کیا جائے۔ تیسرا یہ کہ نماز کے تمام واجبات کو اسی طرح پورے اہتمام کے ساتھ سیکھا جائے اور دوسروں کو سکھایا جائے جس طرح قرآن مجید کو سیکھا اور سکھایا جاتا ہے۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت براہ بن عازب اور دیگر لوگوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کی گئی ہے جیسا کہ اس کا بعض حصہ الحسن الحسین میں ذکر کیا گیا ہے اور ہم نے اپنی کتاب المحرر الثمین میں اس کی تشریح کر دی ہے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح صحیح حدیث مروی ہے جسے کتب سنہ کے اصحاب نے اپنی صحاح میں روایت کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ملا علی قاری ص ۲۳۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز کے خطبہ یعنی تشہد پڑھنے کی تعلیم دی۔

۱۱۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةَ الصَّلَاةِ يَعْنِي الشَّهْدَةَ. طحاوی (۱۵۲۸)

۲۸۔ بَابُ بَيَانِ كَلِمَاتِ الشَّهْدِ

۱۱۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ اَبِي وَائِلٍ قُتَيْبٍ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقُولُ السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ وَفِي رِوَايَةٍ زِيَادَةُ مِنْ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ لَمَّا نَشَهُدُ أَحَدَكُمْ فَلْيَقُلْ الْكَلِمَاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ

تشہد کے الفاظ کی وضاحت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہم کہتے: السلام علی اللہ۔ ایک روایت میں عبادہ کا اضافہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو) السلام علی جبریل و میکائیل (سوا ایک دفعہ نبی کریم ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے (سلامتی دینے والا ہے) سو جب تم میں سے کوئی شخص تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھے تو وہ یہ کلمات پڑھے: (ترجمہ) تمام توئی بھائی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں (آپ پر نازل) ہوں۔ ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور ایک روایت میں

ہے کہ صحابہ کرام پہلے السلام علی اللہ السلام علی جبریل السلام علی رسول اللہ پڑھا کرتے تھے سورسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم السلام علی اللہ نہ کہا کرو بلکہ تم التحیات اللہ (آخر تک) پڑھا کرو۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مکمل التحیات سکھایا اور یاد کرایا جبکہ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیں مکمل التحیات سکھایا۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو جب ہم نماز کے آخر میں بیٹھے تو "السلام علی اللہ، السلام علی رسول اللہ وعلی صلابہ" کہتے ہم فرشتوں کا نام لیتے پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس طرح نہ کہا کرو بلکہ تم "التحيات لله والصلوات والطيبات" پڑھا کرو۔

السلام علی رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقولوا السلام علی اللہ ولکن قولوا التحیات لله والصلوات والطيبات إلی آخر التّشہید و فی روایۃ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علّمهم التّحيات إلی آخر التّشہید و فی روایۃ علّمنا. و فی روایۃ قال کُنّا إذا صلّنا مع النّبی صلی اللہ علیہ وسلم نقول إذا جلسنا فی آخر الصّلوۃ السلام علی اللہ السلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و علی ملاحیکہ نسویہم من الملاحیکہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقولوا کذا و قولوا التّحيات لله والصلوات والطيبات.

بخاری (۸۴۱) مسلم (۸۹۷) ابوداؤد (۹۶۸) نسائی (۱۱۷۰) ابن ماجہ (۸۹۹) ترمذی (۱۵۱۲)

حل لغات

"الکمل" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی کسی کی طرف توجہ کرنا کسی کے سامنے آنا کسی چیز کو اپنے سامنے قریب کرنا کسی چیز کو قبول کرنا۔ "للمکمل" صیغہ واحد مذکر فعل امر غائب معروف باب نصر بنصر سے ہے اس کا معنی ہے: پس اسے کہنا چاہیے۔ علامہ یعنی عمدۃ القاری میں کہتے ہیں کہ اس فعل امر کے صیغہ سے معلوم ہوا کہ تشہد پڑھنا واجب ہے۔ "تسویہم" صیغہ جمع مکمل فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: نام لینا تمام رکعت اس کے آخر میں "ہم" ضمیر جمع مذکر مفعول بہ ہے۔

تشہد کے مختلف کلمات کی روایات کی بحث

علامہ بدرالدین یعنی لکھتے ہیں کہ محدثین نے فرمایا: تشہد کو مختلف کلمات کے ساتھ روایت کرنے والے چوبیس صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں اور اسی اختلاف کلمات کی بنا پر امام شافعی نے ابن عباس کے روایت کردہ تشہد کو اختیار کیا ہے اور امام مالک نے حضرت عمر بن خطاب کے روایت کردہ تشہد کو اختیار کیا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ نے حضرت ابن مسعود کے روایت کردہ تشہد کو اختیار کیا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس کی روایت میں کچھ کلمات زیادہ ہیں جو مختلف فیہ ہیں اس کے مقابلہ میں حضرت ابن مسعود کی حدیث متفق علیہ ہے۔ نیز حدیث ابن عباس کی روایت میں امام مسلم منفرد ہیں جبکہ حفاظ حدیث کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث وہ ہوتی ہے جو متفق علیہ ہو اور باقی رہی حضرت عمر بن خطاب کی حدیث تشہد تو وہ موقوف ہے جبکہ ابن مسعود کی حدیث مرفوع ہے اس لیے موقوف حدیث مرفوع حدیث کے مقابل و مساوی نہیں ہو سکتی لہذا تشہد ابن مسعود کی حدیث دیگر تمام روایات پر ترجیح رکھتی ہے۔

تشہد ابن مسعود کی ترجیح کی وجوہات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد دیگر تمام روایات پر کئی وجوہ سے ترجیح رکھتا ہے:

(۱) امام ترمذی نے فرمایا کہ تشہد کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے مروی تمام احادیث میں سب سے اصح حدیث حضرت عبید بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔

(۲) نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں سے اکثر اہل علم کا اسی تشہد پر عمل ہے۔

(۳) حضرت عمرؓ حضرت خصف سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت خصف نے فرمایا: میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ لوگ تشہد پڑھنے کے متعلق اختلاف کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم ابن مسعودؓ سے تشہد کو اپنے اوپر لازم کر لو۔

(۴) امام طبرانی نے اپنی معجم میں از بشیر بن مہاجر از ابن بریدۃ از والد خود روایت بیان کی ہے کہ حضرت بریدہ نے فرمایا: یہ تشہد ہے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ عمدہ اور جید حدیث میں نے نہیں سنی اور یہ اس لیے کہ ابن مسعودؓ نے اس حدیث کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک رفع کیا ہے (یعنی یہ حدیث مرفوع ہے)۔

(۵) علامہ خطابی نے کہا کہ رجال حدیث کے اعتبار سے حضرت ابن مسعود کی حدیث سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ مشہور ہے۔

(۶) علامہ ابن المنذر اور علامہ ابو علی طوسی نے کہا کہ حدیث ابن مسعود بغیر تحقید و جرح کے ہے اور یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے تشہد کے بارے میں روایت کی گئی احادیث میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔

(۷) علامہ علی بن السدیقی نے کہا کہ تشہد کے متعلق صرف وہی حدیث صحیح ہے جسے اہل کوفہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے اور اہل بصرہ نے حضرت ابو موسیٰ سے نقل کیا ہے اور علامہ ابن طاہر نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

(۸) علامہ نووی نے کہا کہ مجھ میں جس حدیث کے سب سے زیادہ صحیح ہونے پر متفق ہیں وہ حضرت ابن مسعود کی حدیث ہے پھر اس کے بعد حضرت ابن عباس کی حدیث ہے۔

(۹) علامہ بزار نے کہا کہ تشہد کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح حدیث حضرت ابن مسعود کی حدیث ہے اور یہ حدیث آپ سے میں سے زائد طرق سے مروی ہے۔ نیز فرمایا کہ تشہد کے بارے میں اس سے زیادہ ثابت اور سند کے اعتبار سے صحیح ترین اور راویوں کے اعتبار سے مشہور ترین اور کوئی حدیث میں نہیں جانتا۔

(۱۰) حضرت ابو عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت ابن مسعود کے تشہد کو اکثر اہل علم نے اس لیے قبول کر لیا ہے کہ اس کا فضل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ [خود مع تصدیق و التاخير از عمدة القاری شرح معجم البخاری ج ۴ ص ۵۹-۵۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان]

تشہد ابن مسعود کی تعلیم سے سنت نبوی کی عظمت و اہمیت کا ثبوت

علامہ کمال الدین ابن لہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے:

امام ابو حنیفہ نے فرمایا: حضرت حماد بن ابی سلیمان نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے یہ تشہد سکھایا اور حضرت حماد نے فرمایا: حضرت ابراہیم نخعی نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے یہ تشہد سکھایا اور حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: حضرت علقمہ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے یہ تشہد سکھایا اور حضرت علقمہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے تشہد سکھایا اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس طرح تشہد سکھایا جس طرح آپ مجھے قرآن مجید کی سورت سکھاتے ہیں۔ [شرح سند ماہم علم لاطالی قاری ص ۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان]

تشہد میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے سلام پیش کرنے کی حکمت

(۱) اہل عرفان فرماتے ہیں کہ جب نمازی حضرات تشہد میں ”التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ الْعَظِيمِ“ کے ذریعہ سلطنت الہی کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں تو انہیں حی قیوم کی بارگاہ میں داخلہ کی اجازت عنایت کی جاتی ہے اور راز و نیاز کی گفتگو سے ان کی آنکھیں کھنڈی ہو جاتی ہیں پس انہیں تعبیر کی جاتی ہے کہ یہ کرم نوازیں رحمت والے نبی کے توسل اور آپ کی اتباع کی برکت سے انہیں حاصل ہو رہی ہیں سو وہ یک دم التفات و توجہ کرتے ہیں تو حبیب کو حبیب کے حرم میں حاضر و موجود پاتے ہیں۔ پس وہ آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں: ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“۔

[عمدة القاری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۵۸۵-۵۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان]

(۲) بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ تشہد میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں خطاب کے ساتھ اس لیے سلام پیش کیا جاتا ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام موجودات اور تمام ممکنات میں جاری و ساری ہے سو اس لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہوتے ہیں پس ہر نمازی کو چاہئے کہ وہ اس معنی سے آگاہ رہے اور نبی کریم ﷺ کے اس شہود سے غافل نہ ہوتا کہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار و رموز سے منور و روشن اور فیض یاب ہو جائے۔

[امداد المصائب ج ۱ ص ۳۰۱ مطبوعہ مکتبہ نور پور رضویہ سکسرا]

(۳) علامہ طاعی قاری لکھتے ہیں:

امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ تم تشہد میں السلام علیک کہنے سے پہلے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت اور ذات اقدس کو اپنے دل میں حاضر کر کے پھر کہو: ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ اور تا کہ تمہاری یہ آرزو پکی ہو جائے کہ تمہارا سلام آپ کی بارگاہ میں پہنچ جائے گا اور آپ ﷺ تمہیں اس سے بہتر جواب دیں گے۔

[مرقات الطائغ شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۳۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان]

(۴) علامہ ظیل احمد سہارنپوری نے بحیثیت ولی لکھا ہے جو علامہ بدرالدین عینی نے عمدة القاری میں لکھا ہے نیز انہوں نے وفات کے بعد السلام علی النبی پڑھنے کی تردید کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر مبارک میں زعمہ ہیں جس طرح دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زعمہ ہیں اور انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ زمین کے اوپر ہیں یا زمین کے تحت پردوں میں رہیں اور جس طرح آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے زمانہ میں حاضرین اور غزوات وغیرہ سفروں میں غائبین مسلمانوں کی طرف سے تشہد میں خطاب کے ساتھ ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ“ کہہ کر سلام کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اسی طرح آپ کے وصال کے بعد بھی خطاب کے ساتھ سلام کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

[بذل المحمودی حل ابی داؤد ج ۲ ص ۱۱۷ مطبوعہ مکتبہ قاسمیہ لبنان]

نماز کے اختتام پر دو مرتبہ سلام

پھیرنے کا بیان

۲۹۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمَتَيْنِ

بَعْدَ انْتِهَاءِ الصَّلَاةِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ کا رخسار دکھائی دیتا اور اسی طرح بائیں طرف سلام

۱۲۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ اَبْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ

وَرَحْمَةُ اللَّهِ حَتَّى يُرَى شِقُّ وَجْهِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ مِثْلُ ذَلِكَ. وَفِي رَوَايَةٍ حَتَّى يُرَى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَعَنْ شِمَالِهِ مِثْلُ ذَلِكَ.

پھیرتے وقت ہوتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دکھائی دیتی یعنی "شقی وجہہ" کی بجائے "بہاض خدہ الایمن" اور "عن یسارہ" کی بجائے "عن شمالہ" ہے۔

مسلم (۱۳۱۵) ابوداؤد (۹۹۶) ترمذی (۲۹۵) نسائی (۱۳۱۷) ابن ماجہ (۹۱۶) طحاوی (۱۵۴۶-۱۵۵۱)

حل لغات

"یروی" صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب ففتح یفتح سے ہے اس کا معنی ہے: دیکھنا۔ "شقی" اس کا معنی ہے: جانب کنارہ ایک طرف نصف حصہ مشقت۔ "خدہ" کا معنی ہے: رخسار اور اس کی جمع خدود آتی ہے۔

نماز کے آخر میں سلام پھیرنے کے اطراف میں اختلاف

اس میں اختلاف ہے کہ نمازی دونوں طرف یا صرف ایک طرف یا پھر تینوں اطراف سلام پھیرے سو جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نمازی دونوں طرف سلام پھیرے گا چنانچہ امام ابن المردرئی نے بیان کیا ہے کہ صحابہ میں سے حضرت ابو بکر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت نافع بن عبداللہ بن عمار بن ابی رباح، حضرت علقمہ، امام عامر الشافعی اور حضرت ابو عبدالرحمان السلی اور ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، قاضی امام محمد بن حسن شیبانی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق، امام ثوری اور امام شافعی اسی کے قائل ہیں اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک طرف سلام پھیرنا مشروع ہے (یعنی صرف دائیں طرف) چنانچہ صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت عائشہ صدیقہ اور تابعین میں سے حضرت حسن بصری، حضرت محمد بن سیرین، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ائمہ میں سے امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ اور ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن موسیٰ بن جعفر کے نزدیک تینوں اطراف دائیں بائیں اور سامنے سلام پھیرنا واجب ہے۔ پھر دونوں طرف سلام پھیرنے کے قائلین میں اختلاف ہے کہ آیا دوسری طرف سلام پھیرنا واجب ہے یا نہیں سو جمہور کے نزدیک دوسرا سلام مستحب ہے (یا سنت ہے)۔ (یعنی) چنانچہ امام ابن المردرئی نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ جو شخص نماز میں صرف ایک سلام پراکتفا کرے گا اس کی نماز جائز ہوگی۔ علامہ نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ مستند و معتبر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ صرف ایک سلام (دائیں طرف) واجب ہے اور دونوں طرف سلام پھیرنا برحق نہ جب ہے کیونکہ دو سلاموں کے بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہیں جن میں بعض صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں لیکن ایک طرف سلام پھیرنے کی احادیث قلیل اور ضعیف ہیں جو قائل حجت نہیں ہیں اور اگر انہیں قابل حجت تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی وہ احادیث صحیحہ کا معارضہ نہیں کر سکتیں اور تین اطراف سلام پھیرنے کے قائل کا شاید یہ خیال ہو کہ ایک طرف سلام پھیرنے کی احادیث اور دونوں طرف سلام پھیرنے کی احادیث کو جمع کر لیا جائے اور یہ خیال قاسد ہے۔ [بذل المجود فی مل ابی داؤد ج ۲ ص ۳۰ مطبوعہ مکتبہ قاسمیہ نزد سول ہسپتال ملتان نیز عمدة القاری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۶۰۲-۶۰۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان]

۱۲۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ تَسْلِيمَتَيْنِ.

امام ابو حنیفہ حضرت قاسم سے وہ اپنے باپ حضرت عبدالرحمن سے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دائیں اور بائیں دونوں طرف دو سلام پھیرتے تھے۔

طحاوی (۱۵۶۳-۱۵۶۶) ابن ابی شیبہ (۲۹۹)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کی کیفیت

اس حدیث میں دو سلام پھیرنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ ایک سلام اپنی دائیں جانب پھیرتے اور دوسرا سلام اپنی بائیں جانب پھیرتے اور اس حدیث کو سن کر بعد کے اصحاب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام نسائی کے الفاظ یہ ہیں: "كَانَ يَسْلُمُ عَنْ يَمِينِهِ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ حَتَّى يَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ الْيَمِينِ وَعَنْ بَسَارِهِ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ حَتَّى يَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ الْاَيْسَرِ" آپ اپنی دائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دکھائی دیتی اور اپنی بائیں طرف بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے بائیں رخسار کی سفیدی دکھائی دیتی اور امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں صرف ایک سلام کے ساتھ اپنے چہرہ کی سمت میں قدرے دائیں طرف منہ پھیر کر سلام پھیرتے تھے لیکن حضرت ابن مسعود کی حدیث زیادہ رائج اور دینی ہے کیونکہ امام کے پیچھے مرد ہوتے ہیں عورتیں نہیں اس لیے مردوں کے آگے ہونے کی وجہ سے ان پر امام کا ہر حال مشکف اور واضح ہوتا ہے نیز دوسری روایت پہلی سے خاص ہے تو شاید حضرت عائشہ صدیقہ نے دور ہونے کی بنا پر اسے ایک سلام کے ساتھ خاص کر لیا ہو۔ ابن ہمام نے اس کی اسی طرح تقریر کی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات نقل نہیں رہ سکتی کیونکہ نبی کریم ﷺ آپ کے حجرہ میں بھی آپ کے سامنے نماز پڑھتے تھے اور ان دونوں قسم کی احادیث کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض نوافل میں صرف ایک طرف سلام پھیرنے پر عمل کرتے ہوں۔

جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے اور فرائض میں دونوں طرف سلام پھیرنے پر عمل کرتے ہوں جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں ہے (یا کبھی بیان جواز کے لیے ایک سلام پر اکتفا کرتے ہوں) پھر مجھے امام مالک کی طرف سے یہ خبر بھی پہنچی ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو منفرد کے حال پر محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم بالمراد

[شرح مسند امام اعظم لعلی قاری ص ۳۳۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

امام کے لیے مختصر نماز پڑھانا مستحب ہے

حضرت ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اور نبی کریم ﷺ کے چند دیگر صحابہ کرام ایک مکان میں اکٹھے ہوئے تو (نماز کا وقت ہونے پر) اقامت کہی گئی اور سب صحابہ کرام مالک مکان سے کہنے لگے: آپ نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھیے تو انہوں نے انکار کر دیا اور (حضرت عبداللہ بن مسعود سے) کہا کہ اے ابو عبد الرحمن! آگے چلے اور نماز پڑھائیے سو آپ آگے بڑھے اور مختصر اور ہلکی پھلکی نماز پڑھا دی جس میں انہوں نے رکوع اور سجود مکمل ادا کیے پھر جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو سب لوگوں نے کہا کہ ابو عبد الرحمن (حضرت عبداللہ بن

۳۰۔ بَابُ تَخْفِيفِ الصَّلَاةِ لِلْإِمَامِ

۱۲۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ وَحَدِيقَةُ وَأَبُو مُوسَى وَغَيْرُهُمْ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِجْتَمَعُوا فِي مَنْزِلٍ فَأَلَيَمَتِ الصَّلَاةُ فَجَعَلُوا يَقُولُونَ نَقَلْنَا بِمَا فَلَانُ لِصَاحِبِ الْمَنْزِلِ فَأَبَى فَقَالَ تَقَدَّمْ أَنْتَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَقَلَّمْ فَصَلَّى صَلَاةً خَفِيفَةً وَجَهْرَةً أَتَمَّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ الْقَوْمُ لَقَدْ حَفِظَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مسند الحارثي (۵۱۸)

مسعود کی کنیت ہے) نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کو خوب یاد رکھا ہے۔

حل لغات

”اجتمعوا“ میخذ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افتعال سے ہے اس کا معنی ہے: جمع ہونا اکٹھا ہونا۔ ”انجسما“ میخذ واحد مونث غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: کھڑا کرنا سیدھا کرنا۔ یہاں اقامت کہنا مراد ہے۔ ”تَقَدَّمَ“ میخذ واحد مذکر ضارع فعل امر معروف باب تفعّل سے ہے اس کا معنی ہے: آگے بڑھنا۔ ”انہی“ میخذ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فتح یفتح سے ہے اس کا معنی ہے: انکار کرنا۔ ”وَجِزْءٌ“ اس کا معنی ہے: مختصر۔ نماز میں تخفیف کی حکمتیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس گھر میں موجود تمام صحابہ کرام سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ افضل واعلم تھے کیونکہ حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابو موسیٰ اشعری جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر حضرات کے باوجود امامت کے لیے آپ کا انتخاب لے لیتا وہ علیت کی روشن دلیل ہے چنانچہ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ امامت کے لیے اس لیے مخصوص کیے گئے تھے کہ آپ ان سب سے افضل و بزرگ تھے اور علماء نے فرمایا ہے کہ خلفائے راشدین یعنی حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بعد تمام صحابہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود زیادہ فقیہ تھے اور حدیث میں وارد ہے:

(۱) ”اجْعَلُوا اَلِإِمَامَکُمْ بِنَارِکُمْ فَإِنَّهُمْ وَلَدُکُمْ فِيمَا بَيْنَکُمْ وَبَيْنَ رَبِّکُمْ“ تم اپنا امام سب سے بہتر آدمی کو بنانا کہ کیونکہ تمہارے اور تمہارے رب تعالیٰ کے درمیان تمہارا نمائندہ ہوتا ہے جیسا کہ امام دارقطنی اور امام بیہقی نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔

(۲) امام مالک، امام بخاری، امام ابو داؤد اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع بیان کیا ہے کہ (آپ نے فرمایا:) جب تم میں سے کوئی آدمی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پھلکی اور مختصر نماز پڑھائے کیونکہ ان میں کمزور بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی نماز پڑھے تو جس قدر چاہے لمبی نماز پڑھے۔

[شرح مسند امام اعظم ملا علی قاری ص ۱۲۸-۱۲۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان]

اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ امام پر لازم ہے کہ وہ مقتدیوں کے حالات کا خیال رکھے اور نماز پڑھائے وقت اتنی لمبی قراءت نہ کرے کہ وہ تنفر ہو جائیں اور وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بدول ہو جائیں کیونکہ امام کے پیچھے کمزور بیمار بوڑھے، کاروباری محنت مزدوری کرنے والے اور حاجت مند لوگ بھی ہوتے ہیں اس لیے سب کا خیال رکھا جائے البتہ صبح کی نماز میں قدرے لمبی قراءت کرنا مستحب عمل ہے تاکہ لوگ نیند کی غفلت سے بیدار ہو کر جماعت میں شامل ہو سکیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اتباع نبوی میں صحابہ کرام کو مختصر مگر مکمل نماز پڑھائی جس سے واضح ہوا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام عموماً مختصر نماز پڑھاتے تھے اس لیے کہ نماز کی قراءت میں مختلف احادیث وارد ہیں۔ بعض میں طویل اور لمبی قراءت کا ذکر ہے اور بعض میں مختصر قراءت کا ذکر ہے مگر یہ احادیث آپس متعارض نہیں ہیں کیونکہ رسول اللہ کی عبادت موقع محل اور حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتی تھی کبھی لمبی قراءت فرماتے کبھی مختصر جیسا موقع ہوتا دیسے تلاوت فرماتے نیز بعض حالات میں مستحب پر عمل کرتے ہوئے لمبی تلاوت فرماتے اور بعض حالات میں صرف جواز پر عمل کرتے ہوئے مختصر اور چھوٹی تلاوت فرماتے لیکن ارکان نماز مکمل ادا فرماتے۔

چٹائی پر نماز پڑھنے کا بیان

۳۱۔ بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْحَصِيرِ

۱۲۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ اَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ جَاهِرٍ عَنْ اَبِي سَوْدٍ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَهُ يُصَلِّي عَلَى خَصِيْرٍ يَسْجُدُ عَلَيْهِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کو چٹائی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس پر آپ سجدہ کر رہے تھے۔

مسلم (۱۱۵۹) ترمذی (۳۳۲) ابن ماجہ (۱۰۲۹)

حل لغات

”دَخَلَ“ یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ بَنَصْرٍ سے ہے اس کا معنی ہے: داخل ہونا۔ ”يُصَلِّي“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تَفَعَّلَ سے ہے اس کا معنی نماز پڑھنا ہے اور یہ ”وَجَدَهُ“ کی ضمیر مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے۔ ”خَصِيْرٌ“ کا معنی چٹائی ہے۔ ”يَسْجُدُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ بَنَصْرٍ سے ہے اس کا معنی ہے: سجدہ کرنا۔

ہر پاک چیز پر نماز پڑھنا جائز ہے

(۱) صحیح بخاری سنن ابوداؤد سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت میمون رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بکھور کی شاخوں اور چٹوں سے تیار کردہ چھولی چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔

(۲) امام احمد بن حنبل، امام ابوداؤد اور امام حاکم نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام چٹائی اور رنگے ہوئے چمڑے پر نماز پڑھتے تھے۔

(۳) امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پھونے (چادر دوری وغیرہ) پر نماز پڑھتے تھے۔

فائدہ: یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ براہ راست زمین پر نماز پڑھنے کے علاوہ ہر پاک چیز پر نماز پڑھنا جائز ہے جیسے چٹائی، چادر، قالین، رنگین چمڑے کے مصلے اور قیمتی پتھر اور چپس وغیرہ سے تیار شدہ فرش۔ اگرچہ براہ راست زمین پر نماز پڑھنا افضل عمل ہے جبکہ مالکیہ اور امامیہ کا موقف اس کے خلاف ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۱۹-۳۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان]

۳۲۔ بَابُ صَلَوةِ الْمَرِيضِ

بیمار کی نماز کا بیان

۱۲۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِي عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عَدَا وَفَاتِمًا وَمُحْتَبًا، سَدَّ الْحَارِثُ (۱۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ زانوؤں بیٹھ کر کھڑے ہو کر اور رانوں کو پیٹ کے ساتھ ملا کر گھٹنے کھڑے کر کے سرین پر بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے تھے۔

حل لغات

”مُحْتَبًا“ یہ اعتبار سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے: کپڑے میں لپٹ جانا، سرین اور پاؤں پر بیٹھ کر ٹانگوں اور پیٹھ کو کپڑے سے باندھ کر سہارا لینا، سرین کے بل بیٹھ کر رانوں کو پیٹ سے ملا کر گھٹنے کھڑے کر لینا۔

عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ فرابض تو کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اور لوافل بھی عموماً کھڑے ہو کر پڑھتے تھے

البتہ کبھی کسی عذر کی بنا پر فرائض بھی بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے اور نوافل بغیر عذر محض بیان جواز کے لیے بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے کیونکہ نوافل میں قیام فرض نہیں ہوتا جبکہ فرائض واجبات اور سنن میں قیام فرض ہوتا ہے اس لیے انہیں بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے اور کبھی فرائض میں عذر کی بنا پر اور نوافل میں بغیر کسی عذر کے سبب حالت احتباء میں بیٹھ کر بھی نماز پڑھ لیتے تھے اور اسی سے یہ حدیث ہے کہ ”الاحتباء حیطان العرب“ عرب کے لوگوں کے لیے احتباء دیوار ہے یعنی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہونا ہے۔

[ماخوذ از شرح مسند امام اعظم ص ۱۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان]

۱۲۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي سَفْيَانَ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى مُخْتَبِئًا مِّنْ دُمُوهُ كَانَ يَقْنِئُهُ. مسند الحارثی (۳۳۷)

حضرت حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آنکھ (یا گھٹنے) میں ردی کی وجہ سے احتباء کی حالت میں نماز پڑھی ہے۔

حل لغات

”مُخْتَبِئًا“ سینہ واحد مذکر اسم فاعل باب التعلال سے ہے اس کے معنی کی وضاحت سابقہ حدیث میں گزر چکی ہے۔ ”دُمُو“ کا معنی ہے: دردِ تکلیف۔ ”قَنِئَ“ یہ لفظ آنکھ، چشمہ، سورج اور گھٹنے وغیرہ کے معانی میں مشترک ہے جیسا کہ علم منطوق کی مشہور کتاب مرقات میں ہے۔

عذر کی وجہ سے اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے

یہاں چند باتیں قابل غور ہیں ایک یہ کہ بھاری بھر کم اور دینی پیہد والے آدمی کے لیے حالت احتباء میں بیٹھنا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حالت احتباء میں بیٹھنے سے رکوع و سجود مشکل ہو جاتا ہے ورنہ حالت احتباء کو ہر رکعت میں ختم کرنے اور رکوع اور سجود کرنے کے بعد دوبارہ اسی حالت کو اختیار کرنا پڑے گا جو عمل کثیر اور حرج کا باعث ہو جائے گا۔ تیسری بات یہ کہ عین کا معنی عرف عام میں آنکھ کیا جاتا ہے اگرچہ گھٹنا مراد لینا بھی درست ہے لیکن عین کا معنی آنکھ کہنا بھی غلط اور بے جواز نہیں کیونکہ آنکھوں میں تکلیف کی صورت میں جب رکوع اور سجود کرنے کے لیے جھکنا پڑے گا تو آنکھوں پر بوجھ پڑے گا جو تکلیف میں اضافہ کا سبب بنے گا اس لیے آنکھوں کے آپریشن کے بعد کچھ عرصہ کے لیے جھکنے اور سجدہ کرنے سے ڈاکٹر منع کر دیتے ہیں۔ بہر حال آنکھوں میں تکلیف ہو یا گھٹنے میں ہو حالت احتباء میں رکوع و سجود کے لیے اشارہ کرنا ہوگا۔

واللہ اعلم بالمراد!

جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے

اس کا کیا حکم ہے؟

دامغان کے قاضی حضرت محمد بن بکیر نے کہا کہ میں نے امام ابو حنیفہ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھ کر بھیجا کہ جب کسی مریض کی عقل زائل ہو جائے تو نماز کے وقت اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟ تو امام صاحب نے مجھے یہ لکھ کر بھیجا کہ مجھے حضرت محمد بن منکدر کے ذریعہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ

۳۳۔ بَابُ مَا الْحُكْمُ لِمَنْ لَّمْ

يَسْتَطِيعَ أَنْ يُصَلِّيَ قَائِمًا؟

۱۲۶۔ مُحَمَّدُ بْنُ بَكِيرٍ قَاضِي الدَّامِغَانَ قَالَ كَتَبْتُ إِلَى أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْمَرِيضِ إِذَا خَفَبَ عَقْلُهُ كَيْفَ يَفْعَلُ بِهِ فِي وَقْتِ الصَّلَاةِ لَكُنْتُ إِلَى أَخِي خَبِيرِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ مَرَّضْتُ لِعَادِلِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ

أَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَلَكَ أَغْوَى عَلَىٰ فِي مَوْصِي وَجَاءَ
بِ الصَّلَاةِ قَوْضًا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَصَبَّ عَلَىٰ مِنْ وَصُوهِ فَأَقْبَضْتُ فَقَالَ كَيْفَ أَنْتَ
يَا جَابِرُ ثُمَّ قَالَ صَلِّ مَا اسْتَطَعْتَ وَلَوْ أَنَّ قَوْمِي

بخاری (۵۶۵۱) مسلم (۴۱۴۵) ابوداؤد (۲۸۸۶) ترمذی
(۲۰۹۷) ابن ماجہ (۲۷۲۸)

میں بیمار ہو گیا اور نبی کریم ﷺ میری عیادت اور بیمار پرسی کرنے کے
لیے تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ
بھی تھے اور اس وقت بیماری کی وجہ سے مجھ پر بے ہوشی طاری تھی اور
نماز کا وقت ہو چکا تھا مگر رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور اپنے وضو کا
پانی مجھ پر چھڑکا تو میں ہوش میں آ گیا اور آپ نے دریافت فرمایا کہ
اے جابر! اب تم کیسے ہوم پھر خود ہی فرمایا: جب تک طاقت و قدرت ہو
نماز پڑھتے رہو اگرچہ تم اشارے سے نماز پڑھ لو۔

حل لغات

”دامغان“ خراسان کے ایک شہر کا نام ہے۔ ”لَعَاذَنِي“ اس میں عادیہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَوُ
نَصَرُ سے ہے اس کا معنی ہے: عیادت کرنا اور بیمار پرسی کرنا اس کے آخر میں نون و قایہ اور یائے شکم مفعول پہ ہے۔ ”أَغْوَى“ صیغہ
واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: بے ہوشی طاری ہونا۔ ”أَقْبَضْتُ“ صیغہ واحد شکم فعل ماضی معروف
مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: افاقہ پانا، ہوش میں آنا۔

عذر کی بنا پر نماز پڑھنے کے مختلف طریقے

(۱) امام ابن ماجہ حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کھڑے
ہو کر نماز پڑھو اگر تم کھڑے نہیں ہو سکتے تو پھر بیٹھ کر نماز پڑھ لو اور اگر تم بیٹھ بھی نہیں سکتے تو (قبلہ رو ہو کر دائیں) پہلو پر نماز پڑھ
لو۔

(۲) امام محمد بن حسن الشیبانی موطا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوف حدیث بیان کرتے ہیں کہ جب مریض سجدہ کرنے کی طاقت
نہ رکھتا ہو تو اپنے سر کے اشارہ کے ساتھ سجدہ کرے۔

(۳) امام بزار اور امام بیہقی کتاب المعرفة میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مریض کی عیادت کی
اور جب اس کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے تکیہ اوپر اٹھا کر اس پر سجدہ کرنے لگا ہے تو آپ نے اسے پکڑا اور پھینک دیا سو وہ
مریض ایک لکڑی اوپر اٹھا کر اس پر سجدہ کرنے لگا تو آپ نے اسے اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا: اگر نماز میں زمین پر سجدہ کر سکتے
ہو تو ٹھیک ورنہ تم سر کے اشارے سے نماز پڑھ لو لیکن اپنے سجدہ کو اپنے رکوع سے زیادہ پست ادا کرنا (کہ رکوع کی بہ نسبت سجدہ
میں سر کو زیادہ جھکایا جائے)۔

(۴) امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

تم میں سے جو سجدہ کر سکتا ہے وہ ضرور سجدہ کرے اور جو سجدہ نہیں کر سکتا تو وہ کسی چیز کو پیشانی کی طرف اوپر اٹھا کر اس پر سجدہ نہ
کرے بلکہ وہ اپنے سر کے اشارہ سے رکوع اور سجدہ ادا کرے۔

فوائد حدیث: حضرت قاضی محمد بن کبیر کی بیان کردہ حدیث سے چند فوائد و مسائل ثابت ہوئے:

(۱) عالم و قاضی ہونے کے باوجود بہ وقت ضرورت نامعلوم مسئلہ اپنے سے زیادہ بڑے عالم و فقیہ سے دریافت کرنے میں شرم و عار
محسوس نہیں کرنی چاہئے۔

(۲) مسئول عنہ عالم و فاضل اور مفتی کو چاہئے کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں مدلل جواب دینے کی کوشش کرے جیسا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنا جواب حدیث نبوی سے مدلل بیان فرمایا۔

(۳) بیماری آدمی کی عیادت و بیمار پر سی کرنا سنت ہے جس کا ثبوت احادیث کی روشنی میں مسند امام اعظم کی حدیث: ۵ کی تشریح میں زیر عنوان ”عیادت مریض کی اجبت و فضیلت“ کے تحت بیان ہو چکا ہے وہیں ملاحظہ فرمائیں یہاں بطور تحرک صرف ایک حدیث کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو صبح کے وقت کسی مسلمان کی بیمار پر سی کرے مگر ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے لیے خیر و برکت اور رحمت کی دعا کرتے ہیں اور اگر شام کے وقت بیمار پر سی کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں بارگ ہوگا۔

[رداء الترمذی و ابوداؤد ذمرا شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۵ مطبوعہ مکتبہ نعیمی کتب خانہ مہرات]

(۴) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وضو کا پانی تحرک اور باعث شفاء ہے کہ حضرت جابر نے ہوش تھے لیکن جب آپ نے وضو کر کے اپنے وضو کا مسالہ ان پر چھڑکا تو انہیں ہوش آ گیا اور بیماری کی تکلیف دور ہو گئی چنانچہ حضرت ابو قتیبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ کی وادی اربع میں چڑے کے سرخ ٹھوسے میں دیکھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے وضو کا مستعمل پانی لیے ہوئے ہیں اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس پانی کو (تحرک) لینے کے لیے جلدی میں گرے جا رہے ہیں۔ بس جس کو اس میں سے کچھ پانی مل گیا تو وہ اس کو برکت کے لیے اپنے چہرہ پر مل رہا ہے اور جس کو ٹھیک ملا تو وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری کو لے رہا ہے۔ [اصح حدیث]

[در جامع الصالح حریم ابودری ج ۱ ص ۳۵۳-۳۵۴ طبع دار احیاء]

(۵) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمان سفر میں ہو یا حضر میں ہو تندرست ہو یا بیمار ہو اس پر بہر حال میں نماز فرض و لازم اور ضروری ہے۔ اگر کمزور ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو اشارے سے پڑھے۔

۳۴۔ بَابُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ
بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
امامت کے زیادہ مستحق ہیں
نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر

۱۲۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ لَمَّا أُغْضِيَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلُوبُ مَرُوءِ أَبَا بَكْرٍ فَلْيَضَلَّ بِالنَّاسِ فَقِيلَ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ خَصِرٌ وَهُوَ يَنْفَسُ بِخُفْرَةٍ أَنْ يَقُومَ مَقَامَكَ قَالَ إِفْعَلُوا مَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ۔
ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب (پہنچا ضائع بشریت) رسول اللہ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی تو آپ ﷺ نے (ہوش میں آ کر) فرمایا: تم ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں سو آپ سے عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! ابو بکر بہت نرم دل ہیں اور وہ خود بھی اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں جو حکم دے رہا ہوں وہی کرو۔

بخاری (۶۷۸) مسلم (۹۸۴) ترمذی (۳۶۷۲) نسائی (۸۳۴) ابن ماجہ (۱۲۳۲)

فائدہ: چونکہ اس حدیث اور آئندہ آنے والی درج ذیل حدیث کا مضمون و مفہوم ایک ہے اس لیے ان دونوں احادیث کے ترجمہ کے بعد توضیح و تشریح بیان کی جائے گی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب (بہ تقاضائے بشریت) رسول اللہ ﷺ پر بے ہوش طاری ہوگئی تو آپ نے فرمایا: (اے اہل بیت نبوت!) تم ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں سو آپ سے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! بے شک ابو بکر بہت نرم دل ہیں اور وہ خود اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں۔ پس آپ نے فرمایا کہ اے یوسف علیہ السلام! چاہنے والی عورتوں کی طرح (بے خبر!) تم ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور آپ نے یہ بات مکرر فرمائی۔

۱۲۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ لَمَّا أُغِيِمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُرُّوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ حَصِيرٌ وَهُوَ يَكْثُرُ أَنْ يَقُومَ مَقَامَكَ فَقَالَ مُرُّوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ يَا صَوْبُجَاتِ يُوْسُفَ وَكَثُرَ. بخاری (۶۷۸) مسلم (۹۸۴) ترمذی (۳۶۷۲) نسائی (۸۳۴) ابن ماجہ (۱۲۳۲)

حل لغات

”مُرُّوا“ میذبح جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی حکم دینا ہے۔ ”حَصِيرٌ“ کا معنی ہے: رقیق القلب یعنی بہت نرم دل۔ ”صَوْبُجَاتِ“ یہ صاحبہ کی تصغیر ہے اور اس کا واحد ”صَوْبُجَةٌ“ ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

ان دونوں حدیثوں کو بہت سے محدثین اور ائمہ دین نے اپنی صحاح، سنن، مسانید اور مصنفات میں بیان کیا ہے۔ امام بخاری نے متعدد طرق اور متقارب عبارات کے ساتھ کئی ابواب میں مختلف اسانید کے ذریعہ ان احادیث کو حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابوموسیٰ اشعریٰ حضرت انس بن مالک انصاری اور حضرت حمزہ بن عبد اللہ از والد خود وغیرہم سے روایت کیا ہے اور ان دونوں احادیث سے بہت سے مسائل کا حل ثابت ہو گیا ہے:

(۱) دینی امور میں تمام صحابہ کرام پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر و ثابت ہوگئی ہے کیونکہ شریعت میں امام انہیں بتایا جاتا ہے جو علم و فقہ، تقویٰ و طہارت اور زہد و ورع میں تمام لوگوں سے بہتر و بڑھ کر ہوں اس سے روافض کا نہ سب رو ہو گیا۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعتراف کیا اور فرمایا:

كَيْفَ لَا نُوَلِّهِ عَلَيْنَا فِي امْرِدٍ لَنَا وَقَدْ آثَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا فِي امْرِدِينَا.

ہم اپنے اوپر اپنے دنیاوی معاملہ (خلافت) میں اسے کیوں نہ ترجیح دیں جسے نبی کریم ﷺ نے ہمارے دینی معاملے میں ہم پر ترجیح دی ہے۔

(۲) اہل سنت کا یہ عقیدہ حق اور سچ ثابت ہو گیا کہ فضیلت کثرت ثواب اور قرب الہی میں خلفائے راشدین میں دینی ترتیب ہے جو ان کی خلافت میں ترتیب ہے۔

(۳) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں خلافت کے سب سے زیادہ مستحق تھے کیونکہ وہ ان کے دینی امام ہونے کی بنا پر علم و فقہ اور زہد و تقویٰ میں سب سے زیادہ فاضل و بہتر تھے۔

(۴) کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے مقتدیوں کی نماز بیٹھ کر امامت کرنے والے امام کے پیچھے جائز ہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ صحابہ کرام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور نبی کریم ﷺ بیٹھ کر امامت کر رہے تھے۔

(۵) فاضل کا مفہول کی اقتداء کرنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر امام اور رسول اللہ مقتدی ہوئے (تبع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی۔

(۶) شریعت کے حکم کے خلاف اصرار نہیں چاہئے جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ صدیقہ یا حضرت حفصہ یا دونوں کے اصرار پر انہیں سمجھایا تھا۔

(۷) ازدحام اور رش میں مقتدی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے امام کے برابر (قد رے پیچھے ہٹ کر) دائیں جانب کھڑا ہو جائے ہائیں جانب نہیں۔

(۸) ازدحام اور رش کی صورت میں مقتدی کے لیے جائز ہے کہ وہ امام کی تکبیر پر دیگر مقتدیوں کو سنانے کے لیے عکبر بن کر تکبیر کے جیسا کہ حضرت ابو بکر رسول اللہ کی تکبیر پر تکبیر کہتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ اس مرض میں بیمار ہوئے جس میں آپ کا وصال ہو گیا تو آپ نے (ایک دن) درود کی شدت میں کی محسوس کی اور جب نماز کا وقت ہوا تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا: تم ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں سو حضرت عائشہ صدیقہ نے حضرت ابو بکر کے پاس پیغام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت ابو بکر نے انہیں یہ پیغام کھلوا بھیجا کہ میں یوزہا آدی ہوں اور دل کا بہت نرم ہوں اور جب میں رسول اللہ ﷺ کو ان کی جگہ پر نہیں دیکھوں گا تو مجھ پر اور زیادہ رقت طاری ہو جائے گی (اور میں اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکوں) سو تم اور حضرت حفصہ اکٹھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کہ آپ حضرت عمر کو پیغام بھیجیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم حضرت یوسف علیہ السلام کی عورتوں کی طرح (حقیقت حال سے بے خبر) ہو۔ تم ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پھر جب نماز کے لیے اذان شروع کی گئی تو نبی کریم ﷺ نے مؤذن کو ”حَسْبُ عَلَيَّ الصَّلَاةُ“ کہتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم مجھے اٹھاؤ سو حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: میں نے ابو بکر کو آپ کا حکم دے دیا ہے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور آپ تو معذور ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے اٹھاؤ بے شک میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: پھر میں نے دو آدمیوں کے درمیان آپ کو اٹھایا جبکہ آپ کے دونوں قدم زمین پر ٹھٹھکتے جا رہے تھے۔ پھر جب حضرت ابو بکر نے رسول کریم ﷺ کے

۱۲۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ خَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا مَرَضَ الْمَرَضَ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ خَفَّ مِنَ الْوَجْعِ لَمَّا خَضَرَتِ الصَّلَاةُ قَالَ لِعَائِشَةَ مَرِي أَمَا يَنْكَرُ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَأَرْسَلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنْ رَسُوهُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَمْرِكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا أَلَيْ خَشَعَ عَمِيرٌ رَفِيقٌ وَلِلَّهِ عَنِّي لَا أَرَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَقَامِهِ أَوْفَى لِذَلِكَ لَمَّا جَمَعُوا أَنْتَ وَخَفَضَتْ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَزِيلٌ إِلَى عُمَرَ فَمُصَلِّي بِهِمْ فَفَعَلْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَ صَوَاحِبُ يُونُسَ مَرِي أَمَا يَنْكَرُ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَلَمَّا نَزِدِي بِالصَّلَاةِ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤَذِّنَ وَهُوَ يَقُولُ حَسْبُ عَلَيَّ الصَّلَاةُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِرْفَعُونِي فَقَالَتْ عَائِشَةُ لَمَّا أَمَرْتُ أَمَا يَنْكَرُ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ وَأَنْتَ لِي عَذْرٌ قَالَ إِرْفَعُونِي لِأَنَّهُ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ لَأَلْتُ عَائِشَةَ لَمَّا رَفَعْتُ بَيْنَ النَّبِيِّ وَالدَّعَاءِ تَحْدَانِ الْأَرْضِ فَلَمَّا سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ لَحْسَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَأَخَّرَ فَأَوَمَّ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَدَاءُ يُكَبِّرُ وَيُكَبِّرُ أَبُو بَكْرٍ بِتَكْبِيرِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيرِ
أَبِي بَكْرٍ حَتَّى لَمَوْعِ ثُمَّ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ غَيْرَ ذَلِكَ
الصَّلَاةَ حَتَّى قُبِضَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ الْإِمَامَ وَالنَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعِ حَتَّى قُبِضَ.

بخاری (۶۸۷) مسلم (۹۳۶) ترمذی (۳۶۲) نسائی

(۸۳۵) ابن ماجہ (۱۲۳۴)

قدموں کی آہٹ سنی تو بھیچے ہٹا چاہا لیکن نبی کریم ﷺ نے اشارے سے انہیں منع کر دیا اور خود ان کی ہائیں جانب بیٹھ گئے اور نبی کریم ﷺ ان کے برابر میں بکیر کہتے تھے اور حضرت ابو بکر آپ کی بکیر پر بکیر کہتے تھے اور لوگ حضرت ابو بکر کی بکیر پر بکیر کہتے تھے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو گئے پھر رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کے علاوہ اپنے وصال تک لوگوں کو اور کوئی نماز نہیں پڑھائی بلکہ اس کے بعد حضرت ابو بکر امام مقرر ہو کر لوگوں کو نمازیں پڑھاتے رہے اور نبی کریم ﷺ بیمار رہے یہاں تک کہ آپ وصال فرما گئے۔

حل لغات

”خَفَّ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: ہلکا ہونا کم ہونا کی محسوس کرنا۔ ”أَرَى“ صیغہ واحد مکمل فعل مضارع معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: نرم ہونا رقت کا طاری ہونا۔ ”إِدْفَعُونِي“ میں ”إِدْفَعُوا“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: اٹھانا اوپر لے جانا بلند کرنا آخر میں نون وقایہ اور یا ضمیر مکمل ہے۔ ”تَعْدَانِ“ اور ایک روایت میں ”تَعْطَانِ“ ہے یہ دونوں صیغہ حثیہ موث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہیں دونوں کا معنی ہے: کسی چیز کے کچنے یا کھینچنے کے نشانات یا لکیریں ہونا۔ ”وَجَعِ“ اس کا معنی ہے: بیمار ہونا دکھ پہنچنا درد ہونا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری امامت

یہ نماز بروز ہفتہ یا اتوار کی ظہر کی نماز تھی اور یہ آخری نماز ہے جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امامت فرمائی اور اس میں آپ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان ان کے کندھوں کا سہارا لے کر تشریف لائے تھے اور نبی کریم ﷺ نے جو نماز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی تھی وہ بروز پیر صبح کی نماز تھی اور آپ نے یہ نماز حضرت ابو بکر کے پیچھے حقدی بن کر پڑھی تھی اور آپ اس نماز کے لیے حضرت فضل بن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان ان کے کندھوں کا سہارا لے کر تشریف لائے تھے۔

[تسبیح الظہار فی شرح مسند الامام ص ۸۰ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

ولد الزنا غلام اور دیہاتیوں

کی امامت کا بیان

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: جب ولد الزنا غلام اور دیہاتی آدمی قرآن مجید کو (خارج سے) صحیح پڑھ سکتا ہو تو وہ لوگوں کی امامت کرا سکتا ہے۔

۳۵۔ بَابُ إِمَامَةِ وَلَدِ الزَّوْنِ

وَالْعَبْدِ وَالْأَعْرَابِيِّ

۱۳۰۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ يَوْمَ الْقَوْمِ وَلَدُ الزَّوْنِ وَالْعَبْدُ وَالْأَعْرَابِيُّ إِذَا لَمَّ الْقُرْآنَ.

حل لغات

”يَوْمَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: امام ہونا امامت کرنا۔

بِرَجُلٍ قَعَلَى خَلْفَهُ وَامْرَأَةً خَلْفَ ذَلِكَ صَلَّيْ بِهِنَّ
 جَمَاعَةً. بخاری (۷۲۷) نسائی (۸۷۰) ابن ماجہ (۹۷۵)
 ایک عورت اس آدمی کے پیچھے کھڑی ہوئی اور آپ نے ان کو یہ نماز
 باجماعت پڑھائی۔

نماز نفل باجماعت ادا کرنے کی تحقیق

علامہ ملا علی قاری اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ یہ نماز نفل تھی اور یہ حدیث باجماعت نفل نماز پڑھنے کے جواز کی دلیل ہے بشرطیکہ نفل نماز کی جماعت کا اعلان نہ کیا جائے اور تمام فقہائے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ نماز جمعہ کے علاوہ فرض اور نفل کی جماعت کے لیے کم از کم دو آدمی ہوں تو پھر جماعت منعقد ہو جائے گی۔ ایک امام اور ایک مقتدی جو امام کی دائیں جانب تھوڑا سا امام سے پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوگا البتہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک جب مقتدی اکیلا ہو اور وہ اپنے امام کی بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور شاید امام احمد نے حضرت ابن عباس کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت سمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات گزاری اور نماز تہجد میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بائیں جانب کھڑے ہو کر اقتداء شروع کی تو آپ نے انہیں اپنے پیچھے سے گھما کر اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا۔ اس حدیث کو شیخین (بخاری و مسلم) و دیگر ہمالے روایت کیا ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ملا علی قاری ص ۳۱۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت] امام مسلم نے صحیح مسلم میں نوافل کی نماز باجماعت پڑھنے کے جواز پر ایک باب قائم کیا ہے جس میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں یہاں محقق اہل سنت شیخ الحدیث والفقیر استاذی المکرم علامہ سعیدی صاحب دامت برکاتہ العالیہ کی شرح صحیح مسلم سے صرف چار احادیث بمع شرح پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی دادی حضرت مسکہ رضی اللہ عنہا نے کھانا پکا کر رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی اور کھانا کھانے کے بعد آپ نے فرمایا: اٹھو میں تمہیں نماز پڑھا دوں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک چٹائی لے کر آیا جو کثرت استعمال کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھی میں نے اس کو پانی سے دھویا پھر اس چٹائی پر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور میں اور جیم صف باعہ کر آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور بڑھیا ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی۔ سو رسول اللہ ﷺ ہمیں دو رکعت نماز (نفل) پڑھانے کے بعد تشریف لے گئے۔

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے اعلیٰ اور احسن اخلاق کے مالک تھے۔ بعض اوقات آپ ہمارے گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے اور نماز کا وقت آ جاتا تھا تو جس چٹائی پر آپ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے اس کو اٹھانے کا حکم دیتے۔ اس کو صاف کر کے پانی سے دھویا جاتا پھر رسول اللہ ﷺ نماز پڑھاتے اور ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے اور وہ چٹائی سمجھ کر کے چوں کی ہوتی تھی۔

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف لائے اور گھر میں صرف میں میری ماں اور میری خالہ ام حرام تھیں۔ آپ نے فرمایا: اٹھو میں تمہیں نماز پڑھا دوں حالانکہ وہ کسی فرض نماز کا وقت نہیں تھا۔ ایک آدمی نے حضرت ثابت سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس کو کس جگہ پر کھڑا کیا تھا۔ حضرت ثابت نے بتایا کہ انہیں آپ نے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا تھا پھر آپ ﷺ نے ہمارے گھر والوں کے لیے دنیا اور آخرت کی ہر خیر و بھلائی کی دعا فرمائی میری ماں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انس آپ کا چھوٹا سا خادم ہے اس کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ آپ نے میرے لیے ہر قسم کی خیر و بھلائی دعا کی اور آخر میں فرمایا: اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں کثرت اور برکت عطا فرما۔

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اور ان کی ماں یا ان کی خالہ کو نماز پڑھائی اور حضرت انس نے بتایا کہ آپ نے مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور عورت کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا۔

فائدہ: اس باب کی احادیث کا اہم فائدہ یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نوافل پڑھنا جائز ہے اور گھر میں جماعت کرنا جائز ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز تواضع اور انکساری کی وجہ سے زمین پر نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے ورنہ چٹائی پر نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس حدیث میں اہل علم کی ضیافت کا ثبوت ہے اور یہ کہ دعوت قبول کرنا مشروع ہے اور اہل خانہ کا علماء اور صالحین سے برکت حاصل کرنا اور ان سے گھر میں نماز پڑھوانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں نماز پڑھائی اس سے یہ مقصد بھی تھا کہ عورتیں آپ کی نماز کے افعال کو دیکھ لیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک نمازی ہو تو امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اور اگر دو نمازی ہوں تو امام کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوں۔ اس مسئلہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور اختلاف ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ عورتوں کو ہر حال میں پچھلی صف میں بچوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے۔ ان احادیث میں اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ علماء اور صالحین سے خیر و برکت کی دعا کرانی چاہئے جیسے حضرت انس کی ماں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے سرکار سے دعا کرانی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبولیت کی سند عطا فرمائی کیونکہ آپ کی دعا سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک سو سے زیادہ بچے ہوئے اور ان کا بارہ سال میں دو بار پھل دیتا تھا۔ اس میں یہ ثبوت بھی ہے کہ جب اہل فضل کسی جگہ ضیافت پر جائیں تو اہل خانہ کے لیے دعا کریں۔

[شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۶-۲۹۳ مطبوعہ مکتبہ شبان لاہور]

واضح رہے کہ نوافل کی جماعت کے جواز کے متعلق حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے افراد خانہ کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ میں نے ایک دفعہ اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہ کے گھر میں رات گزاری اور میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں آپ کے ہائیں جانب کھڑے ہو کر نماز تہجد پڑھی اور آپ نے مجھے اپنے پیچھے سے گھما کر اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا جیسا کہ بخاری مصنف ابن ابی شیبہ اور مشکوٰۃ وغیرہ میں مذکور ہے اور کنز العمال [ج ۸ ص ۱۸۴ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ لبنان] میں نماز تہجد کے بیان میں مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلو میں کھڑے ہو کر اور حضرت عائشہ صدیقہ نے پچھلی صف میں کھڑی ہو کر آپ کی اقتداء میں نماز نفل یا جماعت ادا کی۔ نیز یہ حدیث بھی مذکور ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان نے نماز تہجد کے نفل رسول اللہ کے ساتھ یا جماعت ادا کیے جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ بقرہ آل عمران اور سورت نساء تلاوت فرمائی۔

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب مستطاب مصنف ابن ابی شیبہ میں اس سلسلہ میں بارہ احادیث نقل کی ہیں [مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۵۳۴ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ لبنان] علاوہ ازیں نماز تراویح، نماز استسقاء اور نماز کسوف کی جماعت بالاتفاق نہ صرف جائز ہے بلکہ مسنون ہے البتہ ان مذکورہ بالا نوافل کے علاوہ صلاۃ التیمم، صلاۃ الخیر اور صلاۃ الرغائب وغیرہ کی جماعت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اکثر فقہاء کراہت تنزیہیہ کے قائل ہیں بشرطیکہ تین یا چار افراد سے زائد ہوں جبکہ بعض محققین فقہاء جواز کے قائل ہیں بشرطیکہ رسم و رواج، ریاء و شہرت اور ذاتی منفعت کے جذبہ سے پاک محض مسلمان شوق و ذوق سے شامل ہو جاتے ہیں اور انفرادی طور پر نماز پڑھنے کے لیے چند مخصوص نیکے نمازی وغیرہ رہ جاتے ہیں باقی فصلی بیہرے تبرک پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ خود رسول اللہ اور صحابہ کرام نے ان مخصوص راتوں میں یا جماعت نفل نمازیں پڑھنے کا اہتمام نہیں کیا تو اس کا جواب واضح ہے

کہ اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام یہ اہتمام و انتظام کرتے تو پھر ان راتوں میں نوافل کی جماعت تراویح وغیرہ کی طرح مسنون ہوتی صرف جائز نہ ہوتی حالانکہ اب تو صرف جائز ہے کیونکہ احادیث میں اس کے اہتمام کا ثبوت ہے اور نہ ممانعت کا پھر حضرت انس بن مالک کے گھر میں نفل نماز کی جماعت میں تین افراد کا شامل ہونا اتفاقی عمل تھا کہ اس وقت گھر میں اتنے افراد موجود تھے جیسا کہ ماہ رمضان المبارک میں جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نوافل کی نماز پڑھنا شروع کی (کیونکہ اس وقت نماز تراویح مسنون نہیں ہوئی تھی) تو صحابہ کرام کا آپ کی اقتداء میں نوافل کی نماز پڑھنے کے لیے جم غفیر جمع ہونا شروع ہو گیا اور انس بن مالک کی روایت کی روایت کے مطابق تین یا چار راتوں میں اس قدر لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے کہ مسجد نبوی میں کوئی جگہ خالی نہ رہی سو آپ نے مسجد میں قیام کرنا چھوڑ دیا اور صبح کی نماز کے بعد آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ نوافل کی جماعت میں تین افراد سے زیادہ کی شرکت ممنوع یا مکروہ ہے اس لیے نہیں آیا بلکہ فرمایا: میں اس لیے نہیں آیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔

فائدہ: تمام انصاف پرست اہل علم حضرات کے نزدیک اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان بریلوی کوفتہ حنفی میں غیر جانب دار اور ناقد محقق کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ نے فتاویٰ رضویہ باب الوتر والنوافل میں نوافل کی جماعت کے بارے میں پہلے سوال کے جواب میں تفصیلی بحث کی ہے جس میں دونوں فریقوں کے موقف بیان کیے ہیں پھر چند صفحات کے بعد ایک اور سوال کے جواب میں مختصر مگر جامع جواب بیان کیا ہے اس میں سے صرف اردو کا حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اہل سنت و جماعت کے اہل علم حضرات کا اس مسئلہ میں اختلاف کم ہو سکے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

لفل غیر تراویح میں امام کے سوا تین آدمیوں تک تو اجازت ہی ہے۔ چار کی نسبت کتب حنفیہ میں کراہت لکھتے ہیں یعنی کراہت تحریمہ جس کا اصل خلاف اولیٰ ہے نہ کہ گناہ و حرام ”کما ہیناہ فی فتاونا“ مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اکابرین سے جماعت نوافل باہمی ثابت ہے اور عوام فعل خیر سے منع نہ کیے جائیں گے۔ علمائے امت و حکمائے ملت نے ایسی ممانعت سے منع فرمایا ہے۔

[فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۵۰۰ مطبوعہ دارالاشاعت طویہ رضویہ لاہور (موجودہ لعل آباد)]

صفوں کو باہم ملانے کی فضیلت

۳۷۔ بَابُ فَضِيلَةِ وَصْلِ الصُّفُوفِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر درود بھیجتے ہیں جو صفوں کو باہم ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔

۱۲۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي

سَعِيدٍ عَنِ الْخَدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الَّذِينَ

يُصَلُّونَ الصُّفُوفَ. (ابوداؤد (۶۷۶) ابن ماجہ (۹۹۵))

عمل لغات

”يُصَلُّونَ“ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت ہے۔ اس کا مصدر صلوٰۃ ہے اور یہ باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: (اللہ تعالیٰ کے لئے) رحمت کو نازل کرنا اور (مخلوق کے لئے) نزول رحمت کی دعا کرنا، مغفرت کی دعا کرنا۔ ”يُصَلُّونَ“ یہ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب صَرَبَ يَصْرِبُ سے ہے اس کا مصدر وصل وصالا اور وصولا وغیرہ آتا ہے اس کا معنی ہے: جوڑنا ملانا اور جمع کرنا۔ ”الصُّفُوفُ“ یہ صف کی جمع ہے اس کا معنی ہے: صف بنانا، صف بندی سے کھڑا ہونا اور سیدھی قطار بنانا۔

نماز میں صفوں کو باہم ملانے اور سیدھا رکھنے کی اہمیت

دین اسلام لقمہ و ضبط اور قانون کی پابندی پر بہت زور دیتا ہے تاکہ اس کے ماننے والے مسلمان ان اصولوں کی پابندی کر کے

اخلاقیات و معاملات میں معتد اور معتبر اور معزز و مہذب شہری بن جائیں اور عبادات میں اطاعت گزار اور فرماں بردار بن کر آخرت میں سرخرو ہو جائیں چنانچہ عبادات میں سب سے اہم ترین عبادت نماز ہے اس میں صفوں کو ملانے پر اہم رکھے اور درست کرنے کی بہت تاکید کی گئی خود نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین نے صفوں کو درست کرنے کا بہت اہتمام فرمایا جیسا کہ اس حدیث میں فضیلت بیان کی گئی ہے اور علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد ابن حنبل، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے جس میں اتنا اضافہ ہے کہ ”وَمَنْ سَلَّ فَرْجَةً وَفَقَعَهُ اللَّهُ بِهَا ذَرْجَةً“ اور جو شخص (صفوں کے درمیان) خالی جگہ کو پر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا درجہ بلند کر دے گا:

(۱) امام نسائی اور امام حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے جس میں ہے:

”مَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللَّهُ“

جو شخص صف کو ملانے کا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے) ملادے گا اور جو شخص صف کو کاٹنے کا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے) کاٹ دے گا۔ [شرح معجم لامل علی قاری ص ۲۰۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

(۲) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں سیدھی فرمایا کرتے تھے۔ گویا ان سے تیسرے سیدھے کر لیے جائیں گے یہاں تک کہ آپ نے خیال فرمایا کہ اب ہم آپ سے سیکھ چکے پھر ایک دن آپ تشریف لائے اور کھڑے ہوئے یہاں تک کہ آپ بغیر تحریمہ کہنے والے ہی تھے کہ ایک شخص کو سیدھا نکالے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اندر اختلاف ڈال دے گا۔ (رواہ مسلم)

(۳) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صفوں کو سیدھا رکھا کرو کیونکہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز قائم کرنے کا حصہ ہے (متفق علیہ) مگر صحیح مسلم میں ہے کہ صفیں سیدھی رکھنا نماز کی تکمیل کا حصہ ہے۔

(۴) حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے کندھے پکڑتے اور فرماتے: تم آپس میں مل کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور الگ الگ نہ رہو ورنہ تمہارے دل الگ الگ ہو جائیں گے سو تم میں سے عاقل و بالغ میرے قریب کھڑے ہو کر میں پھر دو جوان سے قریب ہوں پھر وہ جوان سے قریب ہوں۔ حضرت ابو مسعود فرماتے ہیں: پس اس لیے آج تم میں بہت اختلاف ہے۔ (رواہ مسلم) [مشکوٰۃ المصابیح باب تسبیح الخف ص ۹۸۔ ۹۷ مطبوعہ المطابع الدلی]

نجر اور عشاء کی نماز باجماعت
ادا کرنے کی فضیلت

۳۸۔ بَابُ فَضِيلَةِ الْفَجْرِ
وَالْعِشَاءِ مَعَ الْجَمَاعَةِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص فجر اور عشاء کی نماز ادا کرنے کے لیے جماعت میں حاضر ہوتا رہا اس کے لیے دو برائیاں ہیں ایک غناق سے برات اور ایک شرک سے برات۔

۱۳۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هَبَذَ الْفَجْرَ وَالْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ كَانَتْ لَهُ بَرَاءَةٌ قَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ الْخِلَاقِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ.

شعب الایمان المجلد ۱ (۲۸۲۵) کراچی (۲۶۰۰) مصنف مدار الزکی (۲۰۱۹)

حل لغات

”شہد“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب مَسَمَعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: حاضر ہونا، شریک ہونا، معائنہ کرنا، اطلاع پانا اور گواہی دینا۔ ”بَرَأَ قَانٍ“ یہ تشبیہ ہے اس کا واحد براءۃ ہے اس کا معنی ہے: بری ہونا، نجات پانا، چھٹکارا حاصل کرنا۔

۱۳۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَالَ مَنْ دَاوَمَ اَرْبَعِينَ يَوْمًا عَلَى صَلَوةِ الْغُضُوْفِ وَالْمَشَاءِ فِيْ جَمَاعَةٍ حُجِبَ لَهُ بَرَاءَةٌ مِّنَ الْبَغَايِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص فجر اور عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ چالیس روز تک مسلسل پڑھتا رہا تو اس کے لیے ایک براءت نفاق سے اور ایک براءت شرک سے لکھ دی جائے گی۔

ابن ماجہ (۷۹۸)

حل لغات

”دَاوَمَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب مَفَاعَلَه سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کام پر جھٹکی اختیار کرنا، ہمیشہ رکھنا مدت دراز تک جاری و ساری رہنا۔

ان دو نمازوں کی تخصیص کی وجوہات

نفاق یہ ہے کہ آدمی کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہو اور اس کے قول و فعل میں تضاد ہو لیکن فجر اور عشاء کی نمازیں باجماعت ہمیشہ ادا کرنے سے نفاق اور شرک جلی اور خفی سے براءت و نجات مل جاتی ہے اور حسن خاتمہ کی توقع کی جاتی ہے۔

اور چالیس روز کی تعیین میں شاید یہ حکمت ہو کہ جب آدمی دین اسلام کی طاعت و عبادت میں مسلسل اتنا عرصہ مصروف و مشغول رہتا ہے تو غالباً اسے عبادت میں روحانی لذت و علاوت، سکون و راحت اور امن و یقین نصیب ہوتا ہے جس کی وجہ سے عبادت میں محنت و مشقت، سردی و گرمی کی کلفت اس سے دور ہو جاتی ہے اور اسے عبادت میں استقامت حاصل ہو جاتی ہے۔

اور ان دو نمازوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں وقت استراحت و آرام کے ہوتے ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا آدمی عشاء کے وقت آرام کرنا چاہتا ہے جبکہ صبح کے وقت خواب غفلت میں نیند کے مزے لے رہا ہوتا ہے۔ ان دو اوقات میں نماز پڑھنا بہت مشکل اور دشوار ہوتا ہے جبکہ باقی اوقات میں نماز پڑھنا ان کی بہ نسبت آسان ہوتا ہے اور تخصیص کی دوسری وجہ یہ ہے کہ منافقین ان دو نمازوں میں حاضر نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان دو اوقات میں ان کو دیہاد اور دکھاوے کا موقع نہیں ملتا تھا کہ رات کی تاریکی اور لوگوں کے اپنے گھروں میں رہنے کی وجہ سے انہیں نماز کے لیے آتے جاتے کوئی نہیں دیکھتا تھا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہو جاتی ہے جس کو امام احمد ابوداؤد و نسائی ابن ماجہ ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع بیان کیا ہے۔

(۱) بے شک یہ دونوں نمازیں یعنی عشاء اور صبح کی منافقوں پر سب سے زیادہ بھاری اور دشوار ہیں اور اگر لوگ ان کی فضیلت کو جان لیں تو ان کو پڑھنے کے لیے گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے تو ضرور آئیں۔

تکبیر اولیٰ کی فضیلت

(۲) امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے چالیس روز تک جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتا رہا کہ وہ ہمیشہ تکبیر اولیٰ پاتا رہا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو براءتیں لکھ دے گا: ایک براءت دوزخ کی آگ سے اور دوسری براءت نفاق سے۔

اور اصح قول یہ ہے کہ جس نے اپنے امام کو رکوع کی تکبیر کہنے سے پہلے پالیا تو یقیناً اس نے تکبیر اولیٰ کو پالیا۔

(۳) امام بیہقی نے امام ابن عساکر سے روایت بیان کی ہے:

جس نے مسجد میں چالیس راتوں تک جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھی کہ اس کی پہلی رکعت کبھی فوت نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے براءت لکھ دے گا۔

(۴) حضرت ابو شیخ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے:

جس نے چالیس صبح امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ کو پالیا تو اس کے لیے دو براءتیں لکھ دی جائیں گی۔ ایک براءت دوزخ کی آگ سے اور دوسری براءت نفاق سے۔

(۵) امام عبدالرزاق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے:

جس شخص کی نماز کی پہلی رکعت چالیس روز تک فوت نہ ہوئی تو اس کے لیے دو براءتیں لکھی جاتی ہیں: ایک براءت دوزخ کی آگ سے اور ایک براءت نفاق سے۔

(۶) جو شخص چالیس راتوں تک تکبیر اولیٰ سمیت بیٹھا نہ نمازوں میں جماعت کے ساتھ حاضر ہوتا رہا تو اس کے لیے جنت واجب کر دی جاتی ہے۔

(۷) جو شخص چالیس روز تک جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا رہا پھر (ہر روز جب) وہ نماز مغرب سے فارغ ہوتا تو دو رکعت نماز نفل اس طرح پڑھتا رہا کہ پہلی رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد ”قل یا ایہا الکافرون“ اور دوسری رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد ”قل هو اللہ احد“ پڑھتا رہا تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جائے گا جس طرح سانپ اپنی کینچلی سے نکل جاتا ہے۔ اس حدیث کو علامہ خلیف بغدادی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم للملائی قاری ص ۵۵۲-۵۵۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

عورتوں کا مساجد میں آنے کا ثبوت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صبح اور عشاء نماز کے لیے عورتوں کو (مسجد کے لیے) نکلنے کی اجازت دی سو ایک آدمی (بلال بن عبد اللہ بن عمر) نے کہا: اب تو لوگ اس رخصت کو بہانہ بنالیں گے تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حدیث سنارہا ہوں اور تم اس کے مقابلہ میں اپنی رائے بیان کرتے ہو۔

بخاری (۸۶۵) مسلم (۹۹۲) ابوداؤد (۵۶۸) ترمذی (۵۷۰) ابن ماجہ (۱۶)

۳۹۔ بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ

۱۳۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ ابْنِ زَاهِمٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِي الْحُرُوجِ لِمَصْلُوحَةِ الْغَدَاوَةِ وَالْعِشَاءِ لِلنِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ إِذَا تَبَيَّعْتَهُ ذَعْلًا فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ أَخْبَرْتُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلُ هَذَا.

حل لغات

”رَخَّصَ“ یہ میخذ واحد ذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: رخصت دینا، اجازت دینا

پہنچ دینا۔ "يَتَّخِذُونَهُ" یہ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کے آخر میں ضمیر مفعول بہ ہے اس کا معنی ہے: پکڑنا لینا بنالینا۔ دوسری روایت میں "يَتَّخِذُونَهُ" جمع مؤنث غائب فعل مضارع معروف ہے۔ اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ اب تو عورتیں اس رخصت کو بہانہ بنالیں گی۔ "ذَخَلْنَا" اس کا معنی ہے: حیلہ بہانہ کمزور فریب دھوکہ دینا چغلی کھانا منجان درختوں کا جھنڈ۔

مساجد میں نماز کے لیے عورتوں کو جانے کی اجازت

(۱) امام ابن ابی شیبہ امام بخاری اور امام ابن ماجہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے بیان فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی صبح یا عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوتیں۔ ان سے کہا گیا کہ تم گھر سے مسجد میں کیوں جاتی ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ حضرت عمر اس کو ناپسند کرتے ہیں اور غیرت کھاتے ہیں تو اس عورت نے کہا کہ پھر انہیں مجھے منع کرنے سے کیا چیز روکتی ہے؟ عزیزوں نے بتایا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد روکتا ہے کہ:

"إِلَّا لَمَنْعُوا إِيَّاهُ الْمَسْجِدَ اللَّهُ" خبردار! تم اللہ تعالیٰ کی باندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں جانے سے نہ روکنا۔

(۲) امام مالک حضرت یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں: حضرت عائکہ بنت زید بن عمر بن نفیل حضرت عمر بن خطاب کی زوجہ تھیں اور وہ حضرت عمر سے مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرتیں تو حضرت عمر خاموش ہو جاتے سو حضرت عائکہ کہتیں: جب تک حضرت عمر مجھے منع نہیں کریں گے میں ضرور جاؤں گی۔ [شرح مسند امام اعظم لملاطی قاری ص ۱۳۷ مطبوعہ مدینہ]۔

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "إِذَا اسْتَأْذَنَ امْرَأَةٌ أَحَدَكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعُهَا" جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے منع نہ کرے۔ [بخاری مسلم]۔
ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت کے لیے تھا جب عورتوں کو مسجد میں حاضری کی اجازت تھی۔ عہد فاروقی سے اس کی ممانعت کر دی گئی کیونکہ مردوں اور عورتوں میں لہذا کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا اب فی زمانہ عورتوں کو باپردہ مسجدوں میں آنے اور علیحدہ بیٹھنے سے نہ روکا جائے کیونکہ اب عام اور ماڈرن عورتیں سینماؤں بازاروں اور تفریحی مقامات میں جانے سے تو رکتی نہیں مسجدوں میں آ کر کچھ دین کے احکام سن لیں گی۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں حاضری دے تو وہ خوشبو نہ لگائے۔ [رداء مسلم]۔
کیونکہ یہ ختنہ کا سبب ہے۔ ایسے ہی چمکدار خوبصورت اور بھڑکیلے کپڑے اور برقعے پہن کر مسجدوں میں نہ آئیں۔ نیز راستے میں لوگوں کے درمیان نہ چلیں سڑک کے کنارے پر چلیں اور لوگوں سے ٹھٹھنے ملنے کی کوشش نہ کریں۔

[مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۷۰ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ مہجرات]

جب نماز عشاء اور رات کا کھانا تیار ہوں

تو کیا حکم ہے؟

۴۰۔ بَابُ إِذَا حَضَرَ

الْعِشَاءُ وَالْعِشَاءُ؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نماز عشاء کے لیے اذان دی جا چکی ہو اور مؤذن اقامت کہنے لگے تو (سخت بھوک کی حالت میں) پہلے کھانا کھا لو۔

۱۳۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ لَوْدِي بِالْعِشَاءِ وَأَذَنُ الْمُؤَذِّنِ فَابْتَدِءْ بِالْعِشَاءِ

بخاری (۵۴۶۵) مسلم (۱۲۴۱) ترمذی (۳۵۳) نسائی (۸۵۴) ابن ماجہ (۱۳۳)

حل لغات

”نَوَدَى“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب مضاعفہ سے ہے اس کا معنی ہے: پکارنا، اعلان کرنا، اذان کے ذریعہ اطلاع دینا۔ ”الْعَشَاءُ“ عین مفتوح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے: رات کو کھانا کھانا، رات کا کھانا، شام کا کھانا، ”كَاهِنَهُ وَ“ صیغہ فتح مذکر حاضر فعل امر حاضر معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: آغاز کرنا، ابتداء کرنا، شروع کرنا، پہل کرنا۔ نماز کے وقت میں پہلے کھانا کھانے کے جواز کی صورتوں کا ذکر

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے تخریج فرمایا ہے البتہ امام طبرانی نے مزید یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب نماز کے لیے اقامت شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو وہ نماز مغرب سے پہلے کھانا کھالے اور تم نماز کے لیے جلدی نہ کرو اور اس طرح کی احادیث ابن عمرؓ صدیقہ ام سلمہؓ ابن عباسؓ ابو ہریرہؓ اور سلمہ ابن اکوعؓ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

تحسين النظام في شرح مسند امام

یاد رہے کہ یہ احتجاجی حکم اور اجازت درج ذیل صورتوں میں ہے:

(۱) وقت میں وسعت و گنجائش موجود ہو (۲) کھانا کھانے کی احتیاج و ضرورت ہو (۳) کھانا ضائع ہونے یا ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو (۴) بھوک کا غلبہ ہو (۵) روزہ دار ہو اور نماز مغرب کا وقت ہو تو پہلے کھانا کھالے (۶) چٹا ب یا پاخانہ ستار ہو۔ اور اس اجازت کی حکمت یہ ہے کہ نمازی اپنی نماز حضور قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ سکون و اطمینان سے ادا کرے اور اس کا دل کھانے وغیرہ میں مشغول نہ رہے اور اس قسم کی احادیث کو حجاز کی بنیاد بنا کر محض اہل پسندی اور سستی کی خاطر نماز یا جماعت ترک کرنا اور پیید کی پوجا میں گھر رہنا حقیقت پسندی ہے نہ دانشمندی ہے بلکہ وراصل اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔

جو شخص اکیلے نماز پڑھ چکا ہو پھر وہ نماز
باجماعت پالے تو اس کا کیا حکم ہے؟

۴۱۔ بَابُ حُكْمِ مَنْ صَلَّى وَحْدَهُ
ثُمَّ يَذُرُّكَ الصَّلَاةَ بِالْجَمَاعَةِ

حضرت جابر بن اسود یا اسود بن جابر اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اپنے اپنے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لی اور ان کا خیال تھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں پھر وہ دونوں مسجد میں آئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے سو وہ دونوں حضرات مسجد کے ایک کونے میں آ کر بیٹھ گئے اور انہوں نے سوچا کہ اب دوبارہ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھنا ان کے لیے جائز نہیں ہے پھر جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے اور ان کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ نے ان کو بلانے کے لیے ایک آدمی کو بھیجا اور ان دونوں کو آپ کی خدمت میں اس حال میں لایا گیا کہ ان کے کندھے اس خوف و ڈر سے قرقر کرنا پ رہے تھے کہ ان دونوں کے بارے میں کوئی نیا حکم آ گیا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں سے

۱۳۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ جَابِرِ ابْنِ الْأَسْوَدِ أَوْ الْأَسْوَدِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلَيْنِ صَلَّى الظُّهْرَ لِيْنِ ابْنَيْهِمَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَمَا يَرَيَانِ أَنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا ثُمَّ أَتَيَا الْمَسْجِدَ لَوَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ فَقَعَدَا فَاجِئَةً مِنَ الْمَسْجِدِ وَهَمَا يَرَيَانِ أَنَّ الصَّلَاةَ لَا تَحِلُّ لَهُمَا فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَاهُمَا أَرْسَلَ إِلَيْهِمَا فَجِئَهُمَا فِيهِمَا وَفَرَّ ابْنَاهُمَا تَرْتَعُدُ مَخَافَةً أَنْ يَكُونَا كَذَلِكَ إِذَا فِي أَمْرِهِمَا شَيْءٌ فَسَأَلَهُمَا فَأَخْبَرَاهُ الْحَبْرَ فَقَالَ إِذَا فَعَلْتُمَا ذَلِكَ فَصَلُّوْا مَعَ النَّاسِ وَاجْعَلَا الْأُولَى جِي

الْفَرَضِ. وَقَدْ رَوَى هَذَا التَّحْدِيثُ جَمَاعَةٌ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ عَنِ النَّبِيِّ فَقَالُوا عَنِ النَّبِيِّ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ترمذی (۲۱۹) نسائی (۸۵۹)

نماز باجماعت میں شریک نہ ہونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے ساری بات بتا دی آپ نے فرمایا: جب بھی تم ایسا کر لو تو لوگوں کے ساتھ (دوبارہ باجماعت) نماز پڑھا لیا کرو اور اپنی پہلی نماز کو فرض سمجھ کر دو۔ اور ایک جماعت نے اس حدیث کو امام ابوحنیفہ کے واسطے سے حضرت یحیٰی سے بیان کیا جو نبی کریم سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں۔

حل لغات

”صَلَّيْنَا“ صیغہ حثیہ مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: نماز پڑھنا۔ ”يُسَوِّمَانِ“ صیغہ حثیہ مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب فَعَّيْ يَفْعُيْ سے ہے اس کا معنی ہے: دو کھانا خیال کرنا، چائنا۔ ”فَرَّائِصُ“ کندھوں کے درمیان گوشت کے حصہ کو کہتے ہیں۔ ”تَسْرِعُودُ“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب اتعال سے ہے اس کا معنی ہے: کاہنا، تھر تھانا۔

فرض نماز دوبارہ باجماعت پڑھنے کے جواز کی صورتیں

اس حدیث سے اشارہ معلوم ہوا کہ دوسری نماز نفل شمار ہوگی (کیونکہ ایک ہی دن کی ایک فرض نماز بطور فرض دوسرے نہیں پڑھی جاسکتی) لہذا یہ دوسری نماز مکروہ اور ممنوع وقت میں ادا نہیں ہوگی اس لیے فجر کی نماز پڑھ لیے کے بعد دوبارہ نہیں پڑھی جائے گی اور نہ عصر کی نماز دوبارہ پڑھی جائے گی اور نہ مغرب کے بعد اسے دوبارہ پڑھا جائے گا کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نماز نفل پڑھنا مکروہ اور ممنوع ہے اور مغرب کے بعد اس لیے نہیں کہ نفل تین رکعات پڑھنا ممنوع ہے جبکہ دو رکعت پر اکتفا کرنا یا ایک رکعت زاد نکلا کر چار رکعت نفل پانا امام کی مخالفت ہے جبکہ امام کی اتباع واجب و لازم ہے۔

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں نماز پڑھ لو پھر تم مسجد میں جا کر دوسری نماز امام کے ساتھ پالو تو صبح اور مغرب کی نماز کے علاوہ امام کے ساتھ یہ نماز (دوبارہ نفل کی نیت سے) پڑھ لو کیونکہ یہ دونوں نمازیں دوسرے نہیں پڑھی جاسکتیں۔ اسے امام عہد الرزاق نے روایت کیا اور نماز عصر نماز صبح کے حکم میں شامل ہے۔

اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کے لیے جماعت شرط نہیں ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے ورنہ تہا پڑھی گئی نماز باطل ہوتی اور باجماعت پڑھی گئی دوسری نماز نفل کی بجائے فرض شمار ہوتی۔ اور اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ ایک دن کی فرض نماز کا بطور فرض اعادہ ممنوع ہے (لہذا ایک مرتبہ فرض نماز پڑھنے کے بعد اسے بطور فرض دوبارہ نہ پڑھ سکتا ہے اور نہ پڑھا سکتا ہے البتہ ظہر اور عشاء کی نماز نفل کی نیت سے دوبارہ باجماعت پڑھ سکتا ہے) اور یہ کہتا کہ دوسری نماز (باجماعت) فرض ہے یہ ضعیف قول ہے اور اسی طرح یہ کہتا کہ تہا اور پھر دوبارہ باجماعت پڑھی گئی نماز مبہم ہے اور اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے (دعی جانتا ہے کون سی نماز فرض ہے اور کون سی نماز نفل ہے) ضعیف قول ہے کیونکہ نماز کا تعین واجب و لازم اور ضروری ہے تاکہ اس پر احکام متفرع ہو سکیں۔

(۲) دراصل یہ حدیث حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے وارد ہے جیسا کہ امام ابو داؤد و امام حاکم اور امام بیہقی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

”اذا صلى احدكم في رحله ثم ادرك الامام وهو يصلي فليصل معه فانها نافله“ (ترجمہ:) جب تم میں سے کوئی شخص اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھ لے پھر وہ امام صاحب کو نماز پڑھاتے ہوئے پالے تو اسے چاہیے کہ وہ امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے کیونکہ اس کی یہ نماز نفل ہو جائے گی۔

(۳) امام احمد، ترمذی، امام نسائی اور امام بیہقی کی روایت میں حضرت یزید بن اسود سے یہ الفاظ بھی مروی ہیں: ”اذا صلحنا في رحالكمما ثم اتينا مسجد الجماعة فصلينا معهم فانها لهما نافله“ (ترجمہ:) جب تم دونوں اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھ لو پھر تم دونوں مسجد میں آؤ جس میں نماز باجماعت ہو رہی ہو تو تم دونوں ان کے ساتھ نماز پڑھ لو کیونکہ وہ نماز تمہارے لیے نفل ہو جائے گی اور ابن عمر کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ جو نماز تم نے اپنی قیام گاہ میں پڑھی ہے وہ فرض شمار ہوگی۔

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک آدمی کے ہارے میں سوال کیا گیا کہ وہ اپنے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لیتا ہے پھر وہ مسجد میں آتا ہے اور اس وقت لوگ باجماعت نماز پڑھ رہے ہیں تو وہ بھی لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لیتا ہے سو ان دونوں میں سے اس کی اصل نماز (فرض) کون سی ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ان دونوں میں سے پہلی نماز اس کی اصل نماز ہوگی۔

(۵) امام ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے ہارے میں پوچھا گیا جو تنہا نماز پڑھ لیتا ہے پھر وہ دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیتا ہے تو آپ نے فرمایا: اس کی پہلی نماز اصل (فرض) ہے اور دوسری نماز نفل ہے۔

(۶) سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بلاط شہر میں حاضر ہوا جبکہ دوسرے لوگ نماز باجماعت ادا کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے؟ آپ نے فرمایا: بے شک میں تو نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”لا تصلوا صلاة في يوم موئین“ تم ایک دن میں ایک نماز کو دوسرے نہ پڑھو۔ سو یہ اس بات پر محمول ہے کہ حضرت ابن عمر وہ نماز باجماعت ادا کر چکے تھے کیونکہ امام مالک نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ حضرت نافع نے ہمیں بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر سے سوال کیا اور کہا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لوں پھر میں امام کے ساتھ نماز کو پالوں تو کیا میں ان کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھ لوں؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں! سو اس نے عرض کیا کہ ان دونوں نمازوں میں سے کس نماز کو میں اپنی اصل نماز شمار کروں تو حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ یہ معاملہ تمہارے سپرد نہیں ہے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ جس کو چاہے فرض نماز قرار دے اور جس کو چاہے نفل نماز قرار دے اور جس کو چاہے نفل نماز قرار دے۔ امام مالک نے فرمایا: یہ روایت حضرت ابن عمر کی طرف سے اس بات کی دلیل ہے کہ جو روایت حضرت سلیمان بن یسار کی طرف سے ان سے مروی ہے اس کا مطلب ہے کہ ایک دن میں ایک نماز بطور فرض دوسرے نہ پڑھنی چوتھ آپ ایک مرتبہ نماز باجماعت ادا کر چکے تھے اس لیے دوبارہ نہیں پڑھی۔ علامہ ابن البہام نے کہا ہے کہ اس حدیث سے امام شافعی کے اس قول کی نفی ہو جاتی ہے کہ مطلقاً دوبارہ نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ وہ باجماعت نماز پڑھ چکا ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم! (شرح مسند امام اعظم لعلی قاری ص ۳۲۱-۳۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

جمعہ کے دن غسل کرنے کی

فضیلت کا بیان

۴۲۔ بَابُ فَضِيلَةِ الْغُسْلِ

فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

۱۳۸۔ ابُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى عَنْ عُمَرَ عَنْ

عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوا يَرَوْحُونَ إِلَى الْجُمُعَةِ وَقَدْ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ سورج ڈھلنے کے بعد جمعہ المبارک کی نماز (مسجد میں) پڑھنے کے لیے جاتے تھے

حالا کہ وہ پسینہ سے شرابور ہوتے اور مٹی میں تھڑے ہوئے ہوتے تھے سو اس لیے انہیں حکم فرمایا گیا کہ جو شخص نماز جمعہ پڑھنے آئے تو اسے چاہیے کہ وہ غسل کر کے آئے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ لوگ کاشت کاری کے لیے اپنی زمینوں کو آباد کرتے تھے اور جب وہ جمعہ المبارک کی نماز پڑھنے کے لیے آتے تو وہ پسینے اور مٹی میں تھڑے ہوئے ہوتے تھے سو اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم فرمایا کہ جب تم نماز جمعہ کے لیے حاضر ہونے لگو تو پہلے غسل کر لو۔

غِبْرُفُوا وَتَلَطُّفُوا بِالْيَدَيْنِ فَيُغْتَابِلُ لَكُمْ مِنْ رَاحٍ أَوْ لِي
الْمُصَنِّعَةِ فَلْيُغْتَابِلِ وَيْلِي رَوَاهُ كَانَ النَّاسُ عُمَارَ
نَزِيهِمْ وَكَانُوا يَرَوْنَ حَوْنَ يَغَابِلُهُمُ الْعَرَبُ وَالْعَرَبُ
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَضَرْتُمْ
الْمُصَنِّعَةَ فَاسْتَلُّوا بخاری (۹۰۳) مسلم (۱۹۵۸) ابوداؤد
(۳۵۲) ترمذی (۱۳۸۰) حاکمی (۶۸۴)

حل لغات

”یَرَوْنَ حَوْنَ“ میذبح ذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب فَعَصَرَ يُفَعِّرُ سے ہے اس کا معنی ہے: شام کے وقت آنا یا جانا یا کام کرنا وقت کی قید کے بغیر مطلق آنا جانا سورج ڈھلنے سے لے کر شام کے وقت تک آنا جانا یہاں ردال کے بعد عمر کے وقت آنا مراد ہے۔ ”غِبْرُفُوا“ میذبح ذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب تَسَمَّعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: پسینہ آنا۔ ”تَلَطُّفُوا“ میذبح ذکر غائب فعل ماضی معروف باب تَعَطَّلَ سے ہے اس کا معنی ہے: آلودہ ہو جانا تھڑا جانا۔ ”عُمَارَ“ یہ عامر کی جمع ہے اس کا معنی ہے: آباد کار۔

تحفہ المساک کی وجہ تسمیہ

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: جس دن کو زمانہ جاہلیت میں عروبہ کہتے تھے وہی دن زمانہ اسلام میں جمعہ قرار پایا ہے۔ اس دن کو جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن عبادت کے لیے بہت زیادہ لوگ جمع ہوتے ہیں جس طرح بہت زیادہ لعنت کر لے والے شخص کو لعنت میں ”لُعْنَةُ“ کہتے ہیں۔ علامہ ثعلب کہتے ہیں: جس شخص نے سب سے پہلے اس دن کو جمعہ کا نام دیا وہ رسول اللہ ﷺ کے جد امجد حضرت کعب بن لوی تھے اس سے پہلے اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا۔ علامہ سبکی نے الروض الانف میں لکھا ہے: ہر چند کہ حضرت کعب بن لوی نے سب سے پہلے عروبہ کو جمعہ کا نام دیا ہے لیکن عروبہ کا یہ نام زمانہ اسلام میں مشہور ہوا ہے۔ علامہ سبکی لکھتے ہیں کہ حضرت کعب بن لوی اس دن لوگوں کو جمع کرتے اور ان کے سامنے تقریر کرتے جس میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت اور بخت کے بارے میں خبر دیتے اور یہ بتلاتے کہ آپ ان کی اولاد میں سے مبعوث ہوں گے اور انہیں آپ کی اتباع اور آپ پر ایمان لانے کی نصیحت کرتے۔ حدیث میں ہے کہ پہلا جمعہ مدینہ منورہ میں پڑھا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کو جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ نے خلقت آدم علیہ السلام کو جمع کیا۔ علامہ ثعلب نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس دن قریش دارالندوہ میں جمع ہوتے تھے اس لیے یہ دن جمعہ کہلایا۔ بہر حال اکثر علماء کا نظریہ یہی ہے کہ اس دن کو زمانہ اسلام میں جمعہ کہا گیا۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ امام حاکم اور امام ابن حبان نے اپنی اپنی تصانیف میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت اوس بن اوس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے افضل دن جمعہ ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی دن فوت ہوئے اسی دن صور پھونکا جائے گا اسی دن قیامت ہوگی اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ فوت ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد کا کھانا حرام کر دیا ہے اور امام احمد نے اپنی مسند میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس دن کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا۔ آپ نے فرمایا: اس دن تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا خیر تیار کیا گیا اسی دن صور پھونکا جائے گا اسی دن حشر ہوگا اسی دن حساب ہوگا اس دن کے آخر میں تین ساعات ہیں جن میں سے ایک ساعت وہ ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جود عا کرے قبول ہو جاتی ہے۔
جمعہ کے مسائل اور احکام

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: نماز جمعہ پڑھنا فرض قطعی ہے اس کی فرضیت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اس کی فرضیت کا انکار کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ. [سورہ الجمعة: ۹]

جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو (یعنی جلدی جاؤ)۔

اور سنن ابوداؤد میں حضرت طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنا واجب ہے ماسوا چار شخصوں کے: غلام، عورت، بچہ، مریض اور مسنن بیہوشی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت ہے: بچہ، غلام اور مسافر کے سوا ہر شخص پر نماز جمعہ پڑھنا واجب ہے اور امام احمد بن حنبل نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے تین بار نماز جمعہ بغیر عذر (شرعی) کے ترک کر دی اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: نماز جمعہ کے وجوب کی شرائط یہ ہیں: آزاد ہونا، مرد ہونا، مقیم ہونا (یعنی مسافر نہ ہونا)، تندرست ہونا، آنکھوں اور ناکوں کا سلامت ہونا، شہر، جماعت، خطبہ، سلطان (عالم دین سلطان کا قائم مقام ہے)، جمعہ کا وقت اور اذان عام ہونا۔ [شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۲۲-۶۲۱ مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور]

۱۳۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ وَالْمَنْصُورُ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشِيرٍ
 كَتَبُوا عَنْ ثَالِثِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْفُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى مَنْ
 آتَى الْجُمُعَةَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا اس شخص پر لازم ہے جو نماز جمعہ پڑھنے آئے۔

بخاری (۸۲۷)، ابوداؤد (۳۴۰)، ترمذی (۴۹۲)، نسائی (۱۳۷۲)، ابن ماجہ (۱۰۸۸)

حل لغات

”آئی“ یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضروب بضم ب سے ہے اس کا معنی ہے: آنا۔

جمعہ المبارک کے دن غسل کرنے کا ثبوت

(۱) اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، شیخین (بخاری و مسلم) اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: ”الْفُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَكِمٍ“ (ترجمہ) جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ مرد پر واجب ہے۔

(۲) امام طبرانی اور امام ابویہم نے اکلیدہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ ”الْفُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سُنَّةٌ“ جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے۔

(۳) امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ”الْفُسْلُ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي سَبْعَةِ أَيَّامٍ شَعْرَاءَ وَ”

بَشَرًا "ہفتہ میں ایک دن اپنے بالوں اور جسم کی صفائی کی خاطر ہر مسلمان پر غسل کرنا واجب ہے اور ایک روایت میں ہے: "مَنْ أَقْبَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ" جو شخص جمعہ کے دن نماز پڑھنے آئے اسے چاہیے کہ وہ غسل کرے۔ اس حدیث میں امر استحباب کے لیے ہے کیونکہ امام احمد ابن حنبلہ اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت سرہ جی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ "مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهَا وَبَغَمَتْ وَمَنْ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ" جس نے جمعہ کے دن وضو کیا تو درست کیا اور اچھا کیا اور جس نے غسل بھی کیا تو غسل سب سے زیادہ فضیلت والا کام ہے۔ [شرح منہاج امام اعظم لہا علی قاری ص ۱۹۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

جمعہ کے دن غسل کا حکم

بعض احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن غسل کا حکم دیا ہے اور بعض احادیث میں فرمایا: ہر بالغ مرد پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبلہ اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا سنت مستحبہ ہے اور ان احادیث میں آپ کا حکم استحباب پر محمول ہے اور جس حدیث میں ہے: "الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ" تو اس میں واجب ثابت اور تاکید کے معنی میں ہے اس سے وجوب اصطلاحی مراد نہیں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس مسئلہ میں تین قول ہیں: واجب، مستحب، ہونہ میں یہی ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے اور اس کا ترک جائز نہیں لیکن اصحاب امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ یہ مستحب ہے

[شرح مسلم النووی ج ۱ ص ۶۷۹ مطبوعہ دار مجرایع المطابع کراچی طبع ۱۴۰۵ھ ص ۱۳۷]

امام مالک کا استدلال بعض احادیث کے ظاہری الفاظ سے ہے جن کی توجیہ ہم علامہ النووی سے نقل کر چکے ہیں۔ جمہور کا استدلال اس حدیث سے ہے:

حضرت سرہ بن جبشہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کے دن صرف وضو کیا تو درست کیا اور یہ اچھی بات ہے اور جس شخص نے غسل (بھی) کیا تو اس میں زیادہ فضیلت ہے۔

مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهَا وَبَغَمَتْ وَمَنْ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ [جامع ترمذی]

ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا پھر جمعہ کے لیے آیا اور خاموش بیٹھ کر (خطبہ) سنتا رہا اس کے لیے ایک جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک اور مزید تین دن کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

مَنْ تَوَضَّأَ فَاحْسِبْهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ فَاَسْمَعِ وَالصَّغِيرُ لَهُ مَا بَيْنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ ايام. [سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰]

[شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۶-۲۳۷ مطبوعہ فرید بک خاں لاہور]

۴۳۔ بَابُ جُلُوسَةِ الْاِمَامِ عَلَى الْمِنْبَرِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ سَنَةً

خطبہ سے پہلے امام کا منبر پر بیٹھنا سنت ہے

حضرت ابن عمر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو خطبہ سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتے تھے۔

۱۴۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمِيْنَةَ عَنْ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَوَّاهُ الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جَلَسَ لِقَبْلِ الْخُطْبَةِ جُلُوسَةً خَوِيفَةً.

حل لغات

”صَعِدَ“ میثد واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: چڑھنا، اُچھلنے کی طرف چلنا۔ ”جَلَسَ خَفِيفَةً“ اس کا معنی ہے: تھوڑی دیر بیٹھا۔ موصوف مفتل کر جلس کا مفعول مطلق ہے۔

خطبہ پڑھنے کے چند احکام

حمد السہارک کا خطبہ نماز جمعہ کے لیے شرط ہے۔ عیدین کے لیے سنت ہے نکاح اور وعظ سے پہلے خطبہ پڑھنا بھی سنت ہے مسنون یہ ہے کہ خطبہ جمعہ نماز سے کم ہو اور عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں اذان، تکبیر اور خطبہ پڑھنا بدعت قبیحہ ہے کیونکہ خلفائے راشدین نے قاریں، روم اور حبشہ وغیرہ ایسے ممالک فتح کیے جہاں عربی زبان نہیں تھی لیکن کہیں ثابت نہیں کہ ان ملکوں میں یہ چیزیں لیر عربی میں پڑھی گئی ہوں۔ خطبہ سے مراد صرف وعظ و نصیحت نہیں تاکہ سامعین کا سمجھنا ضروری ہو بلکہ اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد و ثناء ہے جس کے لیے عربی زبان مناسب و موزوں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے خطبہ کو ذکر اللہ فرمایا ہے۔ وعظ نہیں کہا، رب تعالیٰ فرماتا ہے: ”لَا تَسْمَعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ الْوَيْدِ“ ”سو تم اللہ تعالیٰ کا ذکر (خطبہ) سننے کی طرف جلدی جاؤ“ لہذا سامعین کو وعظ و نصیحت خطبہ سے پہلے سناؤ۔ خطبہ میں قاری یا اردو وغیرہ داخل کر کے شعار اسلامی کو نہ بگاڑا جائے۔

[مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ کتب خانہ مکتبہ]

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دو خطبے پڑھا کرتے تھے اور جب آپ منبر پر چڑھتے تو تھوڑی دیر بیٹھ جاتے یہاں تک مؤذن اذان سے فارغ ہو جاتا پھر آپ کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے پھر آپ بیٹھ جاتے اور کوئی بات چیت نہ فرماتے پھر آپ کھڑے ہوتے اور (دوسرا) خطبہ پڑھتے۔

[مشکوٰۃ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار الفکر دہلی]

۴۔ بَابُ خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ فَإِنَّمَا مَسْنَةٌ

۱۴۱۔ أَبُو خَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ رَجُلًا خَلَّفَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُومٍ عَنْ خُطْبَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ لَهُ أَمَا تَسْمَعُ سُورَةَ الْجُمُعَةِ قَالَ بَلَىٰ وَلَكِنْ لَا أَعْلَمُ لِمَ قُرِئَ عَلَيْهِ وَإِذَا رَأَوْا بَحَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ فَإِنَّمَا (الجمعة: ۱۱) ایں ماجہ (۱۱۰۸)

حمد السہارک کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنت ہے حضرت ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی (یعنی حضرت علقمہ بن قیس) نے انہیں بتایا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کے بارے میں دریافت کیا (آیا آپ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے؟) سو انہوں نے فرمایا کہ کیا تم سورۃ الجمعہ نہیں پڑھتے؟ عرض کیا: کیوں نہیں! لیکن میں اس مسئلہ کو نہیں سمجھا۔ راوی نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی: ”وَإِذَا رَأَوْا بَحَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ فَإِنَّمَا“ (الجمعة: ۱۱) اور جب وہ تجارت یا کسی کھیل کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔

حل لغات

”خَدَّتْ“ میثد واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فَعَّلَ يَفْعِلُ سے ہے اس کا معنی ہے: بیان کرنا، روایت کرنا، خبر دینا

منقول کرنا۔ ”اَبْقُوا“ میں جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: اٹھ کر بھاگ جانا۔

بیٹھ کر خطبہ پڑھنا بدعت ہے

(۱) حضرت جابر بن سرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہیں جو شخص تمہیں یہ خبر دے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے تو وہ جھوٹا ہے اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے دو ہزار نمازوں سے زیادہ نمازیں آپ کی اقتدا میں پڑھیں ہیں۔ ارادہ مسلماً ہر خطبہ کے لیے کھڑا ہونا سنت ہے خواہ وہ خطبہ جمعہ و عیدین ہو یا خطبہ وعظ و تقریر یا خطبہ نکاح ہو۔ جو شہر جہاد سے فتح ہوئے ہیں وہاں نکوار لے کر خطبہ پڑھے اور جو بہ خوشی مسلمان ہو گئے وہاں بغیر نکوار خطبہ پڑھے۔ (مرقات) دوسرے خطبہ کی آواز پہلے خطبہ سے کچھ کم ہو۔

[مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۴۹ مطبوعہ فیضی کتاب خانہ مکتبات]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

تفسیر بنوی میں ہے کہ (۲) حضرت علقمہ بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے دریافت کیا کہ کیا نبی کریم ﷺ بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے یا کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ کیا تم یہ آیت ”وَتَرْكُوكَ طَالِعًا“ نہیں پڑھتے (یعنی آپ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرتے)۔

(۳) امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رحمہ اللہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ المبارک کے دن دونوں خطبے کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اور دونوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھتے تھے۔

(۴) علامہ ابن عساکر نے حضرت جابر بن سرہ رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ جو شخص تمہیں یہ بیان کرے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے تو وہ جھوٹا ہے اور اس نے جھوٹ بولا ہے۔ میں گواہ دیتا ہوں کہ آپ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ پڑھتے۔ [شرح مسند امام اعظم ملا علی قاری ص ۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت]

جمعہ المبارک کی نماز میں کیا پڑھنا چاہئے؟

۴۵۔ بَابُ مَا يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ المبارک کے دن سورۃ البقرہ اور سورۃ المنافقین کی تلاوت کرتے تھے۔

۱۴۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدَ بْنِ إِسْمَاعِيلَ الْكُوفِيِّ عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ يُونُسَ بْنِ زَيْنَادٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَالْمَنَافِقِينَ.

مسلم (۲۰۳۶) ابوداؤد (۱۱۲۴) ترمذی (۵۱۹) نسائی (۱۴۲۲) ابن ماجہ (۱۱۱۸) مسند احمد (ج ۲ ص ۳۲۹)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عیدین میں اور جمعہ کے دن سورۃ ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ اور سورۃ ”هل اتاك حديث العاصية“ کی تلاوت کرتے تھے

۱۴۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ خَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْعَاصِيَةِ.

عیدین اور جمعہ میں تلاوت کی گئی سورتوں کا ذکر

(۱) امام مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام عیدین اور جمعہ کی نماز میں ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ اور ”هل اناک حدیث الغاشیة“ کی تلاوت کرتے تھے جیسا کہ امام ابو حنیفہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(۲) حضرت عبید اللہ بن ابی رافع بیان کرتے ہیں کہ مروان بن حکم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر خلیفہ مقرر کر کے مکہ مکرمہ چلا گیا اور حضرت ابو ہریرہ نے ہمیں جمعہ المبارک کی نماز پڑھائی اور آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ الجمعۃ تلاوت فرمائی اور دوسری رکعت میں سورۃ ”اذا جاءک المنافقون“ کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ سے جمعہ کی نماز میں ان دو سورتوں کو پڑھتے ہوئے سنا ہے اور اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبید اللہ نے کہا کہ میں حضرت ابو ہریرہ سے ظاہر عرض کیا کہ آپ نے جن دو سورتوں کی تلاوت کی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ میں نماز جمعہ میں انہیں دو سورتوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ [تسبیح النعام حاشیہ نمبر ۵ ص ۸۴]

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ حضرت نعمان بن بشیر نے یہ بھی بیان فرمایا کہ بعض اوقات عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاتے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں میں یہی دو سورتیں تلاوت کرتے۔ علامہ لودی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ عیدین اور جمعہ المبارک میں ان دونوں سورتوں کا پڑھنا مستحب ہے جبکہ دوسری حدیث میں ہے: آپ ﷺ عید میں سورۃ ق اور سورۃ قمر کی تلاوت فرماتے اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ دراصل نبی کریم ﷺ کسی وقت جمعہ میں سورۃ الجمعۃ اور سورۃ المنافقین پڑھتے اور کسی وقت ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ اور ”هل اناک حدیث الغاشیة“ پڑھتے اور کسی وقت عید میں سورۃ ق اور سورۃ قمر پڑھتے اور کسی وقت ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ اور ”هل اناک حدیث الغاشیة“ پڑھتے۔ [بذل الجود ص ۲ م ۱۹۶ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ ملتان]

جمعہ کی رات اور اس میں مرنے والے

کی فضیلت کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ المبارک کی کوئی رات ایسی نہیں آتی مگر اللہ تعالیٰ اس میں اپنی مخلوق کی طرف تین مرتبہ نظر رحمت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کی مغفرت و بخشش فرما دیتا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان جمعہ المبارک کے دن فوت ہو اس کو قبر کے عذاب سے بچالیا جاتا ہے۔

۴۶۔ بَابُ فِي فَضِيلَةِ لَيْلَةِ

الْجُمُعَةِ وَمَنْ مَاتَ فِيهَا

۱۴۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ طَارِقٍ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ لَيْلَةٍ جُمُعَةٍ إِلَّا يَنْظُرُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَى خَلْقِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يَغْفِرُ اللَّهُ لِمَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا.

مسند الحارثی (ص ۲۳۶)

۱۴۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَفِي هَذَابِ الْقَبْرِ.

ترمذی (۱۰۸۴)

احکام لغات

”ما من ليلة جمعة الا“ اس میں حرف مانا یہ ہے اور حرف الاستثناء کے لیے ہے۔ اس سے مقصود کلام میں ضرر پیدا کرنا ہے۔
 ”يَنْظُرُ“ میخدا واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرُ نَصْرًا سے ہے اس کا معنی ہے: دیکھنا۔ ”يَنْظُرُ“ میخدا واحد
 مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب ضَرَبَ ضَرْبًا سے ہے اس کا معنی ہے: بخش دینا۔ ”غَاتُ“ میخدا واحد مذکر غائب فعل
 ماضی معروف مثبت باب نَصَرُ نَصْرًا سے ہے اس کا معنی ہے: مرنا فوت ہونا ختم ہونا۔ ”وَلَقَى“ میخدا واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول
 مثبت باب ضَرَبَ ضَرْبًا سے ہے اس کا معنی ہے: بچانا حفاظت کرنا۔

جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والے کی سعادت کا ذکر

امام ترمذی نے یہ حدیث بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

(۱) امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

ما من مسلم يموت يوم الجمعة او ليلة الجمعة الا رواه الله في الجنة
 جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ
 اس کو قبر کے فتنے سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۲) حضرت عطاء بن ابی رباح مرسل مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں:

ما من مسلم او مسلمة يموت ليلة الجمعة
 جو مسلمان مرد یا مسلمان عورت جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن فوت
 لو يوم الجمعة الا وفي عذاب القبر و فتنه
 ہو جاتا ہے تو اسے قبر کے عذاب اور قبر کے فتنے سے بچالیا جاتا ہے اور وہ
 القبر ولقى الله ولاحساب عليه وجاء يوم القيامة
 اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس پر کوئی حساب و
 ومعهم شهود يشهدون له انه طائع
 کتاب نہیں ہوتا اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے
 ساتھ گواہی دینے والے فرشتوں کی جماعت ہوگی جو اس کے حق میں
 گواہی دیں گے کہ یہ فرمان بردار بندہ ہے۔

(۳) امام ابو یعلیٰ نے اپنی سند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

من مات يوم الجمعة وفي عذاب القبر
 جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوتا ہے اسے قبر کے عذاب سے بچالیا
 جاتا ہے۔

(۴) حضرت عکرمہ بن خالد سے مروی ہے:

من مات يوم الجمعة او ليلة الجمعة ختم له
 جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہوتا ہے تو اس کے لیے
 بخاتم الايمان وعذاب القبر
 ایمان کی مہر لگا دی جاتی ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے بیان کیا اور کہا: یہ حسن حدیث ہے۔

فائدہ: حکیم ترمذی نے کہا کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ اس دن متوفی اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجابات و پردے کھل جاتے ہیں
 کیونکہ اس دن دوزخ کی آگ کو بجھایا نہیں جاتا اور اس دن دوزخ کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں اور دوزخ کا دار و غدا اس دن
 عذاب و نجات کا وہ عمل نہیں کرتا جو دوسرے دنوں میں کرتا ہے سو اس لیے جب اللہ تعالیٰ اس دن جس بندے کی روح قبض کرتا ہے تو یہ
 اس کی سعادت اور حسن انجام کی دلیل ہوتی ہے۔ [تسلیں نظامی شرح مسند الامام ص ۸۵ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

امور خیر اور اجتماعی دعا کے لیے
عیدین میں عورتوں کو
جانے کی اجازت ہے

حضرت ام علیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ عورتوں کو عیدین میں جانے کی اجازت دی گئی ہے یہاں تک کہ دو لڑکیاں ایک چادر اوڑھ کر بھی چلی جاتی تھیں حتیٰ کہ حیض والی عورتیں بھی چلیا کرتی تھیں اور وہ لوگوں کے آخر میں ایک طرف کنارے پر بیٹھ جاتی تھیں اور وہ دعا (دعا و نصیحت اور صدقات) میں شامل ہو جاتی تھیں لیکن نماز نہیں پڑھتی تھیں۔
حضرت ام علیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں عورتوں کو جانے کی اجازت تھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اگر حیض والی عورتیں ہوں تو وہ جائیں اور دوسری عورتوں سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھ جائیں اور وہ نوں عیدوں کی دعاؤں میں شریک ہوں اور ایک روایت میں اس طرح ہے حضرت ام علیہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ عید قربان اور عید الفطر کے دن پردہ دار خواتین اور حیض والی خواتین سب کی سب عید گاہ میں جایا کریں لیکن حیض والی عورتیں نماز سے الگ رہیں اور وہ صرف خیر و بھلائی کے دیکر کاموں (جیسے تحفہ دہن، تحفہ و تہلیل اور ذکر الہی) میں اور مسلمانوں کی اجتماعی دعا میں شریک ہوں سو ایک عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی عورت کے پاس پہننے کے لیے چادر وغیرہ نہ ہو تو آپ نے فرمایا: اس کی لیکن اسے اپنی چادر پہنا دے۔

۴۷۔ بَابُ الرَّخْصَةِ لِمُخْرَجِ
النِّسَاءِ فِي الْعِيدَيْنِ إِلَى الْخَيْرِ
وَدَعْوَةِ الْمُسْلِمِينَ

۱۴۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ سَمْعٍ أَوْ عَطِيَّةٍ يَقُولُ رُخِصَ لِلنِّسَاءِ فِي الْمَخْرُوجِ إِلَى الْعِيدَيْنِ حَتَّى لَقَدْ كَانَتِ الْبُكَرَانُ تَخْرُجْنَ فِي الثُّوبِ الْوَاحِدِ حَتَّى لَقَدْ كَانَتِ الْحَائِضُ تَخْرُجُ فَتَجْلِسُ فِي عَرْضِ النَّاسِ يَدْعُوْنَ وَلَا يَضِلُّنَّ.
۱۴۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةٍ قَالَتْ كَانَ يُرْخِصُ لِلنِّسَاءِ فِي الْمَخْرُوجِ إِلَى الْعِيدَيْنِ مِنَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى وَفِي رِوَايَةٍ قَالَتْ إِنْ كَانَ الْعَامُ تَخْرُجُ فَتَجْلِسُ فِي عَرْضِ النِّسَاءِ فَتَدْعُوْهُنَّ إِلَى الْعِيدَيْنِ. وَفِي رِوَايَةٍ قَالَتْ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَخْرُجَ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَوْمَ الْفِطْرِ ذَوَاتُ الْخُدُودِ وَالْحَائِضُ لَمَّا أَتَيْنَ الْخَيْصَ فَتَقْرَأَنَّ السَّلَاةَ وَتَشْهَدَنَّ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَتْ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا كُنَّا إِحْدَانَا تَبَسَ لَهَا جَلْبَابٌ قَالَ يُتْلِبُهَا أُخْتُهَا مِنْ جَلْبَابِهَا. بخاری (۹۸۱) مسلم (۲۰۵۵) ابوداؤد (۱۱۳۷) ترمذی (۵۳۹) نسائی (۱۵۵۹) ابن ماجہ (۱۳۰۷)

حل لغات

”رُخِصَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: رخصت دینا، اجازت دینا۔
”الْبُكَرَانِ“ یہ بکر کی تشبیہ ہے اس کا معنی ہے: کنواری لڑکی۔ ”عَرْضُ“ معین مضموم کے ساتھ ہے اس کا معنی ہے: کنارہ۔ ”يَدْعُوْنَ“ صیغہ جمع مؤنث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نصر ینصرون سے ہے اس کا معنی ہے: دعا کرنا۔ اللہ تعالیٰ کو پکارنا۔ ”الْحَائِضُ“ بمعنی الحائض ہے۔ ”ذَوَاتُ الْخُدُودِ“ کا معنی ہے: پردہ نشین عورتیں۔ ”الْحَائِضُ“ حائض کی جمع مکرر ہے۔ ”يَقْرَأَنَّ“ صیغہ جمع مؤنث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افتعال سے ہے اس کا معنی ہے: الگ رہنا، جدا رہنا۔ ”جَلْبَابٌ“ بڑی چادری جس سے پورا جسم چھپ جائے۔

عورتوں کو خیر و برکت کی محافل میں جانے کی اجازت

اس قسم کی احادیث کا مقصد و مطلب یہ ہے کہ تمام عورتوں کو عید گاہ میں لایا جائے تاکہ جو نماز کے قابل ہیں وہ نماز پڑھ لیں اور جو نماز کے قابل نہ ہوں جیسے حیض والی عورتیں تو وہ مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوں اور ان دعاؤں سے خیر و برکت اجر و ثواب اور فائدہ حاصل کریں اور نبی کریم ﷺ کے وعظ و تبلیغ سے اپنے متعلق شرعی احکام معلوم کریں اور عید کی رونق و حاضری کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ علامہ طاعنی قاری لکھتے ہیں: ”وفيه ترويب للرجال في حضور الصلوات و مجالس الذكر و مغاربة الصلحاء لينالهم برکتهم“ اور اس اجازت و رخصت سے نمازوں میں اور ذکر الہی کی محافل اور صالحین کے قرب و خدمت میں حاضری دینے کی لوگوں کو ترغیب دی گئی ہے تاکہ وہ لوگ ان سے برکت حاصل کریں۔ البتہ عید گاہوں میں بھی عورتیں انہیں شرعاً کے ساتھ شریک ہوں جن کا ذکر اس سے پہلے باب ”خروج النساء الى المساجد“ میں بیان ہو چکی ہیں۔

۴۸۔ بَابُ عَدَمِ جَوَازِ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْعِيدِ وَ بَعْدَهَا

نماز عید سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز جائز نہیں

۱۴۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيٍّ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ جَنْتَرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْفَيْدِ إِلَى الْمُصَلَّى فَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَلَا بَعَثَهَا فِيمَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید کے دن عید گاہ میں تشریف لے گئے تو آپ نہ تو نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ نماز عید کے بعد۔

بخاری (۹۸۹) مسلم (۲۰۵۷) ابوداؤد (۱۱۵۹) ترمذی (۵۳۸) نسائی (۱۵۸۸) ابن ماجہ (۱۴۹۱)

حل لغات

”الْمُصَلَّى“ اس کا نقل معنی تو نماز گاہ ہے یعنی نماز پڑھنے کی جگہ لیکن یہاں اس سے عید گاہ مراد ہے جہاں نماز عید ادا کی جاتی ہے۔ ”لَمْ يُصَلِّ“ میں نہ واحد نہ کثرت کا فاعل فعل نفی۔ محمد بن یحییٰ باب تکمیل سے ہے اس کا معنی ہے: نماز پڑھنا یعنی عید گاہ میں کوئی نقل نماز نہ پڑھے نہ نماز عید سے پہلے اور نہ بعد میں۔ قبل الصلوٰۃ میں الصلوٰۃ سے نماز عید مراد ہے۔

عید گاہ میں نماز عید کے علاوہ نقل نماز پڑھنا مکروہ ہے

علامہ طاعنی قاری لکھتے ہیں کہ ہدایہ میں ہے کہ عید گاہ میں نماز عید سے پہلے کوئی نقل نماز نہ پڑھی جائے جبکہ عام مشائخ کا قول یہ ہے کہ عید گاہ میں نماز عید سے پہلے اور نماز عید کے بعد اور گھر میں صرف نماز عید سے پہلے نوافل نماز پڑھنا مکروہ تخریبیہ ہے جیسا کہ کتب ستہ میں مذکور ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (مدینہ منورہ سے باہر عید گاہ میں) لوگوں کو نماز عید پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے لیکن آپ نہ نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھتے اور نہ نماز عید کے بعد۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کی ہے کہ وہ نماز عید پڑھنے کے لیے گھر سے عید گاہ میں گئے اور وہاں نہ نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ نماز عید کے بعد کوئی نماز پڑھی اور انہوں نے ذکر کیا کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اسی طرح کیا۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ کمال الدین ابن الہمام نے کہا کہ نماز عید کے بعد یہ نفی صرف عید گاہ میں نقل نماز پڑھنے پر محمول ہے کیونکہ امام ابن ماجہ

نے حضرت عطاء بن یسار کے واسطے سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوسعید الخدری نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نماز عید سے پہلے کوئی نماز نہ پڑھتے پھر جب نماز عید کے بعد اپنے گھر لوٹے تو گھر میں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔

[شرح مسند امام اعظم لائل القاری ص ۳۸۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

سفر کی نماز میں قصر

کرنا واجب ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے (مدینہ منورہ میں) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ظہر چار رکعات ادا کی اور (سفر شروع کرنے کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر) ذوالحجہ میں عصر کی نماز قصر کر کے صرف دو رکعت نماز ادا کی۔

بخاری (۱۰۸۹) مسلم (۱۵۸۲) ابوداؤد (۱۲۰۲) ترمذی (۵۴۶) نسائی (۴۷۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں (ظہر عصر اور عشاء کی نماز میں قصر کر کے) دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس پر اضافہ نہیں کرتے تھے۔

بخاری (۱۱۰۲) ترمذی (۵۴۴) نسائی (۱۴۴۰) ابن ماجہ (۱۰۶۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (حج کے موقع پر) مٹی میں چار رکعت نماز پڑھی ہے۔ حضرت عبداللہ نے یہ سن کر پڑھا: ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی ہے اور حضرت ابوبکر کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی ہے اور حضرت عمر کے ساتھ بھی دو رکعت نماز پڑھی ہے پھر ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عثمان کے ساتھ تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا سو آپ نے حضرت عثمان کی اقتداء میں ان کے ساتھ پوری چار رکعت نماز پڑھ لی تو آپ سے کہا گیا کہ اس سے پہلے تو آپ نے ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ پڑھا تھا اور آپ نے یہ بھی کہا وہ بھی کہا (کہ میں نے حضور اور ابوبکر اور عمر کی اقتداء میں قصر نماز پڑھی ہے) پھر اب آپ نے چار رکعت نماز پڑھ لی ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ یہ خلافت و امامت کے ادب و رعایت کی وجہ سے ہوا (تاکہ امت میں بغاوت و سرکشی اور انتشار برپا نہ ہو) پھر آپ نے فرمایا:

۴۹۔ بَابُ وَجُوبِ التَّقْصِيرِ

فِي صَلَاةِ السَّفَرِ

۱۴۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ.

۱۵۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ لَا يَزِيدُونَ عَلَيْهِ.

۱۵۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ أُنِيَ فَقِيلَ صَلَّى عُمَانُ بِمَنْى أَرْبَعًا فَقَالَ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ وَرَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَضِرَ الصَّلَاةُ مَعَ عُمَانَ فَصَلَّى مَعَهُ أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ فَقِيلَ لَهُ اسْتَزِجْعَتْ وَقُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ صَلَّيْتُ أَرْبَعًا قَالَ الْخِلَافَةُ ثُمَّ قَالَ: وَكَانَ أَوَّلُ مَنْ أَتَمَّهَا أَرْبَعًا بِمَنْى. بخاری (۱۸۰۴) مسلم (۱۵۹۶) ابوداؤد (۱۹۶۰)

نے فرمایا کہ یہ صدقہ (یعنی انعام) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ کیا ہے سو تم اس کے صدقہ کو قبول کرو۔ [مجموع مسلم کتاب السفر] حدیث ۳ سنن ابوداؤد کتاب السفر باب ۱ سنن ترمذی کتاب تفسیر سورۃ النساء باب ۲۰ سنن نسائی کتاب الخوف باب نمبر ۱ سنن ابن ماجہ کتاب الخوف باب ۱۷ اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سفر میں پوری نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ ایسا صدقہ جو ملکیت کا احتمال نہ رکھتا ہو اسکا محض ہونا ہے وہ رد کرنے کا احتمال نہیں رکھتا اگرچہ صدقہ کرنے والا ان میں سے ہو جن کی اطاعت لازمی نہ ہو جیسے قصاص کا وارث جب وہ قصاص معاف کر دے۔ سو جس ہستی کی اطاعت لازم ہے اس کا صدقہ قبول کرنا اور رد نہ کرنا بطریق اولیٰ لازمی ہوگا اور اس لیے بھی کہ اس آیت کے نزول کے وقت صحابہ کرام کا حال اس طرح کا تھا کہ انہیں ہر طرف سے خوف کفار گھیرے رہتا تھا (لہذا خوف کفار کی قید اتفاق ہے قصر کے لیے شرط نہیں) سو یہ آیت اس وقت کے حال کے موافق نازل ہوئی ہے۔

[تفسیر مدارک الشریعہ ج ۱ ص ۳۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ الکبریٰ بمصر جامعہ علی تفسیر القرآن]

مدت سفر: جس سفر میں نماز کو قصر کیا جاتا ہے اس کی ادنیٰ مدت تین رات دن کی مسافت ہے جو اونٹ یا پیڈل کی متوسط رفتار سے طے کی جاتی ہو اور اس کی مقدار خشکی، دریا اور پہاڑوں میں مختلف ہو جاتی ہے لہذا جو مسافت متوسط رفتار سے چلنے والے تین روز میں طے کرتے ہوں وہ مدت سفر شمار ہوگی اور اس سفر میں قصر ہوگا۔ مسئلہ: مسافر کی جلدی اور دیر کا اعتبار نہیں خواہ وہ تین روز کی مسافت تین گھنٹہ میں طے کر لے جب بھی قصر ہوگا اور اگر ایک روز کی مسافت تین روز سے زیادہ میں طے کرے تو قصر نہ ہوگا اعتبار مسافت کا ہے۔ [تفسیر خزان العرفان فی تفسیر القرآن ص ۱۷۱ مطبوعہ نصاب القرآن جلی کاشن لاہور]

اکثر فقہائے کرام نے میدانی علاقہ کے لیے چھتیس کوس یا چون میل مقرر فرمائی ہے جو (۹۸، ۷۳۴) کلومیٹر کے برابر ہے۔ (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ عید قربان کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں اور جمعۃ المبارک کی نماز دو رکعتیں ہیں یہ نمازیں رسول اللہ ﷺ کی زبان پر بغیر کسی نقصان کے مکمل ہیں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کریم ﷺ پر حجر (گھر) میں چار رکعت نماز اور سفر میں دو رکعت نماز اور خوف میں ایک رکعت نماز فرض فرمائی ہے۔ [رداء مسلم]

(۳) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پہلے دو رکعتیں نماز فرض کی گئی تھی پھر سفر کی نماز اسی حال پر برقرار رکھی گئی اور حجر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا (ظہر، عصر اور عشاء میں چار اور مغرب میں تین رکعت کر دی گئی)۔ (خلق علیہ)

(۴) صحیح بخاری کے الفاظ اس طرح ہیں کہ پہلے دو دو رکعتیں نماز فرض کی گئی تھی پھر جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے تو چار رکعت نماز فرض کر دی گئی اور سفر کی نماز کو پہلی حالت پر چھوڑ دیا گیا۔ (بخاری)

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ حدیث میں ہے کہ میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا سو آپ نے دو رکعت نماز سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرمائی اور میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہا ہوں لیکن ان میں سے کسی نے دو رکعت نماز سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو قبض فرمایا۔ [خلق علیہ]

(۶) اور صحیحین میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے ابتدائی زمانہ میں منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی پھر حضرت عثمان نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی چنانچہ امام احمد بن حنبل نے ایک روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا سو حضرت عثمان نے فرمایا: اے لوگو! میں جب سے مکہ مکرمہ میں آیا ہوں تب سے شادی کر چکا ہوں اور میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا: "مَنْ قَامَ فِي بَيْتِهِ فَلْيُصَلِّ صَلَوةَ الْمُقِيمِ" جو شخص کسی شہر میں شادی کر لے تو وہ مقیم کی طرح پوری نماز پڑھے۔ یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سفر میں نماز قصر واجب ہے پوری نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اگر پوری نماز پڑھنا جائز ہوتا تو لوگ حضرت عثمان کے پوری نماز پڑھنے پر اعتراض نہ کرتے اور اس کے جواب میں حضرت عثمان مکہ میں شادی کا عذر پیش نہ کرتے۔

[تفسیر مظہری ج ۲ ص ۲۳ مطبوعہ دار الفکر دہلی]

سواری پر نماز پڑھنے کا بیان

حضرت مجاہد نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف جانے کے لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کیا سو اس سفر کے دوران حضرت ابن عمر فرض نمازوں اور وتر نماز کے علاوہ دیگر نفل نمازیں سواری پر بیٹھ کر اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے اشارے سے پڑھتے رہے جبکہ فرض نمازوں اور وتر کے لیے آپ سواری سے زمین پر اتر جاتے تھے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ میں نے آپ سے (کعبہ معظمہ کی بجائے) مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے سواری پر نوافل پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نفل نماز سواری پر بیٹھ کر اشارے سے پڑھ لیتے تھے خواہ سواری کا رخ کسی طرف بھی ہوتا۔

۵۔ بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ

۱۵۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمَادٍ عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ بْنِ الْعَفْوِ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ فَصَلَّى ابْنُ عُمَرَ عَلَى رَاحِلِهِ قَبْلَ الْمَدِينَةِ يُؤْمِنُ بِإِنشَاءِ إِلَّا الْمَكْرُوبَةَ وَالْوَقْرَ لِأَنَّهُ كَانَ يَنْزِلُ لَهَا هُنَّ ذَاتِهَا قَالَ فَسَأَلَهُ عَنْ صَلَاتِهِ عَلَى رَاحِلِهِ وَوَجْهَهُ إِلَى الْمَدِينَةِ فَقَالَ لِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلِهِ تَكْوِئًا حَتَّى كَانَ وَجْهَهُ يُؤْمِنُ بِإِنشَاءِ.

بخاری (۱۰۹۸) مسلم (۱۶۲۱) ابوداؤد (۱۲۳۴)

نہائی (۴۹۱-۴۹۲)

حل لغات

"صَوَّبَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب یضیع بفتح یاء سے ہے اس کا معنی ہے: ساتھی دوست ہم نشین ہم رکاب ہمراہ۔ "تَكْوِئًا" نفل نماز۔ "يُؤْمِنُ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افعل سے ہے اس کا معنی ہے: اشارہ کرنا اشارے سے نماز پڑھنا۔

عذر کی وجہ سے سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے

اس حدیث سے عین احکام ثابت ہو رہے ہیں:

پہلا حکم: سواری پر نماز کا جواز صرف نوافل کے ساتھ مخصوص ہے اور نوافل سے فرائض اور واجب کے علاوہ تمام نمازیں مراد ہیں اس میں سنن مؤکدہ وغیرہ اور نماز تہجد وغیرہ سب شامل ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فجر کی سنت سواری سے اتر کر زمین پر پڑھنا مستحب ہے کیونکہ تمام سنن سے زیادہ اس کی تاکید کی گئی ہے جبکہ امام صاحب کی دوسری روایت میں سواری سے اتر کر زمین پر فجر کی سنتیں پڑھنا واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بغیر عذر کے صبح کی سنتیں بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے باقی رہے فرائض (اور وتر) تو وہ بغیر

غذر سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہیں اور اعذار کی مثال یہ ہے کہ آدمی جنگل میں ہو اور سواری سے اتر کر نماز پڑھنے پر درندہ سے جان کی ہلاکت کا خوف ہو یا چور کی چوری کی وجہ سے مال کے ضائع ہونے کا خوف ہو یا قافلہ سے پھڑنے یا راستہ بھولنے کا خوف ہو یا سواری سرکش ہو کہ اترنے کے بعد دوبارہ سوار ہونا ممکن نہ ہو یا سوار نمازی عمر رسیدہ بوڑھا اور ایسا کمزور ہو کہ اترنے کے بعد اس کے لیے سوار ہونا ممکن نہ ہو اور کوئی سوار کرانے والا مددگار نہ ہو یا اس جگہ کچھ وغیرہ ہو جس پر نماز ناممکن ہو تو فرائض وغیرہ بھی ان اعذار کی وجہ سے سواری پر پڑھ سکتے ہیں اور اگر بارش ہو رہی ہو تو پھر اترنے کی بجائے سواری پر فرض نماز پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ ضروریات تو اہل شرع سے مستثنیٰ ہوتی ہیں جیسا کہ ہدایہ کی شروعات میں مذکور ہے اور سفر السعاده میں فرمایا کہ مستقیم الاستاد (صحیح سند) کی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ایک گھاٹی میں پہنچے اور آپ اس وقت اپنی سواری پر سوار تھے اور پر سے بارش شروع ہو گئی اور نیچے کچھ ہو گیا اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا سو مؤذن نے اذان دی اور اقامت کہی پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سواری پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور صحابہ کرام کو نماز باجماعت پڑھائی اور آپ اشارہ کے ساتھ نماز پڑھاتے رہے جس میں آپ سجدہ کے لیے رکوع سے زیادہ جھکتے تھے اور امام محمد نے مؤطا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ اور تابعین سے احادیث کثیر نقل کی ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام سواری سے اتر کر وتر زمین پر پڑھتے تھے اور حضرت مجاہد سے بھی یہی مروی ہے کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف دوران سفر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رفیق سفر رہا اور آپ فرائض اور وتر کے علاوہ تمام نفل نمازیں سواری پر پڑھتے رہے جبکہ سواری کا رخ مدینہ منورہ کی طرف ہوتا تھا اور آپ رکوع اور سجدہ کے لیے اشارہ کرتے تھے اور سجدہ کے لیے رکوع سے زیادہ جھکتے تھے اور فرائض اور وتر کی نمازیں سواری سے اتر کر زمین پر پڑھتے تھے سو میں نے اس کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔ علامہ شعبی نے کہا کہ نماز جنازہ اور نذر کی نمازیں اور وہ سجدہ و تلاوت جس کو زمین پر تلاوت کیا گیا ہو سواری پر پڑھنا جائز نہیں۔

دوسرا حکم: سواری پر نماز کا جواز سفر کے ساتھ مشروط ہے اور جمہور کا یہی مسلک ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے کیونکہ سواری پر نماز کا جواز ضرورت کے تحت ہے کہ آدمی اپنے قافلہ سے دور نہ رہ جائے اور قافلہ حالت سفر کے ساتھ مخصوص ہے اور امام ابو حنیفہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ نمازی کا شہر سے باہر ہونا سواری پر نماز پڑھنے کے لیے شرط ہے خواہ وہ مسافر ہو یا مسافر نہ ہو کیونکہ بعض اوقات سفر کے بغیر بھی ضروریات تحقق ہو جاتی ہیں سو اگر مطلق کو عقیدہ پر محمول نہ کیا جائے جیسا کہ ہمارا مذہب ہے تو سفر کی قید خود بخود ختم ہو جائے گی۔ پھر شہر کے اندر مسافر کے لیے سواری پر نماز پڑھنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں جبکہ امام محمد نے فرمایا: جائز ہے مگر مکروہ ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں دراز گوش پر سوار ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ لگام پکڑ کر آگے چل رہے تھے جبکہ سواری پر سوار ہونے کی حالت میں آپ لو نفل ادا فرما رہے تھے۔ شرح ہدایہ میں اسی طرح مذکور ہے پھر سواری پر نفل نماز کے جواز کے لیے شہر سے باہر مسافت کی مقدار میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک دو فرسخ ہے اور بعض کے نزدیک تین فرسخ ہیں اور بعض کے نزدیک ایک میل ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ شہر کے مکانات عبور کر جائے تو سواری پر نفل نماز جائز ہو جائے گی۔ جیسا کہ مسافر کے لیے نماز قصر کے جواز میں شہر کی آبادی سے نکل جانا کافی ہے۔ [المعانی شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۴ ص ۱۳۳ مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ لاہور و مکتبۃ المعانی شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۲۳-۵۲۴ مطبوعہ مکتبۃ نور پور رضویہ سکسرا

تیسرا حکم: فرض نمازیں اور وتر کی نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں جیسا کہ حضرت مجاہد کی روایت کردہ حدیث ابن عمر سے ثابت ہوا لیکن

تین (امام بخاری امام مسلم) کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر وتر نماز پڑھ لیتے تھے جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر نے عذر کی بنا پر وتر کی نماز سواری پر پڑھی تھی اور یہ جائز ہے کیونکہ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ ہارش اور کچھ وغیرہ عذر کی بنا پر فرض نماز بھی سواری پر پڑھنا جائز ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ عمل اس وقت تھا جب وتر واجب نہیں ہوئے تھے صرف سنت تھے لیکن اب چونکہ وتر واجب ثابت ہو چکے ہیں اس لیے اب سواری پر نہیں پڑھے جاسکتے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۸۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۲۲۳، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، ملتان]

نماز وتر کی ترغیب کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے (مجاہدہ فرض نمازوں کے علاوہ) تمہیں ایک زائد نماز عطا فرمائی ہے اور وہ وتر کی نماز ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر (پانچ نمازیں) فرض فرمائی ہیں اور اس نے تمہیں وتر کی نماز زیادہ عطا کی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وتر کی نماز یقیناً زیادہ عطا کی ہے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک اضافی نماز عطا کی ہے اور وہ وتر کی نماز ہے سو تم اس کی خوب حفاظت کیا کرو۔

حضرت ہاشم بن صمرہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز وتر کے بارے میں سوال کیا کہ کیا وتر حق (واجب) ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ فرض نماز کی طرح نہیں ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی سنت (سے ثابت) ہیں سو اس لیے اس کو ترک کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔

۵۱۔ بَابُ الْحَبِّ عَلَى الْوُتْرِ

۱۵۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي يَغْفُورَ الْعَبْدِيِّ عَنْ حَدَّثَهُ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ زَادَكُمْ صَلَوةً وَهُوَ الْوُتْرُ. وَلَيْزِي رَوَاهُ إِنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْكُمْ وَزَادَكُمْ الْوُتْرُ. وَلَيْزِي رَوَاهُ إِنَّ اللَّهَ زَادَكُمْ صَلَوةً الْوُتْرُ.

وَلَيْزِي رَوَاهُ إِنَّ اللَّهَ زَادَكُمْ صَلَوةً وَهِيَ الْوُتْرُ فَحَافِظُوا عَلَيْهَا.

ابوداؤد (۱۴۱۸) ترمذی (۴۵۲) ابن ماجہ (۱۱۶۸)

۱۵۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ صَمْرَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ الْوُتْرِ أَسْخَىٰ هُوَ قَالَ أَمَّا كَحَقِّ الصَّلَاةِ فَلَا وَلَكِنَّ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَتْرُكَهَا.

ترمذی (۴۵۴) نسائی (۱۶۷۷) ابن ماجہ (۱۱۶۹)

حل لغات

”زَادَكُمْ“ زاد صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت، باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: زیادہ ہونا، زائد ہونا، بڑھ جانا۔ ”كَمْ“ ضمیر جمع مذکر مخاطب مفعول بہ ہے۔ ”حَافِظُوا“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب مَفَاعَلُ سے ہے اس کا معنی ہے: حفاظت کرنا، پابندی کرنا، خیال رکھنا، یاد رکھنا۔

نماز وتر کے وجوب کا ثبوت

اس حدیث میں فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ زَادَكُمْ صَلَاةً وَهِيَ الْوُتْرُ“ یعنی اللہ تعالیٰ نے پانچ فرض نمازوں کے علاوہ ایک زائد نماز تمہیں عطا کی ہے اور وہ وتر ہیں اور چونکہ زائد مزید علیہ کی جنس سے ہوتا ہے اس لیے اس اعتبار سے وتر مجگانہ نمازوں کی طرح فرض

ہونے چاہئے تھے لیکن چونکہ وتر کا ثبوت ظنی دلیل سے ہے اس لیے ہمارے امام اعظم نے فرمایا کہ وتر واجب ہیں یعنی اعتقاد کے اعتبار سے واجب ہیں اور عمل کے اعتبار سے فرض ہیں کہ فرض کی طرح اس کی ادا و قضاء لازم ہے اور بعض علماء اسلام نے فرمایا کہ قرآن مجید میں صلاۃ وسطیٰ سے وتر مراد ہیں کیونکہ حدیث میں وتر کے لیے ”حافظوا علیہا“ کہ نماز وتر کی خوب حفاظت کرو فرمایا جبکہ قرآن مجید میں ”حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ“ فرمایا۔

ان اللہ امرکم بصلاة ہی خیر من حمور النعم
وہی الوتر فجعلہا لکم ما بین العشاء الی طلوع
الفجر۔
بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ایسی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے جو
(سب سے زیادہ قیمتی) سرخ اونٹوں سے بہت بہتر ہے اور وہ وتر کی نماز
ہے سو اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے عشاء سے لے کر فجر کے طلوع
ہونے تک مقرر کیا ہے۔

امام حاکم نے کہا: یہ صحیح حدیث ہے۔

(۲) امام ابوداؤد نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت بیان کی ہے کہ ان کے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا:

الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منی۔
وتر واجب ہیں سو جو شخص وتر نہیں پڑھتا وہ مجھ سے نہیں ہے
(ابوداؤد میں ”فلیس منا“ ہے۔)

(۳) امام حاکم اور امام بزار نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”الوتر واجب علی کل مسلم“ نماز وتر ہر مسلمان پر واجب ہے۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[احباب الاشرع مسند امام اعظم لائلہ ص ۵۳۵-۵۳۴]

(۴) حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ”الوتر حق او واجب“ یعنی نماز وتر برحق اور لازم ہے یا بھر واجب ہے۔

(۵) حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”هو واجب“ وہ (نماز وتر) واجب ہے۔

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من لم یوتر فلیس منا“ جو شخص وتر کی نماز نہیں پڑھتا جس وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۷) حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا“ نماز وتر ثابت اور واجب ہے سو جو شخص وتر نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

[ماخوذ از مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۹۷، مطبوعہ مکتبہ اداویہ لبنان]

۵۲۔ بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي ثَلَاثِ

رَكَعَاتِ الْوُتْرِ

نماز وتر کی تینوں رکعات میں

قراءت کا بیان

۱۵۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ
الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِفَلَسٍ يَفْرَأُ فِي الْأُولَى مَبِجٍ
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ
تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے آپ پہلی رکعت میں ”مبج اسم
ربك الاعلى“ پڑھتے اور دوسری رکعت میں ”قل يا ايها الكافرون“

اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔

وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَىٰ مِنَ الْوُتْرِ بِأَمِّ الْكِتَابِ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ وَفِي الثَّانِيَةِ بِأَمِّ الْقُرْآنِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِأَمِّ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی پہلی رکعت ام الكتاب (سورۃ فاتحہ) پڑھتے اور (اس کے بعد) ”سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ“ اور دوسری رکعت میں ام القرآن (سورۃ فاتحہ) اور اس کے بعد ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ پڑھتے اور تیسری رکعت میں ام الكتاب اور ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھتے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے۔

ابوداؤد (۱۴۲۳-۱۴۲۴) ترمذی (۴۶۳) نسائی (۱۷۰۰) ابن ماجہ (۱۱۷۳)

حضرت مہدار حسن بن ابی زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز میں (پہلی رکعت میں) ”سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ“ اور دوسری رکعت میں ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ اور تیسری رکعت میں ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں ”سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ“ اور دوسری رکعت میں ”قُلْ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مَغْفِرَةٌ لِّغَنَىٰ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں اسی طرح ہے اور تیسری رکعت میں ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں ”سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ“ اور دوسری رکعت میں ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ اور تیسری رکعت میں ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے جس میں ”سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ“ اور ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ اور ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھتے۔

۱۵۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ الْحَارِثِ الْيَاسَمِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي قَالٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي وَتْرِهِ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّانِيَةِ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَفِي الثَّالِثَةِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَىٰ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مَغْفِرَةٌ لِّغَنَىٰ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ فَهَكَذَا فِي رِوَايَةٍ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَىٰ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ يُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ رَكَعَاتٍ يَقْرَأُ فِيهَا سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔

ابوداؤد (۱۴۲۳-۱۴۲۴) ترمذی (۴۶۳) نسائی (۱۷۰۰) ابن ماجہ (۱۱۷۳)

نماز وتر کی تین رکعات اور مستحب قراءت کا ثبوت

معلوم ہونا چاہئے کہ ان احادیث میں دو مسائل قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ تین رکعت وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھنی چاہئیں۔ دوسرا یہ کہ وتر کی رکعات کتنی ہیں اور کس طرح پڑھنی ہیں۔ جہاں تک سورتوں کے پڑھنے کا مسئلہ ہے تو وہ یہ ہے کہ ان احادیث میں مذکورہ سورتوں کو پڑھنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا معمول اکثر انہیں تین سورتوں کو پڑھنے کا تھا لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں

ہے کہ ان سورتوں کے علاوہ دیگر سورتوں کو پڑھنا جائز ہی نہیں کیونکہ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ سورت فاتحہ کے بعد مطلقاً سورتوں کا ملانا اور پڑھنا واجب ہے جبکہ ان مذکورہ سورتوں کا ملانا اور پڑھنا مستحب ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت]

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وتر کی رکعات کتنی ہیں اور کس طرح پڑھنی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں جبکہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک وتر کی نماز ایک رکعت ہے اور وہ اس طرح کہ دو رکعت پر سلام پھیر کر ایک رکعت نماز الگ پڑھی جائے۔ اس کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ علامہ ملا علی قاری نے فرمایا: ایک رکعت کے نماز ہونے پر کوئی صحیح یا ضعیف حدیث موجود نہیں ہے بلکہ ہتیرا (ایک رکعت نماز) کے بارے میں نہیں وارد ہے۔ اگرچہ وہ مرسل حدیث ہے لیکن مرسل حدیث جمہور کے نزدیک حجت ہے چنانچہ علامہ زیلعی نے نصب الرایۃ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہتیرا سے منع فرمایا ہے اور ہتیرا یہ ہے کہ کوئی آدمی ایک رکعت پڑھ کر اسے وتر قرار دے دے۔ امام محمد بن حسن شیبانی نے اپنی مؤطا میں روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ایک رکعت نماز کو کافی نہیں سمجھتا۔ امام طبرانی نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود کو جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا: میں فقہ ایک رکعت نماز کو جائز قرار نہیں دیتا۔ علامہ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ موقوف روایت مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ نیز اصحاب شافعی ایک رکعت نماز کو مکروہ قرار دیتے ہیں سوا کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل اور عمل سے ایک رکعت نماز ثابت ہوتی تو پھر اسے مکروہ قرار دینا کسی کے لیے جائز نہیں خصوصاً شافعی قاعدہ کے مطابق کیونکہ ان کے نزدیک مکروہ وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں نہیں وارد ہو لہذا امام شافعی کے اصحاب کا ایک رکعت نماز کو مکروہ قرار دینا اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ ہتیرا (ایک رکعت نماز) کے بارے میں وارد نہیں صحیح ہے۔ [ماخذ از بذل الجود ج ۲ ص ۳۲۴ مطبوعہ مکتبۃ السیۃ لبنان]

دوسری بات یہ ہے کہ تین رکعات وتر کے بارے میں احادیث کثیرہ صحیحہ وارد ہیں اس لیے ترجیح اسی کو حاصل ہے۔ مسند امام اعظم کی روایت کردہ احادیث کے علاوہ یہاں مزید چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اس باب کی پہلی حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اس کو امام اعظم کے علاوہ ابوداؤد ترمذی، نسائی، امام احمد ابن ماجہ اور ابن جریر نے صحابہ کرام کی پوری ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب وتر کی نماز پڑھتے تو تین رکعت وتر پڑھتے سو پہلی رکعت میں ”سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی“ اور دوسری رکعت میں ”قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ“ اور تیسری رکعت میں ”قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ“ پڑھتے تھے۔

(۲) نسائی اور ابن السی دوئوں نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر بثلاث ولا یسلم الا فی آخرهن۔ آخر میں سلام پھیرتے تھے۔

اور امام حاکم نے اس حدیث کو روایت کیا اور کہا کہ یہ بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث ولا یسلم فی رکعتی الوتر۔ رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

اس کو نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور عثمان نے کہا ہے کہ یہ روایت بھی بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

(۴) ابن ماجہ اور نسائی کی روایت میں ہے:

اَللّٰهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ
وَبَقِيَ قَبْلَ الرُّكُوعِ
تھے اور دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۵۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت]

(۵) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

(۶) حضرت ابو عمر زاذان سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہی کرتے تھے۔

(۷) حضرت ابو غالب فرماتے ہیں: ”کان ابو اعلیٰ یوتر بثلاث رکعات“ کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

(۸) حضرت جابر بن زید فرماتے ہیں: وتر تین رکعت ہیں۔

(۹) حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ وتر تین رکعت ہیں:

(۱۰) حضرت کھول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ”انہ اوثر بثلاث رکعات لم یفصل بینہن بسلام“
یعنی حضرت عمر تین رکعت وتر پڑھتے ان کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ نہیں کرتے تھے۔

(۱۱) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ:

اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرہن
تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔ ان کے آخر میں سلام پھیرا جائے گا۔

(۱۲) حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

(۱۳) حضرت کھول تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۱۴) حضرت سعید بن مسیب وتر میں دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۱۵) حضرت علی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب وتر میں دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۱۶) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر میں دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۱۷) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے آخر میں تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

[مذکورہ بالا احادیث پانچ جہز سے آخر تک ملاحظہ فرمائیے ص ۲ ص ۱۹۵-۱۹۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان]

وتر کی نماز میں سلام کے ساتھ فاصلہ نہیں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: وتر کی نماز میں (دو رکعت پر سلام کے ساتھ) فاصلہ نہیں ہے۔

۵۳۔ بَابُ لَا فُصِّلَ فِي الْوُتْرِ بِسَلَامٍ

۱۵۷۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ اَبِي سَفْيَانَ عَنْ اَبِي

نُعْمَةَ عَنْ اَبِي سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی

اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا فُصِّلَ فِي الْوُتْرِ۔

نسائی (۱۷۱۵) ابن ماجہ (۱۱۹۲) طحاوی (۱۶۸۸) الکلیبی للطبرانی (ج ۲ ص ۲۷۸)

نماز وتر کے آخر میں سلام مسنون ہے

علامہ ملاحظی قاری لکھتے ہیں کہ امام حاکم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ آپ فرماتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے صرف ان کے آخر

(۱) کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث لا یسلم

الا فی آخرہن۔ من سلام پھیرتے۔

(۲) امام نسائی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَسْلُمُ فِي رَكْعَتِي الْوُتْرِ نَبِيَّ كَرِيمٍ ﷺ وَتَرَكِي دَوْرَ رَكْعَتٍ بِسَلَامٍ نَحْنُ نَبِيَّ كَرِيمٍ ﷺ۔

(۳) امام ابن ابی شیبہ (امام بخاری کے استاد) اپنی سند کے ساتھ حضرت حسن بصری سے نقل کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ دو تین رکعت ہیں صرف ان کے آخر میں سلام پھیرا جائے گا۔

[شرح سند امام اعظم ص ۵۱۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت]

(۴) حضرت کھول حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں:

اِنَّهُ وَتَرَ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ لَمْ يَفْصِلْ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ۔ [رم الحدیث: ۱۳]

بے شک حضرت عمر نے تین رکعات وتر پڑھے ان کے درمیان

سلام کے ساتھ فاصلہ نہیں کیا۔

(۵) حضرت حسن بصری سے مروی ہے:

اجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَىٰ اَنْ الْوُتْرَ ثَلَاثٌ لَا يَسْلُمُ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهِنَّ۔ [رم الحدیث: ۱۷]

تمام مسلمانوں نے اس بات پر اجماع اور اتفاق کیا ہے کہ دو تین

رکعات ہیں صرف ان کے آخر میں سلام پھیرا جاتا ہے۔

(۶) حضرت کھول سے مروی ہے کہ آپ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ [رم الحدیث: ۱۹]

(۷) حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا:

لَا يَسْلُمُ فِي الرُّكْعَتَيْنِ مِنَ الْوُتْرِ۔

یعنی وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرا جائے گا۔

[رم الحدیث: ۲۰]

(۸) انہ اوثر ثلاث لم يسلّم الا في آخرهن۔ حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ

نے تین رکعات وتر پڑھے صرف ان کے آخر میں سلام پھیرا۔ [رم الحدیث: ۲۳]

(۹) حضرت ابواسحاق نے بیان فرمایا:

كَانَ اصْحَابُ عَلِيٍّ وَاصْحَابُ عَبْدِ اللَّهِ لَا يَسْلُمُونَ فِي رَكْعَتِي الْوُتْرِ۔ [رم الحدیث: ۲۴]

یعنی حضرت علی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کے ساتھی وتر کی دو

رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۱۰) حضرت سعید بن ہشام اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَسْلُمُ فِي رَكْعَتِي الْوُتْرِ۔ [رم الحدیث: ۲۵]

رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۹۳-۱۹۵، باب (۱۳۳) من كان يوتر بثلاث ولا يوتر بركعة اربعة لما كان]

رات کے شروع درمیان اور اس کے

آخر میں وتر پڑھنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: رات کے پہلے حصہ میں وتر کی

۵۴۔ بَابُ بَيَانِ الْوُتْرِ فِي

أَوَّلِ اللَّيْلِ وَأَوْسَطِهِ وَأَخِيرِهِ

۱۵۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَمْرٍ

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نماز پڑھنا شیطان کو غضب ناک کرنا ہے اور سحری کھانا رحمن تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے۔

حضرت ابو مسعود الانصاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے پہلے حصہ میں اس کے درمیان میں اور اس کے آخر میں وتر پڑھے ہیں تاکہ مسلمانوں پر وسعت و کشادگی اور آسانی ہو وہ جس حصہ پر بھی عمل کر لیں وہی صحیح ہو۔ البتہ جو شخص رات کو (نماز تہجد کے لئے) اٹھنے کی امید رکھتا ہو تو وہ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھا کرے کیونکہ یہ افضل و بہتر عمل ہے۔ اور ایک روایت میں ہے حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی رات کے پہلے حصہ میں بھی درمیانی حصہ میں اور کبھی اس کے آخری حصہ میں وتر کی نماز پڑھا کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کے لیے وسعت و آسانی ہو۔

يَقْرَأُ الْوَيْلُ أَوَّلَ اللَّيْلِ مَسْخُطَةً لِلشَّيْطَانِ وَانْخَلَّ السُّحُورُ مِنْ رَحْمَةِ الرَّحْمَنِ. مسند الحارثي (۱۴۲)

۱۵۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ اَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَعْفَرِيِّ عَنِ اَبِي مَسْعُودٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ اَوْتَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَوْسَطَهُ وَآخِرَهُ لِمَنْ يَكُونُ وَاسِعًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَيْ ذَلِكَ أَخَذُوا بِهِ كَانَ صَوَابًا غَيْرَ أَنَّهُ مَنْ كَمَعَ لِقِيَامِ اللَّيْلِ فَلْيَجْعَلْ وَتْرَهُ فِي آخِرِ اللَّيْلِ لِأَنَّ ذَلِكَ أَفْضَلُ. وَهِيَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَعْفَرِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ حَامِرٍ وَأَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّهُمَا كَانَا إِذَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ أَخْبَانَا أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَوْسَطَهُ وَآخِرَهُ لِيَكُونَ سَعَةً لِلْمُسْلِمِينَ. نسائي (۱۶۸۲) ابن ماجہ (۱۱۸۷)

حل لغات

”مَسْخُطَةً“ اگرچہ علامہ ملاحظہ قاری نے اپنی شرح مسند امام اعظم میں اس میں میم اور خاء کو مفتوح قرار دیا ہے جس کا معنی ہے ناراض ہونا حصہ کرنا غضب ناک ہونا لیکن دو احتمال اور بھی ممکن ہیں: (۱) میم مضموم اور خاء مکسور اسم فاعل صیغہ واحد مؤنث باب الحال سے ہوگا (۲) میم مکسور اور خاء مفتوح اسم آلہ ہوگا ”مَوْضُوعًا“ میم مکسور اسم آلہ معنی ہے: رضا کا ذریعہ یا میم مفتوح مصدر میسی رضا حاصل کرنا۔ ”كَمَعَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: امید رکھنا۔ ”أَخْبَانَا“ صین کی جمع ہے بہ معنی وقت۔

نماز وتر کے اوقات کا ذکر

اس باب کی پہلی حدیث میں دو مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ رات کے پہلے حصے میں وتر ادا کرنا شیطان کے غضب و ناراضگی اور اس کی کدورت و نفرت کا سبب ہے کیونکہ وہ اس کے فوت ہونے سے مایوس ہو جاتا ہے لیکن یہ عمل ہر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو رات کے آخر وقت میں بیدار ہوئے اور اٹھ کر وتر ادا کرنے پر وثوق و اعتماد نہ رکھتا ہو ورنہ تاخیر افضل و بہتر ہے اور اس کا ثواب زیادہ کامل ہوتا ہے۔ بے شک حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”احملوا آخر صلاحکم باللیل وقروا“ یعنی تم رات کو اپنی نماز کے آخر میں وتر ادا کیا کرو۔ اور آپ سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ رات کے آخر وقت تک وتر کی نماز کو مؤخر کر کے پڑھتے تھے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سحری کھانا رب رحمن و رحیم جل جلالہ و عم نوالہ و تم برہانہ کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہے کیونکہ سحری کھا کر آدمی اللہ تعالیٰ کی طاعت پر قوی ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر تعاون و امداد حاصل کرنا ہے سو ہر وہ چیز جو دنیا کی لذتوں میں سے ہو لیکن وہ آخرت کے درجوں کے حصول پر معاون و مددگار ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سبب ہوتی ہے چنانچہ امام احمد بن حنبل حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ

السجودا کله برکۃ فلا تدعوه ولوان تجرع
احدکم جرعة من ماء فان الله و ملائکته یصلون
علی المتسحرین۔

[شرح سند امام اعظم ص ۲۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت] ہیں۔

اصحاب سنن اربعہ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہے:

من عشی منکم ان لا یستقیظ من آخر اللیل
فلیوتر من اوله ومن طمع منکم ان یقوم من آخر
اللیل فلیوتر من آخر اللیل فان قراءة القرآن فی
آخر اللیل محصورة وہی فضل۔

[سند امام اعظم ص ۹۲ حاشیہ نمبر ۱ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

یعنی سحری کے کھانے میں برکت ہے سو تم اسے نہ چھوڑو اگرچہ تم
میں سے کوئی شخص (سحری کے وقت) صرف ایک گھونٹ پانی پی لے
کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر درود بھیج

تم میں سے جس شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخر میں بیدار
نہیں ہو سکے گا تو وہ رات کے پہلے حصے میں وتر پڑھ لے اور تم میں سے
جس شخص کو یہ امید قوی ہو کہ وہ رات کے آخر میں اٹھ جائے گا تو وہ
رات کے آخر میں وتر پڑھے کیونکہ رات کے آخر وقت میں قرآن مجید
کی تلاوت سننے کے لیے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ بڑی فضیلت
ہے۔

نماز میں بھول جانے پر

دو سجدے واجب ہیں

۵۵۔ بَابُ یَجِبُ السَّجْدَتَانِ

فِی سَهْوِ الصَّلَاةِ

۱۶۰۔ ابُو حَنِیْفَةَ عَنْ خَمَّادٍ عَنْ اَبِی رَافِعٍ عَنْ
عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةً اِمَّا الظُّهْرُ وَاِمَّا
الْعَصْرَ لَزَادَ اَوْ نَقَصَ فَلَمَّا قَرَعَ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ
اَحَدَتَ فِی الصَّلَاةِ اَمْ نِسِيتَ فَاَنَّ اَنَسَى مَخَافَةَ
تَنْسَوْنَ فَاِذَا اَنْبَسَتْ فَلَمْ تَكْمُلُوْا ثُمَّ حَوَّلَ وَجْهَهُ
اِلَى الْقِبْلَةِ وَمَجَّدَ سَجْدَتَی السَّهْوِ وَتَشَهَّدَ فِيْهَا
ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ۔

بخاری (۴۰۱) مسلم (۱۳۷۴) ابوداؤد (۱۰۲۰) ترمذی

(۳۹۲) نسائی (۱۳۴۴) ابن ماجہ (۱۲۱۱)

حل لغات

”النسی“ صیغہ واحد مکمل فعل مضارع مجہول ہے اور ”تَنْسَوْنَ“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل مضارع مجہول ہے دونوں باب افعال
سے ہیں ان کا معنی ہے: بھلایا جانا۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ دونوں مجہول مختلف ہیں جبکہ ایک نسخہ میں دونوں متنی للفاعل سین مشدد کے
ساتھ ہیں لیکن پہلی بات درست ہے۔ [شرح سند امام اعظم ص ۲۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت] ”انسیست“ صیغہ واحد مکمل فعل ماضی
مجہول باب افعال سے ہے بہ معنی بھلایا جاتا۔ ”ذَکِّرُوْا“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب تفعیل سے ہے
اس کا معنی ہے: یاد دلانا یا دکرانا۔ ”نسی“ میں نون وقایہ اور یائے مکمل ہے۔ ”حَوَّلَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب

تعلیل سے ہے اس کا معنی ہے: پھیرنا گھمانا۔
سجدہ سہو میں ائمہ دین کے مختلف اقوال

شیخین (بخاری و مسلم) وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ظہر کی پانچ رکعت نماز پڑھا دی تو آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا ہوا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھا دی ہے سو آپ نے سلام پھیر کر دو سجدے کیے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں (الہ نہیں ہوں) میں بھی بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو سو جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دہانی کرا دیا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک و شبہ پڑ جائے تو وہ غور و فکر کی کوشش کرے اور سوچے جو صحیح اور درست ہو اس پر اپنی نماز مکمل کرے پھر سلام پھیر کر دو سجدے سہو کے کرے۔ [تسبیح النظام فی شرح مسند الامام حاشیہ نمبر ۳ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

سجدہ سہو میں ائمہ دین کے مسالک حسب ذیل ہیں:

حنفیہ: سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔

شافعیہ: سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے۔

مالکیہ: نماز میں اگر کسی فعل کی کمی ہو تو سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے اور اگر کسی فعل کی زیادتی ہو تو سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔
حنابلہ: جن صورتوں میں رسول اللہ ﷺ نے سلام سے پہلے سجدہ کیا ہے وہاں پہلے سجدہ کرے اور جن صورتوں میں آپ نے بعد میں سجدہ کیا ہے ان میں بعد میں سجدہ کرے۔

غیر مقلدین: ان صورتوں کے سوا سجدہ نہ کرے جن میں آپ نے سجدہ کیا۔

اور وہ پانچ صورتیں ہیں: اول: دو رکعت کے بعد بلا قصد آپ کھڑے ہو گئے جیسا ابن عسینہ کی روایت میں ہے۔ ثانی: دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا جیسا کہ ذوالہدین کی روایت ہے۔ ثالث: تین رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا جیسے عمران بن حصین کی روایت ہے۔ رابع: پانچ رکعت پڑھا دیں جیسا کہ عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے۔ خامس: شک کی صورت میں سجدہ کیا جیسا کہ ابوسعید خدری کی روایت ہے۔ سجدہ سہو میں ائمہ کا یہ اختلاف اولویت (الفضل ہونے) میں ہے جہاں میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ صحیح احادیث میں آپ ﷺ کا صریح قول ہے کہ ”سلام کے بعد دو سجدے کرے“ شوافع جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں ان میں آپ ﷺ کے فعل (اور عمل) کا ذکر ہے کہ آپ نے سلام سے پہلے سجدہ کیا اور یہ احادیث ان احادیث کے معارض (ومخالف) ہیں جن میں یہ ہے کہ آپ نے سلام کے بعد سجدہ کیا ہے۔ رہا یہ کہ بعض احادیث میں آپ ﷺ کا قول ہے کہ ”سلام سے پہلے سجدہ کرو“ تو ان روایات کی اسانید میں ضعف ہے مثلاً حضرت ابوسعید کی روایت مسلم میں متصل ہے لیکن امام مسلم اس کے اتصال میں متفرد ہیں۔ امام مالک اس کو مرسل روایت کرتے ہیں۔ حضرت معاویہ کی روایت جو نسائی میں ہے اس کی سند میں یوسف ہے اس کے بارے میں نسائی کہتے ہیں کہ یہ غیر مشہور راوی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس کے برخلاف صحیح روایات میں آپ کا قول ہے کہ سلام کے بعد سجدہ کرو۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
قال من شک فی صلاۃ فلیسجد سجدتین بعد
جس شخص کو نماز میں شک ہو جائے تو وہ سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے۔

ما یسلم۔ [صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۱۲۵، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۸]

وعن ثوبان لكل سجدتان بعدما
مسلم۔ [سنن کبریٰ ج ۲ ص ۳۳۷] سجدے ہیں۔
حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ ہر سجدہ میں سلام کے بعد دو

امام مالک نے ایک مرتبہ ہارون الرشید کے سامنے بیان کیا کہ اگر نماز میں کسی فعل کی کمی ہو تو سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے اور اگر کسی فعل کی زیادتی ہو تو بعد میں سجدہ سہو کرے۔ امام ابو یوسف نے اعتراض کیا کہ اگر کسی شخص سے نماز میں کمی بھی ہو اور زیادتی بھی ہو تو وہ کیا کرے؟ امام مالک سے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں بن سکا۔ امام احمد بن حنبل کے مذہب پر بھی یہ اعتراض بعینہ وارد ہوتا ہے۔ رہے غیر مقلدین تو وہ جن پانچ صورتوں میں سجدہ سہو کے قائل ہیں ان کے علاوہ دیگر صورتوں میں بھی کمی زیادتی سے سہو ہو سکتا ہے اس کی تلاقی کے لیے آخر کیا طریقہ کار ہوگا؟

امام ابو حنیفہ کے نزدیک تشہد پڑھنے کے بعد سلام پھیرے۔ امام شافعی سجدہ سہو کے لیے تشہد کے قائل نہیں ہیں۔ نیز امام ابو حنیفہ کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔ امام اعظم کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں آپ نے سجدہ کرنے کا امر (حکم) فرمایا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۰-۱۳۹ مطبوعہ مکتبہ دارالافتاء لاہور]
یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خیال کے مطابق نماز مکمل کر کے سلام پھیرا اور فارغ ہوئے تو ایک صحابی نے آپ کو نماز میں کمی کی بیشی سے آگاہ کیا اور اس مسئلہ پر آپ سے گفتگو کی اور آپ نے اسے اس کا جواب دیا اور دیگر صحابہ کرام نے بھی سائل کی تصدیق کی 'فریضہ طویل' یا ہی گفتگو کے بعد آپ نے اسی نماز کو سجدہ سہو کر کے مکمل بھی کر لیا۔ حالانکہ اب تو نماز کے دوران کلام و گفتگو کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں جس طرح دوران نماز سلام کا جواب دینا جائز تھا پھر بعد میں منسوخ ہو گیا اسی طرح پہلے نماز کے دوران کلام و گفتگو کرنا جائز تھا اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی تھی پھر بعد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ آگے تاریخ حدیث آ رہی ہے اور چونکہ یہ واقعہ رخ سے پہلے ہوا ہے اس لیے یہ اعتراض اس پر وارد نہیں ہوتا۔

سورت ص میں سجدہ تلاوت

کامیان

۵۶۔ بَابُ سَجْدَةِ التَّلَاوَةِ

فِي سُورَةِ صَ

۱۶۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَسَّافٍ عَنْ عِيَّاضِ
الْأَشْعَرِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِي صَ.

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورۃ ص میں سجدہ کیا۔

بخاری (۱۰۶۹) ترمذی (۵۷۴) ابوداؤد (۱۴۰۹) نسائی (۹۵۸)

سجدہ تلاوت کے مقامات اور شرعی حیثیت کا تذکرہ

قرآن مجید میں چودہ آیات ایسی ہیں جن کو پڑھنے اور سننے سے سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے اور وہ آیات سورۃ اعراف، سورۃ رعد، سورۃ نمل، سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ مریم، سورۃ حج، سورۃ فرقان، سورۃ نمل، سورۃ الم تزلزل، سورۃ ص، سورۃ حم، سورۃ نجم، سورۃ اذا السماء انشقت اور سورۃ اقرائیں ہیں۔

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

سجدہ تلاوت کے بارے میں ائمہ دین کا اختلاف ہے۔ ہمارے (یعنی احناف) کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہے اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک سنت ہے اس کا ادا کرنا ترک کرنے سے افضل اور بہتر ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک بھی سجدہ تلاوت واجب ہے اور اس کے وجوب کی مذمت اور ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور فقہاء نے فرمایا ہے کہ سجدہ نماز کا جز اور رکن ہے سو اس اعتبار سے سجدہ تلاوت فرض ہونا چاہئے جیسا کہ نماز جنازہ میں قیام فرض ہے۔ لیکن چونکہ سجدہ تلاوت کے دلائل قطعی نہیں ہیں اس لیے ہم (حنفی حضرات) اس کو واجب قرار دیتے ہیں فرض قرار نہیں دیتے اور دوسرے ائمہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت زید نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورۃ وانجم کی تلاوت کی مگر آپ نے سجدہ نہیں کیا۔ اس کا (ایک) جواب یہ ہے کہ سجدہ تلاوت اسی وقت فوراً ادا کرنا واجب نہیں ہے سو ممکن ہے کہ آپ نے بعد میں کسی وقت ادا کر لیا ہو (دوسرا جواب یہ ہے کہ) ہو سکتا ہے جس وقت تلاوت کی گئی ہو وہ مکروہ وقت ہو جس کی وجہ سے آپ نے اس وقت سجدہ نہیں کیا پھر بعد میں کر لیا ہو (تیسرا جواب یہ ہے کہ) آپ نے تاخیر کے جواز کو بیان کرنے کے لیے اس وقت سجدہ نہیں کیا تا کہ امت کے لیے سہولت و آسانی پیدا ہو جائے اور سجدہ تلاوت کے لیے طہارت و پاکیزگی شرط ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ سوائے ابن عمر کے مگر علماء اور فقہاء میں سے امام شافعی کے علاوہ کسی نے ان کی موافقت نہیں کی۔ اور ہم (حنفیوں) اور جمہور کے نزدیک قاری اور سامع دونوں پر سجدہ تلاوت نماز کی شرائط کے ساتھ واجب ہے۔

[المصنف ج ۱ ص ۳۳۶ مطبوعہ مکتبہ نور پر رضویہ سکھرا]

علامہ طاعلی قاری لکھتے ہیں:

سورۃ ص کا سجدہ ہمارے نزدیک واجب ہے جبکہ امام شافعی اس سجدے کے قائل نہیں ہیں (وہ اس کی بجائے سورۃ الحج میں دو سجدوں کے قائل ہیں)۔

امام نسائی نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ”سجد فی ص و قال سجدھا لی اللہ داود توبۃ و نحن نسجدھا شکراً“۔ سورۃ ص میں سجدہ کیا اور فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہاں سجدہ تو بہ کیا اور ہم یہاں سجدہ شکر کرتے ہیں سو نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں سجدہ کا سبب تو بہ بیان فرمایا اور ہمارے حق میں سجدہ کا سبب شکر بیان فرمایا اور اس سجدے کا سبب شکر ہونا وجوب کے منافی نہیں کیونکہ تمام فرائض اور واجبات اللہ تعالیٰ کی مسلسل اور متواتر ملنے والی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے لیے واجب و لازم ہوتے ہیں۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

نماز میں بات چیت کے منسوخ ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ سرزمین حبشہ سے (مدینہ منورہ میں) واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو سلام پیش کیا جبکہ آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے سو آپ نے انہیں سلام کا جواب نہیں دیا پھر جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت ابن مسعود نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ (نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے غضب و ناراضگی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کا سبب کیا ہے؟

۵۷۔ بَابُ نَسْخِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ

۱۶۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ اللَّهَ لَمَّا قَدِمَ مِنْ أَرْضِ الْحَبَشَةِ سَلَّمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ سُخْطِ نِعْمَةِ اللَّهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا ذَاكَ قَالَ سَلَّمْتُ عَلَيْكَ

مرض کیا: حضور میں نے آپ کو سلام عرض کیا لیکن آپ نے مجھے جواب عنایت نہیں فرمایا آپ نے فرمایا: بے شک نماز میں (ذات الہی کے جلوں میں) مشغولیت و مصروفیت ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا: پس اس روز سے ہم (تمام صحابہ کرام) نماز کے دوران کسی کو سلام کا جواب نہیں دیتے۔

بخاری (۱۱۹۹) مسلم (۱۲۰۱) ابوداؤد (۹۲۳) نسائی

(۱۲۲۲)

حل لغات

”قلم“ میخذ واحدہ کر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب مَسَمَعٍ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: آنا آگے ہونا۔ ”لَمْ تَرَدَّ“ میخذ واحدہ کر حاضر معروف فعل لئی۔ محمد بلم باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: لوٹنا، جواب دینا، واپس کرنا۔ ”لَشَغْلًا“ میں لام تاکید کے لیے ہے اور شغل مصدر ہے اس کی جمع اشغال ہے اس کا معنی ہے: مشغول و مصروف ہونا۔ نماز میں بولنا اور باتیں کرنا حرام ہے

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز میں بات چیت کرنا حرام اور ناجائز ہے خواہ کسی حاجت و ضرورت کے لیے ہو یا بغیر ضرورت کے نیز نماز کی مصلحت کے لیے ہو یا بغیر مصلحت کے ہو پھر اگر نماز میں مہیہ کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو اگر نمازی مرد ہو تو وہ صرف سبحان اللہ کہے اور اگر عورت ہو تو اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے اور امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور سلف و خلف میں سے جمہور کا یہی مذہب ہے جبکہ ایک گروہ نے کہا: ان میں سے امام اوزاعی بھی ہیں کہ نماز کی مصلحت کے لیے حضرت ذوالہدین کی حدیث کی بنا پر نماز میں بات چیت کرنا جائز ہے (حالانکہ ذوالہدین کی حدیث نسخ اور معانعت سے پہلے کی ہے) لیکن بھول کر یا اپنے آپ کو نماز سے باہر خیال کرتے ہوئے بات چیت کرے تو شافعیہ کے نزدیک اس کی نماز باطل نہیں ہوگی اسے امام نووی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ علمائے سلف و خلف میں سے جمہور کا یہی قول ہے اور ابن عباس، ابن زبیر، ان کے بھائی عروہ بن زبیر، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، طحی، ثاؤد، اوزاعی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور تمام محدثین کا بھی یہی قول ہے اور صحیح ترین روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب اور امام سفیان ثوری نے فرمایا کہ بھول یا انجانے میں دوران نماز بات چیت کرنا نماز کو باطل کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت زید بن ارقم کی حدیث میں مذکور ہے۔

[تسبیح النظام فی شرح سند الامام حاشیہ ۶ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ امام ترمذی نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت زید فرماتے ہیں: ہم نماز میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے گفتگو اور باتیں کرتے تھے۔ ہم میں سے کوئی نمازی مرد اپنے پہلو کی طرف موجود آدمی سے بات کر لیتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل کی گئی: ”وَقَوْمُوا لِلّٰہِ فَاَذِیْنُ“ اور تم اللہ تعالیٰ کی خاطر ادب و احترام کے ساتھ خاموش کھڑے رہو سو اس لیے ہمیں نماز میں خاموشی کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے اور قنوت بہ معنی سکوت ہے اور بعض کا قول ہے: اس سے خشوع و خضوع مراد ہے اور اس حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد ”ان لیس الصلوٰۃ لشغلاً“ کو شیخین (بخاری و مسلم)، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے حضرت معاویہ بن حکم سلمیٰ کی حدیث روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اور اس دوران لوگوں میں سے ایک آدمی کو چھینک آگئی تو میں نے اسے کہہ دیا ”ہو حملک اللہ“ سو لوگ اپنی آنکھوں کے اشاروں سے مجھے

گھورنے لگے تو میں نے کہا: افسوس! تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم مجھے گھور کر دیکھتے ہو سو انہوں نے (بولنے کی بجائے) اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارے تو میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے خاموش کر رہے ہیں اس لیے میں خاموش ہو گیا۔ پھر جب نبی کریم ﷺ نماز پڑھا چکے تو مجھے اپنے پاس بلا لیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں! میں نے آپ جیسا معلم نہ آپ سے پہلے دیکھا ہے نہ آپ کے بعد دیکھا کیونکہ آپ کی تعلیم سب سے زیادہ عمدہ اور اچھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ نے مجھے نہ ڈانٹا نہ مارا اور نہ مجھے گالی دی بلکہ فرمایا: بے شک یہ نماز ہے اس میں انسانوں کے کلام کی اجازت نہیں ہے اس میں صرف حمد و ثناء، تسبیح، تکبیر اور قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعل قاری ص ۹۶-۹۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت]

۵۸۔ بَابُ جَوَازِ الصَّلَاةِ

فِي جَانِبِ امْرَأَةٍ

عورت کے پہلو میں نماز

پڑھنے کا جواز

۱۶۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِي رَاهِمٍ عَنِ
الْأَسْوَدِ عَنْ غَبَشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَأَنَا نَائِمَةٌ إِلَى جَنْبِهِ وَجَانِبِ
الْقُبِّ وَاقِعٌ عَلَيَّ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ
رات کو نماز (تہجد) پڑھتے تھے جبکہ میں آپ کے پہلو میں سو رہی ہوتی
تھی اور کپڑے کا ایک حصہ میرے اوپر ہوتا تھا۔

بخاری (۳۸۳-۵۱۲۰) مسلم (۱۱۴۷) ابوداؤد (۷۱۱) نسائی (۷۶۰) ابن ماجہ (۹۵۸)

عمل لغات

”نَائِمَةٌ“ صیغہ واحد مؤنث اسم فاعل باب سَوَعَ يَسْجَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: سونا، اوگنا۔

چند فوائد کا ذکر

اس حدیث سے چند اہم ترین مسائل کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک یہ کہ نقلی عبادت کے لیے لوگوں کو عموماً اور اپنے اہل خانہ کو خصوصاً مجبور کرنا جائز نہیں ہے ورنہ نبی کریم صلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اہلیہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نماز تہجد کے لیے ضرور اٹھاتے اور نماز تہجد پڑھواتے البتہ نرئی سے ترغیب دینا مستحب عمل ہے لیکن سختی کرنا یا ان پر زہان طعن و راز کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے بلکہ زیادتی ہے۔ دوسرا یہ کہ شریعت کے علوم اور طریقت کے اسرار کے حاطین اور منصب نبوی کے ورثاء علماء اور اولیاء اللہ کے لیے نماز تہجد اور دیگر ماثورہ و افضل پڑھنا نہ صرف سنت نبوی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے قرب و رضا اور سعادت و فلاح دارین کا ذریعہ بھی ہیں اس لیے یہ حضرات نماز تہجد اشراق چاشت ادا بین تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کے نوافل و بخکانہ نمازوں کے ساتھ پابندی سے ادا کریں پھر تبلیغ دین میں تاثیر اور مقبولیت فی الناس مشاہدہ فرمائیں یہ شرطیکہ تمام عبادات حضور قلب خلوص نیت اور ذوق و شوق سے ادا کی جائیں۔ تیسرا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا تنگدستی و غربت اور ضرورت کے باوجود پوری چادر خود اوڑھنے کی بجائے ایک حصہ اپنی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اوڑھا دینا عدل و انصاف کی اعلیٰ ترین مثال ہے جو تمام بنی نوع انسان خصوصاً ملت اسلامیہ کے پیروکاروں کے لیے اسوۂ حسنہ اور مشعل راہ ہے کہ اپنے افراد خانہ خصوصاً بیوی کے ساتھ عدل و انصاف قائم کرنا سنت نبوی ہے۔ عموماً سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں دوست احباب مل کر گھر کے ایک دن کی باطری روٹی کے خرچ سے بڑھ کر فی کس رقم جمع کرتے اور دعوت کا اہتمام کرتے ہیں جس میں کھانے کی مختلف ڈشیں پھل فروٹ اور مشروبات کا خوب اہتمام کیا جاتا ہے ایسے موقع پر افراد خانہ کے لیے کھانے کا اچھا

انتظام عدل و انصاف کی رو سے ضروری ہو جاتا ہے۔ چوتھا یہ کہ تنگدستی کے باوجود ازواج مطہرات کا صبر و شکر کے ساتھ گزارنا اور شوہر نامدار رسول اللہ ﷺ سے لڑنے جھگڑنے کی بجائے فرماں بردار بن کر رہنا مسلم خواتین کے لیے مشعل راہ اور درس عبرت ہے۔ اس حدیث کی مزید تشریح آگے دوبارہ بیان کی جائے گی۔

نماز میں بوقت ضرورت امام کو
کس طرح آگاہ کیا جائے؟

۵۹۔ بَابُ كَيْفَ يَطْلُعُ الْإِمَامُ

لِلْحَاجَةِ فِي الصَّلَاةِ

۱۶۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَنَّ فِي الصَّلَاةِ إِذَا نَابَهُمْ فِيهِ شَيْءٌ التَّسْبِيحَ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقَ لِلنِّسَاءِ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مقتدیوں کو نماز میں کوئی عارضہ پیش آ جائے تو (امام کو آگاہ کرنے کے لئے) رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں ہتھیلی پر ہتھیلی ماریں۔

بخاری (۶۸۴) مسلم (۹۵۴) ابوداؤد (۹۴۰) ترمذی (۳۶۷) ابن ماجہ (۱۰۳۵) نسائی (۱۳۰۸)

حل لغات

”سَنَّ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے یہ سَنَ (سین مضوم نون مشدود مفتوح) سے مشتق ہے اس کا معنی ہے: طریقہ مقرر کرنا، خصلت، طبیعت، شریعت۔ ”نَابَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کوئی حادثہ عارضہ معاملہ امر پیش آنا نَابَ یا قائم مقام ہونا۔ ”التَّسْبِيحُ“ کا معنی سبحان اللہ کہنا ہے اور ”التَّصْفِيقُ“ کا معنی ہے: عورت کا اپنی ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر مارنا۔

نماز میں امام کو تلقین کرنے کا طریقہ

واضح رہے کہ جب نماز میں کلام و گفتگو اور بات چیت کرنے سے منع کر دیا گیا تو اس کے بعد اگر نماز میں کوئی ایسا حادثہ پیش آ جائے جس کی وجہ سے اپنے امام کو اطلاع دینی ہو یا پھر کوئی بے خبری میں آگے سے گزرے یا اسے پکارے یا سلام وغیرہ کرے تو اسے آگاہ کرنے کے لیے شریعت نے مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا اور عورتوں کے لیے دائیں ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارنے کا حکم دیا ہے۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

عورت کو سبحان اللہ کہنے کی بجائے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت یعنی قابل ستر چیز ہے جو غیر محرم نہ سنے۔ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ“ یعنی سبحان اللہ کہنا مردوں کے لیے ہے اور ہاتھ پہ ہاتھ مارنا عورتوں کے لیے ہے۔ [شرح منہ امام اعظم ص ۱۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت]

کون سی چیز نماز کو توڑتی ہے

اور کون سی چیز نہیں توڑتی

۶۰۔ بَابُ مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ

وَمَا لَا يَقْطَعُ

۱۶۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهُ سَأَلَ غَالِشَةَ عَمَّا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ حضرت اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کون سی چیز نماز کو توڑ دیتی ہے؟ سو

فَقَالَتْ يَا أَهْلَ الْبَرَاءِ تَرَعُمُونَ أَنَّ الْوَحْمَارَ وَالْكَغْلَبَ
وَالْبَسْتُورَ يَفْطَحُونَ الصَّلَاةَ لَمْ نَسْمَعْهُمْ بِهَذَا إِذْ رَأَوْا
اِسْتَقْفَتْ عَمَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي
وَأَنَا نَائِمَةٌ إِلَى جَنْبِهِ عَلَيْهِ قُوْبٌ جَابِيَةٌ عَلَيَّ

بخاری (۵۱۴-۵۱۵) مسلم (۱۱۴۳)

آپ نے فرمایا: اے اہل عراق! تم یہ خیال کرتے ہو کہ گدھا، کتا اور بلی
(نمازی کے سامنے سے گزر کر اس کی) نماز کو توڑ دیتے ہیں۔ تم نے ہم
(عورتوں) کو بھی ان کے ساتھ ملا دیا ہے جہاں تک ہو سکے تم (آگے
گزرنے والے کو) روکو۔ نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تھے جبکہ میں آپ
کے پہلو میں سو رہی ہوتی تھی (اور) آپ کے اوپر اوڑھے ہوئے کپڑے
کا ایک حصہ مجھ پر ہوتا ہے۔

حل لغات

"يَفْطَحُ" میخذ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب ففتح يفتح يفتح سے ہے اس کا معنی ہے: توڑنا، کاٹنا۔
"تَرَعُمُونَ" میخذ جمع مذکر حاضر فعل مضارع معروف مثبت باب نصر يَنْصُرُونَ سے ہے اس کا معنی ہے: گمان کرنا، خیال کرنا۔
"لَمْ نَسْمَعْهُمْ" میں "لَمْ نَسْمَعْهُمْ" میخذ جمع مذکر حاضر فعل ماضی معروف مثبت باب ضرب يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: ملانا اور
"نَا" ضمیر جمع شکم مفعول بہ ہے۔ "إِذْ رَأَوْا" میخذ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف باب فتح يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: روکنا، دور
کرنا، ہٹانا۔

نمازی کے سامنے سے آدمی وغیرہ کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی

یاد رہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والا اگرچہ سخت گناہ ہے لیکن اس سے جمہور کے نزدیک نماز قاسد نہیں ہوتی اور جن احادیث
میں ہے کہ نمازی کے آگے سے عورت، گدھا اور کتا وغیرہ گزر جائیں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے تو یہ روایات ان احادیث سے منسوخ ہیں
جن میں ہے کہ نمازی کے آگے سے کسی چیز کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی یا پھر ان کا مطلب یہ ہے کہ نماز تو بے شک نہیں ٹوٹتی لیکن
نمازی کا خیال بٹ جانے سے حضور قلب، توجہ الی اللہ اور خشوع و خضوع ٹوٹ جائے گا جو نماز کی روح اور جان ہے اور ان تین چیزوں
کے ذکر کی تفصیص کی وجہ یہ ہے کہ ذہن اور دل بہت جلد اور بڑی شدت سے ان تین چیزوں کی طرف متوجہ اور مشغول ہو جاتا ہے۔
عورت تو ظاہر ہے کہ مرد کا ذہن و قلب بہت جلد اس کی طرف راغب و مشغول ہو جاتا ہے "الَا قَلِيلٌ"۔ رہا گدھا تو اس کی وجہ یہ ہے
کہ شیطان اس کا ساتھی ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ لگا رہتا ہے چنانچہ جس طرح شیطان سے تعوذ کے ذریعے پناہ مانگنا مستحب ہے
اسی طرح گدھے کی بے ڈھنگی آواز سن کر تعوذ پڑھنا اور پناہ مانگنا مستحب ہے۔ باقی رہا کتا وغیرہ تو غلیظ ترین نجس و ناپاک ہونے کی وجہ
سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ [بخاری، المعانی، شرح مشکوٰۃ، ج ۱ ص ۳۵۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ، بیروت، مصر]
زیر بحث حدیث میں ملی کا ذکر کیا گیا ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ نجس و ناپاک ہونے کے ساتھ یہ گھروں میں کثرت سے
آنے جانے والا جانور ہے اس سے پرہیز کرنا اور بچنا مشکل ہوتا ہے۔

سورج گرہن کی نماز

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس روز رسول
اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا اس روز سورج
کو گرہن لگ گیا، سور رسول اللہ ﷺ (منبر پر چڑھ کر) کھڑے ہوئے
اور خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا: بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ

۶۱۔ بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ

۱۶۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ
عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ
مَاتَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَخَطْبٍ

کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے دونشائیاں ہیں ان کو نہ تو کسی شخص کی موت کی وجہ سے گرہن لگتا ہے اور نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے سوس لے جب تم ان کو اس حالت میں دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف کرو اور اس کی تکبیر و تسبیح بیان کرو یہاں تک کہ ان دونوں میں سے جس کو گرہن لگا ہے وہ ختم ہو جائے پھر رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھائی۔

بخاری (۱۰۴۳) مسلم (۲۱۲۳) ابوداؤد (۱۱۹۱) نسائی (۱۵۰۳) ابن ماجہ (۱۳۶۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جس دن انتقال ہوا اسی دن سورج کو گرہن لگ گیا تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ سوس موقع پر نبی کریم ﷺ نے نماز کسوف پڑھاتے ہوئے بہت طویل قیام فرمایا یہاں تک کہ لوگوں نے گمان کیا کہ آپ رکوع نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے رکوع کیا تو آپ کا رکوع بھی آپ کے قیام کے برابر تھا۔ پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا (اور تسبیح کہنے کے لیے سیدھے کھڑے ہو گئے) سو آپ کا قیام آپ کے رکوع کے برابر تھا۔ پھر آپ نے قیام کے برابر سجدہ کیا پھر آپ بیٹھ گئے اور دو سجدوں کے درمیان آپ کا بیٹھنا سجدے کے برابر تھا۔ پھر آپ نے دوسرا سجدہ کیا جو آپ کے جلسہ کے برابر تھا۔ پھر آپ نے دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھائی یہاں تک کہ جب آپ نے دوسری رکعت کا سجدہ کیا تو آپ بہت روئے اور کھڑت سے آسو بہائے سو ہم نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ (اے میرے اللہ!) کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں فرمایا کہ میری موجودگی میں تو انہیں عذاب نہیں دے گا۔ پھر آپ بیٹھے اور تشہد پڑھا پھر سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوئے نبی صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے دونشائیاں ہیں جن کے گرہن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے ان دونوں کو نہ تو کسی شخص کی موت کی وجہ سے گرہن لگتا ہے اور نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے سو جب ایسی خوف ناک صورتحال پیدا ہو جائے تو تم پر لازم ہے کہ نماز پڑھو اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں جنت کے بالکل قریب کر دیا گیا ہوں

فَقَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَا تَنْكَسِفَانِ لِمَوْتٍ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ لَإِذَا رَأَيْتُمُ ذَلِكَ فَعِلُوا وَأَحْمَدُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوهُ وَسَبِّحُوهُ حَتَّى يَنْجَلِيَ إِلَيْهِمَا انْكَسَفَ ثُمَّ نَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ

۱۶۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّاسُ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيَامًا طَوِيلًا حَتَّى ظَنُّوا أَنَّهُ لَا يَرْتَجِعُ ثُمَّ رَفَعَ فَكَانَ رُكُوعُهُ قَدَرًا قِيَامِهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَانَ قِيَامُهُ قَدَرًا رُكُوعِهِ ثُمَّ سَجَدَ قَدَرًا قِيَامِهِ ثُمَّ جَلَسَ فَكَانَ جُلُوسُهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَدَرًا سُجُودِهِ ثُمَّ سَجَدَ قَدَرًا جُلُوسِهِ ثُمَّ صَلَّى الْوُكُوعَةَ الْفَائِضَةَ فَفَعَلَ بِشَلِّ ذَلِكَ حَتَّى إِذَا تَخَلَّاتِ السَّجْدَةُ مِنْهَا بَكَى فَاشْتَدَّ بَكَاءُهُ فَسَجَّعْنَاهُ وَهُوَ يَقُولُ أَلَمْ تَعِدْنِي أَنْ لَا تُعَذِّبَنَّهُمْ وَأَنَا فِيهِمْ ثُمَّ جَلَسَ فَتَشَهُدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَاقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهِمَا عِبَادَهُ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ لَإِذَا كَانَ كُنْزُكَ فَعَلَبَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَلَقَدْ رَأَيْتَنِي أُذِنْتُ مِنَ الْجَنَّةِ حَتَّى لَوْ شِئْتُ أَنْ أَتَاوَلَ غَصًّا مِنْ أَغْصَانِ شَجَرٍ هَذَا فَعَلْتُ وَلَقَدْ رَأَيْتَنِي أُذِنْتُ مِنَ النَّارِ حَتَّى جَعَلْتُ أَتَقَبَّى وَلَقَدْ رَأَيْتُ سَارِقَ رَسُولِ اللَّهِ. وَفِي رِوَايَةٍ سَارِقٌ بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ يُعَذِّبُ بِالنَّارِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ فِيهَا عَبْدَ بَنٍ دَعْدُعَ سَارِقِ الْحُجَّاجِ بِمَحْبَبَتِهِمْ وَلَقَدْ رَأَيْتُ فِيهَا امْرَأَةً أَذْمَاءَ جَمِيرِيَّةٍ تُعَذِّبُ فِي هِرَّةٍ

لَهَا رَبَطْنَهَا فَلَمْ تُطَوِّمْهَا وَلَمْ تَدْعُهَا تَأْكُلْ مِنْ
مَحْشَايِ الْأَرْضِ وَخَشَرَاتِهَا وَلَيْسَ بِرِوَايَةٍ نَحْوُهَا وَ
فِيهِ لَقَدْ رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ دَعْدَعِ سَارِقِ الْحَبَّاجِ
بِمَخْبَرِهِ لَمَّا كَانَ إِذَا غَلِيظَ ذَنْبٌ وَإِذَا رَأَاهُ أَحَدٌ قَالَ
إِنَّمَا تَعْلَقُ بِمَخْبَرِي وَلَيْسَ بِرِوَايَةٍ كَانَ إِذَا غَلِيظَ لَهُ
خَيْرٌ ذَنْبٌ بِهِ وَإِذَا ظَهَرَ عَلَيْهِ قَالَ إِنَّمَا تَعْلَقُ
بِمَخْبَرِي، بخاری (۱۰۵۲) مسلم (۲۱۰۲) ابوداؤد (۱۱۹۴)
نسائی (۱۴۸۳) ابن ماجہ (۱۲۶۵)

یہاں تک کہ اگر میں چاہتا کہ اس کے درختوں کی شاخوں میں سے کسی
شاخ کو توڑ لوں تو میں ایسا کر سکتا تھا اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ
میں دوزخ کے بالکل قریب کر دیا گیا ہوں یہاں تک کہ میں اس کی پیش
سے بچنے لگا اور میں نے اللہ کے رسول کے چہرہ کو دیکھا۔ اور ایک روایت
میں ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کے گھر سے چوری کرنے والے
شخص کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا دیکھا اور میں نے عبد بن دہرج کو بھی
دوزخ میں دیکھا ہے جو اپنی لاشی کے ذریعے حایوں کا سامان چوری کر
رہا تھا اور میں نے دوزخ میں قبیلہ حمیر کی گندی رنگ کی ایک عورت کو
دیکھا ہے جس کو اپنی ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا جسے اس نے
ایک رسی کے ساتھ باندھ رکھا تھا اور نہ اسے کھلایا چلایا اور نہ اسے چھوڑا
تا کہ وہ خود زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی۔ اور ایک روایت میں اسی
طرح ہے اور اس میں یہ (اضافہ) بھی ہے کہ میں نے عبد بن دہرج کو
اپنی لاشی کے ذریعہ حایوں کا سامان چوری کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ
جب اسے کوئی نہ دیکھتا تو وہ سامان اٹھا کر لے جاتا اور جب اسے کوئی
دیکھ لیتا تو وہ کہہ دیتا کہ یہ سامان میری فہار لاشی کے ساتھ چھٹ کر لنگ
گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی چیز غلطی ہوتی (جو لوگوں کو نظر نہ
آنے والی ہوتی) تو وہ اسے اٹھا کر لے جاتا اور جب کوئی چیز کسی پر ظاہر
ہوتی تو کہتا کہ یہ چیز میری لاشی کے ساتھ چھٹ کر لنگ گئی ہے۔

حل لغات

”إِنَّمَا كُنْتُ“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: سورج اور چاند کو گرہن لگانا۔
”مَسْجُلِي“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: روشن ہو جانا۔ ”إِسْتَدْرَ“ صیغہ
واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: شدید سخت ہونا۔ ”تَسْخُوفُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل
مضارع مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: ڈرانا خوف دلانا۔ ”أَذْيَسْتُ“ صیغہ واحد متکلم فعل ماضی مجہول مثبت باب افعال
سے ہے اس کا معنی ہے: قریب کرنا نزدیک کرنا۔ ”أَذْمَاءُ“ فعلاء کے وزن پر اسم مؤنث ہے اس کا معنی ہے: گندی رنگ گندم
گوں۔ ”رَبَطْنَهَا“ میں ”رَبَطْتُ“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضرب بَضْرَبْتُ سے ہے اس کا معنی ہے:
باندھنا آخر میں ”ہا“ ضمیر مؤنث مفعول بہ ہے۔

زمانہ جاہلیت کے ایک باطل عقیدہ کی تردید

حکماء اور فلاسفہ کے پیروکار لوگ زمانہ جاہلیت کے مطابق یہ گمان کرتے تھے کہ سورج اور چاند کو کسی عظیم ترین ہستی کی ولادت یا
اس کی موت کی وجہ سے گرہن لگ جاتا ہے اس لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس باطل خیال کی تردید فرمائی اور اگرچہ کوف

اور خسوف اکثر ہم معنی مراد لیے جاتے ہیں لیکن کسوف کا لفظ اکثر سورج گرہن پر بولا جاتا ہے جبکہ خسوف کا لفظ اکثر چاند گرہن پر بولا جاتا ہے۔ نیز سورج گرہن پر باجماعت نماز پڑھی جائے گی اور چاند گرہن میں سنت کے مطابق فردا فردا تنہا پڑھی جائے گی اور سورج گرہن میں جس طرح بالاتفاق نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے اسی طرح فردا فردا تنہا بھی پڑھی جاسکتی ہے اور بخاری میں حدیث ہے اور اسے امام ترمذی نے ثمال میں بھی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عامر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج گرہن ہوا۔ سو آپ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے اور جب آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی تو سورج روشن ہو گیا اور آپ نے اس نماز میں ہر رکعت میں ایک رکوع کیا تھا اور نسائی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نماز اسی طرح پڑھائی جس طرح لوگ دوسری نمازیں پڑھتے ہیں (یعنی ہر رکعت میں ایک رکوع کیا) اور امام ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورج اور چاند گرہن میں شہاری نماز کی طرح دو رکعت نماز پڑھائی۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسوف و خسوف کی نماز عام نمازوں کی طرح پڑھی جائے گی (جس میں ہر رکعت میں ایک قیام ایک قراءت اور ایک رکوع ہوگا) جبکہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ہر رکعت میں دو سجدوں کی طرح دو قیام دو قراءتیں اور دو رکوع ہوں گے۔ پھر امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی تو یہ فرماتے ہیں کہ اس نماز میں قراءت آہستہ پڑھی جائے گی اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: اس نماز میں قراءت بلند آواز سے کی جائے گی۔ نیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقع پر جو خطبہ دیا ہے وہ محض وعظ و نصیحت کے لیے تھا سو اس لیے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وعظ و نصیحت کے لیے خطبہ دینا اس موقع پر جائز تو ہے لیکن مسنون نہیں ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک دو خطبے مسنون ہیں۔ (ماخذ از شرح مسند امام اعظم ملا علی القاری ص ۳۲۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

۶۲۔ بَابُ صَلَوةِ الْاِسْتِخَارَةِ

نماز استخارہ کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔

۱۶۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ ثَعْلَبٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ.

بخاری (۱۱۶۲) ابوداؤد (۱۵۳۸) ترمذی (۴۸۰) ابن ماجہ (۱۳۸۳) نسائی (۳۲۵۵)

حضرت عبداللہ ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں ہر معاملے میں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن مجید کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔

۱۶۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِي عَاقِبَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْأَمْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ.

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو پہلے وضو کرے اور فرض کے علاوہ دو رکعت نماز نفل پڑھے پھر وہ دعا کرتے ہوئے یہ کہے کہ اے میرے اللہ! بے شک میں تیرے علم کے ذریعہ تجھ سے خیر و بھلائی چاہتا ہوں اور میں تیری قدرت کے ذریعہ تجھ سے قدرت طلب

وَلَيْسَ بِرَأْيَةٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَمْرًا فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَجِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَفِيدُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَتَقْدِرُ

وَلَا تَقْدِرُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ إِنْ كَانَ هَذَا
الْأَمْرُ غَيْرَ آتِيٍّ فِي مَوْجِبِي وَغَيْرَ آتِيٍّ فِي غَائِبِي
أَمْرِي فَتَبْرَهُ لِي وَتَبَارِكْ لِي فِيهِ وَزَادَ لِي بِرَوَايَةِ
وَإِنْ كَانَ غَيْرُهُ لَفَقْدَرُ لِي الْغَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ
وَجَبَّ بِهِ

بخاری (۱۱۶۲) اور دارقطنی (۱۵۳۸) ترمذی (۴۸۰)

ابن ماجہ (۱۳۸۳) نسائی (۳۲۵۵)

کرتا ہوں اور میں تجھ سے تیرا فضل و کرم مانگتا ہوں پس بے شک تو
سب کچھ جانتا ہے اور میں سب کچھ نہیں جانتا اور تو ہر چیز پر قدرت و
اختیار رکھتا ہے اور میں ہر چیز پر قدرت و اختیار نہیں رکھتا اور تو تمام چیزوں
(اور پوشیدہ چیزوں) کو خوب جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر یہ کام میری
معیشت و زندگی میں میرے لیے بہتر ہے اور میرے کام کے انجام کے
لحاظ سے میرے لیے بہتر ہے تو اسے تو میرے لیے آسان بنا دے اور
اس میں میرے لیے برکتیں عطا فرما۔ اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے
کہ اگر اس کے خلاف ہے (یعنی اگر وہ کام میرے لیے بہتر نہیں) تو تو
میرے لیے خیر و بھلائی مقدر فرما دے جہاں بھی ہو پھر تو مجھے اس پر
راضی فرما۔

عمل لغات

”يَعْلَمُنَا“ اس میں ”يَعْلَمُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: تعلیم دینا
علم سکھانا اور نا ضمیر جمع حکم مفعول بہ ہے۔ ”أَسْفُوهُنَا“ اس میں ”أَسْفُوهُنَا“ صیغہ واحد حکم فعل مضارع معروف مثبت باب
استعمال سے ہے اس کا معنی ہے: خیر و بھلائی طلب کرنا اور ”لَا“ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول بہ ہے۔ ”أَسْفُوهُنَا“ صیغہ واحد حکم
فعل مضارع معروف مثبت باب استعمال سے ہے اس کا معنی ہے: قدرت طلب کرنا۔ ”أَلْبَدُ“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف
باب نَصْرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: مقدر کرنا۔ ”رَحْنِي“ اس میں ”رَحْنُ“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف باب تفعیل
ناقص یا ”رَحْنِي يَرْحَنِي“ سے ہے اس کا معنی ہے: راضی کرنا اس میں لون و قایہ اور یاہ حکم کی ضمیر ہے اور مفعول بہ ہے۔

نماز استخارہ کی اہمیت

استخارہ کا معنی ہے: خیر و بھلائی طلب کرنا اپنے لیے اچھائی چاہنا اور کسی معجزہ مستی سے خیر و بھلائی کا مشورہ کرنا چونکہ استخارہ کی
دعا اور نماز میں آدمی اللہ تعالیٰ سے خیر و بھلائی طلب کرتا ہے اور خیر و بھلائی کا مشورہ طلب کرتا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں اس لیے
اس کو استخارہ کہتے ہیں نماز استخارہ مکروہ اوقات کے علاوہ کسی دن اور رات کے کسی وقت بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ پہلی رکعت میں ”قُلْ
يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ اور دوسری رکعت میں ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھے کہ یہی آسان ہے (مرقات) حدیث میں ہے کہ جو آدمی
استخارہ کرے گا وہ نقصان میں نہیں رہے گا اور جو آدمی استخارہ کر لیا کرے وہ نادم و پشیمان نہ ہوگا۔ اس استخارہ کے بعد پھر جدھر دل
متوجہ ہو جائے وہ کرے ان شاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہوگی۔ بعض صوفیہ فرماتے ہیں اگر سوتے وقت نماز نفل کی دو رکعتیں پڑھ کر مذکورہ بالا
حدیث میں مذکور دعا کو پڑھے پھر با وضو قبلہ رو سو جائے۔ اگر خواب میں سبزی یا سفید جاری پانی یا روشنی دیکھے تو کامیابی کی علامت ہے
اور اگر سیاہی یا گدلا پانی یا اندھیرا دیکھے تو ناکامی اور نامرادی کی علامت ہے۔ سات روز یہ عمل کرے ان شاء اللہ العزیز اس دوران
خواب میں اشارہ ہو جائے گا۔ استخارہ کے اور بہت سے طریقے صاحب مرقات نے بیان کیے ہیں اور فرمایا: جسے بہت جلدی ہو وہ
صرف یہ کہے: ”اَللّٰهُمَّ بَعِّرْنِيْ وَ اَخْتَرْنِيْ وَ اجْعَلْ لِّيْ الْخَيْرَ“ ان شاء اللہ العزیز اس کام میں خیر و برکت ہوگی۔

[ماخوذ ہے تصوف غلیل از مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۰۳۔ ۳۰۴ مطبوعہ فی کتب خانہ مہجرت]

استحارہ کرنے سے پہلے چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے

(۱) محرمات و ممنوعات میں سے کسی چیز کے بارے میں استحارہ کرنا کہ یہ کام کروں کہ نہ کروں ناجائز اور گناہ ہے کیونکہ ان چیزوں کا ترک ہر حال میں واجب و لازم ہے۔

(۲) فرائض اور واجبات میں سے کسی چیز کے بارے میں استحارہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کا ادا کرنا ہر حال میں واجب و ضروری ہے۔

(۳) روزمرہ کے کاموں میں استحارہ نہیں ہوتا جیسے کھانے پینے سونے جاکنے اور لباس تبدیل کرنے وغیرہ کے بارے میں استحارہ کرنا غلط ہے۔

(۴) ایسے نادر اور اہم کام کے بارے میں استحارہ کرنا سنت ہے جس کے متعلق انسان متردد و مضطرب اور پریشان ہو کہ یہ کام کروں یا نہ کروں۔ نیز وہ کام خیر و شر اور نفع و نقصان دونوں کا احتمال رکھتا ہو جیسے تجارت، حج، جہاد اور بیرون ملک ملازمت وغیرہ کا سفر یا شادی بیاہنے رشتے ناتے جوڑنے کے بارے میں استحارہ کرنا۔

(۵) اپنے کام کے لیے خود آپ استحارہ کرے تو بہتر اور افضل ہے ورنہ کسی دوسرے معتد و معتبر اور اہل آدی سے استحارہ کرائے تو یہ بھی جائز ہے۔

علامہ ملاحی قاری لکھتے ہیں:

(۱) امام حاکم اور امام ترمذی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ: انسان کی سعادت و نیک بختی ہے کہ وہ اپنے ہر اہم اور نادر کام کے لیے اللہ تعالیٰ سے استحارہ کرے اور اس کی شعاوت و بد بختی ہے کہ وہ اپنے کسی نادر و اہم کام کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے استحارہ نہ کرے۔

(۲) امام طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے:

جو آدی کسی اہم اور نادر کام کے لیے استحارہ کر لیتا ہے وہ کبھی ذلیل و رسوا نہیں ہوتا اور جو آدی اپنے کسی کام میں اپنے معجز دوست وغیرہ سے مشورہ کر لیتا ہے وہ کبھی نادم و شرمندہ نہیں ہوتا (جس سے مشورہ لیا جائے اس کا فرض ہے کہ اچھا مشورہ دے)۔

(۳) بعض حکماء (اسلامی دانشوروں) نے کہا ہے کہ جو شخص چار کام کرتا ہے اس سے چار بھلائیوں نہیں روکی جاتیں (۱) جو شخص نعمت خدا داد پر اس کا شکر ادا کرتا ہے اس سے نعمتوں میں اضافہ نہیں روکا جاتا (۲) جو شخص سچی توبہ کر لیتا ہے اس سے توبہ کی قبولیت نہیں روکی جاتی۔ (۳) جو شخص کسی نادر اور اہم کام کے لیے استحارہ کر لیتا ہے تو اس سے خیر و بھلائی نہیں روکی جاتی (۴) جو شخص اپنے کسی اہم کام میں کسی اہل آدی سے مشورہ کر لیتا ہے تو اس سے اس کے کام کا صحیح اور درست ہونا نہیں روکا جاتا۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۰، مطبوعہ بیروت]

چاشت کی نماز

حضرت ام حانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اپنی زرہ اتاری اور پانی منگایا اور اسے اپنے بدن پر بہاتے ہوئے غسل کیا، پھر آپ نے ایک کپڑا منگایا اور اس میں نماز پڑھی۔ ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے: کپڑا لپیٹ کے۔ اور ایک روایت میں

۶۳۔ بَابُ صَلَوةِ الصُّحَى

۱۷۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ النَّعَابِثِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ رَضَعَ لَامَتَهُ وَدَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ ثُمَّ دَعَا بِقُوطٍ وَاجِدٍ فَصَلَّى فِيهِ زَادَ فِي رِوَايَةِ مَوْضِعًا.

لاں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اپنی زرہ اتاری پھر پانی منگایا تو آپ کی خدمت میں ایک مہب میں پانی پیش کیا گیا جس میں آٹا گوندھنے کے نشانات تھے۔ سو آپ نے ایک کپڑے سے ہرہ بنایا پھر اس میں سے غسل فرمایا۔ پھر آپ نے ایک کپڑا منگایا اور اس کو اپنے جسم پر لپیٹ کر باندھ لیا پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ یہ چاشت کی نماز تھی۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اپنی زرہ اتاری اور پانی منگوا یا سو پانی ایک مہب میں لایا گیا جس میں آٹے کے نشانات تھے۔ آپ نے غسل کیا اور آپ نے ایک کپڑا لپیٹ کر اس میں چار رکعات یا دو رکعات نماز ادا فرمائی۔

وَبَيْنَ رِوَايَةٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ لَامَةً يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَأَتَيْنَ بِهِ لِيْنِ جَفْنَةٍ فِيهَا عَجْرٌ الْعَجِينِ فَاسْتَقَرَّ بِقُوبٍ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَعَا بِقُوبٍ فَتَوَضَّعَ بِهِ ثُمَّ صَلَّى وَتَشَمَّعَ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَهِيَ الصُّغَى وَلِيْنِ رِوَايَةٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَامَةً وَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتَيْنَ بِهِ لِيْنِ جَفْنَةٍ فِيهَا أَتْرُ عَجِينِ فَاغْتَسَلَ وَصَلَّى أَرْبَعًا أَوْ تَشَمَّعَ لِيْنِ قُوبٍ وَاجِدَ مَتَوَضَّعًا.

بخاری (۱۱۲۶) مسلم (۱۶۷۵) ابوداؤد (۱۲۹۰)

ترمذی (۴۷۴) سند احمد (۲۷۴۲۵) ابن خزیمہ (۳۳۷)

حل لغات

”لَامَةً“ اس میں لام اور میم مفتوح اور مزہ ساکن ہے اس کا معنی ہے: زرہ۔ ”مَتَوَضَّعًا“ صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب فعل سے ہے ”توضّع“ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے: کپڑا پہننا، کپڑے کو بغل سے نکال کر کندھے پر ڈالنا۔ ”جَفْنَةٌ“ اس کا معنی ہے: بہت بڑا یا الہ لب پرات، حال ”استعر“ صیغہ واحد مذکر فاعل فعل ماضی معروف مثبت باب افتعال سے ہے اس کا معنی ہے: چھپانا، ڈھانپنا، پردہ کرنا۔ ”عَجِينِ“ کا معنی ہے: آٹا گوندھنا، گندھا ہوا آٹا۔

نماز اشراق اور چاشت کی وضاحت اور ثبوت

یاد رہے کہ محو صحوۃ اور صبح کی طرح صبح کا معنی ہے: سورج کا طلوع ہو کر بلند ہونا اور جب ضاد پر ضمہ اور آخر میں الف مقصورہ ملنی پڑ جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے: سورج کی شعاع اور اس کی روشنی جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَالشَّمْسُ وَضُحَاهُ“ (النس: ۱۰) سورج اور اس کی روشنی کی قسم

اور یہ وقت سورج کے طلوع ہو کر بلند ہونے سے لے کر چوتھائی حصہ آسمان کے پہنچنے تک ہوتا ہے اور جب ضاد پر فتحہ اور آخر میں الف مدودہ ضحاء پڑ جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے: نصف النہار جبکہ لوگوں میں دن کا پہلا حصہ مشہور ہے اور نماز کی دو قسمیں ہیں: ایک نماز اشراق ہے اور یہ طلوع آفتاب کے بعد ایک نیزہ یا دو نیزے کے برابر سورج بلند ہونے پر پڑھی جاتی ہے اور دوسری نماز چاشت ہے اور یہ طلوع آفتاب کے بعد ایک نیزہ یا دو نیزے کے برابر سورج کے بلند ہونے سے زوال سے پہلے تک پڑھی جاتی ہے اور بہت سی احادیث میں صلاۃ الضحیٰ کا نام ان دونوں نمازوں اور دونوں وقتوں کو شامل ہے جبکہ بعض احادیث میں صلاۃ الضحیٰ صرف نماز اشراق پر بولا جاتا ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے طبرانی کی حدیث ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ام ہانی! یہ اشراق کی نماز ہے نیز امام سیوطی نے اس کے بعد ایک اور حدیث طبرانی کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن آدم! تو مجھے دن کے پہلے حصہ میں دو رکعت نماز پڑھنے کی ضمانت دے دے تو میں اس کے دوسرے حصے میں تمہاری کفایت کروں گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ”بِالنَّعِشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ“ کی تفسیر میں علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ اشراق کا وقت تب ہوتا ہے کہ سورج طلوع ہو جائے اور اس کی روشنی صاف اور واضح ہو جائے اور یہی چاشت کا وقت ہوتا ہے لیکن شروق الشمس کا معنی ہے:

طلوع آفتاب چنانچہ جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے: "شرقت الشمس" اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ اشراق کی نماز ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے اس آیت کریمہ سے چاشت کی نماز معلوم کر لی اور امام اجل شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جوہر جمع الجوامع المعروف الجامع الکبیر میں نماز اشراق کے لیے علیحدہ عنوان قائم کیا ہے اور اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی سنن ترمذی کی حدیث بیان کی ہے کہ

من صلی صلوۃ الفجر فی جماعة لم یجلس یعنی جو شخص نماز فجر باجماعت ادا کرے پھر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر یذکر اللہ حتیٰ نطلع الشمس لم یصلی رکعتین کرتا رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے پھر وہ دو رکعت نماز نفل کان له اجر حجة وعمرۃ تامتین۔ پڑھے تو اس کو ایک کامل حج اور ایک کامل عمرے کا اجر و ثواب ملے گا۔

اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو اس نماز کی ترغیب دی ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے خود ان دونوں وقتوں میں نماز پڑھی ہے اور حقیقت میں یہ ایک وقت ہے اور یہ ایک نماز ہے اس کا اول وقت اشراق ہے اور آخری وقت زوال سے تھوڑی دیر پہلے تک ہے اور چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض اوقات ان دونوں وقتوں میں نماز پڑھی ہے اس لیے اس کے متعلق لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ یہاں دو نمازیں ہیں اور دو وقت ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس نماز کے بارے میں اور اس کی ترغیب کے بارے میں بہت زیادہ احادیث اور آثار وارد ہیں چنانچہ مواہب لدنیہ فرمایا کہ شیخ دلی الدین بن عراق نے فرمایا ہے کہ اس نماز کے بارے میں بہت سی صحیح اور مشہور احادیث وارد ہیں یہاں تک کہ علامہ محمد بن جریر طبری نے کہا ہے کہ اس نماز کے حق میں احادیث تو اتر معنوی اور یقین محکم کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں۔ علامہ قاضی ابوبکر بن عربی ماگنی نے کہا ہے کہ یہ نماز سابق انبیاء و مرسلین کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّا نَشْكُرُكَ الْجَبَّاتِ نَعْمَةً يَسْتَبَحْنَ بِالتَّحِيَّيِ
وَالْأَشْرَاقِ ﴿۱۸﴾

بے شک ہم نے پہاڑوں کو اس کے ساتھ مسخر کر دیا ہے جو شام کے وقت اور سورج کے چمکنے کے وقت تسبیح کرتے ہیں ○

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے دین میں اس تسبیح کو نماز عصر اور نماز اشراق کی صورت میں قائم اور باقی رکھا ہے۔ علامہ سیوطی نے امام ربیع کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نفل نماز میں سب سے زیادہ نماز چاشت ہوتی تھی اور علامہ ابن الجار کے حوالے سے حضرت ثوبان کی حدیث بیان کی ہے کہ نماز چاشت وہ نماز ہے جس کی حفاظت حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام فرماتے رہے اور اکثر علمائے دین کا مذہب یہ ہے کہ نماز چاشت پڑھنا مستحب عمل ہے کیونکہ ثبت حدیث متقی حدیث سے مقدم ہوتی ہے اور بعض علماء نے اس کو مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے اور اس کی نفی میں احادیث بیان کی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عمر نے فرمایا یہ بہترین بدعت ہے اور مسلمانوں نے سب سے بہتر بدعت نماز چاشت کی ایجاد کی ہے۔

محققین علماء نے ان احادیث میں یوں تفسیق دی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس نماز کو اس اندیشہ کی بنا پر ہمیشہ نہیں پڑھا کہ کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے اور مسلمان مشقت میں مبتلا نہ ہو جائیں لیکن اس کے باوجود آپ نے خود بھی اکثر اوقات یہ نماز پڑھی ہے اور اپنی امت کو ترغیب بھی دی ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔

اس لیے نفی کی احادیث روایت کے عدم علم اور عدم روایت پر مبنی ہیں یا ان میں دوام و یقینی کی نفی مراد ہے اور بدعت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نفل نماز کو اہتمام کے ساتھ ہمیشہ مسجد میں پڑھنا بدعت ہے در نہ نہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے حضرت

سروق سے فرمایا کہ تم بندوں پر وہ بوجھ کیوں ڈالتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نہیں ڈالا اگر تم نے یہ نماز چاشت ضرور پڑھنی ہے تو مسجدوں میں ہمیشہ پڑھنے کی بجائے اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ اس لیے بعض علماء نے کہا کہ نماز چاشت کبھی پڑھی جائے اور کبھی ترک کی جائے اور صرف گھروں میں پڑھی جائے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کو ہمیشہ پڑھنا مستحب اہل ہے کیونکہ اب فرضیت کا تو وہم ختم ہو چکا ہے۔ نماز چاشت کی تعداد کے بارے میں مختلف احادیث وارد ہیں اور یہ مختلف احوال اور مختلف اوقات کی وجہ سے ہوا ہے سو اس لیے دو رکعت نماز سے لے کر بارہ رکعات تک پڑھی جاسکتی ہے البتہ اکثر علماء نے چار رکعات کو مختار قرار دیا ہے۔

[الحاث التبع فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ ص ۱۲۲-۱۲۱ مطبوعہ مکتبۃ المعارف الطبعیۃ شیش محل روز ۱۱ ہوز ۱۹۷۵ء/ ۱۳۹۵ھ]

ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں

۶۴۔ بَابُ كَثْرَةِ الْعِبَادَةِ فِي الْعَشْرِ

کثرت عبادت کا بیان

الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ماہ رمضان

۱۷۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ النَّهْثَمِ عَنْ زُجَيْلٍ عَنْ

شروع ہوتا تو نبی کریم ﷺ رات کو اٹھ کر عبادت کرتے اور (رات

عَائِشَةُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ

کے شروع میں) سو جاتے اور جب آخری عشرہ آتا تو آپ کمر کس لیتے

فَهَرُ رَمَضَانَ قَامَ وَتَامَ وَإِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ

اور رات کو جاگ کر عبادت کرتے۔

هَذَا الْوَيْزَرُ وَأَخَى الْقَلِّ

بخاری (۲۰۳۴) مسلم (۲۷۸۷) ابوداؤد (۱۳۷۶) ترمذی (۷۹۵) نسائی (۱۶۴۰) ابن ماجہ (۱۷۶۸) مسند احمد (۲۴۶۳۲) ابن خزیمہ (۲۲۱۴)

حل لغات

”قَدْ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: چہنچہن یا چادر باندھنا اس سے عبادت کے لیے جدوجہد کرنا مراد ہے۔ ”أَخَى“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب اَفْعَلَ سے ہے اس کا معنی ہے: زندہ کرنا۔

آخری عشرہ میں عبادت نبوی کی توجہ

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تو نبی کریم ﷺ رات کے پہلے نصف حصہ میں آرام کرنے کے لیے سو جاتے اور رات کے پچھلے نصف حصہ میں اٹھ کر عبادت الہی میں مصروف و مشغول رہتے اور یہ آپ کی دائمی عادت تھی اور جب ماہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو کمر بستہ ہو جاتے اس سے یا تو ترک جماع مراد ہے یا پھر کثرت عبادت مراد ہے کہ ان دنوں میں آپ اعکاف کرتے اور بہت زیادہ عبادت کرتے یہاں تک کہ رات کا اکثر اور غالب حصہ بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہتے یا رات بھر جاگ کر عبادت کرتے رہتے لیکن پہلا طریقہ زیادہ ظاہر ہے کیونکہ کسی روایت میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آپ پر جبر کر کے پوری رات آرام اور نیند کو ترک کر دیا ہو (کیونکہ اپنی ذات کو حد سے زیادہ مشقت دینے کی بجائے اسے قدرے آرام پہنچانا بھی فرض ہے)۔

(۱) بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تو رسول

اللہ ﷺ رات کو خود بھی بیدار ہو کر عبادت کرتے اور اپنے اہل و عیال کو بھی بیدار کرتے اور خوب محنت کرتے اور کمر کس لیتے۔

(۲) صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث یوں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس قدر ماہ رمضان المبارک

میں عبادت الہی کے لیے محنت و کوشش کرتے تھے اس قدر دیگر مہینوں میں نہیں کرتے تھے اور اس ماہ مقدس کے آخری عشرہ میں جس قدر عبادت کے لیے محنت کرتے تھے اس قدر اس کے دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔

[شرح مستند امام اعظم ص ۳۲۲-۳۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

نماز تہجد کا بیان

۶۵۔ بَابُ صَلَوةِ التَّهَجُّدِ

۱۷۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنِ الْمُهَاجِرَةِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ غَائِمَةً اللَّيْلِ حَتَّى تَوَرَّمَتْ لَدَمَاهُ فَقَالَ لَهُ أَصْحَابُهُ أَلَيْسَ لَكَ غُفْرٌ لَكَ مَا تَقْدِمُ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأْخُرُ لَكَ الْفَلَاحُ أَتَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رات کے اکثر حصہ میں عبادت کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم درم آلود ہو جاتے ایک مرتبہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف نہیں فرما چکا؟ آپ نے فرمایا: تو کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟

بخاری (۱۱۳۰) مسلم (۷۱۲۴) ترمذی (۴۱۲) ابن ماجہ (۱۴۱۹) نسائی (۱۶۴۵)

۱۷۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ أَنَّ صَلَوةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ كَانَتْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يَنْهَنُ ثَلَاثَ رَكْعَاتِ الْوُتْبِ وَرَكْعَةً الْفَجْرِ.

حضرت ابو جعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کو تیرہ رکعات نماز پڑھتے تھے ان میں سے تین رکعت وتر ہوتے اور دو رکعت فجر کی سلتیں ہوتیں۔

بخاری (۱۱۴۰) مسلم (۱۷۲۶) ابوداؤد (۱۳۳۴) ترمذی (۴۴۲) نسائی (۱۸۲۸)

حل لغات

”تَوَرَّمَتْ“ میسر و احد مؤنث غائب فعل ماضی معرول باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: درم آلود ہونا، سوچا جاتا۔

نماز تہجد کی مختلف روایات کا بیان

حضرت سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تہجد میں نو رکعات نماز پڑھتے تھے اور حضرت عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر سمیت تہجد میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور مؤذن کے آنے کے بعد دو رکعت سنت فجر پڑھتے تھے۔ حضرت ہشام بن عروہ کی سند میں حضرت عروہ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ سنت فجر سمیت تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے ایک روایت یہ ہے کہ رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے دو مرتبہ چار چار رکعت پڑھتے اس کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے ایک اور روایت یہ ہے کہ آپ تیرہ رکعات پڑھتے تھے پہلے آٹھ رکعات پڑھتے پھر تین رکعت وتر پڑھتے پھر بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے ایک اور روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ نے اس کی تفصیل بیان کی اور فرمایا: ان میں دو رکعت سنت فجر تھیں۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو (کبھی) سات اور (کبھی) نو رکعات پڑھتے تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشمول سنت فجر تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔

تہجد کی روایات میں تطبیق

خاصی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان روایات میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنے اپنے مشاہدہ کے مطابق رکعات تہجد کو روایت کیا ہے۔ رہا حضرت عائشہؓ کی اپنی روایات میں اختلاف تو وہ بیابانوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مختلف مواقع پر مختلف رکعات کا مشاہدہ کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا اغلب و اکثر معمول جنسول وتر گیارہ رکعات ہو اور بعض اوقات آپ نے زیادہ سے زیادہ جنسول سنت فجر اور وتر پندرہ رکعات پڑھی ہوں اور کم از کم وتر سمیت سات رکعات پڑھی ہوں اور نماز تہجد میں کمی اور زیادتی کا باعث نیز دیگر مصروفیات اور مرض و تکلیف کے سبب نیز وقت میں کمی اور زیادتی کی وجہ سے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اوائل میں آپ نے زیادہ رکعات پڑھی ہوں اور سن رسیدہ ہونے کے بعد کم رکعات پڑھی ہوں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ سن رسیدہ ہو گئے تو رات کو سات رکعات پڑھتے تھے۔

[شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار الفکر للطباعة والنشر بیروت ص ۲۷۹۔ ۲۸۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

نماز تہجد کا حکم

امام مسلم رحمہ اللہ میں حضرت زرارہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن بشام بن عامر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے رات کے قیام (یعنی نماز تہجد) کے بارے میں سوال کیا تو حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: کیا تم "يَسْتَبِيحُهَا الْمُعَزَّزُ" نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کہ اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر رات کا قیام فرض کیا تھا، لہذا نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام ایک سال تک رات کو نماز تہجد پڑھتے رہے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخری حصہ کو بارہ ماہ تک آسان پر دو رکعات پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر (دوسرے رکوع) میں تخفیف نازل فرمائی پھر رات کا قیام (یعنی نماز تہجد) فرض ہونے کے بعد نفل ہو گیا۔

[صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۶ مطبوعہ دار الفکر للطباعة والنشر بیروت ص ۲۷۹۔ ۲۸۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

قرض و ریاء کی مذمت

اور سنت فجر کی فضیلت

۶۶۔ بَابُ مُلْعَمَةِ الدِّينِ وَالرِّيَاءِ

وَفَضِيلَةُ سُنَّةِ الْفَجْرِ

حضرت ابن الاثیر حضرت حمران کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب بھی ملاقات کی جاتی تو ان کی مجلس میں تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ ان کے قریب حضرت حمران ہی ہوتے ایک دن حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ اے حمران! میں اپنی مجلس میں تمہاری دائمی حاضری کو یہی خیال کرتا ہوں کہ تم صرف خیر و بھلائی کے طلب گار ہو سو حضرت حمران نے عرض کیا کہ اے ابو عبدالرحمن! جی ہاں (میرا یہی مقصد ہے)! حضرت ابن عمر نے فرمایا: لیکن میں تمہیں دو کاموں سے منع کرتا ہوں اور البتہ میں تمہیں ایک کام کرنے کا حکم دیتا

۱۷۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ الْأَثَرِ عَنْ حُمْرَانَ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ إِلَّا وَأَقْرَبُ النَّاسِ مَجْلِسًا حُمْرَانُ فَقَالَ ذَاتَ يَوْمٍ يَا حُمْرَانُ لَا أَرَاكَ تَوَاضَعًا إِلَّا وَأَنْتَ تُرِيدُ لِنَفْسِكَ عَمْرًا فَقَالَ أَجَلُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ أَمَّا الْإِنْسَانُ فَلَيْتَى أَتَاهَا عَنْهُمَا وَأَمَّا وَاجِدَةٌ فَلَيْتَى أَمْرُكَ بِهَا فَلَيْتَى مَجْعَتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِهَا قَالَ مَا وَفَى بِبَلَدِكَ الْبَحْثُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ

ہوں کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کام کے کرنے کا حکم دینے ہوئے سنا ہے۔ حضرت حمران نے عرض کیا: اے ابو عبد الرحمن! وہ تمہیں محصلتیں کون سی ہیں؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: تمہیں اس حال میں موت نہ آئے کہ تم پر کوئی قرض ہو مگر یہ کہ تم اس کے برابر پورا مال چھوڑ جاؤ (جس سے قرض کی مکمل ادائیگی ہو سکے) اور تم قرآن مجید کی کوئی آیت لوگوں کو سنائے (یعنی دکھاوا کرنے) کے لیے تلاوت نہ کرنا کیونکہ قیامت کے دن قصاص کے طور پر تمہاری ریاکاری کی تشہیر کی جائے گی جس طرح تم نے ریاکاری کے لیے تلاوت کی ہوگی اور تمہارا رب تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور باقی رہا وہ کام جس کا میں تمہیں اسی طرح حکم دینے لگا ہوں جس طرح مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا سو وہ یہ ہے کہ تم فجر کی دو رکعت سنت نماز کو ہرگز نہ چھوڑنا کیونکہ ان دونوں رکعتوں میں رنجشوں کے بہت سے اسباب ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (فرائض کے علاوہ تمام سنن و) نوافل میں فجر کی دو رکعت سنتوں سے زیادہ کسی چیز کی حفاظت و رعایت نہیں فرماتے تھے۔

لَا تَمُوتَنَّ وَعَلَيْكَ دِينٌ إِلَّا دِينًا تَدْعُ بِهِ وَكَلَاءٌ وَلَا تُسْمِعَنَّ مِنْ تِلَاوَةِ آيَةٍ فَإِنَّهُ يَسْمَعُ بِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا سَمِعَتْ بِهِ قِصَاصًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا وَأَمَّا الَّذِي أَمَرْتُ بِهِ كَمَا أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُخْتُمَا الْقَجْرَ فَلَا تَذَعُهُمَا فَإِنَّ فِيهِمَا الرَّغَائِبَ. (مسند الحارثي (۵۹۹))

۱۲۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَخَذَ مُتَعَاهِدَةً مِنْهُ عَلَى رُخْتِهِ الْقَجْرَ.

بخاری (۱۱۶۹) مسلم (۱۶۸۶) ابوداؤد (۱۲۵۴) نسائی (۱۲۵۹-۱۲۶۰) مسند احمد (۲۴۶۶۸) ابن خزیمہ (۱۱۰۸)

حل لغات

”مَا لَيْقِي“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول منفی باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: ملاقات کرنا زیارت کرنا۔ لَنَا۔ ”أَنْتَهَاكَ“ اس میں ”أَنْتَهَى“ صیغہ واحد مکمل فعل مضارع معرول مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: روکنا منع کرنا۔ اس کے آخر میں ک ضمیر مخاطب مفعول پر ہے۔ ”تَدْعُ“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل مضارع معرول باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: چھوڑنا رخصت کرنا۔ ”لَا تَسْمَعَنَّ“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل مضارع معرول ہائون ثقیلہ باب تَعْمَلُ يَفْعَلُ سے ہے اس کا معنی ہے: شہرت و ریاہ کاری اور دکھاوے کے لیے کام کرنا۔ ”أَخَذَ“ صیغہ واحد مذکر اسم تفعیل باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: بہت سخت۔

فجر کی نماز سنت کی اہمیت

اس باب کی پہلی حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کیا ہے جبکہ دوسری حدیث کو شعبین وغیرہ نے روایت کیا ہے اور فجر کی سنتوں کے بارے میں بہت سی احادیث مرفوعہ اور موقوفہ وارد ہوئی ہیں جن میں بہت سخت تاکید کی گئی ہے اس لیے فجر کی سنت نماز تمام سنن سے اقویٰ اور موکدہ ترین ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے کہا: فجر کی سنتیں واجب ہیں۔

(۱) امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام صبح کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعتیں (سنت فجر) ضرور پڑھتے تھے اور ان کو کبھی ترک نہیں کرتے تھے۔

(۲) انہیں سے مروی ہے کہ آپ رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے پھر جب صبح کی اذان سننے لگے تو دو رکعت نماز (سنت فجر) مختصر کر کے پڑھتے۔

(۳) حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ طلوع فجر کے بعد دو رکعت ہلکی نماز پڑھتے تھے۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم فجر کی دو رکعت سنت کبھی نہ چھوڑنا اگرچہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔

(۵) حضرت حصہ بنت عمر سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب صبح کی اذان ہو جاتی تو آپ (مسجد میں) نماز پڑھانے جانے سے پہلے گھر میں ہلکی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۶) حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ آپ صبح جب وضو کرتے تو دو رکعت نماز پڑھتے تھے پھر نماز پڑھانے تشریف لے جاتے۔

(۷) حضرت علی سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اقامت سے پہلے دو رکعتیں نماز پڑھتے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوتا چاہئے کہ ہمارے اور اکثر ائمہ کے نزدیک سنن مؤکدہ پانچ ہیں: (۱) نماز فجر سے پہلے دو رکعت سنتیں (۲) ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعات سنتیں (۳) ظہر کی نماز کے بعد دو رکعت سنتیں (۴) نماز مغرب کے بعد دو رکعت سنتیں (۵) نماز عشاء کے بعد دو رکعت سنتیں ان میں سب سے زیادہ مؤکدہ فجر کی سنتیں ہیں پھر مغرب کی پھر نماز ظہر کے بعد کی دو رکعت پھر نماز عشاء کے بعد کی دو رکعت پھر نماز ظہر سے پہلے کی چار رکعات۔ [ماخوذ از تسنین النظام فی شرح مسند الامام ص ۹۷ رقم المسند ۱-۲]

۶۷۔ بَابُ سُنَّةِ الْقِرَاءَةِ فِي

رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ چالیس روز یا ایک ماہ تک مسلسل میں نبی کریم ﷺ کو بڑے غور سے دیکھتا رہا اور آپ سے سننا ہوا کہ آپ (ابن عمر سے) فجر کی دو رکعت سنتوں میں ”قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ“ اور ”قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ“ پڑھتے رہے۔

مسلم (۱۶۹۰) ترمذی (۴۱۷) ابوداؤد (۱۳۵۶) نسائی (۹۴۶) ابن ماجہ (۱۱۴۹) مسند احمد (ج ۲ ص ۹۵)

حل لغات

”رَمَقْتُ“ صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کو دیر تک دیکھنا غور و فکر کرنا۔

فجر کی سنتوں میں ”قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ“ اور ”قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ“ پڑھنا مستحب ہے

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ”قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ“ و ”قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ“ کے درمیان دائرہ عاطفہ مطلق جمع کے لیے ہے سو یہ ترسیب کا فائدہ نہیں دیتی (اس لیے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں ”قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ“ اور دوسری میں ”قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ“ پڑھی گئی ہو) کیونکہ اس بارے میں وارد احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ فجر کی سنتوں میں سورۃ

فاتحہ پڑھنے کے بعد پہلی رکعت میں "قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" اور دوسری رکعت میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھا کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ کا اتنا عرصہ مسلسل فجر کی دو رکعت سنتوں میں ان دو سورتوں کا ہمیشہ پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ فجر کی سنتوں میں ان دو سورتوں کو ہمیشہ پڑھنا مستحب عمل ہے اور اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اخلاص کی سورتیں ہیں کیونکہ پہلی سورت یعنی "قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" میں تمام معبودان باطلہ کی نفی کی گئی ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے معبود برحق ہونے کا اقرار و اعتراف کیا گیا ہے اور دوسری سورت یعنی "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" میں اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کا احد اور صمد ہونا ثابت کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی عقیدہ توحید حاصل ہو جاتا ہے جو دین اسلام کے مشن کا دائرہ ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۹۱-۱۹۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

(۱) امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت مجاہد کے طریقہ سے حضرت ابن عمر سے مرفوع حدیث روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے ایک پورا مہینہ دیکھا اور سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز فجر سے پہلے دو رکعت سنت میں "قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھا کرتے تھے۔

(۲) امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو حازم کے طریقہ سے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر سے پہلے دو رکعت سنتوں میں "قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھتے تھے۔

(۳) امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن قتیق کے واسطے سے حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نماز فجر سے پہلے دو رکعت سنتیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے وہ دو سورتیں بہت اچھی ہیں جو آپ فجر کی دو رکعت سنتوں میں پڑھتے ہیں۔ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" اور "قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ"۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عمر کی حدیث تخریج کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس باب میں ابن مسعود انس بن مالک ابو ہریرہ ابن عباس حصہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایات مروی ہیں۔ نیز امام ترمذی نے کہا کہ حضرت ابن عمر کی حدیث حسن ہے۔ نیز حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہت دفعہ فجر کی دو رکعت سنت کی پہلی رکعت میں "قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزِلَ اِلَيْنَا" (پوری آیت) اور دوسری رکعت میں "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاهْتَدٰ يٰٓاَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ" پڑھتے تھے اور حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں "قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزِلَ اِلَيْنَا" (پوری آیت) اور دوسری رکعت میں "رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاَتَّخِذْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ" یا اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّاُنْذِيْرًا وَّلَا تُحْشِلْ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَوْحِيْنَ" پڑھا کرتے تھے۔ راوی کو شک ہے۔ [ماخوذ از تہذیب النظم فی شرح مسند امام ماہد ص ۳۴ ص ۹۸ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک

اسی جگہ بیٹھنے کا بیان

۶۸۔ بَابُ الْجُلُوْسِ بَعْدَ الْفَجْرِ

إِلَى طُلُوعِ الشَّمْسِ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی جگہ سے نہیں اٹھتے تھے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا اور اس کی سفید روشنی خوب پھیل جاتی۔

۱۷۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَمَاعٍ عَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الصُّبْحَ لَمْ يَتْرَخْ عَنْ مَكَانِهِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَتَبْهَرُ. (مسلم ۱۵۲۶) ترمذی (۵۸۵)

حل لغات

"لَمْ يَتْرَخْ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل نفی۔ مجدہ لم معروف۔ باب صَوَّعَ يَصْوَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی جگہ کا چھوڑنا، کسی

مکان سے ہٹنا اور زائل ہونا جب اس کے شروع میں حرف نفی آ جاتا ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے: جگہ سے نہ ہٹنا یعنی ہمیشہ رہنا۔
”تہتہ“ سینہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف باب افعلال سے ہے اس کا معنی ہے: سفید ہونا روشن ہونا۔

نماز فجر کے بعد اسی جگہ ذکر و اذکار کی فضیلت

اس حدیث کو امام حاکم، امام مسلم اور احمد ملائش نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھے رہتے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا۔

[شرح مسند امام اعظم الملا علی قاری ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

(۱) حضرت محاذ بن انس جونی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اپنی نماز کی جگہ پر طلوع آفتاب اور اس کے روشن و بلند ہونے تک بیٹھا رہا یہاں تک کہ اس کے بعد اس نے نماز اشراق کی دو رکعتیں پڑھ لیں۔ اس دوران اس نے صرف خیر و بھلائی کا کلام پڑھا تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں۔ [رداء الخداداد]

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز اشراق کے دو گناہ کی حفاظت کرے گا اور اسے پابندی سے پڑھے گا تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

[رداء احمد والترمذی وابن ماجہ]

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی پہلی حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ کلام خیر سے مراد وہ کلام ہے جس پر آخرت میں ثواب ملے جیسے اللہ تعالیٰ کا ذکر، حمد و ثناء اور تسبیح و تہلیل اور تکبیر وغیرہ نیز تلاوت قرآن مجید اور اگر مسلمان کے حق میں کوئی مفید و نفع بخش بات کی جائے تو اس کا حکم بھی یہی ہے اور یہاں صلوٰۃ خفیٰ سے اشراق کی نماز مراد ہے اور دیگر احادیث میں اشراق و چاشت دونوں نمازوں کا احتمال ہے اور اس حدیث کے ظاہر سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ یہ اگر دو ثواب اور مغفرت و بخشش اسی شخص کو حاصل ہوگا جو صبح کی نماز پڑھ کر اسی جگہ پر بیٹھا رہے گا لیکن اگر وہاں سے اٹھ کر خلوت میں چلا گیا اور ذکر وغیرہ میں مشغول ہو گیا تو اس کو یہ ثواب نہیں ملے گا اور دوسری حدیث میں بھی مذکور ہے کہ ہر وہ شخص جو نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھا رہے اور ذکر وغیرہ کرتا رہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور مشائخ کرام کے وصایا میں مذکور ہے کہ اگر عبادت و ریاضت کے دوران یکسوئی کی بجائے افتراق و انتشار کے پیدا ہونے اور ریاکاری و دکھاوے کا اندیشہ لاحق ہو تو خلوت گاہ میں چلا جائے اور عبادت و ریاضت اور وظائف میں مشغول ہو جائے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ ہر جگہ بیٹھ کر ذکر و اذکار میں مشغول ہونے پر ثواب مل جاتا ہے لیکن نماز پڑھ کر اسی جگہ اپنے آپ کو روک کر بیٹھنا اور وہاں کی مشقت کو برداشت کرنا اور صبر کرنا یہ دوسرا عمل ہے (جس پر اضافی ثواب حاصل ہوگا) نیز علمائے کرام فرماتے ہیں کہ آدمی نماز کے بعد قبلہ رو ہو کر بیٹھے اگر عیند آنے لگے تو دو زانو ہو کر بیٹھے اور عیند کو دفع کرے۔ شیخ الاسلام حضرت شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس نماز کا دنیا میں نفع فائدہ یہ ہے کہ اس سے دل میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے سو جو مسلمان دل میں نور چاہتا ہے وہ اشراق کی نماز کی پابندی کرے اور ان حروف کا کاتب (محدث دہلوی) عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ جس طرح آفتابی آفتاب طلوع ہوتا ہے تو تمام روئے زمین کو روشن کر دیتا ہے اس طرح ذکر و اذکار کا آفتاب جب دل میں جلوہ گر ہو کر بلند ہوتا ہے تو وہ سینہ کے میدان کو روشن کر دیتا ہے اور یہ معنی مشہور و محسوس دریافت ہو چکا ہے۔

[احمد المصنعات ج ۱ ص ۵۵۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکس]

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی مرحوم دوسری حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: یہاں بھی غنی سے مراد شراق کے فعل ہیں۔ حفاظت سے مراد انہیں ہمیشہ پڑھنا ہے بحالت سفر اگر اتنی دیر مصلیٰ پر نہ بیٹھ سکے تو سفر جاری کر دے اور سورج چڑھ جانے پر یہ نفل پڑھ لے۔ اللہ تعالیٰ اس پابندی کی برکت سے گناہ بخش دے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفل پر بیٹھ کر ناسخ نہیں البتہ انہیں نفل واجب سمجھ کر بیٹھ کر ناسخ ہے لہذا جو لوگ بارہویں تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں یا ہمیشہ گیارہویں کو خاتم کرتے ہیں وہ اس بیٹھنے کی وجہ سے گنہگار نہیں۔ [امراء شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۹۹ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ ممبرات]

نماز عشاء کے بعد چار رکعات نفل کی فضیلت

۶۹۔ بَابُ فَضِيلَةِ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ بَعْدَ الْعِشَاءِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز عشاء کے بعد مسجد سے نکلنے سے پہلے چار رکعات نفل پڑھ لے تو وہ شب قدر کے (چار رکعات نفل کے) برابر ہو جائیں گے۔

۱۷۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمْرِو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْعِشَاءِ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ أَنْ يُخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ عَمِلَنَ مِثْلَهُنَّ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ.

المحکم المصنوع (ج ۲ ص ۲۳۸) نفل الاداء للنفل (۸۹۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص عشاء کی نماز کے بعد چار رکعات نفل (اس طرح) پڑھ لے کہ ان کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ نہ کرنے (نیز) تکبیر رکعت میں سورت فاتحہ اور ”حم الدخان“ اور تیسری رکعت میں سورت فاتحہ اور ”یس“ اور آخری رکعت میں سورت فاتحہ اور ”تبارک الذی ہدانا للہ“ پڑھ لے تو اس کے لیے شب قدر میں قیام (یعنی عبادت) کرنے کا ثواب لکھا جائے گا اور اس کے تمام گھر والوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کر لی جائے گی جن پر دوزخ کی آگ واجب ہو چکی ہوگی اور اسے قبر کے عذاب سے نجات عطا کی جائے گی اور یہ حدیث حضرت ابن عمر سے موقوفہ بھی روایت کی گئی ہے۔

۱۷۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمْرِو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى أَرْبَعًا بَعْدَ الْعِشَاءِ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ يَتْلُو فِي الْأُولَى بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَتَنْزِيلِ الشُّجْرَةِ وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَحَمِّ الدُّخَانِ وَفِي الرُّكْعَةِ الثَّالِثَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَبِسْمِ اللَّهِ وَفِي الرُّكْعَةِ الْآخِرَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَتَبَارَكَ الْمَلِكُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَخُفِّعَ لَهُ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ كُلِّهِمْ مِمَّنْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ وَأُجِيرَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَرَوَى مَوْقُوفًا عَنْ ابْنِ عَمْرٍو. (ج ۲ ص ۲۳۸)

الکبیر للعلما (۱۳۴۰) سنن بیہقی (۴۳۸۹)

حل لغات

”عَمِلَنَ“ میخذ جمع مونث فاعل ماضی معروف مثبت باب حَضَرَ بَ یَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: مساوی ہونا برابر ہونا۔ ”خُفِّعَ“ میخذ واحد مذکر فاعل ماضی مجہول مثبت باب تَفَعَّلَ سے ہے اس کا معنی ہے: شفاعت کا قبول کیا جانا سفارش کو قبول کرنا۔ ”أُجِيرَ“ میخذ واحد مذکر فاعل ماضی مجہول مثبت باب اَفْعَلَ سے ہے یہ معنی پناہ لینا۔

اس حدیث کی فنی حیثیت

۱۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔

لیکن یہ بھی مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات راوی کی رائے سے بیان نہیں کی جاسکتی جیسا کہ حفظ قرآن کی نماز کے بارے میں حدیث وارد ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور طبرانی اور ابن السنی نے یہ حدیث عمل الیوم واللیلۃ میں روایت کی ہے اور اس کی تفصیل حصہ صغیر کی شرح میں مذکور ہے اور اس باب کی پہلی حدیث میں مذکورہ "عدلن" کا مطلب یہ ہے کہ نماز عشاء کے بعد چار رکعات نفل پڑھنے کا اجر و ثواب شب قدر میں پڑھی گئی چار رکعات نفل کے برابر ہوگا۔ نیز اس پہلی حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ مسجد میں نوافل ادا کرنا جائز ہے اگرچہ فرض نماز کے علاوہ نوافل وغیرہ گھر میں پڑھنا افضل و بہتر ہے۔ [شرح مسند امام اعظم للاحی قاری ص ۲۶۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت]

۲۰۔ بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ نماز ظہر کے بعد دو رکعت سنت پڑھنے کا ثبوت

۱۸۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مُبَاجِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بَعْدَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر کے بعد دو رکعت نماز (سنت مؤکدہ) پڑھا کرتے تھے۔

بخاری (۱۱۸۰) مسلم (۱۶۹۸) ابوداؤد (۹۵۵) ترمذی (۴۳۶)

ظہر کی نماز سے پہلے اور بعد نماز سنن کی فضیلت

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمیشہ نماز ظہر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور بہت کم کبھی کبھار ان کو ترک فرماتے اور اس لیے ہمارے علمائے کرام (یعنی حنفی علماء) نے فرمایا ہے کہ یہ دو رکعت نماز سنن مؤکدہ میں سے ہیں۔ (۱) اور صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نماز ظہر سے پہلے دو رکعتیں (حجۃ المسجد) اور ظہر کی نماز کے بعد دو رکعتیں (سنت مؤکدہ) پڑھتے تھے۔

(۲) سنن ابن ماجہ میں حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے جن کے درمیان سلام کے ذریعہ فاصلہ نہیں کرتے تھے (بلکہ ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے) اور فرماتے کہ جب سورج ڈھلتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

[شرح مسند امام اعظم للاحی قاری ص ۲۶۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت]

(۳) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعات (سنت مؤکدہ) اور اس کے بعد چار رکعات (دو مؤکدہ اور دو غیر مؤکدہ) کی حفاظت و پابندی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کر دے گا۔ [رواہ احمد ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ]

(۴) حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد نماز ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور فرماتے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں سو میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا نیک عمل اوپر اٹھایا جائے۔ [رواہ الترمذی مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۳ مطبوعہ دارالمطابع دہلی]

اس حدیث کے تحت شیخ متفق لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت اجابت و قبولیت کا ہوتا ہے جو نیک عمل اس وقت کیا جاتا ہے وہ مقبول ہوتا ہے اور چونکہ نماز تمام اعمال میں افضل و اعلیٰ ہے اس لیے اس وقت نماز پڑھنا افضل و ارجح ہے۔

[احمد المسعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۰۰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ بیروت]

۷۱۔ بَابُ فَضِيلَةِ الصَّلَاةِ

النَّافِلَةِ فِي الْبُيُوتِ

لفل نماز گھر میں

پڑھنے کی فضیلت

۱۸۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ ثَالِغٍ عَنْ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ وَلَا تَجْعَلُوهَا قُبُورًا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔

بخاری (۴۳۲) مسلم (۱۸۲۱) ابوداؤد (۱۰۴۳) ترمذی (۴۵۱) نسائی (۱۵۹۹) ابن ماجہ (۱۳۷۷)

سنن و نوافل گھر میں پڑھنا مستحب ہے

نبی کریم ﷺ کے ارشاد "صلوا فی بیوتکم" کا مطلب ہے: تم لفل نمازیں اپنے گھروں میں پڑھا کرو اور "لا تجعلوها قبورا" کا مطلب ہے کہ تم اپنے گھروں کو قبرستان کی طرح عبادت سے خالی اور دیران نہ بناؤ (بلکہ نقلی عبادت کے ذریعہ انہیں آباد و آراستہ رکھو) اور اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم اپنے گھروں میں اپنے مردوں کو دفن کر کے انہیں مدفن و مقبرے نہ بناؤ بلکہ تم اپنے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن کیا کرو اور اس حدیث کو امام ترمذی اور امام نسائی نے بیچشم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جبکہ امام دارقطنی نے الافراد میں حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ "صلوا فی بیوتکم ولا تترکوا النوافل فیہا" تم اپنے گھروں میں نمازیں پڑھا کرو اور ان میں نوافل پڑھنے کو ترک نہ کرو اور صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ "صلوا ایہا الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوة صلاة العراء فی بیتہ الا المکبوة" اے لوگو! تم (لفل) نمازیں اپنے گھروں میں پڑھا کرو کیونکہ فرض نماز کے علاوہ افضل و بہترین نماز وہی ہے جو آدمی اپنے گھر میں پڑھے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۹۳] مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت | خلاصہ یہ ہے کہ لفل نماز گھر میں پڑھنا افضل و بہتر ہے اور رسول اللہ ﷺ کا عمل اسی طرح رہا ہے ماسوا عذر یا کسی خصوصی سبب کے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو! تم اپنے گھروں میں نمازیں پڑھا کرو کیونکہ فرض نماز کے علاوہ افضل نماز وہی ہے جو آدمی اپنے گھر میں پڑھے خصوصاً مغرب کی سنتیں کسی وقت مسجد میں ادا نہ کرے۔ چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے: اگر کوئی آدمی یہ دو رکعت سنتیں مسجد میں پڑھے گا تو سنت ادا نہیں ہوگی اور امام مردزی نے کہا کہ جس شخص نے نماز مغرب کے بعد یہ دو رکعتیں مسجد میں ادا کر لیں تو وہ گنہگار ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصحاب میں سے ابوہریرہ سے اسی طرح منقول ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا یہ حکم وارد ہے کہ "اجعلوها فی بیوتکم" تم ان نمازوں کو اپنے گھروں میں پڑھو۔ اور اصل میں امر و جوب کے لیے آتا ہے اور واجب کا تبارک عامی و گنہگار ہوتا ہے لیکن جمہور علماء اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ امر صرف انتخاب کے لیے ہے سو اس لیے فرض نمازوں کے علاوہ دیگر سنن و نوافل گھر میں پڑھنا افضل و اولیٰ ہے اور ہدایہ کے حاشیہ میں الجامع الصغیر سے منقول ہے کہ اگر کسی آدمی کو گھر میں لوٹ جانے کے بعد دیگر کاموں میں مشغول ہو جانے کا خوف اندیشہ ہو تو وہ اگر مغرب کی دو رکعت سنتیں مسجد میں ادا کر لے تو وہ سنت ہی ادا ہوں گی اور اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو پھر یہ سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے اور اگر وہ گھر نہ جاسکے تو پھر اگر امام نے مسجد کے اندر نماز پڑھائی تو یہ مسجد کے باہر محن میں سنتیں ادا کرے اور اگر مسجد کا خارجی حصہ نہ ہو صرف ایک کمرہ نما مسجد ہو تو پھر سنتوں کے پیچھے سنتیں وغیرہ ادا کر لے۔

[المعتمد علیہ شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ ص ۴۲ مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ لاہور] المعتمد علیہ المصنفات ج ۱ ص ۵۰۳۔ ۵۰۴ مطبوعہ مکتبۃ لوریہ رضویہ سکسرا

خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا ثبوت

۷۲۔ بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ

۱۸۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ ثَالِغٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَأَلْتُ بِلَالَ ابْنَ رَسُوْلٍ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِی الْکَعْبَةِ وَنَحْمُ صَلَّی لَال صَلَّی وَنَحْمُہُنَّ مِمَّا یَلِی الْعُمُوْدَیْنِ اللَّتَیْنِ بَلَانَ بَابِ الْکَعْبَةِ وَابْنُ ابْنِ اِذَا ذَاکَ عَلٰی سَبْعَةِ اَعْمُوْدَیْنِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے (فتح کے دن) کعبہ معظمہ میں داخل ہو کر کہاں اور کتنی رکعتیں نماز پڑھی؟ حضرت بلال نے کہا کہ آپ نے ان دوستوں کے پاس دو رکعتیں پڑھی تھیں جو کعبہ مکرمہ کے دروازہ کے قریب ہیں اور اس وقت خانہ کعبہ چھ ستونوں پر استوار تھا۔

بخاری (۵۰۵) مسلم (۳۲۳۰) ابوداؤد (۲۰۲۳) نسائی (۶۹۳) ابن ماجہ (۳۰۶۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ان سے سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ جب کعبہ معظمہ میں داخل ہوئے تو کتنی رکعت نماز پڑھی؟ حضرت ابن عمر نے فرمایا آپ نے خانہ کعبہ میں (داخل ہو کر) چار رکعت نماز پڑھی سو اس آدمی نے حضرت ابن عمر سے عرض کیا کہ آپ مجھے وہ جگہ دکھادیں جس میں آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔ راوی نے کہا کہ حضرت ابن عمر نے اس آدمی کے ساتھ اپنے بیٹے کو بھیج دیا پھر وہ اسے مجھ کے سنے درمیان والے ستون کے نیچے لے گیا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے خانہ کعبہ میں چار رکعت نماز پڑھی تو میں نے (یعنی حضرت سعید ابن جبیر نے) کہا: مجھے وہ جگہ دکھادیں جس میں آپ نے نماز پڑھی ہے تو حضرت ابن عمر نے اپنے بیٹے کو میرے ساتھ بھیج دیا سو اس نے مجھے درمیان والا ستون دکھایا جو مجھ کے سنے کے سامنے ہے۔

۱۸۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ عَنْ صَلَوةِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِی الْکَعْبَةِ یَوْمَ دَخَلَهَا فَقَالَ صَلَّی بِی الْکَعْبَةِ اَرْبَعَ وَنَحْمَاتٍ فَقَالَ لَهٗ اَرَبِی الْمَمَّانَ الَّذِی صَلَّی بِہِ فَقَالَ قَبَضَتْ مَعَهُ اِہْنَةُ ثُمَّ ذَهَبَتْ فَتَحَتْ الْأَسْطُوَانَةَ بِحِمَالِ الْجَدْعَةِ۔ وَہِیْ رِوَاۃٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ لَانَ صَلَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِی الْکَعْبَةِ اَرْبَعَ وَنَحْمَاتٍ فَلَتْ لَهٗ اَرَبِی الْمَمَّانَ الَّذِی صَلَّی بِہِ قَبَضَتْ مَعَهُ اِہْنَةُ فَارَآہِی الْأَسْطُوَانَةَ الْوَسْطٰی نَحْتِ الْجَدْعَةِ۔ مسند الحارثی (۴۷۵-۴۷۶)

حل لغات

”بَلَّی“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معرف مثبت باب تعییب بمعنی ہے اس کا معنی ہے: قریب و نزدیک ہونا، متصرف و قادر ہونا، حاضر و مددگار ہونا، حبیب و دوست ہونا۔ ”اَعْوَدَی“ عماد کی جمع ہے اس کا معنی ہے: ستون، کھنڈ، سہارا۔ ”الْجَدْعَةُ“ مجھور کے درخت کی جڑ۔

خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی توضیح

معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر داخل نہیں ہوئے تھے جیسا کہ شیخین (بخاری و مسلم) نے آپ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ کعبہ معظمہ میں داخل ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید، حضرت عثمان بن طلحہ اور حضرت بلال بن رباح داخل ہوئے پھر دروازہ بند کر دیا گیا اور آپ ساتھیوں سمیت کافی دیر تک خانہ کعبہ کے اندر رہے پھر جب آپ باہر تشریف لے آئے تو میں نے حضرت بلال سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ میں کیا کیا؟ سو حضرت بلال نے کہا کہ آپ نے کعبہ معظمہ کے ستون کو اپنی بائیں جانب اور دوستوں کو اپنی دائیں جانب اور تین ستونوں کو اپنے پیچھے کیا اور اس وقت خانہ کعبہ چھ ستونوں پر قائم تھا پھر نماز پڑھی۔ اس حدیث میں ابن عمر نے نماز کو مجمل رکھا اور امام اعظم ابو حنیفہ نے

روایت میں تفصیل بیان کی (کہ آپ نے چار رکعات نماز پڑھی تھی)۔

امام بخاری اور امام ابو داؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اس میں باطل معبودوں کے مجسمے اور ان کی تصویریں دیکھیں سو آپ نے انہیں اتارنے اور ہر نکلنے کا حکم دیا اور انہیں وہاں سے نکال دیا گیا نیز وہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبح اللہ کی تصویریں رکھی ہوئی تھیں جن کے ہاتھوں میں قال کے تیر دیئے ہوئے تھے سو آپ نے انہیں بھی نکالنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کفار کو ہلاک و تباہ کر دے وہ یقیناً جانتے تھے کہ یہ دونوں پیغمبران خدا قال کے تیر نہیں نکالتے تھے اور نہ ان سے نیک شگون لیتے تھے پھر آپ بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے اور اس کے چاروں اطراف میں نعرہ بکیر کیا اور باہر نکل آئے اور اس میں نماز نہیں پڑھی اور یہ حدیث پہ ظاہر سابقہ حدیث کے منافی اور اس کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا خانہ کعبہ میں داخلہ متعدد بار پر محمول ہے کسی بار نماز پڑھ لی اور کسی بار نماز کی بجائے صرف بکیر پر اکتفا فرمایا اور نہ ثبت حدیث متقی حدیث پر مقدم اور رائج ہوتی ہے علاوہ ازیں حضرت اسامہ بن زید کی حدیث حضرت ابن عباس کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے نیز حضرت اسامہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر گئے سب کچھ مشاہد فرمایا اور عمر میں بڑے ہونے کے اعتبار سے آپ ابن عباس سے زیادہ حدیث کو محفوظ و مضبوط رکھنے والے ہیں۔ اس کے برعکس حضرت ابن عباس رسول اللہ کے ساتھ نہیں تھے اور عمر میں بھی چھوٹے ہیں۔

(شرح منہاج امام اعظم ص ۹۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

یہ مزملی گاری کہتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن صلوان سے مروی ہے آپ نے کہا: میں نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ جب نبی کریم ﷺ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے تو آپ نے کیا کیا تھا؟ حضرت عمر نے فرمایا کہ آپ نے اس کے اندر دو رکعت نماز پڑھی تھی اسے ابو داؤد ابن سعد اور طحاوی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور حضرت اسامہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کعبہ معظمہ میں داخل ہو کر نماز پڑھی۔ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھی اس کو ابن الجارہ نے روایت کیا ہے۔ [شرح منہاج امام اعظم ص ۹۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

۷۳۔ بَابُ مَنْ مَاتَ وَلَدَاهُ أَوْ ثَلَاثَةٌ

۱۸۴۔ ابُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ مَاتَ يَوْمَ تَمُوتُ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى الْجَنَّةَ فَقَالَ عُمَرُ أَوْ الثَّانِ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ الثَّانِ. بخاری (۱۲۴۹) مسلم (۶۶۹۸)

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مرد نے والے مسلمان کے تین (نابالغ) بچے فوت ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ (ان کی شفاعت سے قیامت کے دن) اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ سو حضرت عمر نے عرض کیا: یا داؤد (فوت ہو جائیں) آپ نے فرمایا: (ہاں!) یا دو (فوت ہو جائیں)۔

ترمذی (۱۰۶۰) نسائی (۱۸۷۴) ابن ماجہ (۱۶۰۶)

۱۸۵۔ ابُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَهْلِ الشَّامِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكَ تَرَى السَّيْفَ مُعْبِنًا يَقَالُ لَهُ أَدْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَقُولُ لَهُ لَا عَنِّي يَدْخُلُ أَبَوَايَ.

حضرت عبدالملک سے وہ ایک شامی صحابی سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم (قیامت کے دن) ماں کے پیٹ سے ناتمام کرنے والے بچے کو کسی کی حلاش میں حیران و پریشان دیکھو گے اسے کہا جائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ کہے گا: میں نہیں

حل لغات

”الْبَيْعُ“ ”اتمام بچہ عورت کا اور اور بچہ گرانہ“ ”اتمام بچہ جو اپنی میعاد سے مگر جائے ناکارہ چیز۔“ ”مُعْتَبِلًا“ ”میں مضموم حاساکن اور بافتوح لون ساکن طام مسمو اس کا معنی ہے: جھگڑالو اور حیران و پریشان ہو کر کسی کا متلاشی۔“

ناہالغ مرنے والے بچوں کی شفاعت

مطلب یہ ہے کہ جس مسلمان کے مرنے سے پہلے اس کی زندگی میں تمین یا دو یا ایک بچہ بلوغت سے پہلے فوت ہو جائے اور وہ اس مصیبت و صدمہ پر اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی ہو کر مہر کرے اور کسی قسم کا شکوہ نہ کرے تو ان بچوں کی سفارش کرنے پر اللہ تعالیٰ ان کے والدین کو بخش کر جنت میں داخل کرے گا۔

(۱) امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے حضرت عقبہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس مسلمان کے تمین بچے بلوغت سے پہلے فوت ہو جائیں گے وہ جنت کے آنکھوں دروازوں پر اس کا استقبال کریں گے وہ جس دروازے سے چاہے گا داخل ہو جائے گا۔

(۲) امام ترمذی نے کتاب الشمائل میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے جس شخص کے دو ذخیرے (فوت ہونے والے دو بچے) ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان دو ذخیروں کی شفاعت پر اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ یہ ارشاد سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ کی امت میں سے جس شخص کا ایک ذخیرہ ہو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا بھی یہی حکم ہے (کہ اسے جنت میں داخل کیا جائے گا) حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: آپ کی امت میں سے جس کا کوئی ذخیرہ نہ ہو (یعنی وہ بے اولاد ہو جسے خود حضرت عائشہ صدیقہ بے اولاد تھیں) تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: میں خود اپنی امت کا ذخیرہ ہوں اور انہیں مجھ جیسا کوئی نہیں ملے گا۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۸۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

اللہ تعالیٰ کے نزدیک برے آدمی کے بارے میں نیکوں کی گواہی مقبول ہے

۷۴۔ بَابُ شَهَادَةِ الصَّالِحِينَ فِي الْعَبْدِ الشَّرِيفِ مَقْبُولَةً عِنْدَ اللَّهِ

۱۸۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَلِيمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْمُبَشَّرِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ التُّسْتَرِيِّ عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ سَعْدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمِيرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَاتَ الْعَبْدُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مِنْهُ خَيْرًا وَيَقُولُ النَّاسُ فِي حَقِّهِ خَيْرًا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِمَلَائِكَتِهِ قَدْ قَبِلْتُ شَهَادَاتِ عِبَادِي عَلَى عَبْدِي وَغُفِرَتْ عَلَيْهِ.

۱۸۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ

حضرت عبد اللہ بن عامر اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان آدمی فوت ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی بد اعمالی کو خوب جانتا ہے لیکن لوگ اس کے حق میں اچھی بات کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: بے شک میں نے اپنے اس بندے کے حق میں اپنے (نیک) بندوں کی گواہیاں قبول فرمائی ہیں اور میں نے اپنے علم کے باوجود اسے بخش دیا ہے۔

حضرت اسم ہانی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: جو شخص یقین سے جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے بخش دے گا تو اسے ضرور بخش دیا جائے گا۔

عَنْ أَمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَلِمَ أَنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ لَهُ فَهُوَ مَغْفُورٌ لَهُ.

الترمذی الجوزی للعلی (۱۴۴۰)

حل لغات

”قَبِلْتُ“ صیغہ واحد شکم فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: قبول کرنا، کوئی چیز لے لینا
 ”غَفَرْتُ“ صیغہ واحد شکم فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: معاف کرنا، بخش دینا، پردہ پوشی کرنا۔
 ”عَلِمَ“ صیغہ واحد کر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: جانتا لیکن یہاں صرف جانتا مراد نہیں بلکہ ایمان و یقین کے ساتھ جانتا اور ماننا مراد ہے۔

صالحین امت کی گواہی کی اہمیت

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس باب کی پہلی حدیث میں ”يَقُولُ النَّاسُ خَيْرًا“ میں ”الناس“ سے صالحین مراد ہیں یعنی جب نیک لوگ مرنے والے کے حق میں خیر و بھلائی کی گواہی دیں اور یہ کہیں کہ یہ آدمی اچھا تھا تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: میں نے اپنے اس نیک بندے کی گواہی اپنے اس مرنے والے بندے کے حق میں قبول فرمائی ہے کیونکہ شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے باقی کسی کے پوشیدہ حالات کو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب کی امت کے صالحین کی گواہی قبول فرمالینا دراصل اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے کہ:

وَعَمَلُكَ جَعَلَكَ أُمَّةً وَسَطًا لَعَلَّكُمْ تَوَظَّعُونَ
 قُلَى النَّاسِ [البقرہ: ۱۴۳]
 اور اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے ہو جاؤ۔

(۱) امام طبرانی نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: تم زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو اور فرشتے آسمان پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔ [شرح منہ امام اعظم ص ۵۰۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

علامہ ملا علی قاری اس باب کی دوسری حدیث (حدیث ام حانیء) کے تحت لکھتے ہیں: اصل حدیث جسے امام بخاری امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے (وہ مفصل ہے اور) اس میں ہے کہ جب کوئی بندہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو عرض کرتا ہے: اے میرے مالک و پروردگار! میں نے گناہ کر لیا ہے سو آپ مجھے بخش دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے: میرا بندہ خوب جانتا ہے کہ اس کا ایک مالک و پروردگار ہے جو گناہ کو بخش دیتا ہے اور اس پر گرفت بھی کر لیتا ہے سو میں نے اپنے بندے کو بخش دیا ہے پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ گناہ سے رکارتہا ہے پھر وہ کسی گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور عرض کرتا ہے: اے میرے مالک و پروردگار! میں نے دوسرا گناہ کر لیا ہے پس آپ مجھے بخش دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے: میرا بندہ خوب جانتا ہے کہ اس کا ایک مالک و پروردگار ہے جو گناہ کو بخش دیتا ہے اور اس پر گرفت بھی کر لیتا ہے سو میں نے اپنے بندے کو بخش دیا ہے پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ گناہ سے رکارتہا ہے پھر وہ گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور عرض کرتا ہے: اے میرے مالک و پروردگار! میں نے اور گناہ کر لیا ہے سو آپ مجھے بخش دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ میرا بندہ خوب جانتا ہے کہ اس کا ایک مالک و خالق ہے جو گناہ کو بخش دیتا ہے اور اس پر گرفت بھی کر لیتا ہے سو میں نے اپنے بندے کو تینوں مرتبہ بخش دیا ہے اب جو چاہے عمل کرے۔ دراصل یہ اس کی عادت معرووفہ کے مراتب کا بیان ہے کہ وہ اپنی خصلت و عادت کے مطابق گناہ میں مبتلا بھی ہو جاتا ہے اور توبہ کی طرف رجوع بھی

کر لیتا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ مخالفت الہی کو مباح اور جائز سمجھنے کی وجہ سے یہ برا عمل کر لیتا ہے جیسا کہ میں نے شرح حصن حصین میں اس کی وضاحت بیان کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی معاون و مددگار اور توفیق دینے والا ہے۔

[شرح مصنف امام اعظم ص ۴۷۵-۴۷۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

۷۵۔ بَابُ حَمْلِ الْجَنَازَةِ

بِجَوَائِبِهِ الْأَرْبَعَةِ

جنازہ کی چار پائی کو چاروں کناروں

سے اٹھانے کا بیان

۱۸۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُنْصَوِّرٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ إِسْطَاسٍ عَنِ ابْنِ مُسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَحْمَلَ بِجَوَائِبِ الشَّرِيفِ لَمَّا رَأَى عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ نَافِلَةٌ. ابن ماجہ (۱۴۷۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کی چار پائی کو کناروں سے اٹھایا جائے (اور ہر پائے کو پکڑ کر دس دس قدم چلا جائے) پھر جو شخص اس سے زیادہ (میت کی چار پائی کو اٹھا کر) چلے گا تو وہ نفلی عمل ہوگا۔

حل لغات

”تَحْمَلُ“ صیغہ واحد کر کا طب فعل مضارع معروف مثبت باب ضَرَبَ مَضْرُوبٌ سے ہے اس کا معنی ہے: اٹھانا، برداشت کرنا۔ ”جَوَائِبُ“ جانب کی جمع ہے طرف کنارہ گوشہ یہاں چار پائی کے چاروں پائے مراد ہیں۔ ”الشَّرِيفُ“ جنازہ اٹھانے کی چار پائی۔

جنازہ کو اٹھانے کا مستنون طریقہ

سنت طریقہ یہ ہے کہ چار اشخاص جنازہ اٹھائیں ایک ایک پایہ ایک ایک شخص لے اور اگر صرف دو اشخاص نے جنازہ اٹھایا، ایک سر ہانے اور ایک پائنتی تو بلا ضرورت مکروہ ہے اور اگر ضرورت سے ہو خلا جگہ تک ہو تو کوئی حرج نہیں نیز سنت یہ ہے کہ بچے بعد دیگرے چاروں پایوں کو کندھا دے اور ہر بار دس دس قدم چلے اور پوری سنت یہ ہے کہ پہلے داہنے سر ہانے کندھا دے پھر داہنی پائنتی پھر بائیں سر ہانے پائنتی اور دس دس قدم چلے تو اس طرح کل چالیس قدم ہوئے کیونکہ حدیث میں ہے: جو شخص چالیس قدم جنازے کے ساتھ چلے اس کے چالیس کبیرہ گنا عطا دیئے جائیں گے نیز حدیث میں ہے: جو جنازہ کے چاروں پایوں کو کندھا دے اللہ تعالیٰ اس کی حتمی مغفرت و بخشش فرمائے گا۔ [بہار شریعت حصہ چہارم بحوالہ البحرۃ المیرۃ القادسی عالمگیری درمذہب] اگرچہ جنازہ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں چلنا جائز ہے لیکن فضیلت و استحباب میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کے نزدیک جنازہ کے پیچھے چلنا افضل و مستحب عمل ہے جبکہ امام ثوری اور ایک گروہ جنازہ کے آگے پیچھے چلنے کو مساوی و یکساں قرار دیتے ہیں اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جنازہ کے آگے چلنے کو افضل کہتے ہیں۔ علامہ غشی نے اسی طرح کہا ہے اور ہمارے (یعنی احناف کے) دلائل درج ذیل احادیث ہیں:

(۱) صحیحین میں مروی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز جنازہ پڑھتا ہے اسے ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو شخص جنازہ کے پیچھے بھی جاتا ہے یہاں تک کہ میت کو قبر میں دفن کر دیا جائے تو اس کو دو قیراط ثواب ملے گا (ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے)۔

(۲) امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمر اور ابن طاؤس کے واسطے سے حضرت طاؤس سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات تک پوری زندگی جنازہ کے پیچھے چلتے رہے۔

(۳) امام عبدالرزاق اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی ریحہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں: میں ایک دفعہ جنازہ کے ساتھ جا رہا تھا جس میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے چل رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جنازہ کے پیچھے چل رہے تھے۔ میں نے حضرت علی سے عرض کیا کہ آپ تو جنازہ کے پیچھے چل رہے تھے اور یہ دونوں حضرات اس کے آگے چل رہے ہیں۔ حضرت علی نے جواب میں فرمایا کہ بے شک ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ جنازہ کے پیچھے چلنے کی فضیلت اس کے آگے چلنے پر اس طرح ہے جس طرح نماز باجماعت کی فضیلت تہانہ ز پڑھنے پر ہے لیکن یہ دونوں حضرات لوگوں پر آسانی چاہتے ہیں (کہ سب کے پیچھے چلنے پر رش ہو جانے کی وجہ سے لوگوں پر چلنے میں دشواری ہوگی) اور اس لیے بھی کہ جنازہ کے پیچھے چلنا عبرت و نصیحت اور غور و فکر میں زیادہ موثر ہوتا ہے اور بوقت ضرورت میت کی معاونت کے لیے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

(۴) امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: جنازہ متبوع ہے (جس کے پیچھے چلا جائے) اور جو شخص جنازہ کے آگے چلتا ہے وہ گویا جنازہ کے ساتھ شریک نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ کی ایک دلیل اس کتاب (مشکوٰۃ) میں مذکور حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے جس میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر کو جنازہ کے آگے چلنے ہوئے دیکھا ہے اور دوسری دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا: سوار آدمی جنازہ کے پیچھے چلے اور پیدل آدمی جنازہ کے پیچھے آگے دائیں اور بائیں نزدیک رہ کر چلتا رہے۔ نیز حضرت رزین نے حضرت انس سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تم میت کے سفارشی ہو لہذا تم اس کے پیچھے آگے دائیں اور بائیں چل سکتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث سے صرف جواز ثابت ہوتا ہے اور کتب اللہ میں امام ابوحنیفہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہے کہ جنازہ کے آگے اس کی دائیں اور بائیں جانب چلنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ جائز ہے لیکن افضل و بہتر اور مستحب عمل جنازہ کے پیچھے چلنا ہے تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو۔ [لغات الصحیح فی شرح مشکوٰۃ الصالح ج ۴ ص ۳۳۸-۳۳۹ مطبوعہ مکتبۃ المعارف اعلیٰ لاہور]

عورت کا جنازہ کے

پیچھے آنا جائز نہیں

۷۶۔ بَابُ لَا يَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ

أَنْ تَتَّبِعَ الْجَنَازَةَ

حضرت ابوحنیفہ بن الوداعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ میں شریک ہونے کے لیے باہر تشریف لائے تو آپ نے ایک عورت کو جنازہ کے پیچھے آتے ہوئے دیکھا سو آپ نے اسے واپس بھیجنے کا حکم دیا تو اسے واپس کر دیا گیا اور آپ نے جنازہ کی تکبیر اس وقت تک نہیں پڑھی جب تک وہ آنکھوں سے اوٹھ نہیں ہوئی۔

۱۸۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي عَطِيَّةَ بْنِ الْوَدَاعِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِي جَنَازَةٍ لِمَرْأَةٍ فَأَمَرَهَا فَعَلِمَتْ فَلَمْ يَكْبُرْ حَتَّى لَمْ يَرَهَا بخاری (۱۲۷۸) مسند (۲۱۶۷) ابوداؤد (۳۱۶۷) ابن ماجہ (۱۵۷۸)

حل لغات

”عَوَدَتْ“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب نصر یتصرف سے ہے اس کا معنی ہے: واپس آنا، بھگنا، دور کرنا واپس دھکیلنا۔

جنازہ کے پیچھے عورتوں کے آنے یا نہ آنے کی وضاحت

امام ابوداؤد نے حضرت ام عطیہ سے روایت کیا ہے آپ فرماتی ہیں کہ ہمیں جنازہ کے پیچھے آنے سے منع کر دیا گیا ہے اور ہم

سے جنازہ کے ساتھ نہ جانے کا پختہ عہد لیا گیا ہے لیکن غالب بن ہذیل سے مروی ہے کہ کچھ عورتیں ایک جنازہ کے ساتھ جاری تھیں کہ حضرت مرے انہیں واپس لوٹانے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ مرگ کا زمانہ قریب ہے (اور علم تازہ ہے)۔

امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلنے میں عورتوں کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔ امام طبرانی نے جامع الکبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جنازہ میں عورتوں کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے۔ [تسبیح النکاح فی شرح مسند الامام حاشیہ نمبر ۳۲ ص ۱۰۲ مطبوعہ مکتبہ رحمہ اللہ لاہور]

۷۷۔ بَابُ تَكْبِيرَاتِ الْجَنَازَةِ اَرْبَعَةً

نماز جنازہ میں چار تکبیروں کا بیان

۱۹۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِي اِيُوَاضٍ عَنْ
عَمْرِو بْنِ اَمْرِئِئَةَ بْنِ اَلْعَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ
جَمَعَ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُمْ
عَنِ التَّكْبِيرِ لَآلِ لَهُمْ اَنْظَرُوا اَيُّوْ جَنَازَةٍ كَثُرَ عَلَيْهَا
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ جَدُوْهُ لَقَدْ كَثُرَ اَرْبَعًا
عَشْرًا لِبَعْضِ لَآلِ عَمْرُِوْ فَكَثَرُوا اَرْبَعًا. طحاوی (۲۷۷۴)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے اصحاب کرام
علیہم الرضوان کو ایک جگہ جمع کیا اور نماز جنازہ میں تکبیرات کی تعداد کے
بارے میں سوال کیا اور فرمایا کہ تم دیکھو اور معلوم کرو کہ نبی کریم ﷺ
نے آخری نماز جنازہ پر کتنی تکبیریں پڑھی تھیں سو صحابہ کرام نے تحقیق کر
کے یہ معلوم کیا کہ آپ نے چار تکبیریں پڑھی تھیں یہاں تک کہ آپ کا
وصال ہو گیا چنانچہ حضرت عمر نے فرمایا: پس اب تم چار تکبیریں پڑھا
کرو۔

حل لغات

”جَمَعَ“ میثد واحد کرفاع فعل ماضی معروف ثبت باب قحح مُفْعِلٌ سے ہے اس کا معنی ہے: جمع کرنا اکٹھا کرنا۔
”لِبَعْضِ“ میثد واحد کرفاع فعل ماضی مجهول باب ضربَ تَضَرَّبَ یَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: فوت ہو جانا روح قبض ہو جانا۔

نماز جنازہ میں چار تکبیروں کا ثبوت

محقق علامہ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

چاروں اماموں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں اور اس کے بارے میں کتب صحاح ستہ کی احادیث
محمودہ وارد ہو چکی ہیں البتہ بعض روایات میں پانچ تکبیرات اور اس سے زائد کا ذکر آیا ہے لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری
عمل سے چار تکبیریں ثابت ہیں اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس بارے میں اسلاف کا اختلاف ہے چنانچہ
امام مسلم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے نماز جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھیں اور انہوں نے اس عمل کو نبی
کریم ﷺ کی طرف رفع (منسوب) کیا اور امام ابن المنذر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے قبیلہ بنی اسد
کے ایک آدمی کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس میں پانچ تکبیریں پڑھیں اور امام ابن منذر وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ
والسلام اہل بدر پر چھ تکبیریں پڑھتے تھے اور ہاتھی صحابہ پر پانچ تکبیریں پڑھتے تھے اور دیگر تمام لوگوں پر چار تکبیریں پڑھتے تھے اور بکر
بن عبد اللہ المزنی کا مذہب یہ ہے کہ تین تکبیروں سے کم نہیں اور سات سے زیادہ نہیں اور امام احمد نے اسی طرح کہا ہے لیکن انہوں نے
کہا: چار تکبیروں سے کم نہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک جنازہ پر بھول کر تین تکبیریں پڑھیں
پھر جب آپ نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو آپ سے کہا گیا: اے ابو حمزہ! آپ نے تین تکبیریں پڑھی ہیں۔ آپ نے فرمایا: پھر میں

بتاؤ سوچیں بنائی گئیں تو آپ نے چوتھی تکبیر پڑھی اور فرمایا: ہم اسی عمل کو اختیار کرتے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کیونکہ آپ نے تمام لوگوں کو چار تکبیریں پڑھنے پر جمع فرمادیا ہے اور امام بخاری نے کئی سندوں کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسلمان چار پانچ چھ اور سات تکبیریں پڑھتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے سب لوگوں کو چار تکبیروں پر جمع کر دیا اور علامہ ابن عبد البر نے کہا: میں تمام ممالک کے فقہاء میں سے کسی کے بارے میں نہیں جانتا جو چار تکبیروں سے (بند پڑھتا ہو) ماسوا ابن ابی لیلیٰ کے اور علامہ شمس نے ذکر کیا ہے کہ کتاب الآثار میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حماد اور حضرت ابراہیمؓ کی واسطے سے امام ابوحنیفہ سے نقل فرمایا ہے کہ پہلے لوگ نماز جنازہ پر پانچ چھ اور چار تکبیریں پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ وصال فرما گئے۔ پھر اسی طرح حضرت ابو بکر کے دور خلافت میں پڑھتے رہے پھر حضرت عمرؓ مقرر ہوئے تو پہلے بھی معمول رہا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو بلا کر فرمایا: تم نبی کریم ﷺ کے اصحاب کی جماعت ہو جب تم اختلاف کرو گے تو تمہارے بعد لوگوں میں بھی اختلاف رہے گا۔ لوگ عہد جاہلیت کے قریب ہیں سو تم کسی ایک چیز پر اکٹھے ہو جاؤ تاکہ بعد والے لوگ اس پر جمع ہو جائیں چنانچہ تمام صحابہ کرام اس بات پر متفق ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری نماز جنازہ دیکھیں کہ آپ نے اس میں کتنی تکبیریں پڑھیں یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا تاکہ وہ اس کو لے لیں اور اس کے سوا باقی سب طریقوں کو چھوڑ دیں چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے آخری نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں تھیں پھر ظاہر الروایۃ مطابق چوتھی تکبیر کے بعد کوئی دعا نہیں ہے بلکہ بغیر کسی چیز کے ذکر کے صرف سلام پھیرتا ہے البتہ بعض مشائخ کرام نے ”ربنا العالی الدنیا حسنة البع“ اور ”ربنا لا تزع قلوبنا بعد اذ هديتنا“ ان دون آجوں کا پڑھنا مستحسن قرار دیا ہے شرح ابن السمام میں اسی طرح مذکور ہے۔

الاعتصام فی شرح مشکوٰۃ الصالح ج ۳ ص ۳۲۹-۳۲۸ مطبوعہ مکتبۃ العارفین حلب (۱۹۸۸ء)

۷۸۔ بَابُ الدُّعَاءِ لِلْمَيِّتِ فِي الصَّلَاةِ

۱۹۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَبَّانَ عَنْ ثَعْلَبَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ إِذَا صَلَّى عَلَى الْمَيِّتِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَبَّتِنَا وَمَتْنِنَا وَفَاحِشِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَآثِقَانَا.

نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا کرنا
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی مرنے والے کی نماز پڑھتے تو آپ (تیسری تکبیر کے بعد) کہتے تھے: اے اللہ! ہمارے زعموں ہمارے فوت ہونے والوں ہمارے حاضرین ہمارے غائبین ہمارے چھوٹوں ہمارے بڑوں ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں (سب) کو بخش دے۔

ترمذی (۱۰۲۴)، ابوداؤد (۳۲۰۱)، ابن ماجہ (۱۴۹۸)، نسائی (۱۹۸۸)، سند احمد (۳۶۸ ج ۲ ص ۳۶۸)

مکمل دعا کا ذکر

اس حدیث کو امام احمد ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے ان میں مزید یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

اللهم من احببته منا فاحبه على الاسلام ومن نوفته منا فوفه على الايمان. اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده.

[مشکوٰۃ الصالح باب المصائب والصلوات علیہ] میں نہ ڈالتا۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی دعائیں مروی ہیں مگر سب سے زیادہ یہی دعا مشہور ہے۔

۷۹۔ بَابُ الْكُفْدِ سُنَّةَ الْقَبْرِ

۱۹۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ اَبِي بَرْزَةَ
عَنْ اَبِيهِ قَالَ اَلَسَّحَدَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَأَعَدَّ مِنْ قَبْلِ الْقَبْلَةِ وَنُصِبَ عَلَيْهِ الْمَلِكُ نَضْبًا.

قبر تیار کرنے کے لیے لحد بنانا سنت ہے

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے لیے لحد تیار کی گئی اور قبلہ کی طرف سے آپ کو قبر میں اتارا گیا اور (لحد میں لٹا کر) اس پر کچی اینٹیں نصب کی گئیں۔

مسلم (۲۲۴۰) نسائی (۲۰۰۹) ابن ماجہ (۱۵۵۶) ابن حبان (۶۶۳۵)

حل لغات

”السَّحَدُ“ میخہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: قبر کھود کر قبلہ کی جانب بھٹی مڑھا کھودنا لحد بنانا۔ ”نُصِبَ“ میخہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب حُضِرَ ب سے ہے اس کا معنی ہے: کھڑا کرنا گاڑنا بلند کرنا۔ ”الْمَلِكُ“ لام مفتوح ہاکسور کے ساتھ لگی اینٹ۔

قبر تیار کرنے کے دو طریقے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا تو مدینہ منورہ میں ایک شخص لحد کھودتا تھا اور دوسرا سیدھی قبر بناتا تھا۔ صحابہ کرام نے کہا کہ ہم اپنے رب تعالیٰ سے استعارہ کرتے ہیں اور ان دونوں کو بلوا بیچتے ہیں جو شخص پہلے آ جائے گا اسی کے طریقہ پر عمل کیا جائے گا چنانچہ انہوں نے دونوں کو بلانے کے لیے آدمی بھیج دیے تو لحد کھودنے والا پہلے آ گیا سو اس لیے نبی کریم ﷺ کے لیے لحد کھودی گئی۔ [سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۴۲ باب ماجاء فی الحق حترجم لفرید بک خاں لاہور] حضرت ابن عباس اور حضرت جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”السَّحَدَ لَنَا وَالشَّقِ لَهْرُنَا“ لحد ہمارے لیے ہے اور سادہ قبر دوسروں کے لیے ہے۔ [سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۴۲-۴۴۱ باب ماجاء فی احقاب اللحد لفرید بک خاں لاہور] یاد رہے کہ قبر بنانے کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ صندوق نما مستطیل مڑھا کھودا جاتا ہے جس میں میت آسانی سے رکھی جاتی ہے۔ اسے عرف عام میں سادہ قبر اور عربی میں شق کہا جاتا ہے۔ آج کل عام اور زیادہ اسی کا رواج ہے۔ دوسرا یہ کہ مستطیل مڑھا کھود کر اس کے قبلہ کی طرف ایک اور مڑھا کھودا جاتا ہے جسے اردو غیرہ میں بھٹی قبر اور عربی میں لحد کہا جاتا ہے۔ یہ صرف اس قدر ہوتا ہے کہ میت اس میں آسانی سے آ جاتی ہے۔ پھر لگی اینٹوں پتھروں یا تختوں سے بند کر کے کیلی مٹی سے لپ کر دیا جاتا ہے اس کے بعد باہر والے مستطیل مڑھے کو مٹی سے بھر کر قبر بنا دی جاتی ہے۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ

اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ لحد بنانا سخت ہے جیسا کہ ہمارے (حق) علماء کرام کا موقف ہے البتہ جہاں زمین نرم ہو اور قبر کے لیے بیٹھ جانے کا خوف ہو وہاں شق یعنی عام سادہ قبر بنائی جائے گی (جیسے تھل اور دیگر نرم اور ریختے علاقوں میں لگی اینٹوں سے اونٹ کی کوہان کی طرح محراب نما قبر تیار کی جاتی ہے)۔

امام مسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے مرض موت میں وصیت کی تھی کہ میرے لیے لحد کی صورت میں قبر تیار کرنا اور اس کے بعد میری لحد پر کچی اینٹیں نصب کر دینا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے کیا گیا تھا اور حضرت سعدی سے یہ روایت مروی ہے کہ آپ ﷺ کے لیے لحد تیار کی گئی تھی اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے لحد تیار کی گئی تھی اور اس پر کچی اینٹیں نصب کی گئی تھیں اور آپ کی قبر کو زمین سے ایک بالشت اونچا بنایا گیا تھا۔ امام ابن ابی شیبہ نے حضرت حماد بن ابی سلیمان کے واسطے سے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کیا

ہے کہ نبی کریم ﷺ کو قبلہ کی جانب سے قبر میں دفن کیا گیا اور پاؤں کی طرف سے نہیں لایا گیا اور امام ابن ابی شیبہ نے مزید یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کو اونچا اور بلند بنایا گیا تھا تاکہ پہچانی جاسکے۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسد اطہر کو قبلہ کی طرف سے لے کر قبر میں اتارا گیا اور آپ کا رخ انور قبلہ کی طرف کر دیا گیا۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت بیان کی ہے اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رات کے وقت قبر میں دفن کیا گیا اور آپ کی تدفین کے لیے چراغ روشن کیا گیا اور آپ کو قبلہ کی طرف سے لا کر قبر میں اتارا گیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ بے شک آپ خوف خدا میں بہت رونے والے اور قرآن مجید کی بہت تلاوت کرنے والے تھے اور آپ کے نماز جنازہ میں چار بگبیریں پڑھی گئیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے یہ روایت تخریج کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یزید بن مکنف پر چار بگبیریں کہی تھیں اور انہیں قبلہ کی جانب سے لا کر قبر میں دفن کیا۔ (معتمدیم والآخر شرح مسند امام اعظم ص ۷۷۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

۸۔ بَابُ السُّؤَالِ فِي الْقَبْرِ

۱۹۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَجِعَ الْمُؤْمِنُ فِي قَبْرِهِ آتَاهُ الْمَلَكُ لِيَجْلِسَ فَقَالَ مَنْ رَبُّكَ فَقَالَ اللَّهُ قَالَ وَمَنْ نَبِيُّكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ وَمَا وَبَّكَ قَالَ الْإِسْلَامُ قَالَ فَيُفَسِّحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ وَيُؤْوِي مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْذَا كَانَ عَالِمًا بِأَنْ يَجْلِسَ الْمَلَكُ فَقَالَ مَنْ رَبُّكَ فَقَالَ هَآءُ لَا أَذْرِي عَالِمُ مَجْلٍ شَيْئًا فَيَقُولُ مَنْ نَبِيُّكَ فَيَقُولُ هَآءُ لَا أَذْرِي عَالِمُ مَجْلٍ شَيْئًا فَيَقَالَ مَا وَبَّكَ فَيَقُولُ هَآءُ لَا أَذْرِي عَالِمُ مَجْلٍ شَيْئًا فَيَضِيقُ عَلَيْهِ قَبْرَهُ وَيُؤْوِي مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ فَيَضْرِبُهُ ضَرْبَةً تَسْمَعُهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ الْجَنُّ وَالْإِنْسَ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْقُثُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْجَنَّةِ الدَّائِمَةِ وَفِي الْأُخْرَى وَيُجْزِلُ اللَّهُ الْكَافِرِينَ وَيَقْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ (ابن ماجہ: ۲۷۰)

بخاری (۱۳۳۸) مسلم (۷۲۱۶) ابوداؤد (۳۲۳۱)

ترمذی (۱۰۷۱) نسائی (۲۰۵۳)

قبر میں سوال و جواب

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مومن کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور اسے اٹھا کر بٹھاتا ہے اور اس سے سوال کرتے ہوئے کہتا ہے: حیرا رب کون ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے: اللہ (میرا رب اور خالق ہے) فرشتہ پوچھتا ہے: حیرا نبی کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے (کہ میرے نبی) حضرت محمد ﷺ ہیں فرشتہ پھر پوچھتا ہے: حیرا دین کیا ہے؟ مومن جواب دیتا ہے: (میرا دین) اسلام ہے۔ فرمایا: پھر اس کے لیے اس کی قبر کو کشادہ اور فراخ کر دیا جاتا ہے اور اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے اور اگر مرنے والا کافر ہو تو فرشتہ اسے اٹھا کر بٹھادیتا ہے اور اس سے کہتا ہے: بتا حیرا رب کون ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے: ہائے افسوس! میں تو کچھ نہیں جانتا جیسے کسی چیز کو بھول جانے والا کہتا ہے پھر فرشتہ کہتا ہے: حیرا نبی کون ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے: ہائے افسوس! میں نہیں جانتا جیسے کسی چیز کو بھول جانے والا کہتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے: بتا حیرا دین کیا ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے: ہائے افسوس! میں کچھ نہیں جانتا کسی چیز کو بھول جانے والے کی طرح پھر اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے اور اسے دوزخ میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے اور فرشتہ اسے (لوہے کا تھوڑا) اٹھنے زور سے مارتا ہے کہ اس کی آواز جن وانس کے علاوہ ہر مخلوق سن لیتی ہے پھر رسول اللہ ﷺ

نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو حق بات (کلمہ توحید) پر ثابت رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت (قبر) میں بھی اور اللہ تعالیٰ ظالموں (یعنی کافروں) کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ (ابراہیم: ۲۷)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ قبر میں تین چیزیں پیش آنے والی ہیں: ایک اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں دوسرا جنت کے درجات کے بارے میں اور تیسرا یہ کہ تمہارے سر کے پاس قرآن مجید کی تلاوت ہوگی۔

۱۹۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْقَبْرِ ثَلَاثُ سُؤَالٍ عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَفَرَجَاتٍ إِلَى الْجَنَّةِ وَفَرَاةُ الْقُرْآنِ عِنْدَ رَبِّكَ.

مسند الحارثی (۲۵۳-۲۵۴)

عمل لغات

”مَا جَلَسْتُ“ میں اجلس صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب انفعال سے ہے اس کا معنی ہے: بیٹھنا۔ آخر میں غیر متصل مفعول بہ ہے۔ ”مَنْ تَسْعُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجهول باب فَتَحْ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: کشادہ کرنا۔ فراغ کرنا وسیع کرنا۔

اہل قبور کے احوال

ملاط قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں ہے: ”اِذَا وَضِعَ الْمَوْتُ اِنَاءَ الْعِلَاقِ“ یہاں مومن سے اس امت محمدیہ علیہ السلام کا مومن مراد ہے اور وضع المومن سے مومن کو قبر میں دفن کرنا مراد ہے خواہ چھوٹا ہو یا حکما ہو۔ اگرچہ اس حدیث میں ایک فرشتہ کا ذکر ہے لیکن یہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں ہے کہ میت کے پاس سیاہ رنگت نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں ان میں سے ایک کو نکیر اور دوسرے کو منکر (کاف مکتوح ہے) کہا جاتا ہے۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ ہے کہ مومن کو دوزخ کا وہ ٹھکانہ بھی دکھایا جاتا ہے جو اسے کافر ہونے کی صورت میں نصیب ہوتا اور اسے کہا جاتا ہے کہ اگر تو کافر ہو جاتا تو یہ جہنم ٹھکانہ نہ ہوتا مگر اب مومن ہونے کی بنا پر یہ ٹھکانہ جنت میں تبدیل کر دیا گیا ہے جس سے مومن کو بہت زیادہ مسرت و خوشی حاصل ہوتی ہے اور کافر و منافق کو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے: اگر تو نیک مسلمان ہوتا تو یہ جنت کا ٹھکانہ حیرا ہوتا مگر کفر و نفاق اختیار کرنے کی بنا پر یہ ٹھکانہ دوزخ کے ٹھکانہ میں تبدیل کر دیا گیا ہے جس سے اس کا رنج و غم بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس (درج ذیل) ارشاد کا یہی معنی ہے کہ ”الْقَبْرِ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حَفْرَةٌ مِنْ حُفْرِ النَّهْرِ“ یعنی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مسلمان سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں سو اس لیے اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کا یہی معنی ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں (یعنی مرنے کے بعد قبر میں) حق بات پر ثابت رکھتا ہے۔

يَقْبِطُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحُجْرَةِ الْمُنْبِتَا فِي الْأُخْرَى. (ابراہیم: ۲۷)

اور صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ آیت قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب مسلمان میت سے کہا جاتا ہے: تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور میرے نبی حضرت محمد ﷺ ہیں اور اس کے بارے میں احادیث تو بہت زیادہ وارد ہیں اور یہ احادیث معنی کے اعتبار سے تو اتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں اور تمام اہل سنت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ قبر میں سوال و جواب اور عذاب و ثواب برحق ہے اس کا منکر گمراہ ہے اور اہل بدعت اور اہل ہواء کے سوا اس کا کوئی مخالف نہیں۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۶۸-۳۶۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

۸۱۔ بَابُ زِيَارَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَبْرِ أُمِّهِ

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنا

۱۹۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ بَرِّدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةِ قَاتِي قَبْرِ أُمِّهِ فَجَاءَهُ وَهُوَ يَبْكِي أَشَدَّ الْبُكَاءِ حَتَّى كَادَتْ نَفْسُهُ أَنْ يَخْرُجَ مِنْ بَيْنِ جَنَبَيْهِ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا يَبْكِيكَ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُذِنَ لِي وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي الشَّفَاعَةِ فَأَبَى عَلَيَّ وَلِي وَوَالَيْهِ قَالَ اسْتَأْذَنْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهُ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ فَأُذِنَ لَهُ فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى انْتَهَوْا إِلَى قَرْيَبٍ مِنَ الْقَبْرِ فَصَلَّتِ الْمُسْلِمُونَ وَمَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَتِ عَلَيْهِمْ أَنْ يَشْتَدَّ بُكَاءُهُ حَتَّى عَلَنَّا أَنَّهُ لَا يَسْكُنُ قَاتِلٌ وَهُوَ يَبْكِي فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَا أَبْكَاكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ يَا بَنِي آدَمَ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّ مُحَمَّدٍ لِي وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي الشَّفَاعَةِ فَأَبَى لِي كَيْفَ رَحِمَةً لَهَا وَبِكِي الْمُسْلِمُونَ رَحِمَةً لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

مسلم (۲۲۵۹) ابوداؤد (۳۲۳۴) نسائی (۲۰۳۶)

ابن ماجہ (۱۵۲۳)

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ کے لیے نکلے تو (میت کو دفنانے کے بعد) آپ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لائے اور یہاں پہنچ کر شدید گریہ زاری کی اور بہت زیادہ روئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ کی روح آپ کے جسم سے پرواز کر جائے۔ حضرت بریدہ کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو اس قدر کس چیز نے رلا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب تعالیٰ سے محمد ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو اس نے مجھے اجازت دے دی اور میں نے اس سے سفارش کرنے کی اجازت طلب کی تو اس نے مجھے انکار کر دیا (تاکہ والدہ ماجدہ کے متعلق گناہ کا خیال نہ آ سکے) اور حضرت بریدہ کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے رب تعالیٰ سے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو زیارت کی اجازت دیدی سو آپ تشریف لے گئے اور مسلمان بھی آپ کے ساتھ چل پڑے یہاں تک کہ جب سب حضرات قبر کے قریب پہنچ گئے تو مسلمان ٹھہر گئے اور نبی کریم ﷺ قبر تک تشریف لے گئے پھر آپ وہاں کافی دیر تک ٹھہرے رہے اور روتے رہے پھر آپ کا گریہ (رونا) شدید ہو گیا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ کی آہ و بکا نہیں رکے گی پھر آپ روتے ہوئے ہماری طرف پلٹے تو حضرت عمرؓ نے آپ سے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں آپ کو کس چیز نے رلایا۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب تعالیٰ سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو اس نے انکار کر دیا سو میں تو اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ شفقت و رحمت

کی بنا پر رویا ہوں اور تمام مسلمان (یعنی صحابہ کرام) نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت و رحمت کی بنا پر رویا ہوں۔

حل لغات

”یَسْبِي“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: رونا۔ ”اِسْتَأْذَنْتُ“ صیغہ واحد مکمل فعل ماضی معروف باب اِسْتَعَالَ سے ہے اس کا معنی ہے: اجازت طلب کرنا اجازت مانگنا۔ ”فَسَكْتُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: ٹھہرنا۔ ”قَطَعْتُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: گزرنا، گزر جانا۔

نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کی نجات کا ثبوت

نبی کریم ﷺ کے تمام آباء و اجداد اور اصحاب خصوصاً والدین کریمین کی نجات کے متعلق مکمل تفصیل و تفریع فقیر کی کتاب دلائل النجات لاصول سید الکائنات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے یہاں اختصار کے پیش نظر متاخرین محققین کا صرف اصولی موقف پیش کیا جا رہا ہے:

(۱) نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین زمانہ فترت میں فوت ہو گئے تھے (جس زمانہ میں کوئی پیغمبر تشریف نہ لائے اس کو زمانہ فترت کہتے ہیں) کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی کریم ﷺ تک اس عرصہ کے دوران میں کوئی پیغمبر تشریف نہیں لایا اور قرآن مجید میں ایک اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک کسی قوم میں پیغمبر تشریف نہ لائے اس وقت تک اس قوم کو عذاب نہیں دیا جائے گا تا کہ وہ قوم قیامت کے دن یہ طرہ پیش نہ کر سکے کہ اے اللہ! اگر ہمارے پاس حیرتی طرف سے کوئی نبی رسول حیرتی شریعت لے کر آتا تو ہم اس پر ضرور ایمان لے آتے مگر جب تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر ہی نہیں بھیجا تو عذاب کیوں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا ○

[بنی اسرائیل: ۱۷] پہلے (رسول نہ بھیج دیں ○

سو اس لیے نبی کریم کے والدین عذاب قبر اور عذاب آخرت سے محفوظ و مامون ہیں۔

(۲) نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین سے کفر و شرک سمیت کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب ثابت نہیں ہے بلکہ وہ موحّد و پارسا تھے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین حنیف پر کار بند تھے جیسا کہ خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلان نبوت سے پہلے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے دین حنیف پر قائم تھے۔ اسی طرح زید بن عمرو بن نفیل و ورقہ بن نوفل و عبید اللہ بن جحش عثمان بن حویرث رہاب بن براء اسد ابوبکر حبیب حیرتی قس بن ساعدہ ایادی اور ابوقیس بن مرمر۔

(۳) نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ (علیٰ کل شیء قدير) نے ان کو زندہ فرمایا اور وہ نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے اور دین اسلام میں داخل ہو کر خیر الامم امت محمدیہ علیہ التحیۃ و التسلیم میں شامل ہوئے اور شرف صحابیت حاصل کیا۔ امام ابن شاکرین علامہ ابوبکر خطیب بغدادی علامہ سیوطی علامہ قرطبی علامہ محبت طبری اور

علامہ ناصر الدین بن اسمیر وغیرہم کا یہی مسلک ہے۔ [الحادی للحدادی ج ۲، رسالہ مساک الخلاء ص ۲۳۳-۲۰۲]

شیخ محقق دہلوی مزید لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے والدین کو زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ فی حد ذاتہ ضعیف ہے لیکن بعض محققین

نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر درجہ صحت کو پہنچ چکی ہے اور یہ علم حلقہ میں علماء سے مستور و مخفی رہا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر منکشف کر دیا اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جس کو چاہتا ہے جس چیز کے ساتھ چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے۔ [الاعت ۱۲ ج ۴ ص ۳۸۱ مطبوعہ مکتبۃ المعارف بطرابلسہ لاہور] المصنف ج ۱ ص ۱۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ بمصر

زیارت قبور کی اجازت کا ثبوت

۸۲۔ بَابُ الرَّخْصَةِ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ

۱۹۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَحَمَّادٍ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ بَرْثَدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ الْقُبُورِ أَنْ يَزُورُوهَا لَزُورُوهَا وَلَا تَقْرَئُوا هُجْرًا.

حضرت عبداللہ بن بربدہ اپنے والد (حضرت بربدہ رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں پہلے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا سو اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو لیکن تم کوئی ہجری اور بے ہودہ بات نہ کہنا۔

مسلم (۲۲۶۰) ابوداؤد (۲۲۳۵) ترمذی (۱۰۵۴) نسائی (۲۰۳۵) ابن ماجہ (۱۵۷۱)

حضرت ابن بربدہ اپنے والد (حضرت بربدہ رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب قبرستان تشریف لے جاتے تو فرماتے: اے قبروں میں رہنے والے مسلمانو! تم پر سلام ہو اور ان شاء اللہ ہم بھی تم سے یقیناً ملنے والے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے خیر و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

۱۹۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ بَرْثَدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْمَقَابِرِ قَالَ السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَا جِقُونَ نَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ.

مسلم (۲۲۵۷) ابوداؤد (۲۲۳۷) نسائی (۲۰۴۲) ابن ماجہ (۱۵۴۷)

حل لغات

”تَزُورُوهَا“ میضجع مذکر مخاطب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَوُ يَنْصُورُ سے ہے اس کا معنی ہے: زیارت کرنا ملاقات کرنا۔ ”هُجْرًا“ (مضموم الحاء) اس کا معنی ہے: لغو بات، لایعنی بات، بے ہودہ بات، بے کار بات کہنا۔ ”الْعَافِيَةُ“ یہ مقبرہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: قبرستان۔ ”لَا جِقُونَ“ میضجع مذکر اسم فاعل باب مَسَعَ يَمْسَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: ملنا لاحق ہونا۔

زیارت قبور کے فوائد

حضرت شیخ محقق محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

زیارت قبور مستحب عمل ہے کیونکہ یہ دلوں میں رقت و نرمی اور خدا خونی پیدا کرتا ہے اور موت کو یاد کراتا ہے اپنی فنا اور اللہ تعالیٰ کی بقاء و قدرت کی یاد دلاتا ہے اس سے دیگر بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اس میں عمدہ ترین فائدہ یہ ہے کہ اس میں اہل قبور مسلمانوں کے لیے خیر و فلاح اور نجات کی دعا اور ان کے لیے استغفار کی جاتی ہے اور اس کے بارے میں سنت وارد ہو چکی ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ جنت البقیع میں تشریف لے جاتے تھے اور انہیں سلام عقیدت پیش کرتے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے لیکن نبی کریم ﷺ یا دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اہل قبور سے امداد و طلب کرنا تو بہت سے فقہاء نے اس کا انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا: زیارت قبور میں صرف مردوں کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کی جائے اور ان کو تلاوت قرآن اور دعائے مغفرت کے ذریعہ ایصالِ ثواب کیا جائے جبکہ مشائخ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم اور بعض محقق فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے صالحین کی

قبور سے امداد طلب کرنے کو ثابت کیا ہے اور یہ مسئلہ اہل کشف اور کاملین اہل اللہ کے نزدیک مسلم و مقرر ہے۔ ان کے نزدیک اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے حتیٰ کہ ان میں سے بعض حضرات کو اہل اللہ کی ارواح مقدسہ سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر دعا کی قبولیت کے لیے مجرب تریاق ہے۔

(۲) حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس بزرگ سے اس کی زندگی میں مدد حاصل کی جاتی ہے اس کی موت کے بعد بھی اس سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔

(۳) مشائخ عظام میں سے ایک بزرگ نے اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں نے چار مشائخ عظام کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں اسی طرح تصرف فرماتے ہیں جس طرح وہ اپنی زندگی میں تصرف فرماتے تھے۔ ان میں ایک حضرت شیخ کامل معروف کرخی اور دوسرے غوث الثقلین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ دواؤں کا ذکر کیا۔

(۴) سیدی احمد بن ذروقی رحمہ اللہ تعالیٰ جو مغرب کے ممالک میں علمائے صوفیہ اور اعظم فقہاء میں سے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ایک دن میرے کریم شیخ حضرت ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے فرمایا کہ بتاؤ زندہ آدمی کی امداد زیادہ قوی ہوتی ہے یا فوت ہو جانے والے کی امداد؟ سو میں نے عرض کیا: بے شک لوگ تو کہتے ہیں کہ زندہ آدمی کی امداد زیادہ قوی ہوتی ہے آپ نے فرمایا: لیکن میں تو کہتا ہوں کہ مرنے والے آدمی کی امداد زیادہ قوی ہوتی ہے۔ آپ نے فوراً فرمایا: ہاں! تم لہیک کہتے ہو کیونکہ مرنے والا دنیاوی عوارض و آلائش سے پاک اور اللہ تعالیٰ کے آستانہ فیض میں حاضر ہوتا ہے اور اس کے بارے میں اس جماعت سے بہت سی باتیں منقول ہیں اور یہ چیزیں اگرچہ کتاب و سنت میں معروف نہیں ہیں اور اقوال سلف بھی اس کے منافی ہیں لیکن یہ کیسے فلفہ ہو سکتا ہے کیونکہ دین اسلام میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور اس کو ذائریں (یعنی زیارت کرنے والوں) کاظم و شعور ہوتا ہے اور کاملین کو حق تعالیٰ کی جناب میں قرب و مرتبہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ دنیا کی زندگی میں تھا یا اس سے زیادہ کامل قرب و مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنے دوستوں کے لیے کائنات میں کرامات و تصرفات کو ثابت کرتے ہیں اور یہ کمالات صرف ان کی ارواح مقدسہ کی وجہ سے انہیں حاصل ہوتے ہیں اور وہ باقی ہیں اور اہل حق تعالیٰ تو صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے اور ہر چیز اس کی قدرت و اختیار میں ہے اور بزرگان دین حق تعالیٰ کے جلال میں زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی فنا ہوتے ہیں سو اللہ تعالیٰ کے ہاں اولیائے کرام کو جو شان و عظمت اور قرب و مرتبہ حاصل ہے اس کی وجہ سے اگر اولیاء اللہ میں سے کسی کے توسط و توسط سے کسی آدمی کو کچھ عطا ہو جائے جیسا دنیا کی زندگی میں ہوتا ہے تو یہ کوئی بعید و ناممکن بات نہیں کیونکہ ان دونوں حالتوں میں حقیقی تصرف و کردار صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور ان دونوں حالتوں میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو فرق کو واجب کر دے اور شریعت میں بھی اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔

(۵) حدیث شریف میں ہے کہ ”لعن اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبورا انبیائہم مساجدا“ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ علامہ ابن حجر کی اس حدیث کی شرح میں کہتے ہیں کہ یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو قبر کی تعظیم کے لیے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے کیونکہ یہ حرام ہے لیکن کسی نبی و رسول یا کسی نیک بزرگ کے پڑوس میں مسجد تعمیر کرنا اور قبر کے نزدیک اس کی تعظیم یا اس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ صاحب قبر بزرگ سے مدد حاصل کرنے کے لیے نماز پڑھنا تاکہ بزرگ کی پاک روح کے پڑوس کی برکت سے اس کی عبادت مکمل و کامل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آداب زیارت قبر: زیارت کے آداب میں سے یہ ہے کہ زیارت کرنے والا آدمی قبلہ کو پشت کر کے سواجہ کے سامنے قبر کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو اور صاحب قبر کو سلام کرے اور قبر کو نہ تو چھوئے اور نہ اسے بوسہ دے اور نہ جھکے اور نہ قبر کی مٹی چھوئے۔ سو یہ نصاریٰ کی عادت ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی تلاوت مکروہ ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک قرآن مجید کی تلاوت بلا کراہت جائز ہے اور ہمارے حنفی مشائخ میں سے حضرت صدر الشہید نے امام محمد کے قول کو قبول کیا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

شیخ جلیل امام ابو بکر محمد بن الفضل نے بیان فرمایا ہے کہ مقبرہ کے نزدیک قرآن مجید کو بلند آواز سے پڑھنا مکروہ ہے لیکن آہستہ آواز سے تلاوت کرنا مکروہ نہیں ہے اگرچہ پورا قرآن ختم کر لے۔

شیخ محمد بن ابراہیم سے منقول ہے کہ آپ قبرستان میں سورۃ ملک بلند آواز سے اور آہستہ آواز سے دونوں طرح پڑھتے تھے اور ظاہر الرویہ میں بلند آواز اور آہستہ آواز کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا کیونکہ اس کے جواز میں اثر (حدیث) وارد ہو چکی ہے۔ شیخ ابو بکر بن سعد سے منقول ہے کہ زیارت قبور کے وقت سات مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشنا مستحب عمل ہے اور سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ ثواب میت کو پہنچتا ہے اور حصۃ المبارک کے دن اہل قبور کی زیارت کرنا سب سے افضل ہے خصوصاً دن کے پہلے حصہ میں اور حرمین شریفین میں یہی حعارف اور مشہور ہے کہ وہاں کے رہنے والے جنت البقیع اور جنت البطل کے قبور کی زیارت کے لیے اسی وقت جاتے ہیں اور بعض روایات میں آیا ہے کہ باقی دنوں کی نسبت حصۃ المبارک کے دن میں میت کو علم و ادراک زیادہ عطا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ باقی دنوں کی نسبت اس دن زائرین کو زیادہ پہچانتا ہے اور عوام الناس میں جو مشہور ہے کہ حصۃ کے دن زیارت قبور منع ہے یہ غلط ہے اس کے بارے میں کوئی روایت وارد نہیں ہوئی البتہ قبروں کو پاؤں سے روندنا یہ بغیر ضرورت مکروہ ہے اور آدمی کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے سات دن تک صدقہ و خیرات کرنا مستحب عمل ہے اور میت کی طرف سے اس کے ایصال ثواب کی نیت سے صدقہ و خیرات کرنا اس کو فائدہ اور نفع دیتا ہے اس میں کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے سب علماء اس پر متفق ہیں کیونکہ اس کے بارے میں صحیح احادیث وارد ہیں خصوصاً پانی کا صدقہ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ صرف صدقہ و خیرات اور دعا و میت کو پہنچتے ہیں اور بعض روایات میں آیا ہے کہ جمعرات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ آیا اس کے لیے صدقہ وغیرہ کیا جاتا ہے؟ واللہ تعالیٰ اعلم!

[الحاشیہ ج ۳ ص ۳۸۰۔ ۳۷۷ مطبوعہ مکتبۃ الحارثیہ العلمیہ لاہور الحدیث للصحاح ج ۱ ص ۷۱۔ ۷۱۵ مکتبہ نورینہ مطبوعہ بمبئی]

علامہ ملا علی قاری یہاں اس باب کی حدیث کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(۱) اس حدیث کو امام حاکم نے المستدرک میں حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها
فانها تسوق القلب وتدمع العين وتذكر الآخرة
ولا تقولوا هجرًا.

یعنی میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے پہلے منع کیا تھا آگاہ ہو جاؤ اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ دلوں کو نرم کرتی ہے اور آنکھوں کو رلاتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے لیکن تم کوئی بری بات نہ کہنا۔

(۲) امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان (درج ذیل) الفاظ میں روایت کیا ہے:

كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها
میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا مگر لو اب تم قبروں

لأنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة. [شرح منہ نام اعظم ص ۱۰۵، مطبوعہ بیروت] دلاتی ہے۔
کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہے اور آخرت یاد

(۱) ملا علی قاری اس باب کی دوسری حدیث کے تحت لکھتے ہیں: امام مسلم نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت بریدہ بن حبیب رضی اللہ عنہ سے
ہجید یہ حدیث روایت کی ہے البتہ ابن ماجہ کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ ”اسم لنا لوط وانا بکم لاحقون اللهم لا تحرنا
اجورهم ولا تفننا بعلهم“ یعنی تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان کے اجر و ثواب
سے محروم نہ رکھنا اور ان کے بعد ہمیں کسی نعمت میں نہ ڈالنا۔

(۲) مسلم نسائی اور ابن ماجہ کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یوں مروی ہے:
السلام عليكم على اهل الديار من المؤمنين
والحسنيين ويرحم الله المستقدمين منا
والمستأخرين وانا ان شاء الله بكم لاحقون.
قبرستان میں رہنے والے مومنوں اور مسلمانوں! تم پر سلام ہو اور اللہ
تعالیٰ ہمارے پہلوں پر اور ہمارے پچھلوں پر رحم فرمائے اور بے شک
اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم تم سے ملنے والے ہیں۔

(۳) امام ترمذی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں یوں ہے:
السلام عليكم يا اهل القبور يغفر الله
لنا ولكم النعم ملغنا ونحن بالآخر.
یعنی اے قبروں میں رہنے والو! اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بخش
دے تم ہم سے پہلے جانے والے اور ہم (تمہارے) پیچھے آنے والے
ہیں۔ اس طرح اور روایات بھی ہیں۔

[شرح منہ نام اعظم ص ۳۷۲۔ ۳۷۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت]
اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۵۔ کتاب الزکوٰۃ

۱۔ باب الزکات

زکوٰۃ کے احکام

رکاز کا مطلب

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ
رکاز وہ غزانہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کانوں میں گاڑ کر چھپا رکھا ہے جو
زمین کے اندر پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔
۱۹۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ قَطَادَةَ عَنْ ابْنِ عُمرَ قَالَ
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةُ مَا
زَكَّرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْمَعَادِنِ الَّتِي يُنْبَتُ فِي
الْأَرْضِ.

سنن بیہقی (۷۴۲۸) مسند ابویعلیٰ (۶۶۰۹) کنز العمال (۵۰۹۶۱)

حل لغات

”زَكَّرَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اور رکاز سے مشتق ہے اس کا معنی ہے:
زمین کے اندر قدرتی گڑھی ہوئی وحاشیں کسی چیز کو زمین میں گاڑنا دفن کرنا۔ ”الْمَعَادِنُ“ یہ معدن کی جمع ہے اس کا معنی ہے: سونے
وغیرہ کی کان کسی چیز کی کان ہر چیز کا منبع۔ ”يُنْبَتُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس
کا معنی ہے: اگنا، بڑھنا، نشوونما پانا، زمین سے اگنے والا سبزہ، پودا، بیلگیں۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ طائیں بیان فرمایا کہ مشہور و معروف حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لھی الرکاز الخمس" رکاز میں پانچواں حصہ صدقہ ہے۔ آپ سے عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! رکاز کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: رکاز وہ مال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر اسی دن پیدا فرمادیا جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سوان معادن (کانوں) میں پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنا ہے (باقی چار حصے زمین سے نکالنے والے مالک کے لیے ہیں)۔

اور اس قسم کی احادیث کی بنا پر امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے اور امام بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث تخریج کی ہے کہ رکاز وہ مال ہے جو زمین کے اندر پیدا ہوتا ہے اور نشوونما پاتا ہے۔

[تسبیح النظام فی شرح سند للامام ص ۱۰۶ حاشیہ نمبر ۳ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

مطالعہ قاری کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رکاز وہ سونا اور چاندی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن زمین میں پیدا فرمادیا جس دن زمین کو پیدا کیا گیا تھا اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے اور طبرانی نے الجامع الکبیر میں حضرت ابوشلبہ سے اور الاوسط میں حضرت جابر کی وساطت سے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ "فسمی الرکاز الخمس" یعنی رکاز میں خمس (پانچوں حصہ صدقہ کرنا) ہے اور صاحب التہذیب نے کہا ہے کہ اہل عجاز (امام مالک وغیرہ) کے نزدیک رکاز سے مراد زمین میں دفن کیے گئے اہل جاہلیت کے خزانے ہیں اور یہ اہل عراق (امام ابوحنیفہ وغیرہ) کے نزدیک معادن (زمین میں پیدا ہونے والی کانیں) ہیں اور رکاز لخت کے اعتبار سے دونوں احتمالات کو شامل ہے کیونکہ یہ دونوں زمین کے پوشیدہ خزانے ہیں جو زمین میں مرکوز و ثابت ہیں۔ [شرح سند امام اعظم ص ۱۵۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

۲۔ بَابُ كُلِّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ

ہر خیر و بھلائی صدقہ ہے

۱۹۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوفٍ لَعَلَّتْهُ إِلَى غَيْبٍ وَلَقَبِرٍ صَدَقَةٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ نیکی جو تم کسی مال دار اور فقیر و محتاج کے ساتھ کر دو صدقہ ہے۔

بخاری (۶۰۲۱) مسلم (۲۳۳۸)

ہر کار خیر کے صدقہ ہونے کا ثبوت

- (۱) خطیب بغدادی نے الجامع میں حضرت جابر سے اور امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ "کُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ" ہر نیکی صدقہ ہے۔
- (۲) امام احمد اور بخاری نے حضرت جابر سے اور امام احمد، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ ہر نیکی صدقہ ہے اور مریض مسلمان حالت مرض میں جو کچھ علاج و معالجہ پر خرچ کرتا ہے وہ اس کے نامہ اعمال میں صدقہ لکھا جاتا ہے۔
- (۳) امام حاکم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ مسلمان اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اس کے حق میں صدقہ لکھا جاتا ہے اور مسلمان جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا خاص ہے ماسوا اس خرچ کے جو گناہ کے کام میں یا ضرورت سے زائد کمالت کی تعمیر پر خرچ کیا جاتا ہے۔
- (۴) امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر نیکی صدقہ ہے اور نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے

والے کی طرح ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مظلوم و محتاج کی امداد کو بہت پسند کرتا ہے۔

27

[شرح مسند امام اعظم ص ۱۳۶-۱۳۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان]

(۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ ہے، صحابہ نے عرض کیا: اگر وہ نہ پائے؟ فرمایا: وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے خود بھی نفع اٹھائے اور صدقہ خیرات بھی کرے، صحابہ نے عرض کیا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے یا وہ یہ نہ کرے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ کسی مظلوم و حاجت مند کی مدد کرے، عرض کیا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کرے۔ فرمایا: تو وہ خیر و بھلائی اور نیکی کا حکم دے، عرض کیا: اگر وہ یہ بھی نہ کرے؟ آپ نے فرمایا: تو وہ برائی سے بچے کیونکہ اس کے لیے یہی صدقہ ہے۔ (متفق علیہ)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے ہر جوڑے پر ہر روز صدقہ ہے جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، دو آدمیوں کے درمیان انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے اور کسی شخص کی مدد کرتے ہوئے اسے اس کے گھوڑے پر سوار کر دے یا اس کا سامان اس کے گھوڑے پر چڑھا دے تو یہ بھی صدقہ ہے اور ہر اچھی بات صدقہ ہے اور ہر وہ قدم جس سے نماز کی طرف جائے وہ بھی صدقہ ہے اور راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے تو یہ بھی صدقہ ہے۔ (متفق علیہ)

(۷) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اولاد آدم میں ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے، سو جو شخص اللہ تعالیٰ کی تکبیر کہے، اس کی حمد و ثناء کرے، تہلیل کرے، تسبیح پڑھے، اللہ تعالیٰ سے مغفرت و معافی چاہے، لوگوں کے راستے سے پتھر یا کانٹا یا ہڈی ہٹا دے یا اچھی بات کا حکم دے یا برائی سے منع کرے اس تین سو ساٹھ کی گنتی کے برابر تو وہ اس دن اس طرح چلے گا کہ گویا اس نے اپنی جان کو آگ سے دور کر لیا۔ (مسلم)

(۸) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بیع میں صدقہ ہے، ہر تکبیر میں صدقہ ہے، ہر حمد میں صدقہ ہے، ہر تہلیل میں صدقہ ہے اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے روکنے میں صدقہ ہے، ہر حلال صحبت میں صدقہ ہے، لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی شخص اپنی (بیوی سے) شہوت پوری کرے تو اس میں اسے ثواب ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بٹاؤ اگر تم یہ شہوت حرام میں خرچ کرتے تو اس پر گناہ نہ ہوتا، سو اسی طرح جب تم اسے حلال میں خرچ کرو گے تو اس پر ثواب ملے گا۔ (مسلم) [مشکوٰۃ شریف باب فضل الصدقہ الفصل الاول ص ۱۶۷ مطبوعہ دارالطباع دہلی]

جس پر صدقہ کیا جائے اس سے

۳۔ بَابُ قَبُولِ الْهَدِيَّةِ مِنْ

ہدیہ قبول کرنا

نَصَدَقَ عَلَيْهِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو صدقہ کا گوشت دیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے دیکھا اور فرمایا کہ یہ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

۲۰۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نَصَدَقَ عَلَيَّ بِرَبْرَةٍ يَلْحَمُ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ۔ بخاری (۲۵۷۷) مسلم (۳۷۸۲)

غلام اور لونڈی کے ولاء کا حق دار آزاد کرنے والا مولیٰ ہے

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ کنیز تھیں اور ان کے شرف اسلام اور صحابیت پر سب ال سیر کا اتفاق ہے۔ حضرت بریرہ پہلے جس شخص کی لونڈی تھیں اس نے ان سے طے کیا تھا کہ یہ نوادقہ سونا سالانہ قسطوں میں ادا

کرنے کے بعد آزاد ہو جائیں گی لیکن انہیں اتنا طویل عرصہ غلامی میں گزارنا گوارا نہ ہوا چنانچہ انہوں نے ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری مدد کیجئے اور مجھے اپنی کینئر بنا لیجئے۔ ام المومنین نے زرمکاتبت کی پوری رقم یک مشت دینے کا وعدہ فرمایا جب ان کے آقا سے دریافت کیا گیا تو وہ ان کو فروخت کرنے پر رضامند تو ہو گیا لیکن اپنا حق دلاء (وراثت کا حق) برقرار رکھنے پر مصر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ وراثت کا حق اسی شخص کو پہنچتا ہے جو کسی غلام (یا لونڈی) کو خرید کر آزاد کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جمع کیا اور ایک خطبہ دیا اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ ایسی شرطیں کرنا چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ہیں۔ یاد رکھو جو شرط اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ہے وہ باطل ہے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نہایت سچا ہے اور اس کی شرط نہایت پختہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دلاء (غلام یا لونڈی کی وراثت) آزاد کرنے والے ہی کی ہوتی ہے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضرت بریرہ کو خرید کر آزاد کر دیا لیکن انہوں نے ام المومنین کی خدمت میں ہی رہنا پسند کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے فیض صحبت کے ساتھ وہ یضمان نبوی سے بھی خوب بہرہ یاب ہوئیں اور معدن فضل و کمال بن گئیں۔ مسند ابوداؤد میں ہے کہ حضرت بریرہ کی شادی حضرت مغیث سے ہوئی تھی جو ایک حبشی غلام تھے اور صحابی تھے لیکن حضرت بریرہ نے آزادی حاصل کرنے کے بعد رسول اللہ کے ذریعہ ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور حکم نبوی پر مطلقہ کی طرح عدت پوری کی۔ حضرت بریرہ اس قدر مجلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا چنانچہ بعض لوگ ان کو صدقہ بھیجا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ان کے پاس جو کچھ صدقہ آتا تھا وہ ازواج مطہرات کو بطور ہدیہ دے دیا کرتی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ چولہے پر ہاڑی رکھی ہے اور اس میں گوشت پک رہا ہے لیکن کھانے کے وقت آپ کے سامنے گوشت کے بجائے کوئی اور چیز رکھی گئی تو آپ نے اس کا سبب دریافت فرمایا ازواج مطہرات (یا حضرت عائشہ صدیقہ) نے آپ کو بتایا کہ گوشت بریرہ کو صدقے میں ملا ہے اور انہوں نے اسیں ہدیہ دیا ہے۔ ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ صدقے کا گوشت آپ کی خدمت میں پیش کریں آپ نے فرمایا کہ یہ بریرہ کے لیے صدقہ ہے لیکن ہمارے لیے ہدیہ ہے۔ [ماخوذ از: تذکار صحابہ]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملکیت کے تبدیل ہو جانے سے مال کی حیثیت بھی تبدیل ہو جاتی ہے اس لیے اب اس مال کا حکم بھی بدل جاتا ہے جیسے زکوٰۃ کا مال کہ غنی سے فقیر کی ملکیت میں تبدیل ہو جانے سے اس کی حیثیت صدقہ سے ہدیہ میں تبدیل ہو گئی تو اب اس کا حکم بھی بدل گیا کہ پہلے صرف فقیر کھا سکتا تھا مگر اب امیر و فقیر سب کھا سکتے ہیں چنانچہ شیخ محقق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز فقیر کو زکوٰۃ کے طور پر دی پھر فقیر نے وہ چیز کسی ایسے (مالدار) شخص کو دے دی جس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں تو وہ چیز اس شخص کے لیے حلال و جائز ہے کیونکہ وہ اب فقیر کے ملک میں آ چکی ہے وہ جس کو دے دے جائز ہے۔

[اشعۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۷ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھرا]

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ملکیت بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے لہذا اگر فقیر کو زکوٰۃ دی گئی اس نے اس زکوٰۃ سے غنی یا سید کی دعوت و ضیافت کر دی یا وہ زکوٰۃ کی رقم کسی مسجد سرائے یا کنوئیں پر خیرات کر کے گا دی تو یہ جائز ہے کہ زکوٰۃ تو فقیر پر ختم ہو گئی اب یہ فقیر کی طرف سے ہدیہ ہے دیکھو نبی کریم ﷺ نے حضرت بریرہ پر صدقہ کیا ہوا گوشت کھا لیا کہ اب یہ ہدیہ اور نذرانہ بن گیا تھا اس سے بہت سے فقہی مسائل

حل ہو سکتے ہیں۔ [امراء شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۳۸، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات]

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۶۔ کتاب الصوم

۱۔ باب فضیلة الصوم

۲۰۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ
الزَّيَّاتِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى كُلُّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ
لَهُ إِذَا الصَّيَامُ لَهُ يُؤْتَى زَانَا أَجْرِي بِهِ.

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

روزہ کے احکام

روزے کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کا ہر عمل اس کے لیے ہے ماسوا روزوں
کے کیونکہ روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ عطا کروں گا۔

بخاری (۱۸۹۴) مسلم (۲۷۰۸) ترمذی (۷۶۴) نسائی (۲۲۲۱) ابن ماجہ (۱۶۳۸)

حل لغات

”أَجْرِي“ صیغہ واحد حکم فعل مضارع معروف یا مجهول مثبت باب ضَرْبٌ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: بدلہ، صلہ
عوضانہ دینا۔

روزوں کے فوائد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اولاد آدم کی ہر نیکی دس گناہ سے لے کر سات سو گنا تک
بڑھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سوائے روزہ کے کیونکہ روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ عطا کروں گا وہ میری وجہ سے
اپنی نفسانی خواہش اور اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب
تعالیٰ سے ملاقات کے وقت اور روزہ دار کے منہ کی بول اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ و بہتر ہے اور روزے ڈھال
ہیں اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ نہ بری بات کہے اور نہ شور مچائے سوا اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرے یا لڑائی جھگڑا
کرے تو وہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ متفق علیہ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۳، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرافیہ لبنان]

(۲) حضرت عبداللہ بن ابی اویلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ روزہ دار کی نیند عبادت ہے اور اس کی خاموشی تسبیح ہے اور اس کا عمل بڑھا
چڑھا کر عطا کیا جائے گا اور اس کی دعا مقبول ہوتی ہے اور اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ [کنز العمال: ۲۳۵۵۷]

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ روزے ڈھال ہیں جب تک انہیں جھوٹ اور غیبت کی وجہ سے توڑ نہ دیا جائے۔
[کنز العمال: ۲۳۵۶۲]

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: روزے نصف صبر ہیں اور ہر چیز پر زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزے ہیں۔
[کنز العمال: ۲۳۵۶۲]

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
روزہ اور قرآن مجید قیامت کے دن روزہ دار بندے کی سفارش کریں گے روزہ کہے گا: اے رب! بے شک میں نے دن کو
اسے کھانے پینے اور خواہشات نفسانی روکے رکھا سوا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور قرآن مجید کہے گا: اے رب!

میں نے رات کو اسے سونے سے روکے رکھا سو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما چنانچہ دونوں کی شفاعت اس کے حق میں قبول کی جائے گی۔ [کنز العمال: ۲۳۵۷۰]

(۶) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بے شک جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریان کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن اس سے صرف روزے دار جنت میں داخل ہوں گے ان کے علاوہ اس سے کوئی اور داخل نہیں ہوگا اس دن کہا جائے گا کہ روزے دار کہاں ہیں؟ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے اور اس دروازے سے داخل ہو جائیں گے جب تمام روزہ دار داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر کوئی داخل نہیں ہو سکے گا اور جو شخص اس میں داخل ہوگا اسے ایسا مشرب پلایا جائے گا جس کے بعد کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

[کنز العمال: ۲۳۵۷۳-۲۳۵۷۵]

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: روزہ داروں بھر عبادت میں رہتا ہے اگر چہ وہ بستر پر سوتا ہو۔ [کنز العمال: ۲۳۶۰۲]

(۸) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سات اعمال ہیں دو عمل واجب کرنے والے ہیں اور دو عملوں کا ایک گن بدلہ ملے گا اور ایک عمل کا دس گن بدلہ ملے گا اور ایک عمل کا سات سو گنا ثواب ملے گا اور ایک عمل ایسا ہے جس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن دو واجب کرنے والے اعمال میں ایک یہ کہ جو شخص اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا کہ وہ (دنیا میں) اس کی خالص عبادت کرتا رہا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور دوسرا وہ شخص جو اس حال میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا کہ وہ (دنیا میں) اس کے ساتھ شرک کرتا رہا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ واجب ہوگئی اور جس نے کوئی برائی کی تو اسے اسی کی مثل ایک سزا ملے گی اور جس نے کسی نیکی کا پختہ ارادہ کیا (مگر اس کو نہ سکا) تو اس کو اسی کے مثل ایک ثواب ملے گا اور جس نے نیکی کر لی تو اسے دس گنا ثواب عطا کیا جائے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا تو اس کا اجر و ثواب بڑھایا جائے گا۔ ایک درہم خرچ کرنے پر سات سو درہم اور ایک دینار پر سات سو دینار خرچ کرنے کا اسے ثواب ملے گا (یعنی سات سو گنا ثواب ملے گا) اور روزے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ان کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ [کنز العمال: ۲۳۶۱۶]

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: روزے رکھا کر دھت مند ہو جاؤ گے۔ [کنز العمال: ۲۳۶۰۰]

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میری امت کے نوجوان خفی ہونے کے لیے (یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو کنٹرول کرنے اور ناکاری سے بچنے کے لئے) دن کو روزہ رکھیں اور رات کو اٹھ کر عبادت کریں۔ [کنز العمال: ۲۳۵۹۳]

(۱۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تین قسم کے آدمی جس قدر کھائیں یہیں ان پر حساب نہیں ہوگا بشرطیکہ کھانا پینا حلال ہو: (۱) روزہ دار (۲) سحری کھانے والا (۳) اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دینے والا۔ [کنز العمال: ۲۳۵۹۹]

(۱۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تین قسم کے آدمیوں سے نعمتوں کے بارے میں سوال نہیں ہوگا (۱) کھلانے والا (۲) سحری کھانے والا (۳) مہمان نوازی کرنے والا اور تین قسم کے آدمیوں کو سوء خلق کے ساتھ پیش آنے پر ملامت نہیں کیا جائے گا (۱) مریض (۲) روزہ دار جب تک روزہ افطار نہ کر لے (۳) عادل امام۔ [کنز العمال: ۲۳۶۳۲]

(۱۳) حضرت ام عمارہ بنت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں: بے شک جب روزہ دار کے پاس کھانا کھایا جاتا ہے تو لڑتے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ [کنز العمال: ۲۳۶۳۷]

(۱۴) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جو شخص روزہ دار ہو اور روزے کی حالت میں فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے قیامت تک روزے لکھ دے گا۔ [کنز العمال: ۲۳۶۳۸]

(۱۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب قیامت کا دن ہوگا تو روزے دار اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ انہیں ان کے روزوں کی ہوا سے پہچان لیا جائے گا کیونکہ ان کے مونہوں کی بومشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ لہر بہتر ہوگی اور انہیں دسترخوانوں اور مشک سے مہر شدہ چاندی کے آب خوروں کے پاس بلایا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا: تم بھوکے ہو کھانا کھاؤ اور تم پیاسے ہو مشروبات پی لو تم تھکے ماندے ہو آرام کرو چنانچہ جب یہ روزہ دار لوگ آرام کریں گے اور کھائیں اور پییں گے تو دوسرے لوگ بھوکے پیاسے حساب میں معلق ہوں گے۔ [کنز العمال: ۲۳۶۳۹]

نوٹ: یہ چند احادیث مرفوعہ اور قولی ذکر کی گئی ہیں۔ مکمل تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

[کنز العمال کتاب الصوم من قسم الاقوال ج ۸ ص ۲۲۵۵ تا ۲۲۵۶ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان]

محرمات سے بچنے

اور بھوک کی فضیلت

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مؤمن دن بھر بھوکا رہے اور حرام کاموں سے بچتا رہے اور مسلمانوں کا مال ناحق نہ کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا۔

۲۔ بَابُ فَضِيلَةِ الْجُوعِ مَعَ

اجْتِنَابِ الْمَحَارِمِ

۲۰۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيٍّ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارُ مَنْ مَرَّ بِجَاعٍ يَوْمًا فَلَا يَجْتَنِبُ الْمَحَارِمَ وَلَمْ يَأْكُلْ مَالِ الْمُسْلِمِينَ بَاطِلًا إِلَّا أَطْعَمَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ لِمَارِ الْجَنَّةِ. سنن الدارقطني (۷۵۶)

حل لغات

”جوع“ صیغہ واحد مذکر فاعل فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: بھوکا رہنا۔ ”اجْتَنَبَ“ صیغہ واحد مذکر فاعل فعل ماضی معروف مثبت باب اتعال سے ہے اس کا معنی ہے: بچنا، پرہیز کرنا۔ ”المحارم“ یہ حرمت کی جمع ہے اس کا معنی ہے: حرام و ناجائز ہونا۔ ”أَطْعَمَهُ“ اس میں ”أَطْعَمَ“ صیغہ واحد مذکر فاعل فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: کھانا کھلانا، کھلانا، آخر میں ضمیر مفعول بہ ہے۔

بھوک کے فضائل اور ناجائز کاموں سے پرہیز کی تاکید

اس حدیث میں تین اعمال کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے (۱) بھوکا رہنا۔ دراصل تمام مذاہب میں عقلاً اور شرعاً بھوک برداشت کرنا اور بھوکا رہنا پسندیدہ عمل ہے خصوصاً روزے کی حالت میں بھوکا پیاسا رہنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی میں ہر عاقل بالغ صحت مند اور مقیم مسلمان پر سال بھر میں ماہ رمضان المبارک میں پورے ایک ماہ کے روزے فرض کر دیئے گئے تاکہ انسان میں بھوک و پیاس برداشت کرنے اور نفسانی خواہشات کو کنٹرول کرنے کی عادت و صفت پیدا ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْيَسْلُوا نَفْسَهُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ نَقْصِ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالشَّعْرَةِ. [البقرة: ۱۵۵]

اور البتہ ہم کچھ خوف و ڈر، بھوک اور پیچھ مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان میں تمہیں مبتلا کر کے ضرور آزمائیں گے۔

(۱) بطن جنان احب الی اللہ من سبعین عابدا غافلا. [طبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۶۳]
بھوکے پیٹ والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ستر غافل عبادت گزاروں سے زیادہ محبوب ہے۔

پس بھوکا رہنا بہت بلند مقام ہے اور تمام امتوں اور ملتوں میں پسندیدہ ہے۔ ظاہر ہے بھوکے انسان کا دل و دماغ بہت تیز ہوتا ہے اور اس کی طبیعت صحت مند اور چست ہوتی ہے کیونکہ بھوک نفس کو انکساری اور دل کو عجز و نیاز سکھاتی ہے۔ بھوکے آدمی کا جسم مٹھکرا اور دل عاجز ہوتا ہے اور قوت نفس بھوک سے ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۲) اجبِعُوا بَطُونَكُمْ وَاَعْرِوا اَجْسَادَكُمْ وَاظْمُوا اَكْبَادَكُمْ لَعَلَّكُمْ قُلُوبُكُمْ تَرَى اللہ عِیَانًا فی الدنیا. [شرح حیا وعلوم سادۃ المستعین ج ۷ ص ۳۸۸]
شکم کو بھوکا اور جگر کو پیاسا رکھو اور جسم کو (ضرورت سے زائد) لباس سے آزاد رکھو تا کہ تمہارے دل دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے فیض یاب ہوں۔

جسم کو بھوک سے تکلیف تو ہوتی ہے مگر دل کو روشنی ملتی ہے۔ روح کو صفا اور دل کو ضیا نصیب ہوتی ہے۔ بھلا جسمانی تکلیف سے کیا نقصان ہوتا ہے البتہ بسیار خوری کوئی قابلِ توقیر چیز نہیں ورنہ موسیٰ بنوں کو زیادہ نہ کھلایا جاتا۔ بسیار خوری تو موسیٰ بنوں کا کام ہے اور بھوک بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ بھوک باطن کی پرورش کرتی ہے۔ پیٹ بھر کر کھانا تن پروری ہے بھلا وہ آدمی جو ساری عمر تن پروری میں مصروف رہے اور جسمانی خواہشات پر خرچ کرے اس شخص کے برابر کس طرح ہو سکتا ہے جو ساری عمر اپنے باطن کی پرورش کرے۔ راہ حق میں منفرد ہو اور عطا فی دنیا سے آزاد ہو۔ ایک دنیا دار ہے جسے دنیا صرف کھانے کے لیے درکار ہے اور دوسرا دوست حق ہے جسے کھانا صرف عبادت کرنے کے لیے ضروری ہے۔ ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ پہلے لوگ صرف اس لیے کھاتے تھے کہ زندہ رہیں اور تم اس لیے زندہ رہتے ہو کہ کھاتے رہو حالانکہ بھوک صدیقیوں کا طعام اور مریدوں کا مسلک اور شیاطین کی قید ہے۔ [ماغز الذکف الکبیر باب بھوک اور اس سے متعلق امور ص ۳۲۸-۳۲۷ مطبوعہ نیاہ القرآن پبلی کیشنز لاہور]

(۲) محارم سے بچنا جیسے عیب جوئی، غیبت، حسد، کینہ، عداوت، دشمنی اور چغل خوری وغیرہم سے بچنا کیونکہ یہ سب خرابیاں سخت حرام ہیں ان سے امت میں افتراق و انتشار پیدا ہوتا ہے اور اپنی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں، میزان عیبوں کی وجہ سے آدمی خود غرض اور غیر مستحضر ہو جاتے ہیں اور معاشرے سے تنہا رہ جاتے ہیں چنانچہ:

(۱) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اے میرے صحابو!) کیا میں روزے، صدقہ و خیرات اور نماز سے بڑھ کر درجہ والی چیز نہ بتاؤں۔ راوی کہتا ہے: ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں ضرور بتائیں آپ نے فرمایا: آپس کے باہمی تعلقات و معاملات کی اصلاح کرنا اور (یاد رکھو) آپس کے تعلقات و معاملات کا بگاڑ (نیکیوں کو) موٹہ دینے والا ہے۔ اس کو ابو داؤد اور ابویسیٰ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ [مرآۃ ج ۶ ص ۶۱۴]

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ایاکم والحسد فان الحسد یا کل الحسنات کما تاكل النار الحطب. [رواہ ابو داؤد]
اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا دیتی ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے اور تم نہ تو عیب جوئی کرو اور نہ کسی کی خفیہ باتیں سنو اور نہ تم ایک دوسرے کو دھوکہ دو اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو اور نہ ایک دوسرے

سے بغض و کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ تم

لغسائیت و انانیت کی وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف لسانہ پھیلاؤ۔ "مطلق علیہ" [مراۃ ج ۶ ص ۲۰۸-۲۰۷]

(۳) ناحق اور ناجائز طریقے سے مسلمانوں کے مال کھالے سے پھنسا جیسے چوری، خیانت و ہدیانہی، ڈاکہ زنی، جوا بازی، رشوت، سوڈ

موسیقی، گلوکاری، دھوکہ دہی، ملاوٹ اور دوسرے حیلوں بہانوں کے ذریعہ مسلمانوں کا مال کھانا باطل و حرام اور ناحق و ناجائز ہے

جس سے پھرنا واجب و ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُم بَيْنَكُم

اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے

سے نہ کھاؤ۔

[النساء: ۲۹]

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی تمام امت کو خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا مال ناحق نہ کھائے۔ جو سوڈ

دھوکے سے بنا ہوا مال، غصب شدہ مال، کسی کے حق کا انکار مثلاً کسی کی مزدوری، اجرت یا کرایہ کا انکار کر کے اس کا حق مار لینا یا وہ مال

جس کو شریعت نے حرام کر دیا ہے مثلاً فاحشہ کی اجرت اور شراب اور مردار کی قیمت یہ تمام قسم کے مال حرام ہیں اور ان کا کھانا ناجائز نہیں

ہے۔ [تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۳۰ مطبوعہ لریڈ بک شال ۱۳۸۸ھ دارالافتاء دار]

عاشوراء کے دن روزہ

رکھنے کی فضیلت

۳۔ بَابُ فَضِيْلَةِ الصَّوْمِ فِيْ

يَوْمِ عَاشُوْرَاءِ

حضرت حمید بن عہد الرحمن حمیری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے

بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے صحابہ کرام میں سے ایک صحابی سے

دس محرم الحرام کے دن فرمایا کہ تم اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ آج کے دن کا

روزہ رکھیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو کھاپی چکے ہیں۔ آپ نے

فرمایا: اگرچہ وہ کھاپی چکے ہیں (پھر بھی اس دن کی حرمت میں روزہ دار

کی طرح باقی دن کچھ نہ کھائیں نہیں)۔

۲۰۳۔ اَبُو حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِي رَافِعٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ

حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُمَيْرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْجَلْ مِنْ اَصْحَابِهِ يَوْمَ

عَاشُوْرَاءِ مَرَقَرْتُمْ فَلْيَصُومُوْا هَذَا الْيَوْمَ لَالِ اِنَّهُمْ

طَعَمُوْا كَالِ وَاِنْ كَانُوْا قَدْ طَعَمُوْا۔

بخاری (۲۰۰۷) مسلم (۲۶۶۹) ابن ماجہ (۱۷۳۵)

حل لغات

"مَرَقَرْتُمْ" صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر حاضر معروف باب نَصَوُ يَنْصُوْ سے ہے اس کا معنی ہے: حکم دینا۔ "فَلْيَصُومُوْا" صیغہ

جمع مذکر غائب فعل امر غائب معروف باب نَصَوُ يَنْصُوْ سے ہے اس کا معنی ہے: روزہ رکھنا۔ "طَعَمُوْا" صیغہ جمع مذکر غائب فعل

ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: کھانا۔

عاشورہ کے دن اور ماہ رمضان کے روزوں کی اہمیت

ملاحظی قاری لکھتے ہیں:

(۱) عثمانیات البخاری میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عاشورہ (دس محرم)

کے دن ایک آدمی کو بھیجا کہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ جس نے کھاپی لیا تو وہ روزہ رکھے (یعنی احتراماً کھانا پینا بند رکھے) اور

جس نے کچھ نہیں کھایا تو اب وہ نہ کچھ کھائے نہ پئے (بلکہ روزے کی نیت کرے) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جس نے کھا

لیا ہے تو وہ باقی دن کا روزہ رکھ لے اور جس نے کچھ نہیں کھایا پیا تو وہ روزہ رکھ لے کیونکہ یہ دن عاشورہ کا دن ہے۔

(۲) صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ عاشورہ کے روزہ رکھنے کا ہمیں حکم دیتے تھے اور ہمیں ترغیب دیتے تھے یا ہم سے عہد لیتے تھے پھر جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو ہم سے عہد نہیں لیا اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ پھر جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہو گئے تو آپ نے فرمایا: جو شخص چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ [شرح امام اعظم ص ۲۹۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان المبارک کے بعد افضل و بہتر روزے اللہ تعالیٰ کے ہاں محرم کے ہیں اور فرض نماز کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔ [رواہ مسلم]

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کسی دن کے روزوں کو دوسرے دنوں پر فضیلت و بزرگی دیتے ہوئے کوشش کرتے ہوں سوائے عاشورہ کے دن اور ماہ رمضان المبارک کے (متفق علیہ)۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کے دن روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ وہ دن ہے جس کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر ہم آئندہ سال زندہ رہے تو نویں محرم کا روزہ بھی رکھیں گے۔ [رواہ مسلم] [مشکوٰۃ ص ۱۷۸ مطبوعہ مجمع المطابع دہلی]

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں سو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم کس سبب کی بنا پر اس دن روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ ایک عظیم الشان دن ہے کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات عطا فرمائی اور فرعون اور اس کی قوم کو فرق کر دیا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر ادا کرنے کے لیے اس دن روزہ رکھا سو ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے شکر ادا کرنے کا تم سے زیادہ ہمارا حق ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

[صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۵۵۳ ج ۱ ص ۳۵۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء]

عاشورہ کے روزے کا حکم

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اب عاشورہ کا روزہ سنت ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ماہ رمضان المبارک سے پہلے جب عاشورہ کا روزہ شروع ہوا تو اس وقت یہ واجب تھا یا مستحب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت یہ واجب تھا اور امام شافعی کے نزدیک اس وقت یہ مستحب تھا لیکن اس کا استحباب مؤکد تھا بعد میں صرف مستحب رہ گیا۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے: آپ نے روزے کا حکم دیا اور امر و جوب کے لیے ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو آپ نے فرمایا: جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے عاشورہ کے روزے کو ترک کرنے کا اختیار نہیں تھا اور یہ وجوب کی علامت ہے اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ نے تم پر عاشورہ کا روزہ نہیں لکھا" لیکن اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرضیت کی نفی ہے وجوب کی نفی نہیں ہے اس لیے امام اعظم کا فرمانابی صحیح ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ عاشورہ سے ایک روز پہلے اور ایک روز بعد روزہ رکھنا چاہئے تاکہ یہود کی مخالفت ہو۔ محیط میں ہے کہ تنہا عاشورہ کا روزہ رکھنا یہود کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے۔ بدائع میں ہے کہ بعض فقہاء نے تنہا عاشورہ کا روزہ مکروہ قرار دیا ہے اور اکثر فقہاء نے کہا ہے کہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ دن فضیلت والے دنوں میں سے

ہے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۱۸ مطبوعہ دارالطباعۃ النیرین مصر ۱۳۳۸ھ)

عاشورہ کے دن کی فضیلت

علامہ بخاری نے لکھا ہے کہ اس دن کو یوم عاشورہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے دس انبیائے کرام علیہم السلام کو کرامات و اعزازات سے نوازا:

- (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس دن کامیاب کیا کہ ان کے لیے دریا کو چیرا اور فرعون اور اس کے لشکر کو اس میں غرق کر دیا (۲)
- حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی دن جو دی پہاڑ پر ٹھہری (۳) حضرت یونس علیہ السلام نے اس دن مچھلی کے پیٹ سے نجات پائی (۴)
- حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اس دن قبول ہوئی (۵) حضرت یوسف علیہ السلام کو اس دن کنوئیں سے نکالا گیا (۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دن پیدا ہوئے اور اسی دن ان کو آسمان پر اٹھایا گیا (۷) حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ اس دن قبول ہوئی (۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی دن پیدا ہوئے (۹) حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹائی اس دن لوٹ آئی (۱۰) رسول اللہ ﷺ کی مغفرت و عصمت کا اعلان اسی دن کیا گیا۔ علامہ بخاری لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ (۱۱) حضرت ادریس علیہ السلام کو اسی دن آسمان کے بلند مقام پر اٹھایا گیا (۱۲) حضرت ایوب علیہ السلام نے اسی دن بیماری سے شفاء پائی تھی (۱۳) حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسی دن ملک دیا گیا۔

[شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۲۸۔ ۱۲۹ مطبوعہ فرید بک سنال اردو ہزارہ لاہور]

خرگوش کھانے کا جواز اور ایام بیض

کے روزوں کی ترغیب

۴۔ بَابُ جَوَازِ أَكْلِ الْأَرْتَبِ

وَفَضِيلَةُ الصَّوْمِ فِي الْأَيَّامِ الْبَيْضِ

۲۰۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ مُوسَى ابْنِ طَلْحَةَ عَنْ ابْنِ الْحَوَاتِمِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَرْتَبٍ فَأَمَرَ أَصْحَابَهُ فَأَكَلُوا وَقَالَ لِلَّذِي جَاءَ بِهَا مَا لَكَ لَا تَأْكُلُ مِنْهَا قَالَ إِنِّي صَائِمٌ قَالَ وَمَا صَوْمُكَ قَالَ تَطَوُّعٌ قَالَ فَهَذَا الْبَيْضُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک (پکا پکایا) خرگوش پیش کیا گیا سو آپ نے اپنے صحابہ کرام کو اس کے کھانے کا حکم دیا تو انہوں نے کھالیا اور آپ نے خرگوش لانے والے آدمی سے پوچھا: تم اس میں سے کیوں نہیں کھاتے؟ اس نے عرض کیا کہ میں روزے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمہارا کون سا روزہ ہے؟ اس نے کہا: نفلی روزہ ہے۔ آپ نے فرمایا: تم ایام بیض (ہر ماہ کے تیرہ چودہ پندرہ) کے روزے کیوں نہیں رکھتے؟

نسائی (۲۴۲۳-۲۴۲۹-۲۴۳۰-۲۴۳۱)

حل لغات

”اِنِّي“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: آنا لیکن جب اسے حرف باء وغیرہ سے متعدی کیا جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے لانا جیسے یہاں ”اِنِّي بِأَرْتَبٍ“ میں ہے۔ ”أَرْتَبٌ“ کا معنی ہے: خرگوش۔ ”بَيْضٌ“ یہ اسم تفصیل ابیض کی جمع ہے اس کا معنی ہے: سفید روشن چمک دار۔

خرگوش کے حلال ہونے کا بیان

معلوم ہوتا چاہے کہ اس حدیث میں تین مسائل کا ذکر کیا گیا ہے: (۱) خرگوش کا کھانا (۲) نفلی روزہ افطار کرنے کا جواز (۳) ایام بیض کی ترغیب و فضیلت۔

اس حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو خرگوش کے کھانے کا حکم دیا اور انہوں نے اس کو کھایا۔ اس سے ایک یہ ثابت ہوا کہ خرگوش پاکیزہ پیش کیا گیا اور دوسرا یہ ثابت ہوا کہ خرگوش حلال ہے اس کا کھانا جائز ہے ورنہ آپ صحابہ کرام کو اس کے کھانے کا حکم نہ دیتے۔ نیز اس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خرگوش نہ کھانے پر کوئی صریح دلیل نہیں ہے لیکن ابو داؤد نے اپنی سنن میں خالد بن حویرث سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ خرگوش کو حیض (خون) آتا ہے۔ خالد بن حویرث کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس کو نہیں جانتا البتہ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ان کی صرف یہی ایک حدیث معروف ہے اور اس کی تائید اس حدیث ہوتی ہے جسے امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک خرگوش پیش کیا گیا تو آپ نے نہ اسے خود کھایا اور نہ اس کے کھانے سے منع کیا اور انہوں نے خیال کیا کہ اس کو حیض آتا ہے۔ اتھنی اور ظاہر یہ ہے کہ زعم میں ضمیر ابن عمر کی طرف لٹوتی ہے یعنی ابن عمر نے گمان کیا کہ اس کو حیض آتا ہے اور اگر اپنی طبیعت کے مقتضی کے مطابق رسول اللہ کا خرگوش کھانا صحیح ثابت نہ بھی ہو لیکن جب آپ نے صحابہ کرام کو کھانے کا حکم دے دیا تو یہ دلیل ہے کہ خرگوش اصل میں حلال ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ تمام علمائے دین کے نزدیک خرگوش کا کھانا حلال ہے سوائے حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص اور ابن ابی لیلیٰ کے ان کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اس کا کھانا مکروہ قرار دیا ہے۔

(۱) جمہور اہل سنت کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ایک جماعت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت انس نے بیان فرمایا کہ ہم نے مرطلہ ان میں ایک خرگوش کو چیز چلنے ہوئے دیکھا تو لوگ اس کے پیچھے دوڑ پڑے اور اسے گھیر لیا اور میں نے اسے پا کر پکڑ لیا پھر میں اس کو لے کر حضرت ابوطالب کے پاس آیا تو انہوں نے اسے ذبح کیا اور انہوں نے خرگوش کی سرین کا حصہ اور اس کی ایک ران رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دی اور آپ نے اسے قبول فرمایا۔ امام بخاری نے کتاب الہبہ میں مزید یہ جملہ روایت کیا ہے کہ ”واكمل منها“ اور رسول اللہ نے اس میں سے کچھ خود تناول فرمایا اور ابو داؤد میں یوں ہے: (حضرت انس کہتے ہیں) کہ میں بلوغت کے قریب نو خیر لڑکا تھا سو میں نے خرگوش ذبح کیا اور میں نے اس کو بھونا پھر حضرت ابوطالب نے اس کی سرین کا حصہ نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ حلال ہے۔

(۲) امام احمد نسائی ابن ماجہ حاکم اور ابن حبان نے حضرت محمد بن صفوان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے دو خرگوش شکار کیے اور انہیں دو چھریوں سے ذبح کیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں خرگوش کھانے کا حکم دیا۔ اور ابن ابی لیلیٰ اور ان کے دیگر مؤلفین نے اس حدیث سے استدلال کیا جسے امام ترمذی نے حبان بن جریہ کی وساطت سے ان کے بھائی خزیمہ بن جریہ سے روایت کیا ہے۔ خزیمہ نے کہا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ خرگوش کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس کو حرام قرار دیتا ہوں۔ راوی کہتا ہے: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا: بے شک میں گمان کرتا ہوں کہ اسے خون آتا ہے۔ راوی کہتا ہے: میں نے عرض کیا: آپ بھوکے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اور بھوکوں کو کھائے گا؟ امام ترمذی نے فرمایا: اس حدیث کی اسناد قوی نہیں اور اس کو ابن ماجہ نے حضرت ابو بکر بن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ میں نے آپ سے بھڑیئے کے بارے میں دریافت کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ بھڑیئے کو کوئی ایسا

فمن نہیں کھا سکتا جس میں ذرہ بھر بھلائی ہو اور ضعیف ہونے کے باوجود ان دونوں احادیث میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو خرگوش کو حرام قرار دینے پر دلالت کرتی ہو۔ ان دونوں (ابن عمرو بن عاص اور خزیمہ بن جزو) کی حدیثوں کی غایت یہ ہے کہ خرگوش کھانے کے جواز کے باوجود اسے خون آنے کی وجہ سے گھن آتی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۱۱-۳۱۰، مطبوعہ بیروت]

نفل روزہ افطار کرنے کا جواز

سو اس پر تو سب متفق ہیں کہ دعوت و ضیافت وغیرہ جیسے عذر کی وجہ سے نفلی روزے کو افطار کرنا جائز ہے البتہ اس کے قضاء کے وجوب میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ نفلی روزہ افطار کرنے پر اس کی قضاء واجب ہو جاتی ہے اور عقل سلیم بھی اس کی تائید کرتی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں آپ فرماتی ہیں کہ میں اور حضرت حفصہ روزہ سے نہیں اور ہمارے پاس ہماری چاہت و خواہش کے مطابق پسندیدہ کھانا آیا تو ہم نے اسے کھالیا پھر حضرت حفصہ نے یہ واقعہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: تم اس کی جگہ دوسرے دن قضاء روزہ رکھ لو اور امر و وجوب کے لیے آتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ نفلی روزہ کی قضا واجب ہے۔ باقی یہ شہہ پیدا کرنا کہ ممکن ہے وہ روزہ قضا پانڈرکا ہو تو یہ عقل و قیاس سے بہت بعید ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر اس کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی اس لیے کہ قضا اور نذر کا روزہ ہر حال میں واجب ہوتا ہے اور اس کا وجوب کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا پھر ایسی صورت میں تو آپ ان کو ڈانٹ دیتے 'میز صحابہ کرام خود فرائض و واجبات پر سختی سے پابندی کرتے تھے اور کسی صورت میں ان کو نہیں توڑتے تھے خصوصاً ارکان اربعہ ضروریہ (نماز روزہ حج اور زکوٰۃ) کو نہ کبھی چھوڑتے تھے اور نہ ان کو شروع کر کے توڑتے بلکہ بڑی پابندی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

ایام بیض کے روزوں کی فضیلت

چونکہ یہ روزے سنت سے ثابت ہیں اس سے اعتبار سے یہ روزے مسنون ہیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر ہر زمانہ کے اہل علم و زکاں دین نے انہیں پسند کیا اور اپنے اعمال صالحہ میں شامل رکھا اس لیے اس اعتبار سے یہ روزے مستحب ہیں اور چونکہ ان دنوں میں روزے رکھنا آپ کی عادت میں شامل تھا اس لیے یہ آپ کی عملی سنت بھی ہیں۔ بہر حال ان روزوں کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں لیکن یہاں چند احادیث پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوذر غفاری سے فرمایا: جب تم مہینہ کے تین روزے رکھنا چاہو تو ہر مہینے کی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزے رکھا کرو۔

[رواہ احمد و ترمذی و نسائی و ابن حبان]

(۲) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا: اگر تم روزے رکھنا چاہو تو مہینہ کے روشن و سفید دنوں کی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزوں کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ اس حدیث کو نسائی نے تخریج کیا ہے۔ [تسبیح النکاح ص ۱۰۸ حاشیہ ۱، مکتبہ رحمانیہ لاہور]

(۳) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخر میں ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر ماہ کے تین روزے اور ایک رمضان کے بعد دوسرے رمضان کے روزے تمام عمر کے روزے ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ وہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے پر ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور مجھے اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھنے سے وہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف فرمادے گا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ باب میام الصلوٰۃ الفصل الاول ص ۹۷، مطبوعہ مجمع المطابع دہلی]

(۴) ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام چار کام کبھی نہیں چھوڑتے تھے: عاشورہ کا روزہ، بقرعہ کے دس دن کے روزے اور ہر مہینے کے تین روزے اور نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں (سنت)۔ ”رواہ الترمذی“ [مشکوٰۃ ص ۱۸۰] مطبوعہ اصح الطابع [دہلی] یعنی نبی کریم ﷺ نے وفات تک یہ تینوں روزے رکھے لہذا یہ سب سنت ہیں۔ بقرعہ کے دس دن سے نو دن مراد ہیں ورنہ دسویں بقرعہ کو روزہ حرام ہے نیز یہاں نبی کریم ﷺ کا اکثری عمل مراد ہے نہ کہ ہمیشہ کا۔ لہذا یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ کی اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں آپ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کو بقرعہ کے عشرہ میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ بقرعہ کا عشرہ بہت ہی بہترین زمانہ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں بہترین ہیں کہ ان سب میں شب قدر ہے اور بقرعہ کے پہلے عشرہ کے دن افضل ہیں کہ ان میں عرفہ کا دن ہے۔

[اثر اشرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۹۵، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، مکتبہ]

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایام بیض (روشن دنوں) حیرہ چودہ اور پندرہ کے روزے بھی نہ چھوڑتے تھے نہ گھر میں اور نہ سفر میں۔ ”رواہ النسائی“ [مشکوٰۃ ص ۱۸۰، ملبودہ اصح المطابع دہلی] اعلیٰ قاری نے یہاں مرقات میں فرمایا کہ ایام بیض کے متعلق ۹ قول ہیں جن میں زیادہ قوی قول یہ ہے کہ چاند کی حیر ہو یا چودھویں اور پندرہویں کی راتیں مراد ہیں۔ انہیں ایام بیض یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ ان دنوں کی راتیں اجیالی اور روشن ہوتی ہیں یا اس لیے کہ ان تاریخوں کے روزے دنوں کو بھی نورانی اور اجیالا کر دیتے ہیں یا اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اعضاء جنت سے آکر سیاہ ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان تین روزوں کا حکم دیا۔ ہر روزے سے آپ کا تہائی جسم نورانی اور چمکیلا ہو جاتا حتیٰ کہ تین روزوں کے بعد سارا جسم نہایت حسین و جمیل ہو گیا۔ [مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۹۶۔ ۱۹۵، نبی سب خانہ کراچی]

تم میں سے کوئی شخص حضرت بلال کی

٥- بَابُ لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ آذَانُ

اذان پر اپنی سحری بند نہ کرے

هَلَالٌ عَنْ مَحْمُودٍ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک (حضرت) بلال رات کو اذان دیتے ہیں سو تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ (حضرت) ابن ام مکتوم اذان دیں کیونکہ وہ اس وقت اذان دیتے ہیں جبکہ نماز فجر کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے۔

٢٠٥- أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ هَمْرٍ
قَالَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقُولُ إِنَّ بِلَالًا يُنَادِي بِبَلِّ لَكُمْ لِكُلِّوَا وَاشْرَبُوا حَتَّى
يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ وَقَدْ حَلَّتِ الصَّلَاةُ.

بخاری (۱۹۱۸-۱۹۱۹) مسلم (۲۵۳۶) ترمذی (۷۰۶) نسائی (۶۳۸)

حل لغات

”پناہی“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب مفاعلہ سے ہے، اس کا معنی ہے: پکارنا، چہ آواز بلند بلانا، آواز لگانا، اذان دینا۔ ”حَلَّتْ“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب حَضَرَبْ بِضَرْب سے ہے، اس کا معنی ہے: حلال ہونا، جائز ہونا، وقت کا داخل ہونا۔

حضرت بلال لوگوں کو سحری کھانے کے لیے اذان کے ذریعہ بیدار کرتے تھے

واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ماہ رمضان المبارک میں دو اذانیں ہوتی تھیں۔ ایک اذان بحری کے لیے جگانے

اور نماز تہجد میں مشغول و مصروف حضرات کو سحری کھانے کے لیے بروقت آگاہ کرنے کے لیے ہوتی تھی تاکہ سونے والے اٹھ کر سحری کا انتظام کر لیں اور نماز تہجد والے تہجد ختم کر کے سحری کھالیں اور یہ اذان صبح صادق سے بہت پہلے رات کو ہوتی تھی اور یہ اذان حضرت بلال پڑھتے تھے اور دوسری اذان صبح صادق طلوع ہو جانے کے بعد نماز فجر کی اطلاع دینے کے لیے ہوتی تھی اس لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غالباً پہلے رمضان المبارک میں صحابہ کرام پر واضح فرمادیا کہ حضرت بلال کی اذان پر سحری کھانا بند نہ کرو کیونکہ وہ تو صبح صادق سے بہت پہلے رات کو اذان دیتے ہیں لہذا تم سحری کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں کیونکہ وہ صبح صادق کے بعد نماز فجر کا وقت شروع ہونے پر اذان دیتے ہیں۔

وقت سے پہلے اذان دینے کی تحقیق و تردید

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی اذان کو اس کے وقت سے پہلے دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اذان کا مقصد مسلمانوں کو یہ اطلاع ہونا ہے کہ نماز کا وقت شروع ہو گیا۔ اگر نماز کے وقت سے پہلے اذان دے دی جائے تو اول تو یہ مقصد فوت ہو جائے گا۔ ثانیاً ہو سکتا ہے کہ وقت سے پہلے اذان دینے کی صورت میں کوئی شخص اذان سن کر نماز پڑھ لے اور وقت سے پہلے بالاتفاق نماز نہیں ہوتی سو اس صورت میں قبل از وقت نماز پڑھنے کی وجہ سے جس کی نماز نہیں ہوگی اس کا ذمہ دار وقت سے پہلے اذان دینے والا ہوگا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”المؤذن مؤمن“۔ [جامع ترمذی ص ۷۵] مؤذن امین (امانت دار) ہوتا ہے کیونکہ مسلمانوں کی نمازیں اس کی امانت ہوتی ہیں۔ اس کے برخلاف امام شافعی کے نزدیک فجر کی اذان وقت سے پہلے دینا جائز ہے۔ ان کی دلیل یہی حدیث ہے جسے امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ان یبلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی یؤذن ابن ابی کریم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بلال رات کے وقت اذان دیتے ہیں پس تم کھاتے پیتے رہو حتیٰ کہ ابن مکتوم اذان دیں۔ ام مکتوم۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فجر سے پہلے رات کو اذان دی گئی لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ اذان نماز فجر کے لیے دی گئی تھی کیونکہ اگر یہ اذان نماز فجر کے لیے ہوتی تو بصر صبح صادق کے بعد حضرت ابن مکتوم سے دوبارہ اذان دلوانے کی کیا ضرورت تھی؟ ثانیاً یہ کہ اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ یہ اذان (رمضان میں) سحری کے لیے ہوتی تھی اور اس پر مزید قرینہ یہ ہے کہ امام بخاری اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلال کی اذان سن کر کوئی شخص سحری کھانا نہ چھوڑے کیونکہ ان کی اذان اس لیے ہوتی تھی کہ سحری کے لیے نماز تہجد پڑھنے والا تہجد ختم کر دے یا سونے والا بیدار ہو جائے۔ [صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۷] نیز امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بلال نے طلوع فجر سے پہلے اذان دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اذان دہرانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ اعلان کریں کہ انہوں نے بھولے سے اذان دے دی تھی۔ اسی باب میں امام ابوداؤد ایک اور سند کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تؤذن حتی تبین لك الفجر۔ اذان نہ دو جب تک فجر ظاہر نہ ہو جائے۔

[مسلم ابوداؤد ج ۱ ص ۷۹]

اشرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۷۳-۱۰۷۴ فرید بک سال اردو ہزارہ اول

روزہ دار کے لیے پچھنے لگوانے کا جواز

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان) قاحہ نامی جگہ میں پچھنے لگوائے حالانکہ آپ اس وقت روزہ دار تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قاحہ نامی جگہ میں پچھنے لگوائے حالانکہ اس وقت آپ (حج و عمرہ کے لیے احرام باندھ کر) محرم اور روزہ دار تھے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے اور آپ نے پچھنے لگانے والے مزدور (ابوطیبہ) کو اجرت بھی دی اور اگر یہ حرام ہوتی تو آپ اسے بھی اجرت نہ دیتے۔

بخاری (۱۹۳۸) ابوداؤد (۲۳۷۳) ترمذی (۷۷۷) ابن ماجہ (۱۶۸۲) ابن حبان (۳۵۳۱-۳۵۳۲) سند احمد (۱۸۴۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (پہلے) فرمایا: پچھنے لگانے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے پھر اس کے بعد آپ نے خود پچھنے لگوائے۔ (سو آپ کے آخری عمل سے پہلا حکم منسوخ ہو گیا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے حالانکہ آپ روزہ دار تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: مجھے حضرت ابن شہاب زہری نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے تھے اور انہوں (حضرت محمد بن مسلم الحروف ابن شہاب زہری) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔

بخاری (۱۹۳۸) ابوداؤد (۲۳۷۳) ترمذی (۷۷۷) ابن ماجہ (۱۶۸۲) ابن حبان (۳۵۳۱-۳۵۳۲) سند احمد (۱۸۴۹)

حل لغات

”اِحتَجَمَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: پچھنے لگوانا، سیٹگی لگوانا۔ ”لِقَاحَةٍ“ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ ”خَبِثًا“ اس کا معنی ہے: حرام و ناجائز۔ ”اَفْطَرُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: اظہار کرنا، روزہ توڑ دینا۔

روزہ دار کے قصد لگانے میں ائمہ کا اختلاف

معلوم ہونا چاہئے کہ جب انسان کے جسم میں خون حد اعتدال سے زیادہ ہو جائے یا فاسد مواد کی وجہ سے خون گندہ ہو جائے تو شریانوں کے ذریعہ اس کو خارج کر دیا جاتا ہے اور اس کو قصد اور پچھنے لگوانا یا سیٹگی کھجوانا کہا جاتا ہے اس میں سیٹگی لگانے والا پہلے نشتر

یا چاقو وغیرہ سے رگ پر زخم لگاتا ہے پھر سبکی کا چوڑا حصہ زخم پر رکھ کر اس کا ہار یک حصہ اپنے منہ میں لے کر زور سے چوستا ہے اور یہ عمل سنت سے ثابت ہے اہل سنت روزے کی حالت میں پچھنے لگوانا جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک روزہ دار کے لیے بغیر کراہت قصد اور پچھنے وغیرہ لگوانا جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کی قضا واجب ہے اہل سنت ان پر کفارہ لازم نہیں ہے اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ پچھنے لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ کر باطل ہو جاتا ہے اور اس پر کفارہ بھی لازم ہو جاتا ہے۔ علامہ بیہقی نے یہ ذکر کیا ہے جبکہ امام اوزاعی نے کہا کہ پچھنے لگوانے والے کا روزہ ضعف و کمزوری کے خوف کے پیش نظر مکروہ ہو جاتا ہے [مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۲۶۱ مطبوعہ مکتبہ المدینہ بیہقان] ملا علی قاری چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا واقعہ مجتہد النوراع سن دس (۳۰ھ) ہجری میں پیش آیا تھا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روزے اور احرام کی حالت میں پچھنے لگوائے تھے۔ یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ناسخ ہے کیونکہ جس حدیث میں ہے کہ افطر الحاجم والحجیم کہ پچھنے لگوانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا ہے۔ آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کے سال سن آٹھ ہجری (۸ھ) میں فرمایا اور اسی طرح حضرت شداد بن اوس کی حدیث بھی مدینہ منورہ میں بیان فرمائی تھی۔ چونکہ حضرت ابن عباس کی حدیث سب سے مؤخر ہے اس لیے یہ ناسخ ہے اور باقی منسوخ ہیں اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ دونوں حضرات پچھنے لگانے والا اور لگوانے والا اس وقت جب تک کہ رہے تھے سو اس نصیحت کی وجہ سے آپ نے فرمایا: ان کا روزہ ٹوٹ گیا یعنی ثواب جاتا رہا لیکن پچھنے لگانے اور لگوانے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹا۔ [ماغزاد المرقات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۲۷۰ مطبوعہ مکتبہ المدینہ بیہقان]

۷۔ بَابُ الْإِصْبَاحِ جُنْبًا لِّی الصَّوْمِ
۲۰۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ
كَانَ يُصْبِحُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُنْبًا
مِنْ غَيْرِ اخْتِلَامٍ ثُمَّ يَتِمُّ صَوْمَهُ.

حالت جنابت میں روزہ دار کا صبح کرنا
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بغیر
اختلام کے (صرف غسل زوجیت کی وجہ سے) جنابت کی حالت میں صبح
الطہی (پھر روزہ کی نیت کر کے) اپنا روزہ مکمل کر لیتے تھے۔

۲۱۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ
عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ إِلَى صَلَاةِ
النَّجْوَى وَرَأْمَةٌ يَقْطُرُ مَاءٌ مِنْ غُسْلِ جُنَابَةٍ وَجَمَاعٍ
ثُمَّ يَكُلُّ صَائِمًا.

بخاری (۱۹۲۵) مسلم (۲۵۹۲) ابوداؤد (۲۳۸۸) ابن حبان (۳۴۸۹)
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی
نہر کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے حالانکہ مباشرت و جنابت کے
غسل کی وجہ سے آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوتے پھر
آپ دن بھر روزہ سے رہتے۔

ابن ماجہ (۱۷۰۳) ابن حبان (۳۴۹۰) طحاوی (۳۳۸۰)

عمل لغات

”يُصْبِحُ“ صيغة واحد مذكر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: صبح میں داخل ہونا صبح کے وقت
الضحا صبح کرنا۔ ”يَتِمُّ“ صيغة واحد مذكر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: پورا کرنا، مکمل کرنا، تمام
کرنا۔ ”يَقْطُرُ“ صيغة واحد مذكر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب فَعَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: پانی کے قطروں کا ٹپکنا

پانی کا قطرہ قطرہ کرنا بہنا۔

جنسی کے روزے اور احتکام سے انبیاء کے محفوظ ہونے کی وضاحت

اس حدیث کو امام مالک اور صحاح ستہ کے اصحاب نے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: "كَانَ يَسْرُكُ الْفَجْرَ فِي رَمَضَانَ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ أَهْلِهِ لَمْ يَغْتَسِلْ وَيَعُومُ" (یعنی کبھی ایسا اتفاق بھی ہو جاتا کہ) آپ ﷺ کو ماہ رمضان المبارک میں اپنی کسی بیوی کے ساتھ جماع کی وجہ سے جنابت کی حالت میں صبح صادق ہو جاتی تھی سو آپ غسل کرتے اور روزہ رکھ لیتے۔

اور تمام علماء دین کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ جو شخص جنابت کی حالت میں روزہ رکھ لے اس کا روزہ صحیح ہے (کیونکہ روزہ رکھنے کے لیے طہارت شرط نہیں ہے) البتہ جنسی آدمی کے لیے مستحب ہے کہ وہ صبح صادق سے پہلے غسل کر لے تاکہ حالت طہارت میں صبحی کھا کر روزہ رکھ سکے اور بعض سلف سے منقول ہے کہ اس کا روزہ باطل ہو جائے گا اور دن بھر کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے رکاوٹ رہے گا اور بعد ازاں اس کی قضا کرے گا اور حضرت حسن بصری سے منقول ہے: اگر کوئی جنسی آدمی بغیر کسی عذر کے غسل میں تاخیر کر لے تو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا ورنہ نہیں اور حضرت ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ اگر جنسی آدمی نے فرض روزے کی نیت کی تو اس کی قضا کرنی پڑے گی۔ [شرح مسند امام اعظم خلاصہ قاری ص ۵۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نیند میں خواب دیکھنے کی وجہ سے احتکام نہیں ہو سکتا کیونکہ احتکام شیطانی اثر سے ہوتا ہے کہ انہیں عورت وغیرہ کی شکل میں خواب میں آتا ہے اور یہ حضرات اس کے اثر سے محفوظ و معصوم ہیں بلکہ جو بیبیاں رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنے والی ہوتی ہیں انہیں بھی کبھی خواب سے احتکام نہیں ہوتا جیسا کہ ہم باب الغسل میں عرض کر چکے ہیں ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بغیر خواب دیکھے مٹی کی زیادتی کے سبب نیند میں انہیں انزال ہو سکتا ہے یا نہیں تو حق یہ ہے کہ وہ حضرات اس سے بھی محفوظ و معصوم ہیں یہاں ام المومنین حضرت عائشہ کا "مِنْ هِمِّهِمْ احْتِلَامٌ" فرمایا ہے بتانے کے لیے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جنابت مقاربت و مباشرت کی وجہ سے ہوتی تھی اور یہ منشاء ہرگز نہیں کہ وہاں احتکام کا امکان ہے بلکہ حضرت ام المومنین کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ محالطت و مجامعت کی وجہ سے ہی جنسی ہوتے تھے نہ کہ احتکام کی وجہ سے کیونکہ وہاں احتکام کا تو امکان ہی نہیں۔ [مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۳۶۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان] اور المنہاج شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۸۶ مطبوعہ نور پر روضہ منکر مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۵۹ مطبوعہ مکتبہ سب خانہ گجرات]

روزہ دار کے لیے اپنی بیوی کا بوسہ لینا جائز ہے
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے حالانکہ اس وقت (غسل کی وجہ سے) پانی کے قطرے آپ کے سر کے بالوں سے گر رہے ہوتے تھے اور آپ دن بھر روزے سے رہتے اور اسی سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ماہ رمضان المبارک میں اپنی ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے تھے۔

۸۔ بَابُ جَوَازِ قُبْلَةِ الصَّائِمِ رُوحَتَهُ

۲۱۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ إِلَى الْفَجْرِ وَرَأْسُهُ يَقَطُرُ وَيَطْلُ صَائِمًا. وَبِإِسْنَادِهِ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ نِسَاءَهُ فِي رَمَضَانَ.

ابن ماجہ (۱۷۰۳) ترمذی (۳۳۸۰) ابن حبان (۳۴۹۰)

۲۱۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

عَنْ مُسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ كَانَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصُومُ مِنْ وَجْهِهَا وَهُوَ صَائِمٌ تَعْنِي الْقِبْلَةَ.

بخاری (۱۹۲۹) مسلم (۲۵۸۵) ابوداؤد (۲۳۸۲) ترمذی (۷۲۹) ابن ماجہ (۱۶۸۲)

۲۱۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ يَجْلُ وَهُوَ صَائِمٌ. (۲۱۲)

حل لغات

”تَجْلُ“ صیغہ واحد مکرم غائب فعل مضارع معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: ہمیشہ رہتا دن کا ساہ واد رہتا ساہیلا الناء۔ ”تَجْلُ“ صیغہ واحد مکرم غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تَكَلَّمَ سے ہے اس کا معنی ہے: چومنا بوسہ لینا کسی کو بوسہ دینا۔ ”يُصُومُ“ صیغہ واحد مکرم غائب فعل مضارع معروف باب اَفْعَالُ سے ہے اس کا معنی ہے: درست کرنا کسی رائے یا فعل کو درست اور صحیح پانا درست اور ٹھیک خیال کرنا پہچانا۔

روزہ دار کے لیے اپنی بیوی کا بوسہ لینے میں احناف کا موقف

امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس بوس و کنار کے مسئلہ کے بارے میں حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سلمہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اہل علم صحابہ کرام اور دیگر ائمہ کا روزہ دار کے لیے بوسہ لینے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض نے عمر رسیدہ روزہ دار کے لیے بوسہ لینے کی رخصت دی ہے جو ان کے لیے نہیں اور عورت کے بدن سے بدن ملانا جسے مباشرت کہتے ہیں اس سے زیادہ سخت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے میں اجرو ثواب کم ہو جائے گا لیکن روزہ نہیں ٹوٹے گا اور ہمارا (حنفیوں کا) مذہب یہ ہے کہ اگر روزہ دار کو اپنے آپ پر کنٹرول حاصل ہو نفس پر قابو ہو اور جماع اور انزال سے امن ہو تو بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اپنے نفس پر قابو نہ ہو اور جماع اور انزال کا اندیشہ ہو تو بوسہ لینا مکروہ ہے کیونکہ بوسہ بذاتہ مضطر (روزہ توڑنے والا) نہیں لیکن ممکن ہے کہ بوسہ وہاں تک پہنچا دے سو اس لیے امن کی حالت میں اس کی ذات کا اعتبار کیا گیا ہے اور اندیشہ کی حالت میں اس کے انجام کا اعتبار کیا گیا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے موطا میں فرمایا کہ روزہ دار کے لیے اپنے آپ کو بوس و کنار سے باز رکھنا ہی افضل و بہتر ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان ہے اور ہمارے اکثر پیش رو علماء کا یہی مسلک ہے اور مباشرت (بدن سے بدن ملانا بغل گیر ہونا) بوسہ لینے کے حکم میں ہے یہی ظاہر الروایت کے مطابق ہے اور خوف فتنہ کے غلبہ کی وجہ سے مباشرت قاحلہ (ننگے بغل گیر ہونا) مکروہ ہے اور موطا میں فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بوس و کنار دونوں سے منع کرتے تھے اور حضرت عمر بن خطاب بوسہ لینے سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ کسی شخص کو وہ کنٹرول اور عصمت و حفاظت حاصل نہیں ہے جو نبی کریم ﷺ کو اپنی ذات اور اپنی نفسانی حاجت پر حاصل تھا۔ [اصح المسائل ج ۲ ص ۸۰۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکرا]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایسے واقعات بیان فرمانا شرعی مسائل بیان کرنے کے لیے ہے اس پر زبان طعن دراز کرنا پرلے

درجے کی منافقت ہے اور اسے بے غیرتی کہنا حماقت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوبِهِمْ حَافِظُونَ" (المومن آیت ۵) اور مومن تو وہ لوگ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ○ طیب لوگ بیمار یوں و علا جوں کے میان کے لیے کمال کمال باتیں بیان کرتے ہیں۔ بے غیرتی کے لیے نہیں بلکہ علاج کے بیان کے لیے کرتے ہیں۔

[ماخوذ از معراج شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۵۹، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، ممبئی]

سفر میں روزہ کھولنے

کی اجازت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان کی دو راتیں گزر جانے کے بعد تین تاریخ کو بدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف سفر پر تشریف لے گئے اور آپ نے روزہ رکھا (اور صحابہ کرام نے بھی روزہ رکھا) یہاں تک کہ آپ (صبح فجر) قحط کے مقام پر پہنچ گئے تو لوگوں نے سفر کی مشقت و تھکاوٹ کی شکایت کی سو آپ نے روزہ کھول دیا پھر آپ نے روزے نہ رکھے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ماہ رمضان میں مکہ مکرمہ کے حزم سے اس کی طرف سفر شروع کیا اور آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی روزہ رکھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ جب رمضان میں بدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف سفر پر روانہ ہوئے تو آپ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ آپ بعض راستے پر پہنچے تو لوگوں نے آپ سے سفری صعوبت و مشقت کی شکایت کی سو آپ نے (لوگوں کی سہولت کے لئے) روزہ کھول دیا پھر آپ نے روزہ نہ رکھا یہاں تک کہ آپ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے ارادے سے اس کی طرف سفر پر روانہ ہوئے تو آپ نے روزہ رکھا اور دیگر مسلمانوں نے بھی روزہ رکھا یہاں تک کہ جب آپ بعض راستے پر پہنچے تو لوگوں نے مشقت و تھکاوٹ کی شکایت کی سو آپ نے پانی منگوا دیا اور روزہ کھول دیا اور تمام مسافر مسلمانوں نے بھی روزے کھول دیئے۔

۹۔ بَابُ رُخْصَةِ الْفِطْرِ

الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ

۲۱۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَرَمِيِّ ابْنِ حَبِيبٍ الصَّوْمِ فِي عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْبَيْتَيْنِ خَلَاتًا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ لَصَّامَ حَتَّى أَتَى قُدَيْدًا فَشَاكَ النَّاسُ إِلَيْهِ الْجُهْدَ فَأَفْكَرَ فَلَمْ يَزَلْ مُفْطِرًا حَتَّى أَتَى مَكَّةَ. بخاری (۴۲۷۶) مسلم (۲۶۰۸) ترمذی (۷۱۰) نسائی (۲۲۶۵)

۲۱۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ أَنَسِ قَالَ سَافَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ يُرِيدُ مَكَّةَ لَصَّامًا وَصَامَ النَّاسُ مَعَهُ، وَهِيَ رِوَايَةٌ خَرَجَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ لَصَّامًا حَتَّى أَتَاهُ إِلَى بَعْضِ الطَّرِيقِ فَشَاكَ النَّاسُ إِلَيْهِ الْجُهْدَ فَأَفْكَرَ فَلَمْ يَزَلْ مُفْطِرًا حَتَّى أَتَى مَكَّةَ.

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ سَافَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ يُرِيدُ مَكَّةَ لَصَّامًا وَصَامَ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِبَعْضِ الطَّرِيقِ شَاكَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ الْجُهْدَ فَذَعَا بِمَاءٍ فَأَفْكَرَ وَأَفْكَرَ الْمُسْلِمُونَ. ساہجہ (۲۱۴)

حل لغات

”خَلَاتًا“ میڈمونٹ غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرُوْا يَنْصُرُوْا سے ہے اس کا معنی ہے: خالی ہونا، گزر جانا۔

”شُكْرًا“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: شکایت کرنا۔ ”لَوَيْدًا“ مکہ مکرمہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ ”الْجُهْدُ“ محنت و مشقت، تھکاوٹ۔

مسافر کے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے میں اختلاف کا تذکرہ

معلوم ہونا چاہئے کہ مسافر کے لیے روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے بارے میں مختلف احادیث وارد ہیں۔ بعض احادیث روزہ کھولنے کے مباح ہونے میں وارد ہیں بغیر اس بات کے روزہ رکھنا افضل ہے یا کھولنا افضل ہے اور بعض احادیث سفر میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے درمیان مسافر کو اختیار دینے کے بارے میں وارد ہیں اور بعض احادیث روزہ نہ رکھنے کے جواز اور نہ رکھنے کی مذمت میں وارد ہیں اور دراصل یہ احادیث مختلف اوقات و احوال کے پیش نظر وارد ہوئی ہیں۔ اہل فتویٰ میں سے جمہور علمائے دین اس پر متفق ہیں کہ مسافر کے لیے روزہ رکھنا اور کھولنا دونوں طریقے جائز ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان دو طریقوں میں سے افضل طریقہ کون سا ہے؟ یاد دلوں برابر ہیں:

(۱) امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام سفیان ثوری اور ان کے علاوہ دیگر علماء و مشائخ کا موقف یہ ہے کہ روزہ رکھنے کی استطاعت رکھنے والے قوی اور طاقتور مسافر کے لیے روزہ افضل ہے ایک تو فرض کی ذمہ داری سے سبک دوش ہونے کی وجہ سے دوسرا ماہ رمضان میں دوسرے مسلمانوں کی موافقت میں روزہ رکھنا آسان ہوتا ہے اور رمضان گزر جانے کے بعد قضاء کرنا مشکل ہوتا ہے اور روزہ رکھنے میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل ان کے لیے بہترین حجت ہے۔

(۲) امام احمد، اسحاق، امام اوزاعی اور حضرت سعید بن مسیب کے نزدیک اظہار یعنی روزہ نہ رکھنا مطلقاً افضل و بہتر ہے اور امام شافعی کے اصحاب میں سے بعض نے بھی قول امام شافعی سے بھی نقل کیا ہے اور انہوں نے ارشاد باری تعالیٰ:

اَيُّهَا الْمُتَعَوِّذُ لَا تَقْصِرْ عَنْ رَجُلٍ مِنْكُمْ مِنْ رَجُلٍ اَوْ
عَلَى سَفَرٍ لِحُجَّةٍ مِنْ اَيَّامٍ اُخْرَى. [البقرہ: ۱۸۳]

یہ گفتی کے چند روز ہیں سو تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنے روزوں کی گفتی پوری کرے۔
کے ظاہر سے استدلال کیا ہے اور ان احادیث سے استدلال کیا ہے جو سفر میں روزے رکھنے کی مذمت میں وارد ہوئیں ہیں یہاں تک کہ اصحاب طحاوی میں سے بعض نے سفر میں روزہ رکھنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر مسافر سفر میں روزہ رکھے لے تو اس کی قضا کرے۔

(۳) اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حالت سفر میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے میں جو آسان ہو وہی افضل ہے (۴) اور بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں برابر ہیں اور آدمی کو اختیار دیا گیا ہے چاہے تو روزہ رکھے لے نہ چاہے تو نہ رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم! [مجموع الفتاویٰ ج ۲ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ المدینہ، مکتبہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۷۴ مطبوعہ مکتبہ المدینہ، مکتبہ المدینہ]

وصال اور خاموشی کے

روزے کی ممانعت

۱۰۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ صَوْمِ

الْوَصَالِ وَالصَّمْتِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے

وصال کے روزے اور خاموشی کے روزے سے منع فرمایا ہے۔

۲۱۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ

أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صَوْمِ الْوَصَالِ وَصَوْمِ الصَّمْتِ.

ترمذی (۱۹۶۲) مسلم (۲۵۷۲) ابوداؤد (۲۳۶۰) ترمذی (۷۷۸)

۲۱۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَى عَنْ
الْمُهَاجِرِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الصَّغِيْرِ وَصَوْمِ الْوَصَالِ.
سابقہ (۲۱۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
خاموشی کے روزے سے اور وصال کے روزے سے منع فرمایا ہے۔

حل لغات

”نہی“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَعَحَ يَفْعُحُ سے ہے اس کا معنی ہے: روکنا، منع کرنا، ترک فعل طلب
کرنا۔ ”وَصَالٌ“ جوڑنا، ملانا، جمع کرنا لیکن یہاں مسلسل کئی روز تک کھائے پئے بغیر روزے سے پڑ روزے رکھنا مراد ہے۔ ”الصَّغِيْرُ“
اس کا معنی ہے: خاموش رہنا اور چپ کر کے زبان بند رکھنا لیکن یہاں صبح صادق سے شام تک ہر قسم کی گفتگو سے خاموشی اختیار کرنا مراد
ہے۔

وصال کے روزوں کی ممانعت کی حکمتیں

امام مسلم رحمہ اللہ میں (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہ رمضان میں وصال کے
روزے رکھے (یعنی بخیر افطار اور بخیر کچھ کھائے پئے روزے پر روزے رکھے) اور صحابہ کرام نے بھی وصال کے روزے شروع کر
دیئے تو آپ نے انہیں منع فرمایا۔ آپ سے عرض کی گئی کہ آپ تو خود وصال کے روزے رکھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”اَللّٰهُ لَسْتُ
مِثْلَكُمْ اَللّٰهُ اَطْعَمَ وَاسْقٰی“ بے شک میں تمہاری مثل نہیں ہوں کیونکہ مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ کرام سے) فرمایا: تم وصال کے روزے نہ رکھو۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ تو خود
وصال کے روزے رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”اَنْتُمْ لَسْتُمْ فِیْ ذَالِکَ مِثْلِیْ“ بے شک تم اس معاملہ میں میری مثل نہیں ہو میں تو
اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب تعالیٰ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے سو تم وہ کام کیا کرو جو آسانی سے کر سکو۔ دوسری روایت میں
ہے کہ تم وہ کام کیا کرو جس کی تمہیں طاقت ہو۔ [صحیح مسلم ج ۳ ص ۳۵۲-۳۵۱ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی] حضرت ابو ہریرہ کی حدیث
میں وصال کے روزوں کی ممانعت کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ تم سے مشکل کی بجائے آسان اعمال کرانے مقصود و مطلوب ہیں تاکہ
تکلیف مالا یطابق لازم نہ آئے اور وصال کے روزے تمہارے لیے مشکل ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْذُ بِكُمُ الْعُسْرَ.
اللّٰهُ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تم پر سختی اور مشقت
[البقرہ: ۱۸۵] نہیں چاہتا۔

صوم وصال میں مذاہب

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ شوافع کے نزدیک صوم وصال مکروہ (تجزیہ) ہیں۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک بلا کراہت جائز ہیں اور جمہور کے نزدیک مکروہ تحریمی ہیں۔

[شرح مسلم ج ۳ ص ۳۵۱ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی مطبعہ المدینۃ ۱۴۰۵ھ]

رسول اللہ ﷺ کے صوم وصال پر اشکال کا جواب

حدیث نمبر ۲۳۶ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب تعالیٰ مجھے کھلاتا اور

چلاتا ہے۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ جب آپ نے کھا لی لیا تو وصال کے روزے کیسے ہوئے؟ علامہ نووی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مجھے کھانے پینے کی قوت حاصل ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ وصال کے روزے دنیاوی کھانے پینے کے اعتبار سے تھے اور آپ کو جنت کے کھانے کھلائے جاتے تھے۔ امام رازی نے یہ لکھا ہے کہ آپ کو جمال رب تعالیٰ کا دیدار کر دیا جاتا تھا اور اس دیدار سے آپ اس قدر شاد کام ہوتے تھے کہ پھر آپ کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں رہتی تھی یعنی میرا کھانا پینا یہی ہے کہ میں اپنے رب تعالیٰ کو دیکھ لوں۔

نبی کریم ﷺ کے مثل کی تحقیق

اس باب کی احادیث میں ہے کہ تم میں میری مثل کون ہے؟ اور قرآن مجید میں ہے: "إِنَّمَا آتَا بَشَرًا مِّثْلَكُمْ" [الکہف: ۱۱۵] فصحت: ۶۰ میں تمہاری مثل ہوں۔

یہ ظاہران میں تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے جس مطلب کو ثابت کیا ہے وہ عدنی معنی ہے یعنی معبود نہ ہونے میں اہل تم جیسا ہوں نہ تم معبود ہونہ میں معبود ہوں اور کسی دجودی معنی میں کائنات کا کوئی شخص آپ کی مثل نہیں ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۹۰-۸۹ مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور]

نوٹ: اس کی مکمل تحقیق ہماری مترجم تفسیر مدارک جلد دوم سورۃ الکہف کی آخری آیت کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

صوم سکوت کی ممانعت کی وجہ

خاموشی اور چپ کے روزے کی ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سے خیر و بھلائی اور دین حق کی گفتگو سے بھی خاموشی لازم آتی ہے جو ناجائز ہے اس لیے خاموشی کا روزہ ممنوع ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خاموشی کا روزہ رکھنا نصاریٰ کا عمل ہے جس کی وجہ سے خاموشی اور چپ کے روزے سے کفار کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جو ناجائز ہے اس لیے خاموشی کا روزہ ممنوع ہے۔

ایام تشریق میں روزے

۱۱۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ صِيَامِ

رُكْنِ كُنْهِ مِمَّا نَعَتِ

أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے ایام تشریق کے تین دن (گیارہ بارہ اور تیرہ ذی الحج کے) روزوں سے منع فرمایا ہے اور اسی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دن کے روزے سے بھی منع فرمایا ہے جس میں ماہ رمضان کا ہونا مشکوک ہو۔

۲۱۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ قَزَافَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ التَّشْرِيقِ وَبِهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صِيَامِ الْيَوْمِ الَّذِي يَشْكُ فِيهِ مِنْ رَمَضَانَ.

بخاری (۱۱) مسلم (۲۶۷۷) ابوداؤد (۱۳۳۴) ترمذی (۶۸۶) نسائی (۲۱۹۰) ابن ماجہ (۱۶۴۵)

حل لغات

"بَشْكٌ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: شک کرنا شبہ کرنا اور شک و شبہ میں مبتلا ہو جانا جیسے اکتیس شعبان کی شام کو اگر آلود موسم کے باعث چاند نظر نہ آنے پر شک ہو کہ یہ رات تیس شعبان کی ہے یا یکم رمضان کی ہے اسی بناء پر اگلے دن اس نیت سے روزہ رکھنا ممنوع ہے کہ تیس شعبان ہوگی تو نقلی روزہ ہوگا اور اگر یکم رمضان ہوگی تو

رمضان کا پہلا فرض روزہ ہو جائے گا۔

ایام تشریق اور ان میں روزوں کی ممانعت کی وضاحت

ایام تشریق کی تجبیرات نو (۹) ذی الحج سے تیرہ ذی الحج تک ہر فرض نماز باجماعت کے بعد پڑھی جاتی ہیں، لیکن یہاں ایام تشریق سے عید الاضحیٰ کے بعد گیارہ بارہ اور تیرہ تین دن مراد ہیں، انہیں دنوں میں اہل عرب قربانی کے گوشت کے پارچے بٹا کر سورج کی دھوپ میں خشک کرتے تھے، چونکہ عید الفطر عید الاضحیٰ اور یہ تین دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے فیاضت کے دن ہیں اس لیے ان دنوں میں روزے رکھنا ممنوع ہے چنانچہ صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ عِيدِ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى. دو دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں، ایک عید الفطر کے دن اور دوسرا [تشریق علیہ] عید قربان کے دن۔

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى. [تشریق علیہ] منع فرمایا ہے۔

(۳) حضرت نبیہ ہذلی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَيَّامُ الْعَشْرِ فِي أَيَّامِ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللَّهِ. تشریق کے دن کے کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے [رواہ مسلم] دن ہیں۔

[مشکوٰۃ المصابیح باب عیام الخدوع، الفصل الاول ص ۱۷۹، مطبوعہ مطابع دہلی]

(۴) امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہ رمضان شروع ہونے سے ایک دن پہلے اور عید قربان اور عید الفطر کے دن اور تشریق کے (تین) دنوں میں روزے رکھنے سے منع فرمایا۔ سو اس لیے ان چھ دنوں کے روزے تمام احمدی دین کے نزدیک حرام ہیں اور اسی طرح امام شافعی کے نزدیک شک کے دن روزہ رکھنا حرام ہے اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک احتیاط واجب ہے اور ہمارے (احتیاط کے) نزدیک شک کے دن محض نفل کی نیت سے روزہ رکھنا خواص کے لیے مستحب ہے، لیکن عوام دو پہر تک کھانے پینے سے رُکے رہیں گے (پھر اگر ماہ رمضان کا چاند ہوتا معلوم نہ ہوا تو افطار کر لیں گے)۔ [شرح مسند امام اعظم لعل علی قاری ص ۲۴۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

۱۲۔ بَابُ إِيْتَاءِ النَّذْرِ وَاجِبٌ

۲۱۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ ثَابِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَدَرْتُ أَنْ أَقْتَكِفَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا أَسْلَمْتُ مَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں منت مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں احکاف بیٹھوں گا، پھر جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا: تم اپنی منت پوری کرو۔

بخاری (۲۰۳۲) مسلم (۴۲۹۲) ابوداؤد (۳۳۲۵) ترمذی (۱۵۴۹) نسائی (۳۸۵۲) ابن ماجہ (۲۱۳۹) ابن حبان (۴۳۸۰) مسند احمد

حل لغات

”تَلَوْتُ“ صیغہ واحد کلم فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: نذر ماننا، منت ماننا۔ ”أَعْتَكِفْتُ“ صیغہ واحد کلم فعل مضارع معروف مثبت باب اِعْتَالَ سے ہے اس کا معنی ہے: اعتکاف کرنا، روکنا کسی چیز کے ارد گرد چکر لگانا ہمیشہ لازم رہتا۔ ”أَوْفٍ“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر حاضر معروف باب اَفْعَلَ سے ہے اس کا معنی ہے: پورا کرنا۔

نذر کے اعتکاف کے احکام و مسائل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں منت مانی تھی کہ

أَنْ أَعْتَكِفَ لِمَلِكٍ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لَنْ
تَأْتِيَنِي بِذَنْبِكَ [حق علیہ]

میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا آپ نے فرمایا: تم اپنی نذر (منت) پوری کرو۔

امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اعتکاف میں روزہ رکھنا شرط نہیں ہے مگر روزہ کے التزام کے ساتھ کیونکہ اگر اعتکاف میں روزہ رکھنا شرط ہوتا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عمر کو نذر پوری کرنے کا حکم نہ دیتے۔ اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا تھا: میں نے مسجد حرام میں ایک دن اعتکاف بیٹھنے کی منت مانی ہے تو آپ نے فرمایا: تم اپنی منت پوری کرو۔ لہذا جس حدیث میں رات کو اعتکاف کرنے کا ذکر ہے اس سے رات کے ساتھ دن بھی مراد ہے جیسا کہ دن کے اعتکاف سے دن کے ساتھ رات بھی مراد ہوتی ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک اعتکاف میں روزہ رکھنا شرط ہے خواہ اعتکاف واجب ہو یا نفل ہو اور ان کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں ہے کہ ”لَا إِعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ“ [رداء ابو داؤد] یعنی اعتکاف روزہ کے بغیر جائز نہیں ہے۔ یہ حدیث اس بات میں صریح ہے کہ اعتکاف روزہ کے ساتھ شرط ہے۔ [بعد المعاص شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۲۰ مطبوعہ مکتبہ نور پورہ ضوئہ منکسر]

نذر کے اعتکاف کی صورتیں

اگر کوئی شخص یہ منت مان لے کہ وہ اتنے دن اعتکاف کرے گا تو اس کو راتوں کے وقت میں بھی قیام کرنا ہو گا خواہ اس نے مسلسل کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو کیونکہ اعتکاف میں اصل تسلسل ہے تو مطلق اعتکاف میں بھی اس کا لحاظ رکھنا ہو گا ہاں البتہ اگر وہ ایام کو خاص کر لیتا ہے (یعنی کہتا ہے کہ صرف دن کے وقت اعتکاف ہو گا رات کو نہیں) تو الگ بات ہے۔

اگر کسی شخص نے دو دن اعتکاف کی منت مانی تو بالاتفاق درمیانی رات اعتکاف میں شامل ہوگی رعبی پہلے دن سے ما قبل کی رات تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ اعتکاف میں شامل نہیں ہوگی کیونکہ وہ ان دنوں میں شامل نہیں البتہ طرفین کے نزدیک پہلی بھی شامل ہوگی کیونکہ دن رات کے ساتھ متعارف ہوتا ہے (یعنی دن بول کر دن اور رات دونوں مراد ہوتے ہیں)۔ اگر غیر مسلم نے اعتکاف کی نیت کی پھر اسلام قبول کر لیا تو اس پر اعتکاف واجب نہیں کیونکہ نذر بالقرابت عبادت ہے اور کافر اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کا اہل نہیں۔ اور اگر مسلمان نے منت مانی اور العیاذ باللہ پھر وہ مرتد ہو گیا پھر اس نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا تو اس پر اس نذر کا پورا کرنا واجب نہیں کیونکہ ارتداد پہلی تمام عبادات کو باطل کر دیتا ہے۔ رعبی وہ حدیث جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتکاف کے بارے میں ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے اسلام سے پہلے نذر مانی تھی ہو سکتا ہے انہوں نے یہ منت اسلام قبول کرنے کے بعد (اعلانہ یا ظہار اسلام

سے پہلے ابتدائی دور میں) مانی ہو لیکن دور جہالت کے قرب کی وجہ سے انہیں یہ نذر پوری کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہو کیونکہ ابتدائے اسلام میں مسجد حرام پر کفار کو غلبہ حاصل تھا اور وہ اس پر چھائے ہوئے تھے۔

اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں اعتکاف کی نذر مانتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ ماہ رمضان میں اعتکاف کرے اگر یہ نہیں کیا کہ فلاں سال کے رمضان میں (یعنی تعیین نہیں کی) تو جس رمضان میں چاہے اعتکاف کر سکتا ہے اس پر کوئی پابندی نہیں ہے ہاں اگر تعیین کرویتا ہے (کہ اسی سال رمضان میں اعتکاف بیٹھوں گا) تو پھر اسی سال اعتکاف کرنا واجب ہے ماہ رمضان میں اعتکاف کے لیے فرض روزے کافی ہیں۔

اگر کسی وجہ سے نہ اعتکاف ہو سکا اور نہ روزے رکھے جاسکے تو اعتکاف اور روزوں دونوں کی قضاء کرے گا۔ اگر روزے تو رکھ لیے لیکن کسی وجہ سے اعتکاف نہیں کر سکا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر کوئی قضاء نہیں۔ یہی قول امام زفر کا بھی ہے کیونکہ اعتکاف روزوں کے بغیر جائز نہیں اور اس پر روزے واجب ہیں نہیں کہ وہ اعتکاف میں روزے بھی رکھے رہا دوسرے روزوں کا واجب کرنا تو یہ بلا موجب ہوگا البتہ ہمارے نزدیک وہ اعتکاف کی وجہ سے واجب و لازم ہوں گے کیونکہ نذر کا پورا کرنا اس کے ذمہ واجب تھا اور روزے بھی واجب تھے لیکن فرض روزوں کی وجہ سے واجب روزے اس کے ذمے واجب الاداء نہیں تھے اب جبکہ وہ مانع (رمضان کے روزے) نہیں ہیں تو اعتکاف کے ساتھ ساتھ روزے بھی واجب ہوں گے اسی لیے اس اعتکاف میں دوسرے روزوں کی ادائیگی صحیح نہیں ہوگی (مثلاً کسی اور رمضان کے قضاء روزے) کیونکہ نذر کے واجب کرنے کی وجہ سے اس پر نئے روزے واجب ہو چکے ہیں۔ [ادکان اسلام ص ۲۳۰-۲۳۹ مطبوعہ فریڈ بک سٹال اردو ہاؤس لاہور]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حج کے احکام کا بیان

۷۔ کتاب الحج

حج کی ادائیگی میں جلدی کرنے کا بیان

۱۔ بَابُ التَّعَجُّلِ فِي الْحَجِّ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص حج کرنے کا ارادہ کر لے تو اسے چاہیے کہ وہ اس فریضہ کو جلدی ادا کرے۔

۲۲۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي مَرْثَدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَعْجَلْ.

ابوداؤد (۱۷۳۲) ابن ماجہ (۲۸۸۳) مسند احمد (۱۹۷۴)

حل لغات

”أَرَادَ“ میثد واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: ارادہ کرنا چاہنا۔ ”فَلْيَعْجَلْ“ اس میں حرف فاء جزائیہ ہے اور ”لْيَعْجَلْ“ میثد واحد مذکر غائب فعل امر غائب معروف باب تکمیل سے ہے اس کا معنی ہے: جلدی کرنا سبقت کرنا براہیختہ کرنا۔

حج کی ادائیگی میں جلدی کی حکمتیں

اس حدیث کو امام ابوداؤد امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس کے یہ الفاظ ہیں کہ ”مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَعْجَلْ“ جو شخص حج کا ارادہ کر لے تو وہ اسے جلدی ادا کرے۔ اس

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص حج یا عمرہ یا پھر دیگر عبادات میں کسی بھی عبادت کا ارادہ کر لے تو اسے جلد از جلد ادا کرنے کی کوشش کرے اور بلا وجہ تاخیر نہ کرے کیونکہ تاخیر کرنے کی صورت میں بہت سی مشکلات و آفات پیش آ سکتی ہیں چنانچہ امام احمد اور امام ابن ماجہ کی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ روایت میں یوں ہے کہ جو شخص حج کا ارادہ کر لے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی ادائیگی میں جلدی کرے کیونکہ کبھی وہ بیمار کی بیماری میں مصروف ہو جائے گا اور کبھی وہ کم شدہ چیز کی تلاش میں کم ہو جائے گا اور کبھی کسی حاجت و ضرورت کی وجہ سے مقروض ہو جائے گا۔ [شرح مسند امام اعظم لسانی قاری ص ۲۹۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

حج کی فرضیت کا بیان

ہر عاقل بالغ آزاد صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَلِلّٰهِ عَمَلِی النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو اس

بلیہ سبیلہ ط. [آل عمران: ۹۷] تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو۔
یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر لوگوں پر اس گھر کے حج کا فرض ہونا ثابت و واجب ہو گیا ہے جو بھی وہاں تک پہنچنے کے لیے راستے کی طاقت رکھتا ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج کرنا فرض کر دیا گیا ہے سو تم حج کرو ایک آدمی (حضرت اقرع بن حابس) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہر سال (حج فرض ہے)؟ آپ خاموش رہے یہاں تک کہ اس آدمی نے تین بار یہ سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا: اگر میں صرف ہاں کہہ دیتا تو حج (ہر سال) فرض ہو جاتا اور تم اسے نہ کر سکتے پھر آپ نے فرمایا کہ تم مجھ سے وہ سوال کرنا چھوڑ دو جو میں تم سے بیان کرنا چھوڑ دوں کیونکہ تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ سوالات کرنے اور ان سے زیادہ جھگڑنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے لہذا جب تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے تم اسے کر گزرو اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو تم اسے فوراً چھوڑ دو۔

[رواہ مسلم] [مکتوٰۃ الصالح: کتاب الناسک: الفصل الاول ص ۲۲۱-۲۲۰ مطبوعہ المطابع الدلی]

لغت میں حج کا معنی ہے: قصد و ارادہ کرنا اور شریعت کی اصطلاح میں عبادت کی نیت سے کعبہ کی زیارت کا قصد اور ارادہ کرنا حج ہے۔ حج کا سبب کعبہ معظمہ ہے بیت اللہ کو سب سے پہلے فرشتوں نے بیت المعمور کے ہاں تعاطل سرزمین حجاز میں تعمیر کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے فرشتے اس کا حج کرتے تھے پھر آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک صرف انبیائے کرام نے کعبہ کا حج کیا کیونکہ کسی امت پر حج فرض نہیں تھا اور یہ حج من پانچ ہجری (۵۵ھ) یا سن چھ ہجری (۶۱ھ) یا ۹۹ھ میں مسلمانوں پر فرض کیا گیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج کی فرضیت اور ہجرت سے پہلے جو حج کیے وہ بطور عادت کیے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چل کر چالیس حج کیے۔ نبی کریم ﷺ کے حج میں حضرت موسیٰ، حضرت یونس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی شرکت کی اور آپ کے ساتھ حج کیا جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام زندہ ہیں اور عبادتیں ادا کرتے ہیں مگر ان کی یہ عبادتیں شرعی تکلیف کی بناء پر نہیں بلکہ خود اپنی خوشی کی وجہ سے ادا کرتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔

[مرآۃ شرح مکتوٰۃ ص ۸۶-۸۵ مطبوعہ بیسی کتب خانہ گجرات بہ حوالہ مراتب لمعات اربعہ لمعات شرح مکتوٰۃ]

حج اور حاجی کی تفصیلات

۲۔ بَابُ فِيْهِ تَفْصِيْلَةُ الْحَجِّ وَالْحَاجِّ

۲۲۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَاجُّ مَغْفُورٌ لَهُ وَلَمْ يَسْتَغْفِرْ لَهُ إِلَى السِّلَاحِ الْمُحَرَّمِ. ابن ماجہ (۲۸۹۲)

حضرت علقمہ (بن مریم) رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے (مرسل) حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حاجی کے گناہ معاف کر کے بخش دیا جاتا ہے اور اس شخص کو بھی بخش دیا جاتا ہے جس کے لیے حاجی مغفرت و بخشش کی دعا کر دے یہ مغفرت و بخشش کا انعام محرم الحرام کے اختتام تک جاری رہتا ہے۔

۲۲۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ النَّعْجِ النَّعْجُ وَالشَّجُّ لَمَّا النَّعْجُ فَالْمَعْجِجُ وَأَمَّا الشَّجُّ فَتَجُّ الْبَدَنِ قَالَ فَتَجُّ النَّعْمِ وَلَيْسَ بِذَلِكَ لَمَّا الشَّجُّ فَتَحَرُّ الْهَذْيِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ترین جج اور حج ہے لیکن رہا جج تو وہ جج (یعنی بہ آواز بلند تلبیہ پڑھتا) ہے اور لیکن رہا جج تو وہ قرہانی کے جانور کا خون بہانا ہے جس جج کا معنی خون بہانا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جج قرہانی کے جانور کو ذبح کرنا ہے۔

ترمذی (۸۲۷) ابن ماجہ (۲۹۲۴) ابن ابی شیبہ (۲۳۰) ابی یعلیٰ (۵۰۱۶) سنن بیہقی (۷۰۳۹)

حل لغات

”السِّلَاحُ“ یہ باب افعال کا مصدر ہے اس کا معنی ہے: مہینہ کا آخر ختم کرنا کھال اُتارنا۔ ”نَعْجٌ وَنَعْجِجٌ“ دونوں کا معنی ہے: چلا نا زور سے پکارنا لیکن یہاں بلند آواز سے پکارتے ہوئے ”لَيْتَكَ الْكَلْبُ لَيْتَكَ“ پورا تلبیہ کہنا مراد ہے اور ”تَجُّ“ کا معنی ہے: پانی بہانا خون بہانا جانور ذبح کر کے خون بہانا۔ ”الْهَذْيُ“ سے مراد قرہانی کا وہ جانور ہے جو مکہ مکرمہ میں ذبح کے لیے بھیجا جائے۔

جج میں حاجی کے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں

الحاج مغفور لہ کا مطلب ہے کہ حاجی کے صغیرہ گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے اور اس کے کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت پر موقوف ہوتے ہیں مگر جن کا تذکرہ ارک منکون ہو جیسے نماز اور روزے کی قضاء اور مظالم وغیرہ کا ازالہ کرنا۔

(۱) امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جب تم حاجی سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو اور اس سے مصالحت کرو اور اسے کہو کہ وہ اپنے گھر میں آنے سے پہلے تمہارے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کرے کیونکہ وہ خود بخشا ہوا ہے۔

(۲) امام دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ حاجی حضرات اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہوتے ہیں جاتے وقت بھی اور واپس آتے وقت بھی۔

جج عمرہ اور ان میں خرچ ہونے والی رقم کی اہمیت

(۳) امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بلایا تو انہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگیں گے وہ انہیں عطا فرمائے گا اور جو کچھ خرچ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایک درہم خرچ کرنے پر انہیں ہزار درہم عطا فرمائے گا اور ایک روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اور حج میں خرچ ہونے والا ایک درہم تمہارے اس پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوگا اور آپ نے ابوقیس پہاڑ کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور اہل عراق اور دیگر تمام لوگوں کے لیے ذات عرق کو مقرر فرمایا۔

حل لغات

”الْمَهْلُ“ یہ اسم ظرف مکان کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے: بلند آواز سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھنے کی جگہ لیکن یہاں اس سے میقات مراد ہے جہاں تکبیر پڑھ کر احرام باندھا جاتا ہے اور بغیر احرام کے وہاں سے گزرنے پر دم لازم آتا ہے۔ ”يَهْلُ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت باب افعل سے ہے اس کا معنی ہے: چاند دیکھتے وقت لوگوں کا آواز بلند کرنا، نیا چاند دیکھنا، تسبیح پڑھنا۔ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنا، تکبیر پڑھنا۔ ”فَلَا يُخْرِجُكَ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف نفی بانون ثقیلہ باب افعل سے ہے اس کا معنی ہے: احرام باندھنا۔ ”وَقُلْتُ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت باب تکمیل سے ہے اس کا معنی ہے: وقت مقرر کرنا، زمانہ کا تعین کرنا، میقات بنانا۔

میقات کا مفہوم اور ہر سمت کے الگ میقات کا ذکر

میقات وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں پر حج یا عمرہ کے ارادے سے مکہ معظمہ جانے والوں کے لیے احرام باندھنا واجب ہے اور یہاں سے حاجی یا عمرہ کرنے والے کو بغیر احرام آگے بڑھنا حرام اور ممنوع ہے لہذا اگر کوئی شخص بغیر احرام کے میقات سے آگے گزر جائے تو اس پر دم لازم آجائے گا (یعنی ایک جانور کی قربانی کرنا واجب ہے)۔ تمام ائمہ کہار کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل عراق کا میقات ذات عرق ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اہل عراق کے لیے ذات عرق کو خود نبی کریم ﷺ نے مقرر و متعین فرمادیا تھا یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا۔ شوافع کے نزدیک حضرت عمر نے اپنے اجتہاد سے اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا اور ہمارے (احناف کے) نزدیک خود نبی کریم ﷺ نے اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر فرمادیا تھا۔ ہمارے دلائل میں سے دو دلیلیں مسند امام اعظم کی مذکورہ بالا دو حدیثیں ہیں چنانچہ پہلی حدیث میں آپ نے فرمایا کہ اہل عراق حقیقی نامی گاؤں سے احرام باندھیں اور دوسری حدیث میں حضرت عمر نے بیان کیا کہ تمہارے نبی نے اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر فرمادیا تھا اور حقیقی اور ذات عرق ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں اس لیے شیخ محقق دہلوی نے اس حدیث کے الفاظ میں فرمایا کہ یہ دونوں ایک جگہ کے نام ہیں۔ ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا کہ حقیقی ذات عرق کی حد میں واقع ہے۔ بہر حال ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل عراق کے لیے میقات خود مقرر فرمادینے سے اس کے علاوہ مزید دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہلی مدینہ کا میقات (احرام گاہ) ذوالحلیہ ہے اور (اگر براستہ شام مکہ مکرمہ میں آنا چاہیں تو) دوسرے راستے میں مجھ میقات ہے اور اہل عراق کا میقات ذات عرق ہے اور اہل نجد کا میقات قرن ہے اور اہل یمن کا میقات یلم ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کیا ہے۔

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر و متعین فرمادیا تھا۔ اس کو امام ابو داؤد نے سنن ابو داؤد میں اور امام نسائی نے سنن نسائی میں روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ، کتاب المناسک الفصل الاول میں الفصل الثانی ص ۲۲۲-۲۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

(۵) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ اہلی مدینہ کا میقات ذوالحلیہ ہے اور اہل شام کا میقات مجھ اور اہل یمن کا میقات یلم اور اہل نجد کا میقات قرن اور اہل مشرق (یعنی اہل عراق) کا

میقات ذات عرق ہے پھر آپ نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا اور عرض کیا: اے اللہ! ان دلوں کو متوجہ فرما!

[سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۰۵، مطبوعہ نریہ کتب شال، اردو بازار لاہور]

(۷) علاوہ ازیں امام بزار نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس سے اور امام عبدالرزاق نے حضرت ابن عمر سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر فرمادیا تھا۔

[شرح مسند امام اعظم لاطلی قاری ص ۵۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

لاطلی قاری لکھتے ہیں:

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ اور کوفہ کے شہر فتح ہوئے تو وہاں کے لوگ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ نبی کریم ﷺ نے اہل نجد کے لیے قرن کو میقات مقرر فرمایا ہے جو ہمارے راستے سے بہت دور ہے اگر ہم قرن جانے کا ارادہ کریں تو ہمارے لیے بہت مشکل اور دشوار ہے حضرت عمر نے فرمایا: تم اپنے راستے میں کوئی جگہ مقرر کر لو پھر آپ نے ان کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر فرمادیا۔ امام شافعی اور ان کے تبعین اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اہل عراق کے لیے ذات عرق ہی میقات ہے لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقرر و تعیین سے نہیں بلکہ حضرت عمر نے اپنے اجتہاد سے اس کا تقرر و تعیین فرمایا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ انہیں نبی کریم کے تقرر کی خبر نہیں ملی تھی اس لیے انہوں نے اپنے اجتہاد سے ذات عرق کو اہل عراق کے لیے میقات مقرر فرمادیا اور آپ کا یہ اجتہاد صحیح اور سنت نبوی کے موافق ثابت ہوا کیونکہ آپ کی اکثر آراء قرآن و سنت کے موافق ثابت ہوتی تھیں (جب آپ کو ذات عرق کے میقات کے تقرر کی حدیث نبوی مل گئی تو آپ نے بدلا خطبہ میں بیان فرمادیا) اور عراق اور اس کے دیگر شہر نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں فتح نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ کی وفات کے بعد فتح ہوئے مگر چونکہ نبی کریم ﷺ کو علم تھا کہ مغرب عراق وغیرہ فتح ہو جائے گا اور وہاں سے لوگ حج کرنے آیا کریں گے اس لیے آپ نے اپنی دنیوی زندگی میں اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر فرمادیا تھا جیسا کہ آپ نے اہل مصر اور اہل شام کے لیے ان کے فتح ہونے سے پہلے میقات مقرر فرمادیئے تھے لہذا حضرت عمر نے اپنے اجتہاد سے اس کی تجدید کی اور خود تقرر نہیں کیا۔ [مرآت شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۲۷۱، مطبوعہ مکتبہ المدینہ، لبنان]

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو تقرر فرمایا ہے وہاں اس سے عملی تقرر مراد ہے۔

[مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۹۲، مطبوعہ مکتبہ کتب خانہ مہرست]

محرم کے لباس کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! محرم کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ محرم نہ قمیص پہن سکتا ہے اور نہ عمامہ نہ شیردانی وغیرہ نہ شلوار نہ ٹوپی اور نہ ایسا کپڑا پہن سکتا ہے جس میں درس یا زعفران کے رنگ کی آمیزش ہو اور جس شخص کے پاس جوتے نہ ہوں وہ سوزے پہن لے اور وہ انہیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے۔

۴۔ بَابُ الْبَاسِ الْمَحْرَمِ

۲۲۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَاذَا يَلْبَسُ الْمَحْرَمُ مِنَ الْقِيَابِ قَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَلَا الْجُمَامَةَ وَلَا الْقَبَاءَ وَلَا الشَّرَاطِيلَ وَلَا الْهَرْنَسَ وَلَا ثَوْبًا مَشَّةً وَرَمَسَ أَوْ زَعْفَرَانًا وَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ.

بخاری (۱۳۴) مسلم (۲۷۹۲) ابوداؤد (۱۸۲۴) ترمذی (۸۳۳) نسائی (۲۶۶۸) ابن ماجہ (۲۹۲۹) ابن حبان (۳۷۸۴) دارمی (۳۷۸۵)

۲۲۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ إِزَارٌ فَلْيَلْبَسْ سَرَاوِيلَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ يَنْعَالَ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کے پاس تہبند نہ ہو وہ شلوار یا پانچامہ پہن لے اور جس آدمی کے پاس جوتے نہ ہوں وہ سوزے پہن لے۔

بخاری (۱۸۴۱) مسلم (۲۷۹۷) ابوداؤد (۱۸۲۹) ترمذی (۸۳۴) نسائی (۲۶۷۳) ابن ماجہ (۲۹۳۱) ابن حبان (۳۷۸۵)

حل لغات

”لَبَسَ“ میخدا واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: پہننا، پہننے، پہننا۔ ”الْعَمَامَةُ“ کپڑی۔ ”الْقَبَاءُ“ شیروانی، کوٹ، واسکت وغیرہ۔ ”السَّوَارِي“ شلوار پانچامہ۔ ”الْبُرْنُسُ“ لمبی ٹوپی اس سے مراد ہے: سر کو ڈھانپنے والا کپڑا۔ ”قَسَّةٌ“ اس میں مس میخدا واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ اور نَعَصُو يَنْعَسُو دونوں سے آتا ہے اس کا معنی ہے: چھونا، پہننا۔ ”وَزْنٌ“ ایک خاص قسم کی خوشبودار گھاس ہے جو رنگائی کے کام آتی ہے۔

محرم کے لیے جائز اور ناجائز لباس کی تفصیل

سائل کو سوال کرنا نہیں آیا کیونکہ پوچھنے والی بات یہ تھی کہ محرم کون سے کپڑے نہ پہنے؟ لیکن سائل نے پوچھا کہ محرم کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ حالانکہ مسلک حنفی میں تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے پھر شریعت نے جن کو منع کر دیا وہ حرام ہو گئیں اور جن کو لازم قرار دے دیا وہ فرض اور واجب ہو گئیں باقی اپنی اصل پر مباح رہیں۔ [شرح مصنف امام اعظم لاطالی قاری] یہ تو نبی کریم ﷺ کے کلام کی فصاحت و بلاغت کا کمال ہے کہ آپ نے حکیمانہ فصیح و بلیغ جواب دیا اور نہ پہننے والے چند کپڑے بیان فرمائے جن کو یاد رکھنا آسان ہے ورنہ پہننے والے کپڑے تو بے شمار ہیں۔ بہر حال چونکہ روئے سخن مرد و عورت کی طرف ہے اس لیے کپڑی، ٹوپی کا بھی ذکر فرمایا، مطلب یہ ہے کہ حاجی مرد سلاہوا کپڑا نہ پہنے اور نہ سر کو ڈھانچے ان دونوں حکموں سے عورتیں علیحدہ ہیں، پہننے سے مراد عادت کے مطابق ہے پانچوں میں پاؤں ڈال کر اور قیص کی آستینوں میں ہاتھ ڈال کر اگر کوئی محرم تہبند کی طرح پانچامہ لپیٹ لے اور چادر کی قیص اوڑھ لے تو ہائز ہے کہ یہ پہننا نہیں۔ برنس ایک خاص قسم کی لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں جو پہلے مروج تھی مگر یہاں مطلقاً سر ڈھانچنے والا کپڑا مراد ہے لہذا محرم سر پر کپڑا چادر دوپٹہ وغیرہ نہیں ڈال سکتا جب کہ وہ سر سے حاصل ہو یا چھتری لگانا، خیمہ میں بیٹھنا درست ہے کہ چھتری اور خیمہ کی چھت سر سے علیحدہ رہتی ہے۔

احناف کے نزدیک یہاں کعبین سے مراد قدم کے درمیان ابھری ہوئی سخت ہڈی ہے اس کا کھلا رکھنا ضروری ہے اور ڈھانچنا منع ہے۔ شوافع کے نزدیک وہی عرنی فحش یعنی قدم کے آس پاس کی دو ہڈیاں مراد ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ محرم کو یہ حالت احرام نہ سوزہ پہننا درست ہے نہ جوتا یا بوت جس سے وسط قدم کی ابھری ہوئی ہڈی ڈھک جائے، ٹخنیں چڑا کے سوزے کو کہتے ہیں، سوتلی یا اوئی سوزے کو کُجرا میں کہا جاتا ہے وہ ممنوع نہیں ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگر حاجی کے پاس جوتے نہ ہوں تو چڑے کے سوزے کو کاکٹ کر جوتے کی طرح بنائے پھر اسے پہن لے۔ اور حضرت ابن عمر کی حدیث یہاں تک متفق علیہ ہے جبکہ امام بخاری نے یہ اضافہ بھی روایت کیا ہے کہ ”وَلَا تَنْتَبِ الْمَرْأَةُ الْهُرْمَةَ وَلَا تَلْبَسَ الْقَطَارِينَ“ اور عرمہ عورت نہ منہ پر نقاب ڈالے اور نہ دستانے پہنے۔ درس عرب کی

ایک مشہور گھاس ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں اس کا رنگ بھی زعفران کی طرح پیلا ہوتا ہے یعنی کوئی محرم مرد ہو یا عورت زعفران یا درس میں رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ یہاں پہننے سے مراد استعمال کرنا ہے لہذا اس رنگ کی چادر یا تہبند بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ [الحوذ از مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۱۸۳-۱۸۴ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ کبیرات]

۵۔ بَابُ عَذْمِ جَوَازِ الطَّبِيبِ

لِلْمُحْرِمِ بَعْدَ الْاِحْرَامِ

۲۲۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ أَبِيهِ لَوْلَا سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ أَنْ يَطْبُبَ الْمُحْرِمَ لَوْلَا أَنْ أَصْبَحَ أَنْضَحَ لَطَوَّأْتُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَصْبَحَ أَنْضَحَ طَبِيبًا لَأَتَيْتُ غَائِسَةً فَلَمْ تَكُنْ لَهَا فَفَالَتْ أَنَا طَبِيبٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَافَ لِي أَزْوَاجُهُ ثُمَّ أَصْبَحَ تَعْنِي مُحْرِمًا وَلِي رَوَانَةٌ كُنْتُ أَطْبُبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَطْلُوكَ فِي بَسَائِهِ ثُمَّ يَصْبِحُ مُحْرِمًا. مسلم (۲۸۴۲) نسائی (۲۷۰۵)

احرام کے بعد محرم کے لیے

خوشبو لگانا جائز نہیں

حضرت ابراہیم بن محمد اپنے والد (حضرت محمد بن حنفیہ) سے بیان کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کیا محرم خوشبو استعمال کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: البتہ میں اس حال میں منع کروں کہ مجھ سے تارکول کی بدیو آ رہی ہو تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں اس حال میں منع کروں کہ مجھ سے خوشبو کی مہک آ رہی ہو پھر میں حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس حاضر ہوا سو میں نے ان سے اس سوال کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی اور آپ اپنی ازدواج پاک کے پاس تشریف لے گئے پھر آپ مع احرام باندھ کر عزم ہو گئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کو خوشبو لگا کر تھی پھر آپ اپنی ازدواج کے پاس تشریف لے جاتے پھر آپ مع احرام باندھ لیتے۔

حل لغات

”يَطْبُبُ“ صیغہ واحد کر فاعل فعل مضارع معروف باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: خوشبو لگانا۔ ”أَنْضَحُ“ صیغہ واحد تکلم فعل مضارع معروف باب فتح سے ہے اس کا معنی ہے: چھڑکنا مراد مہکنا ہے۔ ”لَطَوَّأْتُ“ اس کا معنی ہے: تارکول یہ تیل کی طرح ایک سیال بدبودار مادہ ہوتا ہے جو اہل یا صنوبر وغیرہ کے درختوں سے لگتا ہے اور خارج زودہ اونٹوں کو لگایا جاتا ہے۔ بعض قراءتوں میں ”لَطَوَّأْتُ“ (قاف کے نیچے ذر کے ساتھ) آیا ہے اس کا معنی ہے: بگھلا ہوا تانا یا پھیل۔ ”طَبِيبٌ“ صیغہ واحد تکلم فعل ماضی معروف باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: خوشبو لگانا۔

اس حدیث میں حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہ کے اقوال میں یہ ظاہر تضاد اور تعارض معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابن عمر نے محرم کے لیے خوشبو کو نا پسندیدہ قرار دیا ہے اور اس کی بجائے تارکول کی بدیو کو ترجیح دی ہے جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ نے رسول اللہ کے عمل سے محرم کے لیے خوشبو کے جواز کو ثابت کیا ہے لیکن حقیقت میں کوئی تضاد اور تعارض نہیں ہے اس لیے کہ خوشبو لگانے کی دو صورتیں ہیں: ایک احرام سے پہلے خوشبو لگانا پھر احرام باندھنا جبکہ خوشبو باقی ہو تو یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سے یہی ثابت کیا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی احرام باندھ لینے کے بعد خوشبو لگائے تو یہ ممنوع اور ناجائز ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی کو نا پسندیدہ اور مکروہ قرار دیا ہے۔

ممنوعات احرام کی حکمتیں

علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (حضرت ابن عمر کی حدیث میں) مذکورہ لباس کی تحریم اور تہنید و چادر کی اہانت میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ محرم تکبر و غرور اور اکڑنے، اترانے سے دور رہے اور خشوع و خضوع، تواضع، انکساری اور عاجزی کی صفات کے ساتھ متصف ہو جائے اور اسے ہمیشہ یہ یاد رہے کہ وہ محرم ہے اور اس حالت میں کثرت کے ساتھ دعائیں مانگے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و رفعت اور کبریائی و بڑائی کا اعتراف کرے اور اس کے اذکار سے کوتاہی نہ کرے اور اپنے آپ کو مخلوقات و محرمات سے محفوظ رکھے اور احرام کے ان سلعہ سادہ کپڑوں کے ذریعہ موت کو اور کفن پہننے کو اور قیامت کے روز دو بارہ زندہ ہو کر اٹھنے اور نکلے بدن نکلے پاؤں حق کے داعی کی دعوت پر سر اور نگاہیں جھکا کر اس کی طرف سر پٹ دوڑنے کو یاد کرے اور خوشبو لگانے اور عورتوں کے پاس قربت سے منع کرنے میں یہ حکمت ہے کہ محرم کو دنیا کی نعمتوں لذتوں اور اس کی زیب و زینت اور ہار سنگار سے دور رکھا جائے کیونکہ حاجی احرام و سفر کی حالت میں پرانندہ بالوں اور غبار آلود چہرے والا عاشق زار فقیر ہوتا ہے اور وہ اپنے عزیمت و ارادہ اور اپنے مقصد سفر کو آخرت کے مقاصد کے لیے جمع رکھے اور احرام کے بعد حاجی کے لیے مکہ مکرمہ کے علاقہ میں شکار کے مارنے کو حرام قرار دینے کی حکمت بیت اللہ اور اس کے حرم پاک کی تعظیم و تکریم ہے اور وہاں کے شکار کو مارنے اور درختوں کو کاٹنے سے منع کرنے کی حکمت بھی یہی تعظیم و تکریم ہے۔ [سراقات الطالح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۵ ص ۷۷۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ عمان]

جمع تمتع

۶۔ بَابُ التَّمَتُّعِ

۲۲۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّنَیْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُجِلُّوا مِنْ إِخْرَائِهِمْ بِالنَّحْيِ وَيَجْعَلُوا هُمْرًا.

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم فرمایا کہ وہ حج کے لیے ہائے جمعے گئے اپنے احرام کھول دیں اور اسے عمرہ کا احرام بنالیں۔

مسلم (۲۹۴۵) نسائی (۲۸۰۷) ابن ماجہ (۲۹۸۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں (حج کو منسوخ کر کے عمرہ کرنے کا) جو حکم دینا تھا وہ حکم دے دیا تو حضرت سراقہ بن مالک نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہمیں اس عمرہ کے بارے میں بتائیے کہ کیا یہ عمرہ ہمارے ساتھ خاص ہے یا یہ ہمیشہ کے لیے ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

۲۲۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّنَیْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ لَنَا أَمْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا أَمَرَ بِهِ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ قَالَ سَوَاقَةُ بْنُ خَالِدٍ يَأْذَنُ لِلَّهِ أَنْ يَخْرُجَ عَنْ هُمْرِنَا الْآلَا حَاصَّةً أَمْ لِلْأَبْدَانِ هِيَ الْآلَا.

مسلم (۲۹۴۳) ابوداؤد (۱۷۸۷) نسائی (۲۸۰۸)

ابن ماجہ (۲۹۸۰)

حل لغات

”يُجِلُّوا“ صيغة جمع مذكر غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: حلال کرنا، عہد و پیمان سے آزاد ہو جانا، محرم کا احرام سے لگانا، سزا کا مستحق ہونا، واجب کرنا۔ ”أَخْبَرُوا“ صيغة واحد مذكر، فعل امر حاضر معروف، باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: آگاہ کرنا، خبردار کرنا، خبر دینا، بتانا، آزمانا، امتحان لینا، تجربہ کرنا۔

حج کی اقسام اور ایک بُری رسم کی تردید

حج کی تین اقسام ہیں: (۱) حج افراد یعنی صرف حج کے لیے احرام باندھنا (۲) حج تمتع یہ ہے کہ پہلے عمرہ کے لیے احرام باندھنا

اور عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دینا پھر آٹھ ذی الحج کو حج کا احرام باندھ لینا (۳) حج کران یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھنا اور عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد احرام نہ کھولنا بلکہ بدستور احرام پر قائم رہنا اور حج کرنے کے بعد احرام کھولنا۔

ملاطی قاری لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین یہ خیال کرتے تھے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا بدترین گناہ ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مشرکین کے اس باطل اور من گھڑت گمان اور اس بدترین رسم کو ختم کرنے کے لیے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ حج کا احرام کھول دیں اور اسے عمرہ بتالیں اور چونکہ مشرکین کی اس بُری رسم کو مٹانے کے لیے صرف اس سال حجۃ الوداع میں حج کو فتح کر کے عمرہ میں تبدیل کیا گیا تھا اس لیے حضرت سراقہ بن مالک نے سوال کیا کہ حج کے مہینوں میں عمرے کا جواز بھی صرف ہمارے لیے مخصوص ہے یا یہ ہمیشہ کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا جواز ہمیشہ کے لیے ہے اور یہ حدیث صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۷۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج مفرد کا احرام باندھ کر روانہ ہوئے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صرف عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوئی تھیں۔ جب ہم سرف کے مقام پر پہنچے تو حضرت عائشہ صدیقہ حائضہ ہو گئیں جب ہم مکہ مکرمہ میں پہنچے تو بیت اللہ کا اور صفا و مروہ کا طواف کیا پھر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ جس کے پاس حدی (قربانی کا چانور) نہ ہو وہ حلال ہو جائے ہم نے عرض کیا: حلال ہونے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ احرام کھول کر مکمل حلال ہو جائیں سو ہم نے اپنی بیویوں سے جنسی عمل کیا خوشبو لگائی اور سلعے ہوئے کپڑے پہن لیے اس وقت یوم عرفہ میں چار دن باقی تھے پھر یوم ترویہ (آٹھ ذی الحج) کو ہم نے حج کا احرام باندھا اور رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں آپ نے وجہ پوچھی اور فرمایا: کیا بات ہے کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: مجھے حیض آ گیا ہے اور لوگ عمرہ کے احرام سے حلال ہو گئے ہیں جبکہ میں حلال نہیں ہو سکتی کیونکہ میں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی ہے اور لوگ اب حج کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ ایک عارضہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کے لیے مقدر فرمادیا ہے سو تم غسل کرو اور حج کا احرام باندھ لو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور تمام مواقع پر ٹھہریں جب وہ پاک ہو گئیں تو انہوں نے کعبہ معظمہ اور صفا و مروہ کا طواف کیا پھر آپ نے فرمایا: تم حج اور عمرہ دونوں سے حلال ہو گئیں۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں اپنے دل میں شک محسوس کرتی ہوں کہ میں نے حج سے پہلے بیت اللہ (اور صفا و مروہ) کا طواف نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: اے عبدالرحمن اتم اپنی بہن کو لے جاؤ اور ان کو محکم کے مقام سے عمرہ کراؤ اور یہ واقعہ محصب کی رات ہوا۔

[صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۹۱ مطبوعہ نور محمد راجع الطالیع المطبوعہ المکتبۃ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء]

حیض والی عورت کا حج

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ حج تمتع کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچیں تو اسی دوران انہیں حیض آ گیا سو نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنا عمرہ چھوڑ دیں۔

۷۔ بَابُ حَجِّ الْحَائِضِ

۲۳۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الثَّوْمِيِّ عَنْ زُجَلٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَدِمَتْ وَهِيَ مَتَمِّعَةٌ وَهِيَ حَائِضٌ فَلَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَضَتْ عُمْرَتَهَا.

بخاری (۱۵۵۶) مسلم (۲۹۱۱) ابوداؤد (۱۷۸۲)

ترمذی (۹۴۵) نسائی (۲۷۴۲) ابن ماجہ (۳۰۰۰)

۲۳۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ حج تمتع کی نیت

سے مکہ مکرمہ پہنچیں تو انہیں اس دوران حیض کا عارضہ لاحق ہو گیا، سو نبی کریم ﷺ انہیں عمرہ کو فتح کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اپنا عمرہ ترک کر دیا۔

الْأَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَدِمَتْ مَمْنَعَةَ وَهِيَ خَائِضٌ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَقْرَأَ عُمرَتَهَا. (سابقہ ۲۳۰)

۲۳۲- أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَدِمَتْ مَمْنَعَةَ وَهِيَ خَائِضٌ فَأَمَرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَقْرَأَ عُمرَتَهَا وَاسْتَأْنَفَتِ الْحَجَّ حَتَّى إِذَا قَرَعَتْ مِنْ حَجَّتِهَا أَمَرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَصُدِّرَ إِلَى التَّوْبِيمِ مَعَ أَبِيهَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ.

سابقہ (۲۳۰)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ حج تمتع کا ارادہ کر کے مکہ مکرمہ میں آئیں اور اسی دوران انہیں حیض آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں عمرہ کو فتح کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اپنا عمرہ چھوڑ دیا اور نئے سرے سے حج کا احرام باندھ لیا، یہاں تک کہ جب آپ حج کے اعمال سے فارغ ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اب وہ اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن کے ساتھ صحیح کے مقام پر جائیں اور وہاں سے عمرے کا احرام باندھ کر آئیں (اور اس کی قضاء پوری کریں)۔

حل لغات

”قَدِمْتُ“ ”مید و احد موت غائب“ فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يُسْمَعُ ہے اس کا معنی ہے: آنا، لوٹنا، ارادہ کرنا، جرات کرنا۔ ”قَرَعْتُ“ ”مید و احد موت غائب“ فعل ماضی معروف باب نصر سے ہے اس کا معنی ہے: ترک کرنا، چھوڑنا، پھینکنا۔ ”اسْتَأْنَفْتُ“ ”مید و احد موت غائب“ فعل ماضی معروف باب استنعا سے ہے اس کا معنی ہے: نئے سرے سے کوئی کام کرنا۔

عمرے کی قضاء

چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس سفر میں حج تمتع کی نیت کی وجہ سے پہلے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا لیکن حج سے پہلے عمرہ نہ کر سکیں کیونکہ مکہ مکرمہ میں پہنچے ہی انہیں حیض آ گیا، جس کی وجہ سے آپ بیت اللہ کا طواف نہ کر سکیں (کیونکہ مسجد میں طہارت کے بغیر داخلہ ممنوع ہے) اور طواف کعبہ کے بغیر منا و مردہ کے درمیان سعی بھی نہیں ہو سکتی اس لیے آپ عمرے کا کوئی رکن ادا نہ کر سکیں، جس کی بناء پر نبی کریم ﷺ نے انہیں عمرے کو چھوڑ کر حج کا احرام باندھنے کا حکم دے دیا، چنانچہ آپ نے اپنا عمرہ فتح کر دیا اور حج کا احرام باندھ لیا اور حج کے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کے ساتھ صحیح کے مقام پر جا کر عمرہ کا احرام باندھا اور عمرے کی قضا پوری کی اور مقام صحیح مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر حدود حرم سے باہر واقع ہے اب وہاں مسجد عائشہ بنتی ہوئی ہے عام حجاج کرام وہاں جا کر نفلی مردوں کا احرام باندھتے ہیں کیونکہ یہ جگہ حرم کی حدود سے قریب ترین ہے۔

۸- بَابُ إِهْرَاقِ الدَّمِّ عَلَى رَفِضِ

الْعُمْرَةِ بَعْدَ الْإِحْرَامِ

۲۳۳- أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَبَحَ لِوَفِضَتِهَا الْعُمْرَةَ بَقَرَةً. بخاری (۲۹۴۰) مسلم (۲۹۱۸)

۲۳۴- أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رَجُلٍ

احرام کے بعد عمرہ چھوڑنے پر

قربانی دینے کا حکم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے (حضرت عائشہ صدیقہ) کے عمرہ چھوڑنے پر ایک گائے ذبح کی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے

ابن جراح عن عائشة أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر برفضها العمرة دماً. (۲۳۳)

۲۳۵۔ أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم عن الأسود عن عائشة أنها قالت يا نبي الله يضر الناس بجمعة وعمره وأضر بجمعة فأمر النبي صلى الله عليه وسلم عبد الرحمن بن أبي بكر فقال انطلق بها إلى التميم فلتهل ثم لتفرغ منها ثم لتعجل علي فأتى ففعل ما يظن العقبة.

بخاری (۱۷۸۷) مسلم (۲۹۲۷)

ایک قربانی میں گائے ذبح کرنے کی حکمت

چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایام حیض کے عارض ہونے کے عذر کے سبب احرام باندھنے کے بعد عمرہ کو جمع کر دیا تھا اس لیے ان کی طرف سے قربانی کے ذریعہ عمرہ توڑنے کے قصاص کو پا کر کیا گیا نیز اگرچہ اس نقصان کی تلافی کے لیے ایک بکری کی قربانی بھی کافی تھی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبوبہ زوجہ محترمہ کی طرف سے تخریب بھلائی میں اضافہ کرنے اور صدقہ و خیرات کی مد میں زیادہ سے زیادہ نکل کرنے کے لیے سات حصوں کی حامل گائے کو ذبح کر کے قربانی دی۔

[شرح مسند امام اعظم لامل قاری ص ۳۰۶-۳۰۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

غیر محرم کا شکار محرم کے لیے کھانا جائز ہے

حضرت طلحہ بن عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم شکار کے گوشت کے متعلق آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بحث کر رہے تھے کہ غیر محرم جسے شکار کرے تو اسے محرم کھا سکتا ہے (کہ نہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ ہے تھے یہاں تک کہ ہماری آوازیں بلند ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور فرمایا: تم کس بات میں جھگڑ رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ شکار کے گوشت کے متعلق جسے غیر محرم آدمی نے شکار کیا ہو تو اس کو محرم کھا سکتا ہے (کہ نہیں) پس آپ نے ہمیں اسے کھانے کی اجازت دے دی۔

حضرت ابو قتادہ نے بیان فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا اور میرے علاوہ ان میں کوئی شخص غیر محرم نہیں تھا سو میں نے جنگلی گدھوں کو دیکھا تو میں اپنے گھوڑے کے پاس چلا گیا اور اس پر سوار ہو گیا اور میں جلدی میں اپنا کورا اٹھاتا بھول گیا تو میں نے

۹۔ بَابُ يَجُوزُ أَكْلُ صَيْدِ

الْحَلَالِ لِلْمَحْرَمِ

۲۳۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُمَانَ بْنِ مُعَمَّادٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ تَذَاكَرْنَا لَحْمَ صَيْدٍ يُصِيدُهُ الْحَلَالُ لِمَا كَلَّمَهُ الْمَحْرَمُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَائِمٌ حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا فَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لِمَا يَنْتَازِعُونَ فَقُلْنَا لِمَا كَلَّمَهُ صَيْدٍ يُصِيدُهُ الْحَلَالُ لِمَا كَلَّمَهُ الْمَحْرَمُ قَالَ فَأَمَرْنَا بِأَكْلِهِ. مسلم (۲۸۶۰) نسل (۲۸۱۹)

۲۳۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْتُ فِي زَهْطٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي الْقَوْمِ حَلَالٌ غَيْرِي فَظَنَنْتُ نَعْمَةً فَبَسَرْتُ إِلَى فَرَسِي فَرَجَعْتُهَا

وَعَجَلْتُ عَنْ سَوِيٍّ قُلْتُ لَهُمْ نَاوِلُونِيهِ لَأَكُوهُ
فَنَزَلَتْ عَنْهَا لَمَّا عَذْتُ سَوِيٍّ لَعَلَّتْ التَّعَامَةَ
فَأَعَذْتُ مِنْهَا جَمَارًا فَأَكَلْتُ وَأَكَلُوا.

بخاری (۲۵۷۰) مسلم (۲۸۵۱) نسائی (۲۸۲۹) ابن

ماہ (۳۰۹۳)

اپنے عرم ساتھیوں سے کہا کہ تم مجھے یہ کوزا پکڑا دو لیکن انہوں نے انکار کر دیا چنانچہ میں اپنے گھوڑے سے نیچے اتر اور میں نے اپنا کوزا اٹھایا اور میں جنگلی گدھوں کی تلاش میں نکل پڑا اور میں نے ان میں سے ایک جنگلی گدھے کو پکڑ لیا پس میں نے خود بھی اس میں سے کھایا اور میرے دیگر عرم ساتھیوں نے بھی کھایا۔

حل لغات

”قَدْ أَكْرَمْنَا“ میثد جمع شکلم فعل ماضی معروف مثبت باب تفاعل سے ہے اس کا معنی ہے: بحث و مباحثہ کرنا، تکرار کرنا، مذاکرہ کرنا۔ ”يُضْرَبُ“ میثد واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب ضَرْبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: شکار کرنا۔ ”نَعَامَةً“ شتر مرغ یا جنگلی گدھوں کا غول۔ ”يُسْرَتُ“ میثد واحد شکلم فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرْبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: چلنا، سیر کرنا۔ ”نَاوِلُونِيهِ“ اس میں ”نَاوِلُو“ میثد جمع مذکر حاضر معروف باب مفاعلہ سے ہے اس کا معنی ہے: کوئی چیز کسی کو دینا، کوئی چیز کسی کو پکڑانا اس کے آخر میں نون دقائے یائے شکلم اور ضمیر منقول یہ ہے۔

محرم کے لیے غیر محرم کے شکار کے جواز میں ائمہ کا اختلاف

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ
وَاللَّسْتُورِ وَحَرِيمٌ عَلَيْكُم صَيْدُ الْبَرِّ مَا قُتِمَ حَرَامًا

دریا کا شکار کرنا اور اس کا کھانا تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے اور جنگلی کا شکار کرنا تم پر حرام کیا گیا ہے جب تم احرام میں ہو۔ (المائدہ: ۹۶)

اس آیت میں یہ مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے کہ محرم کے لیے دریا کا شکار حلال ہے اور جنگلی (یعنی جنگل) کا شکار حرام ہے اور دریا کا شکار وہ ہے جس کی پیدائش دریا میں ہو اور جنگلی کا وہ ہے جس کی پیدائش جنگلی میں ہو۔

[تفسیر خازن القرآن ص ۲۲۲ مطبوعہ مکتبۃ القرآن جلی کشتہ لاہور]

علامہ نووی شافعی کہتے ہیں کہ امام شافعی فرماتے ہیں: بیع اور ہبہ کے ذریعے محرم کے لیے شکار کے جانور کا مالک ہونا حرام ہے اور اگر محرم خود شکار کرے یا اس کے لیے شکار کیا جائے خواہ اس کی اجازت سے ہو یا نہ ہو تو وہ شکار محرم پر حرام ہے اور اگر غیر محرم اپنے لیے جانور کو شکار کرے اور وہ محرم کا قصد نہ کرے پھر اس کا گوشت محرم کو ہبہ کرے یا فروخت کر دے تو محرم کے لیے اس کا کھانا جائز ہے لیکن ہاراند ہبہ ہے۔ امام مالک، امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جب محرم کی اعانت نہ ہو تو پھر محرم کے لیے شکار کا گوشت حرام نہیں ہے خواہ غیر محرم نے اپنے لیے شکار کیا ہو یا محرم کے لیے کیا ہو۔

[شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۳۳۳ فریڈ بک سٹال لاہور]

احناف کی سب سے قوی دلیل (صحیح مسلم میں) اس باب کی ۲۷۴ سے لے کر ۲۷۵ تک کی روایات ہیں ان تمام روایات میں حضرت ابوقحادہ رضی اللہ عنہ کے شکار کا ذکر ہے۔ حضرت ابوقحادہ رضی اللہ عنہ غیر محرم تھے انہوں نے جنگلی گدھا شکار کیا اور عرم ساتھیوں نے ان کے اصرار کے باوجود ان کی کوئی مدد نہیں کی۔ شکار کا گوشت سب نے کھالیا بعد میں تردد ہوا تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے عرم صحابہ سے فرمایا: تم میں سے کسی نے اس کا حکم دیا تھا یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا یا اس کے پکڑنے میں مدد کی تھی؟

سب نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تم اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اس میں سے کچھ باقی ہے؟ صحابہ نے عرض کی: ایک ٹانگ باقی ہے آپ نے وہ ٹانگ لے کر کھالی یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

اس حدیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ محرم کے لیے غیر محرم کے شکار کو کھانے کی حرمت کی جتنی وجوہات ہو سکتی تھیں وہ آپ نے بیان فرمادیں کہ کسی محرم نے شکار کا حکم تو نہیں دیا؟ اس کی طرف اشارہ تو نہیں کیا؟ شکار کرنے میں مدد تو نہیں کی؟ سواگر محرم کی خاطر شکار کرنے کی وجہ سے بھی غیر محرم کا شکار محرم پر حرام ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس صورت کو بھی بیان فرمادیتے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے وہ تمام سوالات کیے ہیں جن کی وجہ سے غیر محرم کا شکار محرم پر حرام ہوتا ہے اور یہ حلال اور حرام میں امتیاز کرنے کا موقع تھا کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے یہی مسئلہ دریافت کیا تھا کہ آیا غیر محرم کا شکار محرم کے لیے جائز ہے یا نہیں اور جب رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر یہ سوال نہیں کیا کہ آیا یہ شکار محرم کے لیے اور اس کی خاطر کیا گیا تھا؟ تو پتا چلا کہ اس کا حرمت سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا جب محرم نے غیر محرم کو شکار کا حکم دیا ہو نہ اس کی طرف اشارہ کیا ہو اور نہ اس میں مدد کی ہو تو اس غیر محرم کے شکار کا گوشت محرم کے لیے کھانا بلاشبہ جائز ہے خواہ غیر محرم نے وہ شکار اپنے لیے کیا ہو یا محرم کے لیے کیا ہو اور یہی احتیاط کسرہم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۳۱۵ مطبوعہ فرید بک سنٹر لاہور)

۱۰۔ بَابُ مَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ لِقَاتُهُ

۲۳۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ ثَابِعٍ عَنْ اَبِي عَمْرٍو عَنْ
رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ
الْقَارَةَ وَالْحَيَّةَ وَالْكَلْبَ وَالْجَذَاعَ وَالْعُقْرَبَ۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ
آپ نے فرمایا کہ محرم آدمی چوہے سانپ کتے چیل اور بچھو کو قتل کر سکتا ہے۔

بخاری (۳۳۱۴) مسلم (۲۸۶۸) ابوداؤد (۱۸۴۶) ترمذی (۸۳۸) نسائی (۲۸۳۵) ابن ماجہ (۳۰۸۸)

حل لغات

”يَقْتُلُ“ صیغہ واحد کر غائب فعل مضارع معروف باب نصر ينصر سے ہے اس کا معنی ہے قتل کرنا جان سے مار ڈالنا۔
”الْقَارَةُ“ کا معنی ہے چوہا۔ ”الْحَيَّةُ“ کا معنی ہے سانپ۔ ”الْكَلْبُ“ کا معنی ہے کتا۔ ”الْجَذَاعُ“ کا معنی ہے چیل۔
”الْعُقْرَبُ“ کا معنی ہے بچھو۔

موذی جانوروں کا ذکر

اس حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے چنانچہ ملاحظہ فرمائی گئی ہیں:

- (۱) اور اس حدیث کو مسلم نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ پانچ موزی جانور ہیں جن کو حلال میں اور حرم میں مار ڈالنا جائز ہے: سانپ چشکبرا کو چوہا دیوانہ کتا اور چیل۔
- (۲) اور اس حدیث کو ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ پانچ جانوروں کو حرم میں قتل کرنا جائز ہے: سانپ بچھو چیل چوہا اور دیوانہ کتا۔

- (۳) اور اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پانچ جانور ہیں جو سب کے سب قاصد و موزی ہیں ان کو حرم میں قتل کرنا جائز ہے: چوہا بچھو سانپ دیوانہ کتا اور کوا۔

(شرح منہاج امام اعظم ص ۱۸۹-۱۸۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

ان احادیث میں پانچ کا ذکر حصر کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام موذی جانور اور تمام شکاری درندوں کا یہی حکم ہے جیسے شیر، بھیل اور پیتا وغیرہ دبوگانے سے میں داخل ہیں اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم کے لیے ان جانوروں کا اور دیگر تمام موذی جانوروں کا قتل کرنا جائز ہے خواہ حل میں ہوں یا حرم میں، البتہ مجرم کا قتل خواہ اس نے حرم میں جرم کیا ہو یا حل میں، امام شافعی کے نزدیک اس کا قتل کرنا جائز ہے اور ہمارے (حنفیوں کے) نزدیک اگر مجرم نے حرم میں جرم کا ارتکاب کیا ہو یا باہر جرم کر کے حرم میں پناہ حاصل کر لے تو اس پر کھانا پینا وغیرہ بند کر کے مجبور کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ حرم کی حدود سے باہر نکل آئے پھر اسے جرم کی سزا میں قتل کیا جائے گا یا اس پر حد قائم کی جائے گی۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں "الغراب السابغ" کا ذکر آیا ہے جس کا معنی ہے: چتکبرا کو، یہ جنگلی کو اکلےلا ہے جس کی پیٹھ اور پیٹ سفید ہوتا ہے اور باقی جسم کالا سیاہ ہوتا ہے اور یہ رنگ پرندوں اور کتوں میں بھی ہوتا ہے اور حضرت سیدنا امام حسین سلام اللہ علیہ دلی آہلہ انکرام کے قاتل کی حالت کے بارے میں حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک چتکبرے کے کتے کو دیکھتا ہوں کہ میرے اہل بیت کے خون میں منہ مار رہا ہے چنانچہ شمر ملعون، امام حسین سلام اللہ علیہ کا قاتل کوڑھ کا مریض تھا، جسم پر سفید داغ دے رہے تھے۔ [ابو اللہ ص ۲۷۷ ج ۲ ص ۳۷۷ مطبوعہ مکتبہ نور پور رضویہ، سکرا

محرم کا نکاح کرنا جائز ہے

۱۱۔ بَابُ يَجُوزُ نِكَاحُ الْمُحْرِمِ

۲۳۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَسَّارٍ عَنْ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَزَوُّجُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُونَةَ بِنْتُ الْحَارِثِ وَهِيَ مُحْرِمَةٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ميمونہ بنت حارث سے نکاح فرمایا حالانکہ آپ اس وقت محرم تھے۔

بخاری (۱۸۳۷) مسلم (۳۴۵۲) ابوداؤد (۱۸۴۴) ترمذی (۸۴۲) نسائی (۲۸۴۰) ابن ماجہ (۱۹۶۵) مسند احمد (۱۹۱۹)

حل لغات

"تَزَوُّجٌ" میفہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فاعل سے ہے اس کا معنی ہے: شادی کرنا، نکاح کرنا۔

حضرت ميمونہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے نکاح کی تفصیل

یاد رہے کہ یہ نکاح سن سات ہجری (۶۲۷ھ) کو عمرۃ القنواء کے موقع پر بمقام سرف ہوا تھا جو مکہ مکرمہ سے چھ میل کے فاصلہ پر وادی فاطمہ کے قریب واقع ہے چونکہ حضرت ميمونہ کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے انہوں نے اپنے بہنوئی حضرت عباس کو اپنے نکاح کا ذکیل مقرر کر کے اپنا معاملہ ان کے سپرد کر دیا تھا جس کی وجہ سے حضرت عباس اور ان کی زوجہ محترمہ ام فضل جو کہ حضرت ميمونہ کی سگی بہن تھیں دونوں آپ کے نکاح کے لیے فکر مند رہتے تھے اور اسی بناء پر حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت ميمونہ کے ساتھ رشتے کی بات کی تو آپ راضی ہو گئے چنانچہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے تو ادھر حضرت عباس، حضرت ميمونہ کے رشتے کی بات طے کرنے کے لیے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور سرف کے مقام پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عباس کی باہم ملاقات ہوئی اور یہیں پر ایجاب وقبول کے ذریعہ نکاح ہوا پھر آپ عمرہ ادا کر کے حضرت ميمونہ کو لے کر مقام سرف میں تشریف لائے اور یہیں پر آپ نے شب زفاف فرمایا۔ اور تاریخ کا عجیب اتفاق ہے کہ حضرت ميمونہ کی وفات اور تدفین بھی یہیں مقام سرف میں ہوئی۔ ماطلی قاری لکھتے ہیں:

حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ ہیں ان کی سگی بہن حضرت ام الفضل لہابہ الکبریٰ ہیں جو حضرت عباس کے نکاح میں تھیں (انہیں سے حضرت عبداللہ بن عباس پیدا ہوئے جو حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں) اور حضرت میمونہ کی اخیانی بہن حضرت اسماء بنت عمیس حضرت جعفر کے نکاح میں تھیں اور دوسری اخیانی بہن حضرت سلمیٰ بنت عمیس حضرت عمرہ کے نکاح میں تھیں اور حضرت میمونہ نے اپنے بہنوئی حضرت عباس کو اپنے نکاح کا وکیل مقرر کر دیا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے آپ کا نکاح کیا پھر جب آپ نے عمرہ کی قضاء پوری کر کے احرام کھول دیا تو واپسی پر سرف کے مقام پر حضرت میمونہ سے فط زفاف ہوا۔ نیز تاریخ کا موجب اتفاق ہے کہ حضرت میمونہ کی وفات اور تدفین اسی جگہ میں ہوئی اور وادی فاطمہ کے پاس مکہ مکرمہ کے نزدیک حرمین شریفین کے درمیان آپ کی قبر مشہور و معروف زیارت گاہ ہے اور علامہ طبرانی نے کہا کہ مقام سرف مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۳۸۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان)

شیخ محقق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

جنہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت ابن عباس کی حدیث اور حضرت یزید بن اسم کی حدیث دونوں آپس میں متعارض ہیں کیونکہ حدیث ابن عباس یہ ثابت کرتی ہے کہ حضرت میمونہ کا نکاح صاحب احرام میں ہوا جبکہ حدیث یزید بن اسم دلالت کرتی ہے کہ یہ نکاح مابین حلال میں ہوا سو ہمارے اصحاب حضرت ابن عباس کی حدیث کو ابن اسم کی حدیث پر ترجیح دیتے ہیں اس لیے کہ حضرت ابن عباس حفظ و اتقان اور علم و فہم میں حضرت یزید بن اسم سے افضل و اکمل ہیں نیز حدیث ابن عباس مطلق علیہ ہے باقی رہی امیر المؤمنین حضرت عثمان کی حدیث جو نجی پر دلالت کرتی ہے تو یہ نجی حرمی سے مؤول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ محرم کی شان اور اس کے حال کے مناسب نہیں کہ وہ اذکار حج کی بجائے دوران احرام اپنا نکاح کرے یا کسی دوسرے کا نکاح کرے بلکہ حج کے علاوہ دوسرے کاموں سے پرہیز کرنا افضل و مستحب ہے لیکن اس سے تحریکی نجی مراد نہیں ہے۔

(مجموع الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۷۲ مطبوعہ مکتبہ نور پور پبلیشرز)

لاعلیٰ قاری لکھتے ہیں کہ علامہ ابن الصمام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یزید بن اسم کی حدیث حضرت ابن عباس کی حدیث کی طرح قوی نہیں ہے کیونکہ حدیث ابن عباس پر ائمہ متفق ہیں جبکہ حدیث یزید کو نہ امام بخاری نے تخریج کیا ہے اور نہ امام نسائی نے روایت کیا ہے نیز حدیث یزید حفظ و اتقان میں حدیث ابن عباس کے مساوی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرو بن دینار نے امام زہری سے فرمایا: یزید بن اسم کچھ نہیں جانتا وہ تو دیہاتی اور پٹنڈی آدمی ہے وہ اس طرح اور اس طرح ایک چیز ہے نیز فرمایا: کیا تم اسے ابن عباس کے برابر قرار دے دو گے؟ اور زہری ابو رافع کی حدیث کہ آپ نے حضرت میمونہ سے حالت حلال میں نکاح کیا اور میں ان دونوں کے درمیان قاصد تھا سو اس حدیث کو صحیحین میں سے کسی نے روایت نہیں کیا اور اگرچہ صحیح ابن حبان میں اس کو روایت کیا گیا ہے لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ درجہ رحمت کو نہیں پہنچتی اسی لیے امام ترمذی نے اس کے بارے میں سوائے "خدیث حسن" کے کچھ نہیں کہا اس بحث کی مزید تفصیل مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۳۸۱-۳۸۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان میں ملاحظہ فرمائیں۔

محرم کا بچنے لگوانا

۱۲۔ بَابُ حَبَاةِ الْمُحَرِّمِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے بچنے لگوائے حالانکہ آپ اس وقت محرم تھے۔

۲۴۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَوْدَةَ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَجَمَ وَهُوَ مُحَرَّمٌ.

بخاری (۱۸۳۵) مسلم (۲۸۸۵) ابوداؤد (۱۸۳۵) ترمذی (۸۳۹) نسائی (۲۸۴۸) ابن ماجہ (۳۰۸۱)

حل لغات

”اِحْتَجَمَ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: بیٹگی لگوانا، پچھنے لگوانا، رُس سے خون کشید کرنا۔ ”مُحَرَّمٌ“ صیغہ واحد مذکر اسم فاعل، باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: احرام باندھنا، اُن کے کپڑے پہننا۔
محرم کے پچھنے لگوانے میں اختلاف

علامہ نووی نے کہا کہ تمام علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ عذر کی بناء پر سر وغیرہ میں محرم کے لیے پچھنے لگوانا جائز ہے اگرچہ ایسی حالت میں بال کٹوانے پر یہ البتہ بالوں کے کٹوانے کی صورت میں مذہب دینا ہوگا، لیکن اگر بال نہ کشیں تو پھر یہ بھی لازم نہیں اور اس مسئلہ کی دلیل یہ (درج ذیل) آیت ہے:

لَمَنْ تَحَنَّ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ يَبَةً أَدَّى مِنْ رَأْسِهِ
فَعِدَّةٌ مِّنْ حَبِّمَا أَوْ صَدَقَةٌ أَوْ تَصَدَّقَ (البقرہ: ۱۹۶)

اور عمدۃ القاری للحنی میں ہے کہ یہ حدیث محرم کے لیے مطلقاً پچھنے لگوانے کے جواز پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے اور حضرت عطاء، حضرت مسروق، امام قسیمی، امام ثوری اور امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے اور امام شافعی، امام احمد اور حضرت اسحاق نے بھی یہی کہا، انہوں نے حدیث کے ظاہر کو لیا اور کہا: جب تک بال نہ کشیں اور ایک قوم نے یہ بھی کہا ہے کہ محرم بغیر ضرورت کے پچھنے نہیں لگوا سکتا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ بعض روایات نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی ضرر اور تکلیف کی وجہ سے پچھنے لگوائے تھے۔

(تسبیح النہام ص ۱۱۷، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

۱۳- بَابُ اسْتِغْلَامِ الْحَبَرِ

وَالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ

حجر اسود اور رکن یمانی
کو چھونا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب سے رسول اللہ ﷺ کو حجر اسود کو چومتے (یا اسے چھوتے) ہوئے دیکھا ہے، تب سے میں نے حجر اسود کو چومنے (یا چھونے) کے عمل کو ترک نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں جب بھی رکن یمانی کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت جبریل علیہ السلام سے میری ملاقات ہوگئی اور حضرت عطاء بن ابی رباح سے یوں مروی ہے کہ کسی شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ رکن یمانی کو کثرت سے چھوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں جب بھی اس کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت جبریل کو کھڑے ہوئے دیکھا جو رکن یمانی کو چھونے والے لوگوں کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کر رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ

۲۴۱- أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ مَا تَرَكْتُ اسْتِغْلَامَ الْحَبَرِ مَتَدَّ رَأْسُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُ.

بخاری (۱۶۰۶) مسلم (۳۰۶۵) ابوداؤد (۱۸۳۶) نسائی (۲۹۵۶)

۲۴۲- أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا انْتَهَيْتُ إِلَى الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ إِلَّا لَقِيتُ عِنْدَهُ جِبْرِيلَ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رِبَاحٍ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَكْثِيرٌ مِنْ اسْتِغْلَامِ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ قَالَ مَا أَتَيْتُ عَلَيْهِ قطُّ إِلَّا وَجِبْرِيلُ قَائِمٌ عِنْدَهُ يَسْتَغْفِرُ لِمَنْ يَسْتَلِمُهُ. مسند الحارثي (۳۶۷)

۲۴۳- أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ

رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں کفر و شرک، فقر و فاقہ، ذلت و رسوائی اور دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کے مقام سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ الرُّمُحِ الْيَمَانِيَةِ وَالْحَجَرِ الْأَسْوَدِ أَلَهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَالذُّلِّ وَمَوَاقِفِ الْعُذِيِّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

ابوداؤد (۱۸۹۲) ابن ماجہ (۲۹۵۷) اخبار مکہ لمعاذی (۱۶۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی بیماری کی وجہ سے بیت اللہ کا طواف اپنی سواری پر کیا جبکہ آپ اپنی خیدہ چھڑی کے ساتھ حجر اسود اور رکن یمانی کو چھو لیتے۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے کسی بیماری کی وجہ سے اپنی سواری پر سوار ہو کر صفا اور مردہ کے درمیان طواف (سئل) کیا۔

۲۴۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمَّا طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَيْتِ وَهُوَ خَالٍ عَلَى رَاحِلِهِ يَسْتَلِمُ الْأَرْكَانَ بِمِخْطَرِهِ. وَلَمَّا دَرَاةً لَمَّا طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَهُوَ خَالٍ عَلَى رَاحِلِهِ.

بخاری (۱۶۰۷) مسلم (۳۰۷۳) ابوداؤد (۱۸۸۱) نسائی (۲۹۵۷) ابن ماجہ (۲۹۴۸)

حل لغات

”قَالَ ابْنُ هِشَامٍ“ صيغة واحد حكلم فعل ماضى معروف متنى باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: پہنچنا۔ ”مَوْقِفٌ“ اسم ظرف مكان واحد کا صیغہ ہے باب ضرب مضرب سے ہے اس کا معنی ہے: ٹھہرنے کی جگہ۔ ”خَالٍ“ صيغة واحد مذکر اسم فاعل باب نصر مضرب سے ہے اس کا معنی ہے: شکایت کرنا۔

رکن اسود اور رکن یمانی کی فضیلت

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رکن یمانی پر دو فرشتے مقرر ہیں جو ہر اس شخص کی دعا پر آمین کہتے ہیں جو ان دونوں کے پاس گزرتا ہے اور حجر اسود پر تو بے شمار ہوتے ہیں۔ علامہ اذرقی نے اس کو موقوف روایت کیا ہے اور اس طرح کی بات توفیق سے نہیں کہی جاتی، سو اس لیے یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہو جاتی ہے جس کو امام ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں رکن یمانی کے پاس جب بھی گزرا ہوں اس کے پاس میں نے ایک فرشتہ کو پایا جو پکار پکار کر آمین آمین کہتا ہے سو جب تم اس کے پاس سے گزرو تو (دعا میں یوں) کہا کرو:

اللَّهُمَّ دِنَا اتْنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَلَنَا عَذَابُ النَّارِ. (اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا)۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر فرمادیئے ہیں جو آدمی یہ دعا پڑھتا ہے کہ ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ دِنَا اتْنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَلَنَا عَذَابُ النَّارِ“ تو وہ تمام فرشتے آمین کہتے ہیں۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے، لیکن یہ قوی ہے کیونکہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالاحوال

[شرح مسند امام اعظم لملاطی قادی ص ۲۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

باقی رہا یہ سوال کہ صرف رکن یمانی اور حجر اسود کو کیوں چھوا جاتا ہے کسی اور رکن کو کیوں نہیں چھوا جاتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رکن یمانی کو چھونا اور حجر اسود کو چھونا معنی سنت ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

(۳) لَمْ أَرِ النَّبِيَّ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ إِلَّا الرُّكْنَيْنِ مِثْلَ نَبِيِّ كَرِيمٍ ﷺ کو بیت اللہ کے دو یمانی رکنوں کے سوا الیمانین۔ [تفق علیہ] کسی اور چیز کو چومنے نہیں دیکھا۔

ایک رکن اسود ہے اور دوسرا رکن یمانی ہے جو اس کے سامنے ہے اسی کا نام رکن یمانی ہے لیکن یہاں بطور تغلیب دونوں ارکان کو یمانی رکن کہا ہے اور بیت اللہ کے دو رکن اور بھی ہیں ایک رکن عراقی ہے اور دوسرا رکن شامی ہے اور ان ہر دو رکنان شامیان (دو شامی رکن) بھی کہتے ہیں اور رکن یمانی اس اعتبار سے افضل ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل بنیاد پر واقع ہے اور اسی وجہ سے اس کو اسلام کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے اور رکن اسود اس لیے افضل ہے کہ اس میں حجر اسود واقع ہے اس لیے اسے چوما جاتا ہے اور رکن یمانی میں صرف اسے ہاتھ لگانے اور چھونے پر اکتفاء کیا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے رکن یمانی کو چومنا اور بوس لینا ثابت نہیں ہے اور جمہور کا حکم موقوف ہے۔

[شرح المسند ج ۲ ص ۳۳۶ مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم دیوبند]

ملاحظہ فرمائیے کہ دوسرے دو رکنوں (رکن عراقی اور رکن شامی) کو استلام کرنا اور چھونا مکروہ ہے کیونکہ احمد اربعہ کے نزدیک یہ بدعت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ارکان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر نہیں ہیں۔

[شرح مسند امام اعظم لاملی قاری ص ۸۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

حجر اسود کی فضیلت کا بیان

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حجر اسود جنت سے اترا ہے اور یہ دورہ سے زیادہ سفید تھا لیکن انسانوں کے گناہوں نے اس کو کالا سیاہ کر دیا۔ اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھتا ہوگا اور ایک زبان ہوگی جس سے بولتا ہوگا یہ اپنے چومنے والوں کے متعلق حق کے ساتھ گواہی دے گا۔ اس کو ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بالکل ظاہر ہے کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں قیامت کے روز قرآن مجید اور ہمارے نیک اعمال وغیرہ تمام کی شکلیں ہوں گی اور سب کلام کریں گے بلکہ ہمارے اعضاء بھی بولیں گے رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَنُكَلِّمُنَا أَيْدِيَهُمْ وَنَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ" (یس: ۱۰) جو رب تعالیٰ ان چیزوں کو گویائی بخش سکتا ہے وہ سنگ اسود کو بھی گویائی اور آنکھیں وغیرہ بخش سکتا ہے۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حجر اسود حاجیوں کی شفاعت کرے گا دوسرے یہ کہ حجر اسود بہ علم الہی نافع ہے تیسرے یہ کہ حجر اسود کا چومنا مفید ہے قیامت میں کام آئے گا چوتھے یہ کہ کروڑوں آدمیوں نے اسے چوما یہ ان سب کو جانا پہچانتا ہے پانچویں یہ کہ حجر اسود ہمارے دلوں کے اخلاص و نفاق کو بھی جانتا ہے کہ کون اخلاص سے چوم رہا ہے اور کون نفاق سے چھٹے یہ کہ حجر اسود حاجیوں کے اچھے بُرے انجام اور خاتمہ کو جانتا ہے کہ کون ایمان پر مرا اور کون کفر پر تب ہی تو وہ مؤمن مخلص کی شفاعت کرے گا اور مرتد و منافق کی شفاعت نہیں کرے گا جب ایک جنتی

پتھر کے علم و قطع کا یہ حال ہے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کو اللہ تعالیٰ نے سید الخلق بنایا ہے ان کے علوم و معارف کا کیا پوچھنا جو لوگ رسول اللہ کے لیے علوم غیب نہیں مانتے وہ اس حدیث میں غور کریں۔

[مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۱۳۳ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات]

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ رکن اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یا قوتوں میں سے دو یا قوت ہیں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی روشنی کو چھپا لیا اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی روشنی کو نہ چھپاتا تو یہ مشرق و مغرب کے درمیان کو روشن کر دیتا۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

ملاطی قاری لکھتے ہیں کہ کفار قرامطہ نے جب مکہ معظمہ پر غلبہ حاصل کر لیا تو انہوں نے بہت قتل و غارت گری اور خون خرابہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے مسجد حرام اور چاوزمزم کو لاشوں سے بھر دیا اور ان میں سے بعض لوگوں نے حجر اسود کو اکھاڑ لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کب تک حیرتی پوجا کی جاتی رہے گی پھر وہ مسلمانوں کو شکست دینے کے بعد حجر اسود کو اٹھا کر اپنے ملک لے گئے اور یہ پچیس سال تک ان کے قبضہ میں رہا پھر جب اسے واپس لینے کے لیے بہت سال دے کر صلح کی گئی تو انہوں نے کہا کہ یہ پتھر ہمارے دو سر ہے پتھروں میں مخلوط ہو گیا ہے اور ہم اسے دوسرے پتھروں سے الگ نہیں کر سکتے سو اگر تمہارے پاس اس کی کوئی طاعت ہے تو اے پیمان کر لے جاؤ چنانچہ مکہ مکرمہ کے علماء سے اس کی اہماری طاعت و شان پوچھی گئی تو انہوں نے جواب میں بتایا کہ حجر اسود میں آگ اثر نہیں کرتی کیونکہ یہ جنتی پتھر ہے۔ جب انہیں یہ بتایا گیا تو انہوں نے اس کا امتحان لیا اور ہر وہ پتھر جس کو آگ میں ڈالا جاتا وہ لوٹ جاتا اور آگ سے خوب گرم ہو جاتا لیکن جب حجر اسود کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ نے کچھ بھی اثر نہ کیا اور وہ ہلکا سا بھی گرم نہ ہوا جس سے وہ جان گئے کہ یہی وہ پتھر ہے سو انہوں نے یہ پتھر مسلمانوں کو واپس کر دیا اور یہ اسے واپس مکہ مکرمہ لائے اور اپنی جگہ پر لا کر نصب کر دیا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے لے جاتے وقت اس پتھر کے بوجھ سے کوئی سواونٹ دب کر مر گئے تھے لیکن واپسی کے وقت ایک ڈبلا اونٹ اسے مکہ مکرمہ لے آیا اور ذرا برابر متاثر نہ ہوا۔ [مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۳۲۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان]

۱۴۔ بَابُ الرَّمْلِ

کعبہ کے ارد گرد پہلے تین طواف میں رمل کرتا

۲۴۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَلَ مِنَ الْحَبَرِ إِلَى الْحَبَرِ۔ بخاری (۱۶۰۴) مسلم (۳۰۵۲) ابوداؤد (۱۸۹۱) ترمذی (۸۵۷) نسائی (۲۹۴۷) ابن ماجہ (۲۹۵۱) ۲۹۵۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود سے لے کر حجر اسود تک (پورے چکر میں) رمل کیا (یعنی بہادروں کی طرح سینہ تان کر کندھوں کو ہلاتے ہوئے تیز تیز قدم چلتے ہوئے پہلے تین طواف ادا کیے)۔

حل لغات

”رَمَلَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: بہادروں کی طرح سینہ تان کر کندھوں کو ہلاتے ہوئے اکثر تیز تیز قدموں سے چلنا۔

رمل اور اس کے آغاز و اختتام کا ثبوت

اس حدیث کو امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح بیان کیا ہے اور امام مسلم اور ابوداؤد کے علاوہ دیگر اصحاب سنن نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے نیز امام احمد بن حنبل نے حضرت ابوالطہیل سے اور شیخین (بخاری و مسلم) نے ازنازع از ابن عمر مرفوع ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو پہلے تین طوافوں میں رمل

کرتے اور باقی چار طوافوں میں عام رفتار سے چلتے تھے اور حضرت سالم سے بھی اسی طرح مروی ہے اور امام محمد نے الموطا میں از مالک از جعفر الصادق از والد خود محمد الباقر از جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما اس حدیث کو ترجیح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود سے حجر اسود تک رمل فرمایا (رمل کا آغاز بھی حجر اسود سے فرمایا اور اختتام بھی حجر اسود پر فرمایا) اور یہ اسناد صحیح اور قوی ہے بلکہ اس سلسلے کی تمام روایات سے یہ زیادہ صحیح ہے اور امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے ابھی۔ باقی رہا یہ سوال کہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان (رمل کرنے کی بجائے) عام رفتار سے چلتے ہوئے طواف فرمایا تو اس کا جواب علامہ نووی اور علامہ قسطلانی نے یہ دیا ہے کہ یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث حجۃ القضاء کے بارے میں ہے: جو صحیح کہہ سے پہلے سن سات ہجری (۶ھ) میں ادا کیا گیا پھر اس کے بعد جب نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع ادا فرمایا تو حجر اسود سے حجر اسود تک رمل فرمایا جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے اور چونکہ حدیث جابر میں نبی کریم ﷺ کا آخری عمل رمل بیان کیا گیا ہے اس لیے یہ متاخر ہونے کی بناء پر ناخ اور قابل عمل ہے اور حدیث جابر مثبت ہے جبکہ حدیث ابن عباس مثنی ہے اسی صورت میں مثبت کو مثنی پر ترجیح دی جاتی ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ ان دونوں احادیث کو تطبیق دینا اور جمع کرنا ممکن ہے اور وہ اس طرح ہے کہ چونکہ ہر دو رکعتوں کے درمیان صحابہ کرام کا رمل کرنا باقی اطراف کی نسبت بہت ہلکا تھا اس لیے بعض لوگوں نے گمان کیا کہ صحابہ اور نبی کریم ﷺ رمل کی بجائے عام چال چلے اور رمل نہیں کیا حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ [ماوردی مسبق النظام فی شرح منہج الامام ص ۱۱۸، مکتبہ حامیہ لاہور]

۱۵۔ بَابُ جَمْعِ الصَّلَاتَيْنِ

بِالْعَزْذَلَةِ

۲۶۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي حَبَّةٍ أَبِي حَنْبَابٍ عَنْ هَالِسٍ وَبْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَقْبَضَنَا مَعَهُ مِنْ عَرَفَاتٍ فَلَمَّا نَزَلْنَا جَمَعًا أَقَامَ فَصَلَّيْنَا الْمَغْرِبَ مَعَهُ ثُمَّ تَقَرَّرَ فَصَلَّى وَتَحَنَّنَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّ عَلَيْهِ ثُمَّ أَوَى إِلَى لِزَاجِهِ فَقَعَدْنَا نَسْتَعِظِرُ الصَّلَاةَ طَوِيلًا ثُمَّ قُلْنَا يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الصَّلَاةُ فَقَالَ أَيْ الصَّلَاةُ فَقُلْنَا الْغِشَاءُ الْآخِرَةُ فَقَالَ أَمَا كَمَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ صَلَّيْتُ وَلِيَّ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.

بخاری (۱۶۲۵) مسلم (۳۱۱۵)

مزدلفہ میں دو نمازوں کو

جمع کر کے پڑھنا

حضرت ہانی بن یزید رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ ہم ان (حضرت ابن عمر) کے ساتھ عرفات سے روانہ ہوئے اور جب ہم مزدلفہ میں اترے تو وہیں قیام کیا اور ہم نے مغرب کی نماز آپ کے ساتھ ادا کی پھر آپ آگے بڑھے اور (مسافر ہونے کی بناء پر عشاء کی) دو رکعتیں نماز ادا کیں پھر پانی منگایا اور اپنے اوپر بہا کر غسل کیا پھر اپنے بستر پر لیٹ گئے اور ہم کافی دیر تک نماز کے لیے ان کا انتظار کرتے رہے پھر آخر کار ہم نے عرض کیا: اے ابو عبد الرحمن! (حضرت ابن عمر کی کنیت ہے) نماز کے لیے تشریف لائیے! فرمایا: کون سی نماز؟ ہم نے عرض کیا: عشاء کی نماز سو آپ نے فرمایا: لیکن جس طرح رسول اللہ ﷺ نے (مغرب و عشاء جمع کر کے) نماز پڑھی تھی میں نے اسی طرح پڑھ لی ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عمر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں (ایک وقت میں) اکٹھے ادا کیں۔

حل لغات

”الْأَفْئِنَا“ صیغہ جمع ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: لوٹنا، رجوع کرنا، واپس کرنا۔ ”جَمْعًا“ اس سے مزدلفہ مراد ہے کیونکہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ جمع کر کے ایک وقت میں پڑھی جاتی ہیں اس لیے اسے جمع کہا جاتا ہے۔ ”آوَى“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: ٹھکانہ لینا۔

مزدلفہ میں مغرب و عشاء اور عرفات میں ظہر و عصر کو جمع کرنا مسنون ہے

یاد رہے کہ جس طرح مزدلفہ میں مغرب کی نماز کو عشاء کے وقت میں نماز عشاء کے ساتھ جمع کر کے پڑھنا سنت سے ثابت ہے اسی طرح عرفہ کے دن (نویں ذی الحجہ کو) عرفات میں ظہر کے وقت میں عصر کی نماز کو ظہر کی نماز کے ساتھ پڑھنا سنت سے ثابت ہے چنانچہ مشکوٰۃ میں امام ابن شہاب زہری سے مروی ہے آپ نے بیان فرمایا کہ مجھے حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ حجاج بن یوسف نے جس سال حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر حملہ کیا تھا اسی سال اس نے (دورانِ حج) حضرت عبد اللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ ہم عرفہ کے دن قیام گاہ میں کیا کریں؟ حضرت سالم نے کہا: اگر تو سنت پر عمل پر کرنا چاہتا ہے تو عرفہ کے دن نماز ظہر دوپہر میں (روال ہوتے) ہی پڑھ لے اس پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ سچ کہہ رہے ہیں کیونکہ صحابہ کرام سنت کے مطابق ظہر و عصر جمع کر کے پڑھتے تھے۔ (ابن شہاب زہری کہتے ہیں:) سو میں نے حضرت سالم سے کہا کہ کیا یہ کام (ظہر و عصر جمع کر کے پڑھنا) رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا ہے؟ اس پر حضرت سالم نے کہا: صحابہ کرام یہ کام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی پیروی میں ہی کرتے ہیں۔ [رد المحتار (مکتوٰۃ الصالح ص ۲۳۰ مطبوعہ دار المطابع دہلی)]

نیز یہ یاد رہے کہ حقیقی جمع صلاتیں صرف انہیں دو مقام پر ہوتی تھیں ایک مزدلفہ میں کہ مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں نماز عشاء کے ساتھ پڑھی گئی دوسرا عرفات میں نو ذی الحجہ کو عصر کی نماز ظہر کے وقت میں نماز ظہر کے ساتھ پڑھی گئی چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز مقررہ وقت کے بغیر پڑھی ہو یا سوا دو نمازوں کے (کیونکہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھا گیا ہے اور اس دن آپ نے فجر کی نماز وقت معاد سے پہلے پڑھ لی۔

(مشکوٰۃ علیہ) [مکتوٰۃ الصالح ص ۲۳۰ مطبوعہ دار المطابع دہلی]

یہ حدیث امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی سفر میں جمع بین صلوٰتین نہیں کیا، یعنی چند نمازیں ایک ہی وقت نہیں پڑھیں وہاں جمع صورت تھی کہ ظہر آخر وقت میں پڑھی اور عصر اول وقت میں پڑھی رہا غزوہ خندق کی نمازیں یک دم پڑھنا وہ جمع نہ تھا بلکہ قضاء پڑھی گئی تھیں جمع اور ہے قضاء کچھ اور ہے البتہ مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو بھی جمع فرمایا کہ مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی اور دوسری عرفات میں کہ وہاں عصر ظہر کے وقت میں پڑھی چونکہ عرفات میں جمع صلوٰتین دن میں اور سب کے سامنے ہوا تھا اس لیے اس کا علیحدہ نام نہیں لیا اور مزدلفہ میں نمازوں کا اجتماع رات کے وقت ہوا تھا جس میں سارے حجاج جمع نہیں تھے اس لیے صرف اس کا ذکر صراحۃً علیحدہ بھی کر دیا لہذا حدیث واضح ہے دو نمازوں سے مراد عرفہ اور مزدلفہ ہیں نیز اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ ہمیشہ نماز فجر خوب اُجالے اور خوب روشنی میں پڑھتے تھے مگر آج مزدلفہ میں پو پھٹنے کے فوراً بعد اندھیرے میں پڑھ لی یہ حدیث امام اعظم قدس سرہ کی قوی دلیل ہے کہ نماز فجر ہمیشہ اُجالے میں پڑھی جائے صرف مزدلفہ میں اندھیرے منہ پڑھے

کیونکہ اگر نبی کریم ﷺ ہمیشہ نماز فجر پڑھتے ہی پڑھتے ہوتے تو آج وقت معاد سے پہلے پڑھنے کے کیا معنی؟ کیا وقت سے پہلے پڑھ لی تھی ہرگز نہیں! لہذا قول احناف بہت قوی ہے یہاں تمام ائمہ کرام کے نزدیک وقت سے مراد وقت معاد ہے۔

[مرآۃ السانح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ ص ۱۵۰-۱۳۹ مطبوعہ فی کتب خانہ کھرات]

۲۴۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عِدِيٍّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِي حَجَّةِ الْوُدَّاعِ بِالْمَزْدَلِفَةِ.

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مزدلفہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھی ہیں۔

بخاری (۱۶۷۴) مسلم (۳۱۰۸) ابوداؤد (۱۹۲۶) نسائی (۲۰۳۹) ترمذی (۳۰۲۰)

۲۴۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ الْعُطَمِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ بِأَذَانٍ وَاقَامَةٍ وَاجِدَةٍ. (۲۴۷)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں۔

مزدلفہ میں مغرب و عشاء ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھی جائیں گی

ہمارے ائمہ محدث (یعنی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد) کے نزدیک امام ایک ہی اذان اور اقامت کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھائے گا، یہ خلاف امام زفر کے وہ فرماتے ہیں کہ اذان ایک ہوگی لیکن اقامت الگ الگ کہی جائے گی۔ ہماری دلیل امام مسلم کی یہ روایت ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں ایک ہی اقامت کے ساتھ عشاء اور مغرب کی نمازوں کو ایک ساتھ اکٹھا ادا کیا، مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اقامت کے ساتھ ادا فرمائیں۔ [رواہ النسائی]

(۳) امام ابن شیبہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے حاتم بن اسماعیل نے بیان کیا: حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ ایک اذان اور اقامت کے ساتھ ادا کیں اور دونوں نمازوں کے درمیان نفل نماز نہیں پڑھی۔

فتح القدیر میں ہے کہ یہ متن غریب ہے (یعنی اس کی روایت میں ایک جگہ صرف ایک راوی ہے) جبکہ مسلم کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ طویل حدیث میں مذکور ہے کہ:

(۴) رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں نمازوں کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمایا۔

(۵) حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میدان عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں اور دونوں کے درمیان نفل نماز نہیں پڑھی اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں اور دونوں کے درمیان نفل نماز نہیں پڑھی۔

شاید یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس طویل حدیث کا ایک جزء ہے جسے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور یہاں راوی کا نام ساقط کر کے حدیث کو مرسل بنا دیا ہے۔

اقامت کے بارے میں احادیث میں تعارض ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں نے ایک اقامت والی احادیث کو ترجیح دی ہے کیونکہ عشاء کی نماز اپنے وقت میں پڑھی جا رہی ہے یہ خلاف عصر کی نماز کے کیونکہ وہ اپنے وقت میں نہیں پڑھی گئی۔ واللہ اعلم! [ارکان اسلام ص ۲۹۳-۲۹۴، مطبوعہ فرید بک سنال، اردو ہزار لاہور]

خیال رہے کہ عرفات میں تو عصر کی نماز اپنے وقت سے پہلے پڑھتے ہیں کہ ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہے اس لیے یہاں دونوں نمازوں کے لیے تکبیریں (اقامتیں) بھی دو ہوں گی اور جو حاجی نماز امام کے ساتھ پڑھے گا وہی جمع صلوٰۃ تین کرے گا، مگر مزدلفہ میں مغرب کی نماز اپنے وقت سے پیچھے ہٹ گئی کہ عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی ہے تو خواہ باجماعت نماز پڑھے یا علیحدہ اور خواہ امام کے ساتھ باجماعت پڑھے یا اپنی جماعت میں علیحدہ کرے بہر حال جمع صلوٰۃ تین کرے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عرفات میں دونوں نمازوں کے لیے اذان ایک ہوگی اور اقامتیں دو ہوں گی مگر مزدلفہ میں دونوں نمازوں کے لیے ایک اذان اور ایک اقامت ہوگی۔ [اغودہ امرا لشرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۱۳۹، نعیمی کتب خانہ گھمراہ]

حجرات کو کنکریاں مارنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) نے اپنے گھردالوں میں سے کمزور افراد (عورتوں اور بچوں) کو مزدلفہ سے مٹی کی طرف جلدی روانہ کر دیا اور ان سے فرمایا کہ تم حجرہ عقبہ کو کنکریاں نہ مارنا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔

ابوداؤد (۱۹۴۰) ترمذی (۸۹۳) نسائی (۳۰۶۷) ابن ماجہ (۳۰۲۵) مسند احمد (ج ۱ ص ۲۲۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل خانہ کے کمزور افراد کو پہلے بھیج دیا اور ان سے فرمایا: تم حجرہ عقبہ کو کنکریاں نہ مارنا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حجرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے آغاز تک تکبیر پڑھتے رہتے اور حضرت ابن عباس کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فضل بن عباس کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے سوار کر لیا اور وہ ایک حسین و جمیل اور خوبصورت لڑکے تھے، سودہ عورتوں کو دیکھنے لگے اور نبی کریم ﷺ ان کے چہرے کو عورتوں سے پھرنے لگے اور آپ حجرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے شروع تک تکبیر پڑھتے رہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ حجرہ عقبہ کو کنکریاں

۱۶۔ بَابُ رَمَى الْجِمَارِ

۲۴۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَبَّلَ ضَعْفَةَ أَهْلِهِ وَقَالَ لَهُمْ لَا تَرْمُوا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ.

۲۵۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَوِيدِ بْنِ جَبْرِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْفَةَ أَهْلِهِ وَقَالَ لَهُمْ لَا تَرْمُوا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ.

۲۵۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّى حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَلَمَّا رَوَّاهُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ الْفَضْلَ بَنَ عَبَّاسٍ وَكَانَ غُلَامًا حَسَنًا فَبَعَثَ يَلْحِظُ النِّسَاءَ وَالنَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْرِفُ وَجْهَهُ فَلَبَّى حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ.

وَلَمَّا رَوَّاهُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ أَخْبَرَهُ

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَزَلْ يَلْبَسُ حَتَّى مَارَءَ كَعِ الْغَارِ بِكَ سَلْسَلٍ تَلْبِيَةٍ بِذَمَّتِ تَحْتَهُ.
رَأَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ.

بخاری (۱۶۸۵۴-۱۶۸۵۵) ابوداؤد (۱۸۱۵) ترمذی (۹۱۸) نسائی (۳۰۸۳) ابن ماجہ (۳۰۳۹)

حل لغات

”لَا تَرْمُوا“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل نہیں معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: پھینکنا لیکن اس سے حرمت کو نکلیاں مارتا مراد ہے۔ ”لَبَسَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب تَعَمَّلَ سے ہے جس کا معنی تلبیہ پڑھنا ہے۔ ”أَرَدَفَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب اَفْعَلَ سے ہے جس کا معنی ہے: ردیف بنانا پیچھے بٹھانا پیچھے آنا۔ ”بَلَاحِظًا“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب مَخْلَعٌ سے ہے اس کا معنی ہے: کن انگیوں سے دیکھنا۔

حرمت کو طلوع آفتاب کے بعد کنکریاں مارتا سنت ہے

مزدلفہ میں وقوف سنت ہے اور پورا مزدلفہ موقوف ہے یہاں ٹھہرنا رکن نہیں ہے اس لیے اگر کوئی آدمی مزدلفہ نہیں پہنچ پاتا تو بھی اس کا حج ہو جائے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل خانہ میں سے کمزور افراد کو مزدلفہ کی رات یہاں ٹھہرنے سے پہلے علی ملی بھیج دیا تھا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: میں بھی ان لوگوں کے ساتھ تھا جن کو نبی کریم ﷺ نے مزدلفہ میں قیام سے پہلے سیدہ حاطلی بھیج دیا تھا نیز مزدلفہ میں رات گزار کر صبح سویرے نماز فجر پڑھنے کے بعد امام اور دوسرے حاطلی حضرات علی کی طرف کوچ کریں اور علی میں پہنچ کر جمرہ عقبہ سے رمی کا آغاز کریں یہاں ٹھیکریوں کی مانند سات کنکریاں ماریں اور پہلی کنکری پھینکنے کے ساتھ تلبیہ فتم کر دیں اور اس کا مسنون وقت سورج طلوع ہونے کے بعد قربانی کا دن اور چاشت کا وقت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن چاشت کے وقت رمی کی بھی باقی دنوں میں زوال کے بعد رمی کرے اور ہر کنکری پھینکتے وقت تکبیر کہے۔ چنانچہ حاطلی قاری کہتے ہیں کہ سورج طلوع ہونے کے بعد جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارتا سنت کے مطابق عمل ہے ورنہ چاروں ائمہ کے نزدیک قربانی کے دن صبح صادق کے طلوع ہو جانے کے بعد رمی کرنا جائز ہے اور یہ حدیث ہمارے لیے روشن دلیل ہے کہ رات کو کنکریاں مارتا جائز نہیں جیسا کہ صبح سے پہلے طواف زیارت کرنا جائز نہیں اور امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں اہلہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نصف رات کے بعد رمی کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور حضرت مجاہد امام احمد بن حنبل اور امام شافعی اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سورج طلوع ہونے کے بعد جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارتا جائز ہے پہلے نہیں حالانکہ سنن ابوداؤد (ترمذی نسائی ابوداؤد ابن ماجہ) کے اصحاب نے از عطاء ابن عباس روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اہل خانہ کے کمزور افراد کو اندھیرے میں آگے علی کی طرف پہلے روانہ کر دیتے تھے اور انہیں حکم دیتے کہ تم جمرہ عقبہ کو صبح کے وقت کنکریاں مارتا۔ اور امام طحاوی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ”لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ إِلَّا مُصْبِحِينَ“ تم جمرہ کو صبح کے وقت کنکریاں مارتا۔

[شرح مسند امام اعظم للاحاطلی البخاری ص ۶۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

۱۷۔ بَابُ الرُّكُوبِ عَلَى

الْبَدَنِ لِلْمُحْرِمِ

۲۵۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ عَنْ أَبِي أَنَسٍ أَنَّ

محرم کا قربانی کے

جانور پر سوار ہونا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک

النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بُنْدَةً آدَى كُودِيكًا جَوْ قُرْبَانِي كَے اونٹ کو ہانکتا ہوا پیدل چل رہا تھا تو آپ نے لَفَّانِ رَا مَكْتَبَهَا۔ اسے فرمایا: تم اس پر سوار ہو جاؤ۔

بخاری (۱۶۸۹) مسلم (۳۲۰۸) ابوداؤد (۱۷۶۰) ترمذی (۹۱۱) نسائی (۲۸۰۱) ابن ماجہ (۳۱۰۳)

حل لغات

”يَسُوقُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: جانور کو پیچھے سے آگے ہانکتا۔ ”رَا مَكْتَبَهَا“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف باب سَوَّجَ يَسْجَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: سوار ہونا آخر میں حاضیر مفعول بہ ہے۔

شدید ضرورت کے وقت قربانی کے جانور پر سوار ہونا جائز ہے

اس حدیث کو صحاح ستہ کے اصحاب نے روایت کیا ہے مگر امام ابوداؤد نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کو مرفوع روایت کیا ہے کہ ایک آدوی قربانی کے جانور کو ہانکتا ہوا پیدل چل رہا تھا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھ کر فرمایا کہ تم اس پر سوار ہو جاؤ اس نے عرض کیا: یہ قربانی کا جانور ہے تو آپ نے دو یا تین دفعہ فرمایا: تم اس پر سوار ہو جاؤ جبکہ امام بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے تیسری مرتبہ اس آدوی کو فرمایا: تم اس پر سوار ہو جاؤ اور تم پر بیڑا اٹھوس ہے اور امام مسلم نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دیگر طریقوں سے بھی روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے حمید اور قتادہ کے طریقہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا ہے اور اعرح ابن عثمان ابوسلمہ ابو حسان تہدی اور مکرہ کے طریق سے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور نافع کے طریق سے حضرت ابن عمر سے اور حضرت جابر کی حدیث بھی اسی طرح روایت کی ہے اور ارشاد انسانی میں ہے کہ بعض علماء نے فرمایا کہ وہ آدوی پیدل چلنے کی مشقت کے سبب ہلاکت کے قریب پہنچ چکا تھا اس لیے آپ نے اسے سوار ہونے کا حکم دیا اور ابوالخیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر سے قربانی کے جانور پر سوار ہونے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم قربانی کے جانور پر سوار ہونے کے لیے مجبور ہو جاؤ تو بڑی احتیاط کے ساتھ بقدر ضرورت اس پر سوار ہو جاؤ یہاں تک کہ تم کوئی دوسری سواری پا لو۔ اور امام محمد نے الموطا میں از مالک از ہشام بن عروہ از والد خود موقوف روایت بیان کی ہے کہ حضرت عروہ نے فرمایا: جب تم اپنی قربانی کے جانور پر سوار ہونے کے لیے انتہائی مجبور ہو جاؤ تو تم اس پر اس طرح سوار ہو جاؤ کہ اس میں کوئی عیب پیدا نہ ہو جائے اور امام ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر سے جبکہ امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس سے حدیث نقل کی ہے اور اس میں ہے کہ پیدل چلنے کی وجہ سے وہ آدوی انتہائی مشقت میں مبتلا ہو چکا تھا اور اس سے مزید پیدل چلنا دشوار تھا لیکن قربانی کے جانور کی تعظیم کی وجہ سے وہ آدوی اس پر سواری نہیں کر رہا تھا اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس کی حدیث روایت کی ہے اور امام ترمذی نے حضرت انس کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کہا ہے: اس باب میں حضرت علیؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت جابرؓ سے یہ حدیث مروی ہے امام ترمذی نے کہا: صحابہ کرام اور دیگر حضرات میں سے اہل علم کی ایک جماعت نے یہ وقت ضرورت قربانی کے اونٹ پر سوار ہونے کی اجازت دی ہے اور امام شافعیؒ امام احمدؒ حضرت اسحاق بن راہویہؒ کا یہی موقف ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ قربانی کے جانور پر سخت مجبوری کے وقت سواری کرنا جائز ہے ورنہ نہیں پھر یہاں مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ قربانی کے اونٹ پر سوار ہونا واجب ہے کیونکہ یہ امر وجوب کے لیے ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً سوار ہونا ممنوع و حرام

ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ سوار ہونا مطلقاً جائز ہے اور بعض معاصرین اور ملا علی قاری کا شرح مسند میں اور ارشاد الساری میں علامہ قسطلانی کا کلام صریح اور ظاہر ہے کہ امام شافعی اس مسئلہ میں ہمارے (یعنی احناف کے) مذہب کے موافق ہیں کہ بد وقت ضرورت سواری کرنا جائز ہے ورنہ نہیں لیکن امام ترمذی علامہ طبری کرمانی اور نووی وغیرہم کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں مذہبوں میں فرق ہے کیونکہ امام شافعی کے نزدیک محض حاجت و ضرورت کے وقت قربانی کے جانور پر سوار ہونا جائز ہے اگرچہ یہ حاجت و ضرورت انتہائی اضطراب اور شدید ضرورت کی حد تک نہ پہنچی ہو جس کی وجہ سے پیدل چلنا ناممکن یا تقریباً دشوار ہو جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک انتہائی اضطراب اور شدید ضرورت کے وقت سوار ہونا جائز ہے ورنہ نہیں۔

[ماخوذ من الاختصار تسبیح النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

حج قرآن مسنون ہے

حضرت صبی بن معبد بیان کرتے ہیں کہ میں (بصرہ کے ایک علاقہ) سرزمین جزیرہ سے حج کرنے کے لیے روانہ ہو کر یہاں آیا تو میں حضرت سلمان بن ربیعہ اور حضرت زید بن صوحان کے پاس سے گزرا اور یہ دونوں مقام غدیرہ کے شیخ (یعنی سردار) تھے تو انہوں نے مجھ سے عمرہ اور حج دونوں کا تلبیہ اسٹھے پڑھتے ہوئے سنا سو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ شخص اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور دوسرے نے کہا: یہ تو فلاں فلاں سے بھی زیادہ گمراہ ہو چکا ہے لیکن میں اپنے طریقہ کار کے مطابق چلتا رہا اور مناسب حج ادا کرتا رہا یہاں تک کہ جب میں ارکان حج سے فارغ ہو گیا تو میں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا اور میں نے آپ کو بتایا کہ میں دور دراز علاقہ اور بہت دور مکان کا رہنے والا آدمی ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس حج (قرآن) کی توفیق عطا فرمائی تو میں نے چاہا کہ میں عمرہ کوچ کے ساتھ ملا کر دونوں کو اکٹھا ادا کر لوں سو میں نے ان دونوں کا اکٹھا احرام باندھ لیا ہے اور میں نے یہ کام بھول کر نہیں کیا پھر میں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کے پاس سے گزرا تو انہوں نے مجھ سے عمرہ اور حج کو ملا کر دونوں کا تلبیہ اسٹھے کہتے ہوئے سنا سو ان میں سے ایک نے کہا: یہ آدمی اپنے اونٹ سے زیادہ گمراہ ہے اور دوسرے نے کہا: یہ فلاں فلاں سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: پھر تم نے کیا کیا؟ عرض کیا: میں اپنے طریقہ پر عمل کرتا رہا چنانچہ میں نے اپنے عمرہ کے لیے طواف کیا اور اپنے عمرہ کے لیے صفا و مردہ کے درمیان سعی کی پھر دوبارہ بیت اللہ میں لوٹ آیا اور میں نے پہلے کی طرح حج کے لیے طواف

۱۸۔ بَابُ سُنةِ حَجَّةِ الْقِرَانِ

۲۵۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ خَمَادٍ عَنْ اَبِي اِبْرَاهِيمَ عَنِ الصَّبَّاحِيِّ بْنِ مَعْبُدٍ قَالَ اَقْبَلْتُ مِنَ الْحِجَازِ بِرُجُلٍ حَاجًّا لِمَرْوَتِ بْنِ سَلْمَانَ ابْنِ رَبِيعَةَ وَزَيْدِ بْنِ صَوْحَانَ وَهَمَّا شَيْخَانِ بِالْعَدَبَةِ قَالَ لِمَسْعُودِي اَقُولُ لَيْتَكَ بِعُمَرَوٍ وَحَجَّوْهُ لَقَالَ اَحَلُّهُمَا هَذَا الشَّخْصُ اَحَلُّ مِنْ بَوَيْرِهِ وَقَالَ الْاُخَرُ هَذَا اَحَلُّ مِنْ عَمَلَا وَكَذَا قَالَ لِمَسْعُودِي حَتَّى اِذَا لَفِضْتُ نُسُكِي مَرَرْتُ بِاَبِي الْمَوْسَوِيِّنِ هَمْرٍ لَفِضْتُهُ كُنْتُ رَجُلًا يَمْنَعُ الْوَقْفَةَ لِمَا مَسَى اللَّيْلُ اَذِنَ اللَّهُ لِي فِي هَذَا الْوَجْهِ لَفِضْتُ اَنْ اَجْمَعَ عُمَرَا إِلَى حَجَّةٍ لَفِضْتُ بِهِمَا جَمِيعًا وَلَمْ اَنْسَ لِمَرْوَتِ بْنِ سَلْمَانَ ابْنِ رَبِيعَةَ وَزَيْدِ بْنِ صَوْحَانَ لِمَسْعُودِي اَقُولُ لَيْتَكَ بِعُمَرَوٍ وَحَجَّوْهُمَا لَقَالَ اَحَلُّهُمَا هَذَا اَحَلُّ مِنْ بَوَيْرِهِ وَقَالَ الْاُخَرُ هَذَا اَحَلُّ مِنْ عَمَلَا وَكَذَا وَقَالَ لَفِضْتُ مَاذَا قَالَ لِمَسْعُودِي لَفِضْتُ عَمَلَا بِعُمَرَوِيْنِ وَسَعَيْتُ مَعَهَا بِعُمَرَوِيْنِ ثُمَّ عُدْتُ لَفِضْتُ وَفَلَّ ذَلِكَ ثُمَّ بَقِيتُ حَرَامًا اَصْنَعُ كَمَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ حَتَّى لَفِضْتُ الْاُخَرَ نُسُكِي قَالَ هَدَيْتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(قدوم) کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی بھر میں احرام کی حالت میں محرم ہی رہا اور میں اسی طرح کرتا رہا جس طرح حاجی کرتے ہیں یہاں تک کہ میں نے حج کا آخری رکن ادا کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تجھے حیرے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت کے مطابق ہدایت عطاء کی گئی۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت مصبی بن معبد نے بیان کیا کہ میں نے تھوڑا عرصہ پہلے عیسائیت کو چھوڑ دیا تھا بھر میں حضرت عمر بن خطاب کے مہذب خلافت میں حج کے ارادے سے کوفہ میں آیا اور یہاں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان نے صرف حج کا احرام باندھا اور میں (یعنی مصبی بن معبد) نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام (حج) قرآن کے طور پر) اکٹھے باندھا لیا وہ دونوں کہنے لگے: تم پر افسوس ہے کہ تم دونوں کا احرام باندھ کر حج تمتع کر رہے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع سے منع فرمایا اور وہ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کی قسم اتم اپنے اونٹ سے زیادہ گمراہ ہو۔ حضرت مصبی بن معبد نے جواب دیتے ہوئے کہا: ہم اور تم حضرت عمر کے پاس پہنچیں گے (تو ان سے فیصلہ کرالیں گے) پھر جب حضرت مصبی بن معبد مکہ مکرمہ میں پہنچے تو اپنے عمرہ کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی پھر احرام کی حالت میں واپس لوٹ آئے اور اپنے ادھر کسی چیز کو حلال نہیں کیا پھر اپنے حج کے لیے بیت اللہ کا طواف (قدوم) کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی پھر محرم ہو کر ہی قیام پذیر ہو گئے۔ اپنے احرام سے طواف نہیں ہوئے یہاں تک کہ عرفات میں آئے (اور وقوف کیا) اور اپنے حج سے فارغ ہو گئے پھر جب دس ذی الحج کو انہوں نے احرام کھول کر حلال ہونے کا ارادہ کیا تو دم تشیع (یعنی حج قرآن) کی نیت سے قربانی کی پھر جب یہ لوگ اپنے حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو (مدینہ منورہ میں) حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے اور زید بن صوحان نے کہا: اے امیر المؤمنین! بے شک آپ نے منع سے منع کیا ہوا ہے (یہ حج قرآن اور حج تمتع دونوں کو شامل ہے) اور مصبی بن معبد نے تشیع کیا ہے حضرت عمر نے فرمایا: اے مصبی اتم نے کیا کیا؟ حضرت مصبی نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! میں نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام اکٹھے باندھا پھر جب میں مکہ مکرمہ میں

وَلَمَّا رَوَيْتُ عَنِ النَّبِيِّ بْنِ مَعْبُدٍ قَالَ كُنْتُ حَدِيثًا عَهْدًا بِنَصْرِ إِلَهِ لَقَدْ بَدَأْتُ الْكُفْرَةَ أُرِيدُ الْحَجَّ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَهْلُ سَلَمَانَ وَ زَيْدُ بْنُ صَوْحَانَ بِالْحَجِّ وَ خَلَّةُ وَ أَهْلُ الصُّبَى بِالْحَجِّ وَ الْعُمَرَةُ فَلَمَّا رَأَيْتُكَ تَمْتَعْتُ وَ لَقَدْ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُتَمَتِّعَةِ فَلَا لِي وَاللَّهِ لَأَنْتَ أَحَقُّ مِنْ بَوَائِدِي قَالَ تَقْدِيمُ عَلَى عُمَرَ وَ تَقْدِيمُونَ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ فَكُنَّا حَافِ بِالنَّبِيِّ وَ نَسَخِي بَيْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ يُعْمَرُ بِهِ ثُمَّ رَجَعْنَا حَرَامًا لَمْ يَجِزْ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ حَافِ بِالنَّبِيِّ وَ بَيْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ لِيَحْتَجَّ بِهِ ثُمَّ أَقَامَ حَرَامًا لَمْ يَجِزْ مِنْهُ شَيْءٌ أَتَى عَرَفَاتَ وَ قَرَعَ مِنْ حَجَّجِهِ فَلَمَّا كَانَ يَوْمَ النَّحْرِ خَلَّ قَاهِرَتِي دَمًا لِمُتَمَتِّعِهِ فَلَمَّا صَلَّوْا مِنْ حَجَّجِهِمْ مَرُّوا بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لِي زَيْدُ بْنُ صَوْحَانَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّكَ نَهَيْتَ عَنِ الْمُتَمَتِّعَةِ وَأَنَّ النَّبِيَّ بْنَ مَعْبُدٍ قَدْ تَمْتَعَ قَالَ صَنَعْتَ مَاذَا يَا صَبِيءُ قَالَ أَهْلَكْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ بِالْحَجِّ وَ الْعُمَرَةِ فَلَمَّا قَدِمْتُ مَكَّةَ طَفَعْتُ بِالنَّبِيِّ وَ طَفَعْتُ بَيْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ لِيُعْمَرَ بِي ثُمَّ رَجَعْتُ حَرَامًا وَلَمْ أَجِزْ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ طَفَعْتُ بِالنَّبِيِّ وَ بَيْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ لِيَحْتَجَّ بِي ثُمَّ أَقَامْتُ حَرَامًا يَوْمَ النَّحْرِ لَمَّا هَرَقْتُ دَمًا لِمُتَمَتِّعِي ثُمَّ أَهْلَكْتُ قَالَ لِعُمَرَ عُمَرُ عَلَى كَهْرِهِ وَقَالَ هَدَيْتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

پہنچا تو عمرہ کرنے کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مردہ کے درمیان عمرہ کے لیے سعی کی پھر میں حالت احرام میں ہی واپس لوٹ آیا اور حلال نہیں ہوا پھر میں نے حج کرنے کے لیے طواف قدوم کیا اور صفا و مردہ کے درمیان سعی کی پھر میں دس ذی الحج تک احرام کی حالت میں رہا اور میں نے متعہ (حج اور عمرہ کی اکٹھے سعادت حاصل) کرنے پر قربانی دے کر خون بہایا پھر میں احرام کھول کر حلال ہو گیا۔ راوی نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے حضرت مصی کی کمر پر ہاتھ پھیرا (یعنی شاہاش دی) اور فرمایا کہ تمہیں تمہارے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہدایت عطا کی گئی ہے۔

حضرت مصی سے ایک اور روایت یوں مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ اور سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان تینوں حضرات حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ راوی نے بتایا کہ حضرت مصی نے حج قرآن کی نیت سے حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھے احرام باندھا لیکن حضرت سلمان اور حضرت زید نے حج مفرد کا احرام باندھا پھر یہ دونوں حضرت مصی کو حج قرآن کی نیت کرنے پر ملامت کرنے لگے اور دونوں کہنے لگے: تم تو اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہو کہ تم حج اور عمرہ کو ملا کر قرآن کرنے لگے حالانکہ امیر المؤمنین (حضرت عمر) نے حج اور عمرہ اکٹھے کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔ حضرت مصی نے کہا: تم اور میں حضرت عمر کے پاس چلیں گے۔ راوی نے کہا: پھر وہ چل پڑے یہاں تک کہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے سو حضرت مصی نے عمرہ کرنے کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مردہ کے درمیان سعی کی پھر واپس لوٹ آئے اور اپنے حج کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا پھر صفا و مردہ کے درمیان سعی کی پھر جیسے وہ محرم تھے ویسے ہی احرام کی حالت میں قیام پذیر ہو گئے اور کوئی حرام کی ہوئی چیز اپنے لیے حلال نہیں کی یہاں تک کہ جب دس ذی الحج کا دن آیا تو قربانی کے جانور بکری میں سے جو میسر ہو سکا انہوں نے اسے ذبح کیا پھر جب یہ لوگ مناسک حج سے فارغ ہو گئے تو مدینہ منورہ چلے گئے اور حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے اور حضرت سلمان اور حضرت زید نے ان سے کہا: اے امیر المؤمنین! یہ شک (حضرت مصی نے حج اور عمرہ ملا کر قرآن کیا ہے) حضرت عمر نے حضرت مصی سے فرمایا: تم نے کیا

وَلَيْسَ بِرَأْيِهِ عَنِ النَّبِيِّ لَإِنْ خَرَجَ هُوَ وَسَلَّمَانُ بْنُ رَبِيعَةَ وَزَيْدُ بْنُ صَوْحَانَ يَوْمَئِذٍ الْحَجَّ لَإِنْ لَأَمَّا النَّبِيُّ لَقَرْنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ جَمِيعًا وَأَمَّا سَلْمَانُ وَزَيْدٌ لَفَرَدَا الْحَجَّ ثُمَّ أَكْبَلَا عَلَى النَّبِيِّ يَلُومَانِهِ لِمَا صَنَعَ ثُمَّ لَالَا لَهُ أَنْتَ أَخْلُ مِنْ أَبَوَيْكَ تَقْرُونَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَقَدْ نَهَى أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَنِ الْعُمْرَةِ وَالْحَجَّ لَإِنْ تَقْدِمُونَ عَلَى عَمْرٍ وَالدِّمُّ لَإِنْ لَمْ تَطُورَا حَتَّى تَخْلُوا مَكَّةَ فَطَافَ بِالنَّبِيِّ لِعُمْرَتِهِ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتِهِ ثُمَّ هَادَ فَطَافَ بِالنَّبِيِّ لِحَجَّتِهِ ثُمَّ سَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ أَكَامَ حَرَامًا كَمَا هُوَ لَمْ يَحُلْ لَهُ حَتَّى حَرَّمَ عَلَيْهِ حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ ذَبَحَ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ شَاةً فَلَمَّا قَضَوْا نُسُكَهُمْ مَرُّوا بِالْمَدِينَةِ لَمْ يَدْخُلُوا عَلَى عَمْرٍ فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ وَزَيْدٌ يَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ النَّبِيَّ قَرْنَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ لَإِنْ صَنَعْتَ مَا ذَا لَإِنْ لَمَّا قَدِمْتُ مَكَّةَ خَلَفْتُ طَوَافًا لِعُمْرَتَيْنِ ثُمَّ سَعَيْتُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِعُمْرَتَيْنِ ثُمَّ عَدْتُ فَطَلَفْتُ بِالنَّبِيِّ لِحَجَّتَيْنِ ثُمَّ سَعَيْتُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِحَجَّتَيْنِ لَإِنْ لَمَّا قَدِمْتُ مَكَّةَ لَإِنْ أَكْمْتُ حَرَامًا لَمْ يَحُلْ لِي

فَسَاءَ حُرْمَةٍ عَلَىٰ حَتَّىٰ إِذَا كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ ذَبَحَتْ
مَا اسْتَحَرَّتْ مِنْ الْهَدْيِ شَاةً لَّانِ فَضَرَبَ هَمْرًا عَلَىٰ
عَقْبِهِ ثُمَّ لَانَ هَدْيَتَ لِسْنَتِكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ.

ابوداؤد (۱۷۹۹) نسائی (۲۷۲۰) ابن ماجہ (۲۹۷۰)

طریقہ اختیار کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ جب میں مکہ مکرمہ میں آیا تو
میں نے عمرہ کے لیے طواف بیت اللہ کیا پھر میں نے اپنے عمرہ کے لیے
صفا اور مردہ کے درمیان سعی کی پھر میں لوٹ آیا پس میں نے بیت اللہ کا
اپنے حج کے لیے طواف کیا اور اپنے حج کے لیے صفا اور مردہ کے درمیان
سعی کی حضرت عمرؓ نے فرمایا: پھر تم نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ
میں احرام ہی کی حالت میں مقیم رہا اور میں نے اپنے اوپر حرام کی ہوئی
کس چیز کو اپنے حلال نہیں کیا یہاں تک کہ جب قربانی کا دن (دس ویں
الحج) آیا تو قربانی کے جانور میں سے ایک بکری میسر ہوئی جسے میں نے
ذبح کیا کہتے ہیں: حضرت عمرؓ نے ان کے کندھے پر ہاتھ پھیر کر شاہاش
دی پھر فرمایا: تجھے حیرے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہدایت و
رہنمائی عطا کی گئی ہے۔

حل لغات

"اَلْكَلْتُ" صیغہ واحد حکلم فعل ماضی معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: سامنے آنا۔ "اَطْلُ" صیغہ واحد مذکر کرام
تفصیل ہے اس کا معنی ہے: گمراہ ہونا، بھٹک جانا، راہ بھول جانا، گم ہونا۔ "اَلْقَا صِي" یہ معنی دور ہے۔ "اَذِنَ" صیغہ واحد مذکر فعل ماضی
معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی اجازت دینا، اطلاع دینا، اعلان کرنا، حکم سنانا۔ "لَمْ اَنْسَ" صیغہ واحد حکلم فعل ماضی
مجدہلم معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: بھول جانا۔ "طَلَعْتُ" یہ صیغہ واحد حکلم فعل ماضی معروف باب نَصَرَ
يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: طواف کرنا، چکر لگانا۔ "هُدَيْتَ" صیغہ واحد مذکر حاضر فعل ماضی بھول ثبت باب حَضَرْتُ يَحْضُرُ
سے ہے اس کا معنی ہے: ہدایت دینا، راہ دکھانا۔

حج قرآن سب سے افضل اور سنت ہے

حضرت بھی بن معبد کی روایت کردہ اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح ابن حبان میں روایت کیا ہے اور امام احمد بن حنبل
اسحاق بن راہویہ ابوداؤد طیالسی اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مسانید میں اس کو روایت کیا ہے اور دارقطنی نے کتاب العلل میں کہا ہے
کہ حضرت بھی بن معبد کی یہ حدیث صحیح حدیث ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی نے المسند میں روایت کیا ہے کہ حضرت بھی بن معبد
نے حج قرآن کیا تھا سو انہوں نے بیت اللہ کا دو دفعہ طواف کیا اور صفا اور مردہ کے درمیان دو دفعہ سعی کی (پہلی دفعہ عمرہ کے لیے اور
دوسری دفعہ حج کے لیے) پھر جب حضرت عمر بن خطاب سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے حضرت بھی سے فرمایا: تم نے اپنے نبی
کریم ﷺ کی سنت کو پالیا اور البتہ! للعینی میں اسی طرح مذکور ہے اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حنفیہ کے نزدیک حج قرآن افضل ہے
پھر حج تمتع، پھر حج مفرد اور حقتہ من شافعیہ میں علامہ مرنی، ابواسحاق مروزی، ابن المنذر اور اسی طرح علامہ ابن جریر طبری کا یہی عقار
ہے اور متاخرین میں سے امام تقی الدین سبکی کا یہی عقار ہے نیز امام سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، کثیر المل، الحدیث اور ظاہر یہ کا یہی
قول ہے اور حج قرآن کی احادیث حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابوطالب، حضرت عمران بن حصین، حضرت سراقہ
بن مالک، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت براء بن عازب، حضرت ابن الزیاد الباطنی، حضرت سبرہ اور ام المؤمنین حضرت

حصہ دینی ہے اسے مروی ہیں اور شافعیہ کے نزدیک حج مفرد افضل ہے امام احمد بن حنبل نے بھی یہی فرمایا ہے اور مالکیہ کے نزدیک حج تمتع افضل ہے ایک قول کے مطابق امام شافعی نے بھی یہی فرمایا ہے۔

مزید تفصیل اور دلائل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۲۳، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور، نیز شرح مسند امام اعظم لملامع القاری ص ۱۱۳-۱۱۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان۔

۱۹۔ بَابُ فَضِيلَةِ الْعُمْرَةِ

ماورمضان المبارک میں

عمرہ کرنے کی فضیلت

فِي شَهْرِ رَمَضَانَ

۲۵۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ماورمضان میں ایک عمرہ کرنا ایک حج کے برابر ہے۔

بخاری (۱۸۶۳) مسلم (۳۰۳۸) ابوداؤد (۱۹۸۸-۱۹۹۰) ترمذی (۹۳۹) ابن ماجہ (۲۹۹۱)

حل لغات

”تعدیل“ سینہ واحد مؤنث غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب حَضَرْتُ بِمَضْرُوءٍ سے ہے، یہ ”عدل“ مصدر سے مشتق ہے، اس کا لغوی معنی ہے: مساوی ہونا، یکساں ہونا، برابر ہونا اور انصاف کرنے کو بھی عدل اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں دونوں فریقوں کے درمیان بغیر کسی جانب داری کے یکساں اور برابر فیصلہ کیا جاتا ہے۔

ماورمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت کی وجوہات

ماورمضان میں عمرہ کرنے کا اجر و ثواب بڑھ کر حج کے اجر و ثواب کے مساوی اور برابر ہو جاتا ہے، ایک تو ماورمضان کی فضیلت و برتری کی وجہ سے اور دوسرا اس لیے کہ اس ماہ میں عبادت کا درجہ اور اجر و ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور اس حدیث کو امام احمد، امام بخاری اور امام ابن ماجہ نے حضرت جابر سے اور امام احمد، شیخین، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے اور علامہ طبرانی نے حضرت زبیر سے روایت کیا ہے اور سمویہ نے الرعاء ان اس ایک روایت بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”عبدة فی رمضان کعبدة معی“ یعنی ماورمضان میں عمرہ کرنا اس طرح ہے جس طرح میرے ساتھ حج کرنے کی سعادت ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملامع القاری ص ۱۲۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان]

مکہ مکرمہ میں داخل

ہونے کا بیان

۲۰۔ بَابُ فِي دُخُولِ

الْمَكَّةِ الْمَكْرُومَةِ

۲۵۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَجِ مَكَّةَ عَلَى بَنِي إِزْزَقٍ إِلَى سَوَادٍ وَهُوَ النَّالَةُ الْقُصْوَى مَتَقَلِّدًا بِقَوْمٍ مَتَعَمِّمًا بِعَمَامَةٍ سَوْدَاءَ مِنْ وَهَبٍ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن مائل پہ پہنچا، لے رنگ کی ایک اونٹنی پر سوار تھے اور یہ اونٹنی قصویٰ کے نام سے مشہور و معروف تھی، آپ نے گلے میں کمان لٹکائی ہوئی تھی اور اونٹ کی ٹم سے تیار کردہ سیاہ عمامہ سر پر باندھ رکھا تھا۔

حل لغات

”أَوْزَقِي“ سیاہی کی طرف مائل ہلکا سفید رنگ، نیلا رنگ، خاکستری رنگ، خشکی کا سال، قحط کا سال۔ ”مَقْعُومًا“ صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کو گردن میں لٹکانا۔ ”مَقْعُومًا“ یہ صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: عمامہ باندھنا، بکڑی باندھنا۔

فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے داخلے کا منظر

صحیح اسناد کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اس وقت آپ کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اور صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبہ معظمہ کے دروازہ کے پاس جب لوگوں کو خطبہ دیا اس وقت آپ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ حضرت مالک نے فرمایا جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ حرم نہیں تھے اور اس بات کی گواہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث دیتی ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے داخل ہوئے اور اس وقت آپ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا میں کہتا ہوں کہ یہ حکم ظاہر کے اعتبار سے ہے جبکہ اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ آپ حرم تھے لیکن کسی عذر کے پائے جانے کے سبب عمامہ پہنا ہوا تھا اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے آدمی پر احرام واجب ہے یا نہیں؟ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقاً واجب ہے اور مشہور یہی ہے اور ان میں سے ہر ایک سے ایک روایت یہ ہے کہ واجب نہیں ہے اور ہمارے (حنفی) علماء نے اندرون میقات رہنے والوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے چنانچہ ان پر صرف اس وقت احرام باندھنا واجب ہوگا جب وہ حج و عمرہ میں سے کسی کو ادا کرنا چاہیں گے اور ممکن ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احرام نہ باندھنا اس وقت آپ کے خصائص میں سے ہو جیسا کہ اس وقت حرم میں قائل کرنا آپ کے لیے جائز کر دیا گیا تھا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

[شرح سند امام اعظم للاحادیث ص ۲۳۳-۲۳۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

شیخ محقق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سیاہ عمامہ پہننے کے استحباب کی دلیل ہے جیسا کہ حنفی مذہب ہے اور بعض علماء کہتے ہیں: عمامہ سیاہ نہیں تھا بلکہ تیل اور لوسے کی خود استعمال کرنے کی وجہ سے سیاہ نظر آتا تھا (حالانکہ یہ تاویل حدیث کے صریح الفاظ کے خلاف ہے) نیز یہ حدیث دلیل ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے پر احرام واجب نہیں ہے مگر جب حج اور عمرہ کرنے کی نیت سے داخل ہونا چاہے تو پھر اس پر احرام باندھنا واجب ہوگا اور امام شافعی کے دو قول ہیں اور صحیح ترین قول یہی ہے اور حنفیہ کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حرم مکہ اس وقت حلال کر دیا گیا تھا۔

[معجم المعانی شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۸۵ مکتبہ نور پر رضویہ اشکریہ]

نبی کریم ﷺ کی قبر
کی زیارت کرنا

۲۱۔ بَابُ زِيَارَةِ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ تم نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس قبلہ کی جانب سے حاضری دو اور اپنی پشت کو قبلہ کی طرف کر لو اور اپنے چہرے کو قبر کی طرف کر لو پھر کہو: ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ یعنی اے

۲۵۶۔ تَبَوَّعْنِيْمَةُ عَنْ ثَابِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ
مِنَ السَّنَةِ أَنْ تَأْتِيَ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَتَجْعَلَ ظَهْرَكَ إِلَى الْقِبْلَةِ وَتَسْتَقْبِلَ
الْقَبْرَ بِوَجْهِكَ ثُمَّ تَقُولَ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ

وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ.

(غیب کی خبریں بتانے والے) اے آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کے فضائل و دلائل

تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا عظیم ترین قربات میں سے ہے کہ اور افضل ترین مشروعات میں سے ہے اور جس شخص نے اس کے مشروع و مباح ہونے میں جھگڑا کیا وہ یقیناً گمراہ ہے اور اس نے دوسروں کو گمراہ کیا ہے سو بعض علماء نے کہا: یہ زیارت سنت ہے اور بعض علماء نے کہا کہ یہ زیارت واجب و لازم ہے جبکہ بعض حضرات نے کہا: یہ واجب کے قریب ہے کیونکہ حدیث میں ہے آپ نے فرمایا: ”من حج ولم يزرني فقد جفاني“ جس آدمی نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی تو اس نے یقیناً مجھ پر ظلم کیا ہے اور بہت سی احادیث ہیں جو طبرانی، دارقطنی، اور ابن ہدی وغیرہا میں روایت کی گئی ہیں اور بلاشبہ ابن تیمیہ نے بہت بڑی غلطی کی کہ اس نے گمان کیا کہ اس باب میں جس قدر احادیث وارد ہوئی ہیں وہ سب ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کا ”من السنة“ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف پشت کر کے قبر کی طرف چہرہ کرنا اور سلام عرض کرنا صحابہ کرام اور تابعین کی سنت ہے۔ [شرح معنی امام اعظم مع الجامعہ ص ۲۰۱ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کی فضیلت و اہمیت کے بیان میں شیخ الامام الفقہ احمد ث علامہ تقي الدين بن عثيمين کی کتاب ”فقاء السقام فی زیارة خیر الالام“ مطبوعہ المکتبۃ الشوریۃ الرضویۃ الجامع البیہادی لائپز (فیصل آباد) سے چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) من زار قبری وجبت له شفاعتی۔ (رواہ الدارقطنی والبیہقی وغیرہما) واجب اور لازم ہوگئی۔ جس نے میری قبر کی زیارت کر لی اس کے لیے میری شفاعت

(۲) من زار قبری حلت له شفاعتی۔ (رواہ ابو الدرداء قطنی) حلال ہوگئی۔ جس نے میری قبر کی زیارت کر لی اس کے لیے میری سلامتی

(۳) من جاءني زائراً لا بعمله حاجة الا زيارتي كان حقاً هلي ان اكون له شفيعاً يوم القيامة۔ (رواہ الطبرانی والدارقطنی) جو شخص میری زیارت کے لیے آئے میری زیارت کے سوا کوئی اور حاجت نہ ہو تو مجھ پر لازم ہو جاتا ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

(۴) من حج لزار قبری بعد وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی۔ (رواہ الدارقطنی وابن ہدی فی الکامل والبیہقی فی السنن) جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(۵) من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني۔ (رواہ ابن ہدی فی الکامل) جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہیں کی تو اس نے اس مجھ پر ظلم کیا۔

(۶) من زار قبری کنت له شفيعاً۔ (رواہ ابو الدرداء والبیہقی فی السنن) جس نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کی شفاعت کروں گا۔

(۷) من زارنی معصداً کان فی جوارى يوم

القیامۃ. (رواہ العقیلی وغیرہ)

میرا پڑوسی ہوگا۔

(۸) من زارنی حتی یسقی الی قبری کنت له

جس نے میری قبر پر پہنچ کر پانی کی میری زیارت کی تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔

یوم القیامۃ شفیعا. (رواہ العقیلی)

جس نے میری قبر کی زیارت نہیں کی اس نے یقیناً مجھ پر ظلم کیا ہے۔

(۹) من لم یزر قبری فقد جفانی

(رواہ ابن ابی شیبہ)

جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(۱۰) من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی

حیاتی. (رواہ الدارقطنی)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۸۔ کتاب النکاح

۱۔ باب خطبۃ النکاح

۲۵۷۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَةَ الْحَاجَةِ بِعِنَى النِّكَاحِ أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ تَحْمَدُهُ وَتُسَبِّحُهُ وَتُسَمِّعُهُ وَتُسَمِّعُهُ مَنْ يَهْدِي اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حاجت یعنی خطبہ نکاح کی ہمیں تعلیم دی۔ (اس کا ترجمہ یہ ہے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں ہم بھی اسی کی تعریف کرتے ہیں ہم اس سے مدد مانگتے ہیں ہم اسی سے مغفرت و بخشش طلب کرتے ہیں اور ہم اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کر دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور وہ جس کو گمراہی پہ ڈال دے اسے کبھی ہدایت دینے والا نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک حضرت محمد ﷺ اس کے خاص بندے اور اس کے (خبری) رسول ہیں۔

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم صرف مسلمان رہ کر ہی مرنا اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات توڑنے سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور سچی بات کہا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو اس نے یقیناً بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقْوَاهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ○ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ○ يُضْلِلْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ○

ابورؤد (۲۱۱۸) ترمذی (۱۱۰۵) نسائی (۳۲۷۹)

الحاج (۱۸۹۲)

حل لغات

”نَسَفَجْنَهُ، نَسَفَجُوهُ، نَسَفَجُوهُ“ تینوں میں سے جمع حکم، فعل مضارع معروف مثبت، باب استعمال سے ہیں پہلے کا معنی مرد طلب کرنا دوسرے کا معنی بخشش طلب کرنا اور تیسرے کا معنی ہدایت و رہنمائی طلب کرنا ہے۔ ”نَسَفَجُوهُ“ میضج جمع مذکر حاضر، فعل مضارع مثبت، باب تفاعل سے ہے دراصل ”نَسَفَجُوهُ“ ہے اس کا معنی ہے: ایک دوسرے سے سوال کرنا۔ ”نَسَفَجُوهُ“ میضج واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: اصلاح کرنا، سنوارنا درست کرنا۔

نکاح کی حکمتوں اور قسموں کی وضاحت

اس حدیث میں خطبہ نکاح کو خطبہ حاجت کا نام دیا گیا ہے راوی نے النکاح کہہ کر وضاحت کی ہے کہ خطبہ حاجت سے مراد خطبہ نکاح ہی ہے گویا نکاح کو حاجت قرار دیا گیا ہے کیونکہ انسان تہذیبی اور معاشرتی زندگی میں غیر قضاے شہوت، گمراہی معاملات کے انتظام و انصرام اور نسل انسانی کی بقاء کے لیے نکاح کا حاجت مند اور ضرورت مند رہتا ہے سو اس لیے نکاح کو حاجت کا نام دیا گیا ہے۔ طاعی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو ائمہ اربعہ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ) اور امام حاکم اور امام ابو حاتم سب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے، نیز امام احمد بن حنبل اور امام دارمی نے اس حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے جس کی تفصیل میں نے شرح المحسن الحسین میں بیان کر دی ہے۔

[شرح منہاج امام اعظم ص ۴۴۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان]

علامہ نووی شامی لکھتے ہیں:

لوگوں کے اہتمام سے نکاح کی چار قسمیں ہیں: ایک قسم یہ ہے کہ شہوت کا غلبہ بھی ہو اور نکاح کرنے کی طاقت بھی ہو تو ایسے شخص کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے دوسری قسم یہ ہے کہ نہ شہوت کا غلبہ ہو اور نہ نکاح کی طاقت ہو اس کے حق میں نکاح مکروہ ہے تیسری قسم یہ ہے کہ شہوت کا غلبہ تو ہو لیکن نکاح کی طاقت نہ ہو اس کے حق میں بھی نکاح مکروہ ہے اور اس شخص کو اپنی شہوت کم کرنے اور اس کو کنٹرول کرنے کے لیے روکے رکھنے چاہئیں اور چوتھی قسم یہ ہے کہ شہوت کا غلبہ تو نہ ہو لیکن نکاح کرنے کی طاقت ہو، جمہور شافعیہ کے نزدیک اس کے حق میں نکاح کرنا مکروہ تو نہیں ہے لیکن اس کے لیے افضل یہ ہے کہ نکاح نہ کرے بلکہ عہادت کے لیے غلوٹ اختیار کر لے اور امام ابو حنیفہ، بعض شافعیہ اور بعض مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کرنا افضل ہے۔

[شرح المسلم لل نووی ج ۱ ص ۴۴۸، مطبوعہ دارالمرآع العلمیہ، کراچی، ۱۴۰۵ھ]

علامہ نووی نے امام ابو حنیفہ کا جو مذہب بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جس شخص پر شہوت کا غلبہ ہو اس کے لیے نکاح کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک افضل و مستحب نہیں بلکہ واجب ہے اور جس شخص کو یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ نکاح نہیں کرے گا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گا اس پر نکاح فرض ہے۔

علامہ سید محمود لوی، علامہ نووی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آپ کو معلوم ہوگا کہ احناف کی کتابوں میں امام اعظم کا جو مذہب بیان کیا گیا ہے وہ علامہ نووی کے ذکر کردہ بیان کے خلاف ہے چنانچہ ترمذی، ابوداؤد اور اس کی شرح در مختار میں ہے کہ غلبہ شہوت کے وقت نکاح واجب ہوتا ہے اور اگر اس کو یقین ہو کہ اگر اس نے نکاح نہ کیا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گا تو اس پر نکاح فرض ہے اسی طرح التھلیب میں لکھا ہے یہ اس وقت ہے کہ جب وہ حق مہرا دا کرنے اور بیوی کا خرچ اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو ورنہ نکاح نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح بدائع میں ہے اور صحیح مذہب یہ

ہے کہ نکاح سنت مؤکدہ ہے اور اس کے ترک سے انسان گنہگار ہوگا اور جب اسے مہر بیوی کے خرچ اور عمل ازدواج پر قدرت ہو اور وہ پاکیزگی اور اولاد کے حصول کے لیے نکاح کرے تو اس کو ثواب ملے گا۔

[تفسیر روح المعانی ج ۳ ص ۱۹۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت]

نوٹ: ماخوذ از: شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۷۸۲-۷۸۱، مطبوعہ فرید ہک شال لاہور

نکاح کا حکم

۲۔ بَابُ الْأَمْرِ بِالنِّكَاحِ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے میں دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

۲۵۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوا فَإِنِّي مُكَافِّرُ بِكُمْ الْآثِمَ.

ابوداؤد (۲۰۵۰) نسائی (۳۲۲۹) ابن ماجہ (۱۸۶۳) سند احمد (ج ۳ ص ۱۵۸)

حل لغات

”تَزَوَّجُوا“ میں جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب فاعل سے ہے اس کا معنی ہے: نکاح کرنا شادی کرنا۔ ”مُكَافِّرُ“ میں فاعل واحد مذکر اسم فاعل باب مفاعله سے ہے اس کا معنی ہے: کثرت میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا۔

نکاح کے فوائد

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نکاح کرنے کا ایک فائدہ یہ بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن آپ دوسری امتوں کے مقابلے میں اپنی امت کی عددی کثرت پر فخر کریں گے جبکہ دنیا میں بھی طغوتی اور اسلام دشمن قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کو عددی برتری حاصل ہوگی چنانچہ نکاح کرنے کے فوائد میں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَ فَلَْيُزَوِّجْ فَإِنَّهُ أَغْضَى لِلْبَصَرِ وَأَحْسَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالْعَصَمِ فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ (مشق علیہ)

اے نوجوانوں کی جماعت اتم میں سے جو شخص نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے ضرور نکاح کرنا چاہیے کیونکہ یہ نگاہ کو جھکانے والا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جو شخص نکاح کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو اس پر روزے رکھنا لازم ہیں کیونکہ یہ قوت مردانہ کو توڑنے والے ہیں۔

(۲) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمیوں کا ایک گروہ نبی کریم ﷺ کی ازدواجی مطہرات کے پاس حاضر ہوا اور آپ کی عبادت و ریاضت کے متعلق سوال کرنے لگے سو جب انہیں آپ کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے اپنی عبادت کو بہت کم خیال کیا اور آپس میں کہنے لگے: کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ ﷺ کی بلند و بالا عظمت و شان! انہیں تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہوں سے معصوم پیدا کیا ہے چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا اور تیسرا کہنے لگا: میں عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا سو اسی دوران رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: تم نے اس طرح اور اس طرح باتیں کی ہیں! سنو! اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والے ہوں! لیکن میں نماز نہیں پڑھتا ہوں اور آرام کرنے کے لیے سوتا بھی ہوں اور میں روزے بھی رکھتا ہوں اور

اظہار بھی کرتا ہوں اور میں عورتوں شادی بیاہ اور نکاح بھی کرتا ہوں۔

لعمین رغب عن منعی فلیس منی. (تعلق علیہ) سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ میرا (اسحق) نہیں ہے۔
(۳) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور
بمرد (بے نکاح) رہنے سے سخت منع فرماتے تھے اور آپ فرمایا کرتے:

تزوجوا الودود الولود فانی مکاتر لکم تم محبت کرنے والی بچے جننے والی عورتوں سے شادی کیا کرو
الانبیاء یوم القیامۃ۔ کیونکہ قیامت کے دن میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دیگر انبیائے کرام
تلفظاً پر غر کروں گا۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ابوداؤد اور نسائی
کی حدیث اس کی شاہد و گواہ ہے نیز امام ابن حبان نے یہ حدیث حضرت معقل بن یسار سے روایت کی ہے۔
[الامام طریق احادیث منقولہ بلوغ الحرام النکحہ علی منوطہ بلوغ الحرام سنۃ اولیۃ الاحکام ص ۲۱۸ مطبعت علی منوطہ الشیخ علی بن حاسر الاسدی المدینہ منہار
الحدیث المکتبۃ فی ۲۱ ذی القعدۃ ۱۳۹۶ ھ مجریۃ مطبعت دار الفکر بیروت لا اسکندریہ]

نکاح کے فوائد میں سے یہ ہے کہ انسان کی خواہش نفسانی اور شہوت کا زور لوٹ جاتا ہے اور وہ شیطان کے شر سے محفوظ ہو جاتا
ہے اور شہوانی خرابیوں کا سد باب ہو جاتا ہے اس کی نظر پاکیزہ ہو جاتی ہے اور شرمگاہ گناہوں سے بچی رہتی ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا: جو شخص نکاح کر لیتا ہے وہ اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیتا ہے جس باقی نصف دین کو محفوظ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ
سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ [طبرانی] جو شخص بغیر نکاح کے مجرد زندگی گزارتا ہے اس کو معاشرے میں زیادہ عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا
جاتا۔ ایسے شخص کو بسا اوقات کسی مہذب سوسائٹی میں رہنے کے لیے مکان کے حصول میں بھی بڑی دشواری ہوتی ہے۔ نکاح کے فوائد
میں سے یہ بھی ہے کہ نکاح کی وجہ سے انسان کی قوت عمل میں اضافہ ہو جاتا ہے اس پر بیوی اور بچوں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہیں اور
ان کے حقوق و فرائض اس کے ساتھ متعلق ہو جاتے ہیں وہ ان کی فلاح و بہبود اور بہتری کے لیے کوشش کرتا ہے ان کو نڈرے اور ناجائز
کاموں سے دور رکھتا ہے اور ان کے لیے نیکی اور خیر و بھلائی کے حصول کی کوشش کرتا ہے بسا اوقات ان کی ناگوار اور ناپسندیدہ باتوں
پر صبر کرتا ہے اور صبر کا اجر و ثواب لامحدود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا يُولَى الصَّابِرُونَ أَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ
(الزمر: ۱۰)

نیز بیوی بچوں کی وجہ سے انسان کا گھر میں دل بہلتا ہے پیار ہو جائے تو بیوی بچے اس کی حصار داری کرتے ہیں بچوں اور بیوی کی
کفالت کی وجہ سے انسان کے دل میں زیادہ سے زیادہ کمانے اور محنت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے ملک و ملت کی تعمیر اور ترقی
میں اضافہ ہوتا ہے بچوں کی وجہ سے انسان کے دل میں رحم و شفقت اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے معاشرہ میں وہ الگ تھلگ نہیں رہتا اور
اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے نیز اولاد کی وجہ سے انسان کی تمدنی زندگی میں اضافہ ہوتا ہے اولاد کی شادی بیاہ کے معاملات کی
وجہ سے نئے لوگوں سے تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔

اس کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۷۷۸-۷۷۹ 'مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور'
۳۔ بَابُ النِّكَاحِ عَلَى رِجَالٍ الْإِبْهَامِ
کنواری لڑکیوں سے نکاح کی ترغیب

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لو جو ان کنواری لڑکیوں سے نکاح کیا کرو کیونکہ ان کے رحم جلد بچے جننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کے منہ مکالے اور بات چیت میں بہت اچھے اور ملائم ہوتے ہیں اور وہ اخلاق میں عمدہ اور مہذب ہوتی ہیں۔

۲۵۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ ابْنِ حُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ حَمُوا الْجَوَارِيَ الثَّوَابَ لَوَالِهِنَّ أَنْفَجَ أَوْحَامًا وَأَطْلَبَ أَلْوَاهَا وَأَهْرَ أَهْلَهَا. (ابن ماجہ ۱۸۶۱)

حل لغات

”اَنْفَجَ“ معنی جمع نہ کر حاضر فعل امر معروف باب مَضَرَبٌ بِمَضَرَبٍ سے ہے اس کا معنی ہے: نکاح کرنا جمع ہونا۔
”الْجَوَارِيَ“ ”جَارِيَةً“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: لڑکی۔ ”الثَّوَابُ“ ”یہ“ ”ثَابِتٌ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: لو جو ان لڑکی۔
”انفج“ اس کا معنی ہے: بچہ دینا۔

لو جو ان کنواریوں سے نکاح کے فوائد

پی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد ”اَنْفَجُوا الْجَوَارِيَ“ کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹی عمر کی لو جو ان کنواری لڑکیوں سے نکاح کیا کرنا ”ثَابِتٌ“ کیونکہ ان کے رحم بہت جلد اور بہت زیادہ بچے جننے والے ہوتے ہیں اس لیے کہ ان کے رحموں میں توست حرارت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ مردانہ نطفہ کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ اور ”اطلب الواہا“ کا مطلب ہے کہ وہ شیریں لسان ہوتی ہیں ان کی گفتگو میٹھی ہوتی ہے اور ان کا انداز کلام مہذب و شائستہ اور شیریں ہوتا ہے نیز وہ نرم و ملائم کلام ہوتی ہیں بے ہودہ اور قش باتیں نہیں کرتیں اور ”اھزر اھلہا“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاشرت و معاشرت کے معاملات میں عمدہ اخلاق و خوشگوار برتاؤ پسندیدہ اطوار و گفتار رہن سہن اور دل پسند طریقہ عمل کا مظاہرہ کرتی ہیں مطلقہ یا بیوہ کی طرح بے پاک حیز زبان اور بے لالائش ہوتیں کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے شوہر نہیں دیکھا ہوتا اس لیے وہ مطلقہ یا بیوہ عورتوں کی طرح پہلے اور موجودہ خاوند کے درمیان موازنہ نہیں کرتیں۔ امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے حضرت عوف بن ساعدہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالْأَبْكَارِ لَوَالِهِنَّ أَطْلَبُ الْوَاهَا وَالْبَقِ
أَوْحَامًا وَأَرْحَى بِالْبَسِيرِ۔
تم کنواری لو جو ان لڑکیوں سے نکاح کرو کیونکہ ان کے منہ گفتگو میں نرم و ملائم اور شیریں لسان ہوتے ہیں اور ان کے رحم زیادہ بچے جننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ تھوڑی چیز پر راضی ہو جاتی ہیں۔

ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ ”وَأَطْلَبُ نَحْبًا“ اور وہ بہت کم دھوکہ باز ہوتی ہیں اور دوسری روایت میں ہے: ”وَأَسْخَنُ أَهْلًا“ اور ان کی شرمگاہیں توست حرارت زیادہ رکھتی ہیں۔ [شرح مسند امام اعظم لامل کاری ص ۲۳۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

پانچ قسم کی عورتوں کے

نکاح سے بچنے کا بیان

حضرت ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ مجھے مدینہ منورہ کے ایک شیخ (بزرگ) نے خبر دی ہے کہ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ

۴۔ بَابُ التَّنْزِيهِ مِنَ نِكَاحِ

النِّسَاءِ الْخَمْسَةِ

۲۶۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ ابْنِ اِبْرَاهِيمَ قَالَ اَنْصَرَسِي فَمَنْعَ بَنِ اَهْلِ الْمَدِينَةِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ

اِنَّهٗ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ هَلْ تَزَوَّجْتُ قَالَ لَا قَالَ تَزَوَّجْ تَسْتَعِفُّ مَعَ عِفَّتِكَ وَلَا تَزَوَّجَنَّ حُمْسًا قَالَ مَا هُنَّ قَالَ لَا تَزَوَّجَنَّ شَهْبَرَةً وَلَا نَهْبَرَةً وَلَا لَهْبَرَةً وَلَا هَبْدَرَةً وَلَا لَفُوتًا قَالَ زَيْدٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَا اَعْرِفُ شَيْئًا مِّمَّا قُلْتَ قَالَ بَلَى اَمَّا الشَّهْبَرَةُ فَالزَّوْكَاءُ الْبَيْهِنَةُ وَاَمَّا النَّهْبَرَةُ فَالطَّوْبَةُ الْمَهْزُوْلَةُ وَاَمَّا اللَّهْبَرَةُ فَالْمَعْجُوْرُ الْمَذْبُوْرُ وَاَمَّا الْهَبْدَرَةُ فَالْقَصِيْرَةُ الدَّيْمِيْمَةُ وَاَمَّا اللَّفُوتُ لِهٰذَا الْوَلَدِ مِنْ غَيْرِكَ قَالَ الشَّيْخَانِيُّ حَسْبَكَ اَبُو حَنِيفَةَ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ طَوْبًا.

مسند البخاری (۴۸۵)

نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے کسی عورت سے شادی کر لی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! آپ نے فرمایا: تم شادی کر لو تا کہ تم اپنی (پہلی) عفت و عصمت کے ساتھ مزید عفت و پاک دامنی حاصل کر لو البتہ تم پانچ قسم کی عورتوں سے شادی نہ کرنا، عرض کیا: وہ کون سی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم ہمبرہ سے شادی نہ کرو اور نہ نمبرہ سے نہ لہمبرہ سے اور نہ مہدہ رہ سے اور نہ لفوت سے۔ حضرت زید نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے جو کچھ فرمایا ہے میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! لیکن ہمبرہ تو وہ گرہ چشم (نیل آنگھوں والی) مولے بدن والی عورت ہے اور نمبرہ تو وہ دراز قد دلی پٹلی لاغر و کمزور عورت ہے اور ہائی لہمبرہ تو وہ ایسی انتہائی بوڑھی عورت جو جذبات شہوانی اور خواہشات نفسانی سے خالی ہو اور مہدہ رہ تو وہ بونے قد کی بد صورت عورت ہے اور ہائی رہی لفوت تو وہ حیرے علاوہ کسی دوسرے خاوند سے بچہ لانے والی عورت ہے۔ حضرت شیانی نے کہا کہ امام ابو حنیفہ اس حدیث کی وجہ سے کافی دیر تک مسکراتے رہے۔

حل لغات

”تَسْتَعِفُّ“ صیغہ واحد مذکر حاضر، فعل مضارع، معرفت مثبت، باب استعمال سے ہے اس کا معنی ہے: پاک دامن بننا، پاک دامنی طلب کرنا، پاک دامنی حاصل کرنا۔ ”الزَّوْكَاءُ“ نیلی آنکھوں والی۔ ”الْبَيْهِنَةُ“ مولے بدن والی۔ ”الْقَصِيْرَةُ“ کوتاہ قد، بونی، عقلمانی۔

مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح جائز پر ہیز افضل ہے

اس حدیث کو حضرت ابراہیم نخعی کا مدینہ منورہ کے کسی نامعلوم شیخ سے روایت کرنے کی بناء پر راوی کی جہالت میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ خود بھی ثقہ ہیں اور روایت بھی ثقہ راوی سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ احناف کے نزدیک مقرر و ثابت ہے اور علامہ ملا علی قاری نے اپنی شرح میں اس کا کئی جگہ ذکر کیا ہے علاوہ ازیں ضعیف حدیث بھی فضائل اعمال میں مقبول و معمول بہ ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ان پانچ قسم کی عورتوں سے شادی کرنا نہ تو کبیرہ گناہ ہے اور نہ صغیرہ گناہ ہے بلکہ ان کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے لیکن ان سے شادی نہ کرنا بہتر و مستحب ہے اور اس حدیث میں ان سے شادی نہ کرنے کی جو نہی وارد ہوئی ہے وہ نہی تنزیہی ہے، تحریمی نہیں ہے، یعنی اس قسم کی عورتوں کے ساتھ شادی سے اجتناب اور پرہیز کرنا افضل و مستحب ہے اور ان سے شادی کرنا حرام نہیں ہے۔ [تسلیح النظام فی شرح منہاج الامام حاشیہ نمبر ۸ ص ۱۲۹، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

پھر یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ خود نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ماسوا باقی سب خواتین پہلے سے شادی شدہ تھیں، صرف حضرت عائشہ صدیقہ کنواری تھیں، باقی بعض مطلقہ تھیں، بعض بیوہ تھیں اور بعض بوڑھی تھیں،

بعض بھاری جسم والی دراز قد بھی خمیں اور بعض پہلے خاوند سے صاحب اولاد بھی خمیں۔

۵۔ بَابُ نِكَاحِ السَّوْدَاءِ الْوَلَوْدِ

ہاں مجھ حسینہ کی بجائے بچے دینے والی سیاہ رنگ لڑکی سے نکاح کرنا بہتر ہے

أَحَبُّ مِنَ الْحَسَنَاءِ الْعَاقِرِ

ایک شامی صحابی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں فلاں عورت سے شادی کر لوں؟ تو آپ نے اس کو اس عورت کے ساتھ شادی کرنے سے منع کر دیا پھر وہ دوبارہ حاضر ہوا تو آپ نے اس کو اس سے منع کر دیا پھر وہ تیسری بار حاضر ہوا تو آپ نے اس کو اس سے منع کیا پھر فرمایا: بچے دینے والی سیاہ رنگ کی لڑکی سے نکاح کرنا میرے نزدیک خوب صورت ہاں مجھ عورت سے بہت بہتر ہے۔

۲۶۱۔ اِنَّهُ خَيْرٌ مِنْ عَتَمَةِ الْمَلِكِ عَنْ رَجُلٍ فَاسَمِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اتَزَوِّجُ فَلَاحَةً فَهَنَاهَا عَنْهَا ثُمَّ قَدَّاهَا فَنَهَاهَا عَنْهَا ثُمَّ آتَاهَا فَهَنَاهَا عَنْهَا ثُمَّ قَالَ سَوْدَاءٌ وَلَوْدٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ حَسَنَاءٍ عَاقِرٍ.

کمزور تھیل (۴۴۴۲۷) صدر المجلد (ج ۲ ص ۲۵۸) کن

ماہ (۱۸۵۹)

حل لغات

”اتزویج“ میں واحد مکمل فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس سے پہلے حرف استفہام مقدر ہے اس کا معنی ہے: شادی کرنا نکاح کرنا۔ ”نہا“ میں واحد مکمل فعل ماضی معروف باب فاعی سے ہے اس کا معنی ہے: منع کرنا روکنا۔ ”سوداء“ کالی سیاہ رنگ والی عورت۔ ”ولود“ زیادہ بچے جننے والی عورت۔ ”حسناء“ خوب صورت عورت۔ ”عاقرة“ ہاں مجھ عورت۔

نکاح کے مقصد و معیار کی نشاندہی

دراصل نبی کریم ﷺ کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ عورت اگرچہ حسینہ جلیلہ اور خوب صورت ہے لیکن یہ ہاں مجھ بچے جننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لیے جب سائل نے اس عورت سے شادی کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے پہلے اسے اجمالی طور پر منع کر دیا لیکن جب اس نے کئی بار سوال دہرایا تو آپ نے تیسری بار تفصیل کے ساتھ اس کی علت حکمت کو فرمایا کہ ہاں مجھ اور بچے نہ جننے والی خوب صورت عورت سے زیادہ بچے جننے والی کالی سیاہ رنگ والی عورت سے شادی کرنا میرے نزدیک بہتر ہے کیونکہ نکاح اور شادی کی غرض رعایت مسلمانوں کی کثرت اور نسل انسانی کی بقا ہے، محض شہوت رانی اور نفسانی خواہش کی تکمیل و تفریح نہیں چنانچہ امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم عورتوں سے ان کے حسن و جمال اور ان کی خوبصورت شکل و صورت کی وجہ سے نکاح نہ کرو کیونکہ ممکن ہے ان کا حسن و جمال انہیں ہلاک کر دے اور تم عورتوں کے مال دار ہونے کی بناء پر بھی ان سے نکاح نہ کرو کیونکہ ممکن ہے ان کا مال انہیں سرکش و مغرور بنادے لیکن تم ان کے دین دار ہونے کی وجہ سے ان سے نکاح کرو بے شک عقل مند دین دار کالی سیاہ رنگ والی لوطی افضل و بہتر ہے۔

[تسبیح النظام ص ۳۰، مکتبہ رحمانیہ لاہور]

علامہ طبرانی، حضرت معاویہ بن حیدہ کی حدیث بیان کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں: (ترجمہ) کالی سیاہ رنگت والی عورت جو بچے جننتی ہو تو وہ اس خوب صورت عورت سے بہت بہتر ہے جو بچے نہ جننتی ہو اور بے شک میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا یہاں تک کہ تکمیل کے بچے پر بھی (فخر کروں گا) جو جنت کے دروازے پر کھڑا انتظار کر رہا ہو گا اسے کہا جائے گا: تم

جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ بچہ عرض کرے گا: اے میرے رب تعالیٰ! میرے ماں باپ اسو اس بات پر اسے کہا جائے گا: تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ اور تمہارے ماں باپ بھی جنت میں داخل ہو جائیں۔

[شرح مسند امام اعظم لاملیٰ قاری ص ۲۵۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

تین چیزوں میں نحوست کا ثبوت

حضرت (سلیمان) ابن بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پاس بعض صحابہ کرام نے ہاہم ایک دوسرے سے نحوست کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ نحوست گمراہ گھوڑے اور عورت میں ہوتی ہے سو گمراہ کی نحوست تو یہ ہے کہ وہ تنگ ہو اور اس کے پڑوسی بڑے لوگ ہوں اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ وہ سرکش ہو (مالک کو سوار نہ ہونے دے) اور عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ ہانچہ ہو (اولاد کے قائل نہ ہو)۔ حضرت حسن بن سلیمان نے (اپنی مسند میں) اتنا زیادہ بیان کیا ہے کہ وہ بدخلق اور ہانچہ ہو۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی ہے تو گمراہ عورت اور گھوڑے میں ہوتی ہے گمراہ کی نحوست اس کا تنگ ہونا ہے اور عورت کی نحوست اس کا بد اخلاق ہونا اور اس کے دم کا ہانچہ ہونا ہے اور گھوڑے کی نحوست اس کا سرکش ہونا ہے۔

۶۔ بَابُ ثَبُوتِ الشُّوْمِ فِي ثَلَاثٍ

۲۶۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِيْدَةَ لَمَّا تَذَكَّرَ الشُّوْمَ ذَاتَ يَوْمٍ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الشُّوْمُ فِي الدَّارِ وَالْقَرَسِ وَالْمَرْأَةِ فَشُوْمُ الدَّارِ اَنْ تَكُوْنَ حَقِيْقَةً لَهَا جَبْرَانٌ سُوءٌ وَشُوْمُ الْقَرَسِ اَنْ تَكُوْنَ جَمُوْحًا وَشُوْمُ الْمَرْأَةِ اَنْ تَكُوْنَ عَاقِرًا اِذَا الْحَسَنُ بْنُ سَفِيَّانَ سَمِعَهُ الْعَلْقَمِيَّ عَاقِرًا. وَلَيْسَ بِرَوَايَةٍ اِنْ يَكُنِ الشُّوْمُ فِي قَرَسٍ فَمِلَى الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْقَرَسِ لَمَّا الدَّارُ فَشُوْمُهَا حَقِيْقَتُهَا وَاَمَّا الْمَرْأَةُ فَشُوْمُهَا سُوءٌ عَلْقَمَتُهَا وَهَقَرُ رَجُلُهَا وَاَمَّا شُوْمُ الْقَرَسِ لَمَّا تَكُوْنَ جَمُوْحًا. بخاری (۲۸۵۸) مسلم (۵۸۰۷) ابوداؤد (۳۹۲۲) نسائی (۳۵۹۸) ابن ماجہ (۱۹۹۴)

حل لغات

”تذکرہ“ سینہ واحد مؤنث غائب، فعل مضارع مجہول باب مضاعفہ سے ہے اس کا معنی ہے: ایک دوسرے سے کسی چیز کا ذکر کرتا۔ ”الشُّوْمُ“ اس کا معنی ہے: نحوست۔ ”حَقِيْقَةً“ تنگ ہونا۔ ”جَبْرَانٌ“ بہ معنی پڑوسی۔ ”جَمُوْحًا“ سرکش اور منہ زور گھوڑا۔

ہر چیز بالذات مفید ہے لیکن مقصد تخلیق کے اعتبار سے مفید نہ ہو تو منحوس ہے

واضح ہو کہ اس میں اختلاف ہے کہ کوئی چیز کسی اعتبار سے منحوس ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱) اس میں بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ نحوست کا کوئی ثبوت نہیں ہے البتہ احادیث میں صرف فرض اور تقدیر کی صورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر فرض کریں کہ نحوست ہو سکتی ہے تو تین چیزوں میں ہو سکتی ہے: گمراہ عورت اور گھوڑے میں، لیکن چونکہ اس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے اس لیے ان تینوں میں بھی نحوست نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

(۲) اور جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بالذات کسی اعتبار سے منحوس پیدا نہیں فرمائی، بلکہ ہر چیز بذات خود مفید اور حکمت و مصلحت پر مبنی پیدا کی گئی ہے خواہ اس کی افادیت کم ہو یا زیادہ ہو خواہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، لہذا کوئی چیز تخلیق کے طور پر بُری اور نامبارک نہیں ہے البتہ اگر مقصد تخلیق کے اعتبار سے مفید ہے تو مبارک ہے ورنہ منحوس ہے چنانچہ عورت بذات خود ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے کسی روپ میں ہو عقیدت و شفقت، محبت و پیار، خدمت و تربیت اور نسلی انسانی کی بقا کی ضامن ہے اور یہ مقدس رشتے ہیں لیکن اگر یہ عورت بد اخلاق و بد کردار اور نافرمان و سرکش اور ہانچہ ہو جائے تو حدیث نبوی کی رو سے منحوس قرار پاتی ہے اور

گھر بذات خود امن و سکون حاصل کرنے اور گرمی و سردی سے بچنے کا ضامن ہوتا ہے لیکن اگر یہ گھر تنگ ہو ضروریات زندگی کے لیے کافی نہ ہو اور پڑوسی ظالم و فاسق، جھگڑا لڑاؤیت ناک اور نقصان دہ ہوں تو پھر یہ گھر نامبارک و منحوس قرار پاتا ہے اسی طرح گھوڑا اور سواری کی کوئی اور چیز اصل میں سہولت و آرام کے ساتھ آمد و رفت جاری رکھنے اور اس پر سوار ہو کر پیدل چلنے کی مشقت سے بچتا ہے لیکن اگر یہ سواری کی چیز کارآمد نہ ہو سرکش ہو سوار نہ ہونے دے اور اگر مشکل سے اس پر سواری کر لی جائے تو وہ سوار کو گرا دے یا گاڑی کی بریکیں ٹیل ہو جائیں یا کوئی ایسی خرابی پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے وہ قابل استعمال نہ رہے تو پھر یہ گھوڑا نیز گاڑی وغیرہ نامبارک و منحوس قرار پائیں گی اور ان تین کی تخصیص کی وجہ بھی غالباً زندگی بھر اپنے مالک کے کام آتا ہے۔ بہر حال اس کی وضاحت دوسری حدیث سے ملتی ہے جسے امام حاکم نے المستدرک میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (ترجمہ) تین چیزیں سعادت و نیک بختی میں سے ہیں اور تین چیزیں شقاوت و بد بختی اور نحوست میں سے ہیں: سوسعادت و نیک بختی میں سے ایک وہ عورت ہے جو نیک اور اچھی ہو جسے تم جب دیکھو تو وہ تمہیں مسرور و خوش کر دے اور تمہیں بہت اچھی لگے اور جب تم اس سے غائب ہو جاؤ تو تمہیں اپنی غیر موجودگی میں اس کی عزت و آبرو اور اپنے اموال و اولاد کے متعلق اس پر پورا اعتماد اور بھروسہ اور امن حاصل ہو اور دوسری چیز وہ سواری ہے جس پر تم سہولت و آسانی کے ساتھ سوار ہو کر اپنے دوست و احباب کے پاس اور اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکو اور تیسری چیز وہ گھر جو اتنا زیادہ وسیع اور کشادہ ہو کہ ضروریات زندگی اور سامان زیست کے لیے کافی ہو اور شقاوت و بد بختی اور نحوست میں سے ایک وہ عورت ہے جسے تم جب دیکھو تو وہ تمہیں اپنے تکلیف دہ رویے کی وجہ سے بُری لگے اور وہ تم پر اپنی زبان چلانے لگے اور اگر تم اس سے کہیں دور چلے جاؤ تو تمہیں اپنی غیر موجودگی میں اس کی عزت و آبرو اور اپنے اموال و اولاد کے متعلق اس پر اعتماد و بھروسہ اور امن حاصل نہ ہو اور دوسری چیز وہ گھوڑا اور سواری ہے جو اس قدر سرکش اور خراب ہو کہ جب تم اس پر سوار ہو کر اسے مارو اور چیز چلاؤ تو وہ (اپنی سست رفتاری) سرکشی اور خرابی کی وجہ سے تمہیں تھکا دے اور اگر تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو تو وہ تمہیں منزل مقصود تک نہ پہنچائے اور تیسری چیز وہ گھر ہے جو اس قدر تنگ ہو کہ ضروریات زندگی کے لیے نا کافی ہو۔

[تسبیح النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۳۰، حاشیہ: ۳، اؤل، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۷۔ بَابُ اسْتِیْذَانِ الْوَالِدِ

مِنْ بَنِيهِ الْبَكْرِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمایا کہ علی تمہارا ذکر کرتے ہیں (یعنی نکاح کا پیغام دے رہے ہیں)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا نکاح کرنا چاہتے تو اس سے فرماتے کہ فلاں صاحب فلاں لڑکی کا ذکر کرتے ہیں (یعنی نکاح کا پیغام دے رہے ہیں) پھر آپ ان کا اس شخص سے نکاح کر دیتے۔

اور ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ آپ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ جب اپنی کسی صاحبزادی کا نکاح کرنا

۲۶۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ لِفَاطِمَةَ أَنَّ عَلِيًّا يَذْكُرُكِ. مسند الماری (۲۲)

۲۶۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَى عَنْ الْمُهَاجِرِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَزَوِّجَ اخْدَى بَنَاهُ يَقُولُ إِنَّ فَلَانًا يَذْكُرُ فَلَانَةَ ثُمَّ يَزَوِّجُهَا.

وَلَيْسَ رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زَوَّجَ اخْدَى بَنَاهُ

يَحْذَرُهَا لَقَوْلُ إِنَّ فَلَانًا يَذْكُرُ فَلَانَةً ثُمَّ يَرْوِيَّهَا. وَفِي رِوَايَةٍ لَنَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَخِطَبَ إِلَيْهِ ابْنَةٌ مِنْ بَنَاتِهِ أَتَى يَحْذَرُهَا لَقَالَ إِنَّ فَلَانًا يَذْكُرُ فَلَانَةً ثُمَّ ذَهَبَ فَأَتَمَّحَ.

سنن کبریٰ ترمذی (۱۲۷۳۹) مسند احمد (۲۳۹۳۶) ابن عدی (۷۵۲) ابن ابی حاتم (۱۱۶۸)

چاہے تو آپ اس کے پردے کے پاس تشریف لاتے اور فرماتے کہ فلاں شخص فلاں لڑکی کا ذکر کرتا ہے پھر آپ اس (صاحبزادی) کا اس شخص سے نکاح کر دیتے۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی صاحبزادی کے بارے میں نکاح کا پیغام دیا جاتا تو آپ اس کے پردے کے پاس تشریف لاتے اور فرماتے کہ فلاں آدمی فلاں لڑکی کا ذکر کر رہا ہے پھر تشریف لے جاتے اور نکاح پڑھا دیتے۔

حل لغات

”یَذْكُرُ“ میخذ واحد کرماعب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: ذکر کرنا یاد کرنا لیکن یہاں ”یَذْكُرُ“ بہ معنی ”يَخْطُبُ“ ہے یعنی نکاح کا پیغام دینا۔ ”يَحْذَرُ“ اس کا معنی ہے: پردہ لیکن یہاں خلوت کی جگہ مراد ہے۔

نکاح کے لیے عاقل و بالغ لڑکی کی رضا مندی ضروری ہے

ان دونوں احادیث میں ”یَذْكُرُ“ بہ معنی ”يَخْطُبُ“ ہے جس کا واضح مطلب ہے: نکاح اور شادی کا پیغام دینا اور رشتہ مانگنا مگر نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر واضح لفظ کی بجائے ”یَذْكُرُ“ فرمایا اس طرح آپ نے کنایہ اور اشارہ سے بات سمجھا کر اپنی امت کو شرم و حیاء اور تہذیب و شائستگی کا سبق دیا اور لڑکیوں سے اجازت لینے کا یہ طریقہ نہایت مؤدب و مہذب اور مناسب و موزوں ہے جو پیغام نکاح کے وقت بہت ہی ضروری ہے جبکہ واضح اور صاف الفاظ میں اجازت لینا شرم و حیاء ادب و احترام اور حجاب کے منافی ہے۔

علامہ طاعلی قاری لکھتے ہیں:

یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ عاقل و بالغ کنواری لڑکی کو نکاح پر اس کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کیا جاسکتا چنانچہ سنن ابوداؤد سنن نسائی سنن ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ ایک کنواری لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے آپ کو بتایا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح ایسے آدمی کے ساتھ کر دیا جسے وہ ناپسند کرتی ہے سو نبی کریم ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (چاہے تو اس نکاح پر راضی رہے ورنہ انکار کر دے)۔

امام دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی کنواری لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کر دیا اور دوسرے نے اپنی شادی شدہ (مطلقہ یا بیوہ) کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کر دیا تو آپ نے ان دونوں کے نکاح صحیح کر دیئے۔ اور صحیح مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی اور موطا امام مالک میں ایک حدیث مروی ہے جس میں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شوہر عورت اپنے نفس پر اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے اس کے نفس کے بارے میں اجازت حاصل کی جائے اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۵۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

یتیم دلہن کے لیے ضروری سامان جہیز تیار کرنا

۸۔ بَابُ تَجْهِيْزِ الْجَهَّازِ لِلْعَرُوْسَةِ الْيَتِيْمَةِ

۲۶۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُكَدَّرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عَالِشَةَ زَوْجَتَ يَتِيمَةٍ مَكَانَتْ عِنْدَهَا لَجُجَزَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَدِيدِهِ. (ابن ماجہ (۱۹۰۰) مشکوٰۃ (۳۱۵۴))

حل لغات

”جَجَزَ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: سامان مہیا کرنا، سامان تیار کر

رہا۔

یتیم اور غریب لڑکیوں کی شادی کے لیے مدد کرنا سنت نبوی ہے

اس حدیث سے واضح ہوا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یتیم لڑکی جس کا کوئی ولی اور وارث نہیں تھا اور بے سہارا تھی پر رحمت و شفقت فرمائی اور خود بنفس نفیس اس یتیم لڑکی کا ضروری سامان جیجَز تیار کر کے مہیا فرمایا اور اس طرح آپ نے اپنی امت کے سرمایہ دار اور امراء حضرات کو ضرورت مند و نادار اور بے سہارا یتیم بچیوں، یتیم غریب و نادار لوگوں کی لڑکیوں کی شادیوں میں مالی امداد کرنے اور ضروری سامان جیجَز مہیا کرنے کی ترغیب دی ہے لہذا ضرورت مند لڑکیوں کی شادی کرانے کے لیے ضروری سامان جیجَز مہیا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ سنت نبوی ہے البتہ سامان جیجَز جمع کرنے والے پیشہ ور لوگوں سے بچنا اور ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ یہ ظالم اور پیشہ ور لوگ ضرورت مند اور غریب و نادار لوگوں کی بچیوں کا حق بھی مارتے ہیں اور ان کا اعتماد بھی ختم کر دیتے ہیں لہذا تحقیق و تفتیش کے بعد ضرورت مند و نادار لڑکیوں کے لیے سامان جیجَز مہیا کر کے سبب نبوی پر عمل کرتے ہوئے ان کی شادی کرا دینی چاہیے۔

کنواری سے رضا مندی اور مطلقہ یا بیوہ

سے اجازت حاصل کرنے کا بیان

۹۔ بَابُ اسْتِئْذَانِ الْبُكَرِ

وَاسْتِئْذَانِ الثَّيْبِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کنواری لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ پہلے اس سے رضا مندی حاصل کی جائے اور اس کی رضا اس کی خاموشی ہے اور مطلقہ اور بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ پہلے اس سے واضح اجازت لی جائے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کنواری لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ پہلے اس سے اس کی رضا حاصل کی جائے اور اس کی رضا اس کی خاموشی ہے اور مطلقہ اور بیوہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ کنواری کا نکاح اس کی رضا مندی کے بغیر نہ کیا جائے اور جب وہ جواب میں خاموشی اختیار کر لے تو یہی اس کی طرف سے اجازت ہے اور مطلقہ اور بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ پہلے اس سے اجازت لی جائے۔

۲۶۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ كَيْسَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ يُحْيَى بْنِ أَبِي عُكَيْمٍ عَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ جَكْرَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْكِحُ الْبُكَرَ حَتَّى تُسَآئِرَ وَرِضَاهَا سُكُوتُهَا وَلَا تَنْكِحُ الثَّيْبَ حَتَّى تُسَآئِرَ وَلَيْسَ رِوَايَةٌ لَا تَزُوجُ الْبُكَرَ حَتَّى تُسَآئِرَ وَرِضَاهَا سُكُوتُهَا وَلَا تَنْكِحُ الثَّيْبَ حَتَّى تُسَآئِرَ وَلَيْسَ رِوَايَةٌ لَا تَنْكِحُ الْبُكَرَ حَتَّى تُسَآئِرَ وَإِذَا مَكَثَتْ لَهَا إِذْنُهَا وَلَا تَنْكِحُ الثَّيْبَ حَتَّى تُسَآئِرَ.

بخاری (۵۱۳۶) مسلم (۳۴۷۳) ابوداؤد (۲۰۹۴) ترمذی

(۱۱۰۹) نسائی (۳۲۶۷) ابن ماجہ (۱۸۷۱)

حل لغات

”تَسَامَرٌ“ میثد واحد مؤنث غائب، فعل مضارع مجہول مثبت، باب استفعال سے ہے اس کا معنی ہے نہ رائے طلب کرنا، مشہور طلب کرنا، حکم معلوم کرنا۔ ”الْفَيْبُ“ جس عورت کی بکارت عمل زوجیت کی وجہ سے زائل ہو چکی ہو، یعنی جو عورت شادی شدہ رہ چکی ہو۔

کسی عاقل و بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عاقل و بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت اور اس کی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتا خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ یعنی مطلقہ یا بیوہ ہو کیونکہ عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نفس کی خود مختار ہے اس کو کوئی شخص خواہ اس کا ولی کیوں نہ ہو اس کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور نہیں کر سکتے البتہ اجازت اور رضامندی کی نوعیت میں فرق ہے کنواری لڑکی کی خاموشی اور آنسوؤں سے رونے ہی اس کی طرف سے اجازت اور رضامندی ہے بشرطیکہ اس کا ولی یا ولی کا وکیل اجازت و رضامندی حاصل کر لے جبکہ مطلقہ اور بیوہ سے صریح اور واضح اجازت لینا ضروری ہے اور معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے احناف کے نزدیک عاقلہ بالغہ کنواری لڑکی کو نکاح کے لیے مجبور کرنا جائز نہیں جبکہ امام شافعی کے نزدیک مجبور کیا جاسکتا ہے دراصل احناف کے نزدیک بالغ اور صغیر کا ہونا معتبر ہے اس لیے ہمارے ہاں بالغ و عاقل لڑکی کے نکاح کے لیے اس کی اجازت شرط اور ضروری ہے اسے کسی صورت میں اس کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا البتہ بالغہ بجنونہ ہو تو پھر اس کی اجازت شرط نہیں اور صغیرہ یعنی نابالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر اس کا ولی ہی کر سکتا ہے خواہ باکرہ ہو یا شیبہ ہو جبکہ امام شافعی کے نزدیک باکرہ اور شیبہ ہونا معتبر ہے لہذا ان کے نزدیک باکرہ کی اجازت شرط اور ضروری نہیں خواہ بالغ ہو یا نابالغ اس کا ولی اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح جہاں چاہے کر سکتا ہے اور شیبہ کی اجازت ضروری ہے خواہ بالغ ہو یا نابالغ ہو۔

۱۰۔ بَابُ تَفْرِيقِ النِّكَاحِ عِنْدَ

كِرَاهَةِ الْمَرْأَةِ

۳۶۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً تَوَلَّى عَنْهَا زَوْجَهَا ثُمَّ جَاءَ عَمٌّ وَلَدَهَا فَخَطَبَهَا فَأَبَى الْآبُ أَنْ يُزَوِّجَهَا وَزَوْجَهَا مِنَ الْأَخِيرِ فَلَاتَتِ الْمَرْأَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ فَبَعَثَ إِلَى آبِهَا فَحَضَرَ فَقَالَ مَا تَقُولُ هَذِهِ قَالَتْ صَدَقْتُ وَلَكِنِّي زَوَّجْتُهَا مِنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي لَفَرَّقَى بَيْنَهُمَا وَزَوَّجَهَا عَمٌّ وَلَدَهَا.

عورت کے ناپسند کرنے

پر نکاح کی تفریق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت کا خادم فوت ہو گیا پھر (عدت ختم ہونے کے بعد) اس کا دیور اس کے پاس آیا اور اسے نکاح کا پیغام دیا لیکن اس عورت کے باپ نے دیور کے ساتھ اس کی شادی کرنے سے انکار کر دیا اور اس نے اپنی اس بیٹی کا نکاح کسی اور آدمی سے کر دیا سو وہ عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے سارا واقعہ ذکر کر دیا۔ آپ نے اس کے والد کو بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا تو وہ حاضر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: یہ کیا کہہ رہی ہے؟ اس نے کہا: یہ سچ کہتی ہے لیکن میں نے اس کا نکاح ایسے آدمی سے کیا ہے جو اس کے دیور سے بہتر ہے سو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور اس عورت کا نکاح اس کے دیور سے کر دیا۔

وَلَيْسَ بِرَأْسِهِ غَيْرُ أَبِي هَبَسٍ أَنْ أَسْمَاءَ خَطَبَتْهَا
عَمُّ وَلَدَهَا وَزَجَّلَ امْرَأَةً إِلَى أَبِيهَا فَزَوَّجَهَا مِنَ الرَّجُلِ
لَمَّا تَبَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا شَعِثَتْ ذَلِكَ
بِأَبِي هَبَسٍ فَزَوَّجَهَا مِنَ الرَّجُلِ وَزَوَّجَهَا عَمُّ وَلَدَهَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں یوں ہے کہ
حضرت اسماء نامی ایک عورت کے دیور نے اسے نکاح کا پیغام دیا اور
ایک دوسرے آدمی نے بھی اس کے والد کے پاس اس عورت سے نکاح
کرنے کا پیغام بھیج دیا تو اس کے والد نے اس کا نکاح دوسرے آدمی سے
کر دیا۔ سو یہ عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ
سے اس کی شکایت کی چنانچہ آپ نے اس عورت کو اس آدمی سے چھڑوایا
اور اس کے دیور سے اس کا نکاح کر دیا۔

وَلَيْسَ بِرَأْسِهِ أَنْ امْرَأَةً تَوَلَّى عَنْهَا زَوَّجَهَا
لَمَّا خَطَبَهَا عَمُّ وَلَدَهَا فَزَوَّجَهَا أَبَوَهَا بَعْدَ رَضَاهَا مِنَ
رَجُلٍ امْرَأَتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَمَّا عَمِرَتْ ذَلِكَ لَهُ لَمَّا عَمِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَمَّا أَرَزَوْجَتَهَا بَعْدَ رَضَاهَا قَالَ زَوَّجْتُهَا مِنْ هُوَ خَيْرٌ
بَنِي لَفَرَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ
زَوَّجَهَا وَزَوَّجَهَا مِنْ عَمِّ وَلَدَهَا.

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو
گیا تو اس کے دیور نے اسے نکاح کا پیغام دیا لیکن اس عورت کے والد
نے اس کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح دوسرے آدمی سے کر دیا تو یہ
عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور آپ سے یہ سارا واقعہ ذکر کر دیا
اور نبی کریم ﷺ نے اس کے والد کو بلا کر فرمایا: کیا تم نے اس کا نکاح
اس کی رضامندی کے بغیر کر دیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس کا نکاح
اس کے دیور سے بہتر آدمی سے کر دیا ہے سو نبی کریم ﷺ نے اس
عورت کے اور اس کے دوسرے خاوند کے درمیان تفریق کر دی (ایک
دوسرے سے الگ کر دیا) اور اس عورت کا نکاح اس کے دیور سے کر
دیا۔

وَلَيْسَ بِرَأْسِهِ أَنْ امْرَأَةً تَوَلَّى عَنْهَا زَوَّجَهَا
وَلَهَا مِنْهُ وَلَدٌ لَمَّا خَطَبَهَا عَمُّ وَلَدَهَا إِلَى أَبِيهَا فَقَالَتْ
زَوَّجْنِيهِ قَالَتْ زَوَّجَهَا مِنْ خَيْرٍ مِنْ بَعْدِ رَضَى قَوْلَهَا
لَمَّا تَبَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عَمِرَتْ ذَلِكَ
لَهُ لَمَّا سَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ نَعَمْ زَوَّجْتُهَا مِنْ هُوَ خَيْرٌ
مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا لَمَّا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَزَوَّجَهَا مِنْ عَمِّ
وَلَدِهَا. (ابن ماجہ ۲۰۹۶) نسائی (۳۲۷۰) ابن ماجہ (۱۸۷۵)
رد المحتار (ج ۳ ص ۲۳۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت کا شوہر فوت ہو گیا اور اس
کا اس شوہر سے ایک بیٹا بھی تھا تو اس عورت کے دیور نے اس کے والد
کے پاس اس سے نکاح کا پیغام بھیجا تو اس عورت نے (اپنے والد سے)
کہا کہ میرا اس سے نکاح کر دیجئے لیکن اس نے انکار کر دیا اور اس کا
نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کسی اور آدمی سے کر دیا چنانچہ یہ عورت
نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور یہ سارا واقعہ آپ سے ذکر کر دیا
اور آپ نے اس کے والد سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا:
جی ہاں! (یہ سچ کہتی ہے لیکن) میں نے اس کا نکاح اس کے دیور سے
زیادہ بہتر آدمی کے ساتھ کر دیا ہے سو آپ نے ان دونوں کے درمیان
تفریق کر دی اور اس کا نکاح اس کے دیور کے ساتھ کر دیا۔

حل لغات

”تَوَلَّى“ میثد واحد کر غائب فعل ماضی مجہول باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: فوت ہو جانا وفات پا جانا مر جانا۔ ”خَطَبَتْ“

میثد واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: نکاح کا پیغام دینا، منگنی کرنا۔ "قَوَّی" میثد واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف باب تَفَعَّلَ سے ہے اس کا معنی ہے: تفریق کرنا، ایک دوسرے سے جدا کرنا۔
عاقِل و بالغ لڑکی کو اس کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا

جاننا چاہیے کہ ہمارے (احناف) اور شوافع کے درمیان یہاں دو مسائل میں اختلاف ہے:

(۱) ایک یہ ہے کہ عاقِل و بالغ عورت کو اپنے نفس پر نکاح کا اختیار حاصل ہے یا نہیں اور اگر وہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آیا ولی عاقلہ ہالغہ کنواری لڑکی کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟

پہلے مسئلہ میں امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ عورت کو اپنے نفس پر از خود اختیار حاصل نہیں، اگر وہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح منعقد نہیں ہوگا اور ہمارے نزدیک عاقلہ ہالغہ عورت کو اپنے نفس پر مکمل اختیار حاصل ہے، لہذا اس کا اپنا کیا ہوا نکاح منعقد ہو جائے گا شوافع کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن مجید میں ہے: "فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ" (ترجمہ: تم ان عورتوں کو ہولنے والے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع نہ کرو۔ شوافع کے نزدیک اس آیت میں عورتوں کے ولیوں (یعنی سربراہوں) کو خطاب کر کے نکاح روکنے سے منع کیا گیا ہے، لہذا اگر عورتوں کے نکاح کا اختیار ولیوں کو حاصل نہ ہوتا تو انہیں منع کیوں کیا جاتا؟ پس ثابت ہو گیا کہ ولیوں کو اپنی عورتوں کے نکاح کا مکمل اختیار حاصل ہے، جہاں چاہیں نکاح کر دیں، عورتوں کو دخل دینے یا احتجاج کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل ہے اس کو تین بار فرمایا۔ اس حدیث کو ابو داؤد و نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

(۳) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ "لَا يَنْكُحُ إِلَّا بِوَلِيٍّ" یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔ [رواہ الترمذی و غیرہ]

(۴) حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح جائز نہیں۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور کوئی عورت اپنا نکاح نہ کرے کیونکہ جو عورت اپنا نکاح خود کرتی ہے وہ زانیہ ہے۔ [رواہ ابن ماجہ]

اور شوافع کی عقلی دلیل یہ ہے کہ چونکہ نکاح کے مقاصد میں نسل انسانی کی بقاء اور بیوی بچوں کی صحیح تربیت اور ان کے حقوق کی تکمیل شامل ہے، لہذا عورت کو نکاح کرنے کا اختیار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ ناقص عقل ہوتی ہے، جلد دھوکہ کھا سکتی ہے اور غلط انتخاب کر سکتی ہے۔

احناف کے جوابات و دلائل کا بیان

(۱) آیت کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ولیوں کو خطاب نہیں ہے بلکہ سابق شوہروں کو خطاب ہے کہ تم اپنی مطلقہ عورتوں کو دوسری

جگہ نکاح کرنے سے منع نہ کر دینا چاہی اس سے پہلے اسی آیت کے شروع میں ارشاد ہے:

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَجْلُهُنَّ فَلَا تَعْتَلَوْهُنَّ أَنْ يَتَّخِذْنَ أَزْوَاجَهُنَّ (البقرہ: ۲۳۲) لیس تو تم ان کو نئے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو۔
(۲) حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (البقرہ: ۲۳۰) یہاں تک کہ وہ عورت پہلے خاوند کے علاوہ دوسرے ہونے والے شوہر سے نکاح کر لے۔

اس آیت میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح کا اختیار عورت کو حاصل ہے۔
(۳) فَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (البقرہ: ۲۳۴) جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر اس کام میں کوئی گرفت نہیں ہوگی جو وہ عورتیں اپنے بارے میں شریعت کے مطابق خود فیصلہ کریں۔

اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ عورتیں اپنے نکاح کے بارے میں خود مختار ہیں۔
باقی رہیں شواہح کی طرف سے پیش کردہ احادیث تو ان کے جوابات درج ذیل ہیں:
(۱) ایک جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں بعض ضعیف بھی ہیں اور مجہول بھی ہیں۔
(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان احادیث میں کمال کی نفی ہے صحت کی نہیں یعنی ولی کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح تو صحیح ہوگا البتہ کامل نہیں ہوگا۔

(۳) ان احادیث میں نابالغ بچیاں اور بالغ غیر عاقل یعنی مجنونہ لڑکیاں مراد ہیں کہ ان کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں بلکہ ولی ہی ان کا نکاح کرے گا۔ شواہح کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ تصرف و اختیار کا مدار بلوغ پر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ. تم یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر یعنی بالغ ہونے کی عمر کو پہنچ جائیں۔ (النساء: ۴)

البتہ غیر نکاح میں نکاح کرنے کی صورت میں ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے کیونکہ عورت میں سوہ قدیر اور اختیار ہد کا اندیشہ ہے کہ وہ کم ظرف اور کمین و گھٹیا قوم میں نکاح کر لے جو اس کے خاندان کے لیے اور قوم و برادری کے لیے باعث عار و شرمندگی اور ذلت و رسوائی کا سبب بن جائے جبکہ اپنی قوم و برادری اور عزیز و اقارب میں یہ بات نہیں ہوتی۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شواہح کے مذہب میں ولی عاقلہ بالغہ کنواری لڑکی کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے لیکن ہمارے (احناف کے) نزدیک ولی ایسا نہیں کر سکتا اور اصل شواہح کے مذہب میں ولایت و اجبار کا مدار بکارت پر ہے جبکہ ہمارے نزدیک ولایت و اجبار کا مدار صغر و بچپن اور عدم بلوغت ہے۔

[ماخوذ از تفسیر النظام فی شرح مسند الامام ص ۳۳۳ 'مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور']

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

صحیح مسلم ابوداؤد و ترمذی نسائی اور موطا امام مالک میں مرفوع حدیث مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
الْأَيْمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تَنْتَازِكُ فِي نَفْسِهَا وَآذُنُهَا حَمَانُهَا. مطلقہ اور بیوہ عورت اپنی ذات پر اپنے ولی (سربراہ) سے زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری سے (نکاح کے لیے) اس کی ذات کے بارے

میں اجازت مانگی جائے اور اس کا خاموش رہنا اس کی طرف سے اجازت ہے۔

اور کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہاں گفتگو بڑی عورت (یعنی عاتقہ بالغہ) کے بارے میں ہے خواہ وہ کنواری ہو یا ختیہ یعنی مطلقہ یا بیوہ ہو اس کے نکاح کے لیے اس کی اجازت و رضامندی شرط ہے لیکن ختیہ کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے باقی رہی ہا کرہ (کنواری) تو سنن ابوداؤد و نسائی ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک کنواری لڑکی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے آپ کو بتایا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح ایسے آدمی کے ساتھ کر دیا ہے جسے وہ ناپسند کرتی ہے سو نبی کریم ﷺ نے اس کو اختیار دے دیا (چاہے اس پر راضی ہو جائے اور چاہے تو انکار کر دے) اور یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ علامہ امام ابن الہمام نے اس کی تصریح کر دی ہے نیز علامہ ابن القحطانی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث صحیح ہے اور یہ لڑکی خنساء بنت حزام نہیں ہے جس کے والد نے اس کا ایسے آدمی سے نکاح کر دیا جس کو یہ ناپسند کرتی تھی اور نبی کریم ﷺ نے اس کا نکاح ختم کر دیا تھا کیونکہ یہ لڑکی ہا کرہ (کنواری) ہے جبکہ خنساء بنت حزام ختیہ تھی۔ اور ایک روایت کے مطابق خنساء بنت حزام بھی ہا کرہ تھی چنانچہ امام نسائی نے سنن نسائی میں حدیث بیان کی ہے جس میں مذکور ہے کہ یہ ہا کرہ یعنی کنواری تھیں لیکن بخاری کی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ خنساء نام کی متعدد عورتیں ہوں۔

علامہ ابن القحطانی نے کہا ہے کہ ختیہ اور ہا کرہ دونوں کے لیے مکمل اختیار کے ثبوت کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ختیہ اور ہا کرہ دونوں کے وہ نکاح رد کر دیئے تھے جو ان کے والدین نے ان کی مرضی اور پسند کے خلاف کیے تھے۔ [شرح مسند امام اعظم لملاطی قاری ص ۳۸۸-۳۸۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

عورت کو اپنی پھوپھی اور خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع کرنا ممنوع ہے

۱۱۔ بَابُ جَمْعِ الْمَرْأَةِ مَعَ عَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا مَمْنُوعٌ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی عورت کو اس کی پھوپھی اور خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔

۲۶۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيَّةِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوجُ الْمَرْأَةَ عَلَى عَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا.

حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما یہ دونوں صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی عورت کو اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ پر نکاح نہ کیا جائے اور بڑی (پھوپھی اور خالہ) کا چھوٹی (بھتیجی اور بھانجی) پر نکاح نہ کیا جائے اور نہ چھوٹی بڑی پر نکاح کیا جائے۔

۲۶۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْكَحُ الْمَرْأَةَ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَتِهَا وَلَا تَنْكَحُ الْكُتُبَى عَلَى الصُّغْرَى وَلَا الصُّغْرَى عَلَى الْكُبْرَى.

بخاری (۵۱۰۸) مسلم (۳۴۴۰) ابوداؤد (۲۰۶۵) ترمذی (۱۲۶۶) نسائی (۳۲۹۷) ابن ماجہ (۱۹۲۹)

مذکورہ بالا ممانعت کی توضیح

ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بھتیجی کو پھوپھی کے ساتھ اور بھانجی کو خالہ کے ساتھ ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے اسی طرح اس کے برعکس پھوپھی کو بھی بھتیجی کے ساتھ اور خالہ کو بھانجی کے ساتھ ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا

جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور یہاں لٹی کو محض تاکید کی خاطر کر رکھا گیا ہے تاکہ یہ وہم دفع ہو جائے کہ جس طرح آزاد عورت کا نکاح لوٹری کی موجودگی میں اس کے خاوند کے ساتھ جائز ہے کہ آزاد عورت کو لوٹری پر ایک درجہ فضیلت و برتری حاصل ہے لیکن اس کا برعکس جائز نہیں اسی طرح شاید پھوپھی کا نکاح بھی کی موجودگی میں اس کے خاوند کے ساتھ جائز ہو اور خالہ کا نکاح بھانجی کی موجودگی میں اس کے خاوند کے ساتھ جائز ہو کیونکہ پھوپھی کو بھانجی پر اور خالہ کو بھانجی پر ایک درجہ فضیلت و برتری حاصل ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتوں کو ایک شخص کے نکاح میں یا ایک شخص کی ولی میں جمع کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے کہ جب ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دوسری اس کے لیے حلال و جائز نہ رہے بلکہ حرام ہو جائے سو اس لیے بھتیجی اور پھوپھی نیز بھانجی اور خالہ کو آزاد ہونے کی صورت میں ایک شخص کے نکاح میں اور لوٹری ہونے کی صورت میں ایک شخص کی ولی اور جماع میں جمع کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ اور امام مسلم، امام ترمذی، امام ابو داؤد اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ بڑی کا چھولی پر اور چھولی کا بڑی پر نکاح نہ کیا جائے۔ [شرح مسند امام اعظم لائل غاری ص ۲۵۶-۲۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

متعدہ (عارضی نکاح) کی حرمت کا ثبوت

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے متعدہ سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیمبر کے دن متعدہ سے منع فرمادیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ متعدہ کرنے سے منع فرمادیا۔

حضرت ابن شہاب آل سبرہ کے ایک آدمی سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن عورتوں کے ساتھ متعدہ کرنے سے منع فرمایا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ فتح کے سال منع فرمادیا۔

حضرت ربیع بن سبرہ الکعبی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح کے دن عورتوں سے متعدہ کرنے سے منع فرمادیا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے سال متعدہ سے منع فرمایا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح کے دن عورتوں سے متعدہ کی ممانعت فرمائی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

۱۲۔ بَابُ حُرْمَةِ الْمُتَعَدِّ

۲۷۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُتَعَدِّ.

مسلم (۳۴۲۶) ابوداؤد (۲۰۷۳)

۲۷۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنِ الْمُتَعَدِّ.

۲۷۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُخَابِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ مُتَعَدِّ النِّسَاءِ.

۲۷۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِّنَ آلِ سَبْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ مُتَعَدِّ النِّسَاءِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ. وَفِي رِوَايَةٍ عَامَ الْفَتْحِ.

۲۷۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يُونُسَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ مُتَعَدِّ النِّسَاءِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ. وَفِي رِوَايَةٍ نَهَى عَنِ الْمُتَعَدِّ عَامَ الْحَجِّ. وَفِي رِوَايَةٍ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ مُتَعَدِّ النِّسَاءِ يَوْمَ الْفَتْحِ. مسلم (۳۴۲۷)

۲۷۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ

صحیح مسلم میں حضرت سہرہ رضی اللہ عنہا سے متعدد اسانید کے ساتھ یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر قیامت تک کے لیے حہ حرام کر دیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ ہم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں منع کیا ہے یہ اس پر محمول ہے کہ ان تک حرمت حہ کے احکام نہیں پہنچے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی اچھی طرح تبلیغ کرنے کے بعد حہ کی حرمت اور ممانعت پر سختی سے عمل کرایا اور بدکاری کے ارتکاب کے لیے اس چور دروازے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

[شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۷۷۷ 'فرید یک سال لاہور']

عزل کا بیان

۱۳۔ بَابُ الْعَزْلِ

حضرت اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی چیز کو پیدا کرنے کا عہد کر رکھا ہے جو کسی پتھر میں امانت رکھی گئی ہے تو وہ ضرور نکلے گی۔

۲۶۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ سَمِعَ مِنَ الْعَزْلِ قَالِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا أَنْ فَهِمْنَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَهُ أَنْتَوْدِعَ صَخْرَةً لَتُخْرِجَ. لِمَا جَاءَ (۸۹) ابْنِ حِبَّانَ (۴۱۹۴)

حل لغات

”عزل“ کا لغوی معنی طہیدگی ہے اور یہاں بیوی کے ساتھ جماع کرتے ہوئے بہ وقت انزال منی کو زنا نہ شرمگاہ سے باہر نکال دینا ہے۔ ”اَسْتَوْدِعَ“ ميثقہ واحد کہ غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب استعمال سے ہے اس کا معنی ہے: کوئی چیز امانت رکھوانا۔ ”صَخْرَةً“ اس کا معنی ہے: پتھر۔

عزل کے لغوی اور اصطلاحی معانی

عزل کا لغوی معنی ہے: طہیدہ کرنا، جدا کرنا، الگ کرنا اور اصطلاح میں عزل کا معنی ہے کہ مرد کا عورت سے جماع کرتے ہوئے انزال کے وقت اپنا آلہ تناسل عورت کی شرمگاہ سے نکال کر منی باہر نکال دینا تاکہ حمل قائم نہ ہو۔

تنگی رزق کی بناء پر عزل یا ضبط تولید ناجائز ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ غَنِيَةً أَمْلاكِي ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۖ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً ۝

تم تنگی رزق کے وار سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو ان کو اور تم کو ہم رزق دیتے ہیں بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے ۝

(الاسراء: ۳۱)

موجودہ دور میں ضبط تولید اور خاندانی منصوبہ بندی کے جو طریقے رائج ہیں ان میں سے اگرچہ کوئی طریقہ بھی قتل ولد کی تعریف میں نہیں آتا کیونکہ ولد تو نطفہ کے استقرار کے نواہ بعد وجود میں آتا ہے اور ضبط تولید کا عمل استقرار نطفہ کے وقت کیا جاتا ہے جب ولد کا کسی قسم کا وجود نہیں ہوتا پس جب ولد ہی نہیں ہے تو قتل ولد کا تحقق کیسے ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ نے قتل ولد کی حرمت کی جو علت بیان کی ہے وہ تنگی رزق کا ڈر ہے پس جو شخص ضبط تولید کا عمل تنگی رزق کی بناء پر کرتا ہے اس کا یہ فعل بلاشبہ حرام ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قتل اولاد کو حرام کرنے کی یہی علت بیان فرمائی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کرنے والے ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کو کم کرنے کے لیے تنگی رزق سے ڈر کر ضبط تولید کی ترویج کرتے ہیں اور ان کے تمام

تراشہارات اور ترغیبات کا حاصل یہی ہوتا ہے کہ بچے کم ہوں گے تو غمخوار نہ ہوگا اور یہ فکر قرآن مجید کے ایمان کردہ حکم کے یکسر خلاف ہے۔

عزل یا ضبط تولید کی جائز وجوہات

عزل کی ایک وجہ تو یہی ہے جس کا سطور بالا میں ذکر کیا گیا اور یہ قرآن مجید کی رو سے حرام ہے۔ دوسری وجہ ہے: عورت کی بیماری کیونکہ بعض صورتوں میں عورت کو ایام حمل میں اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتی ہے تیسری وجہ ہے: بچے کا پیٹ میں آڑا ہونا یا ہڈی کا ٹنگ ہونا جس کی وجہ سے بچہ آپریشن کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے اور دو یا تین بار کے بعد مزید آپریشن کی گنجائش نہیں رہتی اس کے بعد عورت کے بیضہ والی نس کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے اور یہ بھی ضبط تولید کا ایک طریقہ ہے اور چوتھی وجہ دودھ پینے والے بچے کی تربیت اور اس کی نگہداشت میں خلل واقع ہونا کیونکہ اگر گھر میں صرف ایک عورت ہے جو بچہ کو دودھ پلا رہی ہے اور نو دس ماہ کے بعد اس کے ہاں ایک اور بچہ ہو جائے تو وہ دونوں بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش صحیح نہیں کر سکتی اس لیے ان کے درمیان وقفہ ہونا چاہیے۔ یہ چاروں وجہیں جائز ہیں اور ان صورتوں میں عزل بھی کیا جاسکتا ہے اور ضبط تولید کے کسی بھی طریقے پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ [شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۷۹-۸۸۰، مطبوعہ لریہ یک مثال اردو ہزار دہلا ہور]

پچھلی شرمگاہ کو چھوڑ کر ہر طرف سے

عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کا جواز

نبی کریم ﷺ کی زوجہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرا خاوند میرے پہلو سے اور میرے سامنے سے آتا ہے (یعنی جماع کرتا ہے) سو میں اس کے اس فعل کو ناپسند کرتی ہوں پس جب یہ خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ ایک ہی سوراخ میں ہو۔

۱۴۔ بَابُ جَوَازِ جَمَاعِ النِّسَاءِ

مِنْ كُلِّ جِهَةٍ مِّنْ غَيْرِ الذَّهْرِ

۲۷۲۔ حَفْصَةُ عَنْ أَبِي حَنْظَلَةَ عَنْ أَبِي الْهَثَمِ عَنْ يُونُسَ بْنِ مَاهُكٍ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْهَا فَقَالَتْ إِنَّ زَوْجِي يَأْتِينِي مِنْ جَنْبِئِي وَمُسْتَقْبَلِي فَعَرَفْتُهُ فَبَلَغَ ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَأْسَ إِذَا كَانَ مِنْ جَنْبٍ وَاجِدٍ.

مسلم (۳۵۳۷) ابوداؤد (۲۱۶۴) ترمذی (۲۹۷۹) ابن ماجہ (۱۹۲۵)

صل لغات

”مُجِبَّةٌ“ اس کا معنی ہے: پہلو جانب۔ ”مُسْتَقْبَلَةٌ“ سامنے سے آنا۔ ”مُخَوِّفَةٌ“ صیغہ واحد مکمل فعل ماضی معروف باب مَوْعٍ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کو ناپسند کرنا۔ ”جَمَاعٌ“ یہ معنی سوراخ ہے۔

بیوی کے ساتھ جماع کی جائز صورتیں

جامع ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں تو ہلاک ہو گیا کیونکہ آج رات میں نے اپنی سواری کی سست و جہت تبدیل کر لی تھی (اگلی طرف سے آنے کی بجائے پچھلی طرف سے آ کر اگلی شرمگاہ میں جماع کر لیا) سو انہوں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وحی فرمائی:

يَسَاؤُكُمْ حَرْثُ لَكُمْ فَاتُوا حَرْثَكُمْ اُنِي
تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں سو تم جس طرح چاہو اپنی
کھیتیوں میں آؤ۔ (البقرہ: ۲۲۳)

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بیوی کے پاس سامنے سے آؤ اور اس کے پیچھے سے آؤ لیکن تم دبر (پچھلی شرمگاہ) اور حیض
سے دور رہو اور اس سے بچو۔ [شرح مسند امام اعظم لائل قاری ص ۵۵۲-۵۵۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]
علامہ ابوالبرکات نسفی لکھتے ہیں:

”يَسَاؤُكُمْ حَرْثُ لَكُمْ“ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی تمہارے لیے کھیتی ہاڑی کرنے کی جگہیں ہیں اور یہ مجاز
ہے ان کو کھیتیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان کے رحموں کے اندر جو نطفہ ڈالا جاتا ہے جس سے نسل پیدا ہوتی ہے اس کو زمین میں
بج بولنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس سے
پہلے ارشاد ”فَاتُوا حَرْثَ لَكُمْ“ کی توضیح و تشریح اور اس کا بیان ہے یعنی بے شک وہ مقام جہاں آنے کا اللہ تعالیٰ نے
تمہیں حکم دیا ہے وہ قطعاً حرت (کھیتی) کا مقام ہے فرث (گوبر) کا مقام نہیں ہے اور یہاں تشبیہ کی گئی ہے کہ بیویوں کے پاس جانے
کا اصل مقصد اولاد اور نسل کی طلب ہے شہوت و خواہش کی تکمیل کرنا نہیں لہذا تم ان کے پاس اسی جگہ میں جاؤ جہاں یہ مقصد پورا ہوتا
ہے۔ ”فَاتُوا حَرْثَ لَكُمْ اُنِي“ سو تم جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں میں آؤ یعنی تم اپنی بیویوں سے جماع کرو جس وقت چاہو پیسے
چاہو پچھلی طرف سے یا سیدھا حالٹا کر یا پہلو پر لٹا کر بشرطیکہ جماع کی جگہ ایک ہو اور وہ کھیتی کی جگہ (اگلی شرمگاہ) ہے اور یہ ایک قبیضہ ہے
یعنی جس طرح تم اپنی اراخی میں بج بولنے کے ارادے سے جس طرف سے چاہتے ہو آتے ہو اور کوئی سمت تمہارے لیے ممنوع نہیں
ہوتی اسی طرح تم اپنی بیویوں کے پاس جا سکتے ہو۔ [تفسیر مدارک الغزلی، ترجمہ ج ۱ ص ۲۲۹-۲۲۸، طرید یک شال لاہور]

عورت کی دبر میں

جماع کرنا حرام ہے

۱۵۔ بَابُ حُرْمَةِ وَطْئِ

النِّسَاءِ فِي دُبُرِهَا

۲۷۸۔ حُمِّلَتْ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ عَنْ

أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا

النِّسَاءُ نَحْوُ الْمَخَاضِ حَرَامٌ.

ترمذی (۱۱۶۴) مسند احمد (ج ۱ ص ۸۶)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ
نے فرمایا: عورت کی پچھلی شرمگاہ میں بدھلی کرنے کے لیے اس کے پاس
آنا حرام ہے۔

حل لغات

”إِنَّمَا“ باب حَرْبٌ يَضْرِبُ كَمَا مَعْنَى هُوَ: آنا لیکن یہاں عورتوں کے پاس مخصوص عمل زوجیت کے لیے
آنا مراد ہے۔ ”مَخَاضٌ“ اس کی شین مشدود ہے اور یہ ”مَخْشَّةٌ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: دُبر یعنی پچھلی شرمگاہ۔

لواطت کی مذمت

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے جو شخص قوم کو طعناں کرے گا اللہ
تعالیٰ اس شخص کو انہیں لوگوں کی طرف فتنل کر دے گا یہاں تک کہ قیامت کے روز اس شخص کو انہیں لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے
گا۔ [رم الحدیث: ۱۳۱۱۶]

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے عورتوں یا مردوں کی پچھلی شرمگاہ میں بدھلی

کی اس نے یقیناً کفر کیا (یا اس نے ناشکری کی)۔ [رقم الحدیث: ۱۳۱۲۳]

(۳) انہیں سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص اپنی بیوی کی پچھلی شرمگاہ میں بد فعلی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت سے ہرگز نہیں دیکھے گا۔ [رقم الحدیث: ۱۳۱۲۳]

(۴) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص اپنی بیوی کی پچھلی شرمگاہ میں بد فعلی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت سے ہرگز نہیں دیکھے گا۔ [رقم الحدیث: ۱۳۱۲۳]

[رقم الحدیث: ۱۳۱۲۳]

(۵) امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت علی اوسط امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی وساطت سے اپنے دادا امام حسین بن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس شخص نے قوم لوط کے عمل کو پسند کیا خواہ وہ بدکار ہو یا نیکوکار ہو سودہ بھی اسی شخص کی طرح ہے جس نے قوم لوط کے عمل جیسا بد فعلی کا عمل کیا۔ [رقم الحدیث: ۱۳۱۲۳]

(۶) مسند عثمان رضی اللہ عنہ میں حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حضرت ابان بن عثمان اور حضرت زید بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان کے پاس ایک آدمی کو پیش کیا گیا جس نے ایک قریشی لڑکے کے ساتھ بد فعلی کی تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا یہ آدمی شادی شدہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ نکاح تو کیا ہے لیکن رخصتی نہ ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ دخول نہیں کیا اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ اگر یہ آدمی اپنی بیوی کے ساتھ دخول کر لیتا تو اس پر رحم (یعنی سنگسار) کرنا واجب ہو جاتا لیکن جب اس نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول نہیں کیا تو اس کو کوڑے مارنے کی سزا دو۔ یہ بات سن کر حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے جس کا ابوالحسن نے ذکر کیا ہے چنانچہ حضرت عثمان نے اس آدمی کو کوڑے مارنے کی سزا کا حکم دیا۔ [رقم الحدیث: ۱۳۳۳۸]

(۷) مسند علی رضی اللہ عنہ میں حضرت محمد بن منکدر سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ عرب کے بعض اطراف میں ایک آدمی (لڑکے کے ساتھ) جماع کرتے ہوئے پایا گیا جیسا کہ عورتوں کے ساتھ جماع کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بعض صحابہ کرام کو اس مسئلہ کے حل کے لیے جمع کیا جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شامل تھے اور اس مسئلہ پر سب سے زیادہ سخت گفتگو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی آپ نے فرمایا: یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ تمام امتوں میں سے ماسوا ایک امت کے اس کام کا کسی نے ارتکاب نہیں کیا سو تم اس پر ایسی سزا کا فیصلہ کرو جس کو تم سب سے زیادہ سخت جانتے ہو اور میری رائے یہ ہے کہ اس آدمی کو آگ میں جلا دو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے حضرت خالد بن ولید کو لکھا کہ تم اس آدمی کو آگ میں جلا دو۔ [رقم الحدیث: ۱۳۳۳۹]

(۸) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قوم لوط میں سے جنہوں نے اس بد فعلی کا ارتکاب کیا تھا وہ صرف تیس افراد سے کچھ زیادہ تھے لیکن ان کی تعداد چالیس افراد سے بہر حال کم تھی لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے (مسلمانوں کے سوا) سب کو ہلاک کر دیا اور اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ضرور نکلی کا حکم دیتے رہو اور نہ انکی سے منع کرتے رہو ورنہ تم سب کو عذاب الہی گھیر لے گا۔ [رقم الحدیث: ۱۳۳۳۳]

نوٹ: اس مضمون کی تمام احادیث کنز العمال، کتاب الحدود و ج ۵ ص ۱۳۵-۱۳۴ نیز ص ۱۸۶-۱۸۵، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے ماخوذ ہیں۔

۲۷۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ تَمِيمٍ قَالَ وَجَدْتُ بِسَعْدِ بْنِ أَبِي أَخْرِقَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَبِثْنَا أَنْ نَأْتِيَ النِّسَاءَ فِي مَحَاضِرِهِنَّ.

ترمذی (۱۱۶۴) مسند احمد (ج ۱ ص ۸۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں عورتوں کے پاس ان کی کچلی شرمگاہ میں آنے سے (قرآن و سنت میں) منع کیا گیا ہے۔

۲۸۰۔ حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي الْوَيْهَاقِ عَنْ أَبِي الْقَعْقَاعِ الْعُشَنِيِّ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ خَرَّامٌ أَنْ تَوَيَّسَ النِّسَاءَ فِي الْمَحَاضِرِ.

بیوی کی دُور میں جماع کرنے والے لعنتی ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر عورتوں کی کچلی شرمگاہ میں آنا حرام ہے۔

(۱) امام ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص لعنتی ہے جو اپنی بیوی کے پاس اس کی کچلی شرمگاہ میں آیا۔

(۲) امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس آدمی کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جس نے اپنی عورت کے ساتھ اس کی کچلی شرمگاہ میں جماع کیا۔

(۳) حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا (تین بار دہرایا) سو تم اپنی عورتوں کی کچلی شرمگاہ میں مت آیا کرو۔

(۴) حضرت محمد بن منکدر حضرت ہامد رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ یہودی کہا کرتے تھے: جو شخص اپنی بیوی کی کچلی طرف سے اس کی اگلی شرمگاہ میں جماع کر لے تو اس کا بیٹا بھیجا پیدا ہوگا سو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی:

يَسْأَلُكُمْ خُوتُكُمْ لَأَن تُؤْتُوا عَوْنَكُمْ آلِي سَيْتِهِمْ. (البقرہ: ۲۳۳)

(۵) امام ترمذی نے حضرت علی بن طلق سے روایت بیان کی ہے کہ ایک دیہاتی آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے بعض لوگ جنگل میں ہوتے ہیں کہ ان کے پیٹ سے ہوا خارج ہو جاتی ہے اور وہاں پانی کی قلت ہوتی ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب تم میں سے کسی آدمی کی ہوا خارج ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ نئے سرے سے وضو کر لے اور تم اپنی عورتوں کی کچلی شرمگاہ میں جماع نہ کیا کرو سو اللہ تعالیٰ حق بات کرنے سے نہیں شرماتا۔ اور امام ترمذی نے کہا: اس باب میں حضرت عمرؓ حضرت خزیمہ بن ثابتؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں اور حضرت علی بن طلق کی حدیث حسن ہے۔ [ماخوذ از تسنین النظام فی شرح مسند الامام ص ۳۸ حاشیہ ۳ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

بچہ بستر والے کا ہوتا ہے

۱۶۔ بَابُ الْوَلَدِ لِلْفَوَاشِ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بچہ صاحب بستر کا ہوتا ہے اور زانی کے لیے محرومی ہے۔

۲۸۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْوَلَدُ لِلْفَوَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْعَبْرُ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بچہ صاحب بستر کا ہوتا ہے اور زانی کے لیے محرومی ہے۔

بخاری (۶۸۱۸) مسلم (۳۶۱۵) ترمذی (۱۱۵۷) ابوداؤد (۲۲۷۴) نسائی (۳۵۱۲) ابن ماجہ (۲۰۰۶)

حل لغات

”الْفَرَّاشُ“ اس کا معنی ہے: بستر اس سے مراد بستر والا ہے اور یہ یا تو کنایہ ہے یا محض مجاز ہے یا پھر مجاز الخذف ہے اصل میں ”ذی الفَرَّاشِ“ ہے۔ ”الْعَاهِرُ“ کا معنی ہے: زانی بدکار۔

بیوی کا بچہ شوہر کا اور لونڈی کا بچہ مالک کا ہوگا

”الفرّاش“ اگرچہ بستر کو کہا جاتا ہے لیکن اس سے مقصود منکوحہ بیوی یا جائزہ الوطی مملوکہ لونڈی ہے کیونکہ یہ دونوں وطی اور جماع کے لیے فرش و بستر بنتی اور بچتی ہیں اور یہاں فرّاش سے صاحب فرّاش یعنی شوہر یا آقا مراد ہے خود فرّاش و بستر مراد نہیں ہے اور ”الولد للفرّاش“ کا معنی ہے کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور وہ بیوی کا شوہر یا لونڈی کا مالک ہے کیونکہ شوہر اپنی بیوی کو اور مالک و آقا اپنی لونڈی کو جماع کرنے کے لیے بچاتے ہیں اور وہی اصل میں حق دار ہیں اور زانی تو انہیں ناحق اور ناجائز استعمال کرتا ہے اور ”العاهر“ کا معنی زانی ہے کیونکہ ”عَهِرٌ“ بہ معنی زنا اور ”عَهِرَتْ“ بہ معنی ”زَلَّتْ“ آتا ہے اور ”الْعَجَبُورُ“ کا معنی پتھر یعنی ذلت و عروہ ہے جو زانی کو بچے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اہل عرب کی عادت ہے کہ کسی آدمی کی ناکامی و عروہ کے موقع پر کہتے ہیں: ”لَهُ الْعَجَبُورُ“ فلاں کے لیے پتھر ہے یعنی اس کے نصیب میں عروہ اور ذلت و رسوائی ہے اور اس کے مد میں خاک اور پتھر ہے اور اس قسم کے کلام سے ان کا بچا مستبعد ہوتا ہے۔ اور بعض علماء نے زانی کو پتھر سے سنگسار کرنا مراد لیا ہے لیکن یہ ضعیف قول ہے ایک تو اس لیے کہ ہر زانی کو سنگسار نہیں کیا جاتا بلکہ صرف شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جاتا ہے اور دوسرا اس لیے کہ زانی کو سنگسار کرنے سے بچہ کی اس سے نفی لازم نہیں آتی حالانکہ حدیث میں زانی سے بچہ کی نفی وارد ہوئی ہے اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بچہ تو اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا باقی رہا زانی تو اس کے لیے عروہ اور ذلت و رسوائی ہے۔

[تفسیر نظام فی شرح مسند الامام ص ۱۳۰ حاشیہ ۷ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

اسلام میں ثبوت نسب کا طریقہ

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی لونڈیاں زنا کرتی تھیں اس دوران ان کے مالک بھی ان سے وطی کرتے تھے جب لونڈیوں کے پاس بچہ پیدا ہوتا تو کبھی مالک اس بچہ کا دعویٰ کرتا اور کبھی زانی اس بچہ کا دعویٰ کرتا چنانچہ زعمہ بن قیس جو ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زعمہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے ان کی لونڈی بھی زمانہ جاہلیت کی لونڈیوں کی طرح تھی اور زعمہ بن قیس بھی ان سے وطی کرتے تھے جب وہ حاملہ ہوئی تو اس کے بارے میں یہ گمان کیا گیا کہ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا حمل ہے عتبہ حالت کفر میں مر گیا تھا لیکن اس نے مرنے سے پہلے اپنے بھائی حضرت سعد سے وصیت کی تھی کہ زعمہ بن قیس کی لونڈی سے جو بچہ پیدا ہوگا اس کو میرے نسب کے ساتھ لاحق کر دینا کیونکہ اس لونڈی کا حمل میرے اس کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے ہوا ہے چنانچہ جب فتح مکہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس بچہ کو اپنے بھائی کے نسب کے ساتھ لاحق کرنا چاہا تو زعمہ بن قیس کے بیٹے عبد بن زعمہ نے اختلاف کیا اور جھگڑا کیا۔ حضرت سعد زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق کہتے تھے کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور اس نے مرنے سے پہلے اس کی وصیت کی تھی اور عبد بن زعمہ کہتے تھے کہ وہ میرا بھائی ہے کیونکہ وہ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور ان کا استدلال اسلام کے اس اصول پر مبنی تھا کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو سو اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے اصول کے مطابق عبد بن زعمہ کے حق میں فیصلہ کر دیا اور زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے مٹا دیا

لیکن آپ کے نزدیک اس بچہ کا نسب حقیقت میں عقبہ بن ابی وقاص سے لاحق تھا اسی وجہ سے آپ نے حضرت سودہ کو حکم دیا کہ تم اس سے پردہ کر دو ورنہ اگر آپ اس کو حقیقت میں زمعد کا بیٹا قرار دیتے تو حضرت سودہ کو پردے کا حکم نہ دیتے کیونکہ وہ اس صورت میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی بھائی ہوتا ہر چند کہ امام بخاری نے مغازی میں یہ الفاظ روایت کیے ہیں: ”هو لك هو اخوك يا عبد بن زمعة“ اے عبد بن زمعد یہ تمہارا بھائی ہے لیکن اس کے برخلاف سند صحیح کے ساتھ مسند امام احمد اور سنن نسائی میں یہ الفاظ ہیں: ”ليس لك باخ“ آپ نے حضرت سودہ سے فرمایا کہ یہ تمہارا بھائی نہیں ہے درحقیقت وہ لڑکا عقبہ بن ابی وقاص کے نطفہ سے پیدا ہوا تھا لیکن چونکہ زمعد بن قیس کے بستر پر پیدا ہوا تھا اس لیے اصول اسلام کے مطابق اس کو عبد بن زمعد کا بھائی قرار دے دیا اور اس کے حوالے کر دیا لیکن وہ حقیقت میں زمعد بن قیس کا بیٹا نہیں تھا بلکہ حکما اس کا بیٹا تھا اسی وجہ سے ایک طرف بخاری کی روایت میں اس کو عبد بن زمعد کا بھائی قرار دے دیا اور دوسری طرف مسند امام احمد اور سنن نسائی کی روایت میں حضرت سودہ کے بھائی ہونے کی لکھی بھی کر دی اور حضرت سودہ کو اس سے پردے کا حکم بھی دے دیا۔ [ماخوذ از شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۹۳۳-۹۳۴ فریقہ یک سال لاہور]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا سہرا ہے نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عورت کے رحم کی صفائی کے احکام

۹۔ کتاب الاستبراء

حاملہ عورت کے ساتھ جماع کی ممانعت

۱۔ بَابُ مُمَانَعَةِ الْوُطْئِ بِالْحَبْلِي

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

۲۸۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ ثَالِغٍ عَنْ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُوَكَأَ الْحَبْلَانِي حَتَّى يَضَعْنَ قَالِيْنِ يُطَوَّبُوْنَ.

ابوداؤد (۲۱۵۷) مسند احمد (ج ۳ ص ۲۸)

نے حاملہ عورتوں کے ساتھ جماع کرنے سے منع فرما دیا یہاں تک کہ وہ اسے جنم دیں جو ان کے بیٹوں میں ہے۔

حلالغات

”تَوَكَّأَ“ ”مِنْهُ وَاحِدٌ مَوْكَأٌ غَائِبٌ“ فعل مضارع مجہول مثبت باب سَوَعَ يَسْتَعِیْ سے ہے اس کا معنی ہے: رومٹا، مباشرت کرنا، فعل زوجیت کرنا۔ ”الْحَبْلَانِي“ ”یہ“ ”حَبْلَانِي“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: حاملہ عورت۔ ”يَضَعْنَ“ ”جمع مَوْكَأٌ غَائِبٌ“ فعل مضارع معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: رکھنا، مراد بچہ جنم دینا ہے۔

استبراء کا لغوی اور شرعی معنی نیز استبراء کی حکمت

لغت میں استبراء کا معنی ہے: پاکی اور صفائی حاصل کرنا اور شریعت میں اس کا معنی ہے: عورت کے رحم کا غسل سے پاک و صاف ہونا طلب کرنا اور ہر وہ شخص جو خریدنے یا وصیت یا ہبہ یا وراثت کے ذریعہ کسی لوٹری کا مالک بن جائے تو اس لوٹری کے ساتھ دلی و جماع کرنا یا اسباب دلی جیسے بوس و کنار چوما چٹی اور معافہ کی صورت میں مباشرت کرنا اس شخص کے لیے حرام ہے یہاں تک کہ حیض کے ذریعہ اس لوٹری کے رحم کا غسل سے پاک و صاف ہونا ظاہر ہو جائے اگر وہ حیض والی ہو یا ایک ماہ گزر جائے اگر اسے حیض نہیں آتا یا وہ بچہ جنم دے اگر وہ حاملہ ہو اور ہر لوٹری کا استبراء واجب و لازم ہے خواہ وہ کنواری ہو یا کسی عورت سے خریدی ہو یا محرم سے یا کسی بچے کے مال سے ملی ہو اور قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ ان صورتوں میں استبراء واجب نہ ہو کیونکہ استبراء میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ عورت کے رحم کا مرد کے نطفہ سے پاک و صاف ہونا ظاہر ہو جائے اور مذکورہ بالا صورتوں میں رحم پاک و صاف ہوتا ہے لیکن یہاں قیاس

کونص کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کا ادھاس کی قیدی لوٹ پلوں کے بارے میں فرمان ہے چنانچہ آپ نے فرمایا: لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ ادھاس کی قیدی کسی لوٹ پلوں سے وطن نہ کی جائے حاملہ سے وضع حمل تک اور غیر حاملہ سے ایک بیٹے کے گزر جانے تک وطن نہ کی جائے اور اس میں ہا کرہ اور عورت سے خریدی ہوئی لوٹ پلوں اور ان جیسی سب کے لیے یہی حکم واجب و لازم ہے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ نے عام حکم دیا ہے سو اس لیے اس حکم کے عموم کو قیاس کی وجہ سے مخصوص نہیں کر سکتے اور حکمت کی رعایت نوع میں ہوتی ہے ہر ہر فرد میں نہیں ہوتی شریعت کا یہی ضابطہ ہے جیسا کہ شراب کی حکمت و علت یہ ہے کہ شیطان لوگوں میں شراب نوشی کے ذریعہ عداوت و دشمنی ڈالتا ہے اور انہیں نماز سے روکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے لیکن یہاں یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں شراب بھی پیا کروں گا اور میں لوگوں میں سے کسی کے ساتھ نہ جھگڑا کروں گا نہ لڑائی کروں گا اور میں کسی کے ساتھ عداوت و دشمنی نہیں کروں گا نہ میں نماز کو چھوڑوں گا کیونکہ تخصیص میں ہے ضابطگی خط اور لوگوں کے لیے خسارہ ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہ امر قیدی ہے اور شریعت کے حکم سے عموم و اطلاق کے ساتھ ثابت ہے اس لیے اس میں تعہید و تخصیص جائز نہیں ہے۔

[مجموع الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۸۹-۱۸۸ مطبوعہ مکتبہ نور پورہ دہلی مطبعہ]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

دودھ پلانے کے احکام

دودھ سے وہی رشتہ حرام ہوتا ہے

جو نسب سے حرام ہوتا ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دودھ پلانے سے وہی رشتہ حرام ہوتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ ہو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۰۔ کتاب الرضا

۱۔ بَابُ يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ

مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ

۲۸۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنِ شُرَيْحٍ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ لِلْبَيْتَةِ وَكَثِيرَةً.

بخاری (۳۶۴۶) مسلم (۳۵۶۹) ابوداؤد (۲۰۵۵) ترمذی (۱۱۴۷) نسائی (۳۳۰۴) ابن ماجہ (۱۹۳۷)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابراہیم بن العقیس آئے تاکہ وہ عائشہ (بجھ) سے گھر کے اندر میرے پاس آنے کی اجازت طلب کریں تو میں نے ان سے پردہ کر لیا وہ کہنے لگے: تم مجھ سے پردہ کر رہی ہو حالانکہ میں تمہارا چچا ہوں آپ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا: وہ کیسے؟ تو انہوں نے کہا کہ میری بھالی نے میرے بھائی کے عقد میں تمہیں اپنا دودھ پلایا ہے۔ (حضرت عائشہ صدیقہ) فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں اکیا تم یہ نہیں جانتی کہ دودھ پلانے سے وہی رشتہ حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

۲۸۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ جَرَّادِ بْنِ سَالِكٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ أَلْفَحُ بْنُ أَبِي الْقُوسِ لِيَسْتَأْذِنَ عَلَيَّ عَائِشَةَ فَاسْتَجَبْتُ مِنْهُ فَقَالَ تَحْتَجِبِينَ مِنِّي وَأَنَا عَمَلُكَ فَقَالَتْ فَكَيْفَ ذَلِكَ قَالَ أَرَضَعُكَ امْرَأَةً أَبْنَى بَيْنَ أَيْحَى قَالَتْ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَبَّيْتَ بِذَلِكَ أَمَا تَعْلَمِينَ أَنَّهُ يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ.

بخاری (۵۲۳۹) مسلم (۳۵۷۱) ابوداؤد (۲۰۵۷) ترمذی (۱۱۴۸) نسائی (۳۳۰۳) ابن ماجہ (۱۹۴۹)

حل لغات

”لَا خَفَضَتْ“ صیغہ واحد مکمل فعل ماضی معروف باب التعال سے ہے اس کا معنی ہے: پرہیز کرنا، محاب میں آنا۔ ”أَرْضَعَتْ“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب التعال سے ہے اس کا معنی ہے: دودھ پلانا۔ ”تَرَبَّعَتْ“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب مَبْعَعٍ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: ٹھیکالہ ہونا، خاک آلود ہونا، زیادہ سلی والی جگہ محتاج ہونا، خاک نشین ہونا۔

حرمت رضاعت کی تحقیق

اس باب کی پہلی حدیث کے الفاظ ”قلبلہ و کعبہ“ کا معنی اور مطلب بیان کرتے ہوئے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ دودھ پینے کی مقدار کم ہو یا زیادہ ہو دونوں حرمت میں مساوی ہیں جس طرح کثیر اور زیادہ مقدار میں دودھ پلانے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح کم اور تھوڑی سی مقدار دودھ پلانے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور یہ اضافہ حدیث کے اطلاق و عموم سے مستفاد ہو رہا ہے سو اس میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ اضافہ ”قلبلہ و کعبہ“ مرفوع ہو اور آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ موقوف ہو اور حضرت علی کی طرف سے تفسیر ہو بہر حال یہ حدیث اپنے اطلاق و عموم کی وجہ سے ہمارے نزدیک حجت ہے پس پستان سے صرف ایک چمکی بھر دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے اس کو امام ابن المنذر نے حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عطاء، حضرت طاؤس، حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن مسیب، حضرت کھول، حضرت زہری، حضرت قتادہ، حضرت انکم، حضرت حماد، حضرت مالک، حضرت سفیان ثوری اور امام اوزاعی سے روایت کیا ہے اور امام شافعی، امام احمد، حضرت اسحاق فرماتے ہیں کہ کم از کم پانچ چمکیوں سے رضاعت ثابت ہوتی ہے کیونکہ امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پہلے قرآن مجید میں نازل کیا گیا تھا کہ متعین دس بار دودھ کی چوٹیاں حرمت ثابت کرتی ہیں پھر اس میں سے پانچ چوٹیاں منسوخ کر دی گئیں اور پانچ چوٹیاں باقی رہ گئیں جو رسول اللہ ﷺ کی وفات تک باقی رہیں اور ہماری (احناف کی) دلیل اللہ تعالیٰ کا مطلق ارشاد ہے کہ

أَمَّا تَحْتَمُّمُ الْيَتَامَىٰ أَوْ خَفَضَتْكُمْ وَأَخَوْتَكُمْ مِّنْ شَرِيكِ بَيْنِي قَمٍۭ حَرَامٌ كَرَدِي كُنَّيْنِ۔
الْوَحَاغَةُ (انشاء: ۲۳)

اس آیت میں تعداد کی کوئی قید نہیں اور اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس سے صحیحین (بخاری و مسلم) میں مروی حدیث میں مطلق حکم بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ“ رضاعت سے وہی رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ اور علامہ ابن الہمام، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ تعداد کی تنقید پہلے تھی پھر منسوخ ہو گئی اور اب اطلاق باقی رہ گیا ہے اور یہی زیادہ محتاط ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۶۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت]

علامہ ابو البرکات نسفی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رضاعت کو نسب کے قائم مقام کیا ہے چنانچہ مرضعہ کو رضیع کے لیے ماں قرار دیا اور اس کے دودھ پینے والے بچے اور بچی کو بھائی اور بہن قرار دیا اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے شوہر کو اس کا والد قرار دیا اور اس کے والد کو اس کا دادا قرار دیا اور اس کی ہمشیرہ کو اس کی پھوپھی قرار دیا اور اس کی تمام اولاد کو خواہ اس نے اس کے ساتھ دودھ نہ بھی پیا ہو یا اس سے پہلے دودھ پیا ہو یا اس کے بعد دودھ پیا ہو وہ اس کے والد کی طرف سے بہن بھائی ہیں اور دودھ پلانے والی کی ماں اس

کی تانی اور اس کی بہن اس کی خالہ اور دودھ پلانے والی کا ہر وہ بچہ یا بچی جو اس کے خاوند سے ہوں وہ اس دودھ پینے والے بچے کے ماں باپ شریک بہن بھائی ہوں گے اور اس کا ہر وہ بچہ یا بچی جو اس خاوند سے نہ ہوں وہ اس کے ماں شریک بہن بھائی ہوں گے اور اس کی اصل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ رضاعت کی وجہ سے ہر اس رشتہ دار سے نکاح حرام ہو جاتا ہے جس سے نسب کی وجہ سے حرام ہوتا ہے۔ [تفسیر مددک بشری مترجم ج ۱ ص ۷۳ مطبوعہ نریڈ بک سٹال اردو بازار لاہور]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

طلاق کے احکام

طلاق دینے میں مذاق کرنا

۱۱۔ کتاب الطلاق

۱۔ بَابُ الْهَزْلِ فِي الطَّلَاقِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سچیدگی بھی سچیدگی ہے اور ان میں مذاق بھی سچیدگی ہے: (۱) طلاق (۲) نکاح (۳) رجوع کرنا۔

۲۸۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ سَاهَكَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَكُنَّ جَلْهَنُ جَلْهَنُ وَهَزْلُكُنَّ جَلْهَلُكُنَّ وَالنِّكَاحُ وَالرَّجْعَةُ.

ابوداؤد (۲۱۹۴) ترمذی (۱۱۸۴) ابن ماجہ (۲۰۳۹)

حل لغات

”جلّ“ جیم کسور اور دال مشدّد کے ساتھ اس کا معنی ہے: سچیدگی، کوشش، مہارت، تحقیق میں جلدی پہنچنا۔ ”هزل“ مذاق کرنا، طعنا کرنا، بے ہودہ گفتگو کرنا۔

مذاق میں طلاق دینا، نکاح اور رجوع کرنا ثابت ہو جاتا ہے

سنن ابوداؤد میں از عبدالرحمن بن حبیب از عطاء بن ابی رباح از ابن ماعک از ابی ہریرہؓ ایسی حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سچیدگی بھی سچیدگی ہے اور ان میں مذاق بھی سچیدگی ہے: نکاح، طلاق اور رجوع کرنا۔ اور سنن ابن ماجہ میں اسی اسناد کے ساتھ اس کی شرح مروی ہے اور جامع ترمذی میں بھی اسی طرح مروی ہے امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور صحابہ کرام اور دیگر اہل علم حضرات کے نزدیک اسی پر عمل ہوتا ہے۔ علامہ ابن حجر نے بلوغ المرام میں کہا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن حبیب کی سند مختلف فیہ ہے نسائی نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے جبکہ دوسروں نے انہیں ثقہ اور مستند قرار دیا ہے سو اس لیے یہ حدیث حسن ہے اور حضرت عبدالرحمن بن حبیب ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ کی سند میں موجود ہیں۔ علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں کہا کہ نبی کریم ﷺ سے مروی حدیث ابی ہریرہ محفوظ ہے آپ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سچیدگی بھی سچیدگی ہے اور ان میں مذاق بھی سچیدگی ہے: نکاح، طلاق اور رجوع کرنا اس کو امام احمد ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی حرج و مرج کیا ہے۔

مصنف امام عبدالرزاق میں حضرت ابو زرعہ غفاری کی حدیث عتاق وارہ ہے حضرت ابو زرعہ غفاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مذاق اور کھیل کے طور پر اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی طلاق جائز اور واقع ہو جائے گی اور جس شخص نے مذاق اور کھیل کے طور پر اپنے غلام یا لونڈی کو آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائیں گے۔

امام ابن عری نے اکمال میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں کھیل اور مذاق کی گنجائش نہیں ہے ان میں سے جس کے ساتھ مذاق اور کھیل کے طور پر بات کرے گا وہ اس پر واجب ہو جائے گی: (۱) طلاق (۲) عتاق (آزاد کرنا) (۳) نکاح۔

امام عبدالرزاق نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث تخریج کی ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ آپ کا ارشاد ہے: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مذاق اور کھیل کرنے کی گنجائش نہیں: (۱) نکاح (۲) طلاق (۳) عتاق۔ ان دونوں سے مروی ایک اور روایت میں چار چیزوں کا ذکر ہے اور اس میں زائد چوتھی چیز نذر ہے۔

[تسبیح النہج فی شرح منہج الامام ص ۱۳۳-۱۳۲، العاش اثناعشر، مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۲۔ بَابُ ثُبُوتِ الطَّلَاقِ

فِي الْحَيْضِ

۲۸۶۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِسُودَةَ جِئِي كَلِّفَهَا بِحَتِِّي. سنن بیہقی (ج ۷ ص ۳۴۳)

۲۸۷۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِسُودَةَ جِئِي كَلِّفَهَا بِحَتِِّي. سنن بیہقی (ج ۷ ص ۳۴۳)

طلاق کے بعد عدت

گزارنے کا ثبوت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو ان سے فرمایا: تم اپنی عدت گزارو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو ان سے فرمایا: تم اپنی عدت گزارو۔

حل لغات

”کَلِّفْتُ“ صیغہ واحد مؤنث قاعب، فعل ماضی معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: چھوڑ دینا، طلاق دینا۔ ”بِحَتِِّي“ صیغہ واحد مؤنث حاضر فعل امر معروف مثبت باب افتعال سے ہے اس کا معنی ہے: کلتی پوری کرنا، عدت گزارنا۔

طلاق دینے کے بعد رجوع کا ثبوت

ابو عصمہ نے امام صاحب سے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔

(۱) ابن خسر نے از الامام از البیہقی دوسرے طریق سے اتنا زیادہ بیان کیا ہے کہ طلاق ملنے کے بعد حضرت سودہ رسول اللہ کے راستے میں بیٹھ گئیں جب آپ وہاں سے گزرے تو حضرت سودہ نے عرض کیا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتی ہوں کہ آپ مجھ سے رجوع فرمائیں! بے شک میں نے اپنی رات دن کی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو بخش دی ہے چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سودہ کی دل جوئی کے لیے طلاق سے رجوع فرمایا۔

(۲) امام بیہقی نے حضرت عروہ سے مرسل حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سودہ کو طلاق دے دی پھر جب آپ نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو حضرت سودہ نے آپ کو کپڑے کے دامن سے پکڑ کر روک لیا اور عرض کی کہ مجھے اس بڑی عمر میں مردوں کی کوئی حاجت نہیں رہی لیکن میں چاہتی ہوں کہ میں قیامت کے روز آپ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں تو آپ نے ان سے رجوع فرمایا اور انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو ہبہ کر دی۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ معجم ابی العباس وغوی

میں حضرت ہشام دستوائی کے طریق سے حضرت قاسم بن ابوبزہ سے اسی طرح مروی ہے۔

(۳) علامہ ابن سعد نے حضرت قاسم بن ابی بزہ سے مرسل حدیث ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس کے تمام روایات نکاح ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سودہ کو (رجعی) طلاق دے دی اور وہ آپ کے راستے میں بیٹھ گئیں اور آپ سے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے مجھے مردوں کی طرف کوئی حاجت نہیں رہی لیکن میں یہ پسند کرتی ہوں کہ قیامت کے دن میں آپ کی ازواج مطہرات میں اٹھائی جاؤں اور میں آپ کو اس ذات کی قسم دیتی ہوں جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی! کیا آپ نے مجھ پر ناراض ہو کر مجھے طلاق دی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں! تو کہنے لگیں: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتی ہوں کہ آپ طلاق سے رجوع فرمائیں! سو آپ نے رجوع فرمالیا اور حضرت سودہ نے اپنی دن رات کی ہماری حضرت عائشہ صدیقہ کو بہہ کر دی اور شاید ملا علی قاری اس روایت پر مطلع نہیں ہوئے یا انہوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی! کیونکہ انہوں نے یہ تاویل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ کو طلاق دینے کا صرف ارادہ کیا اور فرمایا: تم عدت کے ذریعہ مفارقت کے لیے تیار ہو جاؤ اور یہ کہا ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سودہ کو طلاق رجعی دی ہو پھر حضرت سودہ کی دل جوئی کے لیے آپ نے ان سے رجوع فرمالیا ہو۔

[ماخوذ از تفسیر النظام فی شرح مسند الامام ص ۳۳۳ حاشیہ ۳، مکتبہ رحمانیہ لاہور]

یہاں یہ یاد رہے کہ عدت اس عورت پر لازم ہے جسے دخول یا غلوت میجو کے بعد طلاق دی جائے لیکن اگر نکاح کر لے کے بعد عورت کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے اور غلوت میجو کے پائے جانے سے بھی پہلے طلاق دے دی جائے تو پھر ایسی عورت پر عدت پوری کرنا ضروری نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ كَلَفْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عَدْلٍ تَعْتَلُونَهَا لَمْ يَمْسُوهُنَّ وَسَوَّخُوهُنَّ سَوَاحًا جَمِيعًا (الاحزاب: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کر لو پھر تم انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کچھ عدت نہیں جسے تم شمار کرو سو تم انہیں فائدہ کی کوئی چیز دے دو اور تم انہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دو۔

حیض کی حالت میں طلاق کے وقوع کا ثبوت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ اپنی بیوی کو ماہواری کے ایام میں طلاق دے دی تو ان پر عیب رنی کی گئی! سو انہوں نے اس سے رجوع کر لیا! پھر جب وہ اپنے حیض سے پاک ہو گئی تو انہوں نے اسے (دو بارہ) طلاق دے دی اور وہ طلاق بھی شمار کی گئی جو انہوں نے اسے حالیہ حیض میں دی تھی۔

۳۔ بَابُ وَقُوعِ الطَّلَاقِ فِي الْحَيْضِ

۲۸۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ رَجُلٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَلَفَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَوَيْبَ ذَلِكَ عَلَيْهِ لَمَّا اجْتَمَعَا فَلَمَّا طَهَّرَتْ مِنْ حَيْضِهَا كَلَفَهَا وَاحْتَبَسَ بِالنَّطْلِ فَقِيَّةُ النَّبِيِّ كَانَ أَوْقَعَ عَلَيْهَا وَهِيَ حَائِضٌ. سمس (۳۶۸۵) ابوداؤد (۲۱۸۱) ترمذی (۱۱۷۶) ابن ماجہ (۲۰۲۳) نسائی (۳۴۲۶)

حل لغات

”فَوَيْبَ“ عیب میخذ واحد کرغائب، فعل ماضی مجہول باب ضَرْبَ يَضْرِبُ سے ہے نہیں کا معنی ہے: عیب دار کرنا، عیب

لکھا۔ ”کُھِرَتْ“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب مکرم مکرم سے ہے اس کا معنی ہے: پاک ہونا۔ ”اُخْتِيبَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب التعلال سے ہے اس کا معنی ہے: حساب کرنا، شمار کرنا۔

حالت حیض میں طلاق دینے کی بحث

لاطی قاری لکھتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ علامہ ابن حمام نے کہا ہے: امامیہ فرقہ اور محدثین میں سے اسماعیل بن علیہ کا موقف اس کے برخلاف ہے پھر اس پر تمام علماء کا اجماع اور اتفاق ہے کہ حائضہ حیض میں طلاق دینے والا گنہگار ہوگا اور اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اس سے رجوع کر لے کیونکہ صحیحین میں حضرت ابن عمر کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر سے فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی کو حائضہ حیض میں طلاق دے چکا ہے اس سے رجوع کر لے۔ پھر صاحب ہدایہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب وہ عورت (حیض کے بعد) پاک ہو جائے اور بعد ازاں اسے حیض آ جائے پھر وہ پاک ہو جائے تو اب شوہر اگر چاہے تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اگر چاہے تو اس کو روک لے۔ اور امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ شوہر نے جس حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے کر رجوع کر لیا ہے اس کے بعد شغل طہر میں طلاق دینا بھی جائز ہے اور پہلی توجیہ امام ابو حنیفہ کی ظاہر الروایت کے مطابق ہے۔ الکافی میں ذکر کیے گئے ہیں کہ بیٹا پر اور امام مالک، امام احمد بن حنبل اور مشہور قول میں امام شافعی نے بھی یہی کہا ہے اور دوسری توجیہ جس کو امام طحاوی نے ذکر کیا ہے وہ بھی امام ابو حنیفہ کی روایت ہے جیسا کہ الکافی میں ذکر کیا گیا ہے اور یہی شافعیہ کی توجیہ ہے اور پہلی توجیہ سنت سے ثابت ہے جیسا کہ صحیحین میں مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے اور اپنے پاس روک لے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر اس کو حیض آ جائے اور پاک ہو جائے تو اب اگر وہ طلاق دینا چاہے تو اسے طلاق دے دے بشرطیکہ بیوی کے پاس مباشرت کرنے سے پہلے طلاق دے دے پھر وہ عدت گزارے جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے حکم دیا ہے اور دوسری توجیہ حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر کی حدیث کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر کو فرمایا کہ تم ابن عمر کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے پھر اس کو طہر میں طلاق دے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو۔ اور پہلی توجیہ ہی مناسب و بہتر ہے کیونکہ اس میں حضرت سالم کی روایت کی نسبت زیادہ تفصیل ہے اور یہ صحت و درایت میں زیادہ قوی ہے۔ [شرح مصنف امام اعظم ص ۳۸، ہر دت]

**طلاق دینے میں حدود الہی کو کھیل
تماشا بنانے کی ممانعت**

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس قوم کا کیا حال ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے ساتھ کھیل تماشا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: بے شک میں نے تجھے طلاق دے دی ہے بے شک میں نے تجھ سے رجوع کر لیا ہے۔

**۴۔ بَابُ مَمَانَعَةِ اللَّعِبِ
بِحُدُودِ اللَّهِ فِي الطَّلَاقِ**

۲۸۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ قَوْمٍ يَلْعَبُونَ بِحُدُودِ اللَّهِ يَقُولُونَ لَقَدْ طَلَّقْتُ لَقَدْ رَاجَعْتُكَ. ابن ماجہ (۲۰۱۲)

حل لغات

”بَالُ“ حال حالت جیسے رخی البال آسودہ حال اور ”کاسف البال“ تم سے حال والا اثری حالت والا۔ ”يَلْعَبُونَ“ صیغہ جمع

مذکر عائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب مَسَمْعٌ یَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: کھیلنا، مزاح کرنا، بے فائدہ کام کرنا، بچے کے منہ سے رال ٹپکانا۔

طلاق دینے میں حد بندی کا پس منظر

امام ابن ماجہ نے بھی اسی اسناد کے ساتھ یعنی از ابی اسحاق از ابی بردہ از والدہ خود حضرت ابی موسیٰ الاشعری سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود کے ساتھ کھیلتے ہیں ان میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے کبھی کہتا ہے: میں نے تجھے طلاق دی، کبھی کہتا ہے: میں نے تجھ سے رجوع کر لیا ہے، پھر کبھی کہہ دیتا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے۔ امام ترمذی نے ہشام بن عروہ از والدہ خود از حضرت عائشہ کے طریق سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لوگوں کا یہ حال تھا کہ ان میں سے کوئی آدمی جب چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا، پھر جب عدت کے اندر رجوع کر لیتا تو وہ اس کی بیوی ہی رہتی، اگرچہ سو مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ طلاق دیتا رہتا، یہاں تک کہ ایک دلہہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: میں تجھے ایسی طلاق کبھی نہیں دوں گا جس کی وجہ سے تو مجھ سے الگ ہو سکے اور میں تجھے ہمیشہ اذیت و تکلیف دیتا رہوں گا۔ عورت نے کہا: وہ کیسے؟ تو اس آدمی نے کہا: میں تجھے طلاق دوں گا، پھر جب تو اپنی عدت کو ختم کرنا چاہے گی تو میں تجھ سے رجوع کر لوں گا، چنانچہ وہ عورت حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس گئی اور اس کو ساری حقیقت بیان کی، وہ خاموش رہیں جب ان کے پاس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ کو اس عورت کی کہانی سنائی تو آپ بھی خاموش رہے، یہاں تک کہ قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

الطَّلَاقُ مَرْثِيٌّ لِّمَا سَأَلْتُ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٍ
بِإِحْسَانٍ ط (البقرہ: ۲۲۹)

دو بار طلاق دینے کے بعد بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے از سر نو طلاقیں کا خیال رکھنا شروع کیا اور وہ سنبھل گئے نیز اس آیت کے آخر میں صبیحہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

بَلِّغْ حُدُودَ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوا مَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (البقرہ: ۲۳۱)

اور اس کے علاوہ اسی سورت کی آیت ۲۳۱ میں فرمایا:

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَافًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّبِعُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُؤًا.

اور تم ان (عورتوں) کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ روک لو تا کہ تم ان پر ظلم و زیادتی کرو اور جو شخص یہ کرتا ہے تو یقیناً اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیاتوں کو مذاق نہ بناؤ۔

دیوانے کی طلاق جائز نہیں

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیوانے کی نہ طلاق جائز ہے اور نہ خرید و فروخت جائز ہے۔

۵۔ بَابُ لَا يَجُوزُ طَلَاقُ الْمَعْتُوهِ

۲۹۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا رَسُوهُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجُوزُ لِلْمَعْتُوهِ طَلَاقٌ وَلَا بَيْعٌ وَلَا شِرَاءٌ.

بخاری (باب: ۱۰ فی الطلاق)

مل لغات

”لا یجوز“ بہ معنی ”لا یُفْعَلُ“ ہے یعنی دیوانے آدمی کی دی گئی طلاق شرعاً نافذ اور واقع نہیں ہوگی۔ ”المعتوہ“ یہ صیغہ واحد مذکر اسم مفعول ہے اس کا معنی ہے: کم عقل آدمی ایسا آدمی جس کی عقل میں فتور ہو دیوانہ اور مغلوب العقل۔

تابالغ دیوانے اور مدہوش کی طلاق وغیرہ واقع نہیں ہوتی

معتوہ مجنون کی طرح دیوانہ ہوتا ہے اور بعض نے کہا: معتوہ کم فہم اور کم عقل کو کہا جاتا ہے جس کی گفتگو غلط ملط ہو مدحیر اور سوچ و بچار قاصر ہو لیکن ایسا آدمی بلا سبب نہ کسی کو مارتا ہے اور نہ کسی کو گالیاں دیتا ہے بخلاف مجنون کے بہر حال معتوہ سوتے ہوئے مدہوش اور جس پر غشی اور بے ہوشی طاری ہو جائے ان سب کا حکم یہ ہے کہ ان کی نہ طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ خرید و فروخت اور نہ دیگر شرعی معاملات جائز ہو سکتے ہیں۔ علامہ ابن حاتم نے کہا: یہ حکم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی بناء پر ہے کہ

کمل طلاق جائز الا طلاق العصبی والمجنون
ہر شخص کی طلاق جائز ہے مگر بچے کی دیوانہ کی اور جس کی عقل دہیم
والدی فیہ شیء۔
میں فتور اور خرابی ہو (ان کی طلاق جائز نہیں)۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے:

کمل طلاق جائز الا طلاق المعوہ والمغلوب
ہر طلاق جائز ہے سوائے مجنون اور بے عقل کے۔
علی عقلہ۔

امام ترمذی نے اس کو ضعیف کہا۔ (بلکہ صحیح بخاری اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہا کی بہت سی احادیث اس کی تائید میں وارد ہیں جن کی بناء پر یہ حدیث بھی قوی ہو گئی ہے) اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ ”لا یسجوز طلاق العصبی“ بچے کی طلاق جائز نہیں ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت بیان کی ہے کہ ”کمل طلاق جائز الا طلاق المعوہ“ ہر طلاق جائز ہے سوائے مجنون کی طلاق کے۔ اور امام بخاری نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے معلق روایت بیان کی ہے اور یہاں جائز سے نافذ ہونا مراد ہے یعنی ایسے لوگوں کی طلاق شرعاً نافذ نہیں ہوگی۔ اور امام بخاری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لیس للمجنون ولا مسکران طلاق۔

یعنی دیوانے اور نشے ہار کی حالت نشہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

[شرح مسند امام اعظم للاحادیث قاری ص ۳۷۷-۳۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ولیع القلم من ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ
تین آدمیوں سے (جزا و سزا کا) قلم اٹھایا گیا ہے ایک سویا ہوا
وعن العصبی حتى يبلغ وعن المعتوہ حتى يعقل۔
آدمی یہاں تک کہ بیدار ہو جائے دوسرا بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے
اور تیسرا مجنون یہاں تک کہ عقل مند ہو جائے۔

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے حضرت علی سے اور امام داری نے حضرت عائشہ صدیقہ سے اور امام ابن ماجہ نے حضرت علی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ تابالغ بچہ سوتا ہوا آدمی اور دیوانہ مرفوع القلم ہیں ان پر شرعی احکام جاری نہیں لہذا اگر یہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں تو واقع نہیں ہوگی اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی یونہی اگر کوئی شخص سوتے ہوئے اپنی

بیوی کو طلاق دے دے یا کوئی دیوانہ حاملہ دیوانگی میں طلاق دے دے تو ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہ حدیث جامع صلیح نامہ میں
ابوداؤد نسائی اور حاکم نے مختلف صحابہ کرام سے مختلف الفاظ میں نقل فرمائی ہے۔ بخاری نے تعلیقاً موقوفاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت
کی ہے غرضیکہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اسکو باب الطبع و الطلاق الفصل الثانی میں شرح مراۃ میں ۱۱۷۹ پر حوالہ مراۃ فیسی کتب خانہ گورنمنٹ

۶۔ بَابُ عَدَمِ وَقُوعِ الطَّلَاقِ
بِمَجْرُودِ التَّوْحِيْدِ
عورت کو محض اختیار دینے سے
طلاق واقع نہیں ہوتی

۲۹۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبرَاهِيمَ عَنِ
الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَوَّرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَوَّرَنَا فَلَمْ يَعُدَّ ذَلِكَ طَلَاقًا.
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ
نے (طلاق لینے کا) ہمیں اختیار دے دیا تو ہم نے (طلاق کی بجائے)
آپ کو اختیار کر لیا سو آپ نے اس اختیار کو طلاق شمار نہیں کیا۔

بخاری (۵۲۶۲) مسلم (۳۶۸۲) ابوداؤد (۲۲۰۳) ترمذی (۱۱۷۹) نسائی (۲۴۷۵) ابن ماجہ (۲۰۵۲) مسند امام (ج ۶ ص ۳۳۹)

حل لغات

”خَوَّرَنَا“ اس میں ”خَوَّرَ“ صیغہ واحد مذکر قاعب فعل ماضی معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: اختیار دینا۔
”نَا“ ضمیر جمع حکم مفعول یہ ہے۔ ”لَمْ يَعُدَّ“ صیغہ واحد مذکر قاعب فعل مضارع معروف نلی۔ محمد فلم یہ معنی فعل ماضی باب نَصَرَ
يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: شمار کرنا، گنتی کرنا۔

تخیر کی بحث اور اس کا پس منظر

بخاری نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں: ”فَاخَوَّرَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَلَمْ يَعُدَّ ذَلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا“ سو ہم
نے اللہ تعالیٰ اور اس کے کرم رسول کو اختیار کر لیا اور آپ نے ہم پر اس (تخیر) کو کچھ شمار نہیں کیا۔ اور اہل علم کا اس تخیر کے حکم میں
اختلاف ہے چنانچہ حضرت عمر ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو اختیار دے دے اور وہ اپنے شوہر
کو اختیار کر لے تو طلاق وغیرہ کچھ واقع نہیں ہوگا اور اگر وہ اپنے آپ کو اختیار کر لے تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور امام ابوحنیفہ عمر
بن عبدالعزیز ابن ابی لیلیٰ امام سفیان اور امام شافعی کا یہی قول ہے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک طلاق ہائے واقع ہوگی اور دوسروں
کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ جب بیوی اپنے شوہر کو اختیار کر لے تو ایک طلاق واقع
ہو جائے گی اور جب وہ اپنے آپ کو اختیار کر لے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور حضرت حسن بصری کا یہی قول ہے اور امام مالک
نے بھی یہی کہا ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب عورت اپنے شوہر کو اختیار کر لے تو ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی اور جب وہ
اپنے آپ کو اختیار کر لے تو پھر ایک ہائے طلاق واقع ہوگی۔

علامہ حسین بن مسعود بغوی شافعی درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

يَسَاءُهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُمْ تُؤَدُّنَ
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنْتَهَا لَتَمَنَّيَنَّ وَأَسْرَحَنَّ
سَرَاحًا جَمِيلًا وَإِنْ كُنْتُمْ تُؤَدُّنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
اے غیب کی خبریں دینے والے (تخیر) آپ اپنی بیویوں سے
فرمادیں: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ
میں تمہیں خوب اچھی طرح رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس

در اصل واقعہ کی ترتیب یہ ہوئی کہ پہلے ازواج مطہرات نے ایک عرصہ تک زیادہ خرچہ کا مطالبہ کیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے ایلاء کی قسم کھائی (کہ میں تمہارے پاس ایک مہینے تک نہیں آؤں گا) پھر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کا یہ واقعہ پیش آیا جس پر ازواج نے یہ وعدہ کیا جو یہاں مذکور ہے پھر رسول اللہ نے علیحدگی اختیار فرمائی جب ایلاء کی مدت ختم ہوئی تو آیت کا نزول ہوا جس میں ازواج کو طلاق لینے کا اختیار دیا گیا لیکن انہوں نے طلاق لینے اور دنیا کی زیب و زینت اختیار کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ رسول اللہ اور آخرت کے گھر کو اختیار کر لیا اور سب فقر و غربت کی زندگی گزارنے پر راضی ہو گئیں اور سب نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ زندگی گزارنے کو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت سمجھا۔

منکوحہ لونڈی کے لیے آزادی

کے بعد اختیار کا ثبوت

۷۔ بَابُ ثَبُوتِ الْإِخْتِيَارِ لِلْأَمَةِ

الْمَنْكُوحَةِ بَعْدَ الْعِتْقِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے اپنی لونڈی حضرت بریرہ کو آزاد کر دیا اور ان کے خاوند ابواحمد کی آل کے آزاد کردہ غلام تھے سو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اختیار دے دیا تو انہوں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا اور آپ نے ان دونوں میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادی بسا لاکھ ان کا خاوند آزاد تھا۔

۲۹۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَشْوَجِ عَنْ هَارِثَةَ أَنَّهَا إِعْتَقَتْ بَرِيرَةَ وَلَهَا زَوْجٌ مَوْلَى لَالٍ ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَارَتْ نَفْسَهَا فَفُرِقَ بَيْنَهُمَا وَتَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا. (نہال ۳۴۷۹)

حل لغات

”إِخْتَلَفْتُ“ میخدا واحد مؤنث فاعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: آزاد کرنا۔ ”فُرِقَ“ میض واحد مذکر فاعل ماضی معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: تفریق کرنا ایک دوسرے سے جدا کرنا۔ منکوحہ لونڈی کو آزادی ملنے کے بعد شوہر کے پاس رہنے یا نہ رہنے کے اختیار کی تحقیق

جان لینا چاہیے کہ جب شادی شدہ لونڈی کو آزاد کر دیا جائے تو اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ چاہے تو اپنے شوہر کے پاس رہے اور چاہے تو اس سے علیحدگی اختیار کر لے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کسی لونڈی کا شوہر آزاد ہو تو پھر اس لونڈی کو آزادی کے بعد اختیار حاصل نہیں ہوتا اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے بھی یہی کہا ہے اور اس اختلاف کا منشاء حضرت بریرہ کے شوہر کے ہارے میں آزاد ہونے یا غلام ہونے کے متعلق وارد مختلف روایات ہیں سو جو روایت اس بات پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد تھے وہ ہے جس کو امام مسلم کے علاوہ دیگر محدثین کی جماعت نے حضرت ابراہیم نخعی کی حدیث از الاسود بن یزید از عائشہ بیان کی ہے امام بخاری نے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں بریرہ کو اس لیے خریدنا چاہتی ہوں کہ میں اسے آزاد کر دوں مگر اس کے مالک کہتے ہیں کہ اس کی ولہ (ترکہ اور ورثہ) انہیں کے لیے ہوگی سو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم اسے آزاد کر دو کیونکہ ولہ کا حق دار صرف آزاد کرنے والا ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے بریرہ کو خرید لیا اور اسے آزاد کر دیا اور حضرت بریرہ نے خیار حق کا حق استعمال کرتے ہوئے اپنے شوہر کو اختیار کرنے کی بجائے اپنے آپ کو اختیار کر لیا (یعنی اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لی) اور کہنے لگی: اگر مجھے اتنا اور اتنا زیادہ مال و دولت عطا کیا جائے تو پھر بھی میں اپنے خاوند کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ حضرت اسود نے بیان فرمایا کہ حضرت بریرہ کا خاوند آزاد تھا نیز امام بخاری نے حدیث از ابراہیم بیان کی ہے اور اس کے آخر میں حضرت حکم نے فرمایا

کہ حضرت بریرہ کا خاوند آزاد تھا اور جو روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت بریرہ کا شوہر غلام تھا وہ ہے جس کو امام مسلم کے علاوہ دیگر محدثین کی جماعت نے از کمرہ از ابن عباس روایت کیا ہے کہ حضرت بریرہ کا شوہر حبشی غلام تھا رنگ کا کالا تھا اسے مغیث کہا جاتا تھا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی بیوی بریرہ کے پیچھے گھوم رہا ہے اور رو رو کر آنسو بہا رہا ہے اور اس کے آنسو اس کی ڈاڑھی پر بہہ رہے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس سے فرمایا کہ کیا تمہیں بریرہ کے ساتھ مغیث کی شدید محبت پر اور مغیث کے ساتھ بریرہ کی شدید نفرت پر تعجب نہیں آتا؟ پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بریرہ سے فرمایا: کاش اتم اپنے خاوند کی طرف رجوع کر لیتی تو حضرت بریرہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے رجوع کا حکم دے رہے ہیں یا صرف سفارش کر رہے ہیں سو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں حضرت بریرہ کہنے لگیں: مجھے اس کی طرف کوئی ضرورت نہیں ہے۔ امام طحاوی نے فرمایا: جب آثار مختلف ہیں اور اخبار و احادیث صحیح ہیں تو ان کے درمیان تطبیق و توفیق کرنا واجب ہوگئی جیسا کہ اہل تحقیق کی شان ہے سو ہم کہتے ہیں کہ بے شک ہم نے آزادی کو غلامی کے بعد پایا ہے (کہ پہلے آزادی غلام ہوتا ہے تو پھر اسے آزادی ملتی ہے) اور اس معاملہ کا برعکس نہیں ہوتا (کہ پہلے آزاد ہو پھر غلام ہو جائے) سو جس روایت میں ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر آزاد تھے اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ جب حضرت بریرہ نے ان سے طہیحگی اختیار کی اس وقت وہ آزاد تھے لیکن اس سے پہلے وہ غلام تھے پھر امام طحاوی نے حضرت طاؤس سے مسند حدیث بیان کی کہ حضرت طاؤس نے فرمایا کہ جب لوطی کو آزاد کر دیا جائے تو اسے خیال و حق حاصل ہو جاتا ہے اگرچہ وہ کسی قرشی کے نکاح میں کیوں نہ ہو اور حضرت محمد بن سیرین اور حضرت عامر غصی سے مروی ہے کہ لوطی کو آزادی کے بعد طہیحگی کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو اور حضرت مجاہد سے بھی مروی ہے کہ لوطی کو آزادی پانے کے بعد خاوند سے طہیحگی کا اختیار ہو جاتا ہے اگرچہ وہ امیر المؤمنین کے نکاح میں ہو۔

[شرح مسند امام اعظم للاطالی قاری ص ۹۰-۵۹، مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ بیروت لبنان]

۸۔ بَابُ طَلَاقِ الْاَمَةِ

لوٹری کی طلاق کا بیان

۲۹۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَقُ الْاَمَةِ
اِثْنَانِ وَعِلَّتُهَا حَيْضَتَانِ۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوٹری کی طلاقات صرف دو ہیں اور اس کی عدت صرف دو حیض ہیں۔

ابوداؤد (۲۱۸۹) ترمذی (۱۱۸۲) ابن ماجہ (۲۰۷۹) بخاری (۳۸)

لوٹری کے لیے صرف دو طلاقیں اور صرف دو حیض ہیں

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوٹری کے لیے صرف دو طلاقیں ہیں خواہ اس کا خاوند غلام ہو یا آزاد ہو جب اس کا خاوند اسے دو طلاقیں دے دے گا تو یہ لوٹری صرف دو طلاقوں کی وجہ سے منقطع ہو جائے گی پھر بغیر طلاق کے طلاق دینے والے خاوند کے نکاح میں دوبارہ نہیں آ سکتی اسی طرح لوٹری کی عدت صرف دو حیض ہیں لہذا طلاق کے بعد دو حیض مکمل ہو جانے پر یہ اپنے خاوند کے نکاح سے خارج ہو جائے گی اور اس سے رجوع کا حق ختم ہو جائے گا۔ اس حدیث سے دو مسائل ثابت ہوئے ہیں ایک یہ کہ طلاق کا اعتبار عورت سے ہے کہ اگر عورت آزاد ہوگی تو اس کی طلاقیں تین ہوں گی خواہ آزاد ہو یا غلام ہو اور اگر عورت لوٹری اور مملوکہ ہوگی تو اس کی طلاقیں صرف دو ہوں گی اور خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو اسی طرح اگر عورت آزاد ہوگی تو اس کی عدت تین حیض ہوگی خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو اور اگر عورت مملوکہ اور لوٹری ہوگی تو اس کی عدت صرف دو حیض ہوگی اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ طلاق کی عدت

حیض ہے طہر نہیں ہے جیسا کہ اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے کہ طلاق یافتہ لوٹری کی عدت دو حیض ہیں لہذا قرآن کریم میں جو "ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ" فرمایا گیا ہے اس میں "قُرُوء" کے معنی طہر کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی حیض ہیں یہی احناف کہتے ہیں لیکن امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل عدت میں تو ہماری طرح عورت کا اعتبار کرتے ہیں اور طلاق میں عورت کی بجائے مرد کا اعتبار کرتے ہیں اور یہ حدیث احناف کی طرف سے ان کے خلاف حجت ہے کیونکہ اس میں طلاق اور عدت دونوں میں عورت کا اعتبار کیا گیا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر لوٹری مہینہ سے عدت گزارنے والی ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی کیونکہ آزاد عورت کی عدت تین مہینے ہیں اس لیے لوٹری کے لیے اس کا نصف ایک ماہ پندرہ روز ہوگی لیکن چونکہ تین حیض کی تصنیف نہیں ہو سکتی اس لیے لوٹری کی عدت دو حیض ہوگی۔

طلاق مغلطہ میں عورت کے لیے مکان اور نفقہ کا ثبوت

۹۔ بَابُ ثُبُوتِ النِّفْقَةِ وَالسُّكْنَى لِلْمَبْتُوتَةِ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کسی عورت کے کہنے پر اپنے رب تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور اپنے نبی کریم ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ عورت کج کہتی ہے یا جھوٹ اس لیے جس عورت کو تین طلاقیں دے دی گئی ہوں اس کو مکان اور نان و نفقہ دونوں ملیں گے۔

۲۹۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِرَاهِيمَ عَنِ
الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْاَعْطَابِ لَا تَدْعُ بِكِتَابِ
رَبِّنَا وَسُنَّةِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِ امْرَأَةٍ
لَا تَذَرُنِي مَذَلَّةً اَمْ غَدَلْتُ اَمْ غَدَلْتُ الْمَطْلُوقَةُ قُلْتُ لَهَا
السُّكْنَى وَالنِّفْقَةُ. مسلم (۳۷۱۰) ابوداؤد (۲۲۹۱) ترمذی
(۱۱۸۰) نسائی (۳۵۷۹)

حل المسائل

"لا تدع" سیفہ جمع حکم فعل مضارع معروف مثنی بآب فتح یتفتح سے ہے اس کا معنی ہے: ترک کرنا چھوڑنا۔ "غدلنت" سیفہ واحد ماضی تائب فعل ماضی معروف بآب ضرب یتضرب سے ہے اس کا معنی ہے: جھوٹ بولنا۔
مطلقة مغلطہ کے لیے مکان اور نان نفقہ کی بحث

جان لینا چاہیے کہ مستندہ رجحہ (یعنی طلاق رجلی کی عدت گزارنے والی عورت) نان نفقہ اور مکان کی مستحق ہوتی ہے اس کے شوہر پر واجب ہے کہ جب تک یہ عورت عدت میں رہے اسے نان و نفقہ اور رہائش دیتا رہے اس پر سب کا اتفاق ہے لیکن طلاقوں کی وجہ سے عدت گزارنے والی عورت کے لیے اکثر اہل علم کے نزدیک رہائش اس کا حق ہوا خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو۔ حضرت حسن بصری، حضرت عطاء امام شعبی، حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت سفیان ثوری کا یہی قول ہے اور امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھی بھی یہی کہتے ہیں باقی رہا خاندن فوت ہو جانے کی وجہ سے عدت گزارنے والی عورت کا معاملہ تو اکثر اہل علم کے نزدیک اس کے لیے نان نفقہ تو نہیں ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو کیونکہ کھانے پینے کا خرچہ خاوند کے ذمہ ہوتا ہے وہ فوت ہو چکا ہے البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر یہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہے حاملہ ہو تو اسے خاوند کے ترکہ سے وضع حمل تک خرچہ دیا جائے گا۔ قاضی شریح، امام عامر شعبی، حضرت ابراہیم نخعی اور امام ثوری کا یہی قول ہے جبکہ اس کے لیے رہائش دینے کے بارے میں اختلاف ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ اسے رہائش نہیں دی جائے گی بلکہ وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی قول ہے اور حضرت عطاء اور حضرت حسن بصری نے بھی یہی کہا ہے اور امام شافعی کا ایک قول یہی ہے جبکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ

رہائش اس کا حق ہے حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بھی قول ہے اور امام مالکؒ امام سفیان ثوریؒ امام احمد بن حنبلؒ حضرت اسحاقؒ نے بھی یہی کہا ہے اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ بھی یہی کہتے ہیں اور اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جسے امام مالکؒ نے موطاً میں اور امام احمدؒ ابوداؤدؒ نسائیؒ ابن ماجہؒ طحاویؒ اور ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے کہا: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؒ کی بہن حضرت فریحہ بنت مالک بن سنان کے خاوند کو جب قتل کر دیا گیا تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے (بیکے کے) گمراہ لوٹ جاؤں کیونکہ میرے خاوند نے مجھے کسی ایسے گھر میں نہیں چھوڑا جس کا وہ مالک ہو اور نہ کوئی خرچہ چھوڑا ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں! سو میں لوٹ پڑی یہاں تک کہ جب میں حجرہ میں یا مسجد میں پہنچی تو آپ نے مجھے بلا لیا یا کسی خادم کو مجھے بلائے کا حکم دیا بہر حال مجھے واپس بلا لیا گیا اور فرمایا: تم نے کیسے کہا تھا؟ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے خاوند کا سارا قصہ آپ سے دوبارہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر میں رہو یہاں تک کہ کتاب (قرآن مجید) کا حکم اپنی میعاد کو پہنچ جائے چنانچہ میں نے اپنے شوہر کے رہائشی مکان میں چار ماہ دس دن عدت پوری کی آپ فرماتی ہیں: جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے مجھ سے عدت کے بارے میں پوچھا سو میں نے انہیں اپنی عدت کی بات بتائی تو انہوں نے بھی اسی پر عمل کیا اور شاید حضرت عمرؓ کے نزدیک کتاب اللہ سے درج ذیل ارشادات باری تعالیٰ کے معوم مراد ہیں:

اور تم ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کر لیں۔

تم ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق وہاں جگہ دو جہاں تم رہتے ہو اور تم انہیں تکلیف نہ دو تا کہ تم ان پر تنگی اور سختی کرو۔

چاہے کہ مالی وسعت رکھنے والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے۔

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِمَا جَاءَتْ فِي هَذِهِ (الطلاق: ۱)

أَسْكَنْتُمُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ مَكَاتِمُ بَيْنَ وَجْهِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِيُطِيقُوا هَلَّتْهُنَّ (الطلاق: ۶)

لِيُتَفَقَّحُوا سَعَةً بَيْنَ مَعْرَبَةٍ (الطلاق: ۷)

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (البقرہ: ۲۳۳)

اور بچے کے باپ کے ذمے دستور کے مطابق ان (بچوں کی ماؤں) کو خوراک اور لباس دینا واجب ہے۔

اور سنت سے مراد وہ طویل حدیث ہے جسے امام مسلمؒ اور امام ابوداؤدؒ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ دستور کے مطابق تم پر ان (عورتوں) کا خرچہ اور ان کا لباس واجب ہے۔

اور امام مالکؒ امام شافعیؒ اور مشہور قول کے مطابق امام احمدؒ نے فرمایا ہے: طلاق خلاصہ کی وجہ سے عدت گزارنے والی عورت کے لیے خرچہ نہیں ہے ماسوا اس صورت کے کہ وہ حاملہ ہو تب بالا جماع اس کو خرچہ دینا ضروری ہے کیونکہ بخاری کے علاوہ ایک جماعت نے حضرت عامر فصیح کے واسطے سے حضرت فاطمہ بنت قیس سے روایت بیان کی ہے کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دے دیں تو میں ان کا جھگڑا رسول اللہ کے پاس لے گئی سو آپ نے میرے لیے نہ رہائش مقرر فرمائی اور نہ خرچہ مقرر فرمایا اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گزاروں (حضرت فاطمہ کے گھر سے منتقلی کی وجہ اپنے دیوروں پر زبان درازی تھی جیسا کہ حضرت سعید بن مسیب نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ باب العدة الفصل الاول] اور نہ عدت کا خرچہ اور مکان خاوند کے ذمہ

واجب ہے) اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے حضرت ابواسحاق نے بیان کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ امام شافعی نے جب حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان (فاطمہ بنت قیس) کے لیے نہ مکان ہے اور نہ خرچہ ہے تو حضرت اسود بن یزید نے ایک مٹھی میں کنکریاں لے کر اس کی طرف پھینکیں اور فرمایا: تم پر بہت افسوس ہے کہ یہ غلط حدیث بیان کر رہے ہو حالانکہ حضرت عمرؓ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور اپنے پیغمبر کی سنت کو کسی عورت کے قول پر نہیں چھوڑیں گے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس نے یاد رکھا ہے یا بھول گئی ہے بہر حال مطلقہ مغلطہ کے لیے مکان اور خرچہ دونوں خاوند پر لازم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ. (الطلاق: ۱)

اور تم ان (مطلقہ) عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔

اور امام مسلم نے عبدالرحمان بن قاسم از والد خود از حضرت عائشہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے جو یہ حدیث بیان کرتی ہیں یعنی ان کا یہ کہنا کہ مطلقہ مغلطہ کے لیے نہ مکان ہے نہ نقد ہے بخاری میں یوں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: فاطمہ کو کیا ہوا ہے کیا وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتیں جو یہ کہتی ہیں کہ نہ مکان ہے اور نہ نقد ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لاملی قاری ص ۸۷-۸۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے

اس کی عدت کا بیان

۱۰۔ بَابُ عِدَّةِ الْمَتَوَلَّى

عَنْهَا زَوْجَهَا

۲۹۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِي رَاهِمٍ عَنِ
الْأَسْوَدِ أَنَّ مَيْمَنَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ الْأَسْلَمِيَّةَ مَاتَتْ
عَنْهَا زَوْجُهَا وَهِيَ حَامِلٌ فَتَكُنْتُ عَمَّاسًا وَحَنِيفَةُ
تَلَا تَنَمَّ وَضَعَتْ لَمَرًا بِهَا أَبُو الشَّائِلُ بْنُ بَعْلَكٍ
فَقَالَ تَشَوُّقَتِ فَرِيدَتِ الْبَاءَ فَحَلَّا وَاللَّهِ أَنَّهُ لَا بَعْدَ
الْأَجَلَيْنِ فَاتَّبَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا عَمْرًا
ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ كَذَبْتَ إِذَا حَضَرَ فَأَذِنَنِي.

بخاری (۵۳۱۸) مسلم (۳۷۲۲) ابوداؤد (۲۳۲۰)

ترمذی (۱۱۹۳) نسائی (۳۵۴۸) ابن ماجہ (۲۰۲۷)

حضرت اسود بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ بنت حارث سلمیہ کے خاوند فوت ہو گئے اور وہ اس وقت حاملہ تھیں سو ابھی صرف چھ مہینے دن ہی گزرے تھے کہ انہوں نے ایک بچے کو جنم دیا اتفاق سے ابواسائل بن بعلک کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ تم زریب و زینت اختیار کر کے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہو؟ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم! تمہاری عدت دونوں مدتوں میں سے لمبی مدت ہے (یعنی چار ماہ دس دن اور وضع حمل میں سے لمبی مدت تمہاری عدت ہے اور وہ چار ماہ دس دن ہے) چنانچہ حضرت سیدہ سلمیہؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کے سامنے یہ سارا واقعہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اس نے غلط کہا ہے جب وہ آئیں تو مجھے بتا دینا (تا کہ اس کی اصلاح کر دوں)۔

حل لغات

”مَكُنْتُ“ صیغہ واحد مؤنث غائب، فعل ماضی معروف مثبت ہے چونکہ اس میں كاف کو مضموم اور مفتوح دونوں طرح پڑھنا جائز ہے اس لیے یہ كاف مضموم کی صورت میں باب غُكْرَمَ يَكُونُ سے اور كاف مفتوح کی صورت میں باب نَصَرُو يَنْصُرُو سے ہے اس کا معنی ہے: ٹھہرنا۔ ”تَشَوُّقَتِ“ صیغہ واحد مؤنث حاضر، فعل ماضی معروف مثبت باب تَعَلَّلَ سے ہے اس کا معنی ہے: زریب و زینت اور بناؤ سنگار کرنا۔ ”الْبَاءَ“ اس کا معنی ہے: نکاح کرنا بجماع کرنا۔ ”فَأَذِنَنِي“ صیغہ واحد مؤنث حاضر، فعل امر معروف مخاطب باب

سَمِعَ يَنْتَعِ عَنْهُ اس کا معنی ہے: اجازت دینا، اطلاع دینا، خبر دینا، اس میں حرف فاء جزائیہ ہے جبکہ اس کا آخری نون وقایہ اور ہاء مکمل کی ہے۔

حاملہ عورت کی عدت اس کا وضع حمل ہے

اس حدیث کو ابن خضرو نے حامد بن حمزہ کے طریق سے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوالسائل نے حضرت سبیحہ سے کہا: تم نے زیب و زینت اختیار کر رکھی ہے، کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، رب کعبہ کی قسم! جب تک تم عدت کی دو مدتوں میں سے لمبی عدت پوری نہ کرو۔ نیز اس حدیث کو ائمہ ستہ نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے، چنانچہ ان میں سے صحیح بخاری میں یوں ہے کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ اپنی ماں حضرت ام سلمہ زوجہ نبی کریم ﷺ سے حدیث بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم کی ایک عورت تھی جس کو سبیحہ کہا جاتا تھا، جب اس کے خاوند فوت ہوئے تو اس وقت وہ حاملہ تھیں، سو اسے حضرت ابوالسائل بن ہلک نے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے نکاح سے انکار کر دیا اور ابوالسائل نے اس سے کہا: تم ابھی نکاح نہیں کر سکتیں، جب تک عدت کی دونوں مدتوں میں سے لمبی مدت کے ساتھ عدت نہیں گزار لیتیں، چنانچہ حضرت سبیحہ تقریباً دس روز تک ٹھہری رہیں، پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا: تم (وضع حمل کے بعد) نکاح کر سکتی ہو۔ اور امام زہری کی حدیث میں ہے کہ انیس عید اللہ بن عہد اللہ نے اپنے والد کی طرف سے لکھا کہ ان کے والد نے حضرت زید بن ارقم کو لکھا کہ وہ حضرت سبیحہ سلمیہ سے پوچھیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں کس طرح فتویٰ دیا ہے۔ حضرت سبیحہ نے پوچھنے پر بتایا کہ رسول اللہ نے مجھے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جب تم بچہ جن لو تو نکاح کر لو۔ اور حضرت مسور بن عفرہ سے مروی حدیث عروہ میں ہے کہ حضرت سبیحہ سلمیہ کو خاوند کی وفات کے بعد بچہ جننے پر نفاس جاری ہو گیا، جو چند روز جاری رہا اور آپ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر نکاح کی اجازت چاہی تو آپ نے انہیں اجازت دے دی تو انہوں نے نکاح کر لیا۔ اس مسئلہ پر بہت سی احادیث مروی ہیں، بہر حال مختصر یہ کہ ائمہ اربعہ اور سلف و خلف میں سے جمہور اہل علم اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے، اس کی عدت وضع حمل (بچے کو جننا) ہے اور صحابہ کرام میں سے اس کے خلاف کوئی روایت مروی نہیں، البتہ حضرت علی سے ایک منقطع طریق سے اور حضرت ابن عباس سے صحیح طریق سے اختلاف مروی ہے، لیکن حضرت ابن عباس نے اس سے رجوع کر لیا تھا جیسا کہ علامہ ابن عبد البر سے منقول ہے، دراصل اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ عورت وضع حمل کے بعد نفاس کے خون ختم ہونے سے پہلے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نکاح تو کر سکتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن نسائی وغیرہما کی روایات میں ہے، لیکن اس کا خاوند نفاس کے خون ختم ہونے سے پہلے اپنی اس بیوی سے جماع نہیں کر سکتا، بلکہ نفاس کے خون ختم ہو جانے کے بعد جماع کرے۔

[تسبیح نظام فی شرح مسند الامام ص ۱۳۹-۱۴۸، حاشیہ ۱۸، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

یاد رہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بطور احتیاط دونوں حکموں میں تطبیق و جمع کی خاطر یہ طریقہ اپنایا کہ عورت وہ عدت گزارے گی جس کی مدت دراز اور لمبی ہوگی، مثلاً اگر وضع حمل پہلے ہو جائے تو وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اگر چار ماہ دس دن گزر جانے کے بعد وضع حمل ہونا ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی اور اسی کو ابعد الاجلین کہتے ہیں، جیسا کہ حضرت ابوالسائل نے متن کی اس حدیث میں کہا ہے، لیکن اگلی حدیث کی وضاحت اور رسول اللہ کے اس طریقہ کو غلط قرار دینے کے بعد اس کا جواز ختم ہو جاتا ہے۔

۲۹۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو آدمی چاہے

عَلَّقَمَةُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهُ أَنْ سُورَةُ
النِّسَاءِ الْقُصْرَى تَوَكَّلْتُ بَعْدَ الطُّوْلِ وَلَيْزِي دَوَائِي
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ نَسَحَتْ سُورَةُ النِّسَاءِ الْقُصْرَى كُلَّ
عِدَّةٍ أُولَاتٍ الْأَحْمَالِ أَحْمَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ.

ابوداؤد (۲۳۰۷) ابن ماجہ (۲۰۳۰) نسائی (۳۵۵۲)

حل لغات

”بَاهَلْتُ“ میخذ واحد مکلم فعل ماضی معروف مثبت باب مفاعله سے ہے اس کا معنی ہے: مہبلہ کرنا اہل ہا مل کی ہلاکت کی دعا کرنا۔ ”نَسَحَتْ“ میخذ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ففتح یفتح سے ہے اس کا معنی ہے: مٹانا ختم کرنا اور کسی شری حکم کی مدت اختتام بیان کرنا۔ ”عِدَّةٌ“ میں مکسور اور دال اول مفتوح عدت کی جمع ہے۔ ”أَحْمَالٌ“ حمل کی جمع ہے جیسے ”أَقْوَالٌ“ قول کی جمع ہے۔ ”أَنْ يَضَعْنَ“ میخذ جمع مؤنث غائب فعل مضارع معروف باب ففتح یفتح سے ہے اس کا معنی ہے: رکھنا بچے کو زمین پر رکھنا یعنی جنما۔

وفات ازواج کی آیت کا حکم حاملہ اور لونڈیوں کے علاوہ خواتین کے لیے ہے

اس حدیث کو امام بزار نے اپنی سند میں اسی سند کے ساتھ تخریج کیا ہے اور ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص چاہے میں اس سے لعان کے لیے تیار ہوں سورۃ طلاق سورۃ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے باقی رہا یہ کہ سورۃ بقرہ کی آیت ”وَالَّذِينَ يَقُولُونَ وَاٰلَاٰهُنَا اَزْوَاجًا اَلَيْحَ“ آیا حدیث مسیحیہ سے منسوخ ہے یا مخصوص ہے یا پھر یہ حدیث اس آیت کا بیان ہے کہ یہ ان بیوگان کے بارے میں ہے جنہیں وضع حمل نہیں ہوتا (کہ صرف انہیں کی عدت چار ماہ دس دن ہے) شافعیہ تو اس میں مضرب اور ڈالواں ڈال ہیں لیکن ہمارے (حنفیوں کے) نزدیک یہ حدیث نہ تو تاریخ ہے اور نہ یہ شخص ہے کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور نہ یہ بیان ہے کیونکہ آیت مجمل نہیں ہے بلکہ یہ آیت تاریخ کے ثبوت اور سورۃ طلاق کے مؤخر نازل ہونے کی بناء پر منسوخ ہے اس لیے کہ یہ یقینی بات ہے کہ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے نازل ہونے والی سورۃ سورۃ البقرہ ہے اور سورۃ طلاق کا سورۃ بقرہ کے بعد نازل ہونا حضرت ابن مسعود کی حدیث مشہورہ سے ثابت ہے اور باقی احادیث و اخبار اس کی مؤید و مصدق ہیں۔ [تسہیل النظام ص ۱۳۵]

حدیث ابن مسعود میں سورۃ النساء القصصی سے سورۃ طلاق مراد ہے یعنی خواتین کے احکام و مسائل کی چھٹی سورۃ اور سورۃ النساء الطولی سے سورۃ البقرہ مراد ہے کہ یہ سورۃ الطلاق سے بڑی سورۃ ہے۔

واضح رہے کہ سورۃ بقرہ کی آیت وفات ازواج کو سورۃ طلاق کی آیت وضع حمل سے منسوخ قرار دینے کی بجائے مخصوص قرار دی جائے تو مناسب و بہتر ہے کیونکہ یہ آیت بالکل منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ لونڈیوں اور حاملہ خواتین کے علاوہ باقی مسلمہ کتابیہ حائضہ مستحاضہ بانحہ جوان سن رسیدہ ناہالغ اور آنسہ (یعنی حیض سے مایوس) سب خواتین کو شامل ہے ان میں سے جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے البتہ حاملہ خواتین کی عدت وضع حمل اور لونڈیوں کی نصف عدت ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے اسی طرح لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۱۲۹، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور

۱۱۔ بَابُ الْمَرْأَةِ الْمُتَوَقِّئِ عَنْهَا

زَوْجُهَا وَلَمْ يَقْرَضْ لَهَا

صَدَاقًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا

جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور اس نے

نہ اس کا مہر مقرر کیا ہو اور نہ اس کے

ساتھ جماع کیا ہو

۲۹۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ

عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ فِي الْمَرْأَةِ الْمُتَوَقِّئِ

عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَمْ يَقْرَضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ يَدْخُلْ

بِهَا صَدَقَةُ بِسَائِلِهَا وَلَهَا الْمِيرَاثُ وَعَلَيْهَا الْبُعْثَةُ

فَقَالُ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ أَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي بَرُوعِ بَنَاتِ

وَإِسْحَاقَ بْنِ مِثْلٍ مَا قَضَيْتُ.

ابوداؤد (۲۱۱۵) ترمذی (۱۱۴۵) نسائی (۲۵۵۴) ابن ماجہ (۱۸۹۱) سند احمد (۳۸۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور اس نے اس عورت کا نہ حق مہر مقرر کیا ہو اور نہ اس کے ساتھ جماع کیا ہو تو (حضرت ابن مسعود نے اس عورت کے بارے میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ) اس کو مہر مثل ملے گا (یعنی جیسا اس کی رشتہ دار عورتوں کو مہر دیا جاتا ہے) اور اس کو میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت گزارنا بھی واجب ہوگا سو حضرت معقل بن سنان اشجعی نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بروع بنت واشق کے متعلق اسی طرح فیصلہ فرمایا جس طرح آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔

حل لغات

”لَمْ يَقْرَضْ“ صیغہ واحدہ کرفاعہ فعل مضارع نفی۔ جوہر بلہ بمعنی فعل ماضی مثنی بآب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: مقرر کرنا لازم کرنا۔ ”صَدَاقًا“ اس کا معنی ہے: مہر۔ ”مِيرَاثًا“ اس کا معنی ہے: وراثت ترکہ۔

مہر کے تقرر اور رخصتی سے پہلے بیوہ ہونے والی عورت مہر مثلی میراث اور عدت کی حق دار ہوگی

یاد رہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں مختلف روایات مروی ہیں بعض مختصر اور بعض مفصل سب کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ سے دریافت کیا کہ ایک شخص کے ساتھ ایک لڑکی کی شادی ہوئی ہے لیکن نہ تو اس لڑکی کا مہر مقرر کیا گیا اور نہ ابھی رخصتی ہوئی تھی یعنی میاں بیوی کو ہمسری کا موقع نہیں ملا تھا کہ اس سے پہلے اس کے شوہر فوت ہو گئے اب تین مسائل قابل غور اور دریافت طلب ہیں: (۱) یہ عورت عدت گزارے گی یا نہیں؟ (۲) اس کو حق مہر ملے گا یا نہیں؟ (۳) اس عورت کو اپنے شوہر کے ترکہ سے وراثت ملے گی یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سوال سن کر فرمایا: کیا تمہیں اس بارے میں کوئی حدیث معلوم ہے؟ ان لوگوں نے عرض کیا: ہمیں اس کے متعلق کوئی حدیث معلوم نہیں آپ نے فرمایا: جب سے رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا ہے آج تک اس سے زیادہ مشکل مسئلہ مجھ سے نہیں پوچھا گیا تم جاؤ کسی اور سے پوچھ لو لیکن یہ لوگ ایک ماہ تک بار بار آپ کے پاس آتے رہے اور آخری بار انہوں نے کہا کہ ہم آپ سے نہ پوچھیں تو پھر اور کس سے پوچھیں کیونکہ آپ نے تو اس شہر مدینہ منورہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام میں سے ہیں اور ہم آپ کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو اس مسئلہ کو حل کر سکے سو آپ نے فرمایا: میری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس عورت کو مثل حق مہر ملے گا (یعنی جو اس کی رشتہ دار عورتوں کو مہر ملتا ہے اتنا اسے ملے گا) نہ کم ملے گا اور نہ اس سے زیادہ ملے گا اور اس کو میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت گزارنا بھی واجب ہے پس اگر یہ جواب صحیح اور درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر یہ غلط ہے تو پھر یہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس غلطی سے نری اور پاک ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ

سن کر قبیلہ اشج کے بہت سے لوگ گواہی کے لیے کھڑے ہوئے، خصوصاً حضرت محفل بن شان اشجی، حضرت جراح اشجی اور حضرت ابو شان اشجی کھڑے ہوئے اور سب نے کہا: اے ابن مسعود! ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے قبیلہ کی ایک خاتون حضرت بروہ بنت واشق کے بارے میں اسی طرح فیصلہ کیا تھا جس طرح آج آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے کیونکہ ان کے شوہر حضرت حلال بن مرہ اشجی ان کی رخصتی اور ان کے لیے حق مہر مقرر کرنے سے پہلے فوت ہو گئے تھے، اہم پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور نعرہ بکبیر لگایا اور آپ کو اسلام قبول کرنے کے بعد اس قدر زیادہ خوش ہوئے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا، یہ شخص اس بناء پر کہ آپ کا فیصلہ رسول اللہ کے فیصلے کے موافق ہو گیا۔

[ماخوذ از تسنیں النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۵۰، حاشیہ ۲، مطبوعہ مکتبہ دعائیہ لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

حضرت بروہ بنت واشق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی حدیث کو امام ابن ابی شیبہ، امام عبدالرزاق، امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کو روایت کرنے میں حضرت محفل بن شان اشجی منفر دہیں ہیں بلکہ آپ نے اور قبیلہ اشج کی ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت بروہ کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے جو فیصلہ کیا تھا آپ نے اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت]

ایلاء میں زبان

رجوع کرنا

۱۲۔ بَابُ الْقِيءِ فِي

الْإِيْلَاءِ بِاللِّسَانِ

۲۹۸۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِي خَيْفَةَ عَنْ خُثَامٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ خَلْقَمَةَ لَأَنَّ فِي الْمَوْلَى قِيءَهُ الْجَمَاعُ إِلَّا أَنْ يُحْكُونَ لَهُ عُلُوَّ لِقِيئِهِ بِاللِّسَانِ.

حضرت طاقدہ ایلاء کرنے والے کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ اس کا رجوع جماع کرنا ہے، مگر یہ کہ اس کے لیے کوئی عذر ہو تو اس کا زبان سے رجوع کر لینا کافی ہے۔

حل لغات

”الْمَوْلَى“ صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب افعال سے ہے جس کا معنی ہے: ایلاء کرنے والا اور ایلاء کا لغوی معنی ہے: قسم کھانا اور شریعت میں شوہر کا چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ تک اپنی بیوی کے ساتھ جماع نہ کرنے کی قسم کھانا۔ ”قِيءَ“ اس کا معنی ہے: رجوع کرنا۔

ایلاء میں عذر کی صورت میں زبان سے رجوع کر لینا کافی ہے

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ معمول تھا کہ اپنی عورتوں سے مال طلب کرتے، اگر وہ دینے سے انکار کر دیتیں تو انہیں بھگ کرنے کے لیے ان کے شوہر ایک سال دو سال تین سال یا اس سے زیادہ عرصہ ان کے پاس نہ جانے اور صحبت و ہمسری ترک کرنے کی قسم کھا لیتے تھے اور انہیں پریشانی میں چھوڑ دیتے تھے، نہ وہ بیوہ ہوتی تھیں کہ کہیں اپنا ٹھکانہ کر لیتیں نہ شوہر دار کہ شوہر سے آرام پاتیں، سو اسلام نے اس ظلم و ستم کو مٹایا اور ایسی قسم کھانے والوں کے لیے چار مہینے کی مدت مقرر فرمادی کہ اگر کوئی شوہر اپنی عورت سے چار مہینے یا اس سے زیادہ عرصہ کے لیے یا غیر محین مدت کے لیے ترک صحبت کی قسم کھائے جس کو ایلاء کہتے ہیں تو اس کے لیے چار ماہ انتظار کی مہلت ہے اس عرصہ میں خوب سوچ لے کہ عورت کو چھوڑنا اس کے لیے بہتر ہے یا رکھنا بہتر سمجھے اور اس مدت کے اندر رجوع کر لے تو نکاح باقی رہے گا اور قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور اگر اس مدت میں رجوع نہ کیا اور قسم نہ توڑی تو پھر عورت نکاح سے باہر ہو

جائے گی اور اس پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

مسئلہ: اگر مرد صحبت پر قادر ہو تو رجوع صحبت ہی سے ہوگا اور اگر کسی وجہ سے قدرت نہ ہو تو قدرت کے بعد صحبت کا زہانی وعدہ رجوع ہے۔ [تفسیر قرآن العرقان ص ۶۵-۶۴ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور]

۱۳۔ بَابُ شُحْلَةِ الْمَرْأَةِ مِنَ الزَّوْجِ
۲۹۹۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ثَوْبٍ الشُّخَيْلِيِّ أَنَّ امْرَأَةً ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ أَتَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ لَا آتَا وَلَا ثَابِتٌ فَقَالَ اتَّخَذْتُمُ مِنِّي بِعْدِيَّتَكُمْ فَقَالَتْ نَعَمْ وَآزَيْتُهُ لَئِنْ آتَا السَّرِيَّةَ فَلَا. بخاری (۵۲۷۳) ابوداؤد (۲۲۲۸) ترمذی (۱۱۸۵) نسائی (۳۵۲۲) ابن ماجہ (۲۸۲۸)

عورت کے مال کے عوض خاوند سے طلاق لینا
حضرت ابوب سختیانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں ثابت کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور نہ ثابت میرے ساتھ رہ سکتا ہے تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: کیا تم ان کا باغ واپس دے کر ان سے خلع لینا چاہتی ہو؟ سو اس نے عرض کیا: جی ہاں! اور میں اس سے زیادہ بھی دے دوں گی آپ نے فرمایا: لیکن زیادہ نہیں۔

حل لغات

”تَخَذْتُمُ مِنِّي بِعْدِيَّتَكُمْ“ صیغہ واحد مؤنث حاضر فعل مضارع معروف مثبت باب التعلال سے ہے اس کا معنی ہے: خلع کرنا، معزول کرنا، الگ اور جدا کرنا، مال کے عوض طلاق لینا۔ ”آزَيْتُهُ“ صیغہ واحد مکمل فعل مضارع معروف مثبت باب حَضَرْتُ بِمَضْرُوبٍ سے ہے اس کا معنی ہے: بڑھ کر دینا، زیادہ دینا، اضافہ کرنا۔

خلع کی طلاق کا ثبوت

اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس کے دین اور خلق سے ناراض نہیں ہوں اور نہ میں ان میں کوئی عیب بیان کرنا چاہتی ہوں، لیکن میں دین اسلام میں ناشکری کو ناپسند کرتی ہوں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس کا (مہر میں دیا گیا) باغ واپس کر دو گی؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے حضرت ثابت بن قیس سے فرمایا: تم اپنا باغ قبول کر لو اور اس کو ایک طلاق دے دو! اٹھی۔ اس میں زیادہ کا ذکر نہیں ہے اور یہ حدیث مرسل اور مستند دونوں طرح بیان کی گئی ہے، امام ابوداؤد اپنی مراسیل میں اور امام عبد الرزاق دونوں نے حضرت عطاء سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور امام عبد الرزاق کی مستند اقرب الاسانید ہے چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں حضرت ابن جریج نے حضرت عطاء سے خبر دی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور اپنے خاوند کی شکایت کرنے لگی سو آپ نے فرمایا: کیا تم اس کا وہ باغ واپس کر دو گی جو انہوں نے تمہیں حق مہر میں دیا تھا؟ اس عورت نے کہا: جی ہاں! اور اس سے زیادہ بھی دوں گی رسول اللہ نے فرمایا: لیکن زیادہ نہیں۔ اور امام دارقطنی نے اس روایت کو اسی طرح بیان کیا ہے اور مراسیل صحیح ترین ہیں اور انہوں نے حضرت ابو زبیر سے ایک روایت تخریج کی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کے نکاح میں زینب بنت عبد اللہ بن ابی بن سلول تھی، حضرت ثابت نے ایک باغ حق مہر میں ان کو عطاء کیا تھا لیکن وہ انہیں ناپسند کرتی تھیں سو اس بناء پر نبی کریم ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: کیا تم انہیں وہ باغ واپس کر دو گی جو انہوں نے تمہیں عطاء کیا ہوا ہے؟ اس نے عرض کی: جی ہاں! اور زیادہ بھی دوں گی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لیکن رہا زیادہ مال دینا تو وہ نہیں، البتہ ان کا وہ باغ واپس کر دو جو انہوں نے تمہیں عطاء کر رکھا ہے اس نے کہا: ٹھیک ہے چنانچہ حضرت ثابت بن قیس نے اس سے اپنا باغ واپس لے کر اس کا

راستہ چھوڑ دیا۔ امام دارقطنی نے کہا ہے کہ حضرت ابو الزہیر نے اس حدیث کو بہت سے روایات سے سنا ہے پھر انہوں نے حضرت عطاء سے ایک روایت تخریج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی خلع لینے والی عورت سے اپنی عطاء کردہ مہر کی مالیت سے زیادہ ہرگز نہ لے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اس میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عاتقہ کو حکم دیا کہ وہ اپنا دیا ہوا باغ واپس لے لیں اور اس سے زیادہ نہ لیں، پس معلوم ہو گیا کہ روایت میں لفظ ”زیادہ“ ثابت ہے کیونکہ حدیث مرسل ہمارے نزدیک مقبول ہے اور ہمارے علاوہ دیگر ائمہ کے نزدیک مرسل حدیث اس وقت مقبول ہوتی ہے جب وہ دوسری مرسل احادیث یا مسند احادیث سے مؤید ہو اور یہ مرسل حدیث بھی دونوں قسم کی احادیث سے مؤید ہے۔ اور امام عہد ہدایت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ خاوند نے بیوی کو جو مہر دیا ہے اس سے زیادہ خلع میں نہ لے۔

اور امام وکیع نے یہ حدیث امام ابو حنیفہ سے انہوں نے حضرت عمران ہمدانی سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے ناپسند کیا کہ خاوند اپنی بیوی سے خلع میں اپنے عطاء کردہ مہر سے زیادہ لے اور حضرت طاؤس نے کہا کہ مرد سے اپنے خلع میں اپنے عطاء کردہ حق مہر سے زیادہ مال وصول کرنا حلال نہیں ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لاملی غاری ص ۵۷۸-۵۷۷ مطبوعہ مکتبہ المدینہ بیروت ص ۱۱۱]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اخراجات کے فضائل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بیوی بچوں کے لیے روزی حلال کی فکر میں ہو سکے اور پریشان ہو کر رات گزارتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نکواری ان ہزار ضرروں سے بڑھ کر افضل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں عبادت کو گنتی ہیں۔

حضرت سعد (بن ابی وقاص) رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی طلب کرنے کے لیے جو چیز بھی خرچ کر دے گے اس پر تمہیں اجر و ثواب ضرور دیا جائے گا یہاں تک کہ اس حق پر بھی ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے۔

۱۲۔ کتاب النِّفَاقِ

۳۰۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ خَمَادٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَاتَ أَحَدُكُمْ مَقْمُومًا مَهْمُومًا مِنْ سَبِّ الْأَحْوَالِ كَانَ أَفْضَلَ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ أَلْفِ حُرُوبَةٍ بِالشَّيْءِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. مسند الحارثي (۴۲۳)

۳۰۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ لَنْ تَنْفِقَ نَفَقَةً تُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتَّى تَلْقَى الْقَمَّةَ تَرْفَعُهَا إِلَيَّ فِي إِمْرَائِكَ. غاری (۵۶) مسلم (۴۲۰۹) ابوداؤد (۲۸۶۴) ترمذی (۱۹۶۵)

حل لغات

”بَات“ میثد واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب ضروب یضروب سے ہے اس کا معنی ہے: رات بسر کرنا، رات گزارنا۔ ”ضروبہ“ ضرب لگانا، چوٹ لگانا، نشان لگانا۔ ”مَقْمُومًا“ تنگیں۔ ”مَهْمُومًا“ رنجیدہ، پریشان۔ ”أُجِرْتَ“ میثد واحد مذکر حاضر، فعل ماضی مجہول، باب ضروب یضروب سے ہے اس کا معنی ہے: اجرت، مزدوری، معاوضہ، صلہ، ثواب۔ ”فِي إِمْرَائِكَ“ میں ”فِي“ حرف جار نہیں بلکہ اسم ہے اس کا معنی ہے: منہ جیسے ”قَم“ کا معنی منہ اور دامن ہے۔

اہل و عیال پر رزق حلال خرچ کرنے کے فضائل

علامہ القسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کیا ہے کہ رزق حلال طلب کرنا بہت بڑا جہاد ہے۔ امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رزق حلال طلب کرنا فرض ہے۔ اور امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رزق حلال طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اور ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ جو شخص رزق حلال کی تلاش میں فوت ہو گا وہ مغفرت یافتہ ہو کر فوت ہو گا۔

[شرح سند امام اعظم لاملی قاری ص ۶۲ مطبوعہ بیروت]

امام بخاری نے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنی بیوی پر ثواب کی نیت سے کچھ خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ جو شخص بیواؤں اور ناداروں کے لیے رزق کی طلب میں کوشاں رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے جہاد کی طرح ہوتا ہے یا رات بھر عبادت کرنے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کی طرح ہوتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی مال کی وصیت کے باب میں مرفوع حدیث ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ کر جاؤ تو یہ تمہارے لیے اس سے بہت بہتر ہے کہ تم سارا مال رفاہی کاموں میں وصیت کر کے اپنے وارثوں کو محتاج و غریب کر کے چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھر میں سوتم جو کچھ خرچ کرو گے وہ تمہارے لیے صدقہ ہے یہاں تک کہ تم اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالو گے وہ بھی صدقہ ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ تم رضائے الہی حاصل کرنے کے لیے جو مال خرچ کرو گے اس پر تمہیں اجر و ثواب ضرور ملے گا یہاں تک کہ تم جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے اس پر بھی تمہیں اجر و ثواب ملے گا اس حدیث کو امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کیا ہے اور اہل و عیال پر خرچ کرنے کے فضائل میں بہت زیادہ آیات و اخبار اور آثار وادو ہیں جن سے کتب صحاح اور کتب السنن بھری پڑی ہیں۔ [تسبیح النکاح فی شرح سند امام ص ۱۵۱ حاشیہ ۶ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا امر یا نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مدبر غلام کے احکام

۱۳۔ کتاب التذبیہ

مدبر غلام کو فروخت کرنے کا بیان

۱۔ بَابُ بَيْعِ الْمُذَبَّرِ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم بن قیس الخثعم کا ایک غلام تھا جسے اس نے مدبر بنا دیا تھا پھر بعد ازاں اس کو اس کی قیمت کی ضرورت ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اس کو آٹھ سو درہم کے عوض میں فروخت کر دیا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس مدبر غلام کو فروخت کر دیا۔

۳۰۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عَبْدًا كَانَ لِأَبِرَاهِيمَ بْنِ نَعِيمٍ النَّخَامِ فَدَبَّرَهُ ثُمَّ احْتَاجَ إِلَى ثَمَنِهِ فَباعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَمَانٍ مِائَةِ دِرْهَمٍ. وَلَيْزِي دَوَائِدُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ الْمُذَبَّرَ.

بخاری (۲۱۴۱) مسلم (۴۳۳۸) ابوداؤد (۳۹۵۲) ترمذی (۱۲۱۹) نسائی (۴۶۵۶) ابن ماجہ (۲۵۱۳)

حل لغات

”ذَبْرٌ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب التعلیل سے ہے اس کا معنی ہے: کسی امر میں سوچ بچار کرنا اور اس کے نتیجہ پر غور کرنا یہاں اس کا معنی ہے کہ مالک کا اپنے غلام سے یہ کہہ دینا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہوگا۔ غلامی کی رسم کا خاتمہ اور مدبر غلام کی فروخت کی بحث

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں مردوں کو غلام اور عورتوں کو ہانڈیاں بنانے کا عام رواج تھا، طاقتور اور زبردست لوگ زبردست اور کمزوروں کو غلام بنا لیتے تھے لیکن جب اسلام کا عہد زریں شروع ہوا تو اسلام نے اس ظلم و ستم کی لعنت کو ختم کرنے کے لیے غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی اور مختلف اصول و قوانین مقرر کیے کہ قصداً روزہ توڑنے کے کفارہ میں انھار کے کفارہ میں اور حرم کے کفارہ میں غلاموں کو آزاد کیا جائے تاکہ اس لعنت کو ختم کر دیا جائے چنانچہ ایک اصول یہ بھی مقرر کیا گیا کہ اگر کوئی مالک اپنے کسی غلام کی کارکردگی یا اس کی امانت و دیانت داری سے خوش ہو جائے اور اپنے غلام سے یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو اور میرا کوئی وارث تمہیں اپنا غلام نہیں بنا سکے گا تو ایسا غلام اپنے آقا کے مرنے کے بعد فوراً آزاد ہو جائے گا اور شریعت میں آزادی دینے کے اس عمل کو تدبیر اور آقا کے مرنے کے بعد آزادی حاصل کرنے والے غلام کو مدبر کہا جاتا ہے اور اس کو فروخت کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے تاکہ مالک کی طرف سے ایسی صورت میں وعدہ غلامی اور عہد شکنی نہ ہو اور ایسے غلام کی آزادی کو دوبار سلب نہ کیا جاسکے اور یہ ممانعت عام حالات میں ہے لیکن اگر کسی خاص موقع پر مالک کنکال و غریب ہو جائے اور اس کی ضروریات کی تکمیل مشکل ہو جائے تو اس مجبوری کی خاص حالت میں اسے فروخت کیا جاسکتا ہے چنانچہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: جب تدبیر مطلق ہو تو پھر مدبر غلام کی فروخت جائز نہیں ہے یعنی جب آقا اپنے مرنے کے بعد اپنے غلام کے آزاد ہونے کی تصریح کر دے اور حدیث جاریہ امام صاحب کے نزدیک تدبیر عقیدہ پر محمول ہے اور وہ یہ ہے کہ مالک کہہ دے: اگر میں اپنی بیماری سے شفاء یاب ہو گیا یا اگر میں اپنے سفر سے صحت و سلامت واپس آ گیا تو میرا غلام آزاد ہو جائے گا تو ایسی صورت میں بہ وقت ضرورت شفاء یابی اور سفر سے واپس آنے سے پہلے مالک کا اس غلام کو فروخت کرنا جائز ہے۔ [شرح معنی امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۳۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

امام ابو حنیفہ امام مالک اہل حجاز اہل شام اور اہل کوفہ میں سے جمہور علمائے سلف نے فرمایا: مدبر غلام کی فروخت جائز نہیں ہے علامہ عینی نے البیان میں کہا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے اور قاضی شریحؒ قنادہ امام ثوریؒ امام اورایؒ کا یہی قول ہے اور ابو حنیفہؒ میں امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے پھر جمہور کی ہمت اور دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام دارقطنیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”المسبر لا یباع ولا یوهب وهو من ثلث المال“ مدبر غلام کو نہ فروخت کیا جائے اور نہ اسے ہب کیا جائے اور وہ تہائی مال میں سے آزاد ہو جائے گا۔ [تسبیح النہام فی شرح معنی امام ص ۱۵۳ حاشیہ ۲ کے آخر میں مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

غلام کی وراثت کا حق دار آزاد کرنے والا ہے

۲۔ بَابُ الْوِلَاۃِ لِمَنْ اَعْتَقَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت بریرہ کو خرید کر آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے مالکوں نے کہا کہ ہم اس کو اس شرط پر فروخت کریں گے کہ آپ اس کا ولاء (وراثت کا مال) ہمیں دیں گی سو حضرت عائشہ صدیقہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے

۳۰۳۔ اَبُو حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِي اَیْمَنٍ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِيَ بِرِیْرَةَ لِصُفَیْئِهَا فَقَالَتْ مَوَالِیْهَا لَا تَبِیْعُهَا اِلَّا اَنْ تَشْتَرِطَ الْوِلَاۃَ لَنَا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

ابُو لَؤْلَہُ یَسْمُنُ اَعْقَقَ۔ بخاری (۴۵۶) مسلم (۳۷۷۶) ابوداؤد (۲۹۱۵) ترمذی (۲۱۲۴) نسائی (۲۶۱۵) ابن ماجہ (۲۵۲۱) آزاد کیا ہوگا۔ اس شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ولاء اسی کو ملے گی جس نے اسے

۳۰۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِي عَمْرٍو النَّخَعِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَمْ يَنْهَى عَنْ تَبِعِ الْوَلَاءِ وَوَجِبَ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ولاء کو فروخت کرنے اور اسے بہہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بخاری (۲۵۳۵) مسلم (۳۷۸۸) ابوداؤد (۲۹۱۹) ترمذی (۱۲۳۶) نسائی (۴۶۶۱) ابن ماجہ (۲۷۴۷)

غلام کی ولاء کا حق دار متفق ہے

اس باب کی پہلی حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے نیز امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے طریق سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مختلف الفاظ اور متعدد طرق سے روایت کیا ہے اور اس باب کی دوسری حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ اور امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے نیز امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے۔

یاد رہے کہ یہاں چند مسائل قابل وضاحت ہیں: حق کے باب میں فقہی اصطلاح کے مطابق ولاء کا معنی یہ ہے کہ آزاد کردہ غلام یا لونڈی کا وہ ترکہ جو ان کے مرنے کے بعد مالک و متفق (آزاد کرنے والے) کو ملے گا وہ ولاء کہلاتا ہے کیونکہ جس طرح ایک پیدائشی آزاد آدمی کے ترکہ کو میراث یا ورثہ کہا جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اس ترکہ کے حق دار ہوتے ہیں اسی طرح غلام یا لونڈی کے آزاد ہونے کے بعد ان کے ترکہ کو ولاء کہا جاتا ہے اور ان کے مرنے کے بعد قرابت دار ورثاء نہ ہونے کی صورت میں ان کے متفق مالک کو وارث قرار دیا گیا ہے اس لیے ان کے ولاء (ترکہ) کا حق دار صرف آزادی دینے والا مالک و آقا ہوگا لہذا اگر کوئی غلام فروخت در فروخت ہونے کی بناء پر کئی موالی کا غلام رہا اور اسی طرح کوئی لونڈی اگر فروخت در فروخت ہونے کی بناء پر کسی موالی کی لونڈی رہی تو اس صورت میں جس نے سب سے آخر میں خرید کر آزادی دی ہوگی تو اس آزادی حاصل کرنے والے غلام یا لونڈی کے مرنے کے بعد اس کی ولاء کا حق دار صرف وہی آزاد کرنے والا آخری مالک ہوگا۔

اور دوسرا مسئلہ جو قابل وضاحت ہے یہ ہے کہ اگر کسی غلام یا لونڈی کا مالک اپنے غلام یا لونڈی کو فروخت کرتے وقت خریدار کے ساتھ یہ شرط لگا لے کہ میں تمہیں اپنا غلام یا لونڈی اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ اس کا ولاء (ترکہ) میرا ہوگا تو یہ شرط باطل ہوگی اور حق ولاء بہر صورت آزاد کرنے والے مالک کے لیے ہوگا اور تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے آزاد کردہ غلام یا لونڈی کا ولاء قبضہ سے پہلے نہ فروخت کر سکتا ہے اور نہ کسی کو بیہ کر سکتا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

۱۴۔ کتاب الایمان

۱۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ يَمِينِ الْقَاجِرَةِ

۳۰۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ قَاصِحِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَقَالَ اَبْنُ عَبَّاسٍ يَنْهَى بَنُ يَغْلَى وَاسْتَعْقُ بَنُ الْمُسْلُوِيِّ وَأَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ بَنُ لُقَيْلٍ عَنْ يَحْيَى

قسموں کے احکام

جھوٹی قسم کھانے کی ممانعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جن چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے ان میں سے جو عمل سب سے زیادہ عذاب کے جلدی آنے کا سبب ہے وہ بغاوت

ہے اور جن چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی جاتی ہے ان میں سے جو عمل سب سے بڑھ کر اجر و ثواب کا جلد از جلد باعث بنتا ہے وہ صلہ رحمی ہے اور جھوٹی قسم کھانا شہروں اور ملکوں کو دیران کر دیتی ہے۔

بِأَيِّ عَجَلٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِمَا يَقْتَضِي اللَّهُ تَعَالَى بِهِ شَيْءٌ هُوَ أَعْجَلُ عِقَابًا مِنَ الْبُغْيِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَطْلَعَ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ أَسْرَعَ ثَوَابًا مِنَ الصَّلَاةِ وَالْيَمِينِ الْفَاجِرَةُ تَدْعُ الدِّيَارَ بِلَاقِعٍ

اور ایک روایت یوں ہے کہ جو عمل بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کیا جائے وہ صلہ رحمی سے بڑھ کر بہت جلد ثواب پالنے کا سبب نہیں بنتا اور جو عمل بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کیا جائے وہ بغاوت سے بڑھ کر عذاب الہی کا سزاوار نہیں بنتا اور جھوٹی قسم شہروں کو دیران کر دیتی ہے۔

وَلَيْسَ دَوَائِيَّةٌ مِمَّا مِنْ عَمَلٍ أَطْلَعَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ بِأَعْجَلِ ثَوَابًا مِنَ صَلَاةِ الرَّجِيمِ وَمَا مِنْ عَمَلٍ غَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ بِأَعْجَلِ عَقُوبَةٍ مِنَ الْبُغْيِ وَالْيَمِينِ الْفَاجِرَةُ تَدْعُ الدِّيَارَ بِلَاقِعٍ

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جو جرم بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کیا جاتا ہے وہ بغاوت سے بڑھ کر عذاب کا زیادہ جلدی سبب نہیں بنتا۔

وَلَيْسَ دَوَائِيَّةٌ مِمَّا مِنْ عَقُوبَةٍ وَمِمَّا يَقْتَضِي اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ بِأَعْجَلِ مِنَ الْبُغْيِ

ابن ماجہ (۱۶۷) مسند الحارثی (۸۷۵)

حل لغات

”لَيْسَ“ افعال ناقصہ میں سے فعل ناقص ہے جو اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں اور یہاں ”شَيْءٌ“، ”لَيْسَ“ کا اسم ہے۔ دراصل اسم تفضیل اس کی خبر ہے۔ ”يَقْتَضِي“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع مجہول باب حَضَرَتْ، مضروب سے ہے اس کا معنی ہے: نافرمانی کرنا، حکم عدولی کرنا۔ ”تَدْعُ“ صیغہ واحد مؤنث غائب، فعل مضارع معروف، باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: ترک کرنا، چھوڑنا، رخصت کرنا۔ ”الْكِبَارُ“، ”قَادُ“ کی جمع ہے اس سے مراد مالک و بلاد ہیں۔ ”بِلَاقِعٍ“، ”بِلَاقِعٍ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: صحراء، جنگل، مراد یہ ہے: ہشتے بستی ملک دشمن جھوٹی قسم کی محسوس کی وجہ سے جنگوں کی طرح تباہ و برباد اور دیران و اجاز ہو جاتے ہیں۔

قسم کی اقسام، یمن غموس و بغاوت کی مذمت اور صلہ رحمی کی فضیلت

قسم کی تین اقسام ہیں:

(۱) یمن لغو کہ آدمی کسی واقعہ کو اپنے خیال میں صحیح جان کر قسم کھائے اور حقیقت میں وہ ایسا نہ ہو تو ایسی قسم معاف ہے اس پر کفارہ لازم نہیں ہے۔

(۲) یمن غموس کہ ماضی کے کسی واقعہ پر قصداً جھوٹی قسم کھائے، ایسی قسم کھانے والا گنہگار اور سزا کا مستحق ہے اس میں کفارہ تو لازم نہیں لیکن توبہ لازم ہے۔

(۳) یمن منعقدہ کہ کسی آئندہ امر پر قصداً قسم کھائی جائے ایسی قسم توڑنا گناہ بھی ہے اور اس پر کفارہ بھی لازم ہے۔

اس حدیث میں یمن غموس کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ قسم شہروں کو تباہ و برباد اور انہیں دیران کر دیتی ہے اور غموس کا معنی ہے: ڈوب دینا، چونکہ یہ جھوٹی قسم انسان کو دنیا میں گناہ میں اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں ڈوب دیتی ہے اس لیے اس قسم کا نام یمن غموس رکھا گیا ہے اور اس حدیث میں صلہ رحمی کی اہمیت و فضیلت بھی واضح کی گئی ہے کہ جس نیکی پر سب سے زیادہ جلدی اجر و ثواب ملتا ہے وہ صلہ

رحمی ہے یعنی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلق جوڑنا اور بغاوت کی مذمت کر کے واضح کر دیا گیا ہے کہ جس بُرائی پر سب سے جلدی طلب ملتا ہے وہ بغاوت ہے بغاوت سے مراد برحق عادل و منصف امام وقت کے خلاف سرکشی اور حکم عدولی کرنا۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یحییٰ بن عوف جیسے یحییٰ بن ظاہر بھی کہا جاتا ہے یعنی جھوٹی قسم اور بغاوت و سرکشی اور قطع رحمی کبیرہ گناہوں میں سے ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

من الکبائر الاشرار بالله وعقوق الوالدین
ولعل النفس والیحین الغموس [اعلام السنن ج ۸ ص ۸۳۰]
یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور یحییٰ بن عوف (یعنی جھوٹی قسم کھانا) کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔

گناہ کی منت میں قسم توڑنا اور کفارہ

ادا کرنا واجب ہے

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کرنے کی منت مان لے تو اسے چاہیے کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کر لے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی منت مان لے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہرگز نہ کرے اور شدید غصہ میں منت ماننا مستحبر نہیں ہے۔

بخاری (۶۶۹۶) ابوداؤد (۳۲۸۹) ترمذی (۱۵۲۶) ابن ماجہ (۲۱۲۶) نسائی (۳۸۳۷) ابن حبان (۴۳۸۷) طحاوی (۴۲۲۲) مسند احمد

(۲۴۵۷۶)

۳۰۶۔ ابوحنیفہ عن محمد بن الزبیر النخعی
عن الحسن بن عمران قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه ولا نذر في عصب.
حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں منت ماننا جائز نہیں ہے اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

مسلم (۴۲۴۵-۴۲۵۳) ابوداؤد (۳۲۹) ابن ماجہ (۲۱۲۵) نسائی (۳۸۶۵) ابن حبان (۴۳۹۱)

حل لغات

”نذر“ صیغہ واحد مکرغائب فعل ماضی معروف مثبت باب حَسَرْتُ يَعْصِرُ سے ہے اس کا معنی ہے: منت ماننا۔ ”فَلْيُطِيعْهُ“ اس میں حرف فاء جزاء کا ہے اور اس کے آخر میں ضمیر مذکر مفعول یہ ہے اور باقی ”يُطِيعْ“ صیغہ واحد مکرغائب معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: اطاعت کرنا فرماں بردار ہونا۔ ”كُفَّارَةٌ يَوْمِي“ دراصل ”كُفَّارَةٌ يَوْمِي“ ہے حرف تشبیہ محذوف ہے۔

شدید غصہ کی حالت میں نذر کا حکم

اس باب کی پہلی حدیث کو امام بخاری امام احمد بن حنبل اور ائمہ اربعہ (ترمذی ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ) نے حضرت عائشہ

دینا مؤاخذہ کرنا۔ ”اَيْمَانٌ“ یہ یحیٰ کی جمع ہے ”یَمِیْنٌ“ کا معنی قسم ہے اور اس کا ایک معنی دایاں ہاتھ بھی ہے۔ ”یَحْضِلُ“ صیغہ واحد
مکرر غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب حَضَرَبَ يَحْضِرُ سے ہے اس کا معنی ہے: جوڑنا، جمع کرنا اور ملانا۔ ”لَا يَحْضِرُ“ صیغہ
واحد مکرر غائب، فعل مضارع معروف منفی، باب حَضَرَبَ يَحْضِرُ سے ہے اس کا معنی ہے: گروہ لگانا، ہٹاتے ارادہ کرنا۔
یحییٰ لغو اور غموس کی اقسام کی توضیح

اس باب کی دونوں احادیث کو اصحاب السنن نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

[شرح منہاج امام اعظم لاملی قاری ص ۱۰۸، نیز ص ۵۷۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

اگر کوئی شخص ماضی یا حال کے کسی کام پر اپنے گمان میں جچی قسم کھائے لیکن درحقیقت وہ جھوٹی قسم ہو تو یہ یحییٰ لغو ہے اس کو لغو
اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا کوئی ثمرہ اور نتیجہ مرتب نہیں ہوتا کیونکہ نہ تو یہ گناہ ہے اور نہ اس میں کفارہ ہے۔ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ
انسان کی زبان پر بلا قصد جو قسم جاری ہو جاتی ہے جیسے ”لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰی وَاللّٰهِ“ نہیں الہکی قسم اور ہاں اللہ کی قسم ایہ یحییٰ لغو ہے۔
امام محمد نے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ جو قسم بلا قصد ہو وہ یحییٰ لغو ہوتی ہے لیکن امام ابو حنیفہ کا یہ قول حال یا
ماضی کے بارے میں ہے اور اگر مستقبل کے بارے میں بلا قصد قسم کھائی جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس میں کفارہ ہے جبکہ امام
شافعی کے نزدیک اگر کسی نے مستقبل میں کسی کام کے کرنے کی بلا قصد قسم کھائی تو اس میں کفارہ نہیں ہے۔ اس قول کے اظہار سے
احناف کے نزدیک یحییٰ لغو کی دو قسمیں ہیں: (۱) ماضی یا حال کے کسی کام پر اپنے گمان میں جچی قسم کھانا اور حقیقت میں وہ جھوٹ ہو
(۲) ماضی یا حال کی کسی بات میں زبان پر بلا قصد قسم جاری ہو جائے۔ اگر مستقبل میں کسی ممکن کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے تو
یہ یحییٰ منعقدہ ہے اس قسم کو پورا کرنا ضروری ہے اگر قسم کو پورا نہ کیا تو کفارہ لازم ہوگا۔ یحییٰ منعقدہ میں ممکن کی قید اس لیے لگائی گئی ہے
کہ اگر وہ کام ممکن نہ ہو تو وہ یحییٰ غموس ہوگی مثلاً کوئی شخص قسم کھائے کہ اللہ کی قسم اس سورج طلوع نہیں ہوگا یا اللہ کی قسم! میں نہیں مروں
گا، تو یہ قسم جھوٹ ہے اور قسم کھانے والا گنہگار ہوگا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یحییٰ غموس کا تعلق ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں
کے ساتھ ہے۔ [شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۵۵۹، مطبوعہ مکتبہ دارالاحیاء، اردو بازار لاہور، جوالہ رد المحتار ج ۳ ص ۶۶، مطبوعہ مکتبہ احیاء]

قسم میں ان شاء اللہ کہنے کا حکم

۴۔ بَابُ الْاِسْتِثْنَاءِ فِي الْيَمِيْنِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز پر قسم کھائی اور اس کے ساتھ استثناء کر لیا
تو اس کا استثناء کہنا معتبر ہوگا۔

۳۱۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنِ اَبِيهِ عَنْ عَبْدِ
اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مَنْ
خَلَفَ عَلٰی یَمِيْنٍ وَاسْتثنٰی فَلَهُ ثَنَابٌ.

ابوداؤد (۳۲۶۱) ترمذی (۱۵۳۲) نسائی (۳۸۵۹) ابن

ماجہ (۲۱۰۴) ابن حبان (۴۳۳۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے
کسی چیز پر قسم کھائی اور اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ دیا تو اس نے استثناء
صحیح کر لیا۔

۳۱۱۔ حَمَّادٌ عَنْ اَبِيهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
عَنْ اَبِيهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مَنْ خَلَفَ عَلٰی یَمِيْنٍ
وَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقَدْ اِسْتثنٰی.

ابوداؤد (۳۲۶۱) ترمذی (۱۵۳۲) نسائی (۳۸۵۹) ابن ماجہ (۲۱۰۴) ابن حبان (۴۳۳۹)

حل لغات

”خَلَفَ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: خلف اٹھانا، قسم کھانا۔ ”اِسْتَنْشَى“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب اسْتَعَالَ سے ہے اس کا معنی ہے: استثناء کرنا، کسی چیز کو سابق قسم سے الگ کرنا، ان شاء اللہ کہنا۔

قسم کے بعد متصل ان شاء اللہ کہنے کا حکم

جہور فقہاء اسلام کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھانے کے بعد متصل ان شاء اللہ کہہ دیا تو یہ استثناء ہے اور اس شخص کی قسم منعقد نہیں ہوگی اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال من حلف على يمين فقال ان شاء الله فقد استثنى.
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے قسم کھا کر ان شاء اللہ کہا اس نے استثناء کر لیا۔

[سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۰۸، مطبوعہ مطبع جہاں پاکستان لاہور]

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ [جامع ترمذی ص ۲۴۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی]

نیز امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من حلف لاستثنى فان شاء رجع وان شاء لم يرد غير حث. [سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۰۸، مطبوعہ مطبع جہاں پاکستان لاہور]
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حلف فرمایا: جس شخص نے قسم کھا کر استثناء کر لیا وہ چاہے تو رجوع کر لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اس میں شرط یہ ہے کہ استثناء قسم کے ساتھ متصل ہو اور قسم اور استثناء کے درمیان کوئی اور کلام نہ ہو اور نہ ان کے درمیان اتنا سکوت کرے جس میں کلام ہو سکے ہاں سانس ڈکنے کی وجہ سے یا تمکادٹ سے یا چیمٹک کر یا کسی اور عارضہ کی وجہ سے جو سکوت ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام مالک، امام شافعی، ثوری، ابو حنیفہ، اصحاب اراء (فقہاء حنفیہ) اور اسحاق کا بھی یہی موقف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ”من حلف لاستثنى“ جس نے قسم کے بعد استثناء کیا اس کا تقاضا یہ ہے کہ استثناء قسم کے بعد ہو۔ امام مالک سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر طویل فصل نہ ہو پھر بھی استثناء صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں قریش سے جنگ کروں گا پھر آپ کچھ دیر خاموش رہے اس کے بعد فرمایا: ان شاء اللہ! کیونکہ یہ قریب میں استثناء ہے اور اس کے ساتھ دوسرا کلام غلط نہیں ہوا۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، ثوری، اوزائی، اسحاق، ابو ثور اور ابن منذر کے نزدیک شرط یہ ہے کہ استثناء زبان کے ساتھ ہو اور دل کے ساتھ استثناء کافی اور مفید نہیں ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے حلف اٹھانے کے بعد ان شاء اللہ کہا“ اور کہنا زبان سے بولنا ہے۔

ہر وہ قسم جو کفارے کا موجب ہے اس میں استثناء صحیح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی قسم یا ظہار یا نذر۔ اور جب طلاق دینے یا غلام آزاد کرنے میں استثناء کیا تو امام احمد نے اس مسئلہ میں اکثر توقف کیا ہے اور ایک جگہ قطعیت کے ساتھ کہا ہے کہ یہاں استثناء غیر مفید ہے۔ یعنی جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تمہیں طلاق ہے انشاء اللہ! تو امام احمد نے اس کے جواب میں توقف کیا ہے کیونکہ

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور ایک روایت میں کہا کہ یہ استثناء مفید نہیں ہے۔ امام اوزاعی 'حسن' کو وہ کا بھی یہی موقف ہے اور طاؤس 'حادث' امام شافعی 'ابو ثور' اصحاب الرائے (فقہاء احناف) کا موقف یہ ہے کہ اس میں بھی استثناء صحیح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من حلف لفلان ان شاء الله لم يحدث" جس شخص نے حلف اٹھایا اور ان شاء اللہ کہا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

[شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۵۹۳-۵۹۲، بحوالہ المغنی ج ۹ ص ۳۱۵-۳۱۲، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شرعی سزاؤں کے احکام

شراب، جوا اور دیگر چیزوں

کی حرمت

۱۵۔ كِتَابُ الْحُدُودِ

۱۔ بَابُ حُرْمَةِ الْخَمْرِ

وَالْقَمَارِ وَغَيْرِهِمَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے

فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شراب، جوئے، گانے کے

آلات اور شطرنج کو حرام قرار دیا ہے۔

۳۱۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

إِنَّ أَلْسَةَ عَمْرٍةَ لَكُمْ الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْقَمَارُ مَا زَا

وَالْكُؤُوتَةُ. ابوداؤد (۳۶۸۵) مسند احمد (ج ۲ ص ۱۸۵)

عمل لغات

"عمرة" صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف، باب منوع من منع سے ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کو ناپسند کرنا، حرام قرار

دینا۔ "الخمير" شراب۔ "الميسر" جوا۔ "القمار" گانے، بجانے کا آلہ۔ "الکؤوتہ" شطرنج، "زؤؤگڈگی" چھوٹا طبلہ۔

شراب، جوا، نیز آلات غناء کی حرمت کے دلائل

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب پینے والابت پرستی کرنے والے کی طرح ہے۔ [کنز العمال: ۳۶۹۳]

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص شراب پی لے اس کی چالیس راتوں تک نمازیں قبول

نہیں ہوتیں پھر اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے پھر اگر وہ دوبارہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو یہ حق پہنچتا

ہے کہ وہ اسے سیر خبال سے سیراب کرے، عرض کی گئی: سیر خبال کیا چیز ہے؟ فرمایا: روز خبوں کی پیپ ہے۔

[کنز العمال: ۳۷۰۰]

(۳) حضرت ابن عمر کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ جو شخص شراب پی لیتا ہے اس کی نمازیں چالیس روز تک اللہ تعالیٰ قبول نہیں

فرماتا، پھر اگر وہ انہیں چالیس دنوں میں فوت ہو جائے تو دوزخ میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں

دیکھے گا۔ [کنز العمال: ۱۳۷۰۱]

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: شراب پینے والے پلانے والے، اسے تیار کرنے والے، تیار کرانے

والے اس کو فروخت کرنے والے اس کو خریدنے والے اس کی قیمت کھانے والے اس کو اٹھا کر لے جانے والے اور جس شخص

کی طرف اٹھا کر لے جائی گئی سب پر لعنت کی گئی ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۷۰۲]

(۵) امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا اور شطرنج اور طبلہ وغیرہ

کو حرام قرار دیا ہے اور آپ نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(۶) شرح السنۃ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گانے بجانے کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔
(۷) امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو امامہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: تم گانے بجانے والی لوہڑیوں کو نہ فروخت کرو اور نہ انہیں تم خرید کرو اور نہ تم انہیں گانا بجانا سکھاؤ۔

(۸) امام ابو داؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب نوشی جو بازی، طبلہ بازی اور خصوصاً جوار اور ہاجرہ سے تیار کردہ شراب سے منع فرمایا ہے۔

(۹) امام دارمی نے انہیں سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک ماں باپ کا نافرمان جنت میں نہیں جائے گا اور نہ جو اکیلے والا نہ احسان جتانے والا اور نہ ہمیشہ شراب پینے والا جائے گا۔

(۱۰) امام احمد نے حضرت ابو امامہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے سراپا ہدایت و رحمت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب عزوجل نے مجھے حکم دیا کہ میں معازف و مزامیر اور جوں اور صلیب اور امور جاہلیت کو مٹا دوں اور میرے رب عزوجل نے اپنی عزت و جلال کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے جو بندہ شراب نوشی کرے گا میں اسے اسی طرح چھپ پھاؤں گا اور جو بندہ میرے خوف کی وجہ سے اسے چھوڑے رکھے گا میں اسے حوض قدس سے سیراب کروں گا (ہاتھوں سے بجائے جانے والے آلات غناء کو معازف اور منہ سے بجائے جانے والے آلات غناء کو مزامیر کہا جاتا ہے) اور شراب پینے والے کی بُرائی میں بہت سی احادیث وارد ہیں اور اسی طرح گانے بجانے کے آلات کی حرمت میں بہت سی احادیث وارد ہیں لہذا وہ ہے کہ فقہاء نے معازف و مزامیر کو حرام قرار دیا ہے اور مزامیر اور دیگر محارم سے خالی غناء کے بارے میں طویل کلام کیا ہے اور اکثر فقہاء نے اسے ناپسند کیا ہے پھر شراب اور جوئے کی حرمت و مذمت کے بارے میں درج ذیل ارشادات باری تعالیٰ کافی ہیں:

(۱) يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا (البقرہ: ۲۱۹)

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنتُمْ مُنْتَهُونَ (المائدہ: ۹۰)

ماخوذ از تفسیر النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۵۶-۱۵۵

۲۔ بَابُ حَلِّ الشَّرْبِ وَحَلِّ السَّرْقَةِ

۳۱۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ

شراب نوشی اور چوری کرنے کی سزا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی

لَا أَنَا زَجَلٌ بِإِثْنِ أَحَدٍ لَهُ نَشْوَانٌ قَدْ ذَهَبَ عَقْلُهُ
لَا مَرَبَ لِحُبْسٍ حَتَّى إِذَا صَحَا وَآلَمَ عَنِ الشُّكْرِ
دَعَا بِالسُّوْطِ لَقَطَعَ تَمَرَةً ثُمَّ رَفَعَهُ وَدَعَا جَلَادًا فَقَالَ
إِجْلِدْنِي عَلَى جِلْدِيهِ وَارْفَعْ يَدَكَ فِي جِلْدِكَ وَلَا تَبْدَأْ
حَبْلِيكَ. قَالَ وَاللَّهِ عَبْدُ اللَّهِ يَعُدُّ حَتَّى اكْتَمَلَ
ثَمَانِينَ جَلْدَةً عَلَى سَبِيلِكَ فَقَالَ الشَّيْخُ يَا أَبَا عَبْدِ
الرَّحْمَنِ وَاللَّهِ إِنَّهُ لَا بَيْنَ أَيْمَنِ وَمَالِي وَلَدٌ غَيْرُهُ فَقَالَ
هَرُ الْوَعْدِ وَاللَّهِ إِلَيَّ الْيَوْمِ أَنْتَ كُنْتَ وَاللَّهُ مَا أَحْسَنْتَ
أَكْبَهُ حَبِيرًا وَلَا سَعَرَتَهُ عَمِيرًا. قَالَ ثُمَّ أَتَيْنَا بِعَدُوِّنَا
فَقَالَ إِنْ أَوَّلَ حَلَا أَقْبَمَ فِي الْإِسْلَامِ بِسَارِي أَيْمِي بِهِ
إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَتْ عَلَيْهِ
الْبَيْتَةُ قَالِ انْكَبِقُوا بِهِ فَانْكَبُوا فَلَمَّا انْطَلَقَ بِهِ نُجِرَ
إِلَى وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتَا سَفْ
حَتَّى وَاللَّهِ الرَّمَادُ فَقَالَ بَعْضُ جُلَسَائِهِ يَا رَسُولَ
اللَّهِ لَكُنَّا هَذَا لَوْ أَحَقَّ عَلَيْكَ فَقَالَ وَمَا يَمْنَعُنِي
أَنْ يُنْفَعُ عَلَيَّ أَنْ تَكُونُوا أَهْوَانَ الشَّيَاطِينِ عَلَيَّ
أَعْبَئُكُمْ فَلَمَّا قَالُوا فَلَوْلَا خَلَّيْتُ سَبِيلَهُ قَالَ أَفَلَا تَكُنْ هَذَا
قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِي بِهِ فَإِنَّ الْإِمَامَ إِذَا انْتَهَى إِلَيْهِ خَلَّ
فَلَيْسَ بِمَنْبُئِي لَهُ أَنْ يُعْطَلَ لَأَنْ تَمُوتَ تَلَا وَلْيُغْفَرُوا
وَلْيُصْفَحُوا. (الترمذی: ۲۲۰۱)

اپنے پیچھے کو لے کر ان (حضرت ابن مسعود) کے پاس آیا وہ لڑکا نشے
میں مست تھا جس کی وجہ سے اس کی عقل ماؤف ہو چکی تھی ان (حضرت
ابن مسعود) کے حکم پر اسے قید کر دیا گیا یہاں تک کہ جب وہ ہوش میں
آ کر صحیح ہو گیا اور نشے کی حالت سے اسے افادہ حاصل ہو گیا تو حضرت
ابن مسعود نے ایک کوڑا منگوا لیا اور اس کا پھل کاٹ کر پھر اسے نرم کیا اور
ایک جلا کو بلایا اور فرمایا: اس کے جسم پر کوڑے مارو اور کوڑا مارتے وقت
اپنا ہاتھ بلند کرنا لیکن تم اپنی بظلوں کو ظاہر نہ کرنا اور حضرت عبداللہ نے
اتفاق کر کے کوڑے گنتا شروع کر دیئے جب جلا نے پورے اتنی کوڑے
مار لیے تو آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا سو اس بوڑھے (چچا) نے کہا:
اے ابو عبدالرحمن! (یہ حضرت ابن مسعود کی کنیت ہے) اللہ تعالیٰ کی قسم! ا
یہ میرا بھتیجا ہے اور اس کے علاوہ میرا کوئی بچہ نہیں ہے حضرت عبداللہ
نے فرمایا: تم اس کے بہت بُرے چچا ہو اور اس خیم کے تم بہت بُرے
سرپرست ہو اللہ تعالیٰ کی قسم! تم نے اس کو نہ بچپن میں ادب سکھایا اور نہ
بڑا ہونے پر تم نے اس کی پردہ پوشی کی راوی نے کہا: پھر حضرت ابن
مسعود ہمیں حدیث بیان کرنے لگے کہ بے شک اسلام میں سب سے
پہلے جو حد (سزا) قائم کی گئی وہ ایک چور پر نافذ کی گئی تھی جسے نبی ﷺ
کی خدمت میں پیش کیا گیا سو جب اس کے خلاف گواہی قائم ہو گئی تو
آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو لے جاؤ اور اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دو چنانچہ
جب اسے لے جایا جانے لگے تو آپ کے چہرہ کی طرف دیکھا گیا (تو
رنج غم کی وجہ سے اس قدر چہرہ خفیر ہو گیا کہ) گویا نبی کریم ﷺ کے
چہرہ پر رکھ کر دیکھ دی گئی ہے سو حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کی:
یا رسول اللہ! یقیناً یہ بات آپ پر بہت گراں گزری ہے تو آپ نے
فرمایا: یہ بات مجھ پر گراں کیوں نہیں گزرتی کہ تم اپنے مسلمان بھائی
کے بارے میں شیطان کے معاون و مددگار بن رہے ہو لوگوں نے عرض
کیا کہ پھر آپ نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا آپ نے فرمایا: کیا میرے
پاس لانے سے پہلے سے نہیں چھوڑا جاسکتا تھا کیونکہ جب امام کے
پاس قاطبی حد جرم ثابت ہو جائے تو اس کے لیے اس جرم پر سزا کو معطل
کرنا مناسب و جائز نہیں ہوتا۔ حضرت یحییٰ کہتے ہیں: پھر آپ (علیہ
الصلوة والسلام) نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”وَلْيُغْفَرُوا وَلْيُصْفَحُوا“ (النور

(۲۲) اور انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔

اور ایک روایت حضرت ابن مسعود سے اس طرح مروی ہے کہ ایک آدمی اپنے پیچھے کو لے کر آیا جو نشے کی حالت میں بے ہوش تھا، سو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تم اسے حرکت دے کر ہلاؤ اور چھوڑ دو اور اس کی بوسہ لھو (جب ایسا کیا گیا) تو انہوں نے اس کے منہ سے شراب کی بر آتی ہوئی پانی جس کی بناء پر حضرت ابن مسعود نے اس کو قید کرنے کا حکم دیا پھر وہ صبح ہو گیا تو آپ نے اس کو بلایا اور ایک کوڑا منگوا یا اور اسے درست کرنے کا حکم دیا تو اس سے پھل کاٹ دیا گیا اور باقی حسب سابق حدیث ذکر کی۔

اور ایک روایت حضرت ابن مسعود سے یوں مروی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی حد جو لگائی گئی وہ یہ تھی کہ ایک چور کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا سو آپ نے اس کے متعلق حکم جاری فرمایا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا جب اس کو لے کر چلے تو کسی کی نظر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ پر پڑی کہ گویا آپ کے چہرہ میں راکھ بکھیر دی گئی ہے کسی صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ پر یہ معاملہ بہت گراں گزر رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ مجھ پر بہت گراں کیوں نہیں گزرے گا کہ تم اپنے ایک مسلمان بھائی کے معاملے میں شیطان کے مددگار بن رہے ہو انہوں نے عرض کیا: تو کیا ہم اسے چھوڑ نہ دیں؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اسے میرے پاس لانے سے پہلے نہیں چھوڑ سکتے تھے؟ کیونکہ جب امام کے پاس کوئی قاتل حد جرم ثابت ہو جائے تو پھر اس کے لیے مجرم کو چھوڑنا جائز نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ اس پر سزا جاری کروئے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”وَلْيَعْلَمُوا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ“ انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔

وَلْيَ رَوَاهُ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى بِإِنْسٍ أَحْلَسَ سَكْرَانًا لَقَالَتْ قَرِيرَةُ وَهَزْمَةُ وَاسْتَفْكَهُوهُ لَوْ جَدُّوْا مِنْهُ رِيحَ شَرَابٍ لَأَمَرَهُ بِحَبْسِهِ فَلَمَّا صَبَحَا دَعَا بِهِ وَدَعَا بِسَوْطٍ فَأَمَرَ بِهِ فَنُفِطَتْ ثَمَرَتُهُ وَذَكَرَ الْحَدِيثُ.

وَلْيَ رَوَاهُ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِنَّ أَوَّلَ حَدٍّ أُقِيمَ فِي الْإِسْلَامِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِسَارِيٍّ فَأَمَرَ بِهِ فَنُفِطَتْ يَدُهُ فَلَمَّا انْطَلَقَ بِهِ نَظَرَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّمَا يُسْفُ فِي وَجْهِهِ الرَّمَادُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّهُ شَقٌّ عَلَيْكَ فَقَالَ أَلَا يَشُقُّ عَلَيَّ أَنْ تَكُونُوا أَغْوَانًا لِلشَّيْطَانِ عَلَى أَيْمَانِكُمْ فَلَا تَدَعُهُ لَأَنَّ أَفْلَا حُكَّانَ هَذَا قَبْلَ أَنْ تَوَلِّيَ بِهِ وَأَنَّ الْإِمَامَ إِذَا رُلِعَ إِلَيْهِ الْحَدُّ فَلَيْسَ بِبَيِّنٍ لَهُ أَنْ يَدْعَهُ حَتَّى يُسَمِّيَهُ ثُمَّ تَلَاوُفَعُوا وَلْيَصْفَحُوا الْإِمَامُ.

مسند الحارثی (۷۲۴)

حل لغات

”نَشْرَانٌ“ بمعنی سکران ہے یعنی نشہ میں مدہوش ہونا۔ ”حُبْسٌ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی مجہول مثبت، باب ضَرْبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کو قید کرنا، بند کر دینا۔ ”صَحَا“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: ہوش میں آنا۔ حالت سکر سے حالت صحو میں آنا۔ ”رُلِعَ“ میں ”رُلِيَ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب ضَرْبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: نرم کرنا، اس میں خمیر مفعول یہ ہے۔ ”مَفْرُتٌ“ صیغہ واحد مذکر حاضر، فعل ماضی معروف مثبت، باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: ڈھا پنا، پردہ ڈالنا، پردہ پوشی کرنا۔ ”مُفَّ“ صیغہ واحد مذکر

غائب، فصل ماضی بھول ثبت، باب ضرب مغضوب سے ہے اس کا معنی ہے: بکھیرنا پھیلانا۔

شرابی کی سزا کے بارے میں چند ضروری احکام

اس حدیث سے درج ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں:

- (۱) مجرم کو نشے کی حالت میں سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اسے قید میں رکھا جائے گا جب نشہ ختم ہو جائے گا تو پھر اسے سزا دی جائے گی تاکہ اسے تکلیف و درد محسوس ہو اور اسے عبرت حاصل ہو۔
- (۲) حد جاری کرنے کے لیے شرابی کا مسلمان، قتل، بالغ، عاقل، غیر مضطرب، اکراہ شرعی ہونا ضروری ہے اگر یہ تمام شرطیں پائی جائیں تو جو غمر کا ایک قطرہ بھی پئے تو اس پر حد قائم کی جائے گی جب کہ اسے اس کا حرام ہونا معلوم ہو، کافر یا مجنون یا نابالغ یا گوسخے نے پی تو حد نہیں، یوں ہی اگر پیاس سے مر اجاتا تھا اور پانی نہ تھا کہ پی کر جان بچا لیتا اور اتنی پی کہ جان بچ جائے تو حد نہیں، اگر ضرورت سے زیادہ پی تو حد ہے، یوں ہی اگر کسی نے شراب پینے پر مجبور کیا یعنی اکراہ شرعی پایا گیا تو حد نہیں۔ شراب کی حرمت کو جانتا ہو اس کی صورتیں ہیں ایک یہ کہ واقع میں اسے معلوم ہو کہ یہ حرام ہے دوسرا یہ کہ دارالاسلام میں رہتا ہو اگرچہ نہ جانتا ہو حکم بھی دیا جائے گا کہ اسے معلوم ہے کیونکہ دارالاسلام میں جہل عذر نہیں۔ [بہار شریعت، حصہ نمبر]
- (۳) غم کے علاوہ اور شرابیں پینے سے حد اس وقت ہے کہ نشہ آ جائے۔ [بہار شریعت، حصہ نمبر، حوالہ درمختار]
- (۴) شراب کی حد میں آزاد کو اسی (۸۰) کوڑے اور غلام کو چالیس (۴۰) کوڑے مارے جائیں گے۔
- (۵) ہنگے بدن پر اس کے مختلف حصوں پر کوڑے مارے جائیں گے۔
- (۶) لوہے کے سر پہ یا لکڑی کے مونے لٹے یا جوتے وغیرہ نہیں مارے جائیں گے بلکہ ہار یک کوڑے یا چابک سے مارا جائے گا۔

(۷) جلا کوڑے مارتے وقت ہاتھ اوپر اٹھا کر مارے دبا کر نہیں کہ اس میں ضرب ہلکی لگتی ہے۔

(۸) کوڑے مارتے وقت جلا دینا ہاتھ اس قدر بلند نہ اٹھائے کہ اس کی بظاہر نظر آئیں۔

(۹) دلی اور سر پرست پر واجب ہے کہ چھوٹے بچوں کی تربیت اور ان کی اخلاقی اور دینی تربیت اچھی طرح کرے تاکہ وہ بڑے ہو کر فلاح کام نہ کریں ورنہ دلی اور سر پرست گنہگار ہوگا۔

(۱۰) قاضی کے پاس لانے سے پہلے مجرم سے درگزر کریں اور پردہ پوشی کریں اور اسے نصیحت کرتے ہوئے نرائی کے انجام سے ڈرائیں اور آئندہ باز آنے کی تلقین کریں۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے عیبوں اور گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیبوں اور گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

(۱۱) اگر شرابی کے منہ سے شراب پینے کی بو آ رہی ہو تو اسے حد لگانے کے لیے بھی ثبوت کافی ہے۔

(۱۲) مجرم کی سزا پر قاضی وغیرہ کا دکھ اور درد محسوس کرنا مستحسن عمل ہے کہ یہ اسلامی اخوت کی دلیل اور ہمدردی کی علامت ہے۔

(۱۳) جب مجرم قاضی کے سامنے پیش ہو جائے اور اس کے خلاف ثبوت جرم ثابت ہو جائے تو پھر حد لگانا واجب ہو جاتا ہے اور ایسی صورت میں درگزر کرنا اور معافی دینا ہرگز جائز نہیں۔

ہاتھ کاٹنے کی مالیت کا بیان

۳۔ بَابُ فِيمَا يَقُطَعُ فِيهِ الْيَدُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

۳۱۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنِ اَبِيهِ عَنْ عَبْدِ

اللَّهُ قَالَ كَانَ يَفْقَهُ الْيَدُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَشْرَةِ ذَرَاهِمَ وَفِي رِوَايَةٍ آخَرَةٍ كَانَ الْقَطْعُ فِي عَشْرَةِ ذَرَاهِمَ.

ابن ماجہ (۴۳۸۷) نسائی (۴۹۵۰)

حل لغات

”يَفْقَهُ“ میفہمہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع مجہول، مثبت، باب ففتح یفتح سے ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کو کاٹنا، جدا کرنا، الگ کرنا۔

چور کے ہاتھ کاٹنے کی حکمت

قاضی میاض لے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم اور احسان ہے کہ اس نے چور کے ہاتھ کاٹنے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا اور اگر کوئی شخص اچک کر کوئی چیز لے جائے یا لوٹ کر لے جائے یا غصب کر لے تو اس پر حد مقرر نہیں (ہر چہ کہ اس میں تعویذ ہے) کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گواہ قائم کیے جاسکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جاسکتا ہے اس کے برخلاف چور چونکہ چھپ کر مال کے جاتا ہے لہذا اس پر گواہ قائم کرنا مشکل ہے اس لیے اس کی سزا سخت رکھی تاکہ اس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں اور مسلمانوں کے اموال محفوظ رہ سکیں۔ اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو اس کی دیت (معاوضہ) پانچ ہزار درہم ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مسلمان کے ہاتھ کی قیمت پانچ ہزار درہم ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب وہ ہاتھ اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی نہ کرے لیکن یہی ہاتھ اگر چوری کر کے حدود الہیہ کو توڑے تو اس کی قیمت گیارہ درہم بھی نہیں ہے اور صرف دس درہم کی چوری کے عوض اس کے ہاتھ کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے یعنی جب کوئی شخص ظلماً اس ہاتھ کو کاٹ دے اور یہ مظلوم ہو تو اس کی قیمت پانچ ہزار درہم ہے اور جب یہ ہاتھ چوری کر کے ظلم کرے اور ظالم ہو تو اس کی قیمت دس درہم ہے یا جب یہ ہاتھ اٹین ہو تو قیمتی ہے اور جب یہ خائن ہو تو بے قیمت ہے۔

علامہ ابن النضر اور ابن قیم لکھتے ہیں کہ اہل عرب اس شخص کو چور کہتے ہیں جو کسی محفوظ جگہ میں چھپ کر جائے اور کسی غیر کا مال اٹھا کر چلا جائے اگر وہ چھپ کر اٹھا لینے کی بجائے ظاہراً اٹھا لے تو وہ بخلّس اور منہب (اچکا اور لٹیرا) ہے اور اگر زبردستی چھین لے تو وہ غاصب ہے۔

ائمہ ثلاثہ تین درہم یا چوتھائی دینار کو ہاتھ کاٹنے کا نصاب قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب دس درہم یا ایک دینار کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ جو احادیث نصاب کی زیادہ مقدار پر دلالت کرتی ہیں ان پر عمل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے کیونکہ کم مقدار کو نصاب قرار دینے میں عدم جرم کا شبہ ہے اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں بہر حال رسول اللہ ﷺ کے صریح ارشادات، عہد رسالت کے معمولات اور صحابہ کرام میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی تصریحات اور فقہاء تابعین میں سے حضرت عطاء، حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت سعید بن مسیب کے اقوال سے صراحت ثابت ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اور ربع دینار اور تین درہم کی روایات کے مقابلہ میں یہ روایات کثرت مقدار نصاب اور کثرت طرق کی وجہ سے راجح اور اولیٰ ہیں اور یہی فقہاء

احکام کفرم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے۔

[دلائل اور تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۴۵۵-۴۴۲، مطبوعہ طریدہ یک سال، اردو بازار لاہور]

۴۔ بَابُ الْحُدُودِ تَنْذِيرِيٍّ بِالشَّبَهَاتِ
 ۳۱۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ رَوَّأَ
 الْحُدُودَ بِالشَّبَهَاتِ.

ترمذی (۱۴۲۴) ابن ماجہ (۲۵۴۵) صغیر لمسیوطی (ج ۲ ص ۱۲)

حل لغات

”إِذْ رَوَّأَ“ صیغہ واحدہ کر حاضر فعل امر معروف، باب قَتَعَ يَفْتَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: دور کرنا، قطع کرنا، ساقط کرنا۔
 حدود اللہ کے نفاذ میں احتیاط کی تاکید

(۱) اس حدیث کو امام ابن عدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ سے روایت کیا ہے: تم حدود کو شبہات کی وجہ سے دور کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے علاوہ دوسری لغزشوں میں اچھے کام کرنے والوں سے درگزر کیا کرو۔
 (۲) دارقطنی اور ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے کہ تم حدود کو (مسلمانوں سے) دور کیا کرو لیکن (ثبوت کے بعد) حاکم کے لیے حدود کو محفل کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے بندوں سے حدود کو دور کرو جہاں تک تم ان کا دفاع کر سکو۔

(۴) ابن ابی شیبہ ترمذی حاکم اور ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سے جہاں تک ہو سکے تم مسلمانوں سے حدود الہیہ کو دور کرو سوا اگر تم نطفے کی راہ پاؤ تو ان کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ حاکم کا معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملاطی قاری ص ۱۸۶]

شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا

۵۔ بَابُ الرَّجْمِ لِلزَّانِي الْمُتَحَصِّنِ

حضرت ابن بکر مدینہ اپنے والد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماحز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ نیکیوں میں پیچھے رہ جانے والے نے زنا کاری کا ارتکاب کر لیا ہے سو آپ اس پر حد جاری فرمائیں تو رسول اللہ ﷺ نے اسے واپس لوٹا دیا، پھر دوبارہ وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسی طرح اقرار کیا، پھر تیسری دفعہ آیا اور اسی طرح اقرار کیا، پھر چوتھی دفعہ حاضر ہوا اور اعتراف کیا کہ اس نے زنا کیا ہے اس لیے آپ اس پر حد جاری فرمائیں تو آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے صحابہ کرام سے اس کے بارے میں دریافت فرمایا کہ کیا تم اس کی عقل مندی اور سمجھداری

۳۱۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ مَاعِزَ ابْنَ مَالِكٍ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ الْأَيْمَرَ قَدْ زَانَى فَأَقِيمْ عَلَيْهِ الْحَدَّ لِرَدِّهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَتَاهُ النَّاسِيَةُ فَقَالَ لَهُ مِثْلُ ذَلِكَ ثُمَّ أَتَاهُ النَّاعِلَةُ فَقَالَ لَهُ مِثْلُ ذَلِكَ ثُمَّ أَتَاهُ الرَّابِعَةُ فَقَالَ إِنَّ الْأَيْمَرَ قَدْ زَانَى فَأَقِيمْ عَلَيْهِ الْحَدَّ فَسَأَلَهُ عَنْهُ أَصْحَابُهُ هَلْ تَنْكِرُونَ مِنْ عَقْلِهِمْ لَأَنَّهُ لَا قَالَ انْطَلِقُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ قَالَ فَانْطَلَقُوا بِهِ فَرَجِمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا أَبْطَأَ عَلَيْهِ الْقَتْلُ

إِنْصَرَفَ إِلَى مَكَانٍ كَثِيرٍ الْحِجَارَةِ فَقَامَ فِيهِ قَائِمًا
الْمُسْلِمُونَ فَرَجَمُوهُ بِالْحِجَارَةِ حَتَّى قَتَلُوهُ قَبْلَ
ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَذَا خَلِيقَتِي
سَبِيلُهُ فَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِيهِ فَقَالَ قَائِلٌ هَذَا مَا عَزَى
أَهْلَكَ نَفْسَهُ وَقَالَ قَائِلٌ أَنَا أَرَجُو أَنْ يَكُونَ تَوْبَةً
فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَقَدْ
نَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فَنَامَ مِنَ النَّاسِ لَقِيلَ مِنْهُمْ فَلَمَّا
بَلَغَ ذَلِكَ قَوْمًا كَثَرُوا فِيهِ فَسَأَلُوهُ مَا بَصَنَعَ بِجَسَدِهِ
فَلَمَّا أَصْبَحُوا بِهِ مَا تَصْنَعُونَ بِمَوْتَاكُمْ مِنَ الْكَفْرِ
وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ وَالذَّنِّ قَالَ فَاذْكُرُوا بِهِ أَصْحَابَهُ
فَعَلُوا.

سے انکار کرتے ہو (اور اسے دیوانہ قرار دیتے ہو)؟ سب نے کہا: نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کو لے جاؤ اور اسے سنگسار کر دو۔ حضرت بریدہ نے کہا: اس کو لے جایا گیا اور اسے سنگسار کر دیا گیا، لیکن جب اس کے مرنے میں تاخیر ہونے لگی تو اسے زیادہ پتھروں والی جگہ میں لے جا کر وہاں اسے کھڑا کر دیا گیا اور مسلمانوں نے آ کر اس پر پتھر مارنے شروع کیے یہاں تک کہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا حتیٰ کہ یہ خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: تم نے اس کا راستہ کیوں نہیں چھوڑ دیا، سو لوگ اس کے بارے میں ہام اختلاف کرنے لگے چنانچہ کسی نے کہا کہ ماعز نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اور کسی کہنے والے نے یہ کہا کہ مجھے امید ہے کہ یہی اس کی توبہ ہے اور یہ بات جب نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر لوگوں کی ایک بڑی جماعت ایسی توبہ کر لے تو وہ ان کی طرف سے قبول کر لی جائے گی، پھر جب یہ بات ان کی قوم کو پہنچی تو وہ اس میں ثواب کی امید رکھنے لگے اور انہوں نے آپ سے پوچھا کہ ان کی بخشش کے ساتھ کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اس کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تم اپنے دوسرے مردوں کے ساتھ کرتے ہو کہ انہیں کفن پہناؤ اور ان کی نماز جنازہ پڑھو اور انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دو چنانچہ اس کے ساتھی اسے لے گئے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ماعز بن مالک، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زنا کاری کا اقرار کیا تو آپ نے اسے مسٹر فرما دیا، پھر اس نے دوبارہ حاضر ہو کر زنا کاری کا اقرار کر لیا تو آپ نے اسے رڈ فرما دیا، پھر وہ (تیسری دفعہ) واپس لوٹ آیا اور زنا کا اقرار کر لیا مگر آپ نے پھر اسے رڈ کر دیا، پھر وہ واپس لوٹ آیا اور چوتھی دفعہ اقرار کر لیا، سو نبی کریم ﷺ نے اس کی قوم سے اس کے بارے میں سوال کیا کہ کیا تم اس کی عقل کا کچھ انکار کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں! تو آپ نے تھوڑے پتھروں والی جگہ میں لے جا کر اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت بریدہ نے کہا کہ جب اس کی موت میں تاخیر ہونے لگی تو حضرت ماعز زیادہ پتھروں والی جگہ کی طرف دوڑے اور لوگوں نے ان کا تعاقب کیا اور وہاں جا کر اسے پتھر مارنے لگے یہاں

وَلَقَدْ رَوَاهُ قَالَ أَنَّى عَائِزُ بْنُ مَالِكٍ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكْفَرُ بِالزَّانَا لَرَدَّةً ثُمَّ عَادَ
فَأَكْفَرُ بِالزَّانَا لَرَدَّةً ثُمَّ عَادَ فَأَكْفَرُ بِالزَّانَا الرَّابِعَةَ فَسَأَلَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَنْكِحُونَ مِنْ عَقْلِهِ
شَيْئًا قَالُوا لَا قَالَ فَاذْكُرُوا بِهِ أَنْ يُرْجَمَ فِي مَوْجِعٍ قُلِيلٍ
الْحِجَارَةِ قَالَ فَاذْكُرُوا عَلَيْهِ الْمَوْتَ فَاذْكُرُوا يَسْعَى
إِلَى مَوْجِعٍ كَثِيرٍ الْحِجَارَةِ وَاتَّبَعَهُ النَّاسُ فَرَجَمُوهُ
حَتَّى قَتَلُوهُ ثُمَّ ذَكَّرُوا خَاتَنَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَا خَلِيقَتِي سَبِيلُهُ لَأَنْتَعَدَنَ
لَوْنُهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِيلِهِ
وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ لَأَذِنَ لَهُمْ فِي ذَلِكَ قَالَ وَقَالَ عَلَيْهِ

الْحُكْمُ لَهَا تَابَ تَوْبَةُ لَوْ تَابَهَا فَنَامَ مِنَ النَّاسِ قَبْلَ
وَمَنْهُمْ۔

تک کہ انہوں نے اس کو شہید کر دیا۔ پھر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت ماعز کے بھاگنے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم نے اس کا راستہ کیوں نہیں چھوڑ دیا۔ راوی نے کہا کہ حضرت ماعز کی قوم نے رسول اللہ ﷺ سے ان کو فتن کرنے اور نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ بے شک ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر لوگوں کی ایک بڑی جماعت ایسی توبہ کر لے تو ان کی طرف سے توبہ قبول کر لی جائے گی۔

اور ایک روایت یوں ہے کہ حضرت بریدہ نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت ماعز بن مالک کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تو وہ کم پتھریلی جگہ میں کھڑے ہو گئے پھر جب ان کو سنگساری کے ذریعے قتل کرنے میں تاخیر ہوئی تو وہ خود زیادہ پتھریلی جگہ میں چلے گئے اور لوگوں نے اس کا تعاقب کیا یہاں تک کہ پھر مار مار کر اس کو ختم کر دیا اور یہ خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: تم نے اس کا راستہ کیوں نہ چھوڑ دیا؟

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت ماعز بن مالک سنگساری کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تو لوگوں نے ان کے بارے میں مختلف باتیں بتائیں کسی کہنے والے نے کہا کہ ماعز بن مالک نے اپنے آپ کو خود ہلاک کیا اور کسی کہنے والے نے کہا کہ ماعز نے اپنے آپ کو خود بخش کر کے توبہ کی ہے سو جب یہ باتیں نبی کریم ﷺ کو پہنچیں تو آپ نے فرمایا کہ ماعز بن مالک نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ چوگی اور ٹیکس وصول کرنے والا ظالم شخص بھی کر لیتا تو اس کی توبہ قبول کر لی جاتی یا (یہ فرمایا کہ) ایسی توبہ ایک بڑی جماعت کر لیتی تو قبول کر لی جاتی۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ماعز بن مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ اس وقت آپ بیٹھے ہوئے تھے سو اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے زنا کر لیا ہے اس لیے آپ مجھ پر حد جاری فرمائیں تو نبی کریم ﷺ نے اس سے دوسری طرف منہ پھیر لیا حضرت بریدہ نے بتایا کہ حضرت ماعز نے چار مرتبہ اقرار و اعتراف کیا اور نبی کریم ﷺ ہر مرتبہ اس کو روک کر دے ہوئے اس

وَلَيْسَ بِرَوَايَةٍ قَالَ لَمَّا أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا جِزِينَ مَالِكٍ أَنْ يُرْجَمَ قَامَ فِيهِ مَوْجِعٌ لِلْهَلِكِ الرَّجْمَةِ فَاتَّبَعَا عَلَيْهِ الْقَتْلَ فَلَمَّحَتْ بِهِ مَكَانًا عَجِيزًا الرَّجْمَةِ وَاتَّبَعَهُ النَّاسُ حَتَّى رَجَمُوهُ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا غُلَيْتُمْ مَسِيلَةً۔

وَلَيْسَ بِرَوَايَةٍ لَمَّا هَلَكَ مَا جِزِينَ مَالِكٍ بِالرَّجْمِ اِغْتَلَتْ النَّاسُ فِيهِ فَقَالَ قَائِلٌ مَا جِزِينَ أَهْلَكَ نَفْسَهُ وَقَالَ قَائِلٌ تَابَ فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبٌ مَثْنِي لَقَبِلَ مِنْهُ أَوْ تَابَهَا فَنَامَ مِنَ النَّاسِ لَقَبِلَ وَمَنْهُمْ۔

وَلَيْسَ بِرَوَايَةٍ جَاءَ مَا جِزِينَ مَالِكٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي زَنَيْتُ فَأَقِمْ الْعَدَّةَ عَلَيَّ فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبٌ مَثْنِي لَقَبِلَ مِنْهُ أَوْ تَابَهَا فَنَامَ مِنَ النَّاسِ لَقَبِلَ وَمَنْهُمْ۔

سے منہ پھیر لیتے رہے لیکن چوتھی مرتبہ آپ نے (صحابہ کرام سے) فرمایا: کیا تم اس کی عقل کا انکار کرتے ہو؟ تو سب نے کہا: ہم تو صرف یہی جانتے ہیں کہ یہ عاقل اور دانا آدمی ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ اپنے کردار میں بہترین آدمی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: پھر اس کو لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔ سو لوگ اس کو کم پھریلی جگہ میں لے گئے اور جب اسے پتھروں کی مار پڑی تو وہ گھبرا گئے اور بھاگ پڑے یہاں تک کہ وہ زیادہ پتھریلی سرزمین حرہ نامی بستی میں جا پہنچے اور وہاں سنگساری کے لیے ٹھہر گئے اور لوگوں نے اسے بڑے بڑے پتھر مارے یہاں تک کہ ان کا سانس بند ہو گیا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! جب ماعز کو پتھروں کی مار پڑی تو گھبرا گئے اور بھاگ پڑے تو میں کریم ﷺ نے فرمایا: تم نے ان کا راستہ کیوں نہ چھوڑ دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ان کے بارے میں لوگ مختلف رائے دینے لگے چنانچہ ایک گروہ نے کہا کہ ماعز ہلاک ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو خود ہلاک کیا اور ایک گروہ نے کہا کہ ہلاک اس نے اللہ تعالیٰ کی ہارگاہ میں ایسی توبہ کی ہے کہ اگر لوگوں کی ایک جماعت ایسی توبہ کر لیتی تو ان کی طرف سے قبول کر لی جاتی ان (حضرت ماعز) کی قوم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بتائیے ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: تم اس کے ساتھ ویسا سلوک کرو جیسا تم اپنے مرنے والے مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہو کہ انہیں غسل دو کفن دو خوشبو لگاؤ ان کی نماز جنازہ پڑھو اور انہیں دفن کرو۔ اور یہ حدیث مختلف روایات کے ساتھ بیان کی گئی ہیں جیسا پہلے گزر چکا ہے۔

أَنْكَرْتُمْ مِنْ عَقْلِي هَذَا حِينَ قَالُوا مَا نَعْلَمُ إِلَّا عَاقِلًا وَمَا نَعْلَمُ إِلَّا غَيْرًا لَئِنْ قَادَحْتُمْ بِهِ لَأَرْجُمُوهُ قَالَ قَادَحُوا بِهِ فِي مَكَانٍ قَلِيلٍ الْحِجَارَةِ فَلَمَّا أَصَابَتِ الْحِجَارَةُ جَزَعٌ قَالَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ حَتَّى أَتَى الْعَوْرَةَ فَكَيْتَ لَهُمْ قَالَ فَرَمَوْهُ بِجَلَا مِيدَهَا حَتَّى سَكَّتَ قَالَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِزَّ حِينَ أَصَابَتِ الْحِجَارَةُ جَزَعٌ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا خَلَيْتُمْ سَبِيلَهُ لَئِنْ لَمْ يَخْتَلَفَ النَّاسُ فِي أَمْرِهِ لَقَالَتْ طَائِفَةٌ هَلَكَ مَا عِزٌّ وَأَهْلَكَ نَفْسُهُ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ بَلْ تَابَ إِلَى اللَّهِ تَرْتَةً لَوْ تَابَهَا فَنَامَ مِنَ النَّاسِ لَقَبِلَ مِنْهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَمَّا تَصَنَّعَ بِهِ لَئِنْ أَصْنَعُوا بِهِ كَمَا تَصْنَعُونَ بِمَوْتَانِكُمْ مِنَ الْغُسْلِ وَالْكَفَنِ وَالْحَنْوِطِ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ وَاللَّحْنِ وَقَدْ رَوَى الْحَدِيثُ بِرَوَايَاتٍ مُتَعَلِّقَةٍ نَحْوَ مَا تَقْلَمُ.

بخاری (۶۸۲۴-۶۸۲۵) مسلم (۴۴۲۸-۴۴۳۱)

(۴۴۳۲) ابوداؤد (۴۴۳۳) ترمذی (۱۴۲۸-۱۴۲۹)

ابن ماجہ (۲۵۵۴) ابن حبان (۴۴۳۸-۴۴۴۰)

حل لغات

”الْأَجْسَرُ“ اس میں خاء مکسور ہے کیونکہ اس کا معنی ہے: پھپھلا پھپھے آ لے والا پھپھے رہ جانے والا یہاں اس کا معنی ہے: نیکیوں میں پھپھے رہ جانے والا آدمی اس سے حضرت ماعز بن مالک مراد ہیں۔ ”قَادَحٌ جُمُوعًا“ میں ”إِرْ جُمُوعًا“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب نصر نصر یَنصِرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کو پتھر مارنا سنگسار کرنا۔ ”خَلَيْتُمْ“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل ماضی معروف باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: چھوڑ دینا رہا کرنا آزاد کرنا خالی کرنا۔ ”فَنَامَ“ اس کا معنی ہے: لوگوں کی جماعت اس کا واحد نہیں آتا۔ ”فَنَاتٍ“ کی جماعت ”فَنَاتٍ“ اور ”فَنَوْنٍ“ آتی ہے النجد میں اسی طرح ہے۔

رجم کرنے کے دلائل

علامہ ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ حضرت

مرحمت نے فرمایا:

ان الله بعث محمداً بالحق والنزل عليه
الكتاب فكان مما انزل الله تعالى آية الرجم.

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا
اور ان پر ایک کتاب (قرآن مجید) نازل فرمائی، سو ان آیات میں سے
جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں ایک آیت رجم تھی۔

(جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور اس کا حکم باقی رہا)۔ اور وہ یہ ہے:

الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموها البتة
نكالا من الله والله عزيز حكيم.

شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب یہ دونوں زنا کاری
کریں تو ان دونوں کو سنگسار کرو (یہ سزا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت
ہے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے سب سے بڑا اداکار ہے۔

(حضرت عمر نے فرمایا:)

وجم رسول الله ﷺ ورجمنا بعده والرجم
في كتاب الله حق على من زنى اذا احصن من
الرجال والنساء اذا قامت البينة او كان الحمل
او الاصراف. متفق عليه.

رسول اللہ ﷺ نے رجم جاری کیا اور آپ کے بعد ہم نے
بھی رجم جاری رکھا اور رجم اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) میں ہر اس
فصل پر واجب و لازم ہے جس نے مردوں اور عورتوں میں سے شادی
کر لینے کے بعد زنا کاری کی ہو، بشرطیکہ جب گواہوں کی گواہی سے
زنا کاری ثابت ہو جائے یا عورت بغیر نکاح حاملہ ہو جائے یا خود زانی
(چار مرتبہ) اعتراف و اقرار کر لے۔

اس حدیث میں ”الشيخ والشيخة“ کا معنی محسن اور محسنہ یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت ہے اور یہی زیادہ ظاہر
تفسیر ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ جب لوگوں پر زمانہ طویل ہو جائے گا تو کہنے والے
کہیں گے کہ ہم رجم کی سزا کتاب اللہ (قرآن مجید) میں نہیں پاتے، سو یہ لوگ ایک ایسے فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے جس
کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں نازل کیا ہے، سو رجم کتاب اللہ میں ثابت ہے اور اس کے آخر میں ہے: اور اگر مجھے یہ
ڈر نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے: (حضرت) عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا ہے تو میں آیت رجم کو قرآن مجید میں ضرور لکھوا دیتا۔ اس
حدیث کو نسائی کے علاوہ دیگر ائمہ نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے آیت رجم کو یوں پڑھا:
”الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموها البتة الخ“ علامہ ابن الہمام نے فرمایا کہ رجم پر صحابہ کرام اور علماء امت کا اجماع ہو چکا
ہے اور خوارج کا رجم سے انکار کرنا باطل ہے، کیونکہ انہوں نے صحابہ کرام کے اجماع کو حجت ماننے سے انکار کیا ہے اور یہ جہل مرکب
(دو گنی جہالت) ہے، ایک تو اس لیے کہ انہوں نے قطعی اجماع کا انکار کیا کیونکہ رجم پر صحابہ کرام کا اجماع قطعی ہے اور دوسرا اس لیے کہ
انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے رجم کے ثبوت کا انکار کیا ہے حالانکہ یہ تو اتر معنوی سے ثابت ہے جیسے حضرت علی کے لیے شجاعت و
بہادری اور حاتم کے لیے جود و سخاوت ثابت ہے، البتہ رجم کی تفصیل اور اس کی خصوصیات احادیث احاد سے ثابت ہیں لیکن اصل رجم
بلا شک و شبہ تو اتر معنوی سے یعنی طور پر ثابت ہے۔ [مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۷ ص ۱۳۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان]

مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کرنے کا حکم

حضرت ابن ہبلیانی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک

۶۔ بَابُ قَتْلِ الْمُسْلِمِ بِالذِّمِّيِّ

۳۱۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ رَبِيعَةَ عَنْ ابْنِ الْمُبَلَّغِ

قَالَ قَتَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْلِمًا بِمُعَاهِدٍ
لَقَالِ أَنَا أَحَقُّ مَنْ أَوْطَى بِذِمَّتِهِ.
معاهد (ذی کافر) کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:
اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے والوں میں میں اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کا
سب سے زیادہ حق دار ہوں۔
دارقطنی (۲۸۶۵) سنن کبریٰ للبخاری (۱۴۶۹۴) الخراج

یعنی ابن آدم (۲۰۱)

حل لغات

”بِمُعَاهِدٍ“ اگر حاء کو کسور پڑھا جائے تو یہ اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ بنے گا اور اس کا معنی عہد و پیمان کرنے والا ہوگا اور اگر
حاء کو مفتوح پڑھا جائے تو یہ اسم مفعول واحد مذکر کا صیغہ ہوگا اور اس کا معنی ہوگا: جس سے عہد لیا گیا ہو اور اس سے یہودی یا نصرانی
ذی مراد ہے۔ ”أَوْطَى“ یہ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب افعال سے ہے اور اس کا معنی ہے: پورا کرنا۔
غیر مسلم ذمی کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت، مسلمان حکمران کی ذمہ داری ہے

معاهد کا معنی ہے: عہد کرنے والا اور جو غیر مسلم شخص اسلامی سلطنت میں مستقل رہنے کے لیے ایک معاہدہ کے تحت مسلم مملکت کی
شہریت حاصل کر چکا ہو اسے ذمی کہا جاتا ہے اور جو غیر مسلم شخص کسی کاروبار یا سیر و سیاحت کے لیے عارضی قیام کی بناء پر مسلم ملک میں
پناہ گزیں ہو اسے مستامن کہا جاتا ہے اور جن غیر مسلم اقوام سے ہماری صلح ہو انہیں معاہدہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی کو بلاوجہ قتل کرنا
درست نہیں ہاں! اگر وہ کوئی ایسی حرکت کریں جس سے ان کا قتل شرعاً درست ہو جائے تو ان کو قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے یہاں حدیث
میں معاہدہ سے ذمی کافر مراد ہے۔ چونکہ ذمی کافر اسلامی مملکت کا مستقل شہری اور مسلم حکومت کا تابع دار اور حکومتی قوانین کا پابند ہوتا ہے
اس لیے اس کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت، مسلمان حکمرانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے لہذا غیر مسلم ذمی کا مال چوری کرنے والے کا
ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور ذمیہ عورت کے ساتھ زنا کاری کرنے والے پر حد جاری کی جائے گی اور ذمی کو قتل کرنے والے کو اس کے
بدلے میں قتل کیا جائے گا یہ کہ اس کے درجہ قصاص کی بجائے دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں یا قاتل کو بالکل معاف کر
دیں۔

علامہ طاعی قاری لکھتے ہیں: اور اس لیے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ ذمی کافر کے قتل کرنے پر مسلمان قاتل کو اس کے بدلے میں
قتل کیا جائے گا البتہ مستامن کے بدلے میں مسلمان قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا (بلکہ خون بہا دیا جائے گا) اور امام شافعی اور امام احمد
نے فرمایا: جب کوئی مسلمان کسی ذمی یا معاہدہ کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں مسلمان قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ امام مالک
نے اسی طرح فرمایا مگر یہ استثناء کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی یا کسی معاہدہ یا مستامن کو دھوکے سے قتل کر دے تو پھر اسے ضرور قتل کیا
جائے گا اور مقتول کے وارث کو اس صورت میں معاف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ قاتل نے دھوکے سے قتل کر کے حاکم وقت
کے خلاف فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کا ارتکاب کیا ہے لیکن اگر مسلمان کسی عام کافر کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں مسلمان قاتل کو
قتل نہیں کیا جائے گا اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۲۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جہاد کے احکام

مجاہدین کی عورتوں کی حرمت

۱۶۔ کتاب الجہاد

۱۔ بَابُ حُرْمَةِ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ

حضرت ابن بریدہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد سے پیچھے بیٹھے رہنے والوں پر مجاہدین کی عورتوں کی حرمت اس طرح لازم کر دی ہے جس طرح ان کی ماؤں کی حرمت ان پر لازم ہے اور جہاد سے پیچھے بیٹھے رہنے والوں میں سے جو شخص مجاہدین میں سے کسی مجاہد کے اہل خانہ کے ساتھ خیانت کرے گا اسے قیامت کے دن کہا جائے گا: اب تم قصاص لے لو سو اب تمہارا کیا خیال ہے۔

۳۱۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِيْدَةَ كَانَ لِمَنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى حُرْمَةً نِّسَاءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ مَحْرُومَةِ اَهْلِيْهِمْ وَمَا مِنْ رَّجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِيْنَ يَخُوْنُ اَمْعَدًا مِنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ اَهْلِهِ اِلَّا قِيْلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَقْصَصْ لِمَا عُنَيْتُكَ. مسلم (۴۹۰۸) ابوداؤد (۲۴۹۷) ترمذی (۱۳۹۱) سے احمد (۲۳۳۶۵) ابن ماجہ (۴۶۳۴) ہے۔

حل لغات

”يَخُوْنُ“ میخذ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَعَسُوْ يَنْعَسُوْ سے ہے اس کا معنی ہے: امانت میں خیانت کرنا۔ ”اَقْصَصْ“ میخذ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف باب التعلال سے ہے اس کا معنی ہے: قصاص لینا بدلہ لینا۔

مجاہدین کے اہل و عیال اور مال کی حفاظت فرض ہے

اس حدیث میں مجاہدین سے وہ مسلمان مراد ہیں جو دین اسلام کی سر بلندی اور اس کی اشاعت و غلبہ کی خاطر اللہ تعالیٰ کی راہ میں میدان کارزار میں جا کر کفار سے برسر پیکار ہونے کے لیے گھروں سے غائب ہوں اور قاعدین سے وہ مسلمان مراد ہیں جو کسی عذر کی بناء پر جہاد سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے اپنے گھروں میں موجود ہوں اور ان پیچھے رہ جانے والوں پر مجاہدین کی عورتوں اور دیگر عزیز و اقارب کی خدمت کرنا ان کی ضروریات زندگی کا خیال رکھنا سودا سلف وغیرہ لا کر دینا اور ان کی حرمت و آبرو کی حفاظت کرنا اور ان کی عزت و احترام اور مقام و مرتبہ کی رعایت کرنا واجب و لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی عورتوں کی عزت و حرمت کو گھروں میں بیٹھے رہنے والوں پر ان کی ماؤں کی عزت و حرمت کی طرح قرار دیا ہے لہذا ان میں سے اگر کوئی شخص کسی مجاہد کی عورت کے ساتھ خیانت کرے گا خواہ مالی خیانت ہو یا آبرو کی خیانت ہو تو قیامت کے دن اس عورت کے مجاہد خاوند کو کہا جائے گا کہ آج تو اپنا حق اس خائن سے لے لے اور یہ اس طرح ہو گا کہ خائن کی نیکیاں مجاہد لے لے گا اور مجاہد کی برائیاں خائن پر ڈال دی جائیں گی اور اب تمہارا مجاہدین کے بارے میں کیا خیال ہے کیا اب بھی تم مجاہدین کو جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی طرح گمان کرتے ہو؟

اور اس حدیث کو امام احمد امام مسلم اور امام ابوداؤد نے حضرت بریدہ سے روایت کیا جس میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن مجاہد کو کہا جائے گا کہ جس شخص نے حیرے پیچھے حیرے اہل خانہ کے ساتھ بُرائی کی ہے اس کی نیکیوں میں سے جس قدر تم چاہو لے لو چنانچہ وہ مجاہد اس خائن کی نیکیوں میں سے جس قدر چاہے گا لے لے گا اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ وہ مجاہد اس شخص کی نیکیوں میں سے کچھ چھوڑ دے گا۔ امام دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: مجاہد اسلام اور عالم دین نبوت کے درجہ کے قریب ترین ہوتے ہیں کیونکہ مجاہدین اس دین کی ترویج اور غلبہ کے لیے جہاد کرتے ہیں جس کو مرسلین لے کر تشریف لائے اور علمائے دین لوگوں کو ان تعلیمات کی ہدایت دیتے ہیں جن کو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام لے کر تشریف لائے۔

[شرح مسند امام اعظم لاطل بصری ص ۳۷۳-۳۷۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

لشکر کو بھیجتے وقت اہم امور کی وصیت

۲۔ بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْبُعْثِ بِالْمِهْمَاتِ

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا کسی فوجی دستہ کو روانہ فرماتے تو ان کے امیر کو خصوصی طور پر اس کی اپنی ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے خوف اور تقویٰ کی وصیت فرماتے اور اس کے ساتھی دوسرے مسلمانوں کو خیر و بھلائی اور بہترین سلوک کرنے کی وصیت فرماتے پھر فرماتے کہ تم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کی راہ میں جہاد کرو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جنگ کرو تم نہ خیانت کرو اور نہ دھوکہ دے اور نہ لاشوں کا مشہ کرو اور تم نہ کسی بچے کو قتل کرو نہ کسی بوڑھے بزرگ کو قتل کرو اور جب تمہارا اپنے دشمنوں سے آنا سامنا ہو تو پہلے تم ان کو اسلام قبول کر لینے کی دعوت دو سوا کردہ انکار کر دیں تو تم انہیں جزیہ دینے کی دعوت دو اور اگر وہ انکار کر دیں تو پھر تم ان سے جنگ کرو اور جب تم کسی اہل کفر کا محاصرہ کر لو اور وہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ کے حکم پر اتار لو تو تم ایسا ہرگز نہ کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ کا حکم کیا ہے لیکن تم انہیں اپنے فیصلہ پر اتار دو پھر تم ان کے بارے میں وہی فیصلہ کرو جسے تم مناسب سمجھو اور اگر وہ تم سے یہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کا ذمہ (امان) دے دو تو تم انہیں اپنا اور اپنے آباء و اجداد کا ذمہ دے دو کیونکہ تمہارا اپنے ذمہ کو اپنی گردن پر توڑنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کو توڑنے سے زیادہ آسان ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اگر وہ تم سے یہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ دے دو تو تم انہیں نہ تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ اور نہ اس کے رسول کا ذمہ لیکن تم انہیں اپنا اور اپنے باپ دادا کا ذمہ دو کیونکہ تمہارے لیے اپنا اور اپنے باپ دادا کا ذمہ توڑنا زیادہ آسان ہے۔

۳۱۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَعَثَ جَيْشًا اَوْ سَرِيَّةً اَوْحَى اَمِيْرَهُمْ فِيْ غَاصِيَةِ نَفْسِهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَاَوْحَى فِيمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اَغْزُوا بِسْمِ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاتْلُوا مَنْ خَفَرَ بِاللّٰهِ لَا تَغْلُوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمُتُّوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْنَا وَلَا شَيْخًا كَبِيْرًا فَاِذَا لَقِيْتُمْ عَدُوَّكُمْ فَادْعُوْهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَبَوْا فَادْعُوْهُمْ اِلَى اَعْطَاءِ الْجَزَاةِ فَاِنْ اَبَوْا فَاقْتُلُوْهُمْ فَاِذَا خَضَرْتُمْ اَهْلَ بَعْضِ الْبِلَادِ فَادْعُوْهُمْ اَنْ يَنْزِلُوْا عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَا تَفْعَلُوْا فَاِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ مَا حَكَمَ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْزِلُوْهُمْ عَلٰى حُكْمِكُمْ ثُمَّ اسْكُمُوْا بَيْنَهُمَا بَدَلَكُمْ فَاِنْ اَرَادُوْكُمْ اَنْ تُعْطُوْهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ لَاعْطُوْهُمْ ذِمَّتَكُمْ وَذِمَّتْ اَهْلِيْكُمْ فَاِنَّكُمْ اَنْ تُخْفِرُوْا بِذِمَّتِكُمْ اَهْلُوْنَ مِنْ اَنْ تُخْفِرُوْا بِذِمَّةِ اللّٰهِ فِيْ رُكْبَتِكُمْ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّابْنِ اَرَابُؤْكُمْ اَنْ تُعْطُوْهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ رَسُوْلِهِ فَلَا تُعْطُوْهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَلَا ذِمَّةَ رَسُوْلِهِ وَلٰكِنْ اَعْطُوْهُمْ ذِمَّتَكُمْ وَذِمَّتْ اَهْلِيْكُمْ فَاِنَّكُمْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَّتَكُمْ وَذِمَّتْ اَهْلِيْكُمْ اَيَسَّرُ.

مسلم (۴۵۴۲) ترمذی (۱۶۱۷) ابن ماجہ (۲۵۵۸) سند ذمہ دو اور نہ اس کے رسول کا ذمہ لیکن تم انہیں اپنا اور اپنے باپ دادا کا ذمہ دو کیونکہ تمہارے لیے اپنا اور اپنے باپ دادا کا ذمہ توڑنا زیادہ آسان ہے۔ (۲۳۳۶۶)

صلوات

”اَوْحَى“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: وصیت کرنا کسی کام کی تاکید کرنا۔ ”اَغْزُوا“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: جہاد کرنا جنگ کرنا۔ ”لَا تَمُتُّوْا“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل نہی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: مال غنیمت میں خیانت کرنا۔ ”لَا تَغْدِرُوْا“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل نہی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: وعدہ خلافی کرنا دھوکہ دینا۔ ”لَا تَقْتُلُوْا“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل نہی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: مثلہ کرنا یعنی میث کے مختلف اعضاء کاٹ کر اس کی شکل کو بگاڑ دینا۔ ”تُخْفِرُوْا“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل مضارع معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: بے حرمتی کرنا۔

امام ترمذی نے کتاب السنہ کے اوائل میں حضرت سفیان کے طریق سے ازبقرہ بن محمد از سلیمان بن مریدہ از والدہ خود کی حدیث بیان کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اس باب میں حضرت لعمان بن مقرن سے یہ حدیث مروی ہے اور حضرت مریدہ کی یہ حدیث من صحیح ہے اور حضرت سفیان کی یہ روایت امام ابو حنیفہ کی اسناد اور اس کے متن کی طرح ہے اور اس حدیث میں چند امور کا حکم دیا گیا ہے:

(۱) تقویٰ اور خدا خوفی اختیار کرنا (۲) مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا (۳) اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جنگ کرنا (۴) اللہ کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں جہاد کرنا (۵) کفار کے خلاف جنگ کرنے سے پہلے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا (۶) عدم قبول کی صورت میں دوبارہ انہیں جزیہ دینے کی دعوت دینا (۷) اٹار کی صورت میں تیسری مرتبہ ان سے جنگ کرنا۔ اور اس حدیث میں چند امور سے منع بھی کیا گیا ہے:

(۱) مال قیمت میں خیانت کرنے سے (۲) غیہ معاہدہ توڑ کر دھوکہ دینے سے (۳) غلہ (مقتولوں کی فصل ہکانے) سے (۴) تاباغ بچوں کو قتل کرنے سے (۵) کمزور و ناتواں بزرگوں کو قتل کرنے سے (۶) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذمہ (امان) دینے سے (۷) اللہ تعالیٰ کے حکم پر قلعہ سے اتارنے سے۔ [المؤید للسنن النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۶۲ حاشیہ ۱ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۳۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْمُثْلَةِ

۳۲۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ خَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ بُرَيْدَةَ حضرت ابن مریدہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ عَنْ ابْنِ ابْنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُثْلَةِ۔

بخاری (۵۵۱۶) نسائی (۴۴۴۷) ابن ماجہ (۳۱۸۵) ابن حبان (۴۴۷۳-۵۶۱۷) سنن دارمی (ج ۲ ص ۸۳)

حل لغات

”الْمُثْلَةُ“ میم مضوم کے ساتھ ہے اس کے لغوی معنی ہیں: سخت سزا دینا۔ اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں: میت یا مقتول کے ہاتھ پاؤں آگے ناک کان اور زبان وغیرہ کاٹنا اور بطور قصاص مثلاً اب بھی جائز ہے لیکن سزا کے طور پر کسی کا مثلاً کرنا جائز نہیں بلکہ منوع ہے۔

قبیلہ غنکل اور عربینہ کے مرتدوں کے مثلاً کرنے کی وجہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ غنکل کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے اور انہوں نے مدینہ منورہ کو ناموافق محسوس کیا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ صدقہ کے اونٹوں میں جائیں اور ان کے پیشاب اور دودھ انہیں نہ بونہی کیا تو سدرست ہو گئے پھر وہ مرتد ہو گئے اور انہوں نے صدقہ کے اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے سپاہی بھیجے اور جب انہیں گرفتار کر کے لایا گیا تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں پھر ان کو داغا نہیں گیا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔

[مکتوٰۃ باب قتل اهل الرد والفساد بالفصل الاول]

صاحب ائمۃ المذہبات نے فرمایا کہ وہ سات آدمی تھے چار قبیلہ عرینہ کے اور تین قبیلہ عکک کے۔ اسی لیے بعض احادیث میں ہے کہ عرینہ کے تھے بعض میں ہے کہ عکک کے تھے۔ یہ دونوں روایات درست ہیں کہ وہ لوگ دونوں قبیلوں کے تھے بہر حال یہ بات خیال میں رہے کہ اب شریعت میں مسئلہ کرنا یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹ دینا اور آنکھیں پھوڑ دینا ممنوع ہے رسول اللہ کا یہ عمل یا تو مسئلہ کی ممانعت سے پہلے ہوا تھا پھر بعد میں مسئلہ کرنے سے منع فرمایا یا پھر اس لیے تھا کہ ان لوگوں نے رسول اللہ کے چہرہ اہوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا تو قصاص رسول اللہ نے بھی ان سے یہی سلوک فرمایا یا پھر اس لیے تھا کہ انہوں نے بہت جرم کیے تھے مرتد ہو جانا چہرہ اہوں کو مسئلہ کر کے مار ڈالنا اور صدقہ کا مال وغیرہ لوٹ لینا سو اس لیے ان کو یہ سزا دی گئی لہذا اگر مجرم کئی قسم کے جرم کریں تو حاکم تمام قصاصوں کو جمع کر سکتا۔ [مرقات] یہاں صاحب مرقات نے فرمایا کہ اگر مرتد پیاس سے مر رہا ہو اور کسی کے پاس بہ قدر وضو پانی ہو تو وہ اسے پانی نہ دے بلکہ وضو کرے اور اگر ڈبی کا فریا جانور پیاس سے مر رہا ہو تو وضو نہ کرے اسے پلائے کیونکہ مرتد کسی رحم کا مستحق نہیں۔ خیال رہے کہ اسلام بہت رحمت والا دین ہے اور رسول اللہ رحمۃ للعالمین ہیں مگر اسلام میں سزائیں سخت ہیں کیونکہ سخت سزا سے ہی جرم بند ہوتے ہیں اور ملک میں امن وامان قائم ہوتا ہے عرب جیسے ملک میں امن ان ہی غیبتوں کی وجہ سے قائم ہوا آج ہمارے ملکوں میں امن اس لیے نہیں کہ یہاں سزائیں نرم ہیں ہمیں اپنے ہاں کی بدامنی دیکھ کر ان سزاؤں کی قدر معلوم ہوتی ہے اگر آج بازار میں ایک دو چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اور ایک دو زانیوں کو جرم کر دیا جائے تو ان شاء اللہ ہمارے ہاں بھی عرب جیسا امن قائم ہو سکتا ہے کہ وہاں لوگ رات کو گھروں کے دروازے بند نہیں کرتے جتنی دکان کھلی چھوڑ کر مسجد میں نماز کے لیے آ جاتے ہیں اور اب تو اسلام کی خوبیاں کفار بھی ماننے لگے ہیں۔

[مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۵ ص ۲۶۷-۲۶۸ مطبوعہ فیضی کتب خانہ مہر آباد]

بالغ ہونے کی علامت

حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فرزہ بن قریظہ کے دن ہمیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے کھڑے ہو کر حکم دیا کہ ان کے بڑوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے چھوٹوں کو قیدی بنا لیا جائے سو جس کے زیر ناف بال آگ چکے تھے اسے قتل کر دیا گیا اور جس کے زیر ناف بال نہیں آگے تھے اسے زندہ چھوڑ دیا گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: دیکھو! اگر اس کے بال آگ آئے ہوں تو اس کی گردن اڑا دو سوائیوں نے جب مجھے دیکھا تو میرے زیر ناف بال نہیں آگے تھے تو انہوں نے میرا راستہ چھوڑ دیا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عطیہ نے کہا کہ میں قرظہ کے قیدیوں میں تھا تو مجھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو لوگوں نے میرے زیر ناف بال دیکھے تو انہوں نے مجھے اس حال میں پایا کہ میرے زیر ناف بال نہیں آگے تھے سوائیوں نے مجھے قیدیوں میں شامل کر لیا۔

۴۔ بَابُ عَلَامَةِ الْبُلُوغِ

۳۲۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَمَّادٍ وَأَبِيهِ وَالْقَاسِمِ بْنِ مَعْنٍ وَهَبِ بْنِ الْمَرْثُومِ عَنْ عَطِيَّةِ الْقُرَظِيِّ قَالَ عُرِضْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قَرْيَظَةَ فَأَمَرَ بِقَتْلِ كِبَارِهِمْ وَسَبْيِ صِغَارِهِمْ فَمَنْ أَنْتَ قَبْلَ وَمَنْ لَمْ يَبْتَئِ اسْتَحْيَى. وَبِئِى رِوَايَةٍ قَالَ عُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ انْظُرُوا فَإِنْ كَانَ أَنْتَ فَاضْرِبُوا عُنُقَهُ فَوَجَدُونِي لَمْ أَنْتَ فَخَلِّى سَبِيلِي. وَبِئِى رِوَايَةٍ قَالَ كُنْتُ مِنْ سَبْيِ قَرْيَظَةَ فَعُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْظُرُوا فَبِئِى عَانَتِي فَوَجَدُونِي لَمْ أَنْتَ فَالْحَقُونِي بِالسَّبْيِ

ترمذی (۱۵۸۴) ابوداؤد (۴۴۰۴) ابن ماجہ (۲۵۴۱)

ابن حبان (۴۷۸۰)

حل لغات

”غَرَضْنَا“ میں جمع شکلم فعل ماضی مہول باب ضَرَبَ مَضْرُوبٌ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کو پیش کرنا۔ ”اَلْبَيْتُ“ میں واحد مذکر تائب فعل ماضی معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: اگنا۔

بنو قریظہ کی عہد شکنی

جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ (جس کا اس وقت یثرب نام تھا) میں تشریف لائے تو اس وقت یہاں یہود کے تین قبیلے (۱) بنو قریظہ (۲) بنو نضیر (۳) بنو قریظہ سکونت پذیر تھے۔ رسول اللہ نے ان سب کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے جن معاہدوں کے ذریعے ان کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی۔ وہ اپنے مذہبی شعائر اور تقریبات کو کسی روک ٹوک کے بغیر منا سکتے تھے۔ انہیں کاروبار کرنے، زراعت اور دیگر معاشرتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا حق دیا گیا تھا اور انہیں ان کی جان، مال اور آبرو کا تحفظ دیا گیا تھا ان سے فقط یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ نہ وہ خود مسلمانوں پر حملہ کریں گے نہ کسی حملہ آور دشمن کا ساتھ دیں گے اور نہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں گے۔ ہجرت کے پانچویں سال غزوہ خندق ہوا۔ اس سارے عرصہ میں ان قبائل نے ایک دن بھی مسلمانوں کے ساتھ شریطانہ برتاؤ نہیں کیا۔ جب بھی ان کا بس چلا انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچائی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں ذرا بھروسہ نہ کیا۔

بنو نضیر نے تو نبی کریم ﷺ کو شہید کرنے کی ناپاک سازش کی اگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی خود حفاظت نہ فرماتا تو وہ اپنے مذہم مقصد میں کامیاب ہو ہی چکے تھے۔ بنی قریظہ نے تو اپنے دوہم مذہب قبیلوں کے جذبہ اسلام دشمنی کو بھی مات کر دیا۔ عین اس وقت جب کفار مکہ سارے عرب کے ساتھ دس ہزار کا لشکر جرار لے کر مدینہ طیبہ کو روند ڈالنے اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دینے کے ارادہ سے چڑھ دوڑے تھے۔ سخت ترین کڑکڑاتا جازا سامان خورد و نوش کی شدید قلت جب مسلمان اپنی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے اور حالات از حد سنگین تھے اس وقت بنو قریظہ نے وہ وعدہ توڑ دیا جس کے سائے میں انہوں نے پانچ سال تک عزت و خوشحالی کی زندگی بسر کی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ اوی جو ان کے دیرینہ حلیف تھے اور سعد بن معاذ کو اس واقعہ کی تحقیق کے لیے بھیجا تو وہاں کا منظر ہی ہوش رہا تھا۔ نکواریوں کی دھاریں حیر کی جارہی تھیں، تیروں کے پیکان درست کیے جا رہے تھے، نیزوں کی انہوں کو چمکایا جا رہا تھا، مختلف قسم کا اسلحہ ڈھالیں اور زہریں تقسیم کی جارہی تھیں، حضرت سعد بن معاذ جو ان کے دیرینہ حلیف تھے ان کو وہ معاہدہ یاد دلایا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ انہوں نے ادب و احترام کے سارے ضابطوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اور اپنے دیرینہ حلیف کے لحاظ کیے بغیر کہا: ”من رسول اللہ“ کون رسول اللہ؟ ہم کسی کو نہیں جانتے۔ ”لا عہد بیننا و بین محمد ولا عقد“ ہمارے درمیان اور (حضرت) محمد ﷺ کے درمیان کسی قسم کا کوئی عہد و پیمان نہیں۔ عیسیٰ بن اخطب کی انگلیت پر انہوں نے مسلمانوں سے اپنے تعلقات منقطع کر کے ان مشرکین کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دی جو مدینہ طیبہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے آئے تھے بہر حال یہ وہ عہد شکنی ہے جس کی وجہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوہ خندق سے فارغ ہونے کے بعد وحی الہی کے مطابق بنو قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور کچھ عرصہ تک وہ لوگ حیرانہ آزی اور سنگ باری وغیرہ کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے لیکن جب مسلمانوں نے انہیں باقاعدہ اپنی زد میں لے لیا تو انہوں نے پتھر برسانے بند کر دیئے اور صلح کے لیے گفتگو کی اجازت طلب کی جو انہیں بخشی گئی اور خود انہوں نے اپنے پرانے حلیف حضرت سعد بن معاذ کو اپنا حکم اور ثالث مقرر کیا جسے رسول اللہ نے منظور فرمایا، چنانچہ حضرت سعد کو بلا کر فریقین کی طرف سے انہیں فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار دیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

میرا فیصلہ یہ ہے کہ یہود کے جنگ جو جوانوں اور ہاتھوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور نابالغ بچوں کو قیدی بنالیا جائے اور ان کے مال اور جائیدادیں مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دی جائیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے سعد! تم نے وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر فرمایا ہے۔

[اتحاد راختصار مع تقدیم و تاخیر: ضیاء الہی، ج ۳، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور]

چونکہ اس غزوہ جو قرظہ میں ہاتھوں کو قتل کرنے اور نابالغوں کو قیدی بنانے کا فیصلہ کیا گیا تھا اس لیے حضرت علیہ قرظہ کی مروی اس حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالغ و نابالغ کی پہچان کی ایک علامت یہ بیان فرمائی کہ جس کے زیر ناف ہال اُگ چکے ہوں وہ بالغ ہے اسے قتل کر دیا جائے اور جس بچے کے زیر ناف ہال نہ اُگے ہوں وہ نابالغ ہے اسے عورتوں کے ساتھ قیدی بنالیا جائے۔

لاش کے بدلے میں

مال لینا جائز نہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے دن مشرکین کا ایک آدمی خندق میں قتل کر دیا گیا سو مشرکین اس مردہ آدمی کی لاش وصول کرنے کے بدلے میں بہت سامان دینے لگے لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس سے منع کر دیا (اور اس کی لاش بلا معاوضہ واپس کر دی)۔

۵۔ بَابُ لَا يَجُوزُ اخْذُ

الْمَالِ بِذَلِّ الْجَيْفَةِ

۳۲۲۔ اَبُو عَظِيمَةَ وَابْنُ اَبِي لَهْلَى عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ قُتِلَ بِی الْخَنْدَقِ فَاطْعَى الْمُشْرِكُوْنَ بِجَيْفَتِهِ مَا لَا فَنَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ. ترمذی (۱۷۱۵)

حل لغات

”جیفۃ“ اس کا معنی ہے: مردار اور اس سے مراد مشرک مقتول کی لاش ہے۔

مردے کو فروخت کرنے کی ممانعت کی وجوہات

امام ترمذی نے محمود بن غیلان ابو احمد سفیان ابن ابی لیلیٰ، حکم بن عتبہ اور مقسم کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ مشرکین نے ایک مشرک کی لاش خریدنا چاہی تو نبی کریم ﷺ نے لاش بیچنے سے انکار کر دیا۔ (امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث فریب ہے، ہم اس کو صرف حکم بن عتبہ کی روایت سے پہچانتے ہیں۔ اور حجاج بن ارطاة نے بھی اس حدیث کو حکم بن عتبہ سے روایت کیا ہے اور احمد بن حنین فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کی حدیث کو بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے فرمایا کہ ابن ابی لیلیٰ بہت سچے راوی ہیں لیکن ان کی صحیح اور ضعیف روایت میں احتیاز نہیں ہو سکتا اور میں ان سے روایت تو نہیں کرتا البتہ ابن ابی لیلیٰ بہت سچے اور فقیہ ہیں اور بسا اوقات سند میں ان سے خطاء واقع ہو جاتی ہے۔ نصر بن علی نے بواسطہ عبد اللہ بن داؤد سفیان ثوری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ اور عبد اللہ بن شبرمہ ہمارے

فقیہ ہیں۔ [جامع ترمذی باب: جاء لا تحادی حیدۃ الاسیر: ۱۷۷ ج ۱ ص ۸۲۱، حرم فرید بک پبل لاہور]

امام ابو داؤد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تین افراد کے پاس فرشتے نہیں جاتے: (۱) کافر کی لاش (۲) زعفران سے کس چیز خوشبو میں اتھرا شخص (۳) جنسی آدمی مگر یہ کہ وضوء کر لے اور امام طبرانی نے معجم الکبیر میں انہی سے روایت کیا ہے جس کے آخر میں ”الا ان یتوضا“ کی بجائے ”الا ان یتوضا“ اور ہدولہ ان یا کل او ینام فیتوضا

وضوء للصلوۃ ہے یعنی مگر یہ کہ اس کے لیے یہ ظاہر ہو کہ کھانا کھالے یا سولے تو وہ نماز کی طرح وضوء کر لے۔

[تسبیح النظام فی شرح منہ الامام حاشیہ ۲ ص ۱۶۳ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

اصل میں کسی مردہ لاش کو فروخت کرنا احرام انسانیت، اعلیٰ اخلاق، ہمدردی و رحم دلی اور عقل و دانش کے تقاضوں کے خلاف ہے اور ایسا کرنا کم عقلی، کم عمری اور گھٹیا پن ہے اور کسی بھی بامروت و بااخلاق، عالی ظرف، سلیم الفطرت، مشفق و مربی اور قوم کے معمار کے لیے ایسے معیوب کار و بار کی اجازت دینا ناممکن ہے اس لیے خلق عظیم کے مالک مصعب اعظم اور محسن انسانیت نبی کریم ﷺ نے اسے فروخت کرنا ناپسند فرمایا اور اس سے منع فرمادیا۔

مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے خمس کو

فروخت کرنے کی ممانعت

۶۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ أَنْ يُبَاعَ

الْخُمْسُ حَتَّى يُقَسَّمُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے خمس کو فروخت کرنے سے منع فرمادیا۔

۳۲۳۔ اَبُو عَظِيمَةَ عَنْ ثَابِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ
نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ
أَنْ يُبَاعَ الْخُمْسُ حَتَّى يُقَسَّمُ.

ترمذی (۱۵۶۳) ابوداؤد (۲۱۵۸) مسند احمد (ج ۴ ص ۱۰۸) نسائی (۴۶۹۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے اسلحہ غنیمت میں سے کوئی چیز مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے پہلے تقسیم نہیں فرمائی۔

۴۲۴۔ اَبُو عَظِيمَةَ عَنْ ثَابِعٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَقْسِمْ خَيْبَةَ مِنْ غَنَائِمِ
بَدْرٍ إِلَّا بَعْدَ مَقْدَمِهِ بِالْمَدِينَةِ.

سیرت ابن ہشام (ج ۲ ص ۳۴۶)

حل لغات

”يُبَاعَ“ صیغہ واحد مذکر قاعب، فعل مضارع مجہول، باب حَرْبٌ يَحْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: فروخت کرنا، بیچنا۔
”خُمْسٌ“ اس کا معنی ہے: پانچواں حصہ، لیکن یہاں اس سے غائبین کے مطلق حصص مراد ہیں۔ ”خُصَامٌ“ یہ ”خُصْمَةُ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: جنگ میں کنارے حاصل کردہ مال۔

مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے فروخت کرنا منع ہے

امام دارمی نے حضرت ابوامامہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تقسیم سے پہلے خمس فروخت کرنے سے منع فرمایا اور اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ اور مستند ہیں اور وہ احمد بن حمید، ابواسامہ، عبدالرحمن، کھول اور ابوامامہ ہیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قولی حدیث سے بھی نہیں ثابت ہے جیسا کہ ازنافع از ابن عمر مرفوع حدیث متن میں امام صاحب سے روایت کردہ مزرہ کی ہے اور امام صاحب کی تمام روایات حجت ہیں چنانچہ امام ابن الہمام نے امام صاحب کی مسانید کی بہت سی روایات کے ساتھ شرح ہدایہ میں استدلال کیا ہے اور امام دارمی کی روایت تقسیم سے پہلے خمس فروخت کرنے سے نبی میں صریح وارد ہے اور اس کی اسناد صحیح الاسانید ہے اور امام ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اس کی خریداری سے منع فرمایا ہے۔ امام ترمذی نے کہا: اس باب میں حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے اور یہ

حدیث غریب ہے، لیکن یہ غریب، مکر یا ضعیف نہیں ہے، بلکہ راوی کے تفرد کی وجہ سے غریب ہے اور اگر ضعف تسلیم کر لیا جائے تو یہ ضعف متعدد طرق کی وجہ سے جاتا رہا ہے علاوہ ازیں یہاں تو (داری کی روایت) صحیح بھی موجود ہے۔

[ماخوذ از تفسیر الفقہ حاشیہ ۲-۳ ص ۱۳۴]

اور صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ مال غنیمت دار الحرب میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا یہاں تک کہ وہاں سے نکال کر اسے دارالاسلام میں پہنچا دیا جائے اور امام شافعی نے کہا: اس میں حرج نہیں جبکہ کفار کو شکست ہو جائے۔ دراصل ہمارے نزدیک دار الحرب میں مال غنیمت کے محفوظ ہو جانے سے ملک ثابت نہیں ہوتا اور امام شافعی کے نزدیک کفار کی شکست سے ملک ثابت ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن الہمام نے کہا ہے: لیکن وہ حدیث جسے صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنے سے منع فرمایا ہے تو یہ حدیث غریب ہے، یعنی اس کی اسناد الفاظ کے اعتبار سے غریب ہے، معنی کے اعتبار سے نہیں، کیونکہ اس کی تائید و تصدیق امام صاحب کی حدیث سے حاصل ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

[شرح مصنف امام اعظم للاطی قاری ص ۱۸۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے

خرید و فروخت کے احکام

مشتبہ چیزوں سے بچنے کا بیان

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ برسر منبر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان شک و شبہ میں ڈالنے والی چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے، سو جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچ گیا، اس نے اپنے دین اور اپنی عزت و آبرو کو بچا لیا۔

بخاری (۲۰۵۱) مسلم (۴۰۹۴) ابوداؤد (۳۳۲۹) ترمذی (۱۲۰۵) نسائی (۴۴۵۸) ابن ماجہ (۳۹۸۴) ابن حبان (۷۲۱) منہ دارمی (۲۷)

ص ۲۳۵

حل لغات

”إِنَّمَا“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب افتعال سے ہے، اس کا معنی ہے: پہنچنا، پرہیز کرنا، ڈرنا۔ ”إِسْتَوَا“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب استفعال سے ہے، اس کا معنی ہے: برآمدت چاہنا، نجات چاہنا، خلاصی چاہنا۔

مشتبہ چیزوں سے بچنے کی تاکید

لاطی قاری لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حلال واضح ہے اور اس کی حلت سب پر ظاہر و مہیاں ہے اور حرام بھی واضح اور ظاہر ہے، انہیں سب مسلمان جانتے پہچانتے ہیں، البتہ ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہوتی ہیں، یعنی ان میں حرمت کا شبہ بھی ہوتا ہے اور حلت کا شبہ بھی ہوتا ہے جنہیں اکثر عوام الناس نہیں جانتے اور ان مشتبہ چیزوں کا حکم صرف علمائے دین جانتے ہیں (ورنہ کوئی چیز فی نفسہ مشتبہ نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول مبعوث فرمایا جنہوں نے اپنی امت کے لیے تمام

مردود یا ست دین کو واضح طور پر بیان فرمادیا ہے) سو جس شخص نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا اور ان سے بچتا رہا تو اس نے اپنا دین اور اپنی عزت و آبرو بچا لی کہ اس کوئی شخص اس کی دیانت داری اور مروت و عزت داری میں طعنہ نہ لے سکتا اور محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کو طوالت کے ساتھ روایت کیا ہے جیسا کہ الاربعین للکوثری میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال بھی ظاہر اور واضح ہے اور حرام بھی ظاہر اور واضح ہے سو تم اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شک و شبہ میں ڈالتی ہے اور اس چیز کو اختیار کر لو جو تمہیں شک و شبہ میں نہیں ڈالتی۔

اور جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور الحاکم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں حلال بیان فرمایا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ جن چیزوں سے خاموش رہا تو وہ معاف ہیں۔

[شرح منہج امام اعظمیؒ، قاری ص ۵۳۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت]

یاد رکھو کہ مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم صرف تقویٰ اختیار کرنے اور احتیاط کرنے کی بناء پر ہے ورنہ شرعی دلائل سے یہ ثابت ہے کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے (یعنی اصل میں ہر چیز مباح اور جائز ہے) اور حنفیہ اور شافعیہ کے جمہور کا یہی مذہب ہے جیسا کہ مسلم الثبوت میں ہے اور التوضیح میں اسی پر استدلال کیا گیا ہے اور التوضیح والخلوع میں کئی مواقع پر اس کے ساتھ تمسک کیا گیا ہے اور علامہ قسطلانی نے فتح الباری سے نقل کیا ہے کہ مستحبات کے حکم میں اختلاف ہے سو بعض علماء نے کہا ہے: یہ حرام ہیں اور یہ قول مردود ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ توقف ہے اور یہ شریعت سے پہلے اصل کے خلاف ہے کیونکہ علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں اور اصولیین فقہاء اور شارحین حدیث میں سے جمہور علماء نے تصویب فرمایا: احادیث نبویہ اور صحابہ کرام کے آثار کثیرہ سے ثابت کیا ہے کہ اصل میں اباحت ہے اور علامہ ابن عابدین نے رد المحتار شرح الدر المنثور المعروف بآئین شامی میں بڑی تحقیق سے اباحت کو ثابت کیا ہے۔

[تسہیل نظام حاشیہ ۵ ص ۱۳، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۲۔ بَابُ اللَّعْنِ عَلَى

الْخَمْرِ وَتَعْلِقِهَا

شراب اور اس کے کارندوں کے ملعون ہونے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شراب پر اور اس کے پھونڈنے والے پلانے والے پینے والے فروخت کرنے والے اور خریدنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

۳۲۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَعْنَتِ الْخَمْرُ وَحَاصِرُهَا وَمَافِيهَا وَخَارِبُهَا وَبَائِعُهَا وَمُشْتَرِيهَا.

ابوداؤد (۳۶۷۴) ترمذی (۱۲۹۵) ابن ماجہ (۲۳۸۰) مسند احمد (ج ۲ ص ۵۴)

حل لغات

”لَعْنَتْ“ ملا علی قاری نے کہا کہ یہ میضہ واحد منکلم فعل ماضی معروف ہے یا یہ میضہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی مجہول ہے اور اکثر روایات کے موافق یہی ہے اس لیے یہ زیادہ ظاہر و درست ہے اور یہ باب فَتَحٌ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: لعنت کرنا رحمت الہی سے کسی کو دور کرنے کی دعائے ضرر کرنا۔ ”حَاصِرُ“ میضہ واحد مذکر اسم فاعل باب حَسَبَ يَحْصِبُ سے ہے اس کا معنی ہے:

نچوڑنا۔

شراب کے نجس ہونے پر اجماع

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ ظاہر یہ حدیث موقوف ہے لیکن یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے اور امام ابو داؤد اور حاکم نے حضرت ابن عمر سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ شراب پر اور اس کے پینے والے اس کے پلانے والے اس کو فروخت کرنے والے خریدنے والے نچوڑنے والے اور اس کے نچوڑنے کا حکم دینے والے اٹھا کر لے جانے والے اور جس کی طرف اٹھا کر لے جانی جائے اور اس کی قیمت کھانے والے سب پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور شراب کی نجاست پر تمام امت کا اجماع اور اتفاق ہے مگر داؤد سے حکایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ شراب حرام تو ضرور ہے مگر نجس و ناپاک نہیں ہے بلکہ ظاہر و پاک ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۳۳، مطبوعہ بیروت]

شراب اور چربی کو فروخت کرنے کی حرمت

حضرت محمد بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں نے یا ابوبکر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے شراب کے بیچنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے ان پر چربی کو حرام کیا گیا تو انہوں نے اس کا کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا لیکن اس کی خرید و فروخت کو حلال اور جائز سمجھا اور اس کی قیمت کو کھاتے رہے اور بے شک جس ذات نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اسی نے اس کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کھانے کو حرام قرار دیا ہے۔

۳۔ بَابُ حُرْمَةِ بَيْعِ الْخَمْرِ وَالشَّحُومِ

۳۲۷۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ أَوْ سَأَلَهُ أَبُو عُبَيْدٍ عَنْ بَيْعِ الْخَمْرِ فَقَالَ لَمَّا تَلَّى اللَّهُ الْيَهُودَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ لَحَرِّمُوا أَشْهَلَهَا وَاسْتَحَلُّوا بَيْعَهَا وَأَكَلُوا أَمْنَانَهَا وَأَنَّ الْيَهُودَ حَرَّمَ الْخَمْرَ حَرَّمَ بَيْعَهَا وَأَكَلَهَا نَمِيهَا.

بخاری (۲۲۳۶) مسلم (۴۰۵۲) ابو داؤد (۳۴۸۸)

ترمذی (۱۲۹۷) ابن ماجہ (۲۱۲۷)

حل لغات

”حُرِّمَتْ“ صیغہ واحد مؤنث غائب، فعل ماضی مجہول، باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: حرام کرنا، ناجائز کرنا، ممنوع کرنا۔
”الشُّحُومُ“، ”شَحْمٌ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: چربی ایک ککڑا۔ ”اسْتَحَلُّوا“ صیغہ جمع مذکر غائب، فعل ماضی معروف، باب استفعال سے ہے اس کا معنی ہے: جائز سمجھنا، جائز شمار کرنا، جائز ٹھہرانے کی اجازت چاہنا۔

شراب کی فروخت کی ممانعت کے دلائل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انگور کے شیرہ (جوس) کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ایک روز ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انگور کی شراب کا ایک بہت بڑا مشکیزہ ہدیہ پیش کیا تو نبی کریم ﷺ نے اس آدمی سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! سو اس کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے اس سے سرگوشی کی تو نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: تم نے اس آدمی سے سرگوشی میں کیا کہا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: میں نے اس کو شراب فروخت کر دینے کا مشورہ دیا ہے تو رسول اللہ نے فرمایا: بے شک جس ذات نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اسی نے اس کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ حضرت نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کرتے ہیں کہ عراق کے رہنے والے

ایک آدمی نے حضرت ابن عمر سے کہا کہ ہم لوگ کھجور اور انگور کا پھل اور گنا خریدتے ہیں پھر اس کو نچوڑ کر اس سے شراب تیار کرتے ہیں اور اسے فروخت کرتے ہیں سو حضرت ابن عمر نے اس آدمی سے فرمایا کہ بے شک میں تم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو اور جن وانس میں سے جو سن رہے ہیں ان کو گواہ بناتا ہوں کہ میں تمہیں اس کے فروخت کی اجازت نہیں دیتا سو تم اس کو فروخت نہ کرو اور نہ اس کو نچوڑو اور نہ اس کو پیا کرو کیونکہ وہ یقیناً نجس و ناپاک ہے شیطان کا عمل ہے۔

[موسطاً امام محمد ص ۳۱۵-۳۱۳ مطبوعہ مطبع جہان پاکستان ۱۵ ہسپتال روڈ لاہور]

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہود پر چربی حرام کر دی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرِّمْنَا عَلَيْهِمْ شَحْوَهُنَّ مَهْمَا.

اور گائے اور بکری کی قسم سے ان دونوں کی چربی ہم نے ان پر

(الانعام: ۱۴۶) حرام کر دی ہے۔

اور انہوں نے چربی کا کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا اور اس کی خرید و فروخت کو جائز سمجھا اور اس کی قیمت کھاتے رہے حالانکہ یہ آیت مطلق ہے لیکن انہوں نے نفسانی خواہشات کی وجہ سے اس آیت کو مقید و مخصوص کر لیا بہر حال اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حَرِّمْتُ عَلَيْهِمُ الْمَيْتَةَ. (المائدہ: ۳)

تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے۔

یہ آیت مردار کے کھانے کی حرمت پر محمول ہے اور اس کے چمڑے سے لطف اور فائدہ اٹھانا جائز ہے کیونکہ شراب کی حرمت اور اس کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کھانے کی حرمت کا بیان صاحب شریعت کی طرف سے مستفید ہوا ہے فاسد رائے اور کاسد باطل قیاس سے نہیں اور بے شک جس ذات نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اسی نے اس کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کھانے کو حرام قرار دیا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت نے حضرت جابر سے اور امام بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد بن حنبل، شیخین نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عمر سے مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کے الفاظ (ترجمہ) یہ ہیں: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک و تباہ کرنے کے لیے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو حرام قرار دیا تو انہوں نے اس کو پگھلایا پھر انہوں نے اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت کو کھایا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۵۵-۵۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

۴۔ بَابُ اللَّعْنِ عَلَىٰ أَكْلِ الرَّبْوَا

۳۲۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْلَ الرَّبْوَا وَمَوْبِكَلَهُ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔

بخاری (۵۳۴۷) مسلم (۴۰۹۳) ابوداؤد (۳۳۳۳) ترمذی (۱۲۰۶) ابن ماجہ (۲۲۷۷) مسند احمد (ج ۱ ص ۳۹۳)

حل لغات

”اِکْلٌ“ میخذ واحد ذکر اسم فاعل بَابُ نَصَرَ نَصْرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کھانے والا۔ ”مَوْبِکِلٌ“ میخذ واحد ذکر اسم فاعل بَابُ انْحَالَ سے ہے اس کا معنی ہے: کھلانے والا۔

سود کھانے کے نقصانات

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب معراج کو میرا ایک ایسی قوم کے پاس سے گزر ہوا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے ان میں سانپ تھے جو پیٹوں کے اندر باہر سے نظر آ رہے تھے سو میں نے کہا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبریل نے عرض کیا: یہ سود کھانے والے ہیں۔

ابو یعلیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث تخریج کی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سود خورد قیامت کے روز اس نشان سے پہچانے جائیں گے کہ وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے بخبوط الحواس مجنون کھڑا ہوتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: سود کھانے والا قیامت کے دن مجنون اور دیوانہ کی طرح کھڑا ہوگا۔ امام طبرانی نے بھی حوف بن مالک سے روایت کیا ہے جس میں ہے کہ سود خورد بخبوط دہد حواس مجنون کی طرح کھڑا ہوگا۔

امام مسلم نے حضرت جابر اور حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر لعنت فرمائی ہے اور سود کو زنا سے بدتر قرار دیا ہے۔

امام بخاری نے حضرت ابو حمزہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے اور ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت ابن مسعود سے اور مسلم نے حضرت جابر سے مزید یہ بھی بیان کیا ہے: ”و کتابہ و شادیہ“ اور سود لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: یہ سب برابر ہیں۔

امام نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت بیان کی ہے اہل بیت اس میں ”شادیہ“ کی بجائے ”مانع الصدقة“ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن حنظل ”حسب الملائكة“ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے وہ چھتیس دفعہ زنا کاری سے زیادہ سخت گناہ ہے۔ اس کو امام احمد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ابن ابی الدنیا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مروی ہے اور اس میں اتنا زیادہ ہے کہ جس شخص کا گوشت سود سے پلا ہو حادہ آگ کے زیادہ لائق ہے اس کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سود پر گناہ کے ستر درجے ہیں اس کا ہلکا درجہ ماں سے زنا کرنا ہے۔ [تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۹۵ مطبوعہ ندوۃ المصلین دہلی]

أدھار میں سود کی حرمت

۵۔ بَابُ حُرْمَةِ الرِّبَا فِي النِّسْبَةِ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک سود تو صرف ادھار میں ہوتا ہے اور جو لین دین (ایک مجلس میں فریقین کی طرف سے) دست بدست ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۳۲۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أَسَمَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ إِنَّمَا الرِّبَا فِي النِّسْبَةِ وَمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا تَأْسَ. بخاری (۲۱۷۸) مسلم (۴۰۸۹۔ ۴۰۹۰) نسائی (۴۵۸۵) ابن ماجہ (۲۲۵۷) ابن حبان (۵۰۲۲)

”اِنَّمَا“ یہ صر کا کلمہ ہے جو کلام میں تخصیص کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ”اَلنَّسْبَةُ“ اس کا معنی ہے: لین وین میں ادھار

کرنا۔

سود کی اقسام اور اس کی توضیح

لغت میں ربا کے معنی زیادتی، بڑھوتری، اضافہ اور بلندی ہیں یعنی اصل مال پر زیادتی اور اضافہ کو ربا کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں ربا کی دو قسمیں ہیں: (۱) ربا النسیئہ (اس کو ربا القرآن بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے) (۲) ربا الفضل (اس کو ربا المحدث بھی کہتے ہیں)۔ ربا النسیئہ یہ ہے کہ ادھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا یا اس پر نفع وصول کرنا آج کل دنیا میں جو سود رائج ہے اس پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے۔ امام رازی نے ربا النسیئہ کی صحیح اور واضح تعریف کی ہے لکھتے ہیں کہ زیادہ جاہلیت میں ربا النسیئہ مشہور و معروف تھا وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ وہ اس کے عوض ہر ماہ (یا ہر سال) ایک معین رقم لیا کریں گے اور اصل رقم مقرض کے ذمہ باقی رہے گی پھر مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ مقرض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اور اگر مقرض اصل رقم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ مدت اور سود دونوں میں اضافہ کر دیتا یہ وہ ربا ہے جو زیادہ جاہلیت میں رائج تھا۔ [تفسیر کبرج ۲ ص ۳۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت الطبعة ۱۳۹۸ھ]

ربا الفضل یہ ہے کہ ایک جنس کی چیزوں میں دست بہ دست زیادتی کے عوض بیع کرنا مثلاً چار کلو گندم کو نقد آٹھ کلو گندم کے عوض ربا الفضل یہ ہے کہ ایک جنس کی چیزوں میں دست بہ دست زیادتی کے عوض بیع کرنا مثلاً چار کلو گندم کو نقد آٹھ کلو گندم کے عوض فروخت کیا جائے۔ [ماخذ الاثر ج ۱ ص ۱۰۲۳-۱۰۲۴ مطبوعہ فرید ہک سال ۱۴۰۰ھ]

علامہ سلاطین قاری اس باب کی حدیث اسامہ بن زید کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ علامہ خطابی نے کہا کہ حضرت اسامہ بن زید کی یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ حضرت اسامہ نے پوری حدیث نہیں سنی بلکہ انہوں نے اس حدیث کے آخری کلمات سنے ہیں اور ان کو حفظ کر لیا اور پہلے حصہ کو حاصل نہیں کیا حالانکہ نبی کریم ﷺ سے دو جنسوں کی چیزوں کو تفاضل و اضافہ اور زیادتی کے ساتھ دست بہ دست (یعنی نقد بہ نقد) خرید و فروخت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”انما الربا فی النسیئة“ بے شک سود تو صرف ادھار میں ہوتا ہے یعنی جب جنسیں مختلف ہوں تو بھر تفاضل و زیادتی کے ساتھ نقد بہ نقد خرید و فروخت کرنا جائز ہو جاتا ہے اور سود نہیں رہتا کیونکہ سود تب ہوگا جب ادھار ہوگا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

ہم جنس اور نقد لین دین میں سود کی حرمت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم سونے کو سونے کے بدلے میں برابر برابر فروخت کرو اور زیادہ لینا دینا سود ہے اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں برابر برابر وزن کے ساتھ فروخت کرو اور زیادہ لینا دینا سود ہے اور بھجور کو بھجور کے بدلے میں برابر برابر فروخت کرو اور زیادہ لینا دینا سود ہے اور گھو کو گھو کے بدلے میں برابر برابر فروخت کرو اور زیادہ لینا دینا سود ہے اور نمک کو نمک کے بدلے میں برابر برابر فروخت کرو اور زیادہ لینا دینا سود ہے۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ سونے کو سونے کے بدلے میں برابر

۶۔ بَابُ حُرْمَةِ الرِّبَا بِالْفَضْلِ

۳۳۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الرَّبَا بِالذَّهَبِ مَثَلًا بِمَثَلٍ وَالْفَضْلُ رِبَاً وَالْفَهْضَةُ بِالْفَهْضَةِ وَزَنًا بِوِزْنٍ وَالْفَضْلُ رِبَاً وَالشَّمْرُ بِالشَّمْرِ وَالْفَضْلُ رِبَاً وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ مَثَلًا بِمَثَلٍ وَالْفَضْلُ رِبَاً وَالْوَلَجُ بِالْوَلَجِ مَثَلًا بِمَثَلٍ وَالْفَضْلُ رِبَاً.

وَلَيْ رِبَاً فِي الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ وَزَنًا بِوِزْنٍ

يَبْدُو وَالْفَضْلُ رِبْوًا وَالْحِنْطَةُ بِالْحِنْطَةِ كَيْلًا بِكَيْلٍ
يَبْدَا يَبْدُو وَالْفَضْلُ رِبْوًا وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ
كَيْلًا بِكَيْلٍ وَالْفَضْلُ رِبْوًا.

مسلم (۴۰۶۸) نسائی (۴۵۷۳) مسند احمد (ج ۲ ص ۲۶۱)

برابر وزن کے ساتھ نقد بہ نقد فروخت کرو اور زیادہ لینا دینا سود ہے اور
گندم کو گندم کے بدلے میں برابر برابر ماپ کر دست بدست فروخت
کرو اور زیادہ لینا دینا سود ہے اور کھجور کو کھجور کے بدلے میں اور نمک کو
نمک کے بدلے میں برابر برابر ماپ کر فروخت کرو اور زیادہ لینا دینا
سود ہے۔

حل لغات

”الذَّهَبُ“ اور اس کے معطوفات فعل محذوف کے مفعول یہ ہونے کی بناء پر منصوب ہیں اصل میں ”بيعوا الذهب بالذهب“
ہے ”الذَّهَبُ“ بہ معنی سونا اور ”الْفِضَّةُ“ بہ معنی چاندی اور ”الشَّعِيرُ“ بہ معنی کھجور اور ”الْمِلْحُ“ بہ معنی نمک
اور ”الْحِنْطَةُ“ بہ معنی گندم ہے نیز ”مِثْلًا“ بہ معنی برابر اور ”كَيْلًا“ بہ معنی ماپ یا تاپ ہے۔
ربا الفضل کی ایک علت قدر کی بحث

ائمہ کرام نے احادیث کو سامنے رکھ کر حتی المقدور اس امر کی سعی اور کوشش فرمائی ہے کہ سود کے لیے کوئی اصول وضع کیا جائے
کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ احادیث میں جن چہ چیزوں (سونے چاندی گندم تھو کھجور اور نمک) میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنے کو ربا فرمایا
ہے ان میں حصر نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کو بطور مثال ذکر کیا ہے۔ اسی لیے ائمہ حدیث اور مجتہدین نے اجتہادی علت اور جائزاتی سے
ان چیزوں میں کوئی امر مشترک تلاش کر کے اس کو علت ربا قرار دیا ہے جیسا کہ مذکور الصدر تفصیل سے ظاہر ہو چکا ہے (امام ابو حنیفہ
کے نزدیک حرمیت ربا کی علت قدر اور اتحاد جنس ہے) ان بزرگوں نے نہایت کاوش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو سمجھا
اور سمجھایا ہے ہم نے جب ان احادیث پر غور کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”اذا اختلف الشوہان
فبيعوا كيف شئتم“۔ [صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵، معجم مصطلح الکلامی] جب دونوں مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو فروخت کرو اور
جب ان میں اختلاف نہ ہو تو فرمایا ”مثلاً بمثل“ فروخت کرو اور مثل میں مساوات کا مطلب ہے: قدر میں مساوات اور قدر وزن
کیل اور عددیتوں کو شامل ہے جس طرح ایک کلو یا ایک صاع گندم دو کلو یا دو صاع گندم کے مساوی اور برابر نہیں اسی طرح ایک
درجن اخروٹ اور اٹھ دودرجن اخروٹ اور انڈوں کی مثل اور برابر نہیں ہیں یہ ایک بالکل بدیہی بات ہے اور اس میں کوئی خفاء نہیں
ہے اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بھی ”وزناً“ کھلاً (ماپ کے ذریعہ) یا ”عدداً“ فروخت ہوتی ہیں خواہ وہ از قبیل
شمن ہوں یا از قبیل طعام ہوں یا عام استعمال کی چیزیں ہوں لائق ذخیرہ ہوں یا نہ ہوں جب ان کی بیع ”مثلاً بمثل“ یعنی وزن یا ماپ
یا عدد کے اعتبار سے برابر برابر اور ”یداً بیداً“ یعنی نقد کی جائے گی تو وہ جائز ہوگی اگر وزن یا عدد یا ماپ میں زیادتی کے ساتھ یا ادھار
بیع ہوگی تو ناجائز اور حرام ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ سے حرمیت ربا کے سلسلہ میں جتنی بھی احادیث روایت کی گئی ہیں سب میں ”مثلاً
بمثل“ کی قید ہے اور فقہاء نے ”مثل“ کا معنی قدر کیا ہے اور قدر وزن یا ماپ اور عددیتوں کو شامل ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں
آ سکی کہ ایک کلو یا ایک صاع گندم تو دو کلو یا دو صاع گندم کے غیر مثل ہوں لیکن ایک درجن اٹھ دودرجن اخروٹ دو درجن اٹھوں یا
اخروٹوں کے غیر مثل نہ ہوں اس لیے کہ مثل میں جس طرح وزنی اور ماپ والی چیزیں شامل ہیں اسی طرح عددی چیزیں بھی شامل ہیں
اور اس پر سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”لِلنَّاسِ نَجْرٌ وَمِثْلٌ حَقٌّ الْآتِثِينَ“ (النساء: ۱۵) مرد کے
لیے عورتوں کی دو مثل (دو گنا) حصہ ہے فرض کیجئے لڑکی کو ایک کلو چاندی ملتی ہے تو لڑکے کو دو کلو چاندی ملے گی لڑکی کو ایک سو صاع

مقدم ملتی ہے تو لڑکے کو دو سو صاع گندم ملے گی اور اگر لڑکی کو ایک ہزار روپے ملتے ہیں تو لڑکے کو دو ہزار روپے ملیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجلس ماپ والی وزنی اور عددی ہر قسم کی مساوی چیز کو کہتے ہیں حدیث میں ہے:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کو دو درہموں کے عوض میں فروخت نہ کرو۔ [صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳، سنن کبریٰ ج ۵ ص ۵۸] ۲۷

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق جس طرح وزنی اور ماپ والی ایک نوع کی دو چیزوں میں زیادتی کے ساتھ بیع رہا ہے اسی طرح ایک نوع کی عددی چیزوں میں بھی زیادتی کے ساتھ بیع رہا ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں یہ ظاہر یہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ایک نوع کی دو چیزیں خواہ وہ از قبیل طعام ہوں یا استعمال ہوں یا خشن ہوں اگر ان کی بیع کی یا زیادتی کے ساتھ ہو خواہ کمی یا زیادتی عدد میں ہو یا وزن میں ہو یا بیع ادھار ہو تو وہ رہا ہے اور اگر برابر اور نقد ہو تو جائز اور صحیح ہے۔ "ہذا ما ہندی والعلم العام عند اللہ"۔

[تبیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۲-۱۰۳، مطبوعہ فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور]

سود کی حرمت کی حکمتیں

سود کو حرام فرمانے میں بہت سی حکمتیں ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

- (۱) سود میں جو زیادتی لی جاتی ہے وہ معاوضہ مالہ میں ایک مقدار مال کا بغیر بدل و عوض کے لینا ہے اور یہ صریح نا انصافی ہے۔
- (۲) دوم سود کا رواج تمہارتوں کو تباہ و برباد اور خراب کر دیتا ہے کیونکہ سود خور کو بغیر محنت کے مال حاصل ہو جاتا ہے تمہارت کی مشقتوں اور اس کے خطروں سے کہیں زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے اور تجارت میں انسانی معاشرت کو ضرر پہنچاتی ہے۔
- (۳) سوم یہ کہ سود کے رواج سے باہمی مودت، حسن معاشرت اور رواداری کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ جب آدمی سود لینے اور کھانے کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ کسی کو قرض حسن سے لہذا پہنچانا گوارا نہیں کرتا اور نہ وہ صدقات و خیرات دینا پسند کرتا ہے۔
- (۴) سود کے کاروبار سے انسان کی طبیعت میں وحشی درندوں سے زیادہ بے رحمی پیدا ہو جاتی ہے اور سود خور اپنے مدیون (مقرض) کی تباہی و بربادی کا خواہش مند رہتا ہے اس کے علاوہ بھی سود میں اور بڑے بڑے نقصانات ہیں اور شریعت کی ممانعت عین حکمت و مصلحت ہے۔ [ماخوذ از عزائم العرفان فی تفسیر القرآن ص ۸۳-۸۴، مطبوعہ مکتبہ نیا القرآن، علی کیشنور لاہور]

دو غلاموں کو ایک غلام کے عوض خریدنا

۷۔ بَابُ إِشْتِرَآءِ الْعَبْدَيْنِ بِعَبْدٍ

۳۳۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى عَبْدَيْنِ بِعَبْدٍ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام کے بدلے میں دو غلام خریدے۔

مسلم (۴۱۱۳) ابوداؤد (۳۳۵۸) ترمذی (۱۲۳۹) نسائی (۴۶۲۵)

ربا الفضل کی علت قدر پر دوسری بحث

قارئین کرام! حرمت ربا کے متعلق حضرت ابوسعید کی گزشتہ حدیث کی تشریح میں تفسیر تبیان القرآن سے حرمت ربا کی ایک علت قدر پر تعمیری و تنقیدی مدلل بحث کا کچھ حصہ تحریر کیا گیا ہے اور اب بقیہ حصہ اس حدیث کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک نوع کی ماپ اور تول والی چیزوں میں سود ہے ان کے نزدیک علت ربا ماپ اور تول (یعنی قدر) اور اشتراک جنس ہے وہ عددی چیزوں میں حرمت ربا کے قائل نہیں ہیں مثلاً سیب وزناً بکتا ہے اس لیے ایک کلو گرام سیب کو دو کلو گرام سیب کے

عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود ہے اور کیلے عدداً فروخت ہوتے ہیں اس لیے ایک درجن کیلوں کو دو درجن کیلوں کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے اور یہ انتہائی تعجب خیز امر ہے کہ سبب میں زیادتی کے ساتھ بیع سود ہو اور کیلوں میں زیادتی کے ساتھ بیع سود نہ ہو۔ بعض چیزوں میں عدداً اور وزناً فروخت ہونے کا عرف بدلتا رہتا ہے مثلاً پٹا اور میں پہلے روٹی تول کر فروخت ہوتی تھی اور اب عدداً فروخت ہوتی ہے اور اخروٹ تول کر بھی بکتے ہیں اور عدداً بھی فروخت ہوتے ہیں یعنی آپ اگر عدداً اخروٹ خریدیں تو ایک سو کے بدلے میں دو سو اخروٹ لے سکتے ہیں اور یہ سود نہیں ہے اور اگر وزناً خریدیں تو ایک کلو کے بدلے میں دو کلو اخروٹ نہیں لے سکتے اور یہ سود ہے۔ بعض شہروں میں مالے ایک ہی دوکان پر عدداً بھی بکتے ہیں اور تول کر بھی بکتے ہیں اور یہ بڑی حیرت انگیز بات ہوگی کہ ایک ہی دوکان دار سے ایک چیز کو دو وزناً زیادتی کے ساتھ لینا سود ہو اور عدداً لینا سود نہ ہو ممکن ہے کہ اس کی کوئی وجہ ہو لیکن میری ناقص فہم میں یہ بات نہیں آ سکی رہا یہ کہ بعض احادیث میں ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع کا جواز ہے (جس طرح مسند کی اس حدیث میں ایک غلام کے بدلے میں دو غلاموں کو خریدنے کا جواز ہے۔ غوثی) تو اذلاً تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ شارع ہیں جس چیز کا چاہیں استثناء فرما دیں اس لیے یہ حدیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد میں بند رہے گی ماننا ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ وجہ ہو کہ جس طرح دو غیر جاندار چیزوں میں عین کے لحاظ سے مساوات ہوتی ہے اس طرح دو جاندار چیزوں میں عیناً مساوات نہیں ہوتی اور صفات میں فرق ہوتا ہے مثلاً ایک غلام عالم ہو تو وہ دس جاہل غلاموں سے قیمتی ہوگا ایک گھوڑا اعلیٰ نسل کا ہو تو وہ ادنیٰ نسل کے دس گھوڑوں سے قیمتی ہوگا اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع کا جواز فرمائی ہو اور آپ کی تمام حکمتوں کو کون جان سکتا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک حرمت رہا کی علت طعم اور غصیت ہے لہذا اتمام کھانے پینے کی چیزوں اور سونے اور چاندی میں ہم جنس چیزوں کی زیادتی کے ساتھ بیع ان کے نزدیک سود ہے لیکن جو چیزیں کھانے پینے کی اور جنس نہ ہوں مثلاً تانبا، بتیل، کپڑا، لکڑی وغیرہ ان میں امام شافعی کے نزدیک ہم جنس اشیاء کی زیادتی کے ساتھ بیع سود نہیں ہے اور یہ عجیب و غریب بات ہے کہ ایک کلو چاندی کی دو کلو چاندی کے بدلے میں بیع سود ہو اور ایک کلو تانبا یا بتیل کی دو کلو تانبا یا بتیل کے بدلے میں بیع سود نہ ہو۔ نیز تانبا، بتیل، کپڑا اور کپڑے وغیرہ میں امام شافعی کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک سود ہے اور کھانے پینے کی عددی اشیاء مثلاً اٹھ اور اخروٹ میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک سود ہے۔

امام مالک کے نزدیک حرمت رہا کی علت جنس ہونا اور خوراک کا قائل ذخیرہ ہونا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تانبا، بتیل، لوہا، لکڑی اور دیگر عام استعمال کی اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا سود ہے۔

اور طعام کے علاوہ استعمال کی جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں جیسے پن، پنسل، ہتھیار، میز، کرسی اور عام فرنیچر ان میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا کسی امام کے نزدیک بھی سود نہیں ہے یعنی ایک اٹھ یا ایک اخروٹ کی دو اٹھوں یا دو اخروٹوں کے بدلے میں بیع کرنا امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک سود ہے لیکن ایک پن یا ایک بندوق کی دو پن یا دو بندوقوں کے بدلے میں بیع کرنا کسی امام کے نزدیک سود نہیں ہے اور یہ انتہائی عجیب بات ہے۔ [تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۲۸-۱۰۲۷ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور]

امام احمد بن حنبل کے نزدیک سونے چاندی میں حرمت رہا کی علت شمعیات اور باقی چیزوں میں طعم کو قرار دیا گیا ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے بہر حال اس تعمیری و تنقیدی جائزہ سے اندازہ کیجئے کہ حرمات رہا کی حلال کا غیر جامع ہونا واضح ہو گیا ہے البتہ

جس طرح حدیث میں "مُتْلًا بِمِثْلِ" مطلق ہے اور شریعت نے اس کو کسی خاص چیز کے ساتھ مخصوص نہیں کیا اور اس کی رو سے ہر چیز کی خرید و فروخت میں مساوات و برابری واجب و لازم ہے اسی طرح اس کے معنی قدر کو بھی مطلق رکھا جائے اور اس کو صرف مکملات اور موزونات کے ساتھ خاص نہ کیا جائے بلکہ احتلاف کے نزدیک رہا کی علت اتحاد جنس اور قدر کو مطلق قرار دیا جائے اور یہ مکملات موزونات معدودات اور مزروعات سب کو شامل ہو خواہ ثمن کے قبیل سے ہوں یا طعم کے قبیل سے ہوں قابل ذخیرہ ہوں یا نہ ہوں تو پھر علت رہا کی یہ تعریف صحیح اور جامع و مانع ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

حضرت جابر کی اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک غلام کے عوض میں دو غلام خریدے سو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ سودا حرام نہ رہا کی نہیں سے پہلے کا ہو پھر منسوخ ہو گیا ہو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث فعلی ہے جس میں آپ کا عمل بیان کیا گیا ہے جبکہ حرمت رہا کی حدیث قولی ہے جس میں آپ کا فرمان بیان کیا گیا ہے اور قول فعل سے اہم ہوتا ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ دیگر خصوصیات کی طرح صرف آپ کی خصوصیت ہے کسی اور کو اجازت نہیں اور چوتھا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے نبی کریم ﷺ کا غلام زیادہ قیمتی ہو اور اس کی قیمت دو غلاموں کے برابر ہوگی اس لیے آپ نے اپنے ایک غلام کے بدلے میں دو غلام خریدے فرمائے۔

اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے
غلام فروخت کرنا جائز نہیں

۸۔ بَابُ لَا يَجُوزُ بَيْعُ
الْغُلَامِ قَبْلَ الْقَبْضَةِ

۳۳۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ
طَاوُسٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اشْتَرَى غُلَامًا فَلَا يَبِيعُهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ.

بخاری (۲۱۳۵) مسلم (۳۸۳۶) ابوداؤد (۳۴۹۷) نسائی (۴۵۹۹) ترمذی (۱۲۹۱) ابن ماجہ (۲۲۴۷-۴۹۷۸) مسند احمد (ج ۳ ص ۳۹۲)

عمل لغات

"طَعَمًا" اس کا معنی ہے: کھانا، خوراک یہاں اس سے غلام مراد ہے۔ "يَسْتَوْفِيهِ" اس میں "يَسْتَوْفِي" صيغة واحد مذکر قائب، فعل مضارع معروف باب استفعال سے ہے اس کا معنی ہے: پورا وصول کرنا۔

قبضہ سے پہلے فروخت کی ممانعت میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

امام مالک کے نزدیک یہ ممانعت صرف غلام جات کے ساتھ مخصوص ہے لہذا ان کے نزدیک غلام کے علاوہ دیگر چیزوں کو اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے کسی کو بھی فروخت کیا جاسکتا ہے لیکن غلام کو قبضہ میں لینے سے پہلے ان کے نزدیک نہیں بچا جاسکتا اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ ممانعت ہر ملکیتی اور موزونی چیز کو بھی شامل ہے لہذا ان کے نزدیک ہر کیلی اور وزنی چیز کو قبضہ سے پہلے فروخت نہیں کیا جاسکتا خواہ اس کا غلام اور اناج سے تعلق ہو یا کسی اور جنس سے تعلق ہو اور کیلی اور وزنی اور غلام کے علاوہ دیگر چیزوں کو قبضہ سے پہلے کسی اور کو فروخت کیا جاسکتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہ ممانعت ہر چیز کو شامل ہے خواہ وہ کیلی ہو یا وزنی ہو اور خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ ہو جیسے زمین اور مکانات وغیرہ لہذا ان کے نزدیک کسی قسم کی کوئی چیز قبضہ کرنے سے پہلے آگے کسی اور کو فروخت نہیں کر سکتے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ممانعت ہر منقولہ چیز کو شامل ہے خواہ وہ کیلی ہو یا وزنی ہو اور غلام ہو یا کوئی اور منقولہ چیز ہو لیکن یہ ممانعت غیر منقولہ چیزوں کو شامل نہیں ہے لہذا ان کے نزدیک غیر منقولہ چیز کو اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے آگے کسی اور کو فروخت کیا جاسکتا ہے

اور امام ابو حنیفہ کی ایک دلیل اس حدیث میں ”حَتَّى يَسْتَوِيْلَهُ“ کے الفاظ ہیں کیونکہ کسی چیز کو مکمل اور پورا وصول کرنا اور قبضہ میں لینا صرف منقولہ چیز میں ہو سکتا ہے کہ غیر منقولہ چیز اپنی جگہ میں قائم رہتی ہے اسے دیگر منقولہ چیزوں کی طرح وہاں سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا اور دوسری دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جسے امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اسی جگہ میں غلہ فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ اس کو (قبضہ میں لے کر) وہاں سے کسی اور جگہ میں منتقل کر لیں اور اس ممانعت کی وجہ باہمی اختلاف و نزاع اور جھگڑے سے بچنا ہے کیونکہ قبضہ میں لینے سے پہلے اسے فروخت کرنے پر ممکن ہے بعد میں وہ چیز مہیا ہی نہ ہو سکے یا کم و بیش مہیا ہو تو اس پر جھگڑا کھڑا ہو جائے گا اس لیے پہلے اسے اپنے قبضہ میں لیا جائے پھر قبضہ کے بعد اسے فروخت کیا جائے تاکہ مہیا نہ ہونے کا اندیشہ ہی نہ رہے اور اگر بیع چیز کم ہوئی تو مالک کا نقصان ہوگا اور اگر زیادہ ہوئی تو مالک کی ہوگی۔ [ماخوذ از حسین النہام فی شرح مسند الامام ص ۱۶۶ حاشیہ ۳ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۹۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ دھوکے کی خرید و فروخت سے ممانعت

۳۳۳۔ ابُو حَنِيفَةَ عَنْ ثَابِعٍ عَنْ ابْنِ حُمَرَ قَالَ
نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ.
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
دھوکے کی خرید و فروخت سے منع فرمادیا ہے۔
مسلم (۳۸۰۸) ابوداؤد (۳۳۷۶) ترمذی (۱۲۳۰) ابن ماجہ (۲۱۹۵) ابن حبان (۴۹۷۲) مسند احمد (۱۳۴ ص ۲۲)

حل لغات

”الغَرَر“ اس میں فیمن اور پہلی راہ مفتوح ہے اور اس کا معنی ہے: فریب دینا، دھوکہ دینا۔

بیع غرر کی توضیح

اس حدیث میں بیع الغرر سے منع کیا گیا ہے اور غرر میں فیمن اور پہلی راہ مفتوح ہیں یہ غرر سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی فریب اور دھوکہ دینا ہے گویا ہر وہ خرید و فروخت جس میں فریقین میں سے کسی کو دھوکہ ہو وہ ممنوع ہے اس لیے اس حدیث میں ایک اہم ترین جامع اصل اور بنیادی قانون فراہم کیا گیا ہے جو بہت سے فردی مسائل و احکام کو شامل ہے چنانچہ غرر کی بیع ملامت، منابذہ حصاۃ اور اس قسم کی تمام بیوع کو شامل ہے اور بیع کی ان اقسام کو محض اس لیے الگ الگ بیان کیا گیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ مشہور و معروف کاروبار کی حیثیت اختیار کر چکی تھیں اور اس بیع میں مشتری کو دھوکہ ہوتا ہے کیونکہ بیع کی ان تمام اقسام میں بیع یا ضمان یا مدت مجہول ہوتی ہے یا پھر بیع وغیرہ کی ادائیگی مشکل و ناممکن ہو جاتی ہے جیسے مفرد اور بھاگے ہوئے غلام کی بیع اور ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی فروخت (پانی میں مچھلی کی) جانور کے حصوں میں دودھ کی اور پیٹ میں بچے کی فروخت (البتہ بعض اوقات دھوکہ بہت کم ہوتا ہے اور جہل بھی بہت تھوڑا ہوتا ہے جو معافی اور برداشت کے قابل ہوتا ہے جیسا کہ اجرت پر حمام میں غسل وغیرہ کے لیے آنے کی اجازت پر اجماع اور اتفاق ہے حالانکہ پانی کے استعمال کرنے اور حمام میں ٹھہرنے کی مقدار میں لوگوں کی عادات مختلف ہوتی ہیں چنانچہ کوئی شخص زیادہ پانی استعمال کرتا ہے کوئی کم استعمال کرتا ہے اور اسی طرح کوئی زیادہ دیر لگاتا ہے کوئی تھوڑی دیر لگاتا ہے اور اسی ملامت و بیع ہے جس میں خریدار جس چیز کو ہاتھ لگا کر چھو لے وہ بک گئی اب سے کھوں کر انٹ پلٹ کر کے دیکھنے کی اجازت نہیں اور منابذہ وہ بیع ہے جس میں بیع اور مشتری اپنا اپنا کپڑا ایک دوسرے کی طرف پھینک دیتے ہیں تو بیع واجب ہو جاتی ہے خواہ وہ کپڑے کیسے ہوں اونٹنی ہوں یا اٹنی ہوں قیمتی ہوں یا نہ ہوں خواہ ایک اٹنی ہو دوسرا اونٹنی یا ایک قیمتی ہو دوسرا غیر قیمتی ہو اور حصاۃ وہ بیع ہے جس میں بیع کی برائے فروخت چیزوں میں سے جس چیز پر مشتری ٹکریاں پھر پھینک دے گا اس کی بیع لازم ہو جائے گی خواہ کیسی ہی ہو۔ [اصول المعات ج ۳ ص ۳۲ مطبوعہ مکتبہ نور پور رضویہ سکس]

کے محل تک سے پانی پینے کا جواز ہے حالانکہ پانی کی مقدار مجہول ہے اور پینے والوں کی عادات مختلف ہوتی ہیں۔

مزاہنہ اور محافلہ کی

بیع سے ممانعت

۱۰۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ

الْمَزَاهِنَةِ وَالْمَحَافِلَةِ

۳۳۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْمَزَاهِنَةِ وَالْمَحَافِلَةِ.

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مزاہنہ اور محافلہ کی بیع سے منع فرمادیا ہے۔

بخاری (۲۱۸۷) مسلم (۳۹۰۸) ابوداؤد (۳۴۰۵) ترمذی (۱۲۹۰) نسائی (۴۶۳۷) ابن ماجہ (۲۲۶۶) ابن حبان (۴۹۹۶)

بیع مزاہنہ اور محافلہ کا مفہوم

بیع مزاہنہ یہ ہے کہ تازہ پھلوں کو اسی جنس کے خشک پھلوں کے عوض بیانوں سے فروخت کیا جائے جیسے تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کیا جائے اور یہ اس لیے ناجائز ہے کہ تازہ کھجوریں خشک ہو جانے کے بعد وزن کے اعتبار سے کم ہو جائیں گی جس کی وجہ سے خریدار کو دھوکا ہو گا۔ بیع محافلہ یہ ہے کہ کھیت کی فصل کو اسی جنس کے خشک اناج کے عوض بیانوں سے فروخت کیا جائے جیسے کھیت میں لگے خوشوں کے اندر موجود گندم کو کئی ہوئی صاف گندم کے عوض فروخت کیا جائے اور یہ بیع ناجائز ہے ایک تو اس لیے کہ اس میں قبضہ سے پہلے فروخت ہے جو ناجائز ہے دوسرا اس لیے کہ اس میں جمع مجہول ہے کہ خوشوں کے اندر موجود گندم کے بارے میں معلوم نہیں کہ عمدہ اور اچھی فصل ہوگی یا نہیں لہذا اس میں بھی خریدار کو دھوکا ہو سکتا ہے۔

پھلوں کو تیار ہونے سے پہلے

فروخت کرنا منع ہے

۱۱۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ إِشْتِرَائِهِ

الْقَمْحَةِ قَبْلَ الْإِشْفَاحِ

۳۳۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ أَنْ يُشْتَرَى قَمْحَةٌ حَتَّى يُشْفَحَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پھل خریدنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ تیار ہو کر سرخ یا زرد ہو جائے۔

بخاری (۲۱۹۶) ابوداؤد (۳۳۷۰) ابن حبان (۴۹۹۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی بیع سلم سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ اس کا پھل تیار ہو جائے۔

۳۳۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ جَبَلَةَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشَّلْمِ فِي الشَّعْلِ حَتَّى يَتَدَوَّ صَلَاحُهُ.

بخاری (۱۴۸۶) مسلم (۳۸۶۲) ابوداؤد (۳۳۶۷) نسائی (۴۵۲۴) ابن ماجہ (۲۲۱۴) سند احمد (۵۶۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب ستارہ طلوع ہو جاتا ہے تو پھلوں کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں یعنی ثریا۔

۳۳۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاوٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا طَلَعَ النُّجْمُ رَقَبَتِ الْعَاهَاتُ يَعْنِي الثَّرِيَّا

سند احمد (۸۴۷۶) طبرانی (۱۳۰۵) کتاب الآثار (۹۰۷)

حل لغات

”بَشْرَحَ“ ”مِنْهُ وَاحِدٌ كَرَنَابٍ“ فعل مضارع معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: پھل کا پکنے کے لیے رنگ بکڑنا۔
 زرد یا سرخ ہونا۔ ”يَنْقُو“ ”مِنْهُ وَاحِدٌ كَرَنَابٍ“ فعل مضارع معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: ظاہر ہونا۔ ”الْمُخْلَفَاتُ“ یہ
 ”غَاثَةٌ“ کی جمع ہے بہ معنی آفت۔

باغات کے پھلوں کی مرۃ جب بیع کا شرعی حکم

ہمارے زمانہ کے اکثر اسلامی شہروں میں باغات کے پھلوں کی بیع کا طریقہ یہ ہے کہ درختوں پر لگے پھلوں کی بیع کی جاتی ہے اور پھلوں کو درختوں سے توڑ کر بیع نہیں کرتے اور کبھی ان پھلوں کی صلاحیت کے ظہور (یعنی پکنے کے آثار) سے پہلے بیع ہو جاتی ہے اور زیادہ اس وقت بیع ہوتی ہے جب پھلوں کا ظہور بھی نہیں ہوتا اور صرف ان کا پور ظاہر ہوتا ہے اور کبھی اس کے ظہور سے بھی پہلے بیع ہو جاتی ہے پھلوں کی بیع کی یہ تمام مرۃ جو صورتیں باطل ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہور صلاحیت سے پہلے ان کی بیع سے منع فرمایا ہے اور آپ نے خریدار اور بائع دونوں کو منع فرمایا ہے نیز پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع (خرید و فروخت) کے عدم جواز پر تمام فقہاء کا اجماع ہے جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے ذکر کیا ہے اور حدیث میں بھی معدوم چیز کی خرید و فروخت کی ممانعت ہے۔

باغ کے پھلوں کی مرۃ جب بیع کے بطلان کی ایک وجہ پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خریدار ان پھلوں کو ایک معین عرصہ تک درختوں پر برقرار رکھتا ہے اور اگر خریدار پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کی شرط سے بیع کر لے تو یہ بیع بھی بالاجماع باطل ہے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ اور علامہ ابن ہمام کے حوالوں سے گزر چکا ہے لیکن آج کل تقریباً تمام دنیا میں پھلوں کی بیع کا یہی طریقہ رائج ہے اور اسلامی احکام سے جہالت کے غلبہ کی وجہ سے لوگ زمانہ دراز سے اس معمول کے عادی ہو گئے ہیں اور اگر عدم جواز کے اس حکم کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو آج دنیا میں کسی جگہ کوئی پھل کھانا جائز نہیں ملا یہ کہ کوئی شخص اپنے باغ سے خود پھل توڑ کر کھائے۔ اس مشکل سے نہایت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تمام دنیا کے مسلمان تاجروں کو اسلامی طریقہ سے باغات کے پھلوں کی بیع پر مجبور کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بہت مشکل ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ باغات کے پھلوں کی مرۃ جب بیع میں جواز کا پہلو تلاش کیا جائے۔ الحمد للہ ہمارے فقہائے کرام نے غور و فکر کر کے ایسی فقہی صورتیں بیان کر دی ہیں جن کی رو سے پھلوں کی مرۃ جب بیع جائز ہو جاتی ہے پہلے ہم پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع کے جواز کا حل ذکر کریں گے اور اس کے بعد ایک معین عرصہ تک پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کا حل بیان کریں گے۔ واللہ التوفیق!

پھلوں کے ظہور سے پہلے بیع کا حل

باغ کے پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع کے جواز کے حل کی متعدد صورتیں مہارت فقہاء سے واضح ہوتی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وہ ظہور سے پہلے پھلوں کو خرید لے اور ایک مدت معین تک کے لیے باغ کی زمین کو کرایہ پر لے لے پھر پھلوں کے اتارنے تک جو زمین سے پیداوار ہوگی وہ کرایہ کا عوض اور اس کا جائز حق ہوگا چنانچہ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

ان هناك لو استأجر الارض مدة معلومة اس صورت میں اگر وہ (خریدار) مدت معلومہ کے لیے زمین کو کرایہ پر لے لے تو جائز ہے۔

ہر چند کہ یہ حل بالکل صاف اور بے غبار ہے اور اس پر آسانی سے عمل ہو سکتا ہے لیکن تمام دنیا کے تاجروں کو یک لخت اس حل کی

طرف واپس لوٹا دینا عملاً مشکل ہے۔

دوسرا حل یہ ہے کہ اگر بعض پھلوں کے پور کا ظہور ہو گیا ہو لیکن بعض یا اکثر پھلوں کا پور ظاہر نہ ہوا ہو تو جن کا ظہور ہو گیا ہے ان کو اصل قرار دیا جائے اور جن کا ظہور نہیں ہوا ان کو تابع قرار دیا جائے۔ یہ امام مالک، امام محمد بن حسن شیبانی، امام حلوانی اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک جائز ہے اگرچہ یہ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے چنانچہ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

(ترجمہ) جب بعض پھل لائق نفع ہوں اور بعض ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں یا بعض لائق نفع نہ ہوں اور بعض ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں یا وہ قائل نفع نہ ہوں مثلاً تنکوں کی طرح ہوں (یا پور کی حالت میں ہوں) اور خریدار سب کو خرید لے تو ظاہر مذہب میں یہ عقد (سودا) باطل ہے البتہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے امام سرخسی فرماتے ہیں: ہمارے استاذ شمس الامامہ (حلوانی) پھلوں بیکن اور ٹریڈوں وغیرہ میں اس بیع کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے اور امام محمد بن فضل سے بھی یہ فتویٰ اسی طرح منقول ہے انہوں نے کہا: میں اس عقد میں موجود کو اصل اور جو بعد میں پیدا ہوں ان کو تابع قرار دیتا ہوں انہوں نے کہا: میرے نزدیک یہ بیع مستحسن ہے کیونکہ اس پر لوگوں کا تعامل ہے سودہ انگوروں کو اسی طرح فروخت کرتے ہیں اور اس بیع میں ان کی عادت معروف و مشہور ہے اور لوگوں سے ان کی یہ عادت چھڑانے میں بہت حرج ہے امام محمد بن فضل نے کہا: میں نے اس مسئلہ میں امام محمد کی ایک روایت بھی دیکھی ہے اور وہ درختوں پر گلاب کے پھولوں کی بیع ہے۔ کیونکہ پھول بعد میں بھی آتے ہیں پھر انہوں نے تمام چیزوں میں اس طریقہ سے مطلقاً بیع کو جائز قرار دیا۔ علامہ سرخسی نے متعدد مستند فقہاء کے حوالوں سے پھلوں کی بیع کی جو یہ صورت ذکر کی ہے یہ باغ کے پھلوں کی مراد ہے بیع پر عمل صادق آتی ہے اور بیع کی اس صورت کے جواز سے مسلمانوں سے حرج فقہیم دور ہو جاتا ہے ورنہ کسی مسلمان کے لیے ہزار سے پھل خرید کر کھانا جائز نہیں ہوگا۔

علامہ سرخسی کی اس عبارت کو تلخیص کے ساتھ علامہ ابن ہمام، علامہ ابن نجیم اور علامہ حسکی نے بھی نقل کر کے پیش کیا ہے۔ تیسرا حل یہ ہے کہ درختوں پر جس قدر بھی پور یا پھل ہوں ان کو خریدار خرید لے اور اس کے بعد فصل تک جس قدر بھی پھل آئیں ان سب کو باغ کا مالک خریدار پر حلال کر دے اور فی الواقع پھلوں کی مراد بیع اسی طرح ہوتی ہے کہ خریدار موجود پھل (خواہ وہ جس حال میں بھی ہوں) خرید لیتا ہے اور باغ کا مالک فصل تک پیدا ہونے والے پھل اس کے لیے حلال کر دیتا ہے۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

یا خریدار موجود پھلوں کو پوری قیمت سے خریدے اور باغ اس کے لیے بعد میں پیدا ہونے والے پھلوں کا لینا حلال کر دے اس طریقہ سے دونوں کا مقصد حل ہو جائے گا۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

درختوں کے پھلوں میں جو موجود ہوں ان کو خرید لے اور (فصل تک) بعد میں پیدا ہونے والے پھلوں کو باغ مشتری کے لیے حلال کر دے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

یہ تین حل اس صورت میں ہیں جب باغ کے درختوں میں سے کسی ایک پر بھی کم از کم پور لگ گیا ہو لیکن ہمارے ہاں عموماً اس وقت باغ کے پھلوں کی بیع ہوتی ہے جب باغ کے کسی ایک درخت پر بھی پور تک نہیں ہوتا یا چند درختوں پر پور آیا ہوا ہوتا ہے اس صورت میں صرف یہ حل ہے کہ اس بیع کو حکماً بیع سلم (جس میں ثمن بروقت اور بیع بعد میں ادا کرنا ہوتا ہے) قرار دیا جائے اس لحاظ

سے یہ بیع جائز ہو جائے گی اور پھلوں کا کھانا جائز ہو جائے گا۔
علامہ شامی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے میں ضرورت کا متحقق ہونا کسی سے مخفی نہیں ہے، خاص طور پر دمشق میں جہاں پھلوں کے درخت اور پھل بہت زیادہ ہوتے ہیں اور چونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے، اسی لیے شرعی حل پر ان سے عمل کرانا (مثلاً زمین کرایہ پر لینا) ناممکن ہے، ہر چند کہ انفرادی طور پر بعض لوگوں سے اس پر عمل کرانا ممکن ہے، لیکن دنیا کے تمام لوگوں سے اس پر عمل کرانا ناممکن ہے اور لوگوں سے ان کی عادات چھڑانے میں بہت حرج ہے اور اس صورت میں جن شہروں میں صرف اس طرح پھلوں کی بیع ہوتی ہے، یہ لازم آئے گا کہ وہاں پھلوں کا کھانا حرام ہو اور نبی کریم ﷺ نے بیع سلم کی رخصت ضرورت کی بناء پر دی ہے، حالانکہ وہ معدوم کی بیع ہے، پس چونکہ یہاں بھی ضرورت متحقق ہے اس لیے اسے بیع سلم کے ساتھ دلالت کے طریقہ پر لاحق کرنا ممکن ہے، پس حدیث ("لا بیع احمد ما لیس عندہ" کہ کوئی شخص وہ چیز فروخت نہ کرے جو اس کے پاس نہیں ہے) کے مخالف نہ رہی، اس لیے کہ اس بیع کو استحساناً جائز قرار دیا ہے کیونکہ قیاس کا تقاضا عدم جواز ہے۔

باغ کے پھلوں کی مروجہ بیع میں پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کا حل

تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ پھل خریدنے کے بعد ان کا درخت سے اتارنا واجب ہے اور اگر خریدار یہ شرط لگائے کہ وہ پکے تک پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھے گا تو اس کی یہ شرط باطل ہے کیونکہ یہ سودا در سودا ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے یا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ بیع میں ایسی شرط لگائی گئی ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور رسول اللہ ﷺ نے بیع اور شرط دونوں سے منع فرمایا ہے۔ اطہرائی اباغ کے پھلوں کی بیع میں ایک خاص وقت تک پھل درخت پر رہنے دینے جاتے ہیں لہذا اس وجہ سے اس بیع میں اشکال پیدا ہو گیا۔ اس اشکال کا ایک حل یہ ہے کہ بیع بغیر شرط کے کی جائے اور پھر اگر بائع پھلوں کو درختوں پر رہنے دینے کی اجازت دے دے تو یہ جائز ہے اور چونکہ عرف یہ ہے کہ بیع میں یہ شرط نہیں لگائی جاتی اور ایک معین مدت تک پھلوں کے درختوں پر برقرار رہنے پر بائع کو اعتراض نہیں ہوتا، اس لیے یہاں حکماً بائع کی اجازت حاصل ہے۔

علامہ ابوالحسن مرقینانی فرماتے ہیں:

ولو اشترأھا مطلقاً وتو کھا باذن البائع
اور اگر خریدار نے پھلوں کو مطلق بیع کے ساتھ خریدا اور بائع کی اجازت سے ان کو درختوں پر چھوڑ دیا تو اس سے جو پھلوں کی زائد پیداوار ہوگی وہ خریدار کے لیے حلال و طیب ہوگی۔
طاب له الفضل.

اس اشکال کا دوسرا حل یہ ہے کہ درختوں پر پھلوں کے باقی رکھنے کے عدم جواز کا سوال اس وقت پیدا ہوگا جب بیع کے وقت درختوں پر پھل یا پھلوں کا بور موجود ہو اور ان کی بیع پہلے مذکورہ دو طریقوں سے کی جائے لیکن اگر بیع کے وقت بور یا کوئی چیز موجود نہ ہو اور مروجہ بیع بھی ایسے ہی ہوتی ہے تو یہ علامہ شامی کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق بیع سلم ہے جو ضرورت کی وجہ سے جائز ہے اور اس پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب مروجہ طریقہ کے مطابق بیع جائز قرار پائی تو رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد "ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو مت فروخت کرو" کا کیا عمل ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا اطلاقی ضرورت کے مواضع کے ماسوا دیگر مواقع پر ہوگا اور ضرورت کے مواضع (جگہیں) ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں۔ لہذا جس طرح بیع سلم ضرورت کی بناء پر جائز ہے اسی طرح پھلوں

کی مراد جہ بیع بھی جائز ہے اللہ تعالیٰ ہمارے فقہاء پر رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے جزئیات بیان کر دی ہیں جس سے مراد جہ بیع جائز ہوئی اور بازار میں بکنے والے پھلوں کا کھانا جائز ہو گیا ورنہ کسی شخص کے لیے بازار سے پھل خرید کر کھانا جائز نہ ہوتا۔ واللہ الحمد!

[شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۹۱-۱۸۷ مطبوعہ فرید بک شال اردو ہزار لاہور]

اس باب کی آخری حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب ثریا نامی ستارہ طلوع ہوتا ہے تو پھلوں کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں دراصل موسم گرما کے شروع میں جب گرمی کی شدت بڑھ جاتی تو حجاز مقدس کے بلاد میں صبح صادق کے بعد ثریا نامی ستارہ طلوع ہوتا اور شدت گرمی کے سبب پھلوں پر حملہ آور بیماریاں ختم ہو جاتیں اور پھل پکنا شروع ہو جاتے لیکن حقیقت میں بیماریوں کا ختم ہونا اور پھلوں کا پکنا اللہ تعالیٰ کی تاثیر سے ہوتا تھا جبکہ ثریا ستارہ کا طلوع ہونا ظاہری سبب اور علامت ہوتا ہے۔

پیوند کردہ بھجور کا پھل بائع کا ہوگا

۱۲۔ بَابُ ثَمَرَةِ نَخْلٍ مُّؤَبَّرٍ لِلْبَّائِعِ

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص پیوند کاری کردہ بھجور کو فروخت کرے یا ایسا غلام فروخت کرے جس کے پاس کچھ مال ہو تو پھل اور مال بائع کا ہوگا مگر یہ کہ مشتری اپنے لیے شرط لگا دے۔

اور ایک روایت یوں ہے کہ جو شخص ایسا غلام فروخت کرے جس کے پاس کچھ مال ہو تو مال بائع (فروخت کرنے والے) کا ہوگا مگر یہ کہ مشتری اپنے لیے شرط لگا دے اور جو شخص پیوند کاری کردہ بھجور فروخت کرے تو اس کا پھل بائع کا ہوگا مگر یہ کہ مشتری شرط لگا دے۔

۳۳۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مَنْ بَاعَ نَخْلًا مُّؤَبَّرًا أَوْ غَبْثًا وَلَهُ مَالٌ فَلِلْمُؤَبَّرِ وَالْمَالُ لِلْبَّائِعِ إِلَّا أَنْ يُشْفِطَ الْمُشْتَرِي.

وَلَمْ يَنْوَ بَوَائِبَ مَنْ بَاعَ غَبْثًا وَلَهُ مَالٌ فَلِلْمَالِ لِلْبَّائِعِ إِلَّا أَنْ يُشْفِطَ الْمُتَبَاعُ وَمَنْ بَاعَ نَخْلًا مُّؤَبَّرًا لَقَمَرَتَهُ لِلْبَّائِعِ إِلَّا أَنْ يُشْفِطَ الْمُتَبَاعُ.

ہجری (۲۳۷۹) مسلم (۳۹۰۵) ابوداؤد (۳۴۳۳) ترمذی

(۱۲۴۴) ابن ماجہ (۲۲۱۱) نسائی (۴۶۴۰)

حل لغات

”مؤبّر“ صیغہ واحد کرام مفعول باب تفعیل سے ہے اور ”غابّر“ سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: پیوند کاری کرنا، قلم لگانا۔
”المتباع“ صیغہ واحد کرام فاعل باب افعلال سے ہے اس کا معنی ہے: مشتری یعنی خریدار۔

پھل دار درختوں کی فروخت میں ائمہ کا موقف

دراصل اہل عرب مادہ بھجور کے گابھے میں نہ بھجور کے گابھے کی شاخیں لگا دیتے جس کی بناء پر مادہ اور نہ بھجور کی شاخوں کے ملاپ کی وجہ سے پھل اچھے اور زیادہ پیدا ہوتے چونکہ اس عمل سے بھجوروں کی اصلاح ہوتی ہے اس لیے اس کو عربی میں ”غابّر“ اور ”تلغیح“ کہتے ہیں جبکہ اردو میں قلم لگانا اور پیوند کاری کرنا کہتے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک پھل ہر حال میں درخت کے تابع ہوتا ہے اس لیے دونوں صورتوں میں درخت کا پھل مشتری کا ہوگا اور امام شافعی امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اگر درخت پیوند کاری کے بغیر پھل دار ہے تو پھر یہ پھل درخت سمیت مشتری کا ہوگا مگر یہ کہ بائع درخت فروخت کرتے وقت شرط لگا دے کہ پھل اسی کا ہوگا اور اگر پیوند کاری کے بعد درخت پر پھل لگا ہو تو اس حدیث کے مطابق پھل بائع کا ہوگا مگر یہ کہ مشتری عقد کے وقت شرط لگا دے کہ درخت اور پھل دونوں اسی کے ہوں گے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک پھل دار درخت کا پھل ہر حال میں بائع کا ہوگا خواہ پیوند کاری کے بغیر لگا ہو یا پیوند کاری کے بعد لگا، مگر یہ کہ مشتری شرط لگا دے کہ پھل بھی اسی کا ہوگا۔

[ماخوذ از سرقات شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۸۵ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

نرخ پر نرخ لگانے کی ممانعت

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی کے نرخ پر نرخ نہ لگائے اور نہ اپنے مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجے اور نہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ پر نکاح کرے اور نہ کوئی عورت اپنی (اسلامی) بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے تاکہ اس کے پیالہ کا حصہ خود لے لے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اس کو (اور سب کو) روزی دینے والا ہے اور تم پھر ڈال کر خرید و فروخت نہ کرو اور جب تم کسی مزدور کو مزدوری پر لواتو اس کی اجرت اسے تمادو۔

بخاری (۲۱۴۰) مسلم (۳۸۱۱-۳۸۱۲) ابوداؤد (۲۰۸۱) ترمذی (۱۲۹۲) نسائی (۳۲۴۱) ابن ماجہ (۲۱۲۲)

حل لغات

”لَا يَسْتَأْمُ“ سیغہ واحد نہ کر غائب فعل فی معلول باب التعلیل سے ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کا بھاؤ ملے کر نرخ بنانا۔
”يُعْطِيَةُ“ اس میں خاہ کمسور ہے اس کا معنی ہے: نکاح کا پیغام دینا۔ ”لَعَنُفَا“ اس میں تاء حرف مضارع مفتوح ہے کاف ساکن ہے اور فاء اور حمزہ مفتوح ہیں سیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف باب قتح يفتح سے ہے اس کا معنی ہے: حاصل کرنا وصول کرنا پالینا اس کے شروع میں لام ”عُي“ ہے۔ ”صَحْفَةُ“ کا معنی ہے: پیالہ۔

کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کی ممانعت

چونکہ دین خیر خواہی کا نام ہے اس لیے ہر مسلمان کا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی بھلائی چاہے اور ان کو نقصان پہنچانے کی بجائے ان کی مدد کرے جیسا کہ حدیث میں ہے: ”يَحْسِرُ النَّاسُ مَنْ يَنْطَلِعُ النَّاسُ“ کہ لوگوں میں بہترین آدمی وہی ہے جو دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچائے چنانچہ مسند کی اس حدیث میں مسلمانوں کو ایسے تمام کاموں سے منع فرما دیا گیا ہے جو دوسروں کی دل آزاری اور دل شکنی کا باعث ہیں نیز باہمی جھگڑوں، نفرتوں اور قطع رحمی کا سبب ہیں۔ ان کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے کسی بھائی کے نرخ اور بھاؤ پر اپنا نرخ اور بھاؤ نہ لگائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب فریقین میں باہمی رضامندی سے سودا ملے ہو جائے اور قیمت مقرر ہو جائے تو پھر کسی کو اجازت نہیں کہ وہ مشتری سے کہے کہ تم یہ سودا توڑ دو میں تمہیں اس سے بہتر چیز فروخت کرتا ہوں یا پانچ سے کہے کہ تم یہ سودا توڑ دو میں تمہیں زیادہ قیمت دے کر خرید لیتا ہوں اور بخاری و مسلم نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے نرخ پر نرخ نہ لگائے۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ”وَلَا يَسْكُحُ عَلَى خُطْبَةِ أَخِيهِ“ اور کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر نکاح نہ کرے اور امام بخاری نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ روایت بیان کی ہے: ”لَا يَخْطُبُ أَحَدُكُمْ عَلَى خُطْبَةِ أَخِيهِ“ تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ دے یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب فریقین معین مہر پر باہم راضی ہو چکے ہوں اور صرف عقد (ایجاب و قبول) باقی ہو لیکن اگر

لڑیقین ابھی تک مہر معین پر باہم راضی نہیں ہوئے اور بات چیت جاری ہو تو پیغام نکاح دے سکتا ہے کیونکہ مردی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ابو معاویہ اور ابو جہم دونوں نے مجھے پیغام نکاح بھیجے ہیں سو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسامہ سے نکاح کر لو اور بعض علماء نے بیان کیا ہے: یہ اس صورت میں ہے جب نکاح کا پیغام دینے والے دونوں ایک جیسے ہوں لیکن اگر پہلا شخص فاسق و فاجر ہو اور دوسرا شخص نیک ہو تو پھر وہ اس ممانعت میں داخل نہیں لیکن یہ ظاہر کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم بالسرائر

علامہ نووی نے کہا کہ اگر کسی شخص نے اپنے مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر نکاح کا پیغام بھیج دیا تو وہ تنہا رہے گا لیکن اس کا نکاح صحیح ہوگا اور اسے نسخ نہیں کیا جائے گا، البتہ بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ یہ نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اور تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ”ولا نکح المرأة علی حمتها ولا علی خالعتها“ اور کسی عورت کا اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے اور نہ کسی عورت کا اس کی خالہ پر نکاح کیا جائے۔ یعنی پھوپھی اور اس کی بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے اور اسی طرح خالہ اور اس کی بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عمل قطع رحمی کا سبب بن جاتا ہے۔

اور چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے تاکہ اس کے خالہ کا حصہ (رزق) خود حاصل کر لے اور اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کی اپنے خاوند کے پاس خوشحال زندگی دیکھ کر رشک کرے اور اس کے خاوند سے مطالبہ کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کے ساتھ شادی کر لے تاکہ اس مطلقہ عورت کا حصہ لے کر خود خوشحال زندگی گزارے اور دوسری صورت یہ ہے کہ عورت اپنی سوکن کے حصہ کا مال ہڑپ کرنے کی خاطر خاوند سے اس کو طلاق دینے کا مطالبہ کرے تاکہ یہ ایکلی خاوند کے گھر اور مال و دولت پر عیاشی کرے اور ان دونوں صورتوں میں اخست سے دینی بہن مراد ہوگی۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ عورت اپنی حقیقی بہن کو خوشحال اور پر عیش زندگی گزارتے دیکھ کر رشک کرے اس کے خاوند (یعنی اپنے بہنوئی) سے مطالبہ کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس کے ساتھ شادی کر لے تاکہ یہ بھی خوشحال اور پر عیش زندگی گزار سکے اور اس صورت میں اخست سے حقیقی بہن مراد ہوگی اور یہ تینوں صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ سب کا اللہ تعالیٰ ہی رازق و مالک اور خالق ہے اور وہی سب کو رزق عطا فرمانے والا ہے اس لیے ہر شخص خواہ مرد یا عورت وہ اپنی قسمت پر راضی رہے اور کسی دوسرے کی قسمت چھیننے کی کوشش ہرگز نہ کرے۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ بائع کے پاس مختلف اقسام کا سامان ہو بعض اعلیٰ بعض ادنیٰ اور بعض بہت قیمتی بعض کم قیمت ہے جبکہ بائع اور مشتری دونوں کی رضامندی سے ایک معین قیمت مثلاً ایک ہزار روپے طے ہو جائے اور یہ طے ہو جائے کہ مشتری پتھر پیسے کا جس سامان پر پتھر لگے گا وہ مشتری کا ہوگا اب اگر وہ پتھر زیادہ قیمتی سامان پر پڑ گیا تو بائع کا نقصان ہوگا اور اگر بائع نے وہ سامان نہ دیا تو مشتری جھگڑے گا اور اگر وہ پتھر کم قیمت سامان پر پڑ گیا تو مشتری کا نقصان ہوگا اور اگر مشتری نہیں خریدے گا تو بائع اس سے جھگڑا کرے گا سو اس لیے یہ بیع ناجائز قرار دی گئی ہے اور اس حدیث میں آخری مسئلہ یہ ہے کہ جب تم کسی مزدور کو کام پر رکھو تو پہلے اس کی اجرت و مزدوری مقرر کر لو تاکہ بعد میں باہمی جھگڑا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر خریداری کرنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ

نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر خرید و فروخت کیا کرو صحابہ کرام

۱۴۔ بَابُ الْإِشْتِرَاءِ عَلَى تَوَكُّلِ اللَّهِ

۳۴۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَعْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ

عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اِنَّهٗ قَالَ اِسْتَعْرَوْا عَلٰی اللّٰهِ فَالْتَمُوا وَتَكْفِ ذٰلِكَ يٰۤاَرْسُلُوْا
 اللّٰهُ قَالَ تَقُوْلُوْنَ بِعْنَا اِلٰی مَقَامِسِنَا وَمَقَابِلِنَا۔
 نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: تم کہتے ہو: ہم نے
 اپنے رزقوں کی تقسیم اور اپنے اموال غنیمت کے وصول ہونے کے
 اوقات تک خرید لیا۔

حل لغات

”مَقَامِسٌ“ یہ ”مَقَسَمٌ“ کی جمع ہے اور ”مَقَابِلٌ“ یہ ”مَقَامٌ“ کی جمع ہے اور یہ دونوں طرف زمان ہیں چنانچہ ”مَقَسَمٌ“ کا
 معنی ہے: تقسیم کا زمانہ اور ”مَقَامٌ“ کا معنی ہے: مال غنیمت کا زمانہ۔

اللہ تعالیٰ پر توکل کے فوائد

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہونا چاہیے اور اسی کے بھروسہ پر خرید و فروخت کرنی چاہیے
 کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام مہمات میں کفایت فرماتا ہے اور اس کا ایمان و یقین کامل اور مستحکم ہو
 جاتا ہے نیز خرید و فروخت میں مدت کا واضح تعین ہونا ضروری ہے تاکہ فریقین کے لیے بے یقینی پیدا نہ ہو اور رزق کی تقسیم کے زمانہ
 تک اور مال غنیمت کی وصولی کے زمانہ تک خرید و فروخت میں مدت کا تعین غیر واضح اور مبہم ہو جاتا ہے اس لیے ایسی خرید و فروخت
 جس کی مدت مبہم ہو وہ شریعت میں ناجائز ہوتی ہے۔

۱۵۔ بَابُ الرَّخْصَةِ لِي لَيْسَ

كَلْبُ الصَّيْدِ

شکاری کتے کی قیمت

لینے میں رخصت

۳۴۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ جُرَيْمَةَ عَنْ
 اَبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ لِي لَيْسَ كَلْبُ الصَّيْدِ۔
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
 شکاری کتے کی قیمت وصول کرنے کی اجازت دی ہے۔

ترمذی (۱۲۸۱) نسائی (۴۳۰۰)

شکاری کتے کی قیمت کا جواز اور کتا رکھنے یا نہ رکھنے کا حکم

امام مسلم صحیح مسلم میں بیان کرتے ہیں:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے اور بکریوں یا مویشیوں کی حفاظت کے سوا دیگر کتوں کو
 قتل کرنے کا حکم دیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کھیت کے کتوں کا بھی استثناء کرتے ہیں۔
 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھیت ہے (اس وجہ سے انہوں نے کھیت کا حکم بطور خاص یاد
 رکھا)۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بکریوں، شکاری اور کھیت کے کتوں کی اجازت دی۔
 (۳) حضرت سالم اپنے والد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے شکاری کتے یا
 جانوروں کی حفاظت کے کتوں کے علاوہ کوئی کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کھیت یا بکریوں یا شکار کے علاوہ کوئی کتا رکھا

رکھا اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

نوٹ: امام مسلم نے اس موضوع پر تقریباً پندرہویں احادیث سے زائد روایت کی ہیں جو ”کتاب المساقاة والمزارعة“ باب الامر بفعل الکلاب وبيان لسعه الخ میں دیکھی جاسکتی ہیں یہاں اختصار کی وجہ سے صرف چار احادیث کے بیان پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

کتوں کو قتل کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین یعنی حنفی لکھتے ہیں: کائے والے کتے کو قتل کرنے پر اجماع ہو چکا ہے اور جو کتے بے ضرر ہیں ان میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام الحرمین فرماتے ہیں کہ پہلے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر قسم کے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا پھر اس حکم کو منسوخ (یعنی ختم) کر دیا اور سیاہ شریر کتے کے سوا باقی کتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ ترمذی ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کتے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر کے کا حکم دے دیتا۔ حضرت حسن اور حضرت ابراہیم سیاہ شریر کتے کے شکار کو بھی مکروہ کہتے تھے۔ امام احمد بن حنبل اور بعض شافعیہ کا یہی موقف ہے وہ کہتے ہیں کہ جب سیاہ کتا شکار کر لے تو وہ حلال نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک سیاہ شکاری کتے کا شکار کیا ہوا حلال ہے۔ علامہ دمشقی لکھتے ہیں کہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا یہ مسلک ہے کہ جن کتوں کا حدیث میں استثناء ہے ان کے سوا تمام کتوں کو قتل کرنا جائز ہے اور جمہور کا یہ نظریہ ہے کہ سیاہ کتے کے سوا باقی تمام کتوں کو قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں فقہاء کا موقف

فقہاء حنبلیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں تین چیزوں کے لیے کتا رکھنے کی اجازت ہے: شکار کے لیے، کھیت کی حفاظت کے لیے اور جانوروں کے لیے لہذا اس پر قیاس کر کے گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز نہیں ہے۔ فقہاء شافعیہ کے بھی اس مسئلہ میں دو قول ہیں اور زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے تاہم بعض فقہاء نے گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے کو جائز قرار دیا ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک دشمن یا چور کے خطرہ کے پیش نظر گھر کی حفاظت کی خاطر گھر میں کتا رکھنا جائز ہے۔

نوٹ: تفصیل اور حوالہ جات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۳۱۲-۳۰۸ مطبوعہ فرید بک شال لاہور۔

شکاری کتے کی قیمت وصول کرنے کے جواز میں احادیث

(۱) امام نسائی روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کے سوا کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔ امام ابو عبد الرحمن نسائی فرماتے ہیں: یہ حدیث منکر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

امام نسائی نے اس حدیث کو جس سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں البتہ انہوں نے اس حدیث کی صحت پر اعتراض کیا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ امام نسائی نے اس حدیث کو اس لیے منکر قرار دیا ہو کہ دوسرے راویوں نے شکاری کتے کے استثناء کا ذکر نہیں کیا، لیکن اہل علم پر روشن ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے جبکہ درایت سے بھی اس زیادتی اور اضافے کی تائید ہوتی ہے

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جن کتوں کا رکھنا جائز کر دیا ہے ان کی بیع اور قیمت بھی جائز ہونی چاہیے۔

(۲) امام بیہقی روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قاحشہ عورت کی اجرت نر کی جفتی کی اجرت اور کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے البتہ شکاری کتے کی بیع سے منع نہیں فرمایا۔

(۳) امام دارقطنی روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے شکاری کتے کے ماسوا کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کے ماسوا کتے اور بلی کی قیمت وصول کرنے سے منع فرمایا۔

(۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کے علاوہ کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔ امام دارقطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث تین مختلف اسانید کے ساتھ بیان کی ہے اختصار کے پیش نظر ہم نے اسانید کا ذکر نہیں کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں بالعموم کتے کی بیع یا اس کی قیمت سے منع کیا ہے وہ ان کتوں کے ماسوا پر محمول ہیں جن کو رکھنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس تخصیص پر ایک قرینہ تو یہ احادیث ہیں جن میں شکاری کتے کی بیع کی اجازت دی گئی ہے اور دوسرا قرینہ وہ احادیث ہیں جن میں شکاری کتوں اور کھیت اور مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کو رکھنے کی اجازت دی گئی ہے جن کی صحت پر اتفاق ہے اور اگر ان کتوں کی خرید و فروخت ناجائز ہو تو پھر ان کو رکھنے کی اجازت کا کوئی معنی نہیں ہے۔

[شرح معجم مسلم ج ۲ ص ۳۰۰-۲۹۸ مطبوعہ مکتبہ دارالاندلس]

۱۶۔ بَابُ التَّهْيِ عَنْ

شَرْطَيْنِ فِي بَيْعِ

۳۴۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي يَحْيَى عَنْ حَزْنَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ عَتَابَ بْنَ أُسَيْدٍ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ فَقَالَ إِنَّهُمْ عَنْ شَرْطَيْنِ فِي بَيْعِ وَعَنْ بَيْعِ وَسَلَفَ وَعَنْ دَيْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَعَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبَضْ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے حضرت عتاب بن اسید کو (مکہ مکرمہ کا گورنر بنا کر) واپس مکہ کے پاس بھیجا اور فرمایا: تم انہیں ایک بیع میں دو شرطوں اور بیع اور قرض سے اور غیر ضمانت یافتہ چیز کے منافع سے اور غیر مقبوض چیز کی بیع سے منع کر دو۔

ابوداؤد (۳۵۰۴) ترمذی (۱۲۳۴) نسائی (۴۶۳۵۵۴۶۳۳) ابن ماجہ (۲۱۸۸-۲۱۸۹)

حل لغات

”إِنَّهُمْ“ اس میں ”انہ“ میخذ واحد مذکر حاضر فعل امر محروف باب فتح یفتح یعنی ”تہی یتہی“ سے ہے اس کا معنی ہے: روکنا منع کرنا اور آخر میں ”ہم“ ضمیر جمع مذکر غائب مفعول یہ ہے۔ ”لَمْ يُضْمَنْ“ میخذ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول نفی جہد بلم بہ معنی فعل ماضی مجہول باب مضع یضع سے ہے اس کا معنی ہے: کفیل ہونا ضامن ہونا۔ ”لَمْ يُقْبَضْ“ میخذ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول نفی جہد بلم بہ معنی فعل ماضی مجہول باب ضرب یضرب سے ہے اس کا معنی ہے: قبضہ کرنا کنٹرول میں لینا ہاتھ میں لینا۔

چار اقسام کی بیع ممنوع ہے

اس حدیث میں چار قسم کی بیع سے منع فرمایا گیا ہے:

(۱) ایک بیع میں دو شرطیں لگانے سے منع کیا گیا جس کی ایک صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں نے یہ کپڑا نقد دس روپے میں اور ادھار پندرہ روپے میں تجھے فروخت کر دیا ہے سو یہ بیع ناجائز ہے کہ اس بیع میں بیع کی قیمت معین طور پر معلوم نہیں ہے۔

(۲) بیع اور قرض سے منع فرمایا جس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً بائع مشتری سے کہے کہ میں تمہیں اپنا یہ چیز پانچ سو روپے میں فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تم ایک ہزار روپے مجھے بطور قرض دو۔

(۳) ایسے بیع کے منافع سے منع کیا گیا ہے جس کا ابھی مشتری کو خاسن نہیں ٹھہرایا گیا مثلاً بائع نے اپنا ایک مکان مشتری کو فروخت کیا ابھی قبضہ نہیں دیا لیکن مشتری نے وہ مکان کسی کرایہ دار کو کرایہ پر دے کر کرایہ وصول کر لیا یہ ناجائز ہے کیونکہ اگر مکان ٹوٹ جائے یا کوئی نقصان ہو جائے تو بائع خاسن ہوگا مشتری نہیں کیونکہ وہ مکان ابھی بائع کے ذمہ ہے مشتری خاسن نہیں بلکہ وہ قبضہ کے بعد خاسن ٹھہرے گا۔

(۴) بیع پر قبضہ سے پہلے اسے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے مثلاً زید نے اپنی بکری پانچ سو روپے میں خالد کو فروخت کر دی لیکن قبضہ نہیں دیا تو خالد یہ بکری قبضہ سے پہلے آگے کسی کو فروخت کر دے تو یہ بیع ناجائز ہوگی۔

۳۴۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ قَزَحَةَ عَنْ أَبِي سُوَيْدٍ التَّمِيمِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَّعُ أَحَدُكُمْ عَهْدًا وَلَا أَمَةً فِيهِ ضَرْطٌ لَأَنَّهُ عَقْدٌ لِيِ الْوَقْفِ. مسند الحارثی (۱۶۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایسا غلام یا لونڈی نہ خریدے جس میں کوئی علامت ہو کیونکہ وہ غلامی میں مضبوط گروہ ہے۔

عمل لغات

”ضَرْطٌ“ اس میں شین اور راء کو مفتوح پڑھا جائے تو اس کا معنی ہوگا: علامت اور نشانی لیکن اگر شین کو مفتوح اور راء کو ساقط پڑھا جائے تو اس کا معنی عام مشہور شرط ہوگا جو جزاء کا مقابل ہے۔

خرید و فروخت میں فاسد شرط کی ممانعت

در اصل ہر وہ شرط جو عقد کا تقاضا ہو وہ بیع کو فاسد نہیں کرتی جیسے مشتری بیع میں اپنی ملکیت کی شرط لگائے کیونکہ بیع خرید لینے کے بعد اس میں بغیر شرط بھی مشتری کے لیے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور ہر وہ شرط جو عقد کا تقاضا نہ ہو اور اس میں عاقدین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو یا بیع کا فائدہ ہو اور وہ اہل استحقاق میں سے ہو تو اس شرط سے بیع فاسد ہو جاتی ہے جیسے کوئی بائع اپنا غلام فروخت کرتے وقت یہ شرط لگا دے کہ مشتری اس کو فروخت نہیں کرے گا (اس میں بیع کا فائدہ ہے) کیونکہ یہ شرط ایسی زیادتی ہے جو غرض سے خالی ہے اس لیے یہ ربا کا سبب ہے یا اس کی وجہ سے تنازع پیدا ہوگا اور عقد کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک غفیرہ عورت سے اس کی ایک لونڈی خرید لی اور اس عورت نے آپ پر یہ شرط عائد کر دی کہ یہ لونڈی تم کسی اور آدمی کو فروخت نہ کرنا لیکن اگر بہ وقت ضرورت اس کو فروخت کرنا ہو تو جس قیمت پر تم اسے فروخت کرنا چاہو گے اتنی قیمت کے عوض یہ لونڈی میرے لیے ہوگی (یعنی میں خریدوں گی)۔ حضرت ابن مسعود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس بیع کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا:

تم اس لوٹری کے ساتھ قربت نہ کرنا کیونکہ اس عقد میں فاسد شرط لگائی گئی ہے۔ [موطا امام محمد ص ۳۴۳-۳۴۴ مطبوعہ مطبع مہتابی پاکستان] اس حدیث سے بھی واضح ہو گیا کہ غلام یا لونڈی کی خریداری میں ایسی شرط لگانا جو عقد کا تقاضا نہ ہو تو یہ غلامی میں عقد ہے اس لیے یہ ناجائز ہے۔

تنگ دست کو مہلت دینا

حضرت حذیفہ بن یحمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور ایک آدمی کو پیش کیا جائے گا سودہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے دنیا میں جو نیک کام بھی کیا وہ صرف تیری رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا چنانچہ میں مال دار پر آسانی کرتا اور تنگ دست کو مہلت دیتا تھا سو اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تجھ سے زیادہ اس کا حق دار ہوں پس اے فرشتو! تم میرے اس بندے سے درگزر کرو چنانچہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت حذیفہ نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

۱۷۔ بَابُ النَّظَرَةِ عَنِ الْمُعْسِرِ

۳۴۴۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ جَرَّاشٍ عَنْ حَذِيقَةَ قَالَ يُونُسُ بِعَيْدٍ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيَقُولُ أَيْ رَبِّ مَا عَمِلْتُ إِلَّا خَيْرًا مَا أَرَدْتُ بِهِ إِلَّا لِقَائَكَ فَكُنْتُ أَوْسِعُ عَلَى الْمُؤَسِّرِ وَأَنْظُرُ عَنِ الْمُعْسِرِ لَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا أَخَقُّ بِذَلِكَ مِنْكَ فَتَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِي فَقَالَ أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ وَأَشْهَدُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْهُ.

بخاری (۲۰۷۷) مسلم (۳۹۹۴) ترمذی (۱۳۰۷) نسائی (۴۶۹۸) ابن ماجہ (۲۴۲۰) ابن حبان (۵۰۴۳)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قرض لینے کے لیے میرے کسی ایسے آدمی پر سختی کرے گا جو تنگ دست ہو تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر قبر میں سختی کرے گا۔

۳۴۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَذَقَ عَلَى امْتَنَنِ بِالْقَاضِي إِذَا كَانَ مُعْسِرًا حَذَقَ اللَّهُ تَعَالَى فِي قَبْرِهِ. التَّوَاهِدِيُّ لِمَنْ لَلْعَرَاكِيِّ (۲۴۳)

عمل لغات

”اَوْسِعُ“ صیغہ واحد حکم فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: توسیع کرنا کشادہ کرنا۔ ”اَنْظُرُ“ صیغہ واحد حکم فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: مہلت دینا۔ ”حَذَقَ“ صیغہ واحد کرعاب فعل ماضی معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: سختی کرنا۔

نرمی کے فوائد

امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مسلمانوں میں سے سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو نرم خو ہو اور لین دین میں نرم رویہ اپناتا ہو۔ امام بخاری اور ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرم خوا آدمی پر رحم و کرم فرمائے گا جب وہ خریداری کرتا ہے تو نرم برتاؤ کرتا ہے جب فروخت کرتا ہے تو نرمی کرتا ہے اور جب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو نرمی کرتا ہے اور جب مقروض سے قرض کا تقاضا کرتا ہے تو نرمی کرتا ہے۔ امام دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نرم رویہ مفید و نافع ہوتا ہے اور شدت و سختی اور ظالمانہ رویہ بد بخشتی ہے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی تنگ دست پر آسانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر دنیا میں بھی اور آخرت میں آسانی کرتا ہے۔

[شرح منہاج امام اعظم لکھنؤ قاری ص ۴۷۳-۴۷۴ مطبوعہ بیروت]

خرید و فروخت میں

دھوکہ دہی کی مذمت

۱۸۔ بَابُ دَمِ الْغَشِّ فِي

الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ

۳۴۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ عَمَرَ

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَيْسَ مِنَّا

مَنْ غَشَّ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ. مسلم (۲۸۳) ابوداؤد ہے۔

(۳۴۵۲) ترمذی (۱۲۱۵) ابن ماجہ (۲۲۲۴) ابن حبان (۴۹۰۵)

حل لغات

”غَشَّ“ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معرول مثبت، باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: خلافِ ضمیر ظاہر کرنا، دھوکہ دینا، بددیانتی کرنا، خیانت کرنا۔

دھوکہ دینے کی مذمت

علامہ عبداللہ بن محمد یعقوب الحارثی نے مروان بن معاویہ الرازی کے طریق سے امام صاحب سے اسی طرح اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس حدیث کو امام احمد نے بھی نقل کیا ہے، نیز امام مسلم ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فی البیع والشراء کے بغیر روایت کیا ہے اور امام حاکم نے المستدرک میں اسے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ ”لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّ“ جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہمارے طریقہ یا ہماری جماعت یا ہماری امت کے کاطین میں سے نہیں ہے) اور امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ طعام (گندم) کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے اپنا دست اقدس ڈھیر کے اندر داخل کیا اور جب باہر نکالا تو آپ کا ہاتھ پانی سے تر تھا آپ نے فرمایا: اے صاحب طعام! یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس پر بارش برس چکی ہے آپ نے فرمایا: پھر تم نے گیلی گندم اوپر کیوں نہیں رکھی (بلکہ تم نے تو اوپر تنگ غلہ ڈالا ہوا ہے) تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیتے پھر آپ نے فرمایا: ”مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا“ جس نے کسی کو دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے اور امام ترمذی نے کہا کہ اس باب میں یہ حدیث ابن عمر ابو الحمراء ابن عباس بریدہ ابو بردہ بن نیار اور حذیفہ بن یمان سے بھی مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل کیا جاتا ہے اور انہوں نے دھوکہ دہی کو مکروہ (تحریکی) قرار دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ دھوکہ دینا حرام ہے اور امام دارمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے اور اس میں ہے کہ آپ نے صاحب طعام کو ڈانٹا پھر فرمایا: دھوکہ دینا مسلمانوں کا شیوہ نہیں جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ [تسبیح نظام ص ۱۷۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

سب سے پہلے دیناروں کو ڈھالنے والا

۱۹۔ بَابُ أَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الدَّنَانِيْرَ

۳۴۷۔ حَقْلَةُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَمَادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ

قَالَ أَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الدَّنَانِيْرَ تَبَعٌ وَهُوَ أَسْعَدُ أَبُو كُرَيْبٍ

حضرت حماد بن ابی سلیمان بیان کرتے ہیں کہ جس نے سب سے

پہلے سونے سے دیناروں کو ڈھالا (اور رائج الوقت سکہ جاری کیا) وہ تبع

وَأَوَّلُ مَنْ حَسَرَبَ الدَّرَاهِمَ تَبِعَ الْأَصْفَرُ وَأَوَّلُ مَنْ حَسَرَبَ الْفُلُوسَ وَأَذَارَهَا فِي أَيْدِي النَّاسِ نَعْرُودُ بْنُ كَنْفَانَ

ہے اور یہ ابو کرب اسد حمیری ہے اور جس نے سب سے پہلے (چاندی سے) درہموں کو ڈھالا وہ تبع اصغر ہے اور جس نے سب سے پہلے (تانبے سے) پیسوں کو ڈھالا اور لوگوں میں رائج کیا وہ نرود بن کنعان ہے۔

حل لغات

”حَسَرَبَ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب حَسَرَبَ يَحْضِرِبُ سے ہے اس کے کئی معانی آتے ہیں: مارنا، بیان کرنا، سفر کرنا اور ڈھالنا یہاں آخری معنی مراد ہے۔ ”وَيَنْتَارُ“ سونے کا سکہ۔ ”يَدْرَهُمُ“ چاندی کا سکہ۔ ”فُلُوسٌ“، ”فَلَسٌ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: پیسہ خواہ تانبے کا ہو یا سلور وغیرہ کا۔ ”أَذَارَهَا“ اس میں حاضیہ مفعول یہ ہے اور ”أَذَارَ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: تمھانا، پھراتا، چکر لگوانا لیکن یہاں اس کا معنی ہے: رائج کرنا۔

یعین کے تبع ابو کرب اسد حمیری کا اسلام

تبع، یعین کے بادشاہوں کا لقب ہوتا ہے جیسا کہ فارس (ایران) کے بادشاہوں کو کسری اور روم کے بادشاہوں کو قیصر کہا جاتا تھا اور تبع کی جمع تاجع ہے اور مکہ مکرمہ میں ایک محل دار استیاجہ تھا (جس میں یعین کے بادشاہ حج کے موسم میں قیام کرتے تھے) اس کے ایک مکان میں نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور ارشاد باری تعالیٰ (”أَهْمُ غُفَرًا أَمْ قُلُومٌ تَبِعَ“ الدخان: ۳۷) کی تشریح میں ایک طویل قصہ بیان کیا گیا ہے جس کو علامہ امام بغوی (صاحب مشکوٰۃ) نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں ذکر کیا ہے کہ امام ابو حاتم نے حضرت یزید رقاشی سے روایت کیا ہے کہ ابو کرب اسد الحمیری تاجع (یعین کے بادشاہوں) میں سے تھے اور یہ نبی کریم ﷺ پر آپ کے اعلان نبوت سے سات سو سال پہلے ایمان لے آیا تھا اور حضرت یزید رقاشی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت کعب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم تبع کی مذمت بیان کی ہے لیکن خود تبع کی مذمت بیان نہیں کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: ”لَا تَسْبُوا تَبَعًا فَإِنَّهُ كَانَ رَجُلًا صَالِحًا“ تم تبع (ابو کرب اسد الحمیری) کو نہ اندکھا کرو کیونکہ وہ نیک آدمی تھا اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تبع ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے بیت اللہ پر غلاف چڑھایا اور امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت سہل نے فرمایا: میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”لَا تَسْبُوا تَبَعًا فَإِنَّهُ كَانَ رَسُولًا“ تم تبع کو نہ اندکھا کیونکہ وہ اسلام قبول کر چکا تھا۔

[ماخوذ از تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی ج ۲ ص ۱۵۳، شرح مسند امام اعظم ملا علی قاری ص ۵۶۷، مطبوعہ بیروت]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے

گروی رکھنے کے احکام

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ غلہ خریدا اور (رقم کے عوض میں) اپنی ایک زرہ اس کے پاس گروی رکھی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۸۔ كِتَابُ الرِّهْنِ

۳۴۸۔ أَبُو خَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ كَعَامًا وَرَهْنَهُ دِرْعًا.

بخاری (۲۰۶۸-۲۹۱۶) مسلم (۴۱۱۵) نسائی (۴۶۵۴) ابن ماجہ (۲۴۳۶) ابن حبان (۵۹۳۸)

مل لغات

”ذَهْنٌ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: گردی رکھنا، قائم و دائم رکھنا، بند رکھنا، روک رکھنا۔ ”وَرَعًا“ اس کا معنی ہے: زرہ، قمیص، ٹکڑا، دال، کسور ہے۔

رہن کا معنی اور ثبوت

رہن کا لغوی معنی جس ہے یعنی کسی چیز کو قید کرنا، روک کر رکھنا، لہذا ہر وہ چیز جسے کسی حق کے عوض میں روک کر رکھا جائے وہ رہن ہوگی بشرطیکہ اس حق کی ادائیگی ممکن ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ”كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ“ ہر شخص اپنی کمائی (یعنی اپنے اعمال) کے عوض میں گردی ہے اور شریعت کی اصطلاح میں رہن یہ ہے کہ مقروض بطور قرض ادھار لیے ہوئے سامان کے عوض میں حق دار کے پاس اپنی کوئی چیز گردی رکھ دے تاکہ جب یہ حق دار کا حق ادا کر دے تو اپنی چیز واپس لے لے اور رہن قرآن و سنت سے ثابت ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے: ”وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ“ اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں دے دیا جائے۔ اور یاد رہے کہ سفر کی قید اتفاقاً ہے احترازی نہیں کیونکہ غالباً سفر میں گواہوں اور دستاویز لکھنے والوں کا ملنا مشکل ہوتا ہے لہذا گھر میں بھی بہ وقت ضرورت رہن رکھا جاسکتا ہے۔ رہن رکھنا سنت سے بھی ثابت ہے جیسا کہ مسند امام کی زیر بحث حدیث نیز امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ عقیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی (ایوئم) سے تیس صاع جو ایک مہینہ مدت تک ادھار خریدے اور اس کے عوض میں اپنی ایک زرہ اس کے پاس گردی رکھ دی۔ [اصح المساع ج ۳ ص ۴۱ مطبوعہ مکتبہ نور پور رضویہ سکسٹھ] اور اس حدیث بخاری میں یہ بھی ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا تو اس وقت بھی آپ کی زرہ یہودی کے پاس گردی تھی اور آپ نے آخری ایام حیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رقم ادا کر کے یہودی سے زرہ چھڑانے کی وصیت فرمائی۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۴۳ مطبوعہ مکتبہ احصیہ بیروت]

اور یہ بات اپنی جگہ یعنی طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے تمام وعدے پورے کیے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے تمام قرضے ادا کر دیے اور حضرت ابو بکر نے یہ زرہ بھی رقم ادا کر کے یہودی سے چھڑائی تھی اور یہودی سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی تھی۔ [مراۃ شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ امادین ملتان]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شفعہ کے احکام

۱۹۔ کتاب الشفعۃ

حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

۳۴۹۔ أَبُو مُحَمَّدٍ كَتَبَ إِلَى ابْنِ سَعِيدٍ بْنِ جَعْفَرٍ

فرمایا: پڑوسی شفعہ کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ الْبَارِ أَحَقُّ بِشَفْعَتِهِ.

بخاری (۶۹۷۷) ابوداؤد (۳۵۱۶) ترمذی (۱۳۶۹) نسائی (۴۷۰۶) ابن ماجہ (۲۴۹۴) ابن حبان (۵۱۸۰) سند (۲۴۶۴۷)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد (بن

۳۵۰۔ أَبُو حَدِيقَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ عَنِ الْمُسَوِّدِ

مالک) رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر فروخت کرنا چاہا تو اپنے پڑوسی سے فرمایا: تم

بْنِ مَخْرَمَةَ لَأَلْ أَرَادَ سَعْدٌ بَيْعَ دَارِهِ فَقَالَ لِبَعَارِهِ

اس کو سات سو درہم میں خرید لو کیونکہ مجھے اس کے آٹھ سو درہم مل رہے ہیں لیکن اس کے باوجود میں تمہیں یہ مکان (کم قیمت پر) اس لیے دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پڑوسی شفعہ کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

اور ایک روایت میں حضرت مسوز حضرت رافع بن خدیج سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج نے فرمایا کہ حضرت سعد بنی نقضہ نے اپنے گھر کو فروخت کرنے کا معاملہ مجھ پر پیش کیا اور فرمایا: تم اس کو خرید لو اگر چاس کا معاوضہ مجھے اس سے زیادہ مل رہا ہے جو تم مجھے دینے لگے ہو لیکن تم اس کے زیادہ حق دار ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پڑوسی اس کے شفعہ کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

اور ایک روایت میں حضرت مسوز حضرت سعد بن مالک کے دوست حضرت رافع بن خدیج سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد نے (اپنے پڑوس میں رہائشی) ایک آدمی سے فرمایا: تم یہ میرا مکان صرف چار سو درہم میں خرید لو پھر فرمانے لگے: الہت مجھے اس کے آٹھ سو درہم مل رہے ہیں لیکن میں تمہیں یہ مکان (کم قیمت پر) اس حدیث کی بناء پر دے رہا ہوں جسے میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے ہیں: پڑوسی شفعہ کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

اور ایک روایت حضرت سعد بن مالک سے یوں ہے کہ انہوں نے اپنا گھر اپنے پڑوس پر چار سو درہم میں خریدنے کے لیے پیش کیا اور کہا کہ مجھے اس کے پانچ سو درہم ملتے ہیں لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ پڑوسی شفعہ کا زیادہ حق دار ہے۔

خُذَهَا بِسَبْعِمِائَةٍ فَلَئِنِّي لَفَدْتُ أُعْطِيَتْ بِهَا ثَمَانٌ مِائَةً دِرْهَمٌ وَلَكِنْ أَعْطَيْتُكَهَا لِأَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْجَارُ أَحَقُّ بِشَفْعِهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ الْجَسُورِ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ عَرَضَ عَلَيَّ سَعْدٌ بَيْتًا فَقَالَ لَهُ خُذْهُ أَمَا إِنِّي لَفَدْتُ أُعْطِيَتْ بِهِ أَكْثَرُ مِمَّا تَعْطِيَنِي وَلَكِنْ أَنَحَقُّ بِهِ فَلَئِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْجَارُ أَحَقُّ بِشَفْعِهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ الْجَسُورِ عَنْ رَافِعِ مَوْلَى سَعْدِ اللَّهِ قَالَ يَرْجُلٌ يُقْبِي سَعْدًا خُذْ هَذَا الْبَيْتَ بِأَرْبَعِمِائَةٍ لَقَوْلُ أَمَّا إِنِّي أُعْطِيَتْ لَمِائَةً وَدَرْهَمٌ وَلَكِنِّي أَعْطَيْتُكَ لِخَدِيشٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْجَارُ أَحَقُّ بِشَفْعِهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ عَرَضَ بَيْتًا لَهُ عَلَى جَارِهِ بِأَرْبَعِمِائَةٍ دِرْهَمٍ وَقَالَ لَهُ أُعْطِيَتْ لَمِائَةً وَدَرْهَمٌ وَلَكِنْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْجَارُ أَحَقُّ بِشَفْعِهِ.

بخاری (۲۲۵۸) ابن ماجہ (۵۱۸۱-۵۱۸۳)

شفعہ کے مسائل

شفعہ میں شین مضموم ہے اور یہ شفع سے ماخوذ ہے اس کا لغوی معنی ہے: ملانا اور جوڑنا اور اصطلاح میں اس نام کی وجہ یہ ہے کہ شفعہ کرنے والا فروخت شدہ زمین کو اس کا معاوضہ دے کر اپنی زمین کے ساتھ ملا لیتا ہے اس لیے اس کو شفع اور اس سودہ کو شفعہ کہتے ہیں پھر اس کی دو صورتیں ہیں پہلی یہ ہے کہ زمین مشترکہ ہو اور ایک فریق اور حصہ دار اپنا حصہ کسی اور آدمی کو فروخت کر دے تو دوسرے حصہ دار فریق کو قرب شرکت کی بناء پر حق شفعہ حاصل ہے کہ وہ فروخت شدہ حصہ کی قیمت فروخت دے کر اس کو اپنی زمین کے ساتھ ملا لے اور دوسری صورت یہ ہے کہ زمین مشترکہ نہ ہو بلکہ ہر ایک فریق اپنی زمین کا مستقل مالک ہو مگر دونوں کی زمینیں ایک دوسرے کے

سامعہ متصل اور قریب قریب ہوں اور ان میں سے ایک فریق اپنی زمین کسی اور آدمی کو فروخت کر دے تو دوسرے فریق کو قرب جوار (یعنی قریبی پڑوسی ہونے) کی بناء پر شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے کہ وہ قیمت فروخت کر دے کر زمین خرید لے۔ پہلی صورت میں اسے اربعہ (یعنی چاروں امام) اس بات پر متفق ہیں کہ مشترکہ زمین میں ہر ایک شریک کو حق شفعہ حاصل ہے لیکن دوسری صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور ایک صحیح قول کے مطابق امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی قرب جوار کی بناء پر پڑوسی کو حق شفعہ حاصل ہے اور پڑوسی کے شفعہ کے حق میں صحیح احادیث وارد ہیں اور جس نے ان احادیث کی صحت میں کلام کیا ہے وہ بے حجت اور بغیر دلیل کلام کیا ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ [امد المعتبر ج ۳ ص ۶۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، بکرا]

فائدہ

حق شفعہ کا مقصد یہ ہے کہ شفعہ کے پڑوس میں کوئی فرد شخص نہ آ جائے جو اس کے لیے دربر اور تکلیف و اذیت کا باعث ہو کیونکہ اچھا پڑوسی ملنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور بُرا پڑوسی ملنا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اسی لیے اہل عرب کہتے ہیں: "الجار قبی (بدر) یعنی گھر بنانے سے پہلے پڑوسی کو دیکھ لو اور خوب تحقیق کر لو تا کہ بعد میں پچھتا نا نہ پڑے۔"

احادیث شفعہ سے درج ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں:

- (۱) شفعہ کرنا جائز ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔
- (۲) زمین، مکان اور بارغ وغیرہ یعنی غیر منقولہ جائیداد میں شریک و حصہ دار اور پڑوسی دونوں کے لیے حق شفعہ ثابت ہے۔
- (۳) حق شفعہ صرف غیر منقولہ جائیداد میں ثابت ہے منقولہ میں نہیں۔
- (۴) شفعہ کے لیے واجب ہے کہ وہ کم از کم بیع کی خرید شدہ قیمت کے برابر رقم ادا کر کے بیع لے سکتا ہے۔
- (۵) اگر کسی شخص نے زمین یا مکان وغیرہ فروخت کیا اور اپنے شریک و حصہ دار کو یا پڑوسی کو اطلاع نہیں دی تو بیع لازم نہ ہوگی بلکہ مشترکہ بیع میں شریک اور غیر مشترکہ بیع میں پڑوسی و دعویٰ کر کے قیمت دے کر بیع خود لے سکتا ہے۔
- (۶) اگر بیع کی خبر اور اطلاع پا کر شریک یا پڑوسی خاموش رہا اور اپنے رد عمل کا اظہار نہ کیا تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اطلاع پاتے ہی کہہ دے کہ میں اس کا شفعہ ہوں اور میں اسے خرید لوں گا۔

۱۔ بَابُ وَضْعِ الْخَشْبَةِ

اپنے پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھنے کا جواز

عَلَى حَائِطِ جَارِهِ

۳۵۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيٍّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ شُرَوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَضَعَ خَشْبَتَهُ فِي حَائِطِهِ فَلَا يَفْتَنَهُ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پڑوسی کی دیوار پر اپنی لکڑی وغیرہ رکھنا چاہے تو اس کا پڑوسی اسے منع نہ کرے۔

بخاری (۲۴۶۳) مسلم (۴۱۳۰) ابوداؤد (۳۶۳۴) ترمذی (۱۳۵۳) ابن ماجہ (۲۳۳۵) ابن حبان (۵۱۵)

حل لغات

”خَشْبَةٌ“ اس کا معنی ہے: لکڑی خواہ وہ مہتر ہو، بالا ہو یا نالہ وغیرہ ہو۔ ”حَائِطٌ“ اس کا معنی ہے: دیوار خواہ مکان کی ہو یا دکان کی ہو۔

پڑوسی کے حقوق

اسلام نے مسلمانوں کو باہمی اخوت و بھائی چارہ اُلُفّت و رواداری اور ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت و ادائیگی پر بہت زور دیا ہے، خصوصاً پڑوسی کے حق میں بہت تاکید ہے، کیونکہ پڑوسی کا حق بہت بڑا ہے اور پڑوسیوں پر احسان کرنا ایمان دار ہونے کی علامت ہے، چنانچہ جس شخص کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں تو وہ ایمان دار نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم اجمعین کسی شخص کی اصاح اور نیکیوں کی ترغیب کے دوران اس کے رشتہ داروں سے خیر و بھلائی کی تاکید کے وقت اپنے ارد گرد کے پڑوسیوں سے حسن سلوک کی تعلیم دیا کرتے تھے، بلکہ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ما زال جبریل یوصی بالجار حتی ظننت انہ مسودۃ" یعنی حضرت جبریل پڑوسی کے حق اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی مسلسل تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کر لیا کہ وہ غرقِ عیب اسے جائیداد میں وارث بنا دیں گے۔ [الادب المفرد للبخاری ص ۳۶، مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیہ، سانگلہ، بلخ، مع تراجم البخاری ج ۱: ۷۸، کتاب الادب: ۲۸، باب الوصایہ والمازسم فی: ۴۵، کتاب البر والصلۃ والاداب: حدیث: ۱۳۱] بہر حال گزشتہ حدیث میں پڑوسی کے لیے شفعہ کی اجازت اور اس حدیث میں پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھنے پر منع نہ کرنے کی تاکید پڑوسی کے حقوق کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں، چنانچہ علامہ سنبل لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی ایک مرفوع حدیث بخاری اور مسلم میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے۔ راوی کہتے ہیں: پھر حضرت ابو ہریرہ فرماتے گئے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں اس سے روگردانی کرنے والا دیکھ رہا ہوں، سنو! اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اسے تمہارے کندھوں پر رکھ دوں گا اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت سفیان بن عیینہ کے طریق سے امام زہری سے روایت کیا ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پڑوسی سے اس کی دیوار میں لکڑی گاڑنے کی اجازت مانگے تو وہ اسے منع نہ کرے، سو جب حضرت ابو ہریرہ نے اپنے مسلمان ساتھیوں کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اپنے سردوں کو نیچے جھکا لیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا ہوا کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس سے اعراض کر رہے ہو مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اسے تمہارے کندھوں کے درمیان رکھ دوں گا۔ امام ترمذی نے کہا: اس باب میں حضرت ابن عباس اور حضرت مجتبیٰ بن جابر سے بھی مروی روایات ہیں، حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور بعض اہل علم سے مروی ہے، ان میں سے ایک امام مالک بن انس آج بھی ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ مالک مکان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی دیوار میں اپنے پڑوسی کو لکڑی گاڑنے سے منع کر دے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اگر لکڑی گاڑنے سے دیوار کو نقصان نہیں پہنچتا تو پھر لکڑی گاڑنے کا امر وجوب کے لیے ہے اور امام احمد بن حنبل اور اصحاب الحدیث کا یہی قول ہے اور بعض فقہاء نے فرمایا کہ یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ صرف استحباب کے لیے ہے، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے یہی فرمایا ہے اور امام مالک کے دو قول ہیں، ایک وجوب کا ہے اور ایک استحباب کا ہے اور ان کا زیادہ صحیح قول استحباب کا ہے۔ [تسبیح النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۷۶، حاشیہ ۲، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

شیخ محقق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر دیوار کو نقصان نہ پہنچے تو پھر یہ امر وجوب کے لیے ہے، امام احمد اور اصحاب حدیث کا یہی قول ہے اور بعض فقہاء نے فرمایا: یہ امر استحباب کے لیے ہے، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور امام مالک کے اس میں دو قول ہیں، ان میں زیادہ صحیح ترین قول ندب اور استحباب کا ہے۔

الحدیث للامام شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۶۳، مطبوعہ مکتبہ نور پور رضویہ، سکسرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۰۔ کتاب المزارعہ

کاشت کاری کے احکام

۲۵۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ اَبِي الرَّثَبِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ
نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُخَابَرَةِ.
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
مخابره (بنائی پر کھیتی باڑی کرنے) سے منع فرمادیا۔

(مسلم ۳۹۱۰، ابوداؤد ۳۶۰۷، ترمذی ۱۲۹۰) نسائی (۴۵۲۸)

مل لغات

”اَلْمُخَابَرَةُ“ یہ باب مفصلہ کے صدر ہیں جو اب بنائی پر کھیتی باڑی کرنے کا علم ہو گئے اور یہ دونوں لغوی معنی
میں مترادف ہیں کہ دونوں کا معنی ہے: بنائی پر کاشت کرنا۔ البتہ اصطلاحی اور عرفی معنی کا فرق اور تفصیل تشریح میں آ رہی ہے۔

زمینوں اور باغات کو بنائی پر دینے کا جواز

یاد رہے کہ مل لغات میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ ”مزارعہ“ اور ”مخابرہ“ دونوں لغوی معنی کے اعتبار سے مترادف ہیں کہ دونوں
کا معنی ہے: زمین کو کاشت کاری کے لیے کرایہ پر دینا، لیکن اصطلاح کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے کیونکہ اگر زمین کا مالک اپنی
زمین کی عامل اور مزدور کو زمین کی پیداوار میں سے مقرر کردہ حصہ مثلاً ایک تہائی یا ایک چوتھائی کے عوض کاشت کاری کے لیے دے اور
اس میں بیج مالک دے تو یہ مزارعت ہے اور اگر مالک کی بجائے مزدور کاشت کاری کرنے کے ساتھ بیج بھی خود دے تو پھر یہ مخابره
ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیر کے یہود کو خیر کے مجبوروں کے باغات اور وہاں کی
زمین اس شرط کے ساتھ کرایہ پر دی کہ وہ اپنے مالوں (آلات زراعت، بیل وغیرہ) کے ساتھ اس میں کام کریں گے اور اس کی
پیداوار کا آدھا حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوگا اور اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور بخاری کی روایت میں یوں ہے کہ رسول
اللہ ﷺ نے خیر کے یہود کو وہاں کے باغات و زمینیں اس شرط پر دیئے تھے کہ کام کاج، کھیتی باڑی اور پانی بیج وغیرہ وہ دیں گے اور
پیداوار کا آدھا حصہ ان کے لیے ہوگا۔ [مشکوٰۃ ص ۲۵۷، باب المساقات والمزروعات، الفصل الاول مطبوعہ دار المطابع، دہلی] دراصل جب رسول
اللہ ﷺ نے قوت و غلبہ کے ساتھ خیر کو فتح کر لیا اور وہاں کے مالک بن گئے اور وہاں کے باشندے آپ کے غلام ہو گئے اور آپ
نے وہاں سے یہود کو نکالنا چاہا تو انہوں نے درخواست کی کہ انہیں یہیں رہنے دیا جائے سو آپ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور
فرمایا: یہاں کے باغات اور زمینیں ہماری ہوں گی اور باغبانی اور کاشت کاری تمام لوازمات کے ساتھ تم کرو گے اور اس کی پیداوار
آدھی ہماری اور آدھی تمہاری ہوگی۔ [مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۳۱، مطبوعہ مکتبہ المدادیہ، لبنان]

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

مساقات (اپنا باغ کسی کو باغبانی کے لیے مقررہ اجرت پر دینا) اور مزارعت (نیز مخابره) امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک منوع و
ناجائز ہے جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی یعنی صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اہل علم
میں سے امام ابوحنیفہ کے سوا کسی کو نہیں جانتے جس نے ان سے منع کیا ہو، بعض حضرات کہتے ہیں: امام زفر بھی امام ابوحنیفہ کے ساتھ
ہیں۔ [المصنفات ج ۳ ص ۶۳، مطبوعہ مکتبہ نور، دہلی، سکھر]

مزارعت اور مخابره کے بارے میں ملا علی قاری لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ اور امام مالک ان کو مطلقاً ممنوع اور ناجائز قرار دیتے ہیں اور صحابہ کرام میں سے اکثر اہل علم جیسے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت سعد بن مالکؓ ابی وقاصؓ وغیرہم اور تابعین میں سے اکثر اہل علم جیسے حضرت سعید بن مسیبؓ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ حضرت محمد بن سیرینؓ اور حضرت طاؤسؓ وغیرہم اور اسی طرح امام زہریؓ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ابن ابی لیلیؓ امام احمدؓ حضرت اسحاقؓ امام ابو یوسفؓ اور امام محمد بن حسن شیبانیؓ رحمہم اللہ تعالیٰ مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں۔

[مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۲۲۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

محقق العصر حضرت استاذی المکرم قبلہ لکھتے ہیں:

حضرت ابو جعفر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر سے نصف پیداوار کے عوض عمل کرایا، پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پھر حضرت عمرؓ نے پھر حضرت عثمانؓ نے پھر حضرت علیؓ نے پھر ان کی آل و اولاد آج تک تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض مزارعت کراتے رہے یہ امر صحیح اور مشہور ہے رسول اللہ ﷺ نے تاحیات اس پر عمل کیا آپ کے بعد خلفائے راشدین اس پر تاحیات عمل کرتے رہے پھر ان کے اہل کا اس پر عمل رہا اور تمام اہل مدینہ مزارعت کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج پاک نے بھی مزارعت پر عمل کیا۔ امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل خیبر سے اس شرط پر عمل کرایا کہ باقات اور کھیتوں سے جو پیداوار ہوگی اس کا نصف انہیں دینا ہوگا پھر آپ ازواج مطہرات کو ایک سو دس (پچاس) دیتے تھے اتنی دس کجوریں اور بیس دس دیتے تھے پھر حضرت عمرؓ نے اسوال خیبر تقسیم کیے تو انہوں نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ یا تو پانی اور زمین لے کر مزارعت کرائیں یا وہ ان کے لیے دس چاری کر دیں سو بعض ازواج نے زمین کو اختیار کیا اور بعض نے دس کو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے زمین کو اختیار کیا اور اس قسم کی حدیث منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ شیخ رسول کریم ﷺ کی زندگی میں ہوتا تھا لیکن جس چیز پر رسول اللہ ﷺ کے وصال تک عمل ہوتا رہا پھر آپ کے بعد خلفائے راشدین کا اس پر عمل رہا اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پر عمل کیا اور ان میں سے کسی نے مخالفت نہیں کی اس کا شیخ کیسے جانتا ہوگا اور اس کو کب منسوخ کیا جائے گا اگر وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ہوتا تھا تو پھر آپ نے بعد میں اس پر عمل کیسے کیا اور یہ شیخ کیسے غلط رہا جو خلفائے راشدین کو بھی معلوم نہ ہو سکا حالانکہ خیبر کی مزارعت کا قصہ بہت مشہور تھا مگر وہ شیخ کا راوی کہاں گیا جس نے ان حضرات کو شیخ کی حدیث نہیں پہنچائی۔ [شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۴۲-۲۴۱ بہ حوالہ الخفی ج ۵ ص ۲۴۲ دار الفکر بیروت]

نیز مزید لکھتے ہیں کہ بکثرت احادیث آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے زمین کو بیٹائی پر دینے کا جواز چونکہ ثابت ہے اس لیے فقہاء احناف نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسفؓ اور امام محمدؓ کے قول پر فتویٰ دیا ہے امام اعظمؒ کے قول پر فتویٰ نہیں دیا۔ علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: (ترجمہ) فتویٰ امام ابو یوسفؓ اور امام محمدؓ کے قول پر ہے کیونکہ لوگوں کو مزارعت کی حاجت و ضرورت ہے اور تمام اُمت کا مزارعت پر عمل ہے اور تعامل کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۴۲ بہ حوالہ بدایہ النورین ص ۲۴۵ مطبوعہ مکتبہ شرکت علیہ ملتان]

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک باغ کے پاس سے گزرے تو وہ باغ آپ کو اچھا لگا اور فرمایا: یہ باغ کس کا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا ہے سو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارا کہاں سے ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو اجرت پر

۳۵۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ اَبِي حَصَيْنٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ مَرَّ بِبَغَائِبٍ فَأَعْبَبَهُ فَقَالَ لِمَنْ هَذَا فَقُلْتُ لِي فَقَالَ مِنْ أَيْنَ هَؤُلَاءِ قُلْتُ إِنَّمَا جَرْتُهُ لَأَلَّ فَلَا تَسْتَأْجِرُهُ بِشَيْءٍ وَفِيهِ.

(یعنی کرایہ پر) لیا ہوا ہے آپ نے فرمایا: سو تم اس کو کسی چیز کے عوض میں کرایہ پر نہ لیا کرو۔

وَلَيْسَ بِرَوَايَةِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَرَّ بِعَارِيَةٍ فَقَالَ لِمَنْ هَذَا فَقُلْتُ لِيْ وَلَقَدْ اسْتَأْجَرْتُهُ
فَقَالَ لَا تَسْتَأْجِرْهُ. ابوداؤد (۳۴۰۲)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک باغ کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا کہ یہ باغ کس کا ہے؟ میں نے عرض کیا: میرا ہے اور میں نے اسے کرایہ پر لیا ہوا ہے آپ نے فرمایا: کسی چیز کو کرایہ پر نہ لیا کرو۔

حل لغات

”لَا تَسْتَأْجِرْهُ“ اس میں ”أَسْتَجَبْتُ“ میں واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب افعال سے ہے اور ضمیر مفعول یہ ہے اس کا معنی ہے: اچھا لگنا پسند آنا۔ ”اسْتَأْجَرْتُهُ“ اس میں ”اسْتَأْجَرْتُ“ فعل ماضی معروف مثبت، باب استعمال سے ہے اور ضمیر مفعول یہ ہے اور اس کا معنی ہے: اجرت پر لینا، کرایہ پر لینا۔

باغبانی اور کاشت کاری کرانے کے عقلی دلائل

گزشتہ حدیث کی تشریح میں مساقات و مزارعت کے جواز اور عدم جواز کی بحث کی گئی لیہاں صرف امام ابو یوسف اور امام محمد کی عقلی دلیل بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مزارعت اور مساقات میں زمین کی پیداوار میں شرکت ہوتی ہے سو یہ مضاربہ کی طرح صحیح ہے اور اس کی تحقیق دو طرح سے ہے اول یہ کہ مضاربہ میں جو نفع ہوتا ہے وہ مال اور عمل دونوں سے حاصل ہوتا ہے پس ایک جانب سے مال اور دوسری جانب سے عمل کے ساتھ یہ شرکت منعقد ہوتی ہے اور یہاں مساقات و مزارعت میں بھی اسی طرح ہے کیونکہ ایک جانب سے زمین اور بیج ہے اور دوسری جانب سے محنت اور عمل ہے یا ایک جانب سے باغ کے درخت ہیں اور دوسری جانب سے عمل اور محنت ہے اور ثانی اس طرح کہ لوگوں کو عقد مضاربہ کی اس لیے ضرورت ہوتی ہے کہ بسا اوقات ایک شخص کے پاس مال ہوتا ہے اور وہ کسی وجہ سے خود محنت و عمل نہیں کر سکتا اور بعض لوگ محنت اور عمل کر سکتے ہیں لیکن محنت و عمل اور تصرف کے لیے ان کے پاس مال نہیں ہوتا پس اس لیے عقد مضاربہ کو جائز قرار دیا گیا تاکہ دونوں کا مقصد حاصل ہو جائے یہاں بھی اسی طرح ہے کہ بسا اوقات زمین اور بیج کا مالک عمل نہیں کر سکتا اور جو شخص عمل کر سکتا ہے بسا اوقات اس کے پاس عمل کے لیے زمین اور بیج نہیں ہوتے سو اس لیے مزارعت اور مساقات کو جائز قرار دیا گیا ہے تاکہ دونوں کا مقصد حاصل ہو جائے اور مضاربہ کی طرح تمام ممالک اور تمام شہروں میں مزارعت اور مساقات کا رواج ہے اور لوگوں کا اس پر تعامل ہے پس اس کو عرف اور تعامل کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے خواہ قیاس اس کے خلاف ہو۔

[شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۶۳-۲۶۴، مطبوعہ فرید بک سنال لاہور، بحوالہ المصنوع ج ۲ ص ۱۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۹۹۸ء]

یاد رہے کہ تہائی یا چوتھائی وغیرہ کی اجرت پر کاشت کاری اور باغبانی کی ممانعت کی بہت سی وجوہات احادیث میں وارد ہیں بعض میں ہے کہ کسی کو کرایہ پر دینے کی بجائے اپنے مسلمان بھائی کو یوں ہی عاریۃ (مفت) دینا افضل و بہتر ہے جس سے معلوم ہوا کہ کرایہ پر دینا جائز ہے لیکن افضل و بہتر نہیں۔ بعض میں ہے کہ جب کرایہ پر دینے کی وجہ سے آپس میں فریقین میں جھگڑے بہت بڑھ گئے اور شکایتیں آنے لگیں تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے منع فرمادیا اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف نہ ہو تو پھر جائز ہے۔ بعض میں ہے کہ کاشت کاری وغیرہ کی وجہ سے جہاد سے باز نہ رہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد وغیرہ کی رکاوٹ کی بناء پر منع ہے۔

ورنہ نہیں اور بعض میں ہے کہ مالک زمین اور باغ کے حصے مقرر کر دے اور کہے کہ زمین کے فلاں حصے کی پیداوار اور فلاں درختوں کی پیداوار میری ہوگی باقی تیری ہوگی تو اس سے آپ نے منع فرمادیا خلاصہ یہ ہے کہ بعض صورتوں میں مزارعت اور مساقات جائز ہے بعض میں مکروہ اور بعض صورتوں میں بالکل منوع ہے اور جہاں فریقین کا فائدہ ہو اور اختلاف و افتراق پیدا نہ ہو وہاں جائز ورنہ ناجائز لہذا اہتمام احادیث درست ہیں یا ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں اور جواز کی ناسخ ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ خلفائے راشدین صحابہ کرام اور تابعین اور عام مسلمان کا جواز کی احادیث پر عمل رہا ہے اور آج تک اسی پر تعامل ہو رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۲۱۔ کتاب الفضائل

۱۔ باب عُمَرُ النَّبِيِّ

وَالشَّيْخَيْنِ عِنْدَ الْوَفَاةِ

فضائل کا بیان

وفات کے وقت نبی کریم ﷺ

اور شیخین کی عمر کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو اس وقت ان کی عمر بھی تریسٹھ سال تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو اس وقت ان کی عمر بھی تریسٹھ سال تھی۔

۳۵۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ النَّبِيِّ وَرَبِيعَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَبِيعَتَيْنِ وَقُبِضَ أَبُو بَكْرٍ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَبِيعَتَيْنِ وَقُبِضَ عُمَرُ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَبِيعَتَيْنِ، بخاری (۳۸۵۱) مسلم (۶۰۹۱) ترمذی (۳۶۵۲) ابن حبان (۶۳۸۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنی عمر کے) چالیس سال مکمل ہونے پر نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا پھر آپ نے مکہ مکرمہ میں (نزولِ وحی کے اعتبار سے) دس سال قیام فرمایا اور مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت تک آپ کی داڑھی اور سر میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔

۳۵۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ بُوِثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً لَأَكْلَامٍ بِمَكَّةَ عَشْرًا وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرًا وَتَوَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فِي بَيْتِهِ وَرَأْسِهِ عَشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.

بخاری (۳۵۴۸) مسلم (۶۰۸۹) ترمذی (۳۶۲۳) ابن حبان (۶۳۸۲)

حل لغات

”قُبِضَ“ میٹھا واحد ذکر غائب، فعل ماضی مجہول مثبت، باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو ہاتھ میں لینا، پکڑنا، قبضہ کرنا، سیٹھا اکٹھا کرنا، مرنا، فوت ہونا۔

آپ ﷺ کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال کی توجیہ

اس باب کی پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال بیان کی گئی ہے اور یہی صحیح ہے لیکن دوسری حدیث میں جو بیان ہوا ہے اس کے مطابق ساٹھ سال عمر بنتی ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد آپ مکہ مکرمہ میں حیرہ سال قیام پذیر رہے پہلے چھ ماہ میں آپ کو ردیائے صالحہ (اچھے اور سچے خواب) دکھائے جاتے رہے پھر پہلی وحی کے بعد دو سال چھ ماہ تک وحی بند

یعنی پھر دس سال مسلسل وحی نازل ہوتی رہی اس لیے دوسری حدیث میں قیام مکہ دس سال نزول وحی کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے ورنہ اعلان نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں آپ کا قیام تیرہ سال رہا ہے اس طرح آپ کی عمر تریشہ ہوتی ہے نیز آپ کی عمر کے بارے میں تین مختلف اقوال بیان ہوئے ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ اپنی کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال تریشہ سال کی عمر میں ہوا بعض نے بیسٹھ برس اور بعض نے کہا ہے کہ ساٹھ برس کی عمر میں وصال ہوا مگر پہلا قول نہایت ہی صحیح ہے اور یہ تینوں اقوال روایت میں آتے ہیں۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ ان روایات میں توفیق و تطبیق اس طرح ہے کہ جنہوں نے ساٹھ برس روایت کی ہے انہوں نے وہابیوں کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے اور کسور کو نظر انداز کر دیا ہے اور جنہوں نے بیسٹھ برس روایت کی ہے انہوں نے سال ولادت اور سال وفات کو مستقل شمار کیا ہے اور جنہوں نے تریشہ برس روایت کی ہے انہوں نے ان دونوں برسوں کو شمار نہیں کیا اور صحیح تریشہ برس ہے۔ [انوار غیہ شرح المسائل الجہۃ ص ۵۵۹-۵۳۸]

نیز علامہ ملا علی قاری (جمع المسائل فی شرح المسائل ج ۲ ص ۲۰۰ مطبوعہ مصر میں تحریر) فرماتے ہیں کہ علامہ میرک رحمہ اللہ نے فرمایا:

رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر کے متعلق تین روایتیں ہیں پہلی یہ کہ آپ کی عمر ساٹھ برس تھی دوسری یہ کہ آپ کی عمر بیسٹھ برس تھی تیسری یہ کہ آپ کی عمر تریشہ برس تھی اور چہر زیادہ صحیح و مشہور ہے کہ آپ کی عمر تریشہ برس تھی۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس اور حضرت امیر معاویہ سے بھی یہی روایت کی ہے اور امام مسلم نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابن عباس حضرت امیر معاویہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے یہی روایت کی ہے اور علماء کرام رحمہم اللہ اجماعاً نے بھی اس پر اتفاق کیا ہے کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ آپ کی عمر تریشہ برس تھی۔ [انوار غیہ شرح المسائل الجہۃ المعروف شمس ترمذی ص ۵۳۶-۵۳۵ مطبوعہ دارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی]

نبی کریم ﷺ کو خوشبو سے

۲۔ بَابُ يُعْرِفُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرِيحِ الطُّيْبِ

۳۵۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرِفُ بِرِيحِ الطُّيْبِ إِذَا أَقْبَلَ مِنَ اللَّيْلِ.

پہچان لیا جاتا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رات کو تشریف لاتے تو خوشبو کی مہک سے پہچان لیے جاتے تھے۔

بخاری (۱۹۷۳-۳۵۶۱) مسلم (۶۰۵۳-۶۰۵۴) ترمذی (۲۱۰۵) ابن حبان (۶۳۰۳-۶۳۰۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کے وقت مسجد میں تشریف لاتے تو خوشبو کی مہک سے آپ پہچان لیے جاتے تھے۔

۳۵۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْرِفُ بِاللَّيْلِ إِذَا أَقْبَلَ إِلَى الْمَسْجِدِ بِرِيحِ الطُّيْبِ. سَابِقَهُ (۳۵۶)

حل لغات

”بعضرف“ میثد واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب ضرب بضرب سے ہے اس کا معنی ہے پہچانا جانا۔
”بریح الطیب“ خوشبو کی مہک۔

رسول اللہ ﷺ کا جسم اقدس اور پسینہ خوشبودار تھے

نبی کریم ﷺ کا وجود اطہر ہر وقت خوشبوؤں سے معطر اور مہکتا رہتا تھا۔ آپ جب کہیں تشریف لے جاتے تو صحابہ کرام فرماتے کہ آپ کے جسم کی خوشبو اس راستے میں پھیل جاتی اور ہم سمجھ جاتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی راستے سے گزرے ہیں لہذا ہم اسی خوشبو پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچ جاتے۔ علامہ ملا علی قاری رحمہ الباری جمع الوسائل شرح الشرائع ج ۲ ص ۱ پر ابوہریرہؓ اور ابن مسعودؓ سے سند صحیح لکھتے ہیں کہ (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ جب کسی راستے سے گزر جاتے تو لوگ وہاں خوشبو کی مہک محسوس کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ اس راستے سے گزر چکے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت انس کی والدہ (ام سلیم رسول اللہ کی رضاعی خالہ) کے گھر میں آرام فرما رہے تھے اور آپ کو پسینہ آ رہا تھا انہوں نے اس پسینہ کو ایک شیشی میں نچوڑ کر رکھ لیا سو جب رسول اللہ بیدار ہوئے تو فرمایا: اے ام سلیم! تم یہ کیوں کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اسے اپنی خوشبو میں جمع کر لیتے ہیں کیونکہ آپ کا یہ پسینہ ہر قسم کی خوشبو سے نفیس اور عمدہ ترین ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ام سلیم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کا پسینہ برکت حاصل کرنے کے لیے اپنے بچوں کو لگاتے ہیں آپ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا ہے۔

[خود اذ انوار غوثیہ شرح الشرائع المعرفہ شمس ترمذی ص ۲۸۶-۲۸۵ مطبوعہ ادارہ الفیضات امام احمد رضا کراچی]

یاد رہے کہ اگرچہ نبی کریم ﷺ کو خوشبو پسند تھی اور آپ کثرت سے خوشبو استعمال کرتے تھے لیکن آپ کا خود جسم اقدس اور پسینہ تخلیق اور پیدا شدگی طور پر معطر و خوشبودار تھا اور آپ کو پسینہ تو موسم گرما میں آتا تھا یا پھر نزول وحی کے وقت آتا تھا لیکن آپ کا جسم ہمیشہ معطر و خوشبودار رہتا تھا اور آپ کے جسم اقدس کا معطر و خوشبودار رہنا پیدائش ہی سے تھا چنانچہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ثم نظرت اليه واذا به كالقمر ليلة البدر وريحه
يسطع كالملك الاظفر۔
پھر میں نے (آپ کی ولادت باسعادت کے بعد) آپ کی طرف دیکھا اور آپ اس وقت چودھویں رات کے چاند کی مانند حسین و جمیل تھے اور آپ کے جسم کی خوشبو اس طرح مہک رہی تھی جس طرح

[مواہب اللہ بیچ ص ۱۳۶ ذوقانی ج ۱ ص ۱۱۵ النور المحدث
ص ۲۳ ہجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۲۵]
الافرنانی عمدہ خوشبو مہکتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جس راستے سے گزرتے پھر آپ کے بعد جو شخص وہاں سے گزرتا تو وہ آپ کے جسم کی خوشبو یا آپ کے پسینہ کی خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ اس راستے سے گزر چکے ہیں۔ [مکتبۃ الصالح باب اسما النبی ومغاضہ الفصل الثانی ص ۵۱ مطبوعہ المطابع دہلی] اس حدیث میں ”من طيب عرقه او من ريح عرقه“ کا ملبی خود الفاظ ہیں یعنی آپ کی جسمانی خوشبو یا آپ کے پسینہ کی خوشبو سے راستے مہک جاتے تھے کیونکہ عرقہ فاء کے ساتھ ہوتا ہے آپ کے جسم کی خوشبو اور ”عرقہ“ قاف کے ساتھ ہوتا ہے آپ کے پسینہ کی خوشبو نیز اگر مصنوعی معطر لگانے سے آپ کے جسم سے خوشبو مہکتی اور گلیاں معطر ہو جاتیں تو پھر اس میں آپ کی تخصیص نہیں رہے گی اور نہ یہ فضیلت و معجزہ کا باعث ہوگا کیونکہ مصنوعی خوشبو کوئی شخص لگا لے تو اس سے خوشبو بھی آئے گی اور گلیاں بھی معطر و خوشبودار ہو جائیں گی حالانکہ یہ آپ کا خصوصی معجزہ ہے چنانچہ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ علامہ ابن الملک نے فرمایا ہے کہ ”هذا من خصائصه دون سائر الانبياء عليه وعليهم الصلوٰۃ والسلام“ یعنی یہ آپ کے خصائص میں سے ہے دیگر انبیاء نے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ معجزہ نہیں ملا۔

[مرقات شرح مکتبۃ ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ بلقان]

انبیاء سابقین علیہ السلام کے اعتبار سے آپ کے خصائص

(۱) تمام روئے زمین کا آپ کے لیے مسجد ہونا (۲) تمام روئے زمین کا آپ کے لیے آلہ تقیم ہونا (۳) مال غنیمت کا آپ کے لیے حلال ہونا (۴) قربانی کا آپ کے لیے حلال ہونا (۵) قیامت تک تمام لوگوں کے لیے رسول ہونا (۶) آپ کا خاتم النبیین ہونا (۷) اعمال امت کا آپ پر پیش کیا جانا (۸) آپ کی امت کا سب امتوں سے زیادہ ہونا (۹) قیامت میں سب سے پہلے اٹھنا (۱۰) شفاعت کبریٰ کا حصول (۱۱) مقام محمود کا حصول (۱۲) تمام انبیاء سابقین کے معجزات کا حصول (۱۳) آپ کے معجزات کا سب (۱۴) معجزات سے زیادہ ہونا (۱۵) تمام مخلوق کی الراجع کا آپ پر ایمان لانا (۱۶) سب سے کم بعثت کا زمانہ پانا اور سب سے زیادہ پیروکار چھوڑ کر جانا (۱۷) اٹھلیوں سے پانی کا جاری کرنا (۱۸) کنکریوں کا آپ کے ہاتھ میں تسبیح کرنا (۱۹) کعبہ کے حق کا آپ کے فراق میں رونا (۲۰) آپ کی شریعت کا تمام سابقہ شرائع کے لیے ناسخ ہونا (۲۱) آپ کی شریعت کا غیر منسوخ ہونا (۲۲) شب اسراء میں تمام نبیوں کی امامت فرمانا (۲۳) بہ روز قیامت حمد کا جعزا آپ کے ہاتھ میں ہونا (۲۴) تمام نبیوں سے افضل و اعلیٰ اور ان کا قائد ہونا (۲۵) سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا (۲۶) قیامت کے دن تمام نبیوں کا گواہ ہونا (۲۷) اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر اس کی گواہی دینا (۲۸) حصول وحی کے لیے کسی مخصوص جگہ جانے کا پابند نہ ہونا بلکہ جہاں اور جس جگہ آپ ہوتے وہیں وحی الہی کا نازل ہو جانا (۲۹) حیات انسانی کے ہر شعبہ کے لیے اسوۂ حسنہ اور آئیڈیل ہونا (۳۰) دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل کرنا (۳۱) اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونا۔ [تفسیر تہام القرآن ج ۹ ص ۵۲۰-۵۱۹، مطبوعہ فرید بک سال لاہور]

۳۔ بَابُ الزِّيَادَةِ عِنْدَ الْقَضَاءِ

قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ

دے دینا ادا نیکی کا حسن ہے

مِنْ حُسْنِ الْإِقْدَاءِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ پر میرا

کچھ قرض تھا سو آپ نے میرا قرض بھی مجھے ادا کر دیا اور مجھے کچھ زیادہ بھی عطا فرمادیا۔

۳۵۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُعَارِبٍ عَنْ اَبِي عُمَرَ

لَا اَنَّ كَانَ لِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَنْبٌ

فَقَضَيْتُ وَزَادَنِي.

بخاری (۴۴۳) مسلم (۱۶۵۶) ابن ماجہ (۲۴۹۶)

حل لغات

”قَضَى“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب حَضَرْتُ يَحْضُرُ سے ہے اس کا معنی ہے ادا نیکی قرض ادا کرنا فیصلہ کرنا حکم دینا۔ ”زَادَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب حَضَرْتُ يَحْضُرُ سے ہے اس کا معنی ہے بڑھنا زیادہ ہونا زیادہ دینا۔ ”ذَنْبٌ“ کا معنی ہے قرض۔

قرض ادا کرتے وقت کچھ زائد دینے کا ثبوت اور اس کی حکمتیں

امام بخاری اور امام ابو داؤد وغیرہ نے حضرت معارب بن دثار کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ میرا نبی کریم ﷺ پر قرض تھا اور جب آپ نے مجھے میرا قرض ادا کر دیا تو کچھ زیادہ عنایت فرمادیا اور ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے کہ حضرت جابر نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ایک قیراط زیادہ عنایت فرمایا چنانچہ میں اسے کبھی جدا نہیں کرتا تھا بلکہ میں اپنی جیب میں رکھتا تھا اور وہ ہمیشہ میرے پاس رہا یہاں تک کہ (یزید کے دور حکومت میں) شامی

فوجوں نے مدینہ منورہ میں واقعہ حرہ کے دن لوٹ مار کرتے ہوئے مجھ سے چھین لیا۔

ان احادیث سے چند مسائل معلوم ہوئے:

(۱) مقرض کا قرض ادا کرنے کے بعد قرض خواہ کو کچھ زیادہ دے دینا سود میں شامل نہیں ہے (بشرطیکہ پہلے سے طے نہ ہو)۔

(۲) قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دینا حسن ادا نگلی سے ہے۔

(۳) بروقت قرض ادا کرنا حسن و قار اور تکمیلی عہد ہے۔

(۴) چونکہ قرض دینا احسان ہے اس لیے قرض سے کچھ زیادہ دینا احسان کا بدلہ ہے اور قرض دینے پر قرض دینے والے کا شکر ادا کرنا ہے لیکن یہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب عمل ہے۔

۴۔ بَابُ كَفِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَيْنُ مِنَ الْخَرِيرِ

۳۵۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا مَسَسَتْ يَدِي خَرِيرًا وَلَا خَرِيرًا الْكَيْنُ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَلَيْتَ يَدَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَكْتَبِيَنَّ بَحْرَيْنِ لِي لَعَلَّ (۳۵۹)

حل لغات

”مَا مَسَسَتْ“ صیغہ واحد حکم فعل ماضی معروف خفی باب ضرب مفعولٌ یا مَسَّعَ يَمَسِّعُ سے ہے اس کا معنی ہے: چھونا ملنا لاحق کرنا اور پہنچنا۔ ”خَرِيرًا“ کا معنی ہے: وہ کپڑا جس کو اُون اور ریشم سے کس کر کے تیار کیا جاتا ہے اور ”خَرِيرَتُو“ کا معنی ہے: خالص ریشم۔ ”الْكَيْنُ“ صیغہ واحد مذکر اسم تفضیل سے ہے اس کا معنی ہے: بہت نرم زیادہ نرم سب سے نرم۔

نبی کریم ﷺ کے خصال کا تذکرہ

امام ترمذی نے شمائل ترمذی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی ہے اس دوران آپ نے مجھے کبھی بھی اُف تک نہیں فرمایا اور نہ کسی کام کے کرنے پر یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا ہے اور نہ کسی کام کیوں نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ خلق و مروت کے اعتبار سے تمام انسانوں سے بہتر تھے اور میں نے کبھی کوئی ریشم اور ریشمی کپڑا اور کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم و نازک ہو اور میں نے ہرگز کبھی بھی کسی قسم کا ملک اور عطر نبی کریم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

شمائل میں اس مقام پر حاشیہ میں لکھا ہے:

یعنی خوب جان لو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہ کرنا ان امور میں تھا جو خدمت و آداب سے متعلق تھے لیکن ان امور میں نہیں جو شرعی احکام سے متعلق تھے کیونکہ شرعی امور میں غلطی کرنے پر اعتراض ترک کرنا روا نہیں ہے۔

علامہ محمد عاقل اپنی شرح میں فرماتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ مکمل فضیلت کے مالک تھے کہ دس سال آپ کی خدمت میں رہ کر خلافت شرع کسی امر کے بھی مرتکب نہیں ہوئے اس لیے کہ خلافت شرع کام پر نبی کریم ﷺ کا سکوت و خاموشی اختیار کرنا ممکن ہی نہ تھا۔

[الوادعویہ شرح الفضائل المہدیہ ص ۷۲ تا ۷۳ مطبوعہ ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی]

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی آدمی سے مصافحہ کرتے تو جب تک وہ آدمی اپنا ہاتھ ٹوٹ نہ کھینچ لیتا آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہ نکالتے اور آپ اپنا چہرہ اس سے نہ پھیرتے جب تک وہ خود اپنا منہ نہ پھیر لیتا اور آپ اپنے سامنے بیٹھنے والے آدمی کے آگے اپنے پاؤں نہیں پھیلاتے تھے۔

[تہذیب النظام فی شرح مسند الامام ص ۷۸ حاشیہ ۵ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

نبی کریم ﷺ کے

اخلاق کا بیان

۵۔ بَابُ فِي بَيَانِ اخْلَاقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے خلق کے بارے میں سوال کیا تو آپ فرمائیے: کیا تم قرآن مجید نہیں پڑھتے ہو۔

۳۶۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِيهِ عَنْ نُسْرَةَ ابْنَةِ عَائِشَةَ عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اَمَّا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ.

کمال ابن ابی ہدی (ج ۱ ص ۸۹) تفسیر ابن کثیر (ج ۲ ص ۵۱۶)

نبی کریم ﷺ کے اخلاقی کریمانہ کی عظمت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرت مسروق کے جواب میں یہ فرمانا کہ کیا تم قرآن مجید نہیں پڑھتے۔ اس کا یا تو یہ مقصد ہے کہ قرآن مجید آپ کے اخلاقی و مثال کا بیان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن چیزوں کو کرنے کا حکم دیا ہے آپ پوری زندگی ان تمام احکام پر عمل کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن کاموں سے منع فرمایا ہے آپ ان تمام ممنوعات سے زندگی بھر بچتے رہے اور دور رہے غرضیکہ آپ کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تصویر تھی چنانچہ اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت و اخلاق اور مثال و خصال کو جامع مائع کتاب کی صورت میں دیکھنا ہو تو وہ قرآن مجید ہے اور اگر قرآن مجید کو بیکر انسانی اور جسم صورت میں دیکھنا ہو تو وہ بیکر مصطفیٰ ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ سے نبی کریم ﷺ کے اخلاقی و متعلق پوچھا گیا تو آپ نے مختصر مگر جامع جواب دیتے ہوئے فرمایا: ”كَأَنَّ خُلُقَهُ الْقُرْآنُ“ آپ کا خلق قرآن مجید ہے۔ [صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ص ۳ باب ۱۸ رقم الحدیث: ۷۴۶] یعنی جن محاسن و اوصاف اور مکارم اخلاق کو اپنا لے کر قرآن مجید نے حکم دیا ہے نبی کریم ﷺ ان سے کمال درجہ متصف تھے اور جن لغو باتوں اور فضول کاموں سے بچنے کی ترغیب دی ہے نبی کریم ﷺ ان سے مکمل طور پر منزہ و برآ تھے یا پھر حضرت عائشہ صدیقہ نے اس (درجہ ذیل) آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ”وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقِ عَظِيمٍ“ (انکم: ۴) بے شک آپ بہت بڑے خلق پر قائم ہیں ○

اور خلق کہتے ہیں کہ انسان کی طبع میں ایسا ملکہ و مہارت اور استعداد و صلاحیت پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے تمام افعال حسہ اور تمام خصال جمیلہ پر عمل کرنا اس قدر آسان اور کھل ہو جائے کہ یہ طبیعت طاعیہ بن جائیں چونکہ جس قدر عمدہ اور اعلیٰ اخلاق تھے وہ سب کے سب آپ میں موجود تھے اس لیے تو آپ کے خلق کو عظیم فرمایا گیا کیونکہ آپ تمام کمالات اور تمام مکارم اخلاق کے جامع ہیں چنانچہ امام مالک نے روایت کیا ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ [موطأ امام مالک: ۱۶۷۷]
 انسان کو خلق دو قوتوں سے حاصل ہوتا ہے: (۱) قوت علیہ اور (۲) قوت علیہ سو آپ کی قوت علیہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَلَّمَكُمَا لَمَّا تَكُنْ تَعْلَمُ وَ تَحَانَ فَضْلُ اللَّهِ
 عَلَيْكَ عَظِيمًا (النساء: ۱۱۳)
 اور آپ کی قوت علیہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَأَنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ (النعم: ۳)
 اور آپ کا خلق بھی عظیم ہے پس اس لیے آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے افضل و اعلیٰ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق حسنہ کو کوئی انسان کا حقہ بیان نہیں کر سکتا کیونکہ وہ عظیم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو قلیل قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ (النساء: ۷۷)
 لیکن اس کے باوجود کوئی شخص دنیا کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
 وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا
 (ابراہیم: ۳۴) سکتے۔

سو جب قلیل کو شمار کرنا ممکن نہیں تو جسے اللہ تعالیٰ عظیم قرار دے دے اسے بیان کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۳ ص ۱۶۵ تا ۱۷۴، مطبوعہ نریہ پک شال لاہور)

نبی کریم ﷺ
 کی تواضع

۶۔ بَابُ تَوَاضُعِ النَّبِيِّ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۳۶۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي لَالٍ كَانَ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجِيبُ دَعْوَةَ
 الْمَمْلُوكِ وَيَعُوذُ الْمَرِيضُ وَيَرْغَبُ الْجَنَانُ.
 حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
 اللہ ﷺ غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے اور بیمار آدمی کی عیادت و
 بیمار پر پی فرماتے اور آپ دراز گوش پر سواری کر لیتے تھے۔
 ترمذی (۱۰۱۷) ابن ماجہ (۴۱۷۸)

حل لغات

”يُجِيبُ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: جواب دینا، دعوت قبول
 کرنا، کسی کی دعا قبول کر کے اس کی حاجت ردائی کرنا۔ ”يَعُوذُ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب نَصْرُ
 يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: عیادت کرنا، بیمار پر پی کرنا، عادت بتالینا، کسی کام کا دوبارہ کرنا۔ ”يَرْغَبُ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل
 مضارع معروف مثبت، باب سَمْعٌ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: سوار ہونا، بڑے زانوں والا ہونا۔

نبی کریم ﷺ کی تواضع کا جامع

نبی کریم ﷺ اگرچہ نبوت و رسالت کے عظیم الشان منصب پر فائز ہیں اور بعد از خدا تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں بلکہ تمام انبیاء و رسل کے نبی و رسول اور ان کے سردار و امام اور ان کی امتوں کے بھی بالواسطہ اور اس امت کے بلاواسطہ نبی و رسول ہیں اور آخرت میں مقام محمود و شفاعت کبریٰ حوض کوثر اور لوائے حمد آپ کو نصیب ہوگا اس کے باوجود آپ تواضع اور انکساری میں سب سے بڑھ کر تھے آپ کی عادت تھی کہ کوئی آزاد غلام، کنیز، فقیر اور مسکین و نادار ملتا تو اس کے پاس کھڑے ہو جاتے اور اس سے پوچھتے کہ ہمیں کوئی تکلیف اور ضرورت تو نہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ مجھے آپ سے ضروری کام ہے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم مدینہ منورہ کے کسی راستہ پر بیٹھ جاؤ میں وہاں بیٹھ کر تمہاری بات سننے کے لیے تیار ہوں جب آپ مجلس میں تشریف لاتے تو جہاں جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے تھے کبھی ممتاز جگہ پر تشریف فرمانہ ہوتے آپ مریض کی پیار پرسی کے لیے تشریف لے جاتے نماز جنازہ میں شریک ہوتے اگر کوئی مسکین سے مسکین تر آدی بھی تھوڑے سے کھانے کی دعوت بھی دیتا تو آپ رونا نہ فرماتے بلکہ ازراہ تواضع قبول فرما لیتے کبھی کسی کو حقیر اور کم تر نہ سمجھتے۔ کمزور لاچار اور ضرورت مند کے پاس تشریف لے جایا کر ان کی حاجتیں پوری کرتے اور ان کی مشکل کشائی فرماتے۔ گھر کے کام کاج پہ نفس نہیں کرتے اور گھر کے کسی کام میں عار نہ سمجھتے مہمانوں کی مہمان داری خود فرماتے۔ علامہ یوسف بن اسماعیل بھائی مصری بیٹھتے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بہت بلند حوصلہ تھے آپ جب گھر تشریف لے جاتے تو عام لوگوں کی طرح گھر کے کام کاج میں مصروف ہو جاتے اکثر کپڑے وغیرہ خود ہی سی لیتے گھر کی چیزوں کو خود ہی اٹھا کے رکھتے گوشت کا مٹے خادم کی مدد کرتے گھر سے باہر جاتے تو گدھے پر سوار ہو کر چلے جاتے اپنے جوتے خود ہی کاٹھ لیتے قمیص میں خود ہی پوند لگا لیتے چادر پٹ جاتی تو اسے خود ہی لپیٹے اور فرمایا کرتے کہ جو میرے طریقہ سے روگردانی کرے گا وہ مجھ سے نہیں اپنے اونٹ خود پٹا لیتے خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے آٹا خود گوندھ لیتے اور بازار سے سودا سلف خود اٹھا کر لے آتے تھے۔

[وسائل الاصول ابن شاکل الرسول ص ۳۰ مطبوعہ المعارف منہج بخش روڈ لاہور]

نبی کریم ﷺ کے

مرض کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں گویا اب بھی رسول اللہ ﷺ کے قدموں کی سفیدی کو دیکھ رہی ہوں جب آپ اپنے مرض و وفات میں (مسجد نبوی میں) نماز کے لیے تشریف لے گئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ اس مرض کی وجہ سے بیمار ہوئے جس میں آپ کا وصال ہوا تو آپ نے میرے گھر میں رہنے کے لیے (اپنی ازواج سے) اجازت طلب کی تو

۷۔ بَابُ فِي مَرَضِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۳۶۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا نَنْظُرُ إِلَى بَيْتِائِهِ فَلَقْنَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْتُ أُنِي الصَّلَاةَ لِي مَرَضِهِ.

بخاری (۱۹۸) مسلم (۹۳۸) ابن ماجہ (۱۶۱۸)

۳۶۳۔ الْأَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا مَرَضَ الْمَرَضَ الَّذِي فِيهِ اسْتَعْلَى أَنْ يَكُونَ

فِي بَيْتِي فَأَخْلَلَنِي لَهُ فَأَلْتِ فَلَمَّا سَمِعَتْ ذَلِكَ قُمْتُ
مُسْرِعَةً فَكُنْتُ بَيْنِي وَلَيْسَ لِي خَادِمٌ وَفَرَضْتُ
لَهُ فِرَاشًا حَشَوُا بِرَقَاقِهِ الْإِذْخِرَ فَأَتَانِي رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا هَذِي بَيْنَ وَجِلَّتِي حَتَّى
وَضَعَ عَلَيَّ فِرَاشِي.

بخاری (۱۹۸-۶۶۳-۶۶۴-۴۴۴۲) مسلم (۹۳۷)

ابن ماجہ (۱۶۱۸) مسند احمد (۲۴۶۰۴)

انہوں نے آپ کو بخوشی اجازت دے دی۔ (حضرت عائشہ) فرماتی
ہیں: جب میں نے یہ بات سنی تو جلدی سے کھڑی ہوئی اور گھر میں
جھاڑو پھیرا اسے صاف ستھرا کیا اور اس وقت میرے پاس کوئی خادمہ
نہیں تھی اور میں نے آپ کے لیے (کپاس کی بجائے) اذخر نامی گھاس
سے بھرا ہوا نرم گدیلا بچھا دیا، سو رسول اللہ ﷺ دو آدمیوں کا سہارا
لیے ان کے درمیان چلتے ہوئے تشریف لائے یہاں تک کہ آپ کو
میرے بستر پر بٹھا دیا گیا۔

حل لغات

”اِسْتَعْلَ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب استعمال سے ہے اس کا معنی ہے: جائز سمجھنا، جائز شمار کرنا،
جائز ٹھہرانے کی اجازت چاہنا، اجازت طلب کرنا۔ ”كُنْتُ“ صیغہ واحد ماضی معروف مثبت، باب منوَب، مضروب سے
ہے اس کا معنی ہے: گھر میں جھاڑو دینا۔ ”رَقَاقَةُ“ کا معنی ہے: نرم ہونا، نرمی سے پیش آنا، مہربانی سے پیش آنا۔
دورانِ مرض سہارا دینے والوں کے متعلق مختلف روایات میں تطبیق

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی کریم ﷺ کا مرض بڑھ گیا اور آپ کا دہرہ سر شدید ہو گیا
تو آپ نے اپنی دیگر ازواجِ مطہرات سے اجازت طلب فرمائی کہ آپ ایامِ مرض میں میرے گھر میں قیام پذیر رہیں گے، سو انہوں
نے بہ خوشی آپ کو اجازت دے دی اور آپ حضرت عباس بن عبدالمطلب اور ایک آدمی کے درمیان سہارا لے کر زمین پر پاؤں
لگاتے ہوئے تشریف لائے، جس کی وجہ سے زمین پر پاؤں کی لکیریں پڑ گئیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس بن عبدالمطلب نے جان
فرمایا کہ دوسرے آدمی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی کریم
علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت فضل بن عباس اور ایک آدمی کے درمیان سہارا لے کر تشریف لائے اور ایک روایت میں ہے کہ دوسرے
آدمی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے اور امام دارقطنی کے نزدیک نبی کریم ﷺ کو سہارا دے کر لانے والے حضرت فضل بن عباس
اور حضرت اسامہ بن زید تھے اور ابن سعد کے نزدیک حضرت فضل اور حضرت ثوبان تھے اور امام ابن حبان کے نزدیک حضرت بریرہ
اور حضرت ثوبان تھے اور امام ابن حبان کے نزدیک حضرت بریرہ اور حضرت ثوبان تھے، بہر حال ثقات روایات سے ثبوت کی بناء پر ان تمام
روایات میں تطبیق یوں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام متعدد بار مختلف آدمیوں کا سہارا لے کر نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے
جاتے رہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرض کی ابتداء حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوئی تھی اور یہی معتد و معتبر قول
ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے حاصل ہو جاتی ہے جس کو امام احمد اور امام نسائی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ
رسول اللہ ﷺ ایک روز جنت البقیع سے نماز جنازہ پڑھا کر میرے گھر تشریف لائے اور اس وقت میں اپنے سر میں درد محسوس کر رہی
تھی اور میں کہہ رہی تھی: ہائے (میرا) سر! سو آپ نے فرمایا: بلکہ میں کہتا ہوں ہائے سر! پھر فرمایا: اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو گئی تو تمہارا
کوئی نقصان نہیں ہوگا کیونکہ میں تمہیں غسل دوں گا اور تمہیں کفن دوں گا اور میں تمہاری نماز جنازہ پڑھاؤں گا اور تمہیں دفن کروں گا،
میں نے عرض کیا کہ گویا میں محسوس کرتی ہوں اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر یہی ہو جائے تو آپ ضرور میرے گھر واپس لوٹ کر تشریف لائیں
گے تو اس میں آپ اپنی کسی بیوی کے ساتھ آرام فرمائیں گے، اس بات پر آپ مسکرائے، پھر آپ کا وہ مرض شروع ہو گیا جس میں آپ

کی وفات ہوئی۔ [شرح سند امام اعظم رحمہ اللہ لامل قاری ص ۵۸-۵۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

۸۔ بَابُ وَفَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم ﷺ کی وفات

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کے مرض میں تخفیف محسوس کی تو آپ سے اپنی بیوی بنت خاریجہ کے پاس جانے کی اجازت طلب کی اور بنت خاریجہ انصار کے باغات کے پاس رہائش پزیر تھیں اور دراصل یہ تخفیف موت کا افاقہ تھا (جو ہر مومن کو موت کے قریب حاصل ہوتا ہے) لیکن حضرت ابو بکر اس کو نہ سمجھ سکے سو آپ نے ابو بکر کو اجازت دے دی (اور وہ چلے گئے) پھر اسی رات میں رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے جب صبح ہوئی تو لوگ چپکے سے آپ کے پاس آنے لگے اور حضرت ابو بکر نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ حقیقت حال سن کر انہیں آگاہ کریں چنانچہ غلام نے کہا: میں نے لوگوں سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ وصال فرما گئے ہیں یہ خبر سن کر حضرت ابو بکر بہت غمگین ہو گئے اور وہ فرمانے لگے: ہائے افسوس! میری کمر ٹوٹ گئی اور حضرت ابو بکر مسجد نبوی میں ابھی نہیں پہنچے تھے یہاں تک کہ لوگوں نے یہ گمان کیا کہ انہیں ابھی تک خبر نہیں پہنچی اور منافقین حوڑل ہو گئے اور کہنے لگے: اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو کبھی فوت نہ ہوتے اور حضرت عمر نے (شدت غم کی وجہ سے) فرمایا: میں کسی کو یہ کہتے ہوئے نہ سوں کہ محمد ﷺ انتقال کر گئے ہیں ورنہ میں اس کی گردن تلوار سے مار دوں گا تو لوگ یہ بات سن کر باز آ گئے پھر جب حضرت ابو بکر حاضر ہوئے تو اس وقت نبی کریم ﷺ کے چہرہ کوڑھانپ دیا گیا تھا سو حضرت ابو بکر نے آپ کے چہرہ سے کپڑے کو ہٹایا پھر آپ کی پیشانی کو چومنے لگے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو دواہر موت نہیں چکھائے گا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز و مکرم ہیں پھر حضرت ابو بکر حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو! سن لو جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو بلاشبہ محمد ﷺ وصال فرما چکے ہیں اور جو شخص رب محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو بلاشبہ رب محمد ﷺ (ﷺ) بھی فنا نہیں ہوگا پھر (ابو بکر نے) یہ آیت تلاوت کی: اور حضرت محمد ﷺ صرف

۳۶۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَأَى مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقَّةً لَمَّا قَدْ ذَنَتْ إِلَى اسْرَائِيهِ بِنْتِ خَارِجَةَ وَكَانَتْ لِيْ خَوَاطِيطُ الْإِنْصَارِ وَكَانَ ذَلِكَ رَاحَةَ الْمَوْتِ وَلَا يَشْعُرُ لَمَّا ذَنَتْ ثُمَّ تَوَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسِهِ الْبَلْبَةَ فَاصْبَحَ لَجَعَلِ النَّاسُ بَنَاتِمْوْنَ لَمَّا رَأَى أَبُو بَكْرٍ هَلَامًا يَسْتَوِجُ ثُمَّ يَخْبِرُهُ فَقَالَ أَسْمَعْتُمْ يَقُولُونَ مَاتَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاصْبَحُوا أَبُو بَكْرٍ وَمَوْ يَقُولُ وَالْقَطْعُ ظَهْرَاهُ فَمَا بَلَغَ أَبُو بَكْرٍ الْمُسْجِدَ حَتَّى عَلُوا إِلَهُ لَمْ يَبْلُغْ وَارْتَجَفَ الْمَنَابِقُونَ لِقَالُوا لَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ نَبِيًّا لَمْ يَمُتْ فَقَالَ عُمَرُ لَا أَسْمَعُ رَجُلًا يَقُولُ مَاتَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا ضَرَبَهُ بِالسَّيْفِ فَكُفُّوا لِلذَّلِكِ فَلَمَّا جَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَضِيَّ كُثِفَ الْقَوْبُ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ جُعِلَ يُلْثِمُهُ فَقَالَ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُذِلَّ بِكَ الْمَوْتَ مَرَّتَيْنِ أَنْتَ أَكْرَمُ عَلَى اللَّهِ مِنْ ذَلِكَ ثُمَّ خَرَجَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ يَحِبُّ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَحِبُّ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَإِنَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَا يَمُوتُ ثُمَّ قَرَأَ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ فَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَبْصُرَ اللَّهَ هَبْنَا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ (نور ان: ۱۳۳) قَالَ فَقَالَ عُمَرُ لَمَّا لَمْ تَقْرَأْهَا قَبْلَهَا لَطُ فَقَالَ النَّاسُ بِمِثْلِ مَقَالَةٍ أَيْسَى بَكْرٍ مِنْ كَلَامِهِ وَبِقِرَاءَتِهِ وَمَاتَ لَيْلَةَ الْاِثْنَيْنِ لَمَسَّكَ لَيْلَتَيْنِ وَتَوَمَّنِي وَذُوْنِ يَوْمِ الْاِثْنَاءِ وَكَانَ

أَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَأَوْسُ بْنُ خُوَلَيْهِ بَصْبَانٍ وَعَلِيُّ
وَالْفَضْلُ بَغْلَايَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بخاری (۱۶۳۷) ابن حبان (۶۶۲۰) مسند احمد (۲۵۳۷۵)

بخاری (۱۶۳۷) ابن حبان (۶۶۲۰) مسند احمد (۲۵۳۷۵)

رسول ہیں (معبود نہیں) بے شک ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں سو کیا اگر یہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اُلے پاؤں واپس پلٹ جاؤ گے اور جو شخص اپنے اُلے پاؤں واپس پلٹ جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو جزاء عطاء فرمائے گا (آل عمران: ۱۳۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا ہم نے اس سے پہلے یہ آیت کبھی نہیں پڑھی پھر لوگوں نے بھی اسی طرح کہا جس طرح حضرت ابوبکر صدیق نے گفتگو فرمائی تھی اور آیت پڑھی تھی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام (اتوار کے دن کے اختتام پر) پیر کی رات فوت ہوئے اور دو راتیں دودن آپ کو رکھا گیا (یعنی حجر منگل رکھا گیا تا کہ دور و نزدیک کے لوگ گروہ در گروہ نماز جنازہ پڑھ سکیں) اور پھر روز بدھ آپ کو دفن کیا گیا اور نبی کریم ﷺ کو غسل دینے کے لیے حضرت اسامہ بن زید اور حضرت اوس بن خولہ رضی اللہ عنہ آپ کے جسم اقدس پر پانی بہا رہے تھے اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو نہلا رہے تھے۔

حل لغات

”خَوَّاطٌ“ یہ ”خَوَّاطٌ“ کی جمع ہے اور ”خَوَّاطٌ“ کا معنی ہے: دیوار باغ لیکن یہاں خود باغ مراد ہیں۔ ”يَتَوَقَّعُونَ“ یہ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب تفاعل سے ہے یہ ”زَفَسِي“ سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: یکے بعد دیگرے گرتے پڑتے کسی جگہ پہنچنا یہ ہمارے اس موجود لفظ میں ہے جبکہ شرح مسند کے لفظ میں ”يَتَوَقَّعُونَ“ ہے اور یہ ”زَفَسِي“ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے: چھپانا، ڈھانپنا، پوشیدہ رکھنا۔ ”أَوْجَفَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: مضطرب ہونا، متزلزل ہو جانا، اٹو اٹو پھیلانا۔ ”كُفُّوا“ صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب نَصْرَ يَنْصُرُونَ سے ہے اس کا معنی ہے: رُک جانا، باز آ جانا۔ ”مَسَّجَى“ یہ صیغہ واحد مذکر اسم مفعول باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: ڈھانپنا، پوشیدہ رکھنا۔ ”كُشِفَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرْبَ يَضْرِبُونَ سے ہے اس کا معنی ہے: کھولنا۔ ”يَلْتَمَسُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب ضَرْبَ يَضْرِبُونَ سے ہے اس کا معنی ہے: بوسہ لینا۔

مرض کی ابتداء تاریخ وصال آخری وصیت اور غسل کی فضیلت

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ معلوم ہونا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے مرض کی ابتداء ماہ صفر کے آخر میں دور سر سے ہوئی جبکہ اس ماہ کی ایک یا دو راتیں باقی تھیں اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ کے مرض کی ابتداء ماہ ربیع الاول کے شروع میں ہوئی۔ علامہ ابن جوزی نے اپنی ایک کتاب الوفاء میں کہا ہے کہ ماہ صفر کے آخر میں دو راتیں باقی تھیں کہ آپ کے مرض کی ابتداء

ہوئی اور آپ کی وفات بارہ ربیع الاول میں ہوئی۔ علامہ سلیمان محی جو ثقات یعنی مستند اور محقق علماء کرام میں سے ہیں انہوں نے پورے جزم اور یقین کے ساتھ کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مرض کی ابتداء بہ روز ہفتہ پانچ صفر کو ہوئی تھی اور آپ کا وصال بہ روز پیر در ربیع الاول کو ہوا تھا۔ واللہ اعلم!

اور اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے کہ آپ کا وصال بہ روز پیر در ربیع الاول کو ہوا کیونکہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات ماہ رمضان المبارک کی تین تاریخ کو ہوئی تھی اور تمام اہل اسلام علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد چھ ماہ تک بہ قید حیات رہیں۔

اور نبی کریم ﷺ نے ایامِ مرض میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں چالیس غلام آزاد کیے اور مدتِ مرض میں بھی آپ صحابہ کرام کو اجتماع نمازیں پڑھاتے رہے ماسوا تین دن کے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ سترہ نمازیں تھیں جو آپ کے حکم پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو پڑھائیں ایک دن آپ ﷺ اپنے حجرہ سے باہر مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا: اے مسلمانو! میں تمہیں الوداع کرتا ہوں اور میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں میرے بعد وہی تمہارا محافظ و نگہبان ہے سنو! میں تمہیں تقویٰ پر قائم رہنے اور اطاعتِ الہی پر کار بند رہنے کی تلقین و تاکید کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کسی امتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی ماسوا حضرت ابو بکر اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کے اور دورانِ سفر آپ نے حضرت عبدالرحمن کی اقتداء میں شامل ہو کر صرف ایک رکعت نماز پڑھی تھی (کیونکہ جب آپ تشریف لائے جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور ایک رکعت ہو چکی تھی) اور دورانِ مرض آپ کی اکثر دیشتر وصیت نماز پڑھنے اور غلاموں اور خدمت گزاروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ہوتی تھی اور شواہدِ نبویہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی قوتِ حافظہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا تو چند قطرے پانی کے آپ کی ہلکوں میں رہ گئے تو میں نے انہیں اپنی زبان سے چوس لیا اور پی گیا جس کی وجہ سے میری قوتِ حافظہ بڑھ کر تیز ہو گئی۔

[باخر از ایضاد العلماء شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۶۳-۶۲ مطبوعہ نور پور ضویہ سکسرا]

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: تم میرے بعد ان دو کی پیروی کرنا وہ دو ابو بکر اور عمر ہیں۔

ترمذی (۳۶۶۲) ابن ماجہ (۹۷) ابن حبان (۶۹۰۲) سند احمد (ج ۵ ص ۳۹۹)

۹۔ بَابُ فَضَائِلِ شَيْخَيْنِ

۳۶۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّهْرَاءِ

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْتُلُوا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ.

حل لغات

”اقْتُلُوا“ میث جمع مذکر حاضر فعل امر حاضر معروف باب الفتحال سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کی اقتداء کرنا کسی کی پیروی کرنا۔ ”الَّذَيْنِ“ یہ ذال مفتوح کے ساتھ اور یا ساکن کے ساتھ ہو تو اسم موصول ثنیہ ہوتا ہے اور اگر ذال مکسور اور یا ساکن کے ساتھ ہو تو اسم موصول جمع ہوتا ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مختصر سیرت و شان

رسول اللہ ﷺ کے فضائل کے بعد صحابہ کرام کے فضائل کا بیان شروع ہو رہا ہے یہاں سب سے پہلے حضرت ابو بکر اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کیے جا رہے ہیں کیونکہ انبیاء و رسل کے بعد بالترتیب یہی دونوں سب سے افضل ہیں اور حضرت ابوبکر تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد آپ کے پہلے بلا فصل خلیفہ ہیں آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب القرشی النخعی تھا آپ کا نسب حضرت مرہ بن کعب پر رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے اور اس نسب نامہ سے واضح ہو گیا کہ آپ کا نام عبداللہ ہے اور آپ کے والد کا نام عثمان اور ان کی کنیت ابو قحافہ ہے جبکہ آپ کی اپنی کنیت ابوبکر ہے اور لقب صدیق اور فقیق ہے اور آپ کی والدہ محترمہ کا نام سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن مرہ بن کعب تھا اور ان کی کنیت أم الخیر تھی حضرت ابوبکر مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو سال چھوٹے تھے کپڑے کا کاروبار کرتے تھے اور اسلام سے پہلے بھی بڑے معزز و محترم تھے بڑے دانا اور معاملہ فہم تھے لوگوں کے فیصلے کرتے تھے آپ مکہ کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے عربوں کی تاریخ اور ان کے نسب ناموں کے بڑے ماہر تھے۔ بت پرستی شراب نوشی زنا کاری اور دیگر ایسوں سے پاک تھے۔ شروع ہی سے سلیم النفس اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلم دوست تھے آپ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ آپ نے اپنی جان اور دولت نبی کریم ﷺ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ کی کوششوں سے بڑے بڑے صحابہ کرام ایمان لائے۔ ہجرت مدینہ منورہ میں آپ رسول اللہ کے یار غار تھے اور وصال کے بعد رسول اللہ کے یار مزار بن گئے۔ تمام غزوات میں شریک رہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مشیر خاص تھے اور رسول اللہ ﷺ ۹ھ میں آپ کو امیر الحجاج مقرر فرمایا۔ وصال سے پہلے آپ ہی کو نمازوں کی امامت کے لیے مقرر فرمایا اور وصال نبوی کے بعد صحابہ کرام نے آپ کو متفقہ طور پر پہلا خلیفہ بلا فصل منتخب کر لیا۔ یہ بڑا نازک وقت تھا اسلام کی کشتی ڈمکانے لگی تھی لیکن آپ نے خوب سنبھالا دیا اور دوران خلافت جمع قرآن مرتدین کی سرکوبی زکوٰۃ کی باقاعدہ وصولی جہنم اسامہ کی روانگی اور تحفظ مسئلہ ختم نبوت جیسے اہم ترین کاموں کو سرانجام دیا۔ مختصر یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق اسلام کی تعلیمات کا ذمہ دیکر اور اخلاق نبوی کی جسم تصویر تھے آخر کار آپ ۳۳ سال کی عمر میں ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ میں ہجر کے دن انتقال فرما گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مختصر سیرت و شان

حضرت ابوبکر کے انتقال کے بعد حضرت عمر خلیفہ دوم مقرر ہوئے اور آپ کا نسب نامہ (حضرت) عمر بن خطاب بن عبدالعزیٰ بن رباح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤی بن غالب ہے آپ کا نسب حضرت کعب بن لؤی پر رسول اللہ سے مل جاتا ہے آپ کی ولادت ۵۸۳ء میں ہوئی آپ قریش کی ایک شاخ بنو عدی کے معزز فرد تھے آپ کا اسم گرامی عمر کنیت ابو حفص اور لقب فاروق تھا والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام حنتہ تھا حضرت عمر قریش کے ان سترو آدمیوں میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے جسمانی طور پر بہت مضبوط اور طاقتور تھے۔ شہسواری اور پہلوانی کرتے تھے۔ پیشہ تجارت تھا تقریر اور خطابت میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ قریش کے سفیر تھے شروع میں اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گئے رسول اللہ نے ان کے ایمان لانے کے لیے خصوصی دعا فرمائی تھی ان کے اسلام لانے کی بدولت اسلام اور اہل اسلام کو بہت بڑی تقویت نصیب ہوئی آپ رسول اللہ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے تمام غزوات میں شریک رہے اپنا مال بے دریغ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے وصال سے قبل آپ کو صحابہ کرام کے مشورے سے خلیفہ نامزد کیا اور اس انتخاب کو تمام مسلمانوں نے متفقہ طور پر تسلیم کر لیا۔ ساڑھے دس سال خلیفہ رہے۔ عراق کا کچھ حصہ شام فلسطین مصر ایران کرمان اور مکران کے علاقے آپ کے عہد خلافت میں فتح ہوئے۔ اس طرح آپ کی

حکومت ایشیاء اور افریقہ کے قلب تک پہنچ گئی۔ حضرت عمر اسلام کی شوکت و عظمت کا نشان تھے۔ بڑے بہادر جری اور مڈر مسلمان تھے اسلام کے تحفظ اور حق کی خاطر اکثر آپ کی تلوار بے نیاز رہتی ایک طرف سادگی کا یہ عالم تھا کہ لباس پر سترہ سترہ پیوند لگے ہیں لیکن دوسری طرف رعب و دبدبہ یہ تھا کہ قیصر و کسریٰ آپ کے نام سے لرزتے اور کانپتے تھے آپ اپنے آپ کو ایک عام سادہ مسلمان کی سطح پر رکھتے تھے چنانچہ جب آپ بیت المقدس پہنچے تو اس وقت غلام اپنی باری کی بناء پر اونٹ پر سوار تھا اور آپ امیر المؤمنین ہونے کے باوجود اس اونٹ کی گیل تمام کراس کے آگے پیدل چل رہے تھے۔ راشن اپنی کمر پر لاد کر مٹا جوں تک لے جاتے اور ان کی ہر طرح سے دیکھ بھال اور خبر گیری کرتے اور فرماتے: اگر دجلہ کے کنارے پر بکری کا ایک بچہ بھی بھوکا مر گیا تو عرقیامت کے روز اللہ کے سامنے جواب دہ ہوگا ہر شخص کو ان پر تنقید کا حق حاصل تھا آپ کے نزدیک قانون کی نظر میں سب برابر تھے دروازہ پر کبھی دربان نہیں رکھا تھا زہد و تقویٰ اور قناعت و کفایت شعاری اور سادگی میں آپ تمام صحابہ میں ممتاز تھے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو انسان نحو حیرت آجاتا ہے کہ مختصر سے عرصہ میں اسلام کا اقتدار اس قدر بڑھا کہ وہ حدود عرب سے باہر نکل کر عراق، ایران، شام، روم اور مصر وغیرہ دور دراز کے مقامات تک پھیل گیا اور ایک عظیم قوت کے طور پر اسلام کو وہ اہمیت حاصل ہو گئی کہ قیصر و کسریٰ کے جاہر اور زبردست ممالک اسلام کے سامنے مغلوب و محکوم ہو گئے۔ آپ ایک نامور فاتح اور بے مثل حکمران تھے۔ آپ ۳۴ھ تک محرم الحرام کو جام شہادت نوش فرما کر واصل جنت ہو گئے۔

حضرت عمار اور حضرت عبداللہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے فضائل

۱۰۔ بَابُ فَضَائِلِ عَمَّارٍ

وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میرے بعد ابوبکر صدیق اور عمر کی پیروی کرنا اور عمار بن یاسر کی سیرت و کردار کو اختیار کرنا اور ابن ام عابد (عبداللہ بن مسعود) کی وصیت کو مضبوطی سے تمام لینا۔

۳۶۶۔ اَبُو عَدِيْثَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِيْحِي عَنْ حُثَيْبَةَ بِنِ الْيَمَانِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْبِلُوا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ بَعْدِي اَيُّكُمْ يَتَخَمَّرُ وَغَمَرَهُ رِجْسِي اللَّهُ عَنْهُمَا وَاقْتُلُوا بِهَذِي عَمَّارٍ وَتَمَسَّكُوا بِعَهْدِي اَيُّكُمْ عَصَى.

ترمذی (فی التقیاب: باب ۳۴) ابن حبان (۶۹۰۲) مستدرک (۲۳۶۶۵)

حل لغات

”اَقْبِلُوا“ سینہ جمع مذکر حاضر فعل امر حاضر معروف باب افتعال سے ہے اس کا معنی ہے: ہدایت پانا کسی کا ہدایت طلب کرنا ہدایت پر قائم رہنا۔ ”حُثَيْبَةَ“ سیرت طریقہ۔ ”بَعْدِي“ وصیت ضمان امان اذمہ۔

حضرت ابوبکر و عمر کی سیادت

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ سَيِّدَا كَهْمَا لِيْ اَقْبِلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلَيْنِ وَالْاٰخِرَيْنِ اِلَّا النَّبِيَّيْنِ وَالْمُرْسَلَيْنِ۔
حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نبیوں اور رسولوں کے علاوہ تمام اگلے پچھلے جنتی بزرگوں کے سردار ہیں۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکر و عمر، اصل الابی فی ص ۵۶۰ مطبوعہ مطابع دہلی]

حضرت عمار بن یاسر

آپ کا اسم گرامی عمار ہے اور کنیت ابو لیثقان ہے آپ کے والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سبیہ ہے حضرت عمار قدیم الاسلام مسلمانوں میں سے ہیں آپ بڑے جلیل القدر اور مشہور و معروف صحابی ہیں اور غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے اور جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے اور اسی جنگ میں باغیوں کے ہاتھوں ۷۳ھ میں شہید ہو گئے ان کے فضائل بے شمار ہیں لیکن اختصار کی بناء پر یہاں کنز العمال سے چند احادیث کے بیان پر اکتفاء کیا گیا ہے:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت عمار کو سر سے لے کر ان کے قدموں تک اللہ تعالیٰ نے ایمان سے پُر کر دیا ہے اور ایمان کو ان کے گوشت و خون اور ان کے رگ و ریشہ میں ملا دیا گیا ہے اور حضرت عمار حق کے ساتھ چلتے ہیں جدھر حق ہوتا ہے اُدھر حضرت عمار ہوتے ہیں اور آگ کے لیے جائز نہیں کہ وہ حضرت عمار کے جسم کا کوئی حصہ کھا سکے۔ [رقم الحدیث: ۳۳۵۱۶]

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افسوس! حضرت عمار کو باغی گروہ قتل کر کے شہید کر دے گا جبکہ آپ انہیں جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ لوگ آپ کو دوزخ کی آگ کی طرف بلائیں گے۔

[رقم الحدیث: ۳۳۵۱۷]

(۳) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حضرت عمار سے عداوت و دشمنی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص سے عداوت و دشمنی فرمائے گا اور جو شخص حضرت عمار سے بغض رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص سے ناراض ہو جائے گا۔ [رقم الحدیث: ۳۳۵۱۸]

(۴) حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **يَا نَارُ مَكُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ عِمَارٍ عَمَّا** یعنی اے آگ! تو حضرت عمار پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا! **كُنْتِ عَلَىٰ ابْنِ اَهْمٍ** جس طرح تو حضرت ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی تھی۔

اے عمار! تجھے باغی گروہ شہید کرے گا یہ آپ نے اس وقت فرمایا: جب مشرکین مکہ نے حضرت عمار کو عذاب دینے کے لیے آگ میں ڈال دیا تھا۔ [رقم الحدیث: ۳۳۵۵۸]

(۵) حضرت جابر بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **ابشروا یا آل عمار! فان موعدكم الجنة** یعنی اے عمار کی آل! تمہیں بشارت ہو کہ تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

[رقم الحدیث: ۳۳۵۶۱] [کنز العمال ج ۱۱ ص ۳۳۳-۳۳۴ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشریہ لبنان]

حضرت عبد اللہ ابن مسعود

حضرت عبد اللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب حدلی اکابر صحابہ کرام میں سے ہیں آپ کی تین کنیتیں ہیں ایک کنیت ابن مسعود ہے اور یہ آپ کے والد کی نسبت سے ہے اور ماں کی نسبت سے دوسری کنیت ابن ام عبد ہے کیونکہ آپ کی والدہ کی کنیت ام عبد ہے اور تیسری کنیت آپ کے بیٹے کی نسبت ابو عبد الرحمن ہے اور آپ سب سے پہلے ایمان لانے والے سابقین و اولین مسلمانوں میں سے ہیں آپ حضرت عمر سے پہلے ایمان لائے بلکہ آپ اسلام کے چھٹے صاحب ہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاص خادم

تھے اور آپ رسول اللہ کے صاحبِ اسرار تھے اور سفر میں رسول اللہ ﷺ کی طہین پاک مسواک اور وضو کا برتن آپ کے پاس رہتا تھا اور آپ بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے رسول اللہ ﷺ نے آپ کے جنتی ہونے کی بشارت دگواہی دی اور فرمایا: میں اپنے لیے وہ چیز پسند کرتا ہوں جو ابن مسعود پسند کریں اور وہ چیز ناپسند کرتا ہوں جو ابن مسعود ناپسند کریں اور آپ اخلاق و عادات میں رسول اللہ ﷺ سے ملتے جلتے تھے حضرت عمر کے زمانہ سے لے کر حضرت عثمان کی خلافت کے شروع تک کوفہ کے حاکم رہے پھر بیت المال کے محافظ مقرر ہوئے پھر مدینہ منورہ واپس آ گئے اور یہیں مدینہ منورہ میں ۳۲ھ میں انتقال فرما گئے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کے فضائل کے بیان میں کنز العمال کی چند احادیث پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت کے لیے وہ چیز پسند کرتا ہوں جو ابن ام عبد مری امت کے لیے پسند کرتا ہے۔ [کنز العمال: ۳۳۴۵۰]

(۲) حضرت سارہ بنت عبداللہ بن مسعود اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اے شک (حضرت) عبداللہ بن مسعود قیامت کے روز میزان میں اُحد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوں گے۔ [کنز العمال: ۳۳۴۵۲]

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر میں اپنی امت پر کسی کے مشورہ کے بغیر امیر مقرر کرتا تو میں ان پر ابن ام عبد (حضرت عبداللہ) کو امیر مقرر کر دیتا۔ [کنز العمال: ۳۳۴۵۱]

(۴) حضرت ابن عباس اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اور میری امت کے لیے اور ابن ام عبد کے لیے پسند کی ہے اور میں وہ چیز ناپسند کرتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اور میری امت کے لیے اور ابن ام عبد کے لیے ناپسند فرمایا ہے۔ [کنز العمال: ۳۳۴۵۶]

(۵) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص پسند کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت اس طرح عمدہ اور مستحکم لہجہ میں سنے جس طرح اسے نازل کیا گیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت ابن مسعود سے اس کی تلاوت سنے۔ [کنز العمال: ۳۳۴۵۷]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت موسیٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور اس وقت حضرت عثمان نہایت غمگین و پریشان اور بہت رنجیدہ تھے جس پر حضرت عمر نے فرمایا: تمہیں کس چیز نے اس قدر غمگین و رنجیدہ کر دیا ہے (حضرت عثمان نے) فرمایا: میں غمگین و رنجیدہ کیوں نہ ہوں حالانکہ میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان سسرالی رشتہ ختم ہو گیا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت رقیہ) کی وفات کے ابتدائی ایام تھے اور یہ صاحبزادی ان (حضرت عثمان) کے نکاح میں تھیں سو حضرت عمر نے فرمایا کہ میں اپنی بیٹی (حضرت) حفصہ کا نکاح تم سے کر دیتا ہوں فرمایا: ابھی نہیں یہاں

۱۱۔ بَابُ فَضَائِلِ عُثْمَانَ

۳۶۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْعُثْمَانَ وَهُوَ حَزِينٌ قَالَ مَا بَحْرُنَكَ قَالَ أَلَا أَحْزَنَ وَقَدْ انْقَطَعَ الْوَجْهُ بَيْنِي وَبَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَلِكَ خَدَنًا مَا كُنْتُ بِبَنَتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ نَحْتَهُ لَقَالَ لَهُ عُمَرُ أَرَوْجَكَ حَفْصَةَ ابْنَتِي لَقَالَ حَتَّى اسْتَأْمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَاهٍ لَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ أَنْ أَذْكَكَ عَلَى صَهِرٍ هُوَ خَيْرٌ لَكَ مِنْ

عَفَمَانَ وَأَذَلَّ عَفَمَانَ عَلَى صَبْرٍ هُوَ نَحْبُهُ لَكَ بِنْدُكَ
فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ دَوَّجِي حَقَصَةَ وَالزَّوْجَ عَفَمَانَ ابْنِي
فَقَالَ نَعَمْ فَلَقَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
ابن ماجہ (۱۱۰) کتر اعمال (ج ۶ ص ۷۹)

تک کہ میں پہلے رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کر لوں چنانچہ حضرت عمر
آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور ساری
روئیداد بیان کی) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں
تمہیں (حضرت) عثمان سے بہتر داماد بنا دوں اور میں عثمان کے لیے تم
سے بہتر سر ہتا دوں؟ حضرت عمر نے عرض کیا کہ جی ہاں! ضرور بتائیے
سو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح مجھ سے کر دو اور (حضرت)
عثمان کا نکاح میں اپنی بیٹی سے کر دیتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض
کیا: جی ہاں! بہت بہتر ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

حل لغات

”حَصْرَتْنِ“ یہ فعل کے وزن پر ہے اور لعلیل پہ معنی مفعول بھی آتا ہے سو اس لیے ”حَصْرَتْنِ“ یہ معنی محزون ہے اس کا معنی ہے:
عَمَلِینِ رَجِیدہ اور مغموم۔ ”الْقَصْرُ“ اس کا معنی ہے: قرابت، سرور، داماد، بیوٹی۔ ”عَفَمَانَ“ اس کا معنی ہے: ابتداء، آغاز، شروع، اوّل۔
”أَذَلَّ جَلَّكَ“ صیغہ واحد مکمل، فعل مضارع معروف، باب تفعیل سے ہے اس کے آخر میں ضمیر ”لَكَ“ مفعول پہ ہے اس کا معنی ہے:
نکاح، شادی، جاہ کرانا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مختصر سوانح حیات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد القیس بن عبد مناف بن قصی
بن حکیم بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب قرشی اموی آپ کا تعلق قریش کی مشہور شاخ بنو امیہ سے ہے اور پانچویں پشت میں نسب
میں نبی کریم صلیہ الصلوٰۃ والسلام سے مل جاتا ہے آپ ۵۷۵ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام عفان ہے اور کنیت ابی عبد اللہ
ابو العلیٰ اور ابو عمرو ہے اور لقب ذوالنورین ہے یعنی دونوںوں والے کیونکہ آپ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے رسول اللہ کی دو
صاحبزادیاں آئیں، لکھنا پڑھنا جانتے تھے، قمارت کا کاروبار کرتے تھے آپ اسلام لانے والے چوتھے شخص تھے آپ نے دو بھرنیں
کیں: پہلے مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف اور دوبارہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت عثمان سیرت و کردار کے اعتبار سے ایک بے
مثال شخصیت کے مالک تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے ایسے اوصاف و کمالات عطا کیے تھے جن کی بدولت وہ اپنے خاندان میں
ایک ممتاز اور منفرد حیثیت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے ہر موقع پر اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے لیے
کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا اور خاص طور پر جنگوں کے موقعوں پر تو ان کا مالی ایثار مسلمانوں کی بہت سی پریشانیاں دور کرنے میں
کام آتا رہا آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے سلسلے میں اس قدر فیاض دہی اور دریا دل تھے کہ آپ کو غنی کے لقب سے یاد کیا
جاتا ہے۔ حضرت عثمان کی سیرت کی عظمت و بلندی کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں میں قتل و
فارت سے بچنے کے لیے بے پناہ طاقت رکھنے کے باوجود باغیوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا حالانکہ ان کے تمام مشیروں کا مشورہ
یہی تھا۔ حضرت عثمان کو نبی کریم صلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے جو محبت و عقیدت تھی اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انہوں
نے جان کے خوف سے بھی آپ کا محبوب شہر مدینہ منورہ چھوڑنا پسند نہ کیا اور اپنے اعلیٰ اصولوں کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دی اور
نبی کریم ﷺ کے دل میں بھی ان کے لیے اس قدر محبت و اُلفت تھی کہ آپ نے اپنی پہلی بیٹی حضرت رقیہ کے دو بھری میں فوت ہو

جانے کے بعد ان کی دلجوئی کے لیے تین ہجری میں اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم آپ کے نکاح میں دیتے ہوئے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر میری ایک سونیاں ہوتی وہ یکے بعد دیگرے فوت ہوتی جاتی تو میں یکے بعد دیگرے تمہارے نکاح میں دیتا جاتا یہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جنہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے حکم دے رہا ہے کہ میں اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح تیرے ساتھ کر دوں۔ [شرح مسند ملا علی قاری ص ۴۱۴، مطبوعہ بیروت] حضرت عثمان کو رسول اللہ کے کاتبِ وحی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا، حضرت عثمان شرم و حیا کے پیکر تھے خود رسول اللہ ﷺ آپ کے شرم و حیا کا بہت لحاظ فرماتے تھے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ عثمان کے شرم و حیا سے فرشتے بھی شرماتے اور حیا کرتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے: رسول اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے عثمان کا حساب و کتاب معاف کرا لیا ہے چنانچہ وہ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ اپنی دانائی، تواضع، جود و کرم، عبادت و ریاضت، خوش خلقی اور مہمان نوازی میں بہت مشہور تھے آپ ہشروہ ہشروہ میں سے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چند احادیث کثیرہ اعمال سے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری امت میں سب سے زیادہ شرم و حیا والے حضرت عثمان ہیں۔ [کنز العمال: ۳۲۷۸۹]

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک حضرت عثمان با حیا اور با پرہیزگار انسان ہیں ان سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ [کنز العمال: ۳۲۷۹۳]

(۳) بے شک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے پہلے اپنی اہلیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف حضرت عثمان نے ہجرت کی ہے۔

[کنز العمال: ۳۲۷۹۳]

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک جو شخص حضرت عثمان سے بغض و کینہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے گا (یعنی اس پر غضب ناک رہے گا)۔ [کنز العمال: ۳۲۷۹۵]

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں (خلافت کی) قمیص پہنائے گا پھر اگر منافقین وہ قمیص تم سے اتارنا چاہیں تو تم اسے ہرگز نہ اتارنا یہاں تک کہ تم مجھ سے آلو۔

[کنز العمال: ۳۲۷۹۹]

(۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عثمان بن عفان دنیا میں میرے ولی اور دوست ہیں اور آخرت میں بھی میرے ولی اور دوست ہیں۔ [کنز العمال: ۳۲۸۰۰]

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "عثمان فی الجنة" یعنی عثمان جنتی ہیں۔

[کنز العمال: ۳۲۸۰۱]

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کے لیے اس کی امت میں ایک غلیل (خلیل) ہوتا ہے اور بے شک میرا غلیل (بہت چاہنے والا) عثمان بن عفان ہیں۔ [کنز العمال: ۳۲۸۰۳]

(۹) حضرت طلحہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ہر نبی کے لیے جنت میں ایک رفیق ہوگا اور میرا رفیق جنت عثمان بن عفان ہوگا۔ [کنز العمال: ۳۲۸۰۵]

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت عثمان کی شفاعت کی وجہ سے ستر ہزار آدمی بغیر

حساب جنت میں جائیں گے جن پر دوزخ کی آگ واجب ہو چکی ہوگی۔ [کنز العمال: ۳۲۸۰۶]

(۱۱) حضرت عائشہ صدیقہ عقیقہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یوں دعا مانگی: "اللھم قد رضیت عن عثمان غارض عنہ" اے اللہ! بے شک میں عثمان سے راضی ہو چکا ہوں پس تو بھی اس سے راضی ہو جاؤ۔ مرتبہ ہرایا۔ [کنز العمال: ۳۲۸۳۸]

(۱۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جنت میں جو دوستانی ایک درخت ہے اور حضرت عثمان اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہیں اور دوزخ میں لہوم و بھل نامی ایک درخت ہے اور ابو جہل اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔ [کنز العمال: ۳۲۸۳۹]

(۱۳) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ التہیۃ والتسلیم نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا تو اچانک میں ایک ایسے محل کے پاس پہنچا جو سونے موتیوں اور یاقوت سے تیار کیا گیا تھا سو میں نے کہا: یہ محل کس کا ہے؟ تو فرشتوں نے کہا کہ آپ کے بعد ظلم کے ساتھ قتل کیے جانے والے آپ کے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان ہیں۔ [کنز العمال: ۳۲۸۵۶]

نوٹ: ماخوذ منتخب از: کنز العمال ج ۱۱ ص ۲۷۳-۲۶۸، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ لبنان

حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے فضائل

۱۲۔ بَابُ فَضَائِلِ عَلِيٍّ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

۳۶۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ حَبِئَةَ الْأَنْعَرِيَّةِ وَهُوَ الْهَمْدَانِيُّ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ أَنَا أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ.
حضرت حبیۃ العربیہ یہ ہمدانی ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اصحاب میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "انسا اول من اسلم" یعنی سب سے پہلے ترمذی (۳۷۳۴-۳۷۳۵) میں اسلام لایا ہوں۔

سب سے پہلے کون اسلام لایا؟

معلوم ہوتا چاہیے کہ اہل سنت میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا، بعض کے نزدیک ابو بکر صدیق ہیں، بعض نے کہا: حضرت علی ہیں، جبکہ بعض کے نزدیک حضرت خدیجہ الکبریٰ ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت بلال ہیں اور بعض نے کہا کہ حضرت زید بن حارثہ ہیں، لیکن جمہور مؤرخین، محدثین اور فقہاء نے فرمایا ہے کہ ہاشم اور آزاد مردوں میں سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے اور عورتوں میں سے سب سے پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰ ایمان لائیں اور بچوں میں سے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ (دس سال کی عمر میں) ایمان لائے تھے اور آزاد کردہ غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے اور غلاموں میں سے حضرت بلال سب سے پہلے ایمان لائے تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ آپ کے فضائل و مناقب اگلی حدیث کی تشریح میں بیان کیے جائیں گے۔

۳۶۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَرَ إِلَى عَلِيٍّ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ ذَاتَ يَوْمٍ فَرَأَاهُ بَجَائِمًا فَقَالَ يَا عَلِيُّ مَا أَجَاعَكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
حضرت ام ہانیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف دیکھا تو آپ نے (بھوک کے آثار سے) انہیں بھوکا خیال کیا اور فرمایا: اے علی! تمہیں کس چیز نے بھوکا رکھا ہے؟ حضرت علی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ!

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَم أَصْنَعْ مِنْكَ كُفْرًا وَكُفْرًا لِقَالَ النَّبِيُّ
مَلَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ.
میں اتنے اتنے روز سے اپنا پیٹ نہیں بھر سکا (یعنی کھانا نہیں کھا سکا) سو
نیا کریم ﷺ نے فرمایا: تمہیں جنت کی بشارت ہو۔

کمال ابن عدی (ج ۱ ص ۱۲۴۔ ج ۸ ص ۱۴)

حل لغات

”جَائِعًا“ صیغہ واحد مذکر اسم فاعل ہے اس کا معنی ہے: بھوکا رہنے والا۔ ”مَا أَجَاعَكَ“ اس میں حرف ”مَا“ استفہامیہ
(سوالیہ) ہے اور آخر میں کاف (ك) ضمیر مفعول ہے اور ”أَجَاعَ“ صیغہ واحد مذکر قاعب فعل ماضی معروف باب افعال سے ہے اس
کا معنی ہے: بھوکا رکھنا، خوراک بند کر دینا، خوراک روک لینا۔ ”أَبْشِرْ“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر حاضر معروف باب افعال سے
ہے اس کا معنی ہے: بشارت دو خوشخبری دینا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مختصر سیرت و شان

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: علی بن ابی طالب المعروف عہد مناف بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن
قسی بن حکیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن لحر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ آپ کا نام علی ہے کنیت ابی الحسن اور ابو تراب
ہے اور لقب حیدر کرار اسد اللہ الغالب ہے۔ آپ کا نام عہد مناف یا عمران ہے اور کنیت ابو طالب ہے اور آپ کی والدہ ماجدہ کا نام
فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہے آپ پہلی ہاشمی مسلم خاتون ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رشتہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
چچا زاد بھائی اور داماد بھی ہیں نیز بچپن سے نبی کریم ﷺ کی تربیت و پرورش میں ملے اور بڑھے۔ آپ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ
الزہراء کے شوہر اور حسین کریمین کے والد ماجد ہیں رضی اللہ عنہم۔ آپ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں شامل ہیں تمام عمر نبی
کریم ﷺ کی خدمت اور دین اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ ہجرت مدینہ منورہ کے موقع پر آپ بلا خوف و ڈر مسٹر رسول ﷺ پر لیٹ گئے
تاکہ لوگوں کی امانتیں واپس کر سکیں۔ تمام غزوات میں کمال جہاداری کے ساتھ حصہ لیا، جنگ خندق میں عرب کے نامور مشہور پہلوان
عمر بن عبد وڈ کو جہنم رسید کیا۔ آپ فاتح خیبر ہیں خیبر کے یہودی سردار مرحب کا خاتمہ کیا۔ درحقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ شہادت و
بہادری میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے آپ کی قوت ارادی نہایت مضبوط اور زبردست تھی۔ آپ انتہائی خطرناک حالات میں بھی کبھی
ہمت نہیں ہارتے تھے۔ مرد میدان ہونے کے علاوہ علم و فطیلت کے میدان میں بھی آپ کا بہت حصہ ہے۔ نقد میں آپ کا مرتبہ بہت
بلند تھا نصاحت و بلاغت میں بھی بے مثل تھے آپ کے خطبات اور مکاتیب کا مجموعہ ”نسخ البلاغۃ“ دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ آپ
حکیم العرب فصیح و بلیغ اور نہایت خوش بیان تھے۔ زہد و ریاضت اور فقر و غنا میں آپ اکثر صحابہ کرام میں ممتاز نظر آتے ہیں۔

قرآن مجید کے اسرار و رموز کے حامل اور ایک ایک آیت کے معانی و شان نزول سے آگاہ تھے۔ امانت و دیانت میں بھی آپ
بے مثال تھے دشمنوں سے بھی فراخ دلی سے پیش آتے تھے آپ انتہائی ذہین اور مشہور ریاضی دان تھے۔ مشکل ترین مسائل بھی چند
لحوں میں حل کر دیتے، مقدمات کے فیصلے کرنے میں آپ منفرد تھے۔ سید المرسلین حادی السبل و خیر الخلق ﷺ نے آپ کو قاضی القضاۃ کا
عہدہ دے کر یمن بھیجا تھا۔ اتفاق فی سبیل اللہ آپ کا نمایاں وصف تھا خود فاقہ سے سو جاتے لیکن مسائل و محتاج کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے
تھے لاکھوں کی آمدنی کے باوجود تنگی سے گزارہ کرتے لباس اور غذا انتہائی سادہ ہوتی تھی آپ کی زندگی سادگی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپ
تینوں خلفاء کے مشیر اور دست راست کی حیثیت سے ان کے ساتھ کام کرتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مسلمانوں پر بڑا
نازک وقت تھا لوگوں کے اصرار پر خلافت کی ذمہ داری سنبھالی اور چار سال تو ماہ آپ غلیفہ رہے۔ آپ نے قرآن و سنت کے مطابق

خلافت کی آخر کار آپ ایک خارجی عبدالرحمن ابن کعب کے ہاتھوں ۴۰ھ م رمضان المبارک میں شہید ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بے شمار احادیث مروی ہیں، لیکن اختصار کے پیش نظر چند احادیث کتب اعمال سے بیان کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "لَا يُحِبُّكَ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يَبْغُضُكَ إِلَّا مُنَافِقٌ"

یعنی تجھ سے صرف مومن ہی محبت و پیار کرے گا اور تجھ سے صرف منافق ہی بغض و کینہ رکھے گا۔ [کنز العمال: ۳۲۸۷۵]

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "أَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ"

تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ [کنز العمال: ۳۲۸۷۶]

(۳) حضرت جابر اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہیں میرے

ساتھ وہی حیثیت حاصل ہے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ کے ساتھ (معاون کی حیثیت) حاصل تھی مگر یاد رکھو میرے بعد

کوئی نہیں ہو سکتا۔ [کنز العمال: ۳۲۸۷۸]

(۴) حضرت علی اور حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أَنْتَ وَبَيْنِي وَأَنَا وَبَيْنَكَ" تم مجھ سے ہو اور

میں تم سے ہوں۔ [کنز العمال: ۳۲۸۷۷]

(۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

[کنز العمال: ۳۲۸۸۶]

(۵) حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا"

مَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ" میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں سو جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو

وہ دروازے کے پاس آئے۔ [کنز العمال: ۳۲۸۸۷]

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے

کہ میں اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی سے کروں۔ [کنز العمال: ۳۲۸۸۸]

(۸) حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی نسل

اس کی اپنی پشت میں رکھی لیکن میری نسل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت علی بن ابی طالب کی پشت میں رکھا ہے۔

[کنز العمال: ۳۲۸۸۹]

(۹) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ذُنُورُ عَلِيٍّ عِبَادَةُ" یعنی حضرت علی کا ذکر کرنا بھی

عبادت ہے۔ [کنز العمال: ۳۲۸۹۰]

(۱۰) حضرت ابن مسعود اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "الْعُظْمُ إِلَى وَجْهِ عَلِيٍّ"

عِبَادَةُ" یعنی حضرت علی کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔ [کنز العمال: ۳۲۸۹۲]

(۱۱) جس نے علی سے عداوت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے عداوت کی۔ [کنز العمال: ۳۲۸۹۶]

(۱۲) جس نے علی کو الیت دی اس نے مجھے الیت دی۔ [کنز العمال: ۳۲۸۹۸]

(۱۳) جس نے علی سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

[کنز العمال: ۳۲۸۹۹]

(۱۴) جس نے علی کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کو گالی دی۔ [کنز العمال: ۳۲۹۰۰]

(۱۵) جس کا میں سولا (محبوب و دوست) ہوں سو اس کا علی سولا ہیں۔ [کنز العمال: ۳۲۹۰۱]

(۱۶) علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے یہ دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ یہ دونوں حوض پر وارد ہوں

گے۔ [کنز العمال: ۳۲۹۰۲]

(۱۷) علی مجھ سے اس طرح ہیں جس طرح سربدن سے ہوتا ہے۔ [کنز العمال: ۳۲۹۱۱]

(۱۸) مومنوں کے سردار حضرت علی ہیں اور منافقوں کا سردار مال ہے۔ [کنز العمال: ۳۲۹۱۵]

نوٹ: تحصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: کنز العمال ج ۱۱ ص ۲۸۸-۲۸۹ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرافیہ لبنان

حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ

کے فضائل

۱۳۔ بَابُ فَضَائِلِ حَمْزَةَ

بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

۳۷۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ جُحْمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَدُ
الشَّهَادَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ثُمَّ
رَجُلٌ دَخَلَ إِلَى إِمَامٍ فَأَمَرَهُ وَنَهَاهُ.

وَفِي رِوَايَةٍ سَبَدُ الشَّهَادَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ
بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَرَجُلٌ لَامَ إِلَى إِمَامٍ بِجَائِلٍ فَأَمَرَهُ
وَنَهَاهُ. مصدق للحاکم (ج ۲ ص ۱۱۹) کنز العمال (۳۲۲۶۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
حمزہ بن عبدالمطلب قیامت کے دن شہیدوں کے سردار ہوں گے پھر وہ
آدی شہیدوں کا سردار ہوگا جو کسی حکمران کے پاس جائے اور اسے نیکی
کا حکم دے اور نہائی سے روکے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ قیامت کے روز شہیدوں کے
سردار حمزہ بن عبدالمطلب ہوں گے اور وہ آدی ہوگا جو کسی ظالم حکمران
کے پاس جائے اور اسے نیکی کا حکم دے اور اسے نہائی سے منع کرے
(پھر حاکم اس کو شہید کرا دے)۔

حضرت امیر حمزہ کی سیرت و شان

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعمارہ اور ابوہاشم ہیں اور سید الشہداء ام سعد اللہ اور اسد الرسول آپ کے مشہور و معروف القاب
ہیں اور حسب و نسب کے لحاظ سے اس قدر رکنہ دینا کافی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے والد
ماجد اور حضرت امیر حمزہ آپس میں علاقائی بھائی ہیں دونوں حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے تحت جگر ہیں اس کے علاوہ دور شہسے اور بھی
ہیں ایک یہ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب زہری اور حضرت امیر حمزہ کی والدہ حاملہ بنت اہیب
(یا وہیب) زہری چچا زاد بہنیں تھیں اس نسبت سے حضرت حمزہ رسول اللہ کے خالہ زاد بھائی بھی ہوئے اور دوسری نسبت یہ ہے کہ
ابوہب کی لونڈی حضرت ثویبہ نے حضرت امیر حمزہ اور رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا اور اس اعتبار سے حضرت امیر حمزہ رسول اللہ
کے رضائی بھائی بھی ہیں آپ قدیم الاسلام ہیں کیونکہ آپ رسول اللہ کے اعلان نبوت کے دوسرے سال اسلام لے آئے تھے آپ
کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بڑی عزت و تقویت عطا فرمائی آپ غزوہ بدر میں شریک ہوئے پھر غزوہ احد
میں شریک ہو کر راد شجاعت دیتے ہوئے بہت سے کفار کو جہنم رسید کیا آخر کار حضرت وحشی بن حرب جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے
تھے کے ہاتھوں شہید ہو گئے آپ کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے آپ کے کان ناک اور دیگر اعضاء کاٹ دیئے گئے اور آپ کی

آنکھیں نکال دی گئیں آپ کے قلب و جگر کو نکال کر چبایا گیا جس کی بناء پر آپ کو سید الشہداء کا اعزاز بہ زبان رسالت عطا کیا گیا۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب اور وہ آدمی سید الشہداء ہیں جس نے ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق بلند کرتے ہوئے اسے ٹیک کاموں کے کرنے اور نہ بے کاموں سے بچنے کا حکم دیا جس کی وجہ سے ظالم حاکم نے اس کو حق کی پاداش میں قتل کر کے شہید کر دیا۔ [کنز العمال ج ۱۱ ص ۳۱۰ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ لبنان]

اس حدیث سے دو مسائل ثابت ہوئے ایک یہ کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بہ زبان رسالت سید الشہداء ہیں جس کا ظہور بہ روز قیامت سب پر عیاں ہو جائے گا اور دوسرا یہ کہ ہر وہ خوش نصیب مسلمان جو ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق بلند کرتے ہوئے اس کو ٹیک کا حکم دے گا اور اسے بُرائی سے منع کرے گا اور اس حلیخ حق کی بناء پر ظالم حاکم کے حکم سے شہید کر دیا جائے گا تو وہ بھی سید الشہداء کی جماعت میں شامل ہوگا یہی وجہ ہے کہ سرکارِ مدینہ کے لوا سے امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہا جاتا ہے جنہوں نے اپنے وقت کے غاصب و ظالم اور فاسق و قاجر حکمران یزید کے مقابلہ میں عزیمت پر عمل کرتے ہوئے دین اسلام کی حفاظت و بقاء کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

۱۴۔ بَابُ فَضَائِلِ زُبَيْرِ بْنِ عَوَّامٍ

۳۷۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُثَنَّى عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَأْتِنَا بِالْغَبَرِ لِكَلَّةِ الْأَحْزَابِ فَتَنْطَلِقُ الزُّبَيْرُ فَتَأْتِيَهُ بِالْغَبَرِ كَانَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ خَوَادِجٌ وَخَوَادِجُ الزُّبَيْرِ.

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے فضائل
حضرت جابر رضی اللہ عنہ جان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احزاب کی رات فرمایا کہ دشمن قوم کی خبر ہمارے پاس کون لائے گا تو حضرت زبیر دشمن کی فوج کے پاس گئے اور ان کی خبر لا کر آپ کو پہنچائی۔ آپ کے ارشاد پر حضرت زبیر تین مرتبہ خبر لائے تھے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری (خلص مددگار صاحب) ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔

بخاری (۲۸۴۶) مسلم (۶۲۴۳) ترمذی (۳۷۴۵) ابن ماجہ (۱۲۲) ابن حبان (۶۹۸۵)

حل لغات

”تَنْطَلِقُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب الافعال سے ہے اس کا معنی ہے روانہ ہونا طے جانا جانا۔
”خَوَادِجٌ“ اس کے معنی ہیں نصیحت کرنے والا کپڑے دھونے والا وھوئی رشتہ دار مددگار خاص انبیاء کرام کے مددگار۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی سیرت و عظمت

آپ کا نام ثانی اسم گرامی زبیر ہے والد عوام بن خویلد تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں جو نبی کریم ﷺ کی پھوپھی ہیں اور مشرف بہ اسلام ہوئیں حضرت زبیر کی کنیت ابو عبد اللہ ہے مگر آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ابو الطاہر کہا کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ آپ کی پھوپھی ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق کی بیٹی اور حضرت عائشہ صدیقہ کی بہن حضرت اسماء آپ کی بیوی تھیں آپ نے پندرہ سال کی عمر میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت زبیر کو حبشہ اور مدینہ منورہ کی ہر دو جہتیں کرنے کا شرف حاصل تھا۔ آپ کے قبول اسلام کی وجہ سے آپ کا چچا آپ کو مجبور کی صف میں لپیٹ کر دھواں دیا کرتا تھا مگر آپ کے ثبات و استقلال میں ذرا فرق نہ آیا ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں افواہ اُڑی کہ رسول اللہ کو کفار نے قید کر لیا ہے آپ نکوار سونت کر باہر نکلے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے حق میں دعا فرمائی۔ آپ کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو رسول اللہ کی محبت میں زخمی نہ ہوا ہو۔

حضرت زبیر ان خوش نصیب عشرہ مبشرہ صحابہ کرام میں سے ہیں جن (دس حضرات) کو رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں جنت کی خوشخبری سنائی تھی نیز آپ ان چھ اصحاب میں سے ہیں جن کو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے خلافت راشدہ کے لیے پیش کیا۔ حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ حضرت زبیر ان کا دین میں سے ایک رکن ہیں۔ جنگ بدر میں فرشتے آپ ہی کی صورت میں نازل ہوئے تھے ایک مرتبہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا کہ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔ جب حضرت زبیر جنگ جمل میں شریک تھے تو حضرت علی نے آپ کو پکار کر اپنے پاس بلایا اور فرمایا: آپ کو یاد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم ان سے (یعنی حضرت علی سے) جنگ کرو گے اور اس دن تم ان پر ظلم کر رہے ہو گے۔ چنانچہ حضرت زبیر کو یہ حدیث فوراً یاد آ گئی اور اسی وقت آپ میدان جنگ سے الگ ہو گئے پھر آپ ایک طرف نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک باغی نے آ کر آپ کو قتل کر کے شہید کر دیا اور آپ کی تلوار لے کر حضرت علی کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک اس تلوار نے نبی کریم ﷺ کے بہت سے مصائب و مشکلات کو دور کیا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ (حضرت زبیر) ابن صفیہ کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دے دینا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک رات کافی دیر تک باتیں کرتے رہے پھر جب وہ جانے لگے تو آپ بھی ان کے ساتھ روانہ ہوئے پھر یہ تینوں حضرات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور اس وقت وہ قرآن مجید پڑھ رہے تھے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کی تلاوت سن کر فرمایا کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید کو اس طرح پڑھے جس طرح وہ نازل کیا گیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس طرح قرآن مجید پڑھا کرے جس طرح ابن ام عہد (حضرت عبداللہ بن مسعود) پڑھتے ہیں اور آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ان سے فرماتے لگے: (اے ابن مسعود!) تم مانگو تمہیں عطاء کیا جائے گا سو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں خوشخبری سناتے کے لیے حضرت ابن مسعود کے پاس آ گئے اور حضرت ابوبکر حضرت عمر سے پہلے ان کی طرف آ گئے پڑھ گئے اور انہیں خوشخبری دی اور بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں دعا مانگنے کا حکم دیا ہے یہ بات سن کر حضرت عبداللہ نے یہ دعا مانگی کہ اے میرے اللہ! میں ہمیشہ قائم و دائم رہنے والے ایمان کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور کبھی غم نہ ہونے والی نعمتوں کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے غلہ کی جنت میں حیرے نبی کریم کی رفاقت کی درخواست کرتا ہوں۔

اور ایک روایت میں حضرت عقیلم نے براہ راست حضرت عبداللہ

۱۵۔ بَابُ فَضَائِلِ ابْنِ مَسْعُودٍ

۳۷۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ ابَا بَكْرٍ وَعُمَرَ سَمِعَا جَنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَإِنْ فَعَرَ جَا وَفَرَجَ تَتَمَّهَا فَعَرُوا يَا ابْنَ مَسْعُودٍ وَهُوَ يَقْرَأُ فَهَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سُرَّةِ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَمَّا آتَى مِنْ قِبَلِ قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ. وَجَعَلَ يَقُولُ لَهُ سَلْ نَعْلَهُ فَاتَاهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يُبَسِّرَانِهِ لَسَبَقَ أَبُو بَكْرٍ عُمَرَ إِلَى قَبْرِهِ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَرَكَ بِاللُّعَاءِ فَإِنَّ اللَّهَ يَسْأَلُكَ إِيْمَانًا ذَالِمًا لَا يَزُولُ وَنَجِيمًا لَا يَنْقُذُ وَمُرَاقَةً نَبِيِّكَ فِي جَنَّةِ الْعُلَدِ.

وَبِهِ رَوَاهُ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ

أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ سَمْعًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَجَا وَخَرَجَ مَعَهُمَا لَمَرُُّوا بِابْنِ مَسْعُودٍ وَهُوَ يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَطَا كَمَا أَنْزَلَ فَلْيَقْرَأْ عَلَى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدِ اللَّهِ وَجَعَلَ يَقُولُ مَلَأَ نَفْسَهُ وَذَكَرَ تَمَامَ الْآوَلِ.

ابن ماجہ (۱۳۸) ابن حبان (۶۰۶۲-۶۰۶۶)

بن مسعود سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ کے پاس رات کو کافی دیر تک باتیں کرتے رہے پھر وہ دونوں روانہ ہوئے اور آپ بھی ان دونوں کے ساتھ باہر تشریف لائے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور اس وقت وہ نماز (تہجد) میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے سو نبی کریم ﷺ نے (ان کی تلاوت سن کر) فرمایا: جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید کو عمدہ لہجہ میں ٹھہر کر پڑھے جیسا کہ قرآن مجید نازل کیا گیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ابن ام عبد کی قراءت کی طرح پڑھا کرے اور فرمانے لگے: تم مانگو تمہیں عطاء کیا جائے گا اور حضرت جثیم نے آگے حسب سابق مکمل حدیث بیان فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لاتے تو حضرت عبداللہ اپنی والدہ ام عبد کو آپ کے گھر میں بھیج دیتے تھے تاکہ وہ نبی کریم ﷺ کے طرح سے کار آپ کی سیرت اور ہیئت و کیفیت کو دیکھیں اور واپس آ کر انہیں یہ سب کچھ بتائیں اور یہ آپ کی سیرت و کردار کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مصطفیٰ بردار تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے عصا بردار بھی تھے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے رداء (کالی کپڑی) بردار بھی تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے راحلہ کے محافظ بھی تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے مسواک آفتابہ اور حلین بردار بھی تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے کبھی جھوٹ نہیں بولا ماسوا ایک دفعہ کے اور وہ یہ کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی سواری پر کچا وہ رکھ کر گس دیا کرتا تھا سو

۳۷۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَوْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ كَانَ إِذَا دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَهُ أَرْسَلَ إِلَيْهِ أُمُّ عَبْدِ اللَّهِ تَنْظُرَ إِلَى هَذِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَلِكَ وَسَمِعَهُ فَتُخْبِرُهُ بِذَلِكَ لِنَفْسِهِ بِهِ. بخاری (۳۷۶۲) ترمذی (۳۸۰۷) مسلم (۶۳۲۶) ابن حبان (۷۰۶۳)

۳۷۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَوْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ كَانَ صَاحِبَ حَصْبِرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ عَصَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ رِدَاوِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ الرَّاحِلَةِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ سِوَاكِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَ الْبَيْضَةِ وَصَاحِبَ النَّعْلَيْنِ.

متدرک للحاکم (ج ۳ ص ۳۱۶) طبقات ابن سعد (ج ۳ ص ۱۰۹)

۳۷۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مَعْنٍ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مَا كَذَبْتُ مِنْذُ أَسْلَمْتُ إِلَّا كَذِبَةً وَاحِدَةً كُنْتُ أَرْجِلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَى رَحَالٌ مِنْ

الْمُطَافِي قَسَالَيْنِ أَيْ الرَّاحِلَةِ أَخْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ الطَّالِبَةُ الْمَكْبُوتَةُ وَتَمَنَّانَ بِخَيْرِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا بَيَّ بِهَا قَالِ مَنْ رَأَى لَنَا عَلَيْهِ قَالُوا رَحَالَكَ قَالِ مَرَّوَانُ أُمِّ عَبْدِ اللَّهِ رَجُلٌ لَنَا فَأَعْبَدْتُ إِلَى الرَّاحِلَةِ.

مسند ابو یعلیٰ (۵۲۱۲) مطالب العاليه لایں حجر (۲۸۴۴)

وَعَنْ دِرَازٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِرَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْكُتَيْبِ قَالَ فَجَاءَ بِي الْكُتَيْبِيُّ فَقَالَ أَيُّ الرَّاحِلَةِ أَحَبُّ إِلَيْكَ لَأَتُكَلِّمَكَ فِيهَا فَقَالَ لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِنْ صَاحِبِي هَذِهِ الرَّاحِلَةِ إِلَّا قَالَ لَا حَاجَةَ لَهَا بَيْنِي وَبَيْنَكَ.

٣٧٦- أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ
مُسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ مَا كَذَبْتُ مِنْذُ أَسْلَمْتُ
إِلَّا وَاحِدَةً كُنْتُ أُرِيدُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى رَجُلٌ مِنَ الطَّائِفِ فَقَالَ أَيْ
الرَّاحِلَةِ أَحَبُّ إِلَيَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَأَنَّ الطَّائِفَةَ الْمَكِّيَّةَ قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُهَا
فَلَمَّا دَخَلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى
بِهَا قَالَ مَنْ رَحَّلَ لَنَا هَذِهِ الرَّاحِلَةَ قَالَ رَحَّالُكَ
أَتَيْتُ أَبَيْتُ بِهِ مِنَ الطَّائِفِ فَقَالَ وَدَّ الرَّاحِلَةَ لِأَبِي
مُسْرُوقٍ مِنْ أَبِي هِنْدٍ (٥٢١٢) (المطالع العام لآل أبي بكر (٢٨٤٤))

ایک دفعہ طائف سے کجاوہ بنانے والا ایک شخص آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کو کون سا کجاوہ زیادہ پسند ہے؟ میں نے کہا: طائف اور مکہ مکرمہ کا مانا ہوا کجاوہ آپ کو زیادہ پسند ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ طائف و مکہ کے کجاوے پسند نہیں فرماتے تھے (بلکہ آپ کو صرف مدینہ منورہ کے کجاوے پسند تھے) پھر جب طائف کا تیار کردہ کجاوہ آپ کی افشٹی پر گس کر اسے لایا گیا تو آپ نے فرمایا: ہماری سواری پر یہ کجاوہ کس نے گسا ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ کجاوہ بنانے والے طائف کے ایک آدمی نے آپ کی سواری پر یہ کجاوہ گس دیا ہے آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا: تم ابن ام عبد کو حکم دو کہ وہ ہماری سواری پر کجاوہ گس دے چنانچہ دوبارہ کجاوہ گسنے کے لیے میرے پاس لایا گیا۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے بیان فرمایا کہ طائف کا رہنے والا ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ پھر طائف کا وہ آدمی میرے پاس آیا اور کہا کہ نبی کریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو کون سا کجاوہ پسند ہے میں نے کہہ دیا: طائف اور مکہ مکرمہ کا بیٹا ہوا پھر جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو فرمایا: یہ کجاوہ کس صاحب کا ہے؟ عرض کیا گیا کہ طائف کے رہنے والے فلاں آدمی کا تیار کر دے ہے آپ نے فرمایا: ہمیں اس کجاوے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے، کبھی جھوٹ نہیں بولا ماسوا ایک دفعہ کے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے سواری تیار کرتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ طائف سے کجاوہ بتانے والا ایک آدمی آیا اور مجھ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو کون سا کجاوہ پسند ہے؟ میں نے کہہ دیا کہ طائف اور مکہ کا بتا دو۔ حضرت ابن مسعود بتاتے ہیں حالانکہ آپ یہ کجاوے ناپسند کرتے تھے پھر جب رسول اللہ ﷺ کے لیے سواری پر طائف کا کجاوہ گس کے سواری کو آپ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہماری سواری پر یہ کجاوہ کس نے گسا ہے؟ سو آپ کو بتایا گیا کہ طائف کا رہنے والا جو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس نے آپ کے لیے سواری پر اپنا بتایا ہوا کجاوہ گس دیا ہے آپ ﷺ نے حضرت ابن مسعود کو فرمایا: یہ

کجاوہ والی کس کر دو۔

حل لغات

”مَسْرًا“ صیغہ شنیعہ کرعاب، فعل ماضی معروف مثبت، باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: رات کو گفتگو کرنا۔
 ”مَرَّ“ صیغہ واحد مذکر عاب، فعل ماضی معروف، باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: خوش ہونا، پسند آنا۔ ”هَضًا“ اس کا معنی ہے: خوبصورت اور عمدہ لہجہ میں نرم انداز سے تلاوت کرنا۔ ”ذَلِكَ أَيْ وَسْوَتهُ“ یعنی آپ کی سیرت اور ”مَسْعَةً“ کا معنی ہے: آپ کی نشست و برخاست، چلنے پھرنے، گفتگو کرنے کی کیفیت و حالت۔ ”اَلْكَرَّاجِلَةُ“ سواری، کجاوہ۔ ”خَوَّيْرٌ“ کا معنی ہے: چٹائی، مصلیٰ۔ ”اَلْوَبْخَضَةُ“ کا معنی ہے: وضو کا برتن آفتابہ لونا۔ ”اَوْرَجَلُ“ صیغہ واحد منکلم، فعل مضارع معروف، باب تَفَعَّلَ سے ہے اس کا معنی ہے: سواری تیار کرنا، اونٹنی کی پشت پر کجاوہ باندھنا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کے محاسن

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب اس سے پہلے تین سو چھیانوے (۳۶۶) نمبر حدیث کی تشریح میں بیان ہو چکے ہیں وہیں ملاحظہ فرمائیں! البتہ ان احادیث خمسہ سے ان کے جن فضائل و محاسن کا اظہار ہو رہا ہے ان کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان احادیث میں پہلی حدیث سے ایک فضیلت ثابت ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود قرآن مجید کو بہت عمدہ اور خوبصورت لہجہ میں صحت تلفظ کے ساتھ صاف اور واضح طور پر ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے تھے کہ زبر، زیر، قس، شذ، ادغام، اظہار، اخفاء، غنہ، مخارج اور صفات لازمہ میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کے بغیر جیسے قرآن مجید نازل ہوا ویسے تلاوت کرتے تھے۔

ایس سعادت ہزور بازو نہست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

”یہ سعادت قوت بازو سے حاصل نہیں ہوتی، جب تک بخشش فرمائے والے خدا کی بخشش و عطا نہ ہو۔“

دوسری فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ آپ کو تلاوت قرآن کے بعد دعا کی سعادت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا، سو اس لیے یہ عمل ہمارے لیے مستحب ہے کہ حضرت عبداللہ کی سنت ہے، لیکن حضرت عبداللہ کے لیے دعا واجب تھی کہ انہیں خود رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔ اور تیسری فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ آپ نے دعا میں ہمیشہ قائم رہنے والے دائمی ایمان کی دعا مانگی اور آخرت کی غیر فانی نعمتوں کی دعا مانگی، لیکن دنیا کی نعمتوں کی دعا نہیں مانگی جس سے آپ کے دنیا سے زہد اور ایمان و آخرت کی طرف رغبت کا اظہار ہوتا ہے نیز آپ نے جنت خلد میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت و معیت کی دعا مانگی جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت شدید محبت و عقیدت تھی۔

اور دوسری حدیث سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ انہیں رسول اللہ کی سیرت و کردار، اقوال و افعال، اخلاق و اعمال اور آپ کی زندگی کے اطوار و طرق اور ان کی کیفیات کو اپنانے کی شدید خواہش اور تمنا ہوتی تھی، اس لیے اپنی والدہ کو آپ کے گھر بھیجے اور آپ کے اطوار و اخلاق اور گھریلو رویوں کے متعلق معلومات حاصل کرتے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے تھے چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن یزید نے بیان کیا ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ ہمیں ایسے شخص کے بارے میں بتائیں جو رسول اللہ ﷺ سے سیرت و کردار، اخلاق و اطوار اور زندگی گزارنے کی کیفیات میں سب سے زیادہ قریب و مشابہ اور ملتا جلتا ہو تا کہ ہم بھی ان سے آپ کی سیرت طیبہ اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو حاصل کر کے اپنالیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا: جو شخص سیرت و کردار، اخلاق و اطوار اور گفتار و رفتار میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سب

سے زیادہ قریب اور مشابہ ہے وہ ابن ام عہد ہیں۔

تیسری حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سرفروغ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفیق و مناس اور خادم خاص تھے اس حدیث میں آپ کے بہت سے فضائل و محاسن اور القابات و اعزازات کو بیان کیا گیا ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ کے مصنی کے حامل آپ ہیں، عصائے نبوی کے حامل آپ ہیں، ردائے نبوی کے حامل آپ ہیں، صاحب راحلہ آپ ہیں، آفتابہ بردار آپ ہیں، نعلین پاک اٹھانے اور پہنانے کے امین آپ ہیں۔ اور آخری دو احادیث میں یہ وضاحت کی گئی کہ حضرت ابن مسعود نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا، البتہ خدمت نبوی کی ایک سعادت سے محروم ہونے کے خوف کی وجہ سے صرف ایک مرتبہ خلاف واقعہ بات کہہ دی، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی سواری کو تیار کرنے اور اس پر کجاوہ گیسے کی سعادت سے محروم نہ ہو جائیں، اس لیے علامہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ یہ خلاف واقعہ بات قابل مذمت نہیں ہے بلکہ سن وجہ قابل تحسین ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور رسول اللہ ﷺ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کہہ دی تھی، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی سواری کو تیار کرنے اور اس پر کجاوہ ہانڈھنے کی خدمت جلیلہ سے محروم نہ ہو جائیں۔ [شرح مسند امام اعظم ملا علی قاری ص ۴۲، مطبوعہ مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حضرت خزیمہ (بن ثابت) انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرا رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزر ہوا، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہمدی آدمی اپنی بیچ (آپ سے اپنا گھوڑا فروخت کرنے) سے انکار کر رہا تھا۔ حضرت خزیمہ نے اس آدمی سے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ جانور آپ کے ہاتھ میں فروخت کر دیا ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے عرض کیا: آپ ہمارے پاس آسمانی وحی لاتے ہیں تو ہم اس کی تصدیق و تائید کرتے ہیں (سواب بھلا ہم زمینی معاملات میں آپ کی تصدیق و تائید کیوں نہ کریں؟) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت خزیمہ کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت خزیمہ کا ایک دیہاتی کے پاس گزر ہوا جو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا اور وہ اس وقت اس بیچ کا انکار کر رہا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منعقد کر چکا تھا، سو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے دیہاتی سے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تو آپ ﷺ سے یہ سودا کر چکا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: (اے خزیمہ!) تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ (کیونکہ تم اس وقت موجود و حاضر نہیں تھے) عرض کیا کہ حضور! آپ ہمارے پاس آسمانی وحی لاتے ہیں تو ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں (تو اب بھلا کیوں نہ تصدیق

۱۶۔ بَابُ فَضِيلَةِ خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ

۳۷۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ خُزَيْمَةَ أَنَّهُ مَرَّ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْرَابِيٌّ يَجْعَدُ بَيْعَةً فَقَالَ خُزَيْمَةُ أَهْهَذَا لَقَدْ بَيْعَكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَيْنَ عَلِمْتَ قَالَ تَجِئُنَا بِالْوَحْيِ مِنَ السَّمَاءِ لَنُصَدِّقَكَ قَالَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ.

وَلَيْسَ بِرَوَايَةِ اللَّهِ مَرَّ بِأَهْرَابِيٍّ وَهُوَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَجْعَدُ بَيْعًا فَقَالَ خُزَيْمَةُ أَهْهَذَا أَتُكِّ لَقَدْ بَيْعَكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَيْنَ عَلِمْتَ ذَلِكَ فَقَالَ تَجِئُنَا بِالْوَحْيِ مِنَ السَّمَاءِ لَنُصَدِّقَكَ قَالَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ. وَلَيْسَ بِرَوَايَةِ أَجْمَرَ شَهَادَتَهُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ حَتَّى مَاتَ.

ابن ابی ذر (۳۶۰۷) کہیں "سورسول اللہ ﷺ نے ان کی گواہی کو دوا دیموں کی گواہی کے برابر قرار دے دیا" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے مرتے دم تک ان کی گواہی کو دوا دیموں کی گواہی کے برابر قرار دے دیا۔

حل لغات

"بَشَعْدُ" صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف، باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: انکار کرنا۔ "بَحَثَ" اس میں "بَحَثَ" صیغہ واحد مذکر مخاطب، فعل ماضی معروف مثبت، باب حَضَرْتُ يَحْضُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: چہنما فروخت کرنا آخر میں "ق" ضمیر مفعول بہ ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے محاسن

حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری اوسی عظمی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت صالح فطرت عطا فرمائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے پہلے جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اسلام کے داعی اُذول کی حیثیت سے مدینہ منورہ میں بھیجا گیا تو ان کی تبلیغ مساعی کے نتیجہ میں قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے بہت سے گھرانے اسلام قبول کرنے کی سعادت سے مشرف ہو گئے اور اسی زمانہ میں حضرت خزیمہ بھی شرف اسلام سے بہرہ یاب ہوئے۔ اور اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں شرک و کفر اور بتوں سے ایسی نفرت ہوئی کہ اپنے ایک بڑے جوش ساتھی حضرت عمیر بن ہدی کو ساتھ لے کر بنو خطمہ کے تمام بت توڑ ڈالے۔ حضرت خزیمہ بن ثابت کا تعلق قبیلہ اوس کی شاخ بنو خطمہ سے تھا، ان کی کنیت ابو حارہ تھی اور لقب ذو العبادتین تھا۔ حضرت خزیمہ تمام فرائض میں شریک ہوئے اور مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! گزشتہ شب میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں آپ کی پیشانی کو چوم رہا ہوں۔ آپ ان کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا: تم اپنے خواب کی تصدیق کر سکتے ہو۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سن کر فرط محبت سے بے خود ہو گئے اور والہانہ انداز میں آگے بڑھ کر آپ ﷺ کی جبین سعادت کو چوم لیا۔ دیکھنے والوں کے لیے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا وہ رشک کرتے تھے کہ کاش! یہ سعادت عظمیٰ ان کے حصے میں آئی ہوتی، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی دین اور عطاء ہے وہ جس کو چاہے اپنے فضل و کرم کے لیے منتخب فرمائے۔

یہ رحمہ بلند ملا جس کو مل گیا

ایک اور روایت کے مطابق حضرت خزیمہ نے خواب میں اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے سجدہ ریز پایا۔ بیدار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ خواب بیان کیا تو آپ ﷺ نے اپنی جبین ان کی پیشانی سے مس فرمائی اور فرمایا کہ یہی تمہارے خواب کی تعبیر ہے۔

یہ نصیب اللہ اکبر الوٹنے کی جائے ہے

حضرت خزیمہ جنگ صفین ۳۷ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی اور ان کے ساتھ تھے۔ مسد احمد بن حنبل میں ہے کہ جب حضرت عمار بن یاسر نے شامی فوج کے ہاتھ سے شہادت پائی تو حضرت خزیمہ کو جوش آ گیا اور جذبہ حق سے سرشار ہو کر تلوار کو نیام سے نکالا اور دشمن کی معنوں میں گھس گئے اور بڑی دیر تک نہایت شجاعت و بہادری سے لڑتے رہے آخر کار شامی فوجوں نے آپ کو

نہنے میں لے کر تیروں اور تلواریں کا سینہ برسا دیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ شیر جام شہادت نوش فرما کر معبود حقیقی سے واصل ہو گیا۔

[خود از چالیس جان نثار]

امام ابن ابی داؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر اور حضرت زید سے کہا کہ آپ دونوں مسجد نبوی کے دروازہ پر بیٹھ جائیں اور جب دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ یہ آیت کتاب اللہ کی ہے تو اس کو لکھ لیں اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زید کسی آیت کے صرف اپنے پاس لکھے ہونے پر اکتفا نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ دو گواہ اس پر گواہی دیں اور یہ چیز ان کی انتہائی احتیاط پر دلالت کرتی ہے۔ علامہ سقاوی نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ دو گواہ اس پر گواہی دیں گے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی یا دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی تھی اور حضرت لیث بن سعد نے کہا کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق نے قرآن جمع کیا اور اس کو حضرت زید بن ثابت نے لکھا اور جب تک دو عادل (نیک) گواہ گواہی نہ دیجے حضرت زید اس آیت کو مصحف میں درج نہیں کرتے تھے اور سورہ توبہ کی آخری دو آیات صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس پائی گئیں تو صحابہ کرام نے کہا: ان کو لکھ لو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا ہے۔

[الاقان ج ۱ ص ۵۸ مطبوعہ سبیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ]

صحیح بخاری میں بھی اس کی تائید ہے۔

حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مصحف میں آیات درج کر رہا تھا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سورۃ الاحزاب کی ایک آیت کو تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا وہ مجھے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ملی جن کی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو گواہوں کے برابر قرار دیا تھا وہ آیت یہ تھی: "وَمِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا نَخْلَعُوا اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءَ" (الاحزاب: ۲۳)۔ [صحیح بخاری: ۲۸۰۷]

اس سے معلوم ہوا کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا تھا اس وقت تک نبوت میں یہ تھا کہ ایک وقت آئے گا جب قرآن مجید کے جمع کے وقت سورہ توبہ کی آخری دو آیات اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۳ پر حضرت خزیمہ کے سوا گواہ نہیں ہوگا اور اگر ان کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار نہ دیا جائے تو سورہ توبہ اور سورہ احزاب میں یہ آیتیں درج ہونے سے روک جائیں گی۔ [تفسیر بیان القرآن ج ۵ ص ۳۱۲-۳۱۳ مطبوعہ نریہ پبک سٹال لاہور]

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

۱۷۔ بَابُ فَضِيلَةِ خَدِيجَةَ الْكُبْرَى

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ایسے عالی شان گھر کی بشارت سنائی گئی ہے جس میں نہ تو شور و غل ہوگا اور نہ مشقت و تھکاوٹ ہوگی۔

۳۷۸۔ أَبُو خَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بُشِّرَتْ خَدِيجَةُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ لَا مَصْعَبَ فِيهَا وَلَا نَصَبَ. بخاری (۱۷۹۲) مسلم (۶۲۷۴)

مسند احمد (ج ۲ ص ۳۵۵) ابن حبان (۷۰۰۴)

حل لغات

”بُشِّرَتْ“ میں نہ واحد مؤنث غائب، فعل ماضی مجہول مثبت، باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: بشارت دینا، خوشخبری دینا۔

”مَصْعَبٌ“ اس کا معنی ہے: شور و غل کرنا۔ ”نَصَبٌ“ اس کا معنی ہے: تکلیف اور تھکاوٹ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مناقب

امام مسلم نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ خدیجہ آپ کے پاس ایک برتن میں سرکہ یا کھانا یا کوئی مشروب لارہی ہیں (راوی کو شک ہے) سو جب وہ آپ کے پاس آ جائیں تو انہیں رب تعالیٰ اور میری طرف سے سلام کہہ دینا اور انہیں جنت میں ایسے عالی شان گھر کی بشارت دے دیں جو موتیوں سے تیار کیا گیا ہے اس میں نہ تو شور و غل ہوگا اور نہ محنت و تھکاوٹ ہوگی۔ [شرح مسند امام اعظم لملائی قاری ص ۲۲۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

اس حدیث کو شیخین وغیرہ نے حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابن ابی اؤلی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کی کسی بیوی پر اتنی غیرت نہیں کھائی جتنی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر غیرت کھائی حالانکہ وہ میرے ساتھ رسول اللہ کی شادی سے پہلے وفات فرمائی تھیں یہ اس لیے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ان کا اکثر ذکر خیر سنتی رہتی تھی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو حکم دیا کہ آپ انہیں (ان کی زندگی میں) موتیوں سے تیار کردہ جنت کے گھر کی خوشخبری دے دیں اور یہ کہ رسول اللہ ہر سال ان کے ایصالِ ثواب کے لیے ایک بکری ذبح کرتے اور اس کا گوشت ان کی سہیلیوں میں ہدیہ کے طور پر تقسیم فرما دیتے تھے اور سنن ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے اتنا رشک کسی عورت پر نہیں کیا جتنا رشک حضرت خدیجہ پر کیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی وفات کے بعد مجھ سے شادی کی تھی اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ کو ان کی زندگی میں جنت میں ایسے عظیم الشان گھر کی خوشخبری سنائی تھی جو موتیوں سے تیار کردہ ہے نہ تو اس میں شور و شراب ہوگا اور نہ تھکاوٹ ہوگی اور امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ قسطلانی نے غیرت و رشک کے تین اسباب بیان کیے ہیں: (۱) حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کے ذکر خیر کو کثرت سے کرنا (۲) رسول اللہ کا حضرت خدیجہ کو خصوصی طور پر جنت کے مکان کی خوشخبری دینا ہے اور یہ رسول اللہ کی ان کے ساتھ مزید محبت کی دلیل ہے (۳) رسول اللہ ﷺ کا ان کے ایصالِ ثواب کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بکری ذبح کرنا اور اس کا گوشت ان کی سہیلیوں کو ہدیہ کرنا جو ان کی دائمی محبت و یاد کی علامت ہے۔ [تسبیح نظام حاشیہ نمبر ۴ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

نوٹ: حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا تعارف پہلے بیان ہو چکا ہے نگہار کی ضرورت نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل

۱۸۔ بَابُ فَضَائِلِ عَائِشَةَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک موت مجھ پر ضرور آسان ہے کیونکہ میں نے جنت میں بھی تمہیں اپنی بیوی دیکھا ہے۔

۳۷۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ اِنَّہٗ لَيَهْوَنُ عَلَیَّ الْمَوْتُ لِاِنِّیْ رَأَيْتُکَ زَوْجَتِیْ فِی الْجَنَّةِ.

اور ایک روایت میں (اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں نے جنت میں بھی تمہیں اپنی بیوی دیکھا ہے پھر آپ (میری طرف سراپا) متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ موت مجھ پر آسان ہوگئی ہے اس لیے کہ بے شک میں نے (حضرت) عائشہ کو جنت میں دیکھا

وَلِیْ رِوَاۃٌ لِیْ رَأَيْتُکَ زَوْجَتِیْ فِی الْجَنَّةِ ثُمَّ التَّفْتُ وَکَانَ هُوَ عَلَیَّ الْمَوْتُ لِاِنِّیْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ فِی الْجَنَّةِ.

ترمذی (۳۸۸۹) ابن حبان (۷۰۹۵) مسند احمد (۲۵۵۹۰)

ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے سات خوبیاں ایسی ملی ہیں جو نبی کریم ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات میں سے کسی کو نہیں ملیں: (۱) میں آپ کو اپنے والد کی نسبت سے بھی سب سے زیادہ محبوبہ تھی (کہ میرے والد آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھے) اور میں خود اپنی ذات کے اعتبار سے بھی آپ کو سب سے زیادہ محبوبہ تھی (۲) آپ (ﷺ) نے صرف مجھ سے ہا کرہ ہونے کی حالت میں شادی کی اور میرے علاوہ آپ نے کسی ہا کرہ عورت سے شادی نہیں کی (۳) اور آپ نے مجھ سے نکاح نہیں فرمایا یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام میری تصویر لے کر آپ کے پاس آئے (۴) اور بے شک میں نے حضرت جبریل کو دیکھا ہے میرے علاوہ کسی عورت نے انہیں نہیں دیکھا (۵) اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے حالانکہ میں آپ کے لحاف میں آپ کے ساتھ ہوتی تھی (۶) اور میری برأت کے لیے میرے حق میں کئی آیات نازل کی گئیں قریب تھا کہ لوگوں کی کئی جماعتیں ہلاک ہو جائیں (۷) اور میرے گھر میں میری باری کی رات اور میرے دن میں میرے چہرے اور گلے کے درمیان رسول اللہ ﷺ کا سر رکھا تھا کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میری سات خوبیاں ایسی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات میں سے کسی بیوی میں نہیں ہیں: (۱) آپ نے مجھ سے شادی کی جبکہ میں ہا کرہ تھی اور آپ نے میرے علاوہ کسی ہا کرہ (کنواری) عورت سے شادی نہیں کی (۲) حضرت جبریل نے آپ کے ساتھ میری شادی سے پہلے میری تصویر لے کر آپ کو دکھائی اور میرے علاوہ آپ کی دیگر ازواج مطہرات میں سے کسی عورت کی تصویر لے کر آپ کے پاس نازل نہیں ہوئے (۳) آپ نے مجھے حضرت جبریل کی زیارت کرائی جبکہ آپ نے میرے علاوہ کسی بیوی کو حضرت جبریل کی زیارت نہیں کرائی (۴) میں اپنی ذات کی نسبت سے اور اپنے والد کی نسبت سے آپ کو تمام بیویوں سے زیادہ محبوبہ تھی (۵) اور میرے حق میں قرآن مجید کی بہت سی آیات نازل ہوئیں قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں (سوئے ظن کی وجہ سے) ہلاک

۳۸۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كُنْتُ لِي بِحِلَالٍ سَبْعٍ لَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ مِّنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ أَحَبَّهُنَّ إِلَيْهِ أَبَا وَأَحَبَّهُنَّ إِلَيْهِ نَفْسًا وَتَزَوَّجَنِي بِكُرًا وَمَا تَزَوَّجَنِي حَتَّى آتَانِي جِبْرِيلُ بِصُورَتِي وَلَقَدْ رَأَيْتُ جِبْرِيلَ وَمَا رَأَاهُ أَحَدٌ مِّنَ النِّسَاءِ غَيْرِي وَكَانَ يَأْتِينِي جِبْرِيلُ وَأَنَا مَعَهُ فِي شِعَارِهِ وَلَقَدْ تَزَلَّ فِي عَذْرٍ كَأَنِّي يَهْلِكُ لِنَامِ النَّاسِ وَلَقَدْ لَبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَنِي إِسْرَءِيلَ وَبَنِي سَعْدِ بْنِ سَعْدٍ وَنَحْوِهِ.

۳۸۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَوْنِ عَنْ هَامِرِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فِي سَبْعٍ يُحْصَالُ لَيْسَتْ لِي وَاحِدَةٌ مِّنْ أَزْوَاجِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَنِي وَأَنَا بِكُرٍّ وَلَمْ يَتَزَوَّجْ أَحَدًا مِّنْ نِّسَائِهِ بِكُرًا غَيْرِي وَتَزَلَّ جِبْرِيلُ بِصُورَتِي قَبْلَ أَنْ يَتَزَوَّجَنِي وَلَمْ يَتَزَلَّ بِصُورَتِي وَاحِدَةٌ مِّنْ نِّسَائِهِ غَيْرِي وَأَرَانِي جِبْرِيلَ وَلَمْ يَرَهُ أَحَدًا مِّنْ أَزْوَاجِهِ غَيْرِي وَكُنْتُ مِّنْ أَحَبَّهُنَّ إِلَيْهِ نَفْسًا وَأَبَا وَتَزَلْتُ فِي أَبَاتٍ مِّنَ الْقُرْآنِ كَأَنِّي يَهْلِكُ لِنَامِ النَّاسِ وَمَاتَ فِي لَيْلَتِي وَبَنِي إِسْرَءِيلَ وَبَنِي سَعْدِ بْنِ سَعْدٍ وَنَحْوِهِ.

ہو جائیں (۶) آپ کا انتقال میری ہاری کی رات اور میری ہاری کے دن
ہوا (۷) اور آپ کا وصال اس حال میں ہوا کہ آپ کا سر میرے سینے اور
گردن کے درمیان تھا۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ
مجھے سات خوبیاں ایسی عطاء کی گئی ہیں جو آپ کی دیگر ازواج مطہرات
میں سے کسی کو عطاء نہیں کی گئیں: (۱) آپ نے صرف مجھ ہاکرہ
(کنواری) سے نکاح فرمایا اور میرے علاوہ کسی ہاکرہ عورت سے نکاح
نہیں فرمایا؛ (۲) آپ کے ساتھ میری شادی سے پہلے حضرت جبریل
آپ کے پاس میری شبیہ لے کر آئے اور میرے علاوہ آپ کی کسی بیوی
کی تصویر حضرت جبریل آپ کے پاس نہیں لائے؛ (۳) اور میں اپنی ذاتی
لبست سے اور اپنے والد کی لبست سے آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھی؛
(۴) اور میری معصرت و براءت میں قرآن کی آیات نازل ہوئیں قریب
تھانگوں کی کئی جماعتیں ہلاک ہو جائیں؛ (۵) اور آپ کی وفات میری
ہاری کے دن اور رات میں ہوئی؛ (۶) اور میرے سینے اور گلے کے درمیان
آپ کا وصال ہوا؛ (۷) آپ نے مجھے حضرت جبریل کا دیدار کرایا اور
میرے علاوہ آپ کی کسی بیوی نے حضرت جبریل کا دیدار نہیں کیا۔

حضرت مسروق جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث
بیان کرتے تو کہتے کہ ”حَدَّثَنِي الصَّدِيقَةُ بِنْتُ الصِّدِّيقِ الْعَمْرَأَةُ
حَبِيبَةُ رَسُولِ اللَّهِ“ یعنی بہت سچ بولنے والے باپ کی بہت سچ والی
بیٹی ہر تہمت و بہتان سے نمدی اور پاک دامن اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے
رسول ﷺ کی محبوبہ نے مجھ سے حدیث بیان کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کی تاکہ آپ ان کی عیادت و
بیمار پرسی کروں حضرت عائشہ صدیقہ نے معذرت کرتے ہوئے آپ
کے پاس قاصد بھیجا کہ میں اس وقت شدید رنج و غم اور سخت تکلیف محسوس
کر رہی ہوں اس لیے آپ ابھی واپس چلے جائیں حضرت ابن عباس
نے قاصد سے فرمایا: میں بغیر ملاقات واپس نہیں جاؤں گا چنانچہ قاصد
نے واپس جا کر آپ کو یہ بات بتائی تو انہوں نے حضرت ابن عباس کو
اندر آنے کی اجازت دے دی (جب وہ اندر آئے) تو آپ نے فرمایا:

وَلَيْسَ بِرَأْيِهِ أَتَاهَا قَالَتْ إِنَّ فِي سَبْعِ بَعْضِ
مَا هُنَّ لِي وَاحِدَةٌ مِّنْ أَزْوَاجِهِ نَزَّوَجْنِي بِكْرًا
وَلَمْ يَنْزَوْجْ بِكْرًا غَيْرِي وَأَتَاهُ جِبْرِيلُ بِصُورَتِي
قَبْلَ أَنْ يَنْزَوْجَنِي وَلَمْ يَأْتِهِ جِبْرِيلُ بِصُورَةِ أَحَدٍ مِّنْ
أَزْوَاجِهِ غَيْرِي وَكُنْتُ أَحَبَّهُنَّ إِلَيْهِ نَفْسًا وَأَتَا
وَأَنْزَلَ لِي حُلَّةً كَمَا أَنَّ يَهْلِكَ فَنَامَ مِّنَ النَّاسِ
وَمَاتَ لِي نَوْمِي وَلَيْلَتِي وَبَيْنَ سَحَرِي وَتَحَرُّي
وَأَرَانِي جِبْرِيلَ وَلَمْ يَرَهُ أَحَدًا مِّنْ أَزْوَاجِهِ غَيْرِي.

۳۸۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِيهِ عَنْ
مَسْرُوقٍ أَنَّ اللَّهَ كَانَ إِذَا حَدَّثَ عَنْ عَالِشَةَ قَالَتْ خَلَّتَنِي
الصِّدِّيقَةُ بِنْتُ الصِّدِّيقِ الْعَمْرَأَةُ حَبِيبَةُ رَسُولِ اللَّهِ
تَبَارَكَ وَتَعَالَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (ترمذی ۳۸۸۸)

۳۸۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ الزَّهَّاقِ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنْ
ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ إِمْتَازًا عَلَى عَالِشَةَ لِيَعُوذَهَا فِي
مَرَضِهَا فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ ابْنِي أَجْدُ غَمًّا وَكُرْبًا فَأَنْصَرَفَ
فَقَالَ لِلرَّسُولِ مَا آتَا بِالْأَيْدِي بِنَصْرٍ حَتَّى أَذْغَلَ
فَرَجَعَ الرَّسُولُ فَأَخْبَرَهَا بِذَلِكَ فَأَذِنَتْ لَهُ فَقَالَتْ
إِنِّي أَجْدُ غَمًّا وَكُرْبًا وَأَنَا مُسْلِقَةٌ وَمَا أَخَافُ أَنْ
أَهْجَمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ أَتَشِيرِي قَوْلَ اللَّهِ
سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ

ہے شک میں اس وقت سخت رنج و غم اور بہت تکلیف محسوس کر رہی ہوں اور میں یہ جان کر ڈر رہی ہوں کہ موت مجھ پر حملہ کرنے والی ہے اس پر حضرت ابن عباس نے ان سے کہا: تمہیں بشارت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عائشہ جنت میں جائے گی اور رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مکرم و معزز اور اس سے بہت بلند و برتر ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ دوزخ کی آگ کی چنگاریوں میں سے کسی چنگاری کا نکاح کر دے۔ سو حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: (اے ابن عباس!) آپ نے میرا رنج و غم دور کر دیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے تمام رنج و غم دور فرمادے۔

بخاری (۴۷۵۳) ابن حبان (۷۱۰۸)

علم لغات

”تَهَوَّنَ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب نَصَرَ نَصْرًا سے ہے اس کا معنی ہے: آسان ہونا۔ ”يَهْلِكُ“ اس کا معنی ہے: غریب، اچھائی، دوستی وغیرہ۔ ”يَسْكُو“ کا معنی ہے: کنواری، غیر شادی شدہ۔ ”يَسْقُو“ کا معنی ہے: ہسٹ، کاف اور اوپر پہنچنے والی چادر۔ ”يَسْخَرُ“ کا معنی ہے: سید اور ”يَسْخَرُ“ کا معنی ہے: اذبح کرنے کی جگہ یعنی حلقوم اور گلا۔ ”الْأَصْوَفُ“ کا معنی ہے: نہی ہوتا ہے قصور ہونا، گناہ سے پاک ہونا۔ ”هَلَّأُ“ رنج اور ”يَسْكُو“ کا معنی ہے: تکلیف۔ ”الْأَصْوَفُ“ صیغہ واحد مذکر حاضر، فعل امر معروف، باب الافعال سے ہے اس کا معنی ہے: الوٹ جانا، واپس چلے جانا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں ان کا تعارف پہلے بیان ہو چکا ہے اور یہاں اس باب کی تمام احادیث میں ان کے بہت سے فضائل بیان کیے گئے ہیں ان کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے بے حد اور شدید محبت فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کے بغیر آپ بے چین ہو جاتے تھے اور ان کے بغیر آپ کو صبر نہیں ہوتا تھا چنانچہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت عائشہ صدیقہ جنت میں بھی آپ کی بیوی دکھائی گئیں تو آپ بے حد خوش ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا: اب میرے لیے موت آسان ہو گئی ہے کہ تم جنت میں بھی میری بیوی ہو گی! کیونکہ محبوب و پیارے کے قرب و مصیبت اور اس کی نزدیکی ملنے پر موت قابل نفرت نہیں رہتی بلکہ محبوب و پسندیدہ ہو جاتی ہے جیسا کہ اس باب کی پہلی حدیث میں بیان ہوا ہے اور اس باب کی دوسری حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک فضیلت یہ بیان کی ہے کہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ذات کے اعتبار سے بھی اور اپنے والد کی نسبت سے بھی سب سے زیادہ محبوب اور پیاری تھی۔

اصل میں یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جسے امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عاص نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا: ”أنتي النساء أحب إليك“ لوگوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب اور پیارا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ عائشہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مردوں میں سے کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ان کے والد ہیں۔ [مشکوٰۃ شریف: باب مناقب ابی بکر]

حضرت عائشہ صدیقہ رسول اللہ کو محبوب و پیاری کیوں نہ ہوتیں؟ جبکہ علم و فضل اور شرعی و فقیہی مسائل میں ان کا مرتبہ اس قدر بلند

تھا کہ اس کو بیان کرنے کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ بہت سے اہل سیر کے نزدیک علمی کمالات دینی خدمات اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کے شر و اشاعت کے اعتبار سے حضرت عائشہ صدیقہ عقیقہ کا کوئی حریف و مقابل نہیں ہو سکتا، سوا اگر انہیں ”عمنہ امت“ کہا جائے تو اس میں مطلق کوئی مبالغہ نہ ہوگا چنانچہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام علمی اور فقہی مشکلات حل کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو کوئی مشکل ایسی پیش نہ آئی جس کا علم حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس نہ ہو یعنی ہر مسئلہ کے متعلق انہیں رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ معلوم تھا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے قرآن حدیث فقہ تاریخ اور علم الانساب میں حضرت عائشہ صدیقہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ اخف بن قیس اور موسیٰ بن طلحہ کا قول ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے بڑھ کر میں نے کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔ حضرت امیر معاویہ کا قول ہے کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے زیادہ بلیغ زیادہ فصیح اور زیادہ تیز فہم کوئی خطیب نہیں دیکھا۔ عبادت الہی کی اس قدر پابندی تھی کہ فرض نمازوں کے علاوہ سنتیں اور نوافل بھی کثرت سے پڑھتی تھیں یہاں تک کہ تہجد اشراق چاشت اور اذانین کی نمازیں بھی قضاء نہ ہوئیں۔ ماہ رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ نفل روزے بھی بکثرت رکھتی تھیں اور اسی طرح دیگر عبادات کا حال تھا قناعت و کفایت شعار، زہد و تقویٰ، صفت و پاکدامنی، شرم و حیا، متانت و سنجیدگی اور معاملہ فہمی ان کے خاص جوہر تھے فرضیکہ آپ اہل صفات کی مالک تھیں۔

حضرت عامر رضی کی فضیلت

حضرت معتم فرماتے ہیں کہ حضرت عامر رضی مطاہری (غزوات النبی ﷺ) بیان کرتے تھے اور حضرت ابن عمر سے سنا کرتے چنانچہ حضرت ابن عمر جب رضی سے حدیث سنتے تو فرماتے کہ یہ غزوات کی احادیث اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ جہادی قوم کے ساتھ میدان جنگ میں حاضر تھے۔

حضرت داؤد بن ابوہند بیان کرتے ہیں کہ حضرت عامر رضی رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے متعلق ایک ایسے اجتماع میں احادیث بیان کرتے جس میں حضرت ابن عمر موجود ہوتے اور حضرت ابن عمر ان کا انداز بیان سن کر فرماتے: بے شک یہ (حضرت عامر رضی) اس انداز سے احادیث بیان کرتے گویا یہ غزوات میں موجود اور حاضر تھے۔

۱۹۔ بَابُ فَضِيلَةِ الشَّعْبِيِّ

۳۸۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِيهِ الشَّعْبِيِّ قَالَ كَانَ يُحَدِّثُ عَنِ الْمَغَازِي وَابْنُ عُمَرَ يَسْمَعُهُ قَالَ يَمْنَعُ يَسْمَعُ حَدِيثَهُ اَللّٰهُ يُحَدِّثُ كَمَا نَحْنُ فِيْهِ الْقَوْمُ۔
تہذیب احمد ص ۵۷ (ج ۶)

۳۸۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ قَاوُذَ بْنِ اَبِيْ وَهْبٍ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ عَنْ مَغَازِي رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فِیْ حَلَقَةٍ فِیْہَا ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ اَنَّهُ لَيُحَدِّثُ حَدِيثًا كَانَ يُشْہَدُ۔ سند الحارثی (۶۵۶)

حل لغات

”الْمَغَازِي“ یہ ”الْمَغَازِي“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: غازیوں کے مناقب بیان کرنا غازیوں کے کارناموں کو بیان کرنا۔
”فِيْهِ“ میں داخلہ کر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: موجود ہونا حاضر ہونا۔
”الْقَوْمُ“ سے صحابہ کرام مراد ہیں۔ ”حَلَقَةٍ“ ہر وہ اجتماع جو دائرہ کی صورت میں منعقد کیا جائے۔

حضرت عامر رضی کے فضائل

حضرت ابو عمرو عامر بن شریل رضی کا تہذیبی تعارف پہلے بیان ہو چکا ہے البتہ یہاں چند مختصر فضائل ملاحظہ فرمائیں حضرت

عامر فاضل مشہور و معروف فقیہ اور محدث راوی ہیں تیسرے طبقہ سے ہیں حضرت کھول نے فرمایا: میں نے حضرت عامر فاضل سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ امام ابن حبان نے ثقات تابعین میں ان کا ذکر کیا ہے۔ امام فاضل نے پانچ سو صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور ڈیڑھ سو صحابہ سے روایات بیان کی ہیں آپ حضرت عمر کے دور خلافت میں پیدا ہوئے اور بیاسی سال عمر گزار کر ۱۰۴ھ میں وفات پا گئے۔ حضرت ابن عیینہ نے فرمایا: حضرت ابن عباس اپنے زمانہ کے امام تھے پھر حضرت عامر فاضل اپنے زمانہ میں امام تھے پھر حضرت سفیان ثوری اپنے زمانہ میں امام تھے۔

حضرت ابن شہاب زہری نے فرمایا کہ کامل علماء چار ہوئے ہیں مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن مسیب، کوفہ میں حضرت عامر فاضل، بصرہ میں حضرت حسن بصری اور شام میں حضرت کھول، حضرت عامر فاضل تفسیر حدیث فقہ مغازی اور عبادات کے جامع اور عظیم ترین امام تھے۔ حضرت عامر فاضل کثیر العلم، عظیم الحکم، قدیم الاسلام، حافظ الحدیث تھے۔

۲۰۔ بَابُ فَضِيلَةِ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ وَعَلَقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ وَابْنَ مَسْعُودٍ

حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت علقمہ بن قیس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا بیان

حضرت حماد (بن ابی سلیمان) بیان کرتے ہیں کہ میں جب حضرت ابراہیم نخعی کو دیکھتا ہوں تو ان کی سیرت کو دیکھنے والا ہر آدمی یہی کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی کی سیرت بیعت حضرت علقمہ بن قیس کی سیرت کا مظہر ہے اور حضرت علقمہ بن قیس کی سیرت کو دیکھنے والا ہر آدمی یہی کہتا ہے کہ ان کی سیرت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مظہر ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی سیرت کو دیکھنے والا ہر آدمی کہتا ہے کہ ان کی سیرت تو بیعت رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مظہر ہے۔

کامل شاگرد اور کامل مرید کی پہچان

اس روایت سے حضرت ابراہیم نخعی، حضرت علقمہ بن قیس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی فضیلت و بزرگی اور عظیم الشان کمال ثابت ہو رہا ہے کہ یہ حضرات اپنے حسن و مربی، معلم و استاذ اور مرشد و رہنما کی سیرت و کردار کو اپنانے میں کس قدر رحمت و کوشش کرتے تھے کہ انہیں دیکھنے والا ہر شخص یہ پکار اٹھتا کہ یہ اپنے شیخ و مرشد اور اپنے معلم و استاذ کا کمال درجہ قیام اور کمال پیر و کار ہے اس لیے ملائے اہل سنت اور بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ اپنے مرشد اور اپنے استاذ کا صحیح اور برحق جانچیں وہی مرید اور شاگرد ہے جو اپنے مرشد کامل اور استاذ کامل کی سیرت کو اپناتے ہوئے سنت نبوی کا کھل پا بند ہو لیکن جو شخص قرآن و سنت سے انحراف کرتا ہے اور خلاف شرع زندگی گزارتا ہے وہ علم دین رکھنے کے باوجود صحیح اور برحق عالم دین کہلانے کا حق دار نہیں ہے اور وہ اپنے مرشد کا خادم ہونے یا صاحبزادہ ہونے کے باوجود سجادہ نشین بننے اور کہلانے کا حق دار نہیں ہے بلکہ ایسا ناخلف شاگرد اور ناخلف خادم و صاحبزادہ شیطان کا گماشتا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو ایسے ناخلفوں، نالائق عالموں اور سجادہ نشینوں سے اپنی پناہ میں رکھے اور علماء و مشائخ کے صاحبزادوں اور سجادہ نشینوں کو قرآن و سنت کے علم و عمل سے ملامل فرمائے۔

آمین ثم آمین

امام ابو حنیفہ کے مشائخ میں سے

۲۱۔ بَابُ تَذَكُّرَةِ بَعْضِ كِبَرَاءِ

بعض اکابر تابعین کا تذکرہ

تَابِعِينَ مِنْ مَشَائِخِ إِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ

۳۸۷۔ أَبُو حَمْزَةُ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ دَاوُدَ يَقُولُ لَأَبِي حَنِيفَةَ مَنْ أَذْرَحْتُ مِنَ الْكُتُبَاءِ قَالَ الْقَاسِمُ وَمَالِئًا وَطَاوُسًا وَجَعْفَرًا وَمَكْحُولًا وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ دِينَارٍ وَالْحَسَنَ الْبَصْرِيَّ وَعُمَرُو بْنَ دِينَارٍ وَأَبَا الزُّبَيْرِ وَعَطَاءٌ وَقَتَادَةُ وَابْرَاهِيمَ وَالشَّعْبِيَّ وَالْفُضَيْلَ وَأَمَّا لَهُمْ.

مسند الماری (۳۸۴)

حضرت ابو حمزہ انصاری نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن داؤد (بن عامر ہمدانی) سے سنا ہے آپ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام ابو حنیفہ سے سوال کیا کہ آپ نے (علم دین کے حصول کے لیے) کن کن اکابر علمائے دین کی ملاقات و معیت کا شرف حاصل کیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: حضرت قاسم، حضرت سالم، حضرت طاووس، حضرت عکرمہ، حضرت کھول، حضرت عبداللہ بن دینار، حضرت حسن بصری، حضرت عمرو بن دینار، حضرت ابوالزبیر، حضرت عطاء، حضرت قتادہ، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت عامر قعقی، حضرت نافع اور دیگر ان حضرات جیسے بزرگان دین سے شرف ملاقات حاصل کیا ہے۔

حل لغات

”أَذْرَحْتُ“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کو پانا، حاصل کرنا، کسی چیز کو معلوم کرنا۔ ”الْكُتُبَاءُ“ یہ کبیر کی جمع ہے اور فلاء کے وزن پر ہے اس کا معنی ہے: بڑے لوگ، قوم کے سردار، قوم کے محصلین اور کبیر کی جمع کبار بھی آتی ہے۔

امام ابو حنیفہ کے مشائخ کا تذکرہ

(۱) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر مدینہ منورہ کے سات مشہور و معروف فقہاء میں سے ایک بہت بڑے فقیہ ہیں اکابر تابعین میں سے ہیں اور اپنے زمانہ کے افضل تابعی ہیں ستر سال عمر گزار کر ایک سو ایک ہجری (۱۰۱ھ) میں فوت ہوئے۔

(۲) حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرو بن خطاب قرظی مدنی ہیں جو فقہائے مدینہ منورہ میں سے ایک بڑے فقیہ ہیں آپ سادات تابعین، سادات علمائے تابعین اور ثقات تابعین میں سے ہیں سن ایک سو چوبیس ہجری (۱۰۶ھ) میں مدینہ منورہ میں وفات پا گئے۔

(۳) حضرت طاووس بن کیسان یحسانی حمیری ہیں ان کی کنیت ابو عبدالرحمن ہیں نام ذکوان ہے لقب طاووس ہے آپ ثقہ فقیہ فاضل ہیں تیسرے طبقہ سے ہیں حضرت عمرو بن دینار نے کہا کہ میں نے طاووس جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا، آپ علم و عمل میں سب کے رئیس و سردار تھے آپ مکہ مکرمہ میں ایک سو پانچ ہجری (۱۰۵ھ) میں وصال فرما گئے۔

(۴) حضرت عکرمہ، حضرت عبداللہ بن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں بربر کے باشندے ہیں ابو عبداللہ کنیت ہے آپ مکہ مکرمہ کے فقہاء اور تابعین میں سے ایک بہت بڑے فقیہ اور تابعی ہیں آپ نے حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام سے روایات بیان کی ہیں اسی سال عمر گزار کر ایک سو سات ہجری (۱۰۷ھ) میں انتقال فرما گئے۔

(۵) حضرت کھول بن عبداللہ شامی ہیں آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے غزوہ کاہل میں گرفتار ہو کر آئے قبیلہ بنی قیس یا قبیلہ بنی لیث کے آزاد کردہ غلام ہیں امام اوزومی کے استاذ ہیں۔ امام زہری نے فرمایا: علمائے کالمین چار ہیں: مدینہ منورہ میں سعید بن

میںب کوفہ میں عامر فاضل، بصرہ میں حسن بصری، شام میں کحول۔ حضرت کحول کے زمانہ میں ان جیسا مفتی کوئی نہیں تھا، آپ فتویٰ دیتے وقت پہلے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ" پڑھتے، پھر فتویٰ دیتے، پھر کہتے کہ یہ میری شرعی رائے ہے اور رائے غلط بھی ہو سکتی ہے اور صحیح بھی ہو سکتی ہے، آپ نے بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور ان سے روایات بیان کی ہیں، آپ سے خلق کثیر نے فیض پایا، آپ ۱۱۸ھ میں فوت ہو گئے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن دینار مدنی ہیں، آپ کی کنیت ابو عبدالرحمان ہے، آپ حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں، ثقہ ہیں، خیار تابعین میں سے ہیں، آپ حضرت ابن عمر، حضرت انس بن مالک وغیرہ سے روایات بیان کرتے ہیں۔ ابن معین، ابوزرعہ، ابوحاتم، محمد بن سعد اور نسائی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے، ابن سعد نے کہا کہ آپ کثیر الحدیث تھے۔ حافظ ابن حبان نے آپ کا ذکر ثقات تابعین میں کیا ہے، ۱۲۷ھ میں فوت ہو گئے۔

(۷) حضرت حسن بصری کی کنیت ابوالحسن اور ابوسعید ہیں، آپ کے والد کا نام یسار ہے، حضرت عمر کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے، حضرت عمر نے آپ کو تحفہ ایک (پہلی گڑتی) دی، آپ کی والدہ حضرت ام سلمہ ام المؤمنین کی خدمت کرتی تھیں، جب کبھی آپ کی والدہ کام میں زیادہ مصروف ہو جاتیں اور آپ رونے لگتے تو حضرت ام سلمہ اپنا پستان آپ کے منہ میں دے دیتی تھیں، آپ چوتھے رتبے کے تھے، اگرچہ ان میں دودھ نہیں ہوتا تھا، لیکن ان پستانوں کی برکت آپ کو یہ پہنچی کہ آپ علوم دین میں وقت کے امام و استاذ بن گئے اور حق یہ ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شرف ملاقات حاصل کیا، ان سے خوب لمحوض و برکات بھی حاصل کیے اور آپ حضرت علی کے راو سلوک و طریقت میں خلیفہ قرار پائے، چنانچہ طریقت کے تین سلسلے قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ آپ سے ملتے ہیں، آپ اپنے وقت میں تمام علوم و فنون، عبادت، زہد اور تقویٰ میں امام تھے، آپ ایک سو دس ہجری (۱۱۰ھ) میں وفات پا گئے۔

(۸) حضرت عمرو بن دینار کی محلی ثقہ راوی ہیں، امام ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات تابعین میں کیا ہے، آپ کی کنیت ابو محمد ہے، آپ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابن زبیر اور حضرت جابر بن عبداللہ سے روایات لیتے ہیں اور آپ سے ابوبہ ابن جریج اور امام ثوری نے روایات لی ہیں، آپ بن چھالیس (۴۶) ہجری میں پیدا ہوئے اور اسی سال کی عمر میں سن ایک سو چھپیس (۱۳۶ھ) میں وفات پا گئے۔

(۹) حضرت ابوالزبیر محمد بن مسلم کی اسدی صدوق (بہت سچ بولنے والے) راوی ہیں، چوتھے طبقہ سے ہیں، اہل تہذیب و تہذیب کرتے تھے، امام ابن حبان نے ان کا ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے، اس لیے مکہ مکرمہ کے بڑے صدوق تابعی ہیں، آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر سے احادیث کا سماع کیا ہے، آپ حافظ الحدیث اور ثقہ راوی ہیں اور سن ایک سو اٹھائیس (۱۳۸ھ) میں وفات پا گئے۔

(۱۰) امام اعظم کے اساتذہ میں تین عطاء کا ذکر ہے، ایک حضرت عطاء بن ابی رباح ہیں، جن کی کنیت ابو محمد ہے، آپ مکہ معظمہ کے بہت بڑے فقیہ تھے، آپ ہاتھ پاؤں اور ایک آنکھ سے معذور ہونے کے باوجود قرآن و سنت کے علوم کے خزانہ تھے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: علم کا خزانہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عطاء فرمادے، اگر علم نسب سے ملتا ہوتا تو نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی اس کی سب سے زیادہ مستحق ہوتیں، دیکھو حضرت عطاء بن ابی رباح حبشی تھے، مگر انہیں علم کے خزانے ملے۔

دوسرے حضرت عطاء بن یسار ہلال مدنی ہیں، ان کی کنیت بھی ابو محمد ہے، آپ فاضل و ثقہ راوی ہیں، تیسرے طبقہ سے ہیں اور

آپ مشاہیر علماء کبار اور اکابر تابعین میں سے ہیں، ابن معین، ابو ذر، اور نسائی وغیرہم نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ علامہ ذرقانی نے کہا کہ حضرت عطاء، حضرت سلیمان، حضرت عبداللہ اور حضرت عبدالملک کے بھائی ہیں اور یہ چاروں حضرات اُم المؤمنین حضرت میمونہ کے مکاتب غلام تھے اور ان سب نے آپ سے بھی علم دین حاصل کیا ہے مگر حضرت عطاء نے سب سے زیادہ احادیث کا علم حاصل کیا اور یہ تمام بھائی ثقہ ہیں۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ حضرت عطاء بن یسار حلالی مدینہ منورہ کے مشہور تابعین میں سے ہیں اور کثیر الروایہ ہیں خصوصاً حضرت ابن عباس سے اور آپ حضرت ابن عباس، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ سے روایات لیتے ہیں آپ سے امام ابو حنیفہ، حضرت زید بن اسلم، حضرت عمرو بن دینار اور حضرت عمرو بن عطاء نے روایات بیان کی ہیں آپ چوراسی سال عمر گزار کر ۹۷ھ میں وفات پائے۔

تیسرے حضرت ابو محمد عطاء بن سائب ثقیفی کوئی ہیں صدوق ہیں امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے آپ سے احادیث رقم کی ہیں حضرت عطاء بن سائب ثقیفی تابعی اور ثقہ راوی ہیں الہتم عمر کے آخری حصہ میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ امام ابن حبان نے آپ کا ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے۔ آپ ۱۳۶ھ میں وفات پائے۔

(۱۱) حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری ثقہ راوی ہیں کنیت ابو الخطاب ہے تاجیبا پیدا ہوئے چوتھے طبقہ سے ہیں امام ابن حبان نے ثقات تابعین میں ان کا ذکر کیا ہے۔ حضرت بکر بن عبداللہ المزنی نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ القرآن والحدیث عالم کو دیکھنا چاہے وہ حضرت قتادہ بصری کو دیکھ لے۔ حضرت قتادہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میرے دونوں کان جو کچھ سنتے ہیں اسے میرا دل محفوظ کر لیتا ہے اور فرمایا کہ کوئی قول بغیر عمل کے قبول نہیں ہوتا اور جو شخص اچھے اور نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قول کو بھی قبول فرما لیتا ہے۔ حضرت قتادہ نے حضرت انس بن مالک انصاری، حضرت عبداللہ بن سرجس اور حضرت سعید بن مسیب وغیرہم سے روایات بیان کی ہیں اور آپ سے امام ابو حنیفہ، حضرت ایوب سختیانی، حضرت شعبہ، حضرت ابو حوانہ وغیرہم نے روایات لی ہیں آپ ایک سو سات ہجری (۷۱۰ھ) میں وفات پائے۔

(۱۲) حضرت ابراہیم ثقیفی بن یزید بن قیس بن اسود کوئی ہیں آپ بڑے فقیہ اور ثقہ راوی ہیں الہتم ارسال کیا کرتے تھے۔ آپ اہل کوفہ کے مفتی اور فقیہ تھے آپ بہت نیک اور زاہد بزرگ تھے۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم ثقیفی جلیل القدر تابعی تھے دوسری جگہ کہا کہ آپ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ امام ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات تابعین میں کیا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہما سے حدیث کا سماع کیا ہے۔ حضرت اعمش نے فرمایا ہے کہ آپ حدیث کی روایت کرنے میں سب سے بہترین عالم تھے آپ سن پچاس (۵۰ھ) ہجری میں پیدا ہوئے اور سن چھیانوہ (۹۶ھ) میں فوت ہوئے۔

(۱۳) حضرت ابو عامر عامر بن شریحی مشہور و معروف فقیہ فاضل اور ثقہ راوی ہیں۔ حضرت کحول نے کہا: میں نے امام شعبی سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ حضرت ابن حبان نے کہا ہے کہ صحابہ کرام کے بعد حضرت عامر شعبی اپنے زمانہ کے تمام لوگوں میں بڑے فقیہ تھے۔ ابن حبان نے ثقات تابعین میں ان کا ذکر کیا ہے۔ حضرت شعبی نے ایک سو پانچ صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے۔ امام زہری نے کہا: چار علماء دین سب سے کامل ہوئے ہیں: حضرت سعید بن مسیب، مدینہ منورہ میں، حضرت عامر شعبی کوفہ میں، حضرت حسن بصری بصرہ میں، حضرت کحول شام میں، حضرت عامر شعبی سن میں (۲۰ھ) میں پیدا ہوئے اور اسی سال سے زیادہ عمر گزار کر ایک سو پانچ ہجری (۱۰۵ھ) میں وصال فرمائے۔

(۱۳) حضرت ابو عبد اللہ رافع مدنی حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں اور مشہور و معروف فقیہ اور ثقہ راوی ہیں۔ ملاحظہ فرمائی گئی کہ آپ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ ابن حبان نے آپ کا ذکر ثقات تابعین میں کیا ہے۔ آپ نے حضرت ابن عمرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت رافع بن خدیجؓ اور ایک گروہ سے روایات لی ہیں آپ سے آپ کے بیٹے عبداللہ ابوبکرؓ عمر اور امام زہریؓ امام ابو حنیفہؓ امام مالکؓ موسیٰ بن عقبہؓ امام اور امی ابوب اور ابن جریج وغیرہم نے روایات لی ہیں اور آپ بن ایک سو سترہ ہجری (۷۱۱ھ) میں وفات پائے۔

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

نبی کریم ﷺ کی امت کے فضائل

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب قیامت کا دن قائم ہوگا تو اس دن تمام لوگوں کو سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا سو کفار سجدہ نہیں کر سکیں گے جبکہ میری امت دیگر تمام امتوں سے پہلے دو مرتبہ طویل اور لمبے سجدے کرے گی آپ نے فرمایا کہ پھر ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے سروں کو اٹھا لو کیونکہ میں نے تمہارے دشمن یہود و نصاریٰ کو دوزخ کی آگ کے لیے تمہارا فدیہ مقرر کر دیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب قیامت کا دن قائم ہوگا تو ہر مسلمان کو یہود و نصاریٰ میں سے ایک ایک آدمی عطاء کیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا کہ یہ آدمی دوزخ کی آگ سے نجات کے لیے تمہارا فدیہ ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس امت مسلمہ کے ہر مسلمان آدمی کو کفار میں سے ایک ایک آدمی عطاء فرمائے گا اور اسے کہا جائے گا: یہ کافر دوزخ سے نجات کے لیے تمہارا فدیہ ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اس مسیحی مسلمہ کے ہر آدمی کو اہل کتاب میں سے ایک آدمی دیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا: یہ آدمی دوزخ کی آگ سے نجات کے لیے تمہارا فدیہ ہے۔

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ امت مرحومہ (رحمت شدہ)

۲۲۔ کتاب فضل امتہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳۸۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي بَرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَذْهَبُونَ إِلَى السَّجْدِ فَلَا يَسْجُدُونَ أَنْ يَسْجُدُوا سَجَدَتِ امَّيْنِ مَرَّتَيْنِ قَبْلَ الْآمَةِ كُلِّهَا قَالَ لَقَبَالِ إِرْقُتْ رُؤُوسَكُمْ لَقَدْ جَعَلْتُ عَنْوَكُمْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى لِقَابًا مِنْ النَّارِ.

مسلم (۷۰۱۱)

۳۸۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي بَرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَذْهَبُونَ كُلُّ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى لِقَابًا هَذَا لِذَلِكَ مِنَ النَّارِ.

وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَهْلَى اللَّهُ تَعَالَى كُلُّ رَجُلٍ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ لِقَابًا هَذَا لِذَلِكَ مِنَ النَّارِ.

وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذُفِعَ إِلَى كُلِّ رَجُلٍ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لِقَابًا هَذَا لِذَلِكَ مِنَ النَّارِ.

وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ مَرْحُومَةٌ عَلَيْهَا

حل لغات

”يَذْعُونَ“ صيغہ جمع مذکر غائب، فعل مضارع مجہول مثبت، باب فَعَصَرَ يَنْصُورُ سے ہے اس کا معنی ہے: دعوت دینا، بلانا، پکارنا۔
 ”عَذُو“ کا معنی ہے: دشمن، مخالف۔ ”فَلَدَاءُ“ اس کا معنی ہے: فدیہ دینا، بدلہ دینا، معاوضہ دینا۔

اس امت مرحومہ کی مزید شان

پہلی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قیامت کا دن قائم ہوگا تو اللہ تعالیٰ حجاب اور پردے کو ہٹا دے گا اور تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا سو کفار اس دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کر سکیں گے البتہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت تمام امتوں سے پہلے دو طویل اور دراز سجدے کرے گی جیسا کہ ان کے مذہب میں نماز کے اندر دو سجدے لازم و واجب تھے اور اس امت مسلمہ کے دو سجدے کرنے کی وجہ اور حکمت یہ ہوگی کہ ایک سجدہ قبیل حکم کے عوض میں اور دوسرا سجدہ شکر ادا کرنے کے عوض میں ہوگا اور دیگر انبیائے کرام رضی اللہ عنہم کی امتوں سے پہلے یہ امت سجدہ کرے گی اس لیے حدیث میں ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”نحن الاخرون السابقون“ ہم دنیا میں تشریف لانے میں سب کے آخر ہیں لیکن درجات اور اعمال صالحہ میں ہم سب سے آگے ہیں اور طویل و دراز سجدوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد و ثناء خوب بڑھ چڑھ کر بیان کی جائے گی پھر انہیں کہا جائے گا کہ تم اپنے سروں کو اٹھا لو کیونکہ بلا شک و شبہ اہل کتاب میں سے کفار یہود و نصاریٰ کو تمہارا فدیہ مقرر کر دیا ہے یعنی تمہیں دوزخ کے عذاب سے نجات دے کر تمہاری جگہ یہود و نصاریٰ کو تمہارا فدیہ مقرر کر دیا گیا ہے پس اہل کتاب کے کفار کو دگنا عذاب دیا جائے گا اور دوسری حدیث کی ایک روایت میں یہ ہے کہ بے شک یہ امت امت مرحومہ ہے اس کو عذاب اسی کے ہاتھوں ہوگا چنانچہ امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ سجدہ میں جا کر تین دعائیں مانگیں سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دو دعائیں قبول فرمائیں اور ایک دعا سے آپ کو روک دیا چنانچہ آپ نے (ایک دعا یہ مانگی) اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ آپ کی امت پر کسی غیر مسلم دشمن کو مسلط کر کے انہیں مظلوم و مظلوم نہ کرے سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ درخواست قبول فرمائی اور دوسری درخواست یہ کہ آپ کی امت کو قحط سالی اور خشک سالی کے ذریعے ہلاک نہ کیا جائے سو اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست بھی قبول فرمائی اور تیسری درخواست آپ نے یہ پیش کی کہ میری امت آپس کے باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت کے ذریعے ایک دوسرے کو ہلاک نہ کریں سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرمادیا۔

[ماخوذ از شرح مشہد امام اعظم لاملی قاری ص ۲۸۱-۲۸۲، سلیم دارالکتب احمیہ، بیروت لبنان]

دو تہائی جنتی آپ ﷺ کی
 امت سے ہوں گے

۱۔ بَابُ فِيْ اَنْ يَكُوْنَ ثَلَاثًا
 اَهْلِي الْجَنَّةِ مِنْ اُمَّتِهِ

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز اپنے صحابہ سے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا چوتھائی حصہ بنو؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا:

۳۹۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عُلُقَمَةَ عَنْ ابْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا لَاَصْحَابِيهِ اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا رُبْعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا

نَعَمْ لَئِنْ أَتَوْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا قُلُوبُ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوا
نَعَمْ لَئِنْ أَتَوْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا بَعْضُ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوا
نَعَمْ لَئِنْ أَتَشَرُّوا لَوْنُ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَسْرُونَ وَمَا لَئِنْ
صَفَّ أَهْلِي مِنْ ذَلِكَ لَمَاتُونَ صَلَّاهُ

کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ بنو؟ انہوں نے
عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت
کا نصف حصہ بنو؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! سو آپ نے فرمایا: تمہیں
بشارت ہو کیونکہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے میری
امت کی اتنی (۸۰) صفیں ہوں گی۔

بخاری (۶۶۴۲) مسلم (۵۳۰) ترمذی (۲۵۴۷-۲۵۴۸) ابن ماجہ (۴۲۸۳-۴۲۸۹) ابن حبان (۷۴۵۸-۷۴۵۹)

مل لغات

”اتَّضَوْنَ“ اس میں ہمزہ استفہام کا ہے اور ”تَوَضَّوْنَ“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل مضارع معرّف ثبوت باب سَجَعٍ یَسْتَجِعُ
سے ہے اس کا معنی ہے: خوش ہونا، راضی ہونا۔ ”رَبَّعٌ“ کا معنی ہے: چوتھائی۔ ”قُلُوبٌ“ کا معنی ہے: تہائی۔ ”بَعْضٌ“ کا معنی ہے:
آدھا۔

آپ ﷺ کی امت کی عظمت

امام ترمذی نے عمار بن دینار کے طریق از بردہ از ابیہ ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا: اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اتنی صفیں اس امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی تمام امتوں کی
ہوں گی۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ علامہ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ امام احمد امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے
روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: تم کیسے خوش نصیب مسلمان ہو کہ اہل جنت میں سے ایک چوتھائی جنتی
تم ہی ہو گے اور باقی تمام (امتوں کے) لوگ تین چوتھائی ہوں گے تم کیسے خوش نصیب ہو کہ ایک تہائی جنتی تم ہی ہو گے تم کیسے خوش
نصیب ہو کہ نصف جنتی تم ہو گے تم کیسے خوش نصیب ہو کہ قیامت کے دن اہل جنت کی ایک سو بیس (۱۲۰) صفیں ہوں گی جن میں
سے اتنی (۸۰) صفیں تمہاری ہوں گی۔

امام ابن ابی حاتم اور امام طبرانی نے حضرت حوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
میری امت کی تین تہائیاں ہوں گی چنانچہ میری امت کی ایک تہائی بغیر حساب و عذاب کے جنت میں داخل ہوگی اور ایک تہائی امت
سے بالکل آسان حساب لیا جائے گا پھر وہ بھی جنت میں داخل ہو جائے گی اور ایک تہائی کو امتحان و آلائش میں ڈالا جائے گا اور ان
کا کمرابن ظاہر کیا جائے گا پھر فرشتے حاضر ہوں گے اور وہ گواہی دیں گے کہ ہم نے ان کو ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“
کہتے ہوئے پایا ہے سو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے ان بندوں نے سچ کہا ہے میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس ان کو اس نکل
پڑنے کی برکت سے جنت میں لے جاؤ۔ [تسبیح الہام ص ۱۹۰ حاشیہ: ۳]

یہ امت کس طرح فناء ہوگی؟

حضرت ابو بردہ (اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے)
بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک
میری امت (آخرت میں) امت مرحومہ ہوگی اس کو دنیا میں اسی کے
ہاتھوں سزا دی جائے گی اور ایک روایت میں ہاتھوں زیادہ روایت کیا

۲۔ بَابُ كَيْفَ يَكُونُ فَنَاءُ هَذِهِ الْأُمَّةِ

۳۹۱۔ اَتَوْضَوْنَ عَنْ أَبِي بَرْدَةَ لَئِنْ لَئِنْ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِنَّ اُمَّتِیْ اُمَّةٌ مُّرْحُوْمَةٌ
عَلٰہَا بِاَیْدِہَا فِی الدُّنْیَا. وَزَادَ فِیْ رِوَاۡیَہِ بِالْقَتْلِ.
ابوداؤد (۴۲۷۸)

گیا ہے (یعنی میری امت کو دنیا میں باہمی قتل و غارت اور کشت و خون کے ذریعہ سزا دی جائے گی)۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کی ہلاکت طعن (باہمی نیزہ زنی) اور طامون کے ذریعہ ہوگی سو آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! بے شک ہم طعن کا معنی تو جانتے ہیں لیکن طامون کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے دشمن جنات کا نیزے مارنا ہے اور ہر صورت میں شہادت کا درجہ ملے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ہر صورت میں شہداء کا درجہ نصیب ہوگا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کی ہلاکت طعن اور طامون کے ذریعہ ہوگی سو آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ہم طعن کا معنی تو جانتے ہیں لیکن طامون کیا دہاء ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارے دشمن جنات کا تمہیں نیزے مارنا ہے اور ہر صورت میں شہادت کا درجہ ملے گا۔

۳۹۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ عُرَيْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ لَقَاءُ امْتِنَ بِالطُّعْنِ وَالطَّامُونِ فَيَقِيلُ بَارِسُونَ اللَّهُ الطُّعْنُ عَرَفْنَاهُ لَمَّا الطَّامُونُ قَالَ وَخَرَّوْا أَعْدَابَكُمْ مِنَ الْجَنِّ وَ لِي كُلِّ شَهَادَةٍ وَلِي كُلِّ رَوَابِعٍ وَلِي كُلِّ شَهَادَةٍ.

مسند احمد (۲۵۵۳۲-۲۵۵۳۱-۲۶۷۱۲)

۳۹۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمَالِيدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عُلْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَقَاءُ امْتِنَ بِالطُّعْنِ وَالطَّامُونِ فَيَقِيلُ بَارِسُونَ اللَّهُ هَذَا الطُّعْنُ لَقَدْ عَلِمْتَاهُ لَمَّا الطَّامُونُ قَالَ وَخَرَّوْا أَعْدَابَكُمْ مِنَ الْجَنِّ وَ لِي كُلِّ شَهَادَةٍ.

حل لغات

”بَارِسُونَهَا“ اس کے شروع میں حرف باء چار ہے اور آخر میں حاء خمیر ہے، ”امتن“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: ہاتھ۔ ”الطُّعْنُ“ نیزہ بازی، نیزہ مارنا، نیزہ چھونا۔ ”وخرّو“ اس کا معنی ہے: نیزے سے وار کرنا۔ ”لیس“ کٹنا، خیر مقدم ہے اور ”شہادۃ“ مبتداء مؤخر ہے۔

باہمی قتل و غارت کی فحوصت

اس باب کی پہلی حدیث کے متعلق علامہ ملاحی قاری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو ابو داؤد اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور امام حاکم اور طبرانی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ

امتن هذه امّة مرحومة ليس عليها عذاب
في الاخرة، اما عذابها في الدنيا الطعن
والزلازل والفصل والبلایا. [شرح مسند امام اعظم ملاحی قاری ص ۲۸۲-۲۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]۔
میری یہ امت مرحومہ امت ہے (یعنی رحمت یافتہ امت) آخرت میں اس کو عذاب نہیں ہوگا البتہ دنیا میں اس کو قتل و زخموں، باہمی قتل و غارت، کشت و خون اور آفتوں، مصیبتوں کے ذریعے عذاب دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام سے سرکشی کر کے انسان امن و عافیت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا، کبھی اوپر سے بجلی کڑک رہی ہے۔ موسلا دھار بارشیں سیلاب کی صورت اختیار کر کے قیامت ڈھا رہی ہیں۔ تو عین آگ اگل رہی ہیں بلند پرواز طیارے اور راکٹ، بم اور انٹیم برسا رہے ہیں، کبھی مچے سے بارودی سرنگیں پھٹ رہی ہیں۔ آبدوز کشتیاں سمندر کی گہرائیوں سے ابھر کر بھاری بھر کم جہازوں کو اڑا رہی ہیں، کہیں ڈرلے آبدوزوں کو کھنڈرات میں بدل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سخت تر عذاب یہ ہے کہ آپس میں

انتکار اور بے اتفاق کی دہا پھوٹ پڑتی ہے۔ ایک قوم کے فرزند ایک ملت کے افراد مختلف ٹولیوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ کہیں مذہب و جہل سادہ بن جاتا ہے اور کہیں سیاست باعث انتشار ہے انہوں کی عزت کو اپنے ہاتھوں خاک میں ملا دینا بڑا کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ اوروں کو رہنے دیجئے اپنے گھر کا حال دیکھئے جب سے ہم نے صراطِ مستقیم سے انحراف کیا ہے ہم کن پستیوں میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب اور ایک کعبہ پر ایمان رکھنے والے کس نفاق اور انتشار کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر رحم فرمائے۔ آمین بجاہد و یس علیہ الصلوٰۃ والسلام [تفسیر فیاء القرآن ج ۱ ص ۵۶۶، فیاء القرآن ج ۱ ص ۵۶۶، فیاء القرآن ج ۱ ص ۵۶۶]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

کھانے پینے کی چیزوں، قربانیوں،

شکار اور ذبیحوں کا بیان

۲۳۔ کتابُ الاطعمۃ والاشربۃ

والضُّحایا والصَّیْدِ وَالذَّبَّاحِ

۳۹۴۔ اَبُو حَنِیْفَةَ عَنْ مُعَاوِیَہِ بْنِ عَمْرِوْ اَنْ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نَهٰی عَنْ کُلِّ دِیْنِ

نَابٍ مِّنَ الْجَبَاہِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہر کھلی دار شکاری درندے (کا گوشت کھانے) سے منع فرما دیا ہے۔

بخاری (۵۵۳۰) مسلم (۴۹۹۴) ابوداؤد (۳۸۰۵) ترمذی (۱۴۷۸) نسائی (۴۳۳۰) ابن ماجہ (۳۲۳۴) ابن حبان (۵۲۷۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن بچوں سے شکار کرنے والے پرندوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا۔

۳۹۵۔ اَبُو حَنِیْفَةَ عَنْ مُعَاوِیَہِ بْنِ عَمْرِوْ اَنْ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نَهٰی یَوْمَ خَیْبَرَ

عَنْ اَکْلِ کُلِّ دِیْنٍ مِّنْ طَیْرِ

ابن حبان (۵۲۸۰) سنن دارمی (۲ ص ۸۵)

مل لغات

”ناب“ جو دانت رہا می کے متصل اوپر اور نیچے ہوتے ہیں انہیں ”اَنَاب“ کہا جاتا ہے اس کا واحد ”ناب“ ہے اس کا معنی ہے: کھلی والا دانت کیونکہ یہ دانت نوکیلے اور قد رے دراز ہوتے ہیں۔ ”مَنَاب“ کا معنی ہے: درندوں اور پرندوں کی انگلیوں کے ناخن کا کوندہ اور طرف لیکن اس سے پرندوں کے پنجے مراد ہیں جن سے وہ شکار کرتے ہیں۔

حرام جانوروں کی نشاندہی

اس باب کی پہلی حدیث کے اعتبار سے ہر کھلی والا درندہ حرام ہے جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، بچھا، ہاتھی، بندر وغیرہ اور بچھو اور لومڑی بھی اس عمومی حکم میں شامل ہیں اس لیے یہ دونوں ہمارے نزدیک جائز نہیں ہیں۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو کتبِ ستہ بخاری، مسلم، سنن ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی کے اصحاب نے بیحد حضرت ابو ثعلبہ سے روایت کیا ہے۔

ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گھوڑے، بچھو اور گدھے اور ہر کھلی والے درندے کے گوشت کھانے سے منع فرما دیا ہے اور امام ابو حنیفہ نے بھی یہی فرمایا البتہ قاضی ابویوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی نے فرمایا: گھوڑے کے گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ امام بخاری نے غزوہ خیبر میں اور امام مسلم نے کتاب الذبائح میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن گھریلو پالتو

گدھے کے گوشت سے منع فرمایا ہے اور گھوڑے کے گوشت میں اجازت دی ہے۔

(شرح مسند امام اعظم ص ۲۷۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے اس حدیث اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی بناء پر گھوڑے کے گوشت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَالْخَيْلُ وَالْبِغَالُ وَالْحَمِيرُ يَتَرَكَّبُوها وَزِينَةُ
وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (الحمل: ۸)

ان پر سوار ہو اور زیب و زینت اور سجاوٹ ہیں اور وہ ایسی چیزیں پیدا

کرتا رہے گا جنہیں تم ابھی نہیں جانتے

اور یہ گھوڑے جہاد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں سو ان کے ذبح کرنے کی اجازت دینا اس عظیم و اہم ترین کام کے لیے ضروری نقصان دہ ہے اور حدیث اذن میں تاویل کا احتمال ہے کیونکہ اجازت و جواز حرمت کے مقابل میں ہو سکتا ہے یعنی گھوڑے کا گوشت جائز ہے حرام نہیں جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مذکورہ بالا وجوہ پر گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے نیز جب حرم اور منع جمع ہو جائے تو حرم کو غالب اور قابل ترجیح قرار دیا جاتا ہے لہذا امام اعظم نے احوط کو اختیار کیا ہے سو اس لیے ان پر نصوص صریحہ کی مخالفت کا احترام اور طعن جائز نہیں اور اس کی دوسری حدیث کے تحت علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکلی سے فکار کرنے والے ہر دندے کے کھانے سے اور پنچے سے فکار کرنے والے ہر پندے کے کھانے سے منع فرمادیا جیسے ہاڑ شاہین، شکر، گدھ، خیل وغیرہ جو بھی پنچے سے فکار کرنے والے پندے ہیں وہ سب اس ممانعت کی وجہ سے حرام ہیں۔ (شرح مسند امام اعظم ص ۲۷۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

گھریلو گدھوں کے گوشت

کھانے کی ممانعت

۱۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ أَكْلِ

لَحْمِ الْحَمِيرِ الْأَهْلِيَّةِ

۳۹۶۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ النَّبَرَاءِ
قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ
لَحْمِ الْحَمِيرِ الْأَهْلِيَّةِ

حضرت برادر بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے گھریلو پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے۔

لَحْمِ الْحَمِيرِ الْأَهْلِيَّةِ

بخاری (۴۲۱۹)، مسلم (۵۰۲۲)، ابوداؤد (۳۷۸۸)، نسائی (۴۳۴۱)، ابن ماجہ (۳۱۹۱)، ابن حبان (۵۲۷۳)، سنن احمد (۱۴۹۵۱)

صل لغات

”الْحَمِيرُ الْأَهْلِيَّةُ“ اس کا معنی ہے: گھر کے پالتو گدھے۔ دراصل ”الْأَهْلِيَّةُ“ کے لفظ کی قید کی وجہ ”الْوَحْشِيَّةُ“ سے احتراز ہے کیونکہ جنگلی گدھوں کو الوحشیہ کہا جاتا ہے اور فارسی میں انہیں گور خر کہا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے سال گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے اور عورتوں کے ساتھ حشر کرنے سے منع فرمادیا۔ علامہ ملا علی قاری اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ گھریلو گدھوں کا گوشت اکثر اہل علم کے نزدیک حرام ہے اور علامہ ابن عبد البر نے اس کے حرام ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

حافظ عبد العظیم السبکی نے یہ افادہ فرمایا ہے کہ گھریلو گدھوں کی تحریم دوسرے منسوخ ہوئی ہے اور قبلہ دوسرے منسوخ ہوا نیز حشر کا کلام دوسرے منسوخ ہوا ہے اور احادیث میں ”الاهلية“ کی قید ”الوحشية“ سے احتراز ہے کیونکہ اہل یعنی گھریلو پالتو گدھے

حرام ہیں، لیکن وحشی گدھے یعنی جنگلی گدھے کا گوشت حلال ہے۔ (شرح مسند امام اعظم) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حمار وحشی (گورخر) یعنی جنگلی گدھا دیکھا، اس کا شکار کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اس کے گوشت کا کچھ حصہ ہے، عرض کی: جی ہاں اس کی ران ہے، اس کو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا اور کھایا۔

[بہار شریعت، حصہ پانزدہم (۱۵) ص ۱۲۵، مطبوعہ شیخ غلام علی کشمیری بازار لاہور]

۲۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ

۳۹۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ أَبِي عُمَرَ قَالَ

نُهِنَّا عَنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ. ابوداؤد (۳۷۹۹)

عَلِ لُغَاتٍ

زمین کے کیڑے مکوڑے کی حرمت کا بیان
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں زمین کے کیڑے
مکوڑے کھانے سے منع کر دیا گیا ہے۔

”نُهِنَّا“ میذجع حکم فعل ماضی مجہول باب فَعَّحَ يَفْعُحُ سے ہے اس کا معنی ہے: منع کرنا، روکنا۔ ”خَشَاشٌ“ اس کا معنی ہے: کیڑے مکوڑے، چھوٹے چھوٹے جانور۔

عبداللہ بن سہاء کا فتنہ

کتاب السنن میں کہا ہے کہ غالی شیعوں کا ایک گروہ عبداللہ بن سہاء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور عبداللہ بن سہاء مقام صنعاء کا یہودی تھا، پھر حضرت حنان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ شخص اسلام لے آیا اور یہ ظاہر مسلمان بن گیا اور یہ وہی شخص ہے جس نے اہل مصر کو حضرت حنان رضی اللہ عنہ کے قتل پر ابھارا اور انہیں آپ کے قتل پر براہین دیا اور انہیں اُکسایا اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کا اظہار کیا اور یہ شخص یہ ظاہر اسلام کا دعویٰ کرتا تھا لیکن باطن میں غیبت تھا اور اس کی غرض مسلمانوں میں فساد ڈالنا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے اپنی مسند میں کتاب الفتن میں اس کی سخت تکلیف دہ گفتگو کے بارے میں ذکر کیا ہے، ممکن ہے یہ بد بخت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحابہ کرام پر تفصیل یا الوہیت علی کے متعلق ہو اس کرتا ہو۔

علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ فرقہ سہائے غالی شیعوں کا پہلا فرقہ ہے جو عبداللہ بن سہاء کے شاگردوں ساتھیوں اور ہم عقیدہ لوگوں کا ہے یہ کہتے تھے کہ حضرت علی معبود حقیقی ہیں، وہ شہید نہیں ہوئے، بلکہ ابن کعب نے ایک شیطان کو مارا ہے جو آپ کی شکل اختیار کر گیا تھا (لعوذ باللہ) بھلا شیطان لعین آپ کی شکل میں کیسے منتقل ہو سکتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی اہر میں پوشیدہ ہیں اور یہ بجلی کا کڑکنا آپ کی آواز ہے اور بجلی آپ کا کوڑا ہے۔ اسی لیے جب یہ لوگ بادل کی گرج سنتے ہیں تو کہتے ہیں: ”الصلوۃ والسلام علیک یا امیر المؤمنین“ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپ ایک مدت کے بعد نزول فرمائیں اور اپنے دشمنوں کو زیر و بر کر ڈالیں گے، ان لوگوں کے کلمات ہا ہم ایک دوسرے کا رد کرتے ہیں نیز لایعنی اور بے ہودہ ہیں اس لیے کہ آپ کی سخت کڑک اور بجلی گرج جب آپ ایک عالم کو مار سکتے ہیں تو اپنے دشمنوں کے بارے میں یہ ڈھیل کیوں اور یہ انتظار کس کا؟

(تحدیثا مشریعہ ص ۴۰ دارالاشاعت کراچی)

حشرات الارض کے حرمت کی حکمتیں

امام ابوداؤد نے حشرات الارض کے کھانے کی ممانعت کے بیان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث تخریج کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس خارپشت (یعنی سہیلی کے برابر ایک خاردار جانور جس کے جسم پر ٹکڑے کی طرح کانٹے ہوتے ہیں اور خطرہ کے وقت ان کو پھیلا کر ان میں چھپ جاتا ہے) کا حکم پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ ناپاک چیزوں میں سے ایک ناپاک چیز ہے جیسا کہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ. اور آپ (نبی کریم) ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں (الاحزاب: ۷۵) اور نجیست و ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔

سود کورہ بالا حدیث اور قرآن مجید کی آیت سے معلوم ہو گیا کہ حرمت کی علت اور وجہ خواہش و ناپاکی ہے اور یہ علت تمام حشرات الارض میں پائی جاتی ہے اس لیے تمام زمینی کیڑے مکوڑے حرام ہیں جیسے چوہا، گرگٹ، چھپکلی، سانپ، بچھو، چمڑینو، کھل، مکھی، چھڑی، میٹھک، نیولاگوہ اور کواد وغیرہ۔ (حیہ) دراصل گوشت یا جو غذا کھائی جاتی ہے وہ جز و بدن ہو جاتی ہے اور اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور چونکہ بعض جانوروں میں مسموم صفات پائی جاتی ہیں اُن جانوروں کے کھانے میں اندیشہ ہے کہ انسان بھی ان بُری صفات کے ساتھ متصف ہو جائے اس لیے ان جانوروں کو حرام قرار دے کر انسان کو کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

میٹھک کو مارنے کی ممانعت

۳۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ قَتْلِ ضِفْدَعٍ

۳۹۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ الْمَدَنِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ ضِفْدَعًا فَتَلَّوْهُ خَاةً مُخْرِجًا كَانَ اَوْ حَلَاةً. ابن ماجہ (۳۲۲۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میٹھک کو قتل کر دے تو اس پر ایک بکری واجب ہے خواہ وہ محرم ہو یا حلال ہو۔

حل لغات

”قَتَلَ“ میٹھک کا قتل کرنا، فعل ماضی معروف، باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے اس کا معنی ہے: قتل کرنا، مار ڈالنا۔ ”خَاةً“ اس کا معنی ہے: میٹھک۔ ”خَاةً“ کا معنی ہے: بکری۔ ”مُخْرِجًا“ احرام ہانڈنے والا۔

میٹھک کے حرام ہونے کی علت

یہ حدیث بیہتم کامل ابن عدی میں حضرت عبدالرحمن بن سعد بن عثمان بن سعد القرظی مؤذن رسول اللہ ﷺ کے ترجمہ کے تحت حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع بیان کی گئی ہے۔ حضرت سفیان نے فرمایا کہ کہا جاتا ہے کہ حیوانات میں میٹھک سے بڑھ کر کوئی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تسبیح بیان نہیں کرتا بلکہ میٹھک سب سے زیادہ کثرت سے ذکر الہی کرتا ہے۔ حضرت حماد بن عید کے ترجمہ کے تحت کامل ابن عدی میں ہے کہ حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ میٹھک پر اللہ تعالیٰ کا اس قدر غول و ڈر طاری ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو آگ میں گرالیا سو اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آگیا اور تمام میٹھکوں کو اس کے بدلہ میں آگ کی گرمی سے نکال کر پانی کی ٹنڈک میں رکھ دیا اور اس کے ٹرٹرانے کی آواز کو تسبیح قرار دیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے میٹھک کو قتل کرنے سے منع فرمادیا ہے۔

اور مستند ابوداؤد و طیالسی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور حاکم میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عثمان القصبی نے نبی کریم ﷺ سے بیان کیا ہے کہ ایک طبیب نے کسی دوا میں میٹھک استعمال کرنے کی اجازت لینے کے لیے آپ سے سوال کیا تو آپ نے اسے میٹھک مارنے سے منع فرمادیا، یہ ممانعت کی یہ احادیث اس بات پر دلالت و رہنمائی کرتی ہیں کہ میٹھک کا کھانا حرام ہے اور یہ پانی کے ان جانوروں میں داخل نہیں ہے جن کا کھانا مباح اور جائز ہے (جیسے چھپکلی) اور میٹھک کو مارنے والے شخص نے احرام ہانڈ رکھا ہو یا عام حالت میں ہو اس پر بکری کا واجب ہونا محض ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے کے لیے ہے۔

(علامہ سرخسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو روایت بیان کی ہے اس میں حرمت کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ کراہت کے الفاظ ہیں) اللہ تعالیٰ علامہ سرخسی پر رحمت فرمائے یہاں ان سے تسامح ہو گیا۔ سعیدی غفرلہ) کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ کو گوہ صدقہ کرنے سے منع فرمایا اور اگر کھانے کی کراہت حرمت کی وجہ سے نہ ہوتی تو آپ اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیجے جیسا کہ آپ نے انصاری کی بکری کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اسے قیدیوں کو کھلا دو اور جس حدیث میں اباحت کی دلیل ہے وہ ثبوت حرمت سے پہلے کے واقعہ پر محمول ہے نیز قاعدہ یہ ہے کہ جب دو دلیلیں متعارض ہوں ایک حرمت کو واجب کرتی ہو اور دوسری اباحت کو تو حرمت والی دلیل کو ترجیح دینا واجب ہے۔ بعض متأخرین نے یہ کہا ہے کہ گوہ مسخ کیے جانے کی وجہ سے حرام ہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ بعض نافرمانی کرنے والے یہودیوں کو بندر خنزیر اور گوہ بنا دیا گیا لیکن یہ روایت غیر مشہور ہے اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ جن کو مسخ کیا جاتا ہے ان کی نسل آگے نہیں چلتی پس یہ گوہ جواب پائی جاتی ہے یہ ان میں سے نہیں ہے اگرچہ اس کی جنس میں مسخ کیا گیا تھا لیکن یہ غبیث ہے اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کو مکروہ قرار دیا اور گوہ کے حرام ہونے کی یہ وجہ بھی ہے کہ یہ غبیث ہے اور باقی حشرات الارض کی طرح طبیعت اس سے عذر ہوتی ہے لہذا یہ "تَحَرُّمٌ عَلَيْهِمُ الْغَبَائِثُ" سے حرام ہے۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن عبد الرحمن بن شبل ان رسول الله ﷺ
نهى عن اكل الضب.
حضرت عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

ہر چند کہ صحیح بخاری صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ایسی احادیث بہ کثرت ہیں جن میں گوہ کھانے کے جواز کا پتہ چلتا ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ یہ احادیث مقدم ہوں اور ممانعت کی حدیث مؤخر ہو اور یہ بات بھی غلط رکھنی چاہیے کہ یہ بات کسی حدیث میں نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود گوہ کو تناول فرمایا بلکہ اس کے برعکس گوہ سے آپ کی کراہت و ناپسندیدگی اور نفرت کا ذکر بکثرت احادیث میں ہے علاوہ ازیں اس کا حشرات الارض میں سے ہونا اور طہائع سلیمہ کے نزدیک اس کا قابل نفرت اور غبیث ہونا بھی بدیہی ہے۔ اس لیے دیگر حشرات الارض کی طرح اس کا مکروہ تحریمی ہونا ہی صحیح قول ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۳-۱۱۴، مطبوعہ فرید بک ہال، ندوہ دارالعلوم]

سدھائے ہوئے کتوں کے شکار کا بیان

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا سو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک ہم سدھائے ہوئے کتوں کو شکار پر چھوڑتے ہیں تو (کیا) ہم وہ شکار کھا لیا کریں جو وہ ہمارے لیے روک لیتے ہیں آپ نے فرمایا: جب تم اس کو چھوڑتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ لو اور کوئی دوسرا کتا اس کے ساتھ شریک نہ ہو تو جب تم اسے کھا سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ اسے مار ڈالے فرمایا: اگرچہ وہ اسے مار ڈالے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی آدمی بغیر بے کے حیر شکار پر بھیجتا ہے (تو

۵۔ بَابُ صَيْدِ الْكِلَابِ الْمَعْلَمَةِ

۴۰۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ عَبْدِ بْنِ سَالِمٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَبْعَثُ الْكِلَابَ الْمَعْلَمَةَ فَنَأْكُلُ مِمَّا أَتَسَكَّنَ عَلَيْهَا فَقَالَ إِذَا ذُكِرَتْ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهَا فَلَمْ يَشْرُكْهَا كَلْبٌ غَيْرُهَا قُلْتُ وَإِنْ قُتِلَ قَاتٌ وَإِنْ قُتِلَ قَاتٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخَذْنَا يَوْمِي بِالْمَعْرَاضِ قَالَ إِذَا رَمَيْتَ فَسَمَّيْتُ فَخَرَقِي فَكُلْ وَإِنْ أَصَابَ بِغَرَضِهِ فَلَا تَأْكُلْ.

جمادی (۵۴۷۶-۵۴۷۷) مسلم (۴۹۷۲) ابوداؤد (۲۸۴۷) اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: جب تم نے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر تیر شکار پر پھینکا اور وہ تیر شکار میں گھس کر اس کو پھاڑ دے تو اسے کھالو اور اگر تیر چوڑائی میں لگا تو اسے نہ کھاؤ۔

حل لغات

”الْکَلَابُ الْمَعْلَمَةُ“ سدھائے ہوئے کتے شکار کرنے کے لیے تربیت یافتہ کتے۔ ”اَمْسَکْنِ“ میخہ جمع مؤنث غائب، فعل ماضی معروف، مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: روکنا۔ ”الْمَغْرَاضُ“ کا معنی ہے: نہر والا تیر۔ ”عَرَقَی“ میخہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف، باب ضَرْبَ یَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: چیر دینا، پھاڑ دینا۔

تربیت یافتہ شکاری جانوروں کا شکار حلال ہے

در اصل یہ حدیث شکار کے معاملہ میں قرآن مجید کے ایک بنیادی حکم کی ترجمانی کر رہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ يَنْ الْبَحَارِ مَكَلِمًا يَنْ تَعْلَمُونَ تَهُنَّ
بِمَا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا وَمَا أَمْسَكْنَ عَلَيَكُمُ
وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ وَاقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَبِغَ
الْحِسَابِ (المائدہ: ۴)

اور وہ شکاری جانور جن کو تم نے سدھالیا ہے در آں حالیکہ تم انہیں تعلیم دے کر شکار پر چھوڑتے ہو تم انہیں اس طرح تعلیم دیتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں تعلیم دی ہے سو اس (شکار) میں سے کھاؤ جس کو شکاری جانور نے پکڑ لیا ہے اور تم اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو یہ شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے

شان نزول

یہ آیت ہدی بن حاتم اور زید بن مہملہ کے حق میں نازل ہوئی جن کا نام رسول اللہ ﷺ نے زید الخیر رکھا تھا ان دونوں صاحبوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم لوگ کتے اور ہار کے ذریعہ شکار کرتے ہیں کیا یہ ہمارے لیے حلال ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مذکورہ بالا حدیث میں حضرت ہدی بن حاتم کے سوال پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی آیت کی ترجمانی کرتے ہوئے وضاحت فرمائی۔ اور اس آیت میں شکاری جانوروں سے عام مراد ہے خواہ وہ درندوں میں سے ہوں جیسے شکاری کتے اور چیتے یا شکاری پرندوں میں سے ہوں جیسے شکار باز شاہین وغیرہ جب انہیں تربیت کے ذریعہ اس طرح سدھالیا جائے کہ وہ جو شکار کریں اس میں سے وہ خود نہ کھائیں اور جب انہیں شکاری چھوڑے تب شکار پر جائیں اور جب انہیں بلا لے تو واپس آجائیں ایسے شکاری جانوروں کو معلم کہتے ہیں۔ اور اس آیت سے جو حکم مستفاد ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے کتا یا شکار وغیرہ کوئی شکاری جانور شکار پر چھوڑا تو اس کا شکار چند شرطوں کے ساتھ حلال ہے: (۱) شکاری جانور مسلمان کا ہو اور سکھایا ہو (۲) اس نے شکار کو زخم لگا کر پکڑا ہو (۳) شکاری جانور پر بسم اللہ اکبر کہہ کر چھوڑا گیا ہو (۴) اگر شکاری کے پاس شکار زندہ پہنچا ہو تو اس کو بسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے سو اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو حلال نہ ہوگا مثلاً اگر شکاری جانور معلم (سکھایا اور سدھایا ہوا) نہ ہو یا اس نے زخم نہ کیا ہو یا شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ اکبر نہ پڑھایا شکار زندہ پہنچا ہو اور اس کو ذبح نہ کیا ہو یا معلم کے ساتھ غیر معلم شکار میں شریک ہو گیا ہو یا ایسا شکاری جانور شریک ہو گیا ہو جس کو چھوڑتے وقت بسم اللہ اکبر نہ پڑھا گیا ہو یا وہ شکاری جانور بخوشی یا کافر کا ہوا ان سب صورتوں میں وہ شکار حرام ہے۔

مسئلہ

تیر (یا بندوق) سے شکار کرنے کا بھی یہی حکم ہے اگر بسم اللہ اکبر کہہ کر تیر مارا (یا بندوق چلائی) اور اس سے شکار بخروج ہو کر مر گیا تو حلال ہے اور اگر نہ مرا تو دوبارہ اس کو بسم اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے اگر اس پر بسم اللہ اکبر نہ پڑھی یا تیر وغیرہ کا ذبح اس کو نہ لگایا زندہ پانے کے بعد اس کو ذبح نہ کیا تو ان سب صورتوں میں حرام ہے۔

[ماخوذ از تفسیر قرآن العرفان ص ۱۹۴، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور]

پھلی کھانے کا حکم

۶۔ بَابُ حُكْمِ أَكْلِ الْحَوْبِ

۴۰۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَوْنَةَ عَنْ أَبِي سَجْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جَزَوْا عَنْهُ النَّعَاءَ فَكُلُوا. ابوداؤد (۳۸۱۵) ابن ماجہ (۳۲۴۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ پھلی جس سے پانی ہٹ جائے تو اسے کھا لو۔

حل لغات

”جَزَوْا“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: الگ ہو جانا، ہٹ جانا، منکشف ہو جانا۔

پھلی کے حلال ہونے کا ثبوت

معلوم ہونا چاہیے کہ پھلی کے سوا پانی کے باقی تمام جانور حرام ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَيُخَوِّمُهُمُ الْغُلَابُ“ (الاعراف: ۱۵۷) اور آپ (نبی کریم) ان پر غیبت ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

اور پھلی کے سوا سب چیزیں غیبت و ناپاک ہیں چنانچہ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت عبدالرحمن بن عثمان القرظی سے روایت کیا ہے کہ ایک طبیب نے نبی کریم ﷺ سے دوا میں مینڈک کو استعمال کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مینڈک کو مارنے سے منع فرما دیا۔ اور امام احمد اور ابوداؤد و طحاوی نے اپنی مسانید میں اور امام حاکم نے المستدرک میں اس کو روایت کیا اور کہا کہ یہ صحیح الاسناد حدیث ہے اور امام منذری نے کہا کہ یہ حدیث مینڈک کے حرام ہونے کی دلیل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور کسی جاندار کے قتل سے ممانعت یا تو حرمت سے ممانعت یا تو حرمت و عزت کی بناء پر ہوتی ہے جیسے آدمی کے قتل کی ممانعت کہ یہ محترم و معظم ہے یا اس کے حرام ہونے کی بناء پر ہوتی ہے اور مینڈک محترم و مکرم تو ہے نہیں سوا اس کے قتل کی ممانعت اس کے حرام ہونے کی بناء پر کی گئی ہے پھر ہمارے علمائے احناف نے پھلی میں یہ قید لگائی ہے کہ وہ اپنی طبعی موت مر کر پانی کی سطح پر تیرے والی نہ ہو کہ اس کا کھانا مکروہ ہے کیونکہ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس پھلی کو سمندر باہر پھینک دے یا پانی وہاں سے ہٹ کر دور ہو جائے تو اس پھلی کو کھا لو اور جو پانی میں مر کر اوپر تیرنے لگے تو اسے نہ کھاؤ۔

اور ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے اپنی مصنفات میں پانی میں مر کر سطح آب پر تیرنے والی پھلی کی کراہت میں جابر بن عبد اللہ حضرت علی ابن عباس ابن المسیب ابراہیم نخعی طاؤس اور زہری سے روایت کیا ہے۔ پھر بیہ کی طرح پھلی کی تمام اقسام بغیر ذبح حلال ہیں کیونکہ ابن ماجہ نے کتاب الاطعمۃ میں حضرت ابن عمر کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کر دیئے گئے ہیں دو مردار پھلی اور بیہ ہیں اور دو خون جگر اور تلی ہیں۔

[شرح مسند امام اعظم لملاطی قاری ص ۲۹۸-۲۹۹ ہجرت]

ٹڈی کے کھانے کا جواز

امام ابوحنیفہ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ بنت عمر کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا نیکو ٹڈی دل کا ہے نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ اسے حرام کرتا ہوں۔

۷۔ بَابُ جَوَازِ أَكْلِ الْجَرَادِ

۴۰۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ عُمَرَ تَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُ جُنْدِ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ الْجَرَادُ لَا أَكْمَلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ. (الروادد (۳۸۱۳) ابن ماجہ (۳۲۱۹))

حل لغات

”جُنْدٌ“ لشکر، فوج۔ ”الْجَرَادُ“ ٹڈی جو بہت بڑے لشکر کی صورت میں آتی ہے اور کھیتوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ ”لَا أَكْمَلُهُ“ میں نہ اسے مکمل کرتا ہوں۔ ”لَا أُحَرِّمُهُ“ میں نہ اسے حرام کرتا ہوں۔

ٹڈی کے حلال ہونے پر اجماع

ملاطی قاری لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ ٹڈی کا کھانا حلال ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے سات غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کیے اور ان میں ہم ٹڈی کھاتے رہے اور امام بخاری، امام الروادد اور امام ابوحنیفہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ ٹڈی تناول فرما لیتے، یعنی کبھی کبھی سوپا آپ کے ارشاد ”لَا أَكْمَلُهُ“ کے منافی نہیں ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میں اسے ہمیشہ نہیں کھاتا یا میں اس وقت نہیں کھاتا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے نہ کھانے کو حرام (گھر میں رہنے) پر محمول کیا جائے اور آپ کے کھانے کو سفر پر محمول کیا جائے یا ضرورت پر یا حاضرین کی موافقت پر محمول کیا جائے۔

اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات باری باری ٹڈیاں پلیٹوں میں لے جاتی تھیں اور اس کو امام ابن المظاہر نے بھی ذکر کیا ہے لیکن اس سے آپ کا ٹڈی کو کھانا یقین سے ثابت نہیں ہوتا (البتہ اس کا حلال و مباح ہونا یقیناً ثابت ہوتا ہے) پھر احمد اربعہ نے کہا کہ اس کا کھانا حلال ہے خواہ طبیعت موت مر جائے یا ذبح کر دیا جائے (اگرچہ ضروری نہیں) اور اسی طرح کسی اور طریقے پر مر جائے۔

امام احمد سے مروی ہے کہ اگر ٹڈی سردی کی وجہ سے مر جائے تو اسے کھانا جائز نہیں اور امام مالک کے مذهب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے تو حلال ہے ورنہ حرام ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملاطی قاری ص ۵۹۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ہجرت]

اضطراری ذبح کا بیان

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ سرکش ہو کر بھاگ گیا اور لوگ اس کی تلاش میں نکلے لیکن جب اس نے ان کو پکڑنے سے تھکا کر عاجز کر دیا تو ایک آدمی نے اسے حیر مارا جو اسے جاگا اور اس کو مار ڈالا سو لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انہیں اس کو

۸۔ بَابُ ذِكَايَةِ الْأَضْطَرَّارِيَّةِ

۴۰۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سُوَيْدٍ عَنْ عُبَايَةَ بْنِ رِكَاعَةَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّ بَعْضَ أَقْنَيْنِ إِبِلِ الصَّنَعَةِ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَضْيَافُهُمْ أَنْ يَأْخُذُوا زِمَاءَهُ وَجَلَّ بِسَنَمِهِمْ فَأَصَابَ لَفْظُهُ فَسَأَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا مَاتَ مَا تَكَلَّمُ بِهِ لَمَّا لَمَّا أَمَّا تَكَلَّمَ بِهِ لَوْ حُوضٍ لَوَازَا

خَبِثَتْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ بِهَذَا الْبُيُوتِ
ثُمَّ كُلُوهُ.

کھانے کی اجازت دے دی اور فرمایا: بے شک بعض اوقات سیاہی بھی
وحشی جانوروں کی طرح بدک جاتے ہیں سو جب تمہیں ان سے خوف و ڈر
لاحق ہونے لگے تو تم اسی طرح کرو جس طرح تم نے اس اونٹ کے ساتھ
کیا۔

وَلَقَدْ رَوَيْتُ أَنَّ بَعْضَ أَقْنِبِيلِ الصَّنَدَلَةِ نَذَرَ قَوْمًا
رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَقَتَلَهُ فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِهِ فَقَالَ كُلُّوهُ فَإِنَّ لَهَا أَوَابِدَ تَخَاوِبِدِ
الْوَحْشِ. بخاری (۵۴۹۸) مسلم (۵۰۹۲) ترمذی (۱۴۹۲)
ابن ماجہ (۳۱۸۳) نسائی (۴۳۰۲) ابن حبان (۵۸۸۶)
اور ایک روایت میں ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ
بدک کر بھاگ پڑا تو ایک آدمی نے اس کو تیر مارا اور اسے قتل کر دیا پھر
اس کے کھانے کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ
نے فرمایا: اسے کھا لو کیونکہ یہ اونٹ بھی وحشی جانوروں کی طرح بدکنے
والے ہوتے ہیں۔

حل لغات

”نَذَرَ“ صیغہ واحد کر فاعل فعل ماضی معروف باب حُضِرَتْ مضرب سے ہے اس کا معنی ہے: بھڑک جانا، پھرجانا، بدک
جانا۔ ”أَقْنِبِيلٍ“ صیغہ واحد کر فاعل فعل ماضی معروف باب افْعَال سے ہے اس کا معنی ہے: تھکا دینا، عاجز کر دینا۔ ”سَهْمٍ“ اس کا
معنی ہے: تیر۔ ”أَوَابِدَ“ اس کا معنی ہے: بدکنے، غضبناک ہونا۔ ”تَخَاوِبِدِ“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل ماضی معروف باب تَسَوَّعَ
نَسَفَع سے ہے اس کا معنی ہے: ڈرنا۔

ذبح کی اقسام

فقہاء نے ذبح کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ذکاة اضطراری اور ذکاة اختیاری۔ جب مسلمان شخص جانور کے گلے پر چھری پھیرنے
کی قدرت رکھتا ہو اور بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر اس کو ذبح کر سکتا ہو تو یہ ذکاة اختیاری ہے اور اگر وہ اس کے گلے پر چھری پھیر کر ذبح نہ کر
سکے تو پھر یہ ذکاة اضطراری ہے مثلاً وہ وحشی جانور ہو اور اس کی گرفت میں نہ آئے یا پالتو جانور ہو لیکن بھاگ گیا ہو مثلاً مرغی درخت پر
چڑھ گئی ہو یا جانور بھاگ جائے اور اس کی گرفت میں نہ آئے یا جانور کنوئیں یا کسی گڑھے میں گر جائے یا جانور کے مرنے کا خطرہ ہو
اور بروقت ذبح کا آلہ دستیاب نہ ہوئے تمام صورتیں اضطراری ہیں سو ایسی صورتوں میں کسی بھی دستیاب آلہ سے جانور کے بدن کے
کسی حصہ کو زخمی کر کے خون بہا دیا جائے تو وہ جانور حلال ہوگا البتہ ناخن اور ہڈی سے احتراز ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے
اس سے منع فرمایا ہے۔

ذکاة اضطراری کی تعریف

ذکاة اضطراری یہ کارکن یہ ہے کہ جانور کے بدن کے کسی حصہ کو زخمی کر دیا جائے ذکاة اضطراری یہ شکار میں ہوتی ہے یا اگر اونٹ
مگائے یا بکری بھاگ جائے اور انسان اس کے پکڑنے پر قادر نہ ہو۔ ہر چند کہ یہ پالتو جانور ہیں لیکن اس صورت میں یہ بھی شکار کے حکم
میں ہیں خواہ یہ پالتو جانور شہر میں بھاگیں یا جنگل میں۔ امام محمد سے اسی طرح مروی ہے اسی طرح اگر جانور کنوئیں میں گر جائے اور
اس میں سے نکال کر ذبح یا خمر کرنے پر قدرت نہ ہو تو اس صورت میں بھی اس کی اضطراری ذکاة جائز ہے۔ ذکاة اضطراری یہ میں تیر بھیجتے
وقت (یا بدوقت سے فائر کرتے وقت) یا شکار پر جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے۔

۹۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْمُجْتَمَةِ

۴۰۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُجْتَمَةِ.
ترمذی (۱۴۷۳) نسائی (۴۴۴۳)

جانور کو تیر اندازی کا نشانہ بنانے سے ممانعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور کو باندھ کر تیر اندازی کے لیے نشانہ بنانے سے منع فرمایا۔

حل لغات

”الْمُجْتَمَةُ“ واحد مؤنث اسم مفعول کا صیغہ ہے جس میں میم مضموماً جیم مفتوح اور ثاء مشدّد مفتوح ہے نیز دوسری میم مفتوح ہے یہ باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے کہ کسی جان دار کو باندھ کر تیر اندازی وغیرہ کا نشانہ بنانا۔

جانوروں پر ظلم کی ممانعت

امام ترمذی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے جانور کے کھانے سے منع فرمایا اور یہ وہ جانور ہوتا ہے جسے باندھ کر نشانہ بازی کرتے ہوئے تیر اندازی کے ذریعہ قتل کر دیا جاتا ہے اور مجھے کی تفسیر میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ وضاحت سمجھائی کی طرف سے ہو یا ان کے بعد کسی راوی کی طرف سے ہو۔

[شرح مسند امام اعظم لاسطی القاری ص ۱۸۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

حضرت ہشام بن زید بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ حکم بن ابوب کے گھر آیا وہاں کچھ لوگ مرثیٰ کو باندھ کر اس پر تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت انس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کا قریش کے چند لو جوانوں پر گزر ہوا جو ایک پرندے کو باندھ کر اس پر تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے اور انہوں نے پرندے والے سے یہ طے کر لیا تھا کہ جس کا تیر نشانہ پر نہیں لگے گا وہ اس کو کچھ دے گا جب انہوں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا تو ادھر ادھر ہو گئے حضرت ابن عمر نے فرمایا: جو شخص یہ کام کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو پے شک رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی جان دار کو نشانہ بنائے۔

[صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۳ مطبوعہ دار محمد صالح المنجد الطبعة ۱۴۰۵ھ/۱۹۵۶ء کراچی]

پتھر کے ساتھ ذبح کرنے کا جواز

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک عورت بکریوں کا ایک ریوڑ چراہی تھی کہ اسے ایک بکری کے مرجانے کا خوف لاحق ہوا تو اس نے ایک پتھر کے ساتھ بکری کو ذبح کیا نبی کریم ﷺ نے اسے کھانے کی اجازت دے دی۔

۱۰۔ بَابُ جَوَازِ الذَّبْحِ بِالْمَوْرَةِ

۴۰۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ غَنَمَةً كَانَتْ لَهَا رَاحِيَةٌ فَخَالَتْ عَلَى شَاؤِ يَتَنَاهَا الْمَوْتُ فَذَبَحْتُهَا بِمَوْرَةٍ لَأَمَرَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَكْلِهَا.

ترمذی (۲۳۰۴) ابن ماجہ (۳۱۸۲) ابن حبان (۵۸۹۳)

۴۰۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي قَتَابَةَ عَنْ الشَّعْبِيِّ عَنْ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک لڑکا

جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ خَرَجَ غُلَامٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ قَبْلَ أَحَدٍ فَمَسَّرَ لِيْ طَرِيقَهُ فَاصْطَادَ أَرْتَبًا فَلَمْ يَجِدْ مَا يَذْبَحُهَا فَلَذْبَحَهَا بِحَجَرٍ فَجَاءَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَعَفَهَا يَبِيدُهُ فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهَا.

أَحَد پھاڑ کی طرف نکلا سو اس نے راستے میں گزرتے ہوئے ایک خرگوش شکار کیا اور اسے ذبح کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ملی تو اس نے ایک نوکیلے پتھر کے ساتھ اسے ذبح کر دیا پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ وہ خرگوش کو اپنے ہاتھ میں لٹکائے ہوئے تھا آپ نے اسے کھانے کا حکم دیا۔

وَلِيْ رِوَايَةٍ أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ أَرْتَبَيْنِ فَلَذْبَحَهُمَا بِسُورَةٍ يَغْنِي الْحَجَرَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَكْلِهَا.

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک آدمی نے دو خرگوش پکڑے اور ان کو ایک پتھر کے ساتھ ذبح کیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے ان کے کھالینے کا حکم دیا۔

وَلِيْ رِوَايَةٍ أَصَابَ رَجُلٌ مِّنْ نِّسَى سَلَمَةَ أَرْتَبًا بِأَحَدٍ فَلَمْ يَجِدْ سِجْنًا فَلَذْبَحَهَا بِحَجَرٍ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَكْلِهَا. ابوداؤد (۲۸۲۲) ترمذی (۱۴۷۲) نسائی (۴۴۰۴) ابن ماجہ (۳۱۷۵) ابن حبان (۵۸۸۵)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بنو سلمہ کے ایک آدمی نے اُحد پھاڑ کے پاس ایک خرگوش پکڑا اور اس نے وہاں کوئی چھری وغیرہ نہ پائی تو اس نے پتھر سے اسے ذبح کیا سو نبی کریم ﷺ نے اسے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

۴۰۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ مِنْ ذَبِيحَةِ امْرَأَةٍ وَنَهَى عَنْ قُلِيِّ امْرَأَةٍ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کا ذبیحہ تناول فرمایا اور آپ نے عورت کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

بخاری (۳۰۱۵) مسلم (۴۵۴۷) ابوداؤد (۲۶۶۸) ترمذی (۱۵۶۹) ابن ماجہ (۲۸۴۱)

حل لغات

”حَنِيفَةً“ اسم الفاعل ہے اس میں فاعل مضوم اور لون مفتوح یا محساکن اور مضم مفتوح ہے اور اس کا معنی ہے: بکریوں کا چھوٹا سا ریوڑ۔ ”مَرْوَةٌ“ کا معنی ہے: پتھر۔ ”ذَبَحْتُ“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب فَعَّلَ یَفْعِلُ ہے اس کا معنی ہے: ذبح کرنا۔ ”اصْطَادَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افْعَلَ سے ہے اس کا معنی ہے: شکار کرنا۔ ”أَرْتَبًا“ اس کا معنی ہے: خرگوش۔

عورت کا ذبیحہ حلال ہے

یاد رہے کہ اس باب کی پہلی دونوں احادیث میں ذکاۃ اضطرابی کا ذکر ہے جس کی تفصیل حدیث: ۳۰۳ کے ماتحت میں بیان ہو چکی ہے یہاں جو مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کو بیان کیا جاتا ہے چنانچہ اس باب کی پہلی اور تیسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا ذبیحہ حلال ہے یہی وجہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورت کے ذبیحہ کا گوشت تناول فرمایا۔ نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”ذبیحۃ المسلم حلال“ یعنی مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اور اس حدیث کو امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں روایت کیا ہے اور اس پر تمام علمائے اسلام کا اجماع ہے کہ عاقل مسلمان جو ذبح کر سکتا ہو اس کا ذبیحہ حلال ہے اس میں مرد اور عورت برابر دیکھاں ہیں اور اس باب کی تیسری اور آخری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اس کا

مطلب یہ ہے کہ حالت جنگ میں عورت کو قیدی بنالیا جائے مگر اسے قتل نہ کیا جائے البتہ جب وہ کسی ملک کی ملکہ اور بادشاہ ہو یا کسی ملک کی مشیر خاص ہو تو پھر اسے قتل کر دیا جائے اس پر سب ائمہ دین کا اتفاق ہے اور توبہ قبول نہ کرنے کی صورت میں مرتدہ عورت کے قتل کے بارے میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایسی عورت کو قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول کر لے اور ان کے علاوہ کے نزدیک توبہ قبول نہ کرنے پر مرتدہ عورت کو قتل کیا جائے گا لیکن رہا قصاص کا مسئلہ تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ قاتلہ عورت کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ [شرح منہاج امام اعظم ص ۴۰-۳۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ اضطرابی ذبح میں جانور کو ہر آلہ کے ساتھ ذبح کرنا جائز ہے جس کے ذریعہ جانور کا خون بہہ جائے چنانچہ علامہ ملا علی قاری اس باب کی پہلی حدیث کے ماتحت لکھتے ہیں کہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر اس چیز کے ساتھ ذبح کرنا جائز اور صحیح ہے جو خون کو بہا دے اور اس سے خون کا بہنا یقینی ہو مثلاً چھری چاقو 'تکوار' شیشہ پتھر ہالہ اور کانا جس سے قلم بنائے جاتے ہیں وغیرہم البتہ دانت اور ناخن کے ساتھ ذبح کرنے میں اختلاف ہے سو امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے ساتھ ذبح کرنا صحیح نہیں ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جب دانت اور ناخن جسم سے الگ ہو چکے ہوں تو ان کے ساتھ ذبح کرنا صحیح اور جائز ہے۔ [شرح منہاج امام اعظم ص ۲۰۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

تیسرا مسئلہ یہ ثابت ہو رہا ہے کہ ناخالص عاقل و بکھڑا لڑکے کا ذبیحہ بھی حلال ہے جیسا کہ اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ احد پھاڑ کے راستے میں ایک لڑکے نے خرگوش شکار کیا اور پھر اسے ذبح کیا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ذبیحہ کو کھانے کا حکم دے دیا۔ چوتھا مسئلہ اسی حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ خرگوش حلال ہے چنانچہ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ تم یہ جان رکھو کہ بلاشبہ تمام ملائے دین کے نزدیک خرگوش کھانا حلال ہے باسوا عبد اللہ بن عمرو بن عامر اور ابن ابی لیلیٰ کیونکہ ان دونوں کے نزدیک خرگوش کھانا مکروہ ہے لیکن ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے امام اعظم ابو حنیفہ اور محدثین کی ایک جماعت نے حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حضرت انس نے کہا کہ مرا عظیم ان کے پاس اچانک ایک خرگوش ہمارے سامنے سے گزرا تو لوگ اس کے تعاقب میں دوڑے اور اس کو گھیر لیا پس میں نے اس کو پکڑ لیا اور حضرت ابو طلحہ کی خدمت میں لے آیا آپ نے اسے ذبح کیا اور اس کی سرین اور ایک ران رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دی سو آپ نے اسے قبول فرمایا اور صحیح البخاری میں کتاب الصیۃ میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول فرمایا اور اس میں سے کھایا۔

امام احمد امام نسائی امام ابن ماجہ امام حاکم اور امام ابن حبان نے حضرت محمد بن صفوان سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتدہ دو خرگوش شکار کیے اور ان کو ذبح کیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اس کو ان کے کھانے کا حکم فرمایا۔

ابن ابی لیلیٰ اور ان کے موافقین نے اس حدیث سے استدلال کیا جسے امام ترمذی نے حبان بن جزاء اور خود خزیمہ بن جزاء سے روایت کیا ہے کہ حضرت خزیمہ بن جزاء نے کہا: میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ خرگوش کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "لا اكله ولا احرمه" میں اسے نہ تو کھاتا ہوں اور نہ اسے حرام قرار دیتا ہوں میں نے عرض کیا: کیوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: سو میں اس کے کھانے سے پرہیز کرتا ہوں کیونکہ اسے خون آتا ہے یعنی اسے حیض آتا ہے اور اس حدیث کی غرض و غایت یہ ہے کہ اس کا کھانا تو جائز ہے لیکن اس سے گھن آتی ہے اور یہ حدیث نہ تو خرگوش کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے اور نہ اس کے مکروہ ہونے پر دلالت کرتی ہے بلکہ اس کے حلال ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: "لا احرمه" یعنی میں اس کو حرام نہیں کرتا۔ [شرح منہاج امام اعظم ص ۴۰۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

۱۱- بَابُ فَضِيلَةِ أَيَّامِ

عَشْرَةِ ذِي الْحِجَّةِ

۴۰۸- أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ زَائِدٍ عَنْ
مُسْلِمِ بْنِ أَبِی سَلَمَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ
أَيَّامٍ أَفْضَلَ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ أَيَّامِ عَشْرِ الْأَضْحَى فَاسْتَكْبَرُوا
لِيُفَنِّئَ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى. مسند امام (۵۳۶-۶۱۵۳)

حل لغات

”استکبروا“ میں جمع مذکر مخاطب فعل امر حاضر معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: کثرت کرنا زیادہ کرنا۔

عشرہ ذی الحج کی عظمت

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ذی الحج کے عشرہ (دس دنوں) سے زیادہ فضیلت و بزرگی والے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور کوئی نہیں ہیں۔ علامہ ملا علی قاری اس کے تحت لکھتے ہیں:

اس سے یہ ظاہر ہے مراد ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے بعد باقی دنوں سے ذی الحج کا عشرہ افضل و اعلیٰ ہے۔

امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يَبْعَدَ بِهَا
لَهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ
مِنْهَا بِصِيَامِ سِتَّةٍ وَفِيَّامٍ كُلِّ لَيْلَةٍ بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ.

[شرح مسند امام اعظم ص ۵۳۱، مطبوعہ مدینہ]

۱۲- بَابُ أَضْحِيَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أُمَّتِهِ

۴۰۹- أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ الْهَيْثَمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
بْنِ سَابِطٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحَّى بِكَبْشَيْنِ أَشْعَرَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَحْمَرَهُمَا
عَنْ نَفْسِهِ وَالْآخَرُ عَنْ شَهِدٍ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِنْ
أُمَّتِهِ. وَفِي رِوَايَةٍ نَعْوَةٌ وَلَمْ يَذْكُرْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ
اللَّهِ

نبی کریم ﷺ کا اپنی امت

کے لیے قربانی کرنا

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ
لے سیاہ اور سفید مخلوط رنگ کے بالوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی
ان میں سے ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کے ہر کلمہ کو مسلمان
کی طرف سے اور ایک اور روایت میں اسی طرح ہے لیکن اس میں
حضرت جابر بن عبد اللہ کا ذکر نہیں ہے۔

بخاری (۵۵۶۵) مسلم (۵۰۸۸) ابوداؤد (۲۷۹۴) ترمذی (۱۴۹۴) ابن ماجہ (۳۱۲۰) نسائی (۴۳۹۲) ابن حبان (۵۹۰۰) سنن داری

(ج ۲ ص ۷۵)

حل لغات

”ضَحَى“ میند واحد کر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: قربانی کرنا۔ ”أَفْهَقْنِي“ بہت زیادہ بالوں والے دو جانور۔ ”أَمْسَحَتْنِي“ بعض بال کالے سیاہ اور بعض بال سفید جسے اردو میں چٹکبرا کہتے ہیں۔ ”غَبَشَتْنِي“ دو مینڈھے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی کے فوائد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ذبح النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم الذبح کبشین املحین اقرنین مروجین فلما وجههما الی القبلة قال الی وجہتی وجہی للذی فطر السموات والارض علی ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین. ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین اللهم منك ولك عنہ محمد وامعہ بسم اللہ اکبر ثم ذبح وفی رواۃ اللهم هذا عنی وعن لم یصح من امتی۔

[مشکوٰۃ باب فی الاضحیۃ الفصل الثانی ص ۱۲۸، مطبوعہ اصحاح]

الاصحاح والی]

نبی کریم ﷺ نے دس ذی الحجہ کو مدینہ منورہ میں دو مینڈھے ذبح کیے جو سیاہ رنگ والے سینک دار اور فحسی کیے ہوئے تھے جب آپ نے ان دونوں کو قبلہ رخ لٹایا تو اس وقت یہ پڑھا کہ میں نے اپنے منہ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا میں ملت ابراہیم علیہ السلام پر ہوں جو باطل سے مد موڈ کر حق کی طرف متوجہ ہونے والے تھے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں بے شک میری نماز اور قربانی میری زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں مطہج و فرما ہر دار لوگوں میں سے ہوں اے اللہ! قربانی کی توفیق میری طرف سے ہے اور یہ عبادت صرف حیرے لیے ہے۔ یہ قربانی محمد ﷺ اور اس کی امت کی طرف سے قبول فرما بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا پھر ذبح کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اے اللہ! یہ قربانی میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان افراد کی طرف سے ہے جو غربت والی اس کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکتے۔

تنبیہ اول

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری امت یا مفلس و نادار افراد کو اپنے ساتھ قربانی کے ثواب میں شریک فرمایا تو اس احسان و اکرام کا تقاضا یہ ہے کہ امتی بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قربانی کریں اور اس کا ثواب آپ کی بارگاہ میں پیش کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دو مینڈھے ذبح کیا کرتے تھے۔ جب پوچھا گیا کہ آپ دو جانور کیوں ذبح کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: او صالی خلیلی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ۔

میرے محبوب ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے قربانی کروں اس لیے میں دوسرا جانور ان کی طرف سے ذبح کیا کرتا ہوں۔

تنبیہ ثانی

رسول اللہ ﷺ نے قربانی اپنی امت کی طرف سے فرمائی خواہ وہ موجود تھے یا نہ تھے بلکہ بعد میں پیدا ہونے والے تھے یا پہلے

وقات پانچے تھے تو معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان کی طرف سے صدقہ کرنا اور اپنے ثواب میں اسے شریک کرنا خواہ وہ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو یا ابھی پیدا بھی نہ ہوا ہو بالکل جائز اور کار ثواب بلکہ سبجہ مصطفیٰ ﷺ ہے۔

[کوثر الخیرات لیسہ المسادات ص ۳۵۸ مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور]

نماز عید سے پہلے قربانی کر لینا

۱۳۔ بَابُ الْأَضْحِيَّةِ قَبْلَ الصَّلَاةِ

۴۱۰۔ اَهُوَ خَبِيْطَةٌ عَنْ سَمَاءٍ عَنْ اَبِيْهِمْ
وَالشَّعْبِيِّ عَنْ اَبِيْ بَرْزَةَ بْنِ يَزِيْدٍ اَنَّكَ ذَبَحَ ضَاةً قَبْلَ
الصَّلَاةِ فَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ تُجْزِي عَنْكَ وَلَا تُجْزِي عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.
حضرت ابو بردہ بن نیار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ نماز
عید سے پہلے (صبح سویرے) ایک بکری ذبح کر لی پھر نبی کریم ﷺ کے
سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے (حضرت ابو بردہ سے) فرمایا کہ تمہاری
طرف سے یہ کافی ہو جائے گی اور تمہارے بعد کسی کی طرف سے کفایت
نہیں کرے گی۔

بخاری (۹۸۳) مسلم (۵۰۷۰) ابوداؤد (۲۸۰۰) نسائی (۴۴۰۰) ابن حبان (۵۹۱۰)

عمل لغات

”تُجْزِي“ صیغہ واحد مؤنث فاعل مضارع معروف باب ضرب مضروب سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کو بدلہ دینا کسی
کا حق ادا کرنا کسی چیز کا کسی کے لیے کافی ہونا کسی چیز کا کفایت کرنا۔

نماز عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل (بخاری و مسلم) اور قسین اصحاب سنن حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت
کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم آج (عید کے دن) سب سے پہلے جو کام کریں گے وہ یہ ہے کہ ہم پہلے نماز عید
پڑھیں گے پھر (خطبہ دے گا کے بعد) اپنے گھروں میں داخل لوٹ جائیں گے اور قربانیاں کریں گے سو جو شخص یہ طریقہ اپنائے گا وہ
ہماری سنت کو پالے گا اور جو شخص نماز عید سے پہلے اپنا جانور ذبح کر لے گا تو وہ صرف گوشت ہے جو اس نے اپنے اہل و عیال کے لیے
پہلے تیار کر لیا ہے لیکن اس کا قربانی سے کوئی تعلق نہیں۔

امام احمد بن حنبل، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جندب بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے
نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر لیا ہے وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ضرور ذبح کرے اور جس نے پہلے ذبح نہیں کیا تو اسے چاہیے
کہ وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۶ مطبوعہ بیروت]

مسند امام اعظم کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے لیے نماز عید سے پہلے ذبح کی گئی
بکری کو قربانی قرار دے دیا جبکہ صحیح بخاری میں یوں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابو بردہ کو نماز عید کے بعد قربانی
دینے کے لیے دوبارہ جانور ذبح کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس اب صرف چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے جو سال بھر
کے بکرے سے بہتر ہے آپ نے فرمایا: تم اسی چھ ماہ کے بچے کو ذبح کر دو یہ تمہاری طرف سے قربانی کے لیے کافی ہے لیکن تمہارے
بعد کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار دیا ہے کہ آپ عمومی احکام
سے جس فرد کو چاہیں خاص کر لیں چھ ماہ کے بکرے کی قربانی بالعموم جائز نہیں ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بردہ بن نیار
رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت دے دی۔ مسجد نبوی میں کسی کے گھر کے (چھوٹے) دروازہ کی اجازت نہیں لیکن

حضرت ابو بکر کو روزہ رکھنے کی اجازت دے دی۔ حرم مکہ کے درختوں کو کٹنا عموماً ممنوع ہے لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے اکثر کٹنے کی اجازت دے دی۔ ہر عورت کو شوہر کی وفات کے بعد چار ماہ دس دن سوگ کرنا لازم ہے لیکن حضرت اسماء بنت مہمیس پر یہ سوگ معاف فرما دیا۔ مہر شری کا کم از کم دس درہم از قبیل مال ہونا ضروری ہے لیکن ایک صحابی کے لیے ناداری کی وجہ سے صرف تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا۔ ایک صحابی اور ایک صحابیہ کا باہمی رضامندی سے بغیر کسی مہر کے نکاح فرما دیا۔ روزہ کے کفارہ میں صدقہ کرنا واجب ہے لیکن ایک صحابی کے لیے ناداری کی وجہ سے روزہ کے کفارہ کو خود انہیں کے لیے کھانا جائز قرار دیا۔ دو سال کی عمر کے بعد دودھ پینے سے بالعموم رخصت ثابت نہیں ہوتا لیکن حضرت سالم کو بلوغت کے بعد جوانی میں حضرت سہلہ بنت سہیل نامی صحابیہ کا دودھ پینے کی اجازت دے دی اور حضرت سہلہ کو ان کی رضاعی ماں بنا دیا۔ مردوں کے لیے ریشم پہننے کو بالعموم حرام فرمایا لیکن حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہما کو عارض کی بناء پر ریشم پہننے کی اجازت دے دی۔ مردوں کے لیے سونا بالعموم حرام فرمایا لیکن حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہننے کی اجازت دی۔ بغیر جہاد کے کسی شخص کو مال غنیمت سے حصہ نہیں ملتا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا (آپ ﷺ کی صاحبزادی) کی عمارداری میں مشغول رہنے کی بناء پر غزوہ بدر میں شرکت کے بغیر مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔ قاضی کے لیے مخالف لیٹا بالعموم جائز نہیں لیکن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مخالف لینے کی اجازت دے دی۔ ہر مسلمان پر پانچ نمازیں فرض ہیں لیکن آپ نے ایک صحابی کا اسلام اس شرط پر قبول کر لیا کہ وہ صرف دو نمازیں پڑھے گا۔ ہر مسلمان پر روزہ طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے لیکن آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو طلوع آفتاب کے وقت روزہ رکھنے کی اجازت دے دی۔ دی جرات کے دوران مٹی میں راست گزارنا ضروری ہے لیکن بنو مہاس اور بنو ہاشم کے ذمہ زحرم کا پانی پلانے کی خدمات تھیں اس لیے آپ نے انہیں ان ایام میں رات کو مٹی سے جانے کی اجازت دے دی۔ نکاح کے لیے کم از کم دس درہم ہر ضروری ہے لیکن حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے لیے صرف ابو طلحہ کے اسلام قبول کرنے کو مہر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صرف جنگ میں نماز کو قصر کرنے کی اجازت دی (النساء: ۱۰۱) لیکن آپ نے ہر سفر شری میں قصر کو واجب کر دیا خواہ حالت جنگ میں ہوں یا حالت امن میں ہوں۔ قرآن مجید میں ہر نماز الگ الگ وقت مبین میں فرض کی گئی ہے لیکن آپ نے دوران حج عرفات میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت میں جمع کرنا فرض کر دیا۔ قرآن مجید نے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی لازم کر دی (البقرہ: ۲۸۲) لیکن آپ نے حضرت غزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اکیلی اور تنہا گواہی کو کافی قرار دیا۔ قرآن مجید نے ہر مسلمان مرد کو اپنی پسند کی چار عورتوں سے شادی کی اجازت دی۔ (النساء: ۳۳) لیکن آپ نے حیات سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابو جہل کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے سے روک دیا۔ قرآن مجید نے نسو میں بیروں کو دھونا فرض قرار دیا ہے (المائدہ: ۶) لیکن آپ نے بیروں کو دھونے کی جگہ موزوں پر مسح کو بھی جائز قرار دیا۔ قرآن مجید نے حالت جنابت (جب غسل فرض ہو) میں مسجد میں داخل ہونے سے بالعموم منع فرما دیا (النساء: ۴۳) لیکن آپ نے اپنے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی۔

[مزید تفصیل اور حوالہ جات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۶-۲۸۷، مطبوعہ قریہ بک سٹال، اردو بازار لاہور]

تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت

رکھنے کی ممانعت کی وجہ

حضرت عبداللہ بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

۱۴۔ بَابُ تَوْجِيهِ النَّهْيِ عَنْ لُحُومِ

الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

۱۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَ حَمَّادٍ

اتھما حَدَّثَنَا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّمَا يَهَيِّجُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَصْحَابِ قُلُوبُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ يَتَوَيْعُ مَوْبِعُكُمْ عَلَى فَقِيرٍ كُمْ. ترمذی (۱۵۱۰)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں نے تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے صرف اس لیے منع کیا تھا کہ تمہارے مال دار لوگ تمہارے تنگ دستوں اور نادار لوگوں پر وسعت و کشادگی کریں۔

حل لغات

”يَتَوَيْعُ“ اس کے شروع میں لام حرف ”کسی“ کے معنی میں ہے اور ”مَوْبِعُ“ ”مینه“ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب تکمیل سے ہے اس کا معنی ہے: کشادہ کرنا وسیع کرنا، کھلا کرنا۔

قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے کی اجازت

امام ترمذی نے سفیان کے طریق سے اربعہ بن مریم السلیمان بن بریدہ از والد خود مرفوع حدیث بیان کی ہے جس میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں تین دن سے زائد قربانیوں کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا تاکہ مال دار و خوشحال لوگ ان لوگوں پر کشادگی کر سکیں جن کے پاس مال و دولت نہیں، سو اب تم جس طرح مناسب سمجھو کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔ امام ترمذی نے کہا کہ اس باب میں ابن مسعود عائشہ صدیقہ نبویہ ابو سعید خدری قتادہ بن انصاری انس بن مالک اور ام سلمہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ اور حضرت بریدہ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے اور صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اسی پر عمل ہے اہلی۔ پھر عابس بن ربیعہ نے از حضرت عائشہ حدیث کی تخریج کی ہے اس میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ کیا رسول اللہ نے قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا ہے کہ لوگوں میں سے جو حضرات قربانیاں کرتے ہیں ان سے میں یہ چاہتا اور پسند کرتا ہوں کہ وہ قربانی کا گوشت ان لوگوں کو بھی کھلائیں جو قربانی نہیں کر سکتے چنانچہ ہم قربانی کے پائے اٹھا کر رکھ دیتے پھر دس دن کے بعد ہم انہیں پکا کر کھاتے۔ امام ترمذی نے اس کی تحسین کی اور اس کو صحیح قرار دیا۔ امام بخاری نے حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریہ کے طریق سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے بیان فرمایا کہ ہم مدینہ منورہ میں قربانی کے گوشت کو بھون کر اس پر تنک لگاتے اور وہی گوشت ہم نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کرتے تھے سو ایک دن آپ نے فرمایا کہ تم قربانی کا گوشت تین دن تک کھایا کرو اور یہ وجوہی علم نہیں تھا لیکن آپ چاہتے تھے کہ قربانی کا گوشت تنگ دستوں اور غریبوں کو بھی کھلایا جائے واللہ اعلم! اور اس حدیث کو امام ابو داؤد نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام احمد عہد بن حمید یحییٰ اور ابن ابی شیبہ نے اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[تحسین النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۹۸، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

سرکہ کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن دثار رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے روٹی اور سرکہ ان کے سامنے پیش کیا پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تکلف سے منع فرمایا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہارے لیے ضرور تکلف کرتا اور بے

۱۵۔ بَابُ فَضِيلَةِ الْخَلِّ

۴۱۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ وَيَسَعَرُ عَنْ مُعَارِبِ بْنِ دَنَارٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَيْهِ وَقَرَّبَ إِلَيْهِ عَصِيًّا وَغُلًّا ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا عَنِ التَّكَلُّفِ وَقَوْلَ لَا ذَلِكَ لَكُمْ وَلَاقِي سَوْفَتِ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْإِدَامُ شَكٌّ فِي رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَوَيْهٍ فَرَمَاتٍ هُوَ سَنَاءٌ هِيَ سُرَّةُ بَهْتَرِينَ
الْعَلُّ

مسلم (۵۳۵۰) ابوداؤد (۳۸۲۱) ترمذی (۱۸۳۹) ابن ماجہ (۳۳۱۷) مصنف مہدار راق (۱۹۵۶۹) سنن دارمی (ج ۲ ص ۱۰۱) مستدرک
الحکم (ج ۳ ص ۵۳)

۴۱۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْمُ الْإِدَامُ
الْعَلُّ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
سرکہ بہترین سالن ہے۔

حل لغات

”ذَعَلٌ“ صیغہ واحدہ کرغائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: داخل ہونا اور اس کا فاعل
حضرت جابر کی طرف ہوئے والی ”هُوَ“ ضمیر ہے۔ ”لَزَبٌ“ صیغہ واحدہ کرغائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب تَلَعَّلَ سے ہے
اس کا معنی ہے: قریب کرنا، نزدیک کرنا۔ ”الْإِدَامُ“ کا معنی ہے: سالن۔ ”الْعَلُّ“ کا معنی ہے: سرکہ۔

تکلف کی ممانعت

امام بخاری، حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ”نَهَيْتُ عَنْ التَّكْلِيفِ“ یعنی ہمیں تکلف کرنے
سے منع کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہو جاتی ہے جسے امام حاکم نے المستدرک میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے
روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کے لیے تکلف کرنے سے منع کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:
لَوْلَا مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ○ (ص: ۸۶)

اور مسند الفردوس میں حضرت زبیر بن العوام کی مرفوع حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: سن لو اے شک میں اور میری اُمت
کے صالحین تکلف سے بُری اور بیزار ہیں۔ اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت زبیر بن عوام سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ
یہ ہیں:

اللَّهُمَّ اِنِّي وَصَالِحِي اُتَمِي بَرَاءً مِنْ كُلِّ تَكْلِفٍ. اے اللہ اے شک میں اور میری اُمت کے صالحین ہر قسم کے
تکلف سے بُری ہیں۔

اور ابن عساکر نے نبی کریم ﷺ کی زوجہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بیٹے حضرت زبیر بن ابی حمالہ سے روایت بیان کی ہے
جس کے الفاظ یہ ہیں کہ

وَاَنَا وَأُتَمِي بَرَاءً مِنَ التَّكْلِيفِ. اور میں اور میری اُمت تکلف سے بُری ہیں۔

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ تکلف سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ مہمان کی آہ پر میزبان تکلف کی وجہ سے پریشان نہ ہو
اور اس کے دل میں مہمان کے لیے کراہت و نفرت اور تنگی پیدا نہ ہو۔

[شرح مسند امام اعظم ملا علی قاری ص ۲۶۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

کھانے میں کافر و مؤمن

۱۶۔ بَابُ الْفَرْقِ بَيْنَ الْكَافِرِ

وَالْمُؤْمِنِينَ فِي الْأَكْلِ

کے درمیان فرق

۴۱۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ شَايِعٍ عَنْ أَبِي عُمَرَ لَمَّا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَايِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءَ وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي بَعْضِ وَاجِدٍ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے، اور مؤمن صرف ایک آنت میں کھاتا ہے۔

بخاری (۵۳۹۶) مسلم (۵۳۷۲) ترمذی (۱۸۱۸) ابن ماجہ (۳۲۵۷)

حل لغات

”يَأْكُلُ“ میخذ واحد ذکر غائب، فعل مضارع معرول مثبت، باب نصر يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کھاتا۔ ”أَمْعَاءَ“ جمع ہے اور اس کا واحد ”بَعْضِ“ ہے اس کا معنی ہے: آنت۔
زیادہ کھانا کھانے کے نقصانات

اس حدیث کو بیحد امام احمد، شیخین، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ اس بات سے کہتا ہے کہ کافر دنیا میں کھل اور پورا فائدہ اور نفع حاصل کرتا ہے جو آخرت میں اس کی محرومی کا موجب بنے گا اور یہ کافر کے بہت زیادہ حریص ہونے کی طرف اور مؤمن کے قناعت و میلانہ روی اور دنیا سے زہد و تقویٰ کی طرف اشارہ ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لعلی قاری ص ۱۸۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: تم پیٹ کو کھانے پینے کے ساتھ بھرنے سے بچاؤ کیونکہ کثرت خوراک جسم کو فاسد و خراب کر دیتی ہے اور نماز پڑھنے سے سست اور کامل بنا دیتی ہے اور تم اپنے اوپر کم کھانا چاہنا لازم کر لو کیونکہ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی عبادت کے لیے مفید و موثر ہے اور اسراف و فضول خرچی سے بہت دور ہے اور اللہ تعالیٰ مومن کے بدن کو ناپسند کرتا ہے اور کوئی آدمی اس وقت تک تباہ و برباد نہیں ہوتا جب تک اس کی نفسانی خواہشات اس کے دین پر غالب نہیں ہو جاتیں۔ [تفسیر مظہری ج ۳ ص ۳۴۷ حاشیہ: ۲، مطبوعہ دارالکتاب، دہلی، ادارہ اشاعت العلوم]

امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کے پیٹ سے بڑھ کر کسی برتن کو بھرتا نہ انہیں۔ ابن آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی کمر قائم رہ سکے اور اگر اس نے لاعمال زیادہ کھانا ہو تو (پیٹ کا) تہائی حصہ کھانے کے لیے رکھے اور تہائی حصہ پانی کے لیے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لیے رکھے۔ [تفسیر بیان القرآن ج ۳ ص ۱۰۵، الترید یک سنال لاہور]

۱۷۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْأَكْلِ مُتَكِنًا

ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت

۴۱۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي حُجْرَةَ لَمَّا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَنَا فَلَا أَكُلُ مُتَكِنًا أَكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَاضْرَبْ كَمَا يَضْرِبُ الْعَبْدُ وَاعْبُدْ رَبِّي حَتَّى يَأْتِيَنِيَ الْوَقْتُ.

حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا بلکہ میں اس طرح (عاجزی کے ساتھ) کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے اور اس طرح چپتا ہوں جس طرح غلام چپتا ہے اور میں تو اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے۔

بخاری (۵۳۹۹) ترمذی (۱۸۳۰)

حل لغات

”أَشْرَبَ“ میضہ واحد مکمل فعل مضارع معروف مثبت باب مَسَجَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: پانی پینا، پانی کا گھونٹ لینا، سیراب ہونا۔ ”مَشَكَا“ اس کا معنی ہے: تکیہ لگا کر بیٹھنا، ٹپک لگا کر بیٹھنا۔ ”الْيَقِينُ“ اس کا معنی یہاں موت ہے، چونکہ موت ملنے والی نہیں بلکہ یقینی طور پر آتی ہے اس لیے یقین بہ معنی موت ہے۔

کھانا کھانے کے مکروہ طریقے

نبی کریم ﷺ ہر معاملہ میں تواضع، انکساری، عاجزی اور سادگی کو پسند فرماتے تھے جبکہ تکبر و غرور، رفعت و بڑائی، نام و نمود اور تکلف و تصنع کو بے حد ناپسند فرماتے تھے سو اس لیے آپ دیگر کاموں کی طرح کھانا کھانے میں بھی تواضع اور انکساری پیش نظر رکھتے اور تکبر لوگوں کی طرح ٹپک لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ آپ دو زانو بیٹھ کر (تشہد کی حالت میں) یا دونوں زانوؤں کو کھڑا کر کے یا داہنے زانو کو کھڑا کر کے بائیں زانو کو لٹا کر اس پر بیٹھ کر کھانا تناول فرما لیتے تھے، کیونکہ ٹپک لگانے کی چار صورتیں ہیں: (۱) دونوں پاؤں پر ٹپک لگا کر بیٹھنا (۲) دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو زمین پر رکھ کر ٹپک لگانے (۳) کسی گدے وغیرہ پر چوڑی مار کر گادے کی طرح ٹپک لگا کر بیٹھنا (۴) دو پاؤں پر ٹپک لگا کر بیٹھنا (۵) کمر (یعنی پشت) دیوار یا تکیہ وغیرہ سے ٹپک لگا کر بیٹھنا۔ یہ چاروں قسمیں کھانے کے دوران مذموم ہیں کیونکہ ان میں تکبر و غرور کا اظہار ہوتا ہے جس طرح ٹپک لگا کر کھانا چننا مذموم و مکروہ ہے اسی طرح بلا ضرورت کھڑے ہو کر کھانا چننا بھی مذموم و مکروہ ہے چنانچہ حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں: ہم نے پوچھا: (کھڑے ہو کر) کھانا کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو حضرت انس نے کہا: یہ اس سے زیادہ برا بدترین عمل ہے۔ [صحیح مسلم کتاب الاشرۃ باب کرمۃ الشرب ص ۵۵۸: ۵۵۹]

سوئے چاندی کے برتن میں
کھانے پینے اور ریشم
پہننے سے ممانعت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سوئے چاندی کے برتن میں کھانے اور پینے اور ریشم اور دیباچ پہننے سے منع فرمایا ہے آپ نے فرمایا: یہ چیزیں دنیا میں مشرکین کے لیے ہیں اور آخرت میں تمہارے لیے ہوں گی۔

بخاری (۵۶۳۳) مسلم (۵۴۰۰) ابن ماجہ (۳۵۹۰) مسند احمد (۲۳۶۵۸)

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدائن میں ایک کسان کے پاس مہمان بن کر ٹھہرے سو وہ کھانا لے کر آیا اور ہم نے کھایا پھر حضرت حذیفہ نے پانی منگوایا تو وہ آدمی چاندی کے ایک برتن میں پانی لے کر آیا حضرت حذیفہ نے وہ

۱۸۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْأَكْلِ
وَالشُّرْبِ فِي آيَةِ الذُّهَبِ
وَالْفِضَّةِ وَلَبَسِ الْحَرِيرِ

۴۱۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ حَلِيفَةَ قَالَ
لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ شَرِبَ
فِي آيَةِ الذُّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ تَأْكُلَ فِيهَا وَأَنْ تَلْبَسَ
الْحَرِيرَ وَالذِّبْيَاجَ قَالَ وَهِيَ لِلْمُشْرِكِينَ فِي الدُّنْيَا
وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ.

۴۱۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ نَزَلْنَا مَعَ حُذَيْفَةَ عَلَى دِهْقَانَ
بِالْمَدَائِنِ فَأَتَى بِطَعَامٍ فَطَعِمَنَا ثُمَّ دَعَا حُذَيْفَةَ بِشَرَابٍ
فَأَتَى بِشَرَابٍ فِي إِنَاءٍ فِضَّةٍ فَضَرَبَ بِهِ وَجْهَهُ لَسَاءَ

برتن اس آدمی کے منہ پر دے مارا سو ہمیں بہت بُرا لگا کہ آپ نے یہ کیا کر دیا حضرت حذیفہؓ نے خود فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اس کے ساتھ یہ عمل کیوں کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا: نہیں! (ہمیں کچھ معلوم نہیں) آپ نے فرمایا کہ میں بچپلے سال بھی اس کے پاس آ کر ٹھہرا تھا اور میں نے اس سے پانی منگوا یا تھا تو یہ میرے پاس چاندی کے برتن میں پانی لے کر آیا تھا اور میں نے اس کو بتلایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے پینے سے اور ریشم اور دیباچ پہننے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں شرکین کے لیے ہیں اور آخرت میں ہمارے لیے ہوں گی۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن الیمان نے ایک کسان سے پانی طلب کیا تو وہ چاندی کے برتن میں پانی لے کر آیا آپ نے برتن لیا اور اسے اس کسان کے منہ پر مار دیا اور فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں چاندی کے برتن میں پینے سے منع فرمایا ہے۔

مسلم (۵۳۹۴) ابوداؤد (۳۷۲۳) ترمذی (۱۸۷۸) نسائی (۵۳۰۳)
حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم عاتن میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے سو آپ نے ایک کسان سے پینے کے لیے پانی طلب کیا تو وہ چاندی کے گلاس میں پانی لے کر آیا آپ نے اسے پھینک دیا پھر فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتن سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ دنیا میں یہ چیزیں لالچ (شرکوں) کے لیے ہیں اور آخرت میں تمہارے لیے ہوں گی۔

نَا مَا صَنَعَ فَقَالَ اقْدِرُونَ لِمَا صَنَعْتُ بِهِ هَذَا فَقُلْنَا لَا فَقَالَ إِنِّي نَزَلْتُ عَلَيْهِ فِي الْعَامِ الْمَاضِي فَذَهَرْتُ بِشَرَابٍ فَاتَّابَنِي بِشَرَابٍ فِيهِ فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا أَنْ نَأْكُلَ فِي أَيْتَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ نَشْرَبَ فِيهَا وَأَنْ نَلْبَسَ الْحَبْرَ وَالْوَبْيَاجَ فَإِنَّهَا يُلْمَسُ بِكَمْنٍ فِي الدُّنْيَا وَهِيَ تَنَالِي الْأَجْرَةَ. مسلم (۵۳۹۴) ابوداؤد (۳۷۲۳) ترمذی (۱۸۷۸) نسائی (۵۳۰۳)

۴۱۸۔ مَخْلُوقٌ عَنْ أَبِيهِ هُنَّ أَبِي قُرُوقًا عَنْ هَبِ الرُّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ اسْتَسْقَى حَذِيفَةُ بْنُ الْيَمَانِ مِنْ وَهْقَانٍ فَاتَّابَنِي بِشَرَابٍ فِي إِيَّاهُ فِضَّةٌ فَأَعَدَّ الْإِنَاءَ فَشَرَبَ بِهِ وَجْهَهُ وَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُشْرَبَ فِي أَيْتَةِ الْفِضَّةِ.

۴۱۹۔ اُمُو حَذِيفَةَ عَنِ التَّعْمِيمِ هُنَّ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ كُنَّا مَعَ حَذِيفَةَ بِالْمَدَائِنِ فَاسْتَسْقَى وَهْقَانًا فَأَتَاهُ بِهِ فِي جَامٍ فِضَّةٍ فَرُمِي بِهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ أَيْتَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَقَالَ هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمُ فِي الْآخِرَةِ.

حل لغات

”اَيْتَةُ“ اس کا معنی ہے: برتن اور اس کی جمع ”اَوَالِي“ آتی ہے۔ ”وَهْقَانٌ“ ملا علی قاری لکھتے ہیں کاس میں دال کسور اور مضموم دونوں طرح پڑھی جاتی ہے اس کا معنی ہے: کسان۔ ”فَسَاءَ نَا“ اس میں قاف حروف عطف ہے اور ساء صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: بُرا لگنا ناگوار گزرنا۔ ”اسْتَسْقَى“ یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب استغاث سے ہے اس کا معنی ہے: پانی طلب کرنا۔

سونے چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس کی ممانعت

امام بخاری اور امام مسلم نے اس باب کی پہلی حدیث کو حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ

ہیں:

لا تلبسوا الحرير ولا الذهب ولا لنبسوا
فی آتية الذهب والفضة ولا تأكلوا فی صحافهما
ثم نہ ریشم پہنو اور نہ دیباچ تم سونے چاندی کے برتن میں پانی
و غیرہ نہ پیو اور نہ ان کے پیالوں میں کھانا کھانا کیونکہ یہ چیزیں دنیا
میں ان (مشرکین) کے لیے ہیں اور آخرت میں تمہارے لیے ہیں۔

اور بخاری و مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یوں ہے:
لا تلبسوا الحرير فانه من يلبسه فی الدنيا
ثم ریشم نہ پہنا کر دیکھو جو شخص اسے دنیا میں پہنے گا وہ اسے
آخرت میں نہیں پہنے گا۔

امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت معاویہ سے روایت ہے کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سونے چاندی کے برتن میں پینے
سے اور سونے اور ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے۔

امام مسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ بے شک جو شخص چاندی کے برتن میں کھائے گا اور پے گا
اس کے پیٹ میں دوزخ کی آگ جوش حرارت میں آوازیں نکالے گی۔ طبرانی نے مزید روایت کیا ہے کہ "الا ان یعوب" مگر یہ کہ
دو تہہ کر لے۔ [شرح مسند امام اعظم لاطالی قاری ص ۱۰۳-۱۰۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

واضح رہے کہ سونے چاندی اور ریشم کا استعمال صرف مردوں کے لیے ممنوع ہے لیکن عورتوں کے لیے ان کا استعمال ممنوع نہیں
کیونکہ یہ چیزیں زیب و زینت اور آرائش و سنگھار حاصل کرنے کے لیے پہنی جاتی ہیں جو عورتوں کے لیے ہی مناسب و موزوں ہیں
چنانچہ علامہ بیہر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ سورۃ الزخرف کی آیت اشعارہ کے تحت لکھتے ہیں کہ اس آیت سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے
کہ عورتوں کو زیور پہنانا جائز ہے۔ حدیث نبوی سے بھی اس کی تائید ملتی ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ ﷺ نے فرمایا:

لبس الحریر والذهب حرام علی ذکور
یعنی ریشم اور سونے کا استعمال میری امت کے مردوں پر حرام
امنی وحلال لانا تھا۔ ہے اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔

علامہ ابوبکر صا ص متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ محدثین سے لے کر آج تک عورتیں زیور پہنتی آئی ہیں
اور کبھی کسی نے اس کو ناجائز و حرام نہیں کہا اس لیے اخبار آحاد سے عورتوں کے لیے زیور کی ممانعت ثابت نہیں ہو سکتی۔

[احکام القرآن ج ۳]

لوٹ: ماخوذ از تفسیر غیاء القرآن ج ۳ ص ۴۰۶

۱۹۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الذُّبَاءِ وَالْحَنْتَمِ
۴۲۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ ثَابِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الذُّبَاءِ وَالْحَنْتَمِ.

کدو کے برتن اور سبز منگلے کے استعمال کی ممانعت
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کدو
سے تیار کردہ برتن اور سبز منگلے کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔

بخاری (۵۵۹۴) مسلم (۵۱۲۶) ابوداؤد (۳۶۹۰) نسائی (۵۶۴۰)

حل لغات

”ذُبَا“ اس کا معنی ہے: کدو گھیا تو نبی۔ ”الْحَنْتَم“ اس کا معنی ہے: سبز رنگ کے ہرے گھڑے اور منگلے۔

ان برتنوں کے استعمال کی ممانعت منسوخ ہے

در اصل اسلام کے ابتدائی دور میں جب مدینہ منورہ میں شراب کو حرام قرار دیا گیا تو جن برتنوں میں شراب بنا کر رکھی جاتی تھی اور جن برتنوں میں شراب پی جاتی تھی ان کے استعمال کو بھی ممنوع قرار دیا گیا کیونکہ اگر یہ برتن استعمال ہوتے رہتے تو ممکن تھا کہ مسلمانوں کو چھوٹی ہوئی شراب پھر دوبارہ یاد آ جاتی اس لیے شروع میں ان کا استعمال بھی حرام کر دیا گیا پھر جب لوگوں کے ذہنوں میں شراب سے مکمل نفرت راسخ اور پختہ ہو گئی تو پھر ان برتنوں کی حرمت منسوخ ہو گئی اور ان کا استعمال جائز قرار دے دیا گیا جیسا کہ آگے احادیث میں اس کا بیان آ رہا ہے بہر حال چار قسم کے برتن شراب کے لیے استعمال ہوتے تھے: (۱) دہناء (۲) حسنم (۳) مؤزقت (۴) نغیر۔ "دہناء" سے وہ برتن مراد ہیں جو بچے کد کو اندر سے کھوکھلا کر کے تیار کیے جاتے تھے جبکہ اور صراحی وغیرہ کی طرح استعمال کیے جاتے تھے۔ "الحسنم" سے وہ مٹکے اور گڑے مراد ہیں جن پر سبز رنگ پھیر کر شراب کے لیے مخصوص کر لیا جاتا تھا۔ "مؤزقت" سے وہ برتن مراد ہیں جن پر تار کول جسے لنگ بھی کہا جاتا ہے تل کر مضبوط بنایا جاتا تھا۔ "نغیر" سے وہ برتن مراد ہیں جو درشتوں کی جڑوں کو چھید کر اندر سے کھوکھلا کیا جاتا تھا اور ہموار و ملائم کر کے برتن بنایا جاتا تھا۔

قبروں کی زیارت، قربانی کے گوشت

اور شراب کے برتنوں کے احکام

حضرت امین بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہم نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا سوا ب محمد ﷺ کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت عیادت کی گئی ہے پس اب تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو لیکن وہاں تم کوئی بے ہودہ بات نہ کہنا اور بے شک ہم نے تمہیں تین دن سے زیادہ قربانیوں کا گوشت روک کر رکھنے سے منع کیا تھا تاکہ تم میں سے مال دار و خوشحال لوگ تمہارے تنگ دستوں اور غریبوں پر کھاوا کی کر سکیں اور اب اللہ تعالیٰ نے تم سب کو خوشحال کر دیا ہے پس اب تم کھاؤ اور ذخیرہ بھی کر لو۔ اور تمہیں حلتہ مؤقتہ تعمیر اور دہانائی برتنوں میں پینے سے منع کیا گیا تھا سوا ب تم ہر برتن میں جس میں چاہو پیا کرو کیونکہ برتن کسی چیز کو نہ حلال کرتے ہیں اور نہ کسی چیز کو حرام کرتے ہیں لیکن تم نشہ آور چیز ہرگز نہ پیتا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم نے تمہیں تین چیزوں سے منع کیا تھا: (۱) زیارت قبور سے (منع کیا تھا) سوا ب تم ان کی زیارت کیا کرو (۲) اور ہم نے تمہیں تین سے زائد قربانیوں کا گوشت روک کر رکھنے سے منع کیا تھا سوا ب تم اس کو رکھ سکتے ہو اور جمع

۲۰۔ بَابُ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ
وَلِحُومِ الْأَضَاجِي وَالظُّرُوفِ

۴۲۱۔ اَهُوَ حَنِيفَةٌ عَنْ عُلَمَاءَ عَنْ سَلَمَانَ ابْنِ سُوَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَهَيْتُمُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ لَقَدْ أُوْنِ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أَبِي قُرَيْشٍ وَوَرَوَاهَا وَلَا تَقُولُوا هُنَا وَعَنْ لِحُومِ الْأَضَاجِي أَنْ تَمْسِكُوهَا قَوْفِي فَلَسْنَا إِيَّاهُمْ وَإِنَّا نَهَيْتُمُكُمْ لِيُؤْتِيَعِ مَوْبِعُكُمْ عَلَى قَبْرِكُمْ وَالْآنَ قَدْ وَشَعَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَكُلُوا وَتَزَوَّدُوا وَعَنِ الشَّرْبِ فِي الْحَسَنِ وَالْمُزَقَّتِ وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ النَّبِيِّ وَالنَّبَاءِ فَاشْرَبُوا فِي كُلِّ عَرَفٍ وَشِمَمَ لِمَنْ الْعَرَفَ لَا يَحِلُّ شَبْنًا وَلَا يَحْرِمُهُ وَلَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا.

وَفِي رِوَايَةٍ لَمَّا إِنَّا نَهَيْتُمُكُمْ عَنْ قُلُوبِ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزَوَّدُوا وَنَهَيْتُمُكُمْ أَنْ تَمْسِكُوهَا لِحُومِ الْأَضَاجِي قَوْفِي فَلَسْنَا إِيَّاهُمْ فَامْسِكُوهَا وَتَزَوَّدُوا فَمَسَا نَهَيْتُمُكُمْ لِيُؤْتِيَعِ عَلَيْكُمْ عَلَى

لَقَدْ رَكِمْتُمْ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ أَنْ تَشْرَبُوا فِي الثَّنَاءِ وَالْمَزَلَّتْ
لَا شَرَبُوا فِيمَا بَدَا لَكُمْ لَوْنُ الظَّرْفِ لَا يُجِلُّ خَبَا
وَلَا يُحَرِّمُهُ وَلَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا.

بھی کر سکتے ہو اور بے شک ہم نے تمہیں اس لیے منع کیا تھا تا کہ تمہارے
مال دار لوگ تمہارے غریبوں، محتاجوں پر کشارگی کریں (۳) اور ہم نے
تمہیں دہاء اور حضرت برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا، سواب تم جس میں
مناسب سمجھو اس میں پی لو کیونکہ برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتے ہیں اور نہ
کسی چیز کو حرام کرتے ہیں لیکن تم نشا اور چیز مت پینا۔

وَلَيْ فِي رَوَايَةِ نَحْوَهُ وَفِيهِ عَنِ الثَّنَاءِ
وَالْحَسَنِيِّ وَالْمَزَلَّتْ لَأَشْرَبُوا فِي كُلِّ ظَرْفٍ وَلَا
تَشْرَبُوا مُسْكِرًا.

اور ایک روایت اسی طرح ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ہم نے
تمہیں دہاء، حشم اور حضرت برتنوں میں غبیذ پینے سے منع کیا تھا، سواب تم
ہر قسم کے برتن میں پی سکتے ہو لیکن تم نشا اور چیز ہرگز نہ پینا۔

مسلم (۵۱۱۴) ابوداؤد (۳۶۹۸) نسائی (۵۶۵۶)
۴۲۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَحُمَادٍ حَدَّثَاهُ
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَرْزَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ قَالًا أَشْرَبُوا فِي كُلِّ ظَرْفٍ لَوْنُ
الظَّرْفِ لَا يُجِلُّ خَبَا وَلَا يُحَرِّمُهُ.

حضرت عبداللہ بن بربزہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے وہ نبی کریم ﷺ
سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تم ہر برتن میں پی سکتے ہو
کیونکہ برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو حرام کرتا ہے۔

مسلم (۵۲۰۸) ترمذی (۱۸۶۹) ابن ماجہ (۳۴۰۶)

حل لغات

”قَزَوْذَوْهَا“ اس میں ”زَوْذَوْ“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف حاضر ثبت باب نَصَوُ سے ہے اس کا معنی ہے:
زیارت کرنا ملاقات کرنا۔ آخر میں غاصیر مفعول بہ ہے۔ ”يَهْجُرُوا“ یہ معنی ہے ہودہ ہات کرتا، تہی ہات کہنا۔ ”قَزَوْذَوْهَا“ صیغہ جمع
مذکر حاضر فعل امر معروف حاضر ثبت باب قَعْل سے ہے اس کا معنی ہے: ذخیرہ کرنا، جمع کرنا۔

زیارت قبور اور قربانی کے گوشت ذخیرہ کرنے کی اجازت

شروع اسلام میں زیارت قبور مسلمان مردوں، عورتوں کو منع تھی کیونکہ لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے اس وقت اندیشہ تھا کہ بت
پرستی کے عادی ہونے کی وجہ سے اب قبر پرستی شروع کر دیں جب ان میں اسلام اور عقیدہ توحید راسخ ہو گیا تو یہ ممانعت منسوخ ہو گئی
اور زیارت قبور کی اجازت دے دی گئی اور اسی طرح جب شراب حرام ہوئی تو شراب کے برتن استعمال کرنا بھی منوع ہو گیا تا کہ لوگ
برتن دیکھ کر پھر شراب یا دھ کر لیں لیکن جب لوگ ترک شراب کے عادی ہو گئے اور ان کے ذہنوں میں شراب کی نفرت کمال راسخ ہو گئی
تو پھر برتنوں کے استعمال کی ممانعت منسوخ ہو گئی اور ہر قسم کے برتنوں میں کھانے پینے کی اجازت دے دی گئی نیز شروع اسلام میں
مسلمانوں پر غربت و افلاس کا غلبہ تھا اس لیے قربانی کرنے والوں کو حکم تھا کہ جس قدر گوشت تم تین دن کے اندر کھا سکو وہ کھا لو باقی
غریبوں میں خیرات کر دو پھر جب اللہ تعالیٰ نے کاروبار اور اموال غنیمت وغیرہ سے مسلمانوں کو خوشحال بنا دیا اور عام مسلمان بھی قربانی
کرنے لگے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اب چاہے سال بھر تک قربانی کا گوشت کھاؤ۔

[ماخوذ از المرأة الناجح شرح مشکوٰۃ الصالح ج ۳ ص ۵۳۳-۵۳۴ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ کمرات]

غبیذ پینے کا جواز

۲۱۔ بَابُ فِي جَوَازِ شَرْبِ النَّبِيذِ

۴۲۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ ابْنِ أَبِي هَاشِمٍ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ مَسْعُودٍ وَهُوَ يَأْكُلُ عَصَا مَا نَمَّ ذَعَا بَنِيهِ فَشَرِبَ فَقُلْتُ رَحِمَكَ اللَّهُ تَشَرَّبُ الشَّبِيذَ وَالْأَمَةُ تَقْتَدِي بِكَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ الشَّبِيذَ وَلَوْ لَا اتَيْنِي رَأَيْتُهُ يَشْرَبُ مَا شَرِبْتُهُ.

مسلم (۵۲۳۲) ابوداؤد (۳۷۱۱) ترمذی (۱۸۷۱)

۴۲۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ وَمُسْعَرٌ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَبِيدِ الزَّبِيبِ وَالْفَحْرِ وَالْبَسْرِ وَالنَّمْرِ.

۴۲۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَحَمَّادٍ ابْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَرْثَدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا.

سابقہ (۴۲۱)

حل لغات

”شَبِيذ“ اس کا لغوی معنی ہے: پھینکنا، لیکن مراد یہ ہے کہ رات کو چند کھجوریں یا چھوہارے پانی میں ڈال دیئے جائیں صبح کو اس کا ٹھنڈا پانی پی لیا جائے اس پانی کو نبیذ کہتے ہیں۔ ”تَقْتَدِي“ صیغہ واحد مؤنث غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب التعلال سے ہے اس کا معنی ہے: اقتداء کرنا، پیروی کرنا۔ ”الزَّبِيبُ“ اس کا معنی ہے: کشش، منقہ۔ ”الْبَسْرُ“ کھکی کھجور۔

نبیذ کا معنی فائدہ پینے کی شرط اور جواز کا ثبوت

پانی میں حسب خواہش کھجوریں یا چھوہارے یا منقہ یعنی کشش وغیرہ ڈال کر بھگو دیا جائے پھر تقریباً سات آٹھ گھنٹے کے بعد جب ان چیزوں کی مٹھاس پانی میں اثر کر جائے اور مٹھا شربت تیار ہو جائے تو اس کو پی لیا جائے اس کو نبیذ کہتے ہیں یہ مقوی، مفرح اور ہاضمہ کے لیے بڑا مفید ہوتا ہے البتہ نبیذ پینے کے جواز میں یہ شرط لازمی ہے کہ وہ اس قدر گاڑھا نہ ہو جائے کہ اس کا بہاؤ ختم ہو جائے اور وہ جھاگ چھوڑنے لگے اور نشہ آور ہو جائے کیونکہ ایسی صورت میں اس کا پینا جائز نہیں ہے۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

شائک ترمذی میں حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ (رسول اللہ کے مخصوص پیالہ کی طرف اشارہ کر کے) فرماتے ہیں کہ بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس پیالہ میں پینے کی تمام قسم کی اشیاء پانی، نبیذ، شہد اور دودھ وغیرہ سب چیزیں پلائی ہیں۔

اور صحیح مسلم میں ہے کہ رات کے پہلے حصہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نبیذ بنائی جاتی تھی (کھجوریں وغیرہ پانی میں بھگو دی جاتی تھی) جس کو رسول اللہ ﷺ اسی رات کے بعد آنے والی صبح کو نوش فرماتے اور دوسرے دن عصر تک اس کو رکھ دیا جاتا

حضرت علقمہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ کھانا کھا رہے ہیں پھر آپ نے نبیذ منگوا دیا اور اسے پی لیا تو میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے! کیا آپ نبیذ پی رہے ہیں؟ حالانکہ اُمت تو آپ کی اقتداء کرتی ہے۔ سو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے اور اگر میں نے آپ کو یہ پیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں اسے کبھی نہ پیتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منقہ اور کھجور سے (خلوط) اور کھکی اور کھکی کھجور کی (خلوط) نبیذ سے منع فرمایا۔

بخاری (۵۶۰۱) مسلم (۵۱۴۵) ابوداؤد (۳۷۰۳) ابن ماجہ (۳۳۹۵)
حضرت عبداللہ بن مریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم نشہ آور چیز ہرگز نہ پیا کرو۔

اور اسے استعمال کیا جاتا، پھر اس میں سے باقی ماندہ کو خدام استعمال کر لیتے تھے یا اس کو تلف کر دیا جاتا تھا اور یہ نبیذ اس پر محمول ہے کہ اس کو آگ پر ہلکا جوش دے کر تھوڑا سا پکایا جائے۔

اور الخلاصہ میں ہے کہ کھجور کی نبیذ یا کشمش کی نبیذ کو جب ہلکا سا پکایا جائے، پھر وہ قدرے سخت ہو جائے (یعنی گاڑھا ہو جائے) امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے فرمان کے مطابق اس کا پینا جائز ہے بشرطیکہ وہ نشہ آور نہ ہو جبکہ اس کو پینے سے مقصود کھانے کا ہاضمہ ہو لیکن لذت نفس اور کھیل تماشا نہ ہو۔ اور امام محمد نے فرمایا: اس کا پینا جائز نہیں، ایسے نبیذ کی قلیل مقدار بھی حرام ہے اور کثیر مقدار بھی حرام ہے۔ فقیہ ابواللیث نے کہا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور جب اس کو کھو دلو لب اور لذت و راحت کے لیے پیا جائے تو پھر تھوڑی مقدار بھی حرام ہے اور زیادہ مقدار بھی حرام ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

اس باب کی دوسری حدیث میں کشمش اور کھجوروں سے نبیذ بنانے اور کھجور اور کھجور یا چھوہاروں سے نبیذ بنانے سے منع کیا گیا ہے جس سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ چیزوں میں سے اکیلی چیز سے نبیذ بنانا تو جائز ہے لیکن دو چیزوں سے جسے غلیظین کہتے ہیں نبیذ بنانا جائز نہیں جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جب ان کا الگ الگ نبیذ بنانا جائز ہے تو ملا کر نبیذ بنانا بھی جائز ہے حالانکہ علامہ نووی شافعی کہتے ہیں کہ اس قول سے صحیح احادیث کا ترک لازم آتا ہے۔

جواب

علامہ بدرالدین عینی کہتے ہیں:

امام ابو حنیفہ پر احادیث صحیحہ کے ترک کرنے کا الزام غلط ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ نے جو دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانے کو جائز کہا ہے تو یہ محض اپنی رائے سے نہیں کہا بلکہ امام ابو حنیفہ نے احادیث کی بناء پر اس کو جائز کہا ہے وہ احادیث حسب ذیل ہیں:

(۱) امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے لیے کشمش اور چھوہاروں کو پانی میں ڈال کر نبیذ تیار کیا جاتا تھا۔

(۲) امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ بنت عطیہ قبیلہ عبد القیس کی عورتوں کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ان سے کھجوروں اور کشمش کے متعلق سوال کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں ایک مٹھی میں چھوہارے لیتی اور ایک مٹھی میں کشمش لیتی اور ان کو پانی میں ڈال کر نبیذ بناتی، پھر نبی کریم ﷺ کو پلاتی۔

(۳) امام محمد بن حسن اپنی سند کے ساتھ کتاب الآثار میں روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ابن زیاد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس روزہ افطار کیا، حضرت ابن عمر نے ان کو ایک مشروب پلایا، دوسرے دن ابن زیاد نے کہا: آپ نے مجھے کیا پلایا تھا؟ لگتا تھا کہ مجھے اپنے گھر کا راستہ بھی نہیں ملے گا! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نے تم کو صرف مجوہ (سب سے عمدہ کھجور) اور کشمش کا نبیذ پلایا تھا۔

شیخ ابن حزم نے ان احادیث کی اسانید پر جرح کی ہے لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث ایک دوسرے کی تقویت و تائید کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے اس کی حکمت میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ جب شروع شروع میں تنگ دستی اور قحط کا زمانہ تھا تو اس وقت آپ نے قحط کے پیش نظر دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا تھا اب یہ منسوخ ہے۔ [شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۲۳۳، بحوالہ عمدة القاری ج ۲ ص ۱۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، معترض ۱۳۸۲ھ]

۲۲۔ بَابُ حُرْمَتِ النَّخْمِ

وَالْمُسْكِرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ

۴۲۶۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ اَبِي عَوْنٍ مُحَمَّدٍ الْقُفَيْطِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ اَبِي عُبَّاسٍ اَنَّهَ قَالَ حُرِّمَتِ النَّخْمُ لِقَوْلِهَا وَكَثِيرُهَا وَالسُّكْرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ.

شراب اور ہر نشہ آور

مشروب حرام ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شراب حرام کر دی گئی ہے اس کی تھوڑی سی مقدار بھی اور اس کی زیادہ مقدار بھی اور ہر نشہ آور مشروب حرام کر دیا گیا ہے۔

وَلَيْسَ بِوَأَنَّهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمَّا حُرِّمَتِ النَّخْمُ لِقَوْلِهَا وَكَثِيرُهَا وَالسُّكْرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ. اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شراب حرام کر دی گئی اس کی تھوڑی اور زیادہ مقدار بھی اور ہر نشہ آور مشروب۔ (۵۶۸۱۵۵۶۸۶) لکھی۔

خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت میں اختلاف

کتاب لغت کو بہ طریق انصاف دیکھنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خمر (شراب) انگور کے نشہ آور (کچے) شیرہ کو کہتے ہیں عرب کا یہی محاورہ تھا اور قرآن مجید چونکہ لغت عرب میں نازل ہوا ہے اس لیے قرآن مجید میں بھی انگوروں پر خمر کا اطلاق کیا گیا ہے اس لیے اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح ہے جبکہ ائمہ عظام اور دیگر فقہاء کی رائے میں ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہتے ہیں اس اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک خمر یعنی انگور کے نشہ آور کچے شیرہ کی حرمت قطعی اور یقینی ہے اور باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب خمر ہے اور اس کی حرمت قطعی ہے یہ واضح رہے کہ اس اختلاف کے باوجود تمام ائمہ اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے البتہ حرمت کی نوعیت میں اختلاف ہے چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک خمر کی حرمت قطعی ہے اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے خواہ نشہ آور ہو یا نہ ہو اور اس کے پینے پر حد مطلقاً واجب ہے خواہ خمر کو بہ قدر نشہ پیا جائے یا اس سے کم اور باقی مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں اس مقدار میں پئے جائیں تو حرام ہیں اور نشہ ہونے پر حد واجب ہے اور اگر نشہ آور مشروبات کو اس سے کم مقدار میں پیا جائے تو پھر نہ حرام ہیں نہ نجس و ہلید ہیں اور نہ ان پر حد واجب ہے اس کے برخلاف باقی ائمہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب خمر ہے اور اس کو پینا مطلقاً حرام ہے خواہ بہ قدر نشہ پیا جائے یا اس سے کم۔

[شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۸۱-۱۸۰ مطبوعہ فریڈ بک سٹال کوئٹہ]

خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کی قلیل مقدار کے جواز پر قرآن مجید سے استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمِنْ قَمَرَاتِ النَّوَحْلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكْرًا وَرِزْقًا حَسَنًا (احقاف: ۶۷)

اور سمجھو اور انگور کے کچے پھل ہیں (کہ پانی میں ڈال کر) تم ان سے ٹیڈ اور اچھا رزق بناتے ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فقہاء احناف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ٹیڈ کی غیر نشہ آور مقدار کو پینا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے پیدا کرنے کو اپنے بندوں پر احسان قرار دیا ہے اور احسان اسی چیز کا ہو سکتا ہے جو حلال ہو لہذا یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ جب

تک فیذ نشأ ورنہ ہو اس کا پوتا جائز ہے اور جب وہ نشہ کی حد کو پہنچ جائے تو پھر اس کا پوتا جائز نہیں ہے اور اس استدلال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام دارقطنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خمر کو بے حد حرام کیا گیا ہے خواہ للیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے ابراہیم نخعی امام ابو جعفر طحاوی اور سفیان ثوری وغیرہ کا یہی مذہب ہے کہ فیذ جب تک نشہ کی حد کو نہ پہنچے اس کا پوتا جائز ہے نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ
وَالْأَنصَابُ وَالْآزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ
فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ
أَنْ يُرْفَعَنَّ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ
وَالْمَيْسِرِ وَيُغْضَىٰ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنتُمْ
مُنْتَهُونَ ۝ (المائدہ: ۹۱-۹۲)

اے ایمان والو! شراب، جوئے، بت اور فال کے تیر پلید ہیں، صرف
شیطانی کام ہیں، سو تم ان کاموں سے بچو تا کہ کامیاب ہو سکو۔ بے شک
شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے
درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے
اور نماز پڑھنے سے روک دے تو کیا تم (ان کاموں سے) باز آنے
والے ہو؟

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نشہ آور چیز کی قلیل مقدار حرام نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو حرام کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ خمر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے اور بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے اور نشہ آور مشروب کو قلیل مقدار میں پہنچنے سے یہ اوصاف پیدا نہیں ہوتے اور اگر ہم ظاہر آیت کا لحاظ کریں تو قلیل مقدار میں خمر بھی حرام نہیں ہونی چاہیے، لیکن ہم نے خمر کی قلیل مقدار میں قیاس کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خمر مطلقاً حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔ البتہ خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات میں ظاہر آیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ان کی قلیل مقدار اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکتی ہے نہ نماز سے روکتی ہے اور نہ بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے۔

خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کی قلیل مقدار کے حلال و جائز ہونے پر امام اعظم ابو حنیفہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک حدیث تو یہی ہے جو آپ نے اس مسند میں ابو یونس محمد ثقفی اور عبداللہ بن شداد کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے اور اس حدیث کو امام ابو یوسف نے کتاب الآثار میں امام ابن ابی شیبہ نے المصنف میں حافظ نور الدین ابی نعیم نے سنن دارقطنی میں اور امام نسائی نے پنج سندوں کے ساتھ سنن نسائی میں اور امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کیا ہے اس لیے ان تمام احادیث کو مختلف اسناد اور عربی متن کے ساتھ بیان کرنے کے بعد میرے مشفق و مربی استاذی الکترم لکھتے ہیں:

ہم نے حضرت ابن عباس کی اس روایت کے مستند کتب احادیث سے دس طرق بیان کیے ہیں، لہذا اس حدیث کے مشہور ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اس حدیث کی بعض اسانید کے تمام راوی صحیح ہیں جیسا کہ حافظ ابی نعیم نے تصریح کی ہے اور یہ حدیث حکماً مرفوع ہے اس لیے فقہاء احناف کا اس حدیث سے استدلال بالکل صحیح ہے کہ خمر کے علاوہ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار حلال ہے اور اس کا پوتا بالکل جائز ہے۔

نوٹ: تفصیلی بحث عربی متن اور حوالہ جات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۱۹۲-۱۸۹، مطبوعہ فرید بک

شال لاہور

شراب پینے اس کی خرید و فروخت کرنے

۲۳۔ بَابُ حُرْمَةِ شُرْبِ

الْخَمْرُ وَبَيْعُهَا وَآكُلُ ثَمَرِهَا

۴۲۷۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَيْسٍ اَلْهَمْدَانِي عَنْ اَبِي غَامِرٍ التَّقْفِي أَنَّهُ كَانَ يَهْدِي لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كُلِّ عَامٍ رَاوِيَةً مِّنْ خَمْرٍ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَجُلًا مِّنْ قَوْمِهِ يَكْنَى اَبَا غَامِرٍ كَانَ يَهْدِي لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّ عَامٍ رَاوِيَةً مِّنْ خَمْرٍ لَّمَّا هَدَى فِي الْعَامِ الَّذِي حُرِّمَتْ فِيهِ الْخَمْرُ رِوَايَةً كَمَا كَانَ يَهْدِي لَهُ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا غَامِرٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَذِ حَرَّمَ الْخَمْرَ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِي خَمْرِكَ لَآنَ عُلُهَا فَبَعَثَهَا لِمَا سَأَلْنَا بِفَضْلِهَا عَلَى حَاجَتِكَ لَقَالَ يَا اَبَا غَامِرٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَذِ حَرَّمَ شَرِبَهَا وَبَيْعَهَا وَآكُلُ ثَمَرِهَا.

مسلم (۴۰۴۴) مسند احمد (۲۰۴۱) مسند حمیدی (۱۰۳۴)

حل لغات

”یہدی“ صیغہ واحد مذکر قاصب، فعل مضارع معروف مثبت، باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: ہدیہ دینا۔ ”رَاوِيَةً“ اس کا ایک معنی ہے: چڑے کی بڑی ملک۔ ”لَمَّا سَأَلْنَا“ صیغہ واحد مذکر حاضر، فعل امر معروف مثبت، باب استفعال سے ہے اس کا معنی ہے: رد مانگنا۔

شراب پینا، فروخت کرنا، خریدنا اور اس کی قیمت لینا حرام ہے

اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ جس طرح حرمت کے بعد شراب پینا حرام ہے اس طرح اس کی خرید و فروخت اور اس کا کاروبار کرنا بھی حرام ہے اور اس کی قیمت وصول کر کے استعمال کرنا بھی حرام ہے اور دوسرا یہ مسئلہ بھی اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کسی چیز کو بطور ہدیہ دینا اور لینا سنت ہے کہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے حضرت ابو عامر ثقفی ہر سال نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شراب کی ایک بڑی مشک ہدیہ کے طور پر بھیجا کرتے تھے اور آپ اس ہدیہ کو قبول فرما لیتے اور حضرت ابو عامر ثقفی کی حوصلہ افزائی فرماتے ورنہ آپ کو شراب کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ و معصوم رکھا آپ نے نہ اعلان نبوت سے پہلے کبھی شراب پی اور نہ اعلان نبوت کے بعد کبھی شراب پی بلکہ شب معراج جب آپ کے سامنے جتنی شراب اور دودھ پیش کیا گیا تو آپ نے دودھ لے کر نوش فرمایا اور شراب کی بجائے دودھ کو ترجیح دی البتہ حضرت ابو عامر ثقفی کی طرف سے شراب کا ہدیہ قبول فرما لیتے تھے پھر یہ شراب اپنی طرف سے بطور ہدیہ کسی کو صدقہ میں دے دیتے تھے۔

[العلیق المحمد علی سوط امام محمد ص ۳۱۳ حاشیہ: ۱۰، مطبوعہ مطبع مہتابی، ۱۵ ہستال روڈ لاہور]

اور اس کی قیمت کھانے کی حرمت

حضرت ابو عامر ثقفی بیان کرتے ہیں: وہ ہر سال نبی کریم ﷺ کی خدمت میں شراب کی ایک بڑی مشک ہدیہ بھیجا کرتا تھا اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بنو ثقیف کا ایک آدمی جس کی کنیت ابو عامر تھی وہ ہر سال نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک بڑی مشک شراب کی ہدیہ بھیجا کرتا تھا پھر جس سال میں شراب کو حرام قرار دیا گیا تھا اس سال بھی وہ ایک بڑی مشک شراب کی ہدیہ لے کر حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو عامر! بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دے دیا ہے سو ہمیں تمہاری شراب کی ضرورت نہیں اس نے عرض کیا: آپ اسے لے لیں اور فروخت کر دیں اور اپنی ضرورت میں اس کی قیمت سے فائدہ اٹھائیں آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو عامر! بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کا پینا اس کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کھانا حرام قرار دے دیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۲۴۔ کتاب اللباس والزینة

۱۔ باب فی لبس القنسوة

۴۲۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنْسَوَةٌ شَامِيَةٌ وَلَيْسَ بِرَوَايَةٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنْسَوَةٌ بَيْضَاءَ خَامِيَّةٌ. المطاب العالي لابن جرير (۲۱۹۲)

حل لغات

”قَنْسَوَةٌ“ اس کا معنی ہے: ٹوپی جو سر پر پہنی جاتی ہے اور اس کی جمع ”قَنْسُوسٌ“ آتی ہے۔ ”بَيْضَاءُ“ اس کا معنی ہے: سفید۔ یہ ہم تفصیل ایضاً کا مَوْتُ ہے۔

ٹوپی اور عمامہ پہننے کا استحباب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ بغیر ٹوپی کے بھی پہنتے تھے اور آپ ﷺ یعنی ٹوپی پہنتے تھے اور جنگ میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے، بعض اوقات اپنی ٹوپی اتار کر اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے۔

علامہ مناوی لکھتے ہیں کہ حافظ عراقی نے جامع ترمذی کی شرح میں لکھا ہے کہ ٹوپیوں کے متعلق سب سے عمدہ سند کی حدیث یہ ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سفر میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے اور حضر (گھر) میں شامی ٹوپی پہنتے تھے۔

علامہ نظام الدین خلجی لکھتے ہیں:

ٹوپی پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ ٹوپی پہنتے تھے علامہ کروری نے دجیز میں اسی طرح لکھا ہے۔

علامہ عبدالوہاب شمرانی لکھتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نماز میں عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ سر ڈھانپنے کا عزم دیتے تھے اور ننگے سر نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی ٹوپی کے ساتھ اور کبھی بغیر ٹوپی کے عمامہ پہنتے تھے اور کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنتے تھے۔

علامہ محمد نور اللہ نعیمی فقیر اعظم بصیر پوری لکھتے ہیں:

ٹوپی پر عمامہ کا ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق بنانا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اور کوئی فرق ہے عی نہیں بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ہر علامت اسلام ہی فرق ہے تو اگر اکیلے ٹوپی بھی کسی زمانہ میں ملا سب اسلام بن جائے تو وہ بھی فرق بن جائے گی چنانچہ کافی مدت

سے قادری ٹوپی اور ترکی ٹوپی علامت اسلام ہیں اور موجودہ دور میں جناح کیپ تو ایسی ٹوپی کا پہننا جبکہ علامت اسلام ہے اور فرق ہے تو اس حدیث کے خشاء کے مخالف کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں! گامعہ ٹوپی وغیرہ جو شعار کفر ہیں وہ چونکہ علامت کفر ہیں لہذا ممنوع ہیں۔

نوٹ: عربی متن اور حوالہ جات کے لیے ملاحظہ فرمائیں شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۷۲-۷۱-۷۰ مطبوعہ فرید بک مثال اردو

بازار لاہور

۲۔ بَابُ فِي كَرَاهَةِ السَّدَلِ

۴۲۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ ابْنِ جُمَيْعَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِرَجُلٍ سَادِلٍ ثَوْبَهُ فَأَعْلَفَهُ عَلَيْهِ.

بدن پر کپڑا لٹکانے کی کراہت

حضرت ابن حنیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جس نے اپنا کپڑا دونوں جانب کندھوں پر لٹکایا ہوا تھا سو آپ نے اس پر شفقت فرماتے ہوئے اس کا کپڑا اس کے کاندھے پر رکھ دیا۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْقَطِعًا.

اور ایک روایت میں نبی کریم ﷺ سے حضرت علی بن ابی ترکی روایت کرتے ہیں یہ روایت منقطع ہے۔

سنن بیہقی (ج ۲ ص ۲۳۳) مصنف عبد الرزاق (ج ۱ ص ۳۳)

حل لغات

”سَادِلٌ“ غلطی قاری کہتے ہیں کہ ”سَادِلٌ“ میں وال کسور ہے اس طرح یہ سینہ واحد مذکر اسم فاعل بَابُ فَعَّلَ بِمَنْصُوبٍ ضَرْبُ مَنْصُوبِ دونوں سے آتا ہے اس کا معنی ہے: کپڑے کو کندھوں پر اس طرح لٹکانا کہ اس کے پلو دونوں جانب زمین کی طرف چمک رہے ہوں۔ ”فَأَعْلَفَهُ“ اس میں ”أَعْلَفَ“ سینہ واحد مذکر فاعل فعل ماضی معروف مثبت بَابُ فَعَّلَ سے ہے اور کاف ضمیر مفعول یہ ہے اس کا معنی ہے: جھکا دینا، موڑ دینا، ڈھرا کرنا، واپس کرنا۔

سَدَلٌ کی کراہت کا ثبوت

حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر سے باہر نکلے اور مسجد میں جا کر دیکھا کہ لوگ اپنے کپڑوں کے ساتھ سدل کر کے نماز پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا: گویا یہ یہودی ہیں جو اپنے کپڑوں اور گرجوں سے باہر نکلے ہیں۔

[کنز العمال: ۲۲۵۲۷- ج ۸ ص ۹۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، لبنان]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سدل کرنے سے منع فرمایا ہے اور نمازی کو اپنے منہ پر سر اور گردن سمیت ڈھالنے کی طرح کپڑا لپیٹنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ (اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے اپنی اپنی سنن میں روایت کیا ہے)۔

فائدہ

سدل کے معنی ہیں کہ نمازی چادر یا رد مال کو اپنے کندھوں پر اس طرح ڈالے کہ دونوں کناروں کو ٹکلتا ہوا چھوڑ دے اور وہ سٹے ہوئے نہ ہوں یا قبا یا عبا کو اس طرح اوڑھ لے کہ اس کی آستینوں میں ہاتھ نہ ڈالا جائے یا ایک چادر یا کسی کپڑے میں سارے بدن کو اس طرح لپیٹ لے کہ دونوں ہاتھ اسی چادر یا کپڑے میں داخل کر لیے ہوں جیسا کہ یہود کا دستور تھا ان چیزوں سے نماز مکروہ ہوتی

ہے۔ [امرات ابود المصنعات] اور حمدة الرعلية میں لکھا ہے کہ اگر چادر کے ایک کنارے کو لٹکتا ہوا چھوڑ دے اور دوسرے کنارے کو سمیٹ کر دوسرے کندھے پر ڈال لیا جائے تو یہ بدل نہیں کہلائے گا اور اس سے نماز مکروہ نہیں ہوتی۔

آج کل ہمارے اس زمانہ میں اہل عرب خصوصاً بدل کرتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ سر پر رومال رکھ کر اس کے دونوں اطراف سینے کی جانب لٹکا لیتے ہیں۔ حالت نماز ہو یا غیر حالت نماز اسی طرح وہ لٹکائے رکھتے ہیں جو کہ قطعاً غلط و ممنوع ہے کیونکہ یہ بدل ہے اور بدل سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ رومال لٹکانے کی بجائے سر پر عمامہ باندھنے کا حکم ہے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میری امت عموماً اور اہل عرب خصوصاً اپنے سر پر عمامہ (پگڑی) باندھیں گے تو عزت و توقیر ہوگی۔ جب وہ اپنے سر سے عمامہ اتار دیں گے تو ذلیل و خوار ہوں گے آج عرب میں کہیں بھی عمامہ نظر نہیں آتا ہے اور دنیا کے امیر ترین ممالک ہونے کے باوجود غیر مسلم اقوام کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔ یہود کا چھوٹا سا خطہ اسرائیل انہی عرب سے چھینا ہوا ہے ان پر غالب ہے فرمان رسول ﷺ صحیح ہے۔ [ازہاجۃ المسامع المعروف مفتی مفتوح ج ۱ ص ۵۳۱-۵۳۰ مطبوعہ مکتبہ دارالافتاء لاہور]

مسئلہ: رومال یا شال یا رضائی یا چادر کے کنارے دونوں موڑ محوں سے لٹکتے ہوں یہ ممنوع و مکروہ تحریمی ہے اور ایک کنارہ دوسرے موڑ سے پر ڈال دیا اور دوسرا لٹک رہا ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر ایک موڑ سے پر اس طرح ڈالا کہ ایک کنارہ پینچہ پر لٹک رہا ہے دوسرا پینچہ پر چسپے عموماً اس زمانہ میں موڑ محوں پر رومال رکھنے کا طریقہ ہے تو یہ بھی مکروہ ہے۔

[بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۳۵ عنوان: مکروہات کا بیان مطبوعہ مجمع غلام علی ایڈمنسٹر لاہور]

ریشم پہننے کی ممانعت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشم اور دیباچ پہننے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے فرمایا: بے شک یہ کام صرف وہ شخص کرتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

۳۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ لِبْسِ الْحَرِيرِ

۴۳۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لِبْسِ الْحَرِيرِ وَالْقَبِيحِ وَقَالَ إِنَّمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ.

مسلم (۵۴۱۷) ابوداؤد (۴۰۴۲) ترمذی (۱۷۲۱) ابن ماجہ (۳۵۹۳) ابن حبان (۵۴۴۱)

دنیا میں مردوں کے لیے ریشم پہننا حرام

(۱) امام احمد، شیخین، ابوداؤد اور نسائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: **لَا يَلْبَسُ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ** **فِي الْآخِرَةِ**۔

(۲) امام احمد، شیخین، نسائی اور ابن ماجہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ ”مَنْ لَبَسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ“ یعنی جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا وہ اسے آخرت میں نہیں پہن سکے گا۔

[شرح مسند امام اعظم رحمہ اللہ ج ۱ ص ۲۶۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

(۳) امام ترمذی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ

حرم لباس الحریر والذهب علی ذکور امتی یعنی میری امت کے مردوں پر سونا اور ریشم پہننا حرام کر دیا گیا ہے اور ان کی عورتوں کے لیے حلال کیا گیا ہے۔

امام ترمذی نے کہا: اس باب میں حضرت عمرؓ علیؓ عقبہ بن عامرؓ ام حانیؓ انس بن مالکؓ انصاریؓ حذیفہ بن یمانؓ عبداللہ بن عمروؓ عمران بن حصینؓ عبداللہ بن زبیرؓ جابر ابی ریحانؓ ابن عمرؓ اور براء بن عازبؓ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ [تسبیح النظم حاشیہ: ۳، مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۴۔ بَابُ اخْرَاجِ التَّصَاوِيرِ وَالْكَتَبِ مِنَ الْبَيْتِ

گھر سے تصویروں کو مٹانا اور کتبے کو نکالنا

۴۳۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ غَالِبِ بْنِ سَمُرَةَ عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ أَنَّهُ كَانَ عُلُقُ بْنُ نَبْتٍ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَرَّأُ فِيهِ تَمَائِيلٌ فَأَتَاهُ جَبْرِئِيلُ ثُمَّ آتَاهُ لِقَائَهُ مَا أَبْطَلَكَ عَنْهُ لِقَاءُ إِيَّاهُ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كُتُبٌ وَلَا تَمَائِيلٌ فَابْسَطِ السُّيُورَ وَلَا تَعْلِقْهُ وَالْقَطْعُ رَأْيٌ وَسِ التَّمَائِيلُ وَأَخْرِجْ هَذَا الْحَرَوَ.

مسلم (۵۵۱۳) ابوداؤد (۴۱۵۲) ابن حبان (۵۸۵۶)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے گھر پر ایک پردہ لٹکایا گیا جس میں چند تصویریں تھیں جن کی بناء پر حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر ہونے میں تاخیر کر دی پھر جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم نے میرے پاس آنے میں تاخیر کیوں کی؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ بے شک ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتاب یا جانداروں کی تصویریں ہوں سو آپ اس پردہ کا ہستر بنا لیجئے اور اس کو مٹ لٹکائیے اور ان تصویروں کے سرکٹا دیجئے اور اس پلے (کتے کے بچے) کو گھر سے باہر نکال دیجئے۔

حل لغات

”عُلُقُ“ صیغہ واحد مذکر قاعب، فعل ماضی مجہول، باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: لٹکانا۔ ”فَأَبْطَلَ“ صیغہ واحد مذکر قاعب، فعل ماضی معروف، باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: تاخیر کرنا، دیر لٹکانا۔ ”فَأَبْسَطَ“ صیغہ واحد مذکر حاضر، فعل امر حاضر معروف، باب نَصَوْ يَنْصُو سے ہے اس کا معنی ہے: بچھانا، پھیلاتا، دراز کرنا۔ ”السُّيُورُ“ پردہ۔ ”تَمَائِيلٌ“ یہ ”تَمَائِلٌ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: تصویر، مجسمہ، فوٹو۔ ”الْحَرَوُ“ پلہ، قورا، کتے یا شیر کا بچہ۔

تصویر اور کتبے کی نحوست

- (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلامؑ میا کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر وہ داخل جانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے آج سلام نہیں کیا پھر تم اوپر بھی جارہے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلامؑ نے عرض کیا: بے شک میں اس گھر میں داخل نہیں ہوتا جس میں کسی جاندار کی تصویر ہو یا وہاں کتاب ہو۔
 - (۲) امام احمد، شیخین، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جس گھر میں کتاب ہو اور تصویریں ہوں اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ [شرح مسند امام اعظم ملا علی قاری ص ۲۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]
- یہاں مانکہ سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں۔ حافظین، کاتبین اور عذاب کے فرشتے تو ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ کتبے سے مراد غیر ضروری کتاب ہے اور تصاویر سے مراد جاندار کی تصویریں ہیں جو محض شوقیہ بلا ضرورت ہوں اور احترام سے رکھی جائیں یہ قیدیں ضرور یاد رہیں لہذا نوٹ، روپیہ پیسہ کی تصاویر جو ضروری ہیں اور فرش و بستر پر تصاویر جو پاؤں سے روندی جائیں جائز ہیں ان کی وجہ سے فرشتے آنے سے نہیں رکتے۔ [مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۱۹۴، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ کبریا]

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک پردہ خریدنا جس میں (چاندروں کی) تصویریں تھیں اور جب انہیں رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے اندر نہ آئے سو میں نے آپ کے چہرہ میں ناپسندیدگی محسوس کی آپ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں! میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس پردے کا کیا مقصد ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ پردہ میں نے آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور آپ اس پر ٹکیہ لگائیں اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک ان تصویروں کے بنانے والے لوگ قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے نیز ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کچھ بتایا ہے اب انہیں زندہ کرو اور آپ نے فرمایا: بے شک جس گھر میں (کسی چانداری کی) تصویر ہو اس میں فرشتے نہیں آتے۔ [حقن ملیہ]

(۳) حضرت مہدی بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اشد الناس عذاباً عند اللہ المصورون" [حقن ملیہ] اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ سخت عذاب والے تصویریں بنانے والے ہیں۔
[مشکوۃ المصابیح، باب المصائب الفصل الاول]

۵۔ بَابُ الْخَضَابِ بِالْحِجَاءِ وَالْكُتْمِ

۴۳۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ لَاقَ لَاقَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِخْوَانُهُمْ فَعَزَّوهُمْ بِالْحِجَاءِ وَخَالَفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ.

بالوں کو مہندی اور دوسرے سے خضاب کرنا
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بالوں کو مہندی سے رنگ لیا کرو اور تم اہل کتاب کی مخالفت کیا کرو۔

بخاری (۳۴۶۲) مسلم (۵۵۱۰) ابوداؤد (۴۲۰۳) ترمذی (۱۷۵۲) نسائی (۵۰۷۵) ابن ماجہ (۳۶۲۱) ابن حبان (۵۴۷۰)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک تم جس چیز کے ساتھ اپنے سفید بالوں کو تہیل کرتے ہو اس میں سب سے بہتر چیز مہندی اور دوسرہ ہے۔

۴۳۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ ثَعْلَبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْكِنْدِيِّ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِي قُرَيْشٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاقَ إِنْ أَحْسَنَ مَا عَزَّوْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الشَّيْبَ الْحِجَاءَ وَالْكُتْمِ.

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ سب سے بہترین چیز جس سے تم بالوں کو تہیل کرتے ہو مہندی اور دوسرہ ہے۔

وَلَيْسَ رِوَايَةً لَاقَ أَحْسَنَ مَا عَزَّوْتُمْ بِهِ الشَّعْرَ الْحِجَاءَ وَالْكُتْمِ.

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ سب سے بہترین چیز جس سے تم اپنے بالوں کی سفیدی کو تہیل کرتے ہو وہ مہندی اور دوسرہ ہے۔

وَلَيْسَ رِوَايَةً مِنْ أَحْسَنَ مَا عَزَّوْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِجَاءَ وَالْكُتْمِ. ابوداؤد (۴۲۰۵) ترمذی (۱۷۵۳) نسائی

(۵۰۸۵۵۰۸۰) ابن ماجہ (۳۶۲۲) ابن حبان (۵۴۷۴)

ایک صحابی مرد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو قحافہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس وقت ان کی ڈاڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے راوی نے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: کاش! تم اسے کتر لیتے اور آپ نے ان کی ڈاڑھی کے اطراف کی طرف اشارہ فرمایا۔

۴۳۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الثَّوْمِيِّ عَنْ رَجُلٍ أَنَّ أَبَا لُحَاظَةَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِحْيَتُهُ قَدْ انْفَشَرَتْ لَاقَ لَاقَ لَوْ أَخَذْتُمْ وَأَشَارَ إِلَى نَوَاجِئِ لِحْيَتِهِ.

مسلم (۵۵۰۹) ابوداؤد (۴۲۰۴) نسائی (۵۰۷۹)

ابن ماجہ (۳۶۲۴) ابن حبان (۵۴۷۱) مسند المارئي (۶۶۶)

حل لغات

”إِخْطَبُوا“ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف حاضر بَابِ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: رنگنا، خضاب لگانا۔
 ”إِنْتَشَرَتْ“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف بَابِ التَّعَالُی سے ہے اس کا معنی ہے: بکھر جانا، پھیل جانا۔ ”الْخُشْبُ“
 بالوں کا سفید ہونا بڑھاپا۔ ”لَوَاجِسِي“ یہ ”نَاجِسَةٌ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: کنارہ۔ ”الْحِجْنَاءُ“ اس کا معنی ہے: مہندی۔
 ”الْكُتْمُ“ اس کا معنی ہے: دوسہ جس سے ہال ہلکے براؤں ہو جاتے ہیں۔

سفید بالوں کے رنگنے میں اختلاف

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سفید بالوں کے سفیر کرنے اور رنگنے کو ناپسند کرتے تھے امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے اسلام میں ہال سفید ہوئے وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوں گے مگر یہ کہ وہ ان کو اکھاڑ لے یا ان کو رنگ لے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مہندی اور کتم (حنابی رنگ) کے ساتھ اپنے بالوں کو رنگا اور حضرت عمر مہندی کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت جریر بن حنبل اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اور عطاء ابو داؤد اہل حسن بصری طاؤس اور سعید بن مسیب در در رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے۔

علامہ محبت طبری نے کہا ہے کہ بالوں کو سفیر نہ کرنے اور بالوں کو رنگنے کے متعلق نبی کریم ﷺ سے جو آثار مروی ہیں وہ سب صحیح ہیں لیکن بعض عام ہیں اور بعض خاص ہیں بالوں کو رنگنے کی جو احادیث ہیں وہ خاص ہیں یعنی جس شخص کے حضرت ابو قحافہ کی طرح تمام ہال سفید ہو جائیں اس کو رنگنے کا حکم دیا ہے اور جس کے ہال قلو ہوں اس کو سفیدی سفیر نہ کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ دو متضاد حکم دیں اور چونکہ کوئی حدیث ناسخ نہیں ہے اس لیے ان احادیث کو جمع کرنا متعین ہے سو جن صحابہ نے سفید بالوں کو رنگا وہ اس پر محمول ہے کہ ان کے تمام ہال سفید ہو چکے تھے اور جنہوں نے نہیں رنگا ان کے ہال سیاہ اور سفید دونوں طرح مخلوط تھے۔ علاوہ ازیں بالوں کو رنگنے کا حکم فریضت کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف استحباب کے لیے ہے اور سفید بالوں کو سفیر و تبدیل کرنے کی ممانعت بھی تنزیہ کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ سفید بالوں کو سفیر کرنے کی ممانعت اس حدیث سے منسوخ ہو گئی جس میں سفید بالوں کو رنگنے کا اور اہل کتاب کی مخالفت کرنے کا حکم ہے۔ (علاوہ ازیں رنگنے کے حکم کی احادیث کی اسانید زیادہ صحیح اور قوی ہیں یہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں اور سفیدی کو سفیر نہ کرنے کی احادیث سنن ابوداؤد اور طبرانی میں ہیں جو صحیحین کے پاسے کی نہیں ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

خضاب لگانے میں مذاہب اربعہ کا خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک سفید بالوں کو رنگنا مستحب ہے اور سیاہ خضاب مکروہ تحریمی ہے امام مالک کے نزدیک بھی سفید بالوں کو رنگنا مستحب ہے اور سیاہ خضاب حلال ہے امام احمد کے نزدیک بھی سفید بالوں کو رنگنا مستحب ہے اور سیاہ خضاب مکروہ ہے فقہاء احناف کے نزدیک بھی سفید بالوں کو رنگنا مستحب ہے اور اکثر فقہاء کے نزدیک سیاہ خضاب مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔

چونکہ احادیث میں سیاہ خضاب لگانے پر وعید آئی ہے اس لیے صحیح یہی ہے کہ غیر حالت جنگ میں سیاہ خضاب لگانا مکروہ تحریمی

ہے 'بعض صحابہ اور تابعین سے جو سیاہ خضاب لگانا منقول ہے ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس ان کی کوئی توجیہ اور تاویل ہو، بہر حال ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے ارشادات مقدم ہیں، امام اعظم کا یہی مذہب ہے کہ جب احادیث رسول اور آثار صحابہ میں تعارض ہو تو احادیث کو آثار پر ترجیح دی جائے گی۔ [شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۳۲۳-۳۲۱]

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم اپنے بالوں کو مہندی سے رنگا کرو کیونکہ یہ عمدہ خوشبو جو تسکین دیتی ہے اور گھبراہٹ دور کرتی ہے اور اس کو بزار اور ابو نعیم نے کتاب الطب میں روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم اپنے بالوں کو مہندی سے رنگا کرو کیونکہ یہ تمہارے شباب و جوانی اور حسن و جمال کو بڑھاتی ہے اور تمہارے نکاح کے لیے رغبت کا باعث بن سکتی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۹۵، ملا علی قاری]

علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صحابہ کرام سے یہ فرمانا کہ کاش اتم حضرت ابوقحافہ کی بھری ہوئی طویل و عریض ڈاڑھی کو کترا لیتے۔ سو اس کا مقصد یہ ہے کہ کاش اتم حضرت ابوقحافہ کی ڈاڑھی کے اطراف کو طول و عرض میں کچھ کترا لیتے اور مستحب مقدار کو ترک کر دیجے اور وہ ایک شست ڈاڑھی ہے اور یہ دونوں مذموم طرفوں کے درمیان متعادل مقدار اور متوسط حد ہے کیونکہ مطلقاً ڈاڑھی کو چھوڑ دینا اور بالکل نہ ترشوانا بھی مذموم ہے اور مطلقاً منڈوانا بھی مذموم ہے۔

سنن ترمذی کی حدیث ہے جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ڈاڑھی طول و عرض میں ترشوا لیتے تھے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۲۳-۳۲۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان]

بالوں کے ساتھ بال

ملانے کی ممانعت

۶۔ بَابُ النَّهْيِ مِنْ

وَصَلِّ الشَّعْرَ بِالشَّعْرِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عورت کے لیے اپنے بالوں کو اون کے ساتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں ہے بے شک آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے صرف بالوں کے ساتھ ملانے سے منع فرمایا ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب عورت کے سر پر بال نہ ہوں تو پھر ایسی عورت کے لیے بالوں کے ملانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۳۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَمَمِ عَنْ اَمِّ قُرَيْشٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ لَا تَأْمَسُ اَنْ تَصِلَ الْفَرْأَةُ شَعْرَهَا بِالصُّوْفِ اِنْمَا تَهَيُّ بِالشَّعْرِ وَفِي رِوَايَةٍ لَا تَأْمَسُ بِالْوَصْلِ اِذَا لَمْ يَكُنْ شَعْرٌ بِالرَّاسِ.

مسند الحارثي (۶۵۷)

حل لغات

”تَصِلُ“ صیغہ واحد مؤنث غائب، فعل مضارع معروف، بَابُ ضَرْبٍ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: ملانا۔ ”الصُّوْفُ“ اس کا معنی ہے: اون۔

اپنے بالوں میں دوسرے کے بال ملانے کی حرمت کی وجہ

بعض عورتیں اپنے بال دراز اور لمبے ظاہر کرنے کے لیے اپنے بالوں میں کسی دوسرے انسان کے بال ملا لیتی ہیں جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ علامہ ملا علی قاری اپنی شرح میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ عمل فریب اور دھوکے کی جنس سے ہے اس لیے منع ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”مَنْ عَشَنَّا فَلَيْسَ مِنَّا“ یعنی جس نے ہمارے (مسلمانوں کے) ساتھ دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ امام احمد اور صحاح ستہ کے اصحاب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لعن اللہ الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة.

یعنی اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے بال ملائے والی، ملوانے والی اور گودنے والی، گودوانے والی پر۔

[شرح منہاجم اعظم ص ۱۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

”وَاصِلَةٌ“ وہ عورت جو اپنے سر کے بالوں میں دوسری عورت کے بال ملا کر دراز کرے۔ ”مُسْتَوْصِلَةٌ“ وہ عورت جو دوسری عورت کے سر میں بال جوڑے یا اپنے سر کے بال کاٹ کر اسے ملانے کے لیے دے دے یہ دونوں کام حرام ہیں جن پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ ”وَاشِمَةٌ“ وہ عورت جو سوئی وغیرہ کے ذریعہ اپنے اعضاء میں گود کر سوراخ بنائے تاکہ ان میں سرمیا نخل وغیرہ بھر لے جیسا کہ ہندو عورتیں اور بعض ہندو مرد کرتے ہیں۔ اور ”مُسْتَوْشِمَةٌ“ وہ عورت جو دوسری عورت کے اعضاء میں گودے دونوں پر لعنت فرمائی، حرام کام قائل و مضول دونوں کی لعنت کا باعث ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ اگر بالوں میں دھاگہ لگا کر انہیں دراز کر لیا جائے تو جائز ہے جسے موہاف کہتے ہیں۔ [مرآۃ النایح بہ حوالہ مرقات الفلاح شرح معقود الصالح ج ۶ ص ۱۵۱، مطبوعہ شبلی کتب خانہ گجرات]

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

طب کے احکام اور بیماری

وَم اور دعاؤں کی فضیلت

بیمار کو بیماری پر اجر و ثواب ملنے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ انسان کے لیے جنت میں بلند دہالا درجہ لکھ دیتا ہے اور اس کا کوئی عمل ایسا نہیں ہوتا جو اسے اس درجہ تک پہنچا دے سوا اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو کسی مصیبت وغیرہ میں مسلسل جتا رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی بندہ بیمار ہو جاتا ہے اور وہ کچھ نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے لیے اس نیک عمل کا اجر و ثواب اسی طرح لکھتے رہو جو وہ تندرستی کی حالت میں کرتا تھا۔

ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ بیماری پر صبر کرنے کا اجر و ثواب بھی اس کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ تم میرے بندے کے لیے وہ عمل لکھتے رہو جو وہ تندرستی کی حالت میں کرتا تھا۔

اور ایک روایت یوں ہے کہ جب کوئی بندہ بیمار ہو جاتا ہے جبکہ

۲۵۔ کتاب الطب و فضل

المرض والرقي والدعوات

۱۔ باب اجر المريض للمريض

۴۳۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ لَيُحِبُّ لِلْإِنْسَانِ التَّوَجُّعَ الْمَلِكَا فِي الْجَسَدِ وَلَا يَكُونُ لَهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَتْلَفُهَا فَلَا يَزَالُ يَتْلَفُهَا اللَّهُ حَتَّى يَتْلَفَهَا. [مسند الحارثي (۳۵۷)]

۴۳۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ إِبْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ وَهُوَ عَلَى طَائِفَةٍ مِنَ الْخَيْرِ قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِمَلَائِكِهِ اكْتُبُوا لِعَبْدِي مِثْلَ أَجْرِ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيحٌ.

زَادَ فِي رِوَايَةٍ مَعَ أَجْرِ الْبَلَاءِ.

وَفِي رِوَايَةٍ اُكْتُبُوا لِعَبْدِي مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيحٌ.

وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ وَهُوَ عَلَى عَمَلٍ

مِنَ الطَّاعَةِ لَئِنْ لَّمْ تَكُنْ لَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ لِيَحْفَظَكَ
اَلْكُتُبُ اَلْعَبْدُ اَلْاٰخَرُ مَا كَانَ يَحْتَمِلُ وَهُوَ صَاحِبُ
ابوداؤد (۳۰۹۱) ابن ابی شیبہ (۱۰۸۱۲)

اطاعت و فرماں برداری کا عمل کرتا ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ عمل لکھنے والے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے اس عمل کا اجر و ثواب لکھتے رہو جو وہ اس سے پہلے اس وقت کرتا تھا جب وہ تندرست تھا۔

حل لغات

”يَتَقَلَّبُ“ اس میں ”يَتَقَلَّبُ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف، باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: جھلا کرنا آزمائش کرنا آخر میں ضمیر مفعول بہ ہے۔

جسمانی بیماریاں بشرط صبرِ اجر و ثواب کا باعث ہیں

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی مسلمان کو کوئی تھکاوٹ یا جسمانی تکلیف یا کوئی غم و رنج یا کوئی بیماری یا خوف لاحق ہوتا ہے (جس پر وہ صبر کرتا ہے) یہاں تک کہ کوئی کاٹا بھی اسے چھہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی جسے مرگی کی بیماری تھی سو اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے شفاء عطا فرمادے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہتی ہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفاء دے دے اور اگر تم چاہو تو اس پر صبر کرو اور (قیامت کے دن) تجھ سے حساب نہ ہو اس عورت نے کہا: بلکہ میں صبر کروں گی اور مجھ سے حساب نہ ہو۔

(۳) حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہوتی ہے پھر آدمی جس قدر زیادہ فضیلت رکھتا ہے اسی قدر آزمائش ہوتی ہے پھر جس قدر فضیلت ہوگی اس قدر آزمائش ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزماتا ہے سو اگر اس کے دین میں استحکام اور مضبوطی ہو تو اسے اسی قدر سخت آزمایا جاتا ہے اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہو تو اسے ہلکی اور کم مصیبت میں آزمایا جاتا ہے یہ آزمائش کا سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ آدمی زمین پر چلا پھرتا ہے لیکن آزمائش میں صبر کی وجہ سے اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں رہتا۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر و ثواب اتنا زیادہ بڑا ہوگا جتنی مصیبت اور آزمائش بڑی ہوگی سو اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت و پیار کرتا ہے تو آزمائش کے لیے اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے پس جو قوم راضی رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی رہتا ہے اور جو قوم ناراض ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو جاتا ہے۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کو مسلسل آزماتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

(۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کی عجیب شان ہے اگر اسے کوئی خیر و بھلائی ملتی ہے تو وہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف کرتا ہے الحمد للہ کہتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو پھر بھی الحمد للہ پڑھ کر حمد و ثناء کرتا ہے اور اس مصیبت پر صبر کرتا ہے لہذا مؤمن کو اس کے کام میں اجر و ثواب

عطاء کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس قدر میں بھی اسے اجر و ثواب عطایت کیا جاتا ہے جو وہ انھما کراپنی بیوی کے منہ میں دیتا ہے۔

[تفسیر سالم الملوک الملوف تفسیر بنوی ج ۱ ص ۳۲-۳۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت]

ہر بیماری کے لیے دوا ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا پیدا کی ہے سو جب دوا بیماری کو پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریض تندرست ہو جاتا ہے۔

مسلم (۵۷۴۱) مسند احمد (۱۴۶۵۱) ابن حبان (۶۰۶۳) مستدرک للحاکم (ج ۳ ص ۱۹۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں رکھی مگر اس کے لیے دوا بھی رکھی ہے ماسوا موت اور بڑھاپے کے سو تم اپنے اوپر گائے کا دودھ پینا لازم کر لو کیونکہ اس کا دودھ ہر قسم کے درخت کی خوراک سے مل کر پیدا ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر اس کے ساتھ اس کی دوا بھی اتاری ہے سوائے بڑھاپے کے سو تم پر گائے کا دودھ پینا لازم ہے کیونکہ وہ ہر قسم کا چارہ کھاتی ہے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر کوئی بیماری پیدا نہیں کی مگر اس کے لیے دوا بھی پیدا کر دی ہے سوائے بڑھاپے اور موت کے سو تم پر گائے کا دودھ پینا لازم ہے کیونکہ اس کی خوراک درخت وغیرہ ہر قسم کے چارہ جات سے مخلوط ہوتی ہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر اس کے ساتھ دوا بھی اتاری ہے سوائے موت اور بڑھاپے کے سو تم پر گائے کا دودھ پینا لازم ہے کیونکہ اس کی خوراک درخت وغیرہ ہر قسم کے چارہ جات سے مخلوط ہوتی ہے۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر کوئی بیماری نہیں رکھی مگر اس کے لیے شفا یا دوا بھی رکھی ہے سو تم پر گائے کا دودھ لازم ہے کیونکہ اس کی خوراک ہر قسم کے نباتات سے مخلوط ہوتی

۲۔ بَابُ الدَّوَاءِ لِكُلِّ دَاءٍ

۴۳۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ وَمُقَاتِلُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ دَاءٍ جَعَلَ اللَّهُ دَوَاءَهُ لَإِذَا أَصَابَ الدَّاءُ دَوَاءَهُ بَرِيءٌ بِإِذْنِ اللَّهِ.

۴۳۹۔ حَمَّادٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ قَبَسٍ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ دَوَاءَهُ إِلَّا السَّامَ وَالْهَرَمَ فَاعْلَيْكُمْ بِالْبَيِّنِ الْبَقْرِ فَإِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ شَجَرٍ بخاری (۵۶۶۸) ابوداؤد (۳۸۵۵)

ترمذی (۳۰۳۸) ابن ماجہ (۳۴۳۶-۳۴۳۹)

۴۴۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ قَبَسٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْزِلِ اللَّهُ دَاءً إِلَّا وَأَنْزَلَ مَعَهُ الدَّوَاءَ إِلَّا الْهَرَمَ فَاعْلَيْكُمْ بِالْبَيِّنِ الْبَقْرِ فَإِنَّهَا تَرْمُ مِنَ الشَّجَرِ.

وَفِي رِوَايَةٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَجْعَلْ فِي الْأَرْضِ دَاءً إِلَّا جَعَلَ لَهُ دَوَاءَهُ إِلَّا الْهَرَمَ وَالسَّامَ فَاعْلَيْكُمْ بِالْبَيِّنِ الْبَقْرِ فَإِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ.

وَفِي رِوَايَةٍ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ دَاءٍ إِلَّا أَنْزَلَ مَعَهُ دَوَاءَهُ إِلَّا السَّامَ وَالْهَرَمَ فَاعْلَيْكُمْ بِالْبَيِّنِ الْبَقْرِ فَإِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ.

وَفِي رِوَايَةٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَضَعْ فِي الْأَرْضِ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءَهُ أَوْ دَوَاءَهُ فَاعْلَيْكُمْ بِالْبَيِّنِ الْبَقْرِ فَإِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ عَلَيْكُمْ بِالْبَيِّنِ الْبَقْرِ فَإِنَّهَا

نَزَلَ مِنْ كُلِّ شَجَرَةٍ وَفِيهَا شِفَاءٌ مِمَّنْ كُنِيَ دَاءٌ
ہے تم پر گائے کا دودھ واجب ہے کیونکہ وہ ہر قسم کا چارہ کھاتی ہے اور اس
جاری (۵۶۷۸) ابوداؤد (۳۸۵۵) ترمذی (۲۰۳۸) کے دودھ میں ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔

سن ۴۳۶-۴۳۹

نوٹ: اس حدیث کی روایات اس لیے مختلف ہیں کہ ان میں بعض الفاظ و کلمات مختلف ہیں مثلاً کہیں ”لَمْ يَنْزِلْ“ ہے کہیں
”لَمْ يَجْعَلْ“ ہے کہیں ”لَمْ يَضَعْ“ ہے کہیں ”مَا أَنْزَلَ اللَّهُ“ ہے وغیرہ وغیرہ۔

حل لغات

”بَرِي“ سینہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: تندرست ہو جانا صحیح سلامت
ہو جانا۔ ”نَزَمَ“ سینہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ ضَرْبَ يَضْرِبُ دونوں سے آتا ہے اس کا معنی
ہے: چرنا چارہ کھانا چارہ بننا۔ ”دَاءٌ“ بیماری۔ ”دَوَاءٌ“ علاج۔ ”الْهَرَمُ“ بڑھاپا۔ ”الْبَشَامُ“ موت۔ ”الْبَانُ“ بے کین کی جمع ہے
اس کا معنی ہے: دودھ۔

دوا سے بیماری کا علاج کرنا مسنون ہے مگر شافی صرف اللہ تعالیٰ ہے

اس باب کی پہلی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب دوا بیماری تک پہنچ جاتی ہے تو مریض اللہ تعالیٰ کے حکم سے تندرست و شفاء
یاب ہو جاتا ہے۔ ہاؤن اللہ کی قید کا مقصد یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کر لے کہ دوا مستقل مؤثر و شفاء دینے والی ہے بلکہ مستقل مؤثر و شفاء
دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے دوا تو صرف ظاہری سبب ہے چارہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم اس کے قضاء و فیعلے اور اس کی قدرت کاملہ سے
تندرست و شفا یاب ہوتا ہے کیونکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس کا اچھا ہونا بُرا ہونا اور نفع بخش ہونا ضرر رسا ہونا اور اس کا
شیریں ہونا اس کا تلخ ہونا سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ امام حیدری کی کتاب طب اہل بیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے
مردی روایت میں ہے کہ ہر بیماری کے لیے دوا پیدا کی گئی ہے سو جب اللہ تعالیٰ کسی مریض کی صحت یابی نہیں چاہتا تو فرشتے کو ایک
جواب کے ساتھ مریض کے پاس بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ اس جواب کو بیماری اور دوا کے درمیان حائل و آڑ کر دیتا ہے پھر جب بیمار آدمی
دوا پیتا ہے تو دوا بیماری تک نہیں پہنچتی (جس کی وجہ سے بیمار صحت یاب نہیں ہوتا)۔ اور جب اللہ تعالیٰ بیمار آدمی کی تندرستی و صحت یابی کا
ارادہ کر لیتا ہے تو فرشتہ کو حکم دیتا ہے تو وہ جواب اٹھا لیتا ہے پھر بیمار آدمی دوا پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب بیمار آدمی کو صحت یاب
کرتے ہوئے اسے نفع عطا فرما دیتا ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ان الله جعل لكل داء دواء فداؤوا ولا
سبب شک اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا پیدا کی ہے سو تم دوا
دارو اور علاج معالجہ کیا کرو لیکن حرام چیز کے ذریعہ علاج نہ کرو۔

امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام احمد اصحاب سنن ابوداؤد ابن خزیمہ اور امام حاکم نے حضرت اسامہ بن شریک سے
مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”داؤوا یا عباد الله فان الله لم
يضع داء الا وضع له شفاء الا داء واحد وهو الهرم وفي لفظ الا السام“ اے اللہ کے بندو! تم دوا کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے کوئی بیماری نہیں رکھی مگر اس کے لیے شفاء بھی رکھی ماسوا ایک بیماری کے اور وہ بڑھاپا ہے اور ایک روایت میں ”الا السام“ کا لفظ
ہے یعنی ماسوا موت کے۔ [شرح منہ امام اعظم لامل علی قاری ص ۱۷۰-۱۶۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

۳۔ بَابُ الشِّفَاءِ فِي خَمْسَةِ أَشْيَاءَ

۴۴۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي عُمَرَ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُوعُ
الشِّفَاءِ فِي السَّحْبَةِ السَّوْدَاءِ وَالْحَجَامَةِ وَالْعَسَلِ
وَمَاءِ السَّمَاءِ بخاری (۵۶۸۸-۵۶۹۷) مسلم (۵۷۶۶)

۴۴۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عُمَرَ
وَالْحَرِثِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنَ الْمَنِّ الْكُمَاةَ وَمَا وَهَا
جُوعًا لِلْعَيْنِ.

پانچ چیزوں میں شفاء ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کلونجی، سینگلی، شہد اور آسمان کے پانی (یعنی بارش) میں شفاء پیدا کر دی ہے۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بے شک کھنسی، من سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے۔

بخاری (۵۷۰۸) مسلم (۵۳۴۲) ترمذی (۲۰۶۷) ابن ماجہ (۳۴۵۳)

حل لغات

”السَّحْبَةُ السَّوْدَاءُ“ اس کا معنی ہے: کالا دانہ مراد کلونجی ہے۔ ”الْحَجَامَةُ“ اس کا معنی ہے: پھپھنے لگانا، سینگلی لگانا، فاسد خون نکالنا سرخ سے۔ ”الْمَنُّ“ اس کا معنی ہے: احسان، انعام، بلحاظ گوشت، پٹھا، پکوان لیکن یہاں اس سے مراد نبی اسرائیل پر نازل ہونے والا پٹھا پکوان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ادویات کو شفاء کا ذریعہ بنایا ہے

علامہ ملاحظی قاری لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بیماریوں کے لیے چار چیزوں میں دوا پیدا کر دی ہے: (۱) کلونجی، چنا چھ، امام ابو نعیم، کتاب الطب میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ الحبة السوداء فيها شفاء من كل داء الا الموت۔

(۲) سینگلی بھرتا، پھپھنے لگانا اور فصد کرنا۔ جب کسی مریض کو سینگلی لگاتے ہیں تو پہلے مرض کی جگہ نشتر مارتے ہیں، پھر سینگلی رکھ کر چستے ہیں، پھر وہاں سینگلی جم جاتی ہے، جب اسے اکھیڑا جاتا ہے تو تمام فاسد اور گندہ خون نکل جاتا ہے اور مریض شفا یاب ہو جاتا ہے (آج کل بدن میں سرخ لگا کر فاسد خون نکال لیتے ہیں) امام ربیع، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: الحجامه تنفع من كل داء الا فاحتجموا۔ یعنی سینگلی لگانا ہر بیماری میں فائدہ دیتی ہے سنو یس تم سینگلی لگایا کرو۔

(۳) شہد ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”يُنَبِّئُكُمْ شِفَاءُ اللَّسَّاسِ“ (نمل: ۶۹) یعنی شہد میں تمام لوگوں کے لیے شفاء ہے (۴) آسمان کا پانی یعنی بارش ہر بیماری کے لیے شفاء ہے قرآن مجید میں وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا ہے۔

(الفرقان: ۴۸)

نیز ارشاد ہے:

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۳۵ دارالکتب العلمیہ بیروت]

نیز اس باب کی دوسری حدیث کے تحت علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ کھنسی 'من' میں سے ہے یعنی اس من کی جنس سے ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّانَ وَالْمُنْتَوِي. (البقرہ: ۵۷) اور (اے بنی اسرائیل!) ہم نے تم پر من اور سلویٰ نازل کیا ہے۔

"الکفا" جس کا معنی کھنسی ہے یہ ایک خود رو پودا ہے جو زمین کے نیچے پایا جاتا ہے یہ پودا موسم بہار میں خود بہ خود اُگتا ہے اس کی جڑ گول ہوتی ہے یہ ایک مشہور پودا ہے جس کا نہ تنا ہوتا ہے نہ پتے ہوتے ہیں نہ رگیں۔ کھنسی دو قسم کی ہوتی ہے ایک چھتری نما اور ایک مولیٰ کی طرح لمبی ہوتی ہے یہاں دوسری قسم مراد ہے اس کا پانی آنکھوں کے درد اور ضعف کے لیے شفاء ہے۔

امام طبرانی نے حضرت محمد بن منکدر کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کھنسیاں کثرت سے اُگنے لگیں تو ایک قوم نے کھنسیوں کو کھانا ترک کر دیا اور کہا: یہ زمین کی چھچک ہے یہ خبر آپ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: بے شک کھنسی زمین کی چھچک ہرگز نہیں ہے یاد رکھو کھنسی 'من' میں سے ہے اور اس کو 'من' میں سے کہنے کی وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل پر بغیر عزت و مشقت کے من کی صورت میں نہایت لذیذ و مفید کھانا اُتر ا تھا اسی طرح بغیر مشقت و مشقت کے نہایت لذیذ و مفید کھنسی ہمیں مل جاتی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۳۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنے کا وظیفہ

۴۔ بَابُ وَظِيْفَةِ التَّعَوُّذِ بِاللّٰهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ السَّلَامَةِ" پڑھے تو اس کو شام تک دن بھر کوئی بھونٹنساں نہیں پہنچا سکے گا اور جو شخص شام کے وقت یہی کلمات پڑھے تو اس کو صبح تک رات بھر کوئی بھونٹنساں نہیں پہنچا سکے گا۔

اور ایک روایت میں ہے: جو شخص صبح سورج طلوع ہونے سے پہلے تین مرتبہ "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ السَّلَامَةِ" پڑھے گا اسے اس دن بھونٹنساں نہیں دے گا اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات کہے اسے اس رات بھونٹنساں نہیں پہنچا سکے گا۔

۴۴۳۔ اَبُو حَدِيْقَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ جِهَنَّمَ يُصْبِحُ اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ النَّامَةِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَمْ يَضُرَّهُ عَقْرَبٌ حَتّٰى يَمُوتَ وَمَنْ قَالَ جِهَنَّمَ يَمُوتُ لَمْ يَضُرَّهُ عَقْرَبٌ حَتّٰى يَصْبَحَ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ مِّنْ قَالَ اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ السَّلَامَةِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَمْ يَضُرَّهُ عَقْرَبٌ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَمْ يَضُرَّهُ عَقْرَبٌ يَوْمَئِذٍ وَاِذَا لَالَهَا جِهَنَّمَ يَمُوتُ لَمْ يَضُرَّهُ عَقْرَبٌ لَّيْلَةً.

(ابوداؤد (۳۸۹۸-۳۸۹۹) ابن ماجہ (۳۵۱۸))

حل لغات

"لَمْ يَضُرَّهُ" صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف نفی جحد بلم بمعنی ماضی متنی باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: ضرر پہنچانا نقصان دینا۔ "يُصْبِحُ وَيَمُوتُ" دونوں صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف باب اَفْعَال سے ہیں "يُصْبِحُ" کا معنی ہے: صبح کرنا اور "يَمُوتُ" کا معنی ہے: شام کرنا۔ "عَقْرَبٌ" اس کی جمع "عَقْرَابٌ" ہے اس کا معنی ہے: بکھر۔

اللہ تعالیٰ کی پناہ میں نجات ہے

اللہ تعالیٰ کے کلمات تامات کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلمات جامع اور کامل ہیں اور قرآنی آیات ہیں جو معجزات پر مشتمل ہیں اور ان کو ہمتا اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کلمات تمام بلیات و آفات کے لیے کافی ہیں صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں کل رات ایک بچھو کے قریب سے گزرا تو اس نے مجھے ڈنک مار دیا آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو شام ہوتے ہی

اعوذ بكلمات الله العاتقات من شر ما خلق۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کے کامل و جامع کلمات کی پناہ لیتا ہوں تمام

خلق کے شر سے کہہ لیتا تو تجھے دو نقصان نہ پہنچاتا۔

جامع ترمذی کی روایت میں سند حسن کے ساتھ مروی ہے کہ جو شخص یہ کلمات شام کے وقت تین مرتبہ پڑھ لے تو اس رات اسے سانپ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا حضرت سہیل نے بیان فرمایا کہ ہمارے گھر والے ان کلمات کو ہر رات پڑھ لیتے تھے سوان میں سے ایک لوطی کو کسی چیز نے ڈس لیا لیکن ان کلمات کی وجہ سے اس کو کچھ درد و غم نہ ہوا۔

حافظ ابو نعیم نے تاریخ اصہبان میں اور المستطری نے کتاب الدعوات میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے آپ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو ایک دفعہ بچھو نے ڈس لیا اور آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے سو جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ بچھو پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہ نہ نمازی کو چھوڑتا ہے اور نہ غیر نمازی کو اور یہ نہ نبی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نبی کو اگر اسے ڈس لیتا ہے اور آپ نے اپنی فعل کو اٹھایا اور اس کے ساتھ بچھو کو مار ڈالا پھر آپ نے پانی اور نمک مگھوایا اور پانی اور نمک کو ملا کر زخم پر بہانے لگے اور سورۃ اخلاص سورۃ بلاق اور سورۃ ناس پڑھ کر اس پر دم کرنے لگے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس وقت آپ نے بچھو کے ڈسنے کی وجہ سے اپنی انگلی پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۴۰۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

مریض کی عیادت کے وقت دعا کرنا

۵۔ بَابُ دُعَاءِ وَقْتِ الْعِيَادَةِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بے شک جب رسول اللہ ﷺ کسی بیمار کی عیادت کرنے کے لیے اس کے پاس تشریف لے جاتے تو آپ اس کے لیے دعا کرتے ہوئے فرماتے: اے انسانوں کے پروردگار تو (اس مریض کی) تکلیف کو دور فرما دے! اے شفاء عطاء فرما! تو ہی شفاء دینے والا ہے تیری شفاء کے سوا کوئی شفاء نہیں ہے ایسی مکمل شفاء عطاء فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑتی ہو۔

۴۴۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ ابْنِ اَبِيهِمْ عَنْ مُسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ شَآنَ وَمَوَّلَ اللّٰهُ مَسْلٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُنِيَ بِمَرِيْضٍ يَدْعُوْهُ يَقُوْلُ اَذْهَبِ الْبَاسَ رَبِّ النَّاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِىُّ لَا شِفَاءَ اِلَّا بِشِفَاوِكَ شِفَاءٌ لَا يَغَادِرُ سَقَمًا۔

بخاری (۵۶۷۵) مسلم (۵۷۱۰) ابوداؤد (۳۸۹۰)

ترمذی (۳۵۶۵) ابن ماجہ (۳۵۲۰) ابن حبان (۲۹۷۲)

مریض کے لیے دعا کرنا سنت ہے

امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر والوں میں سے بعض کی عیادت فرماتے تو اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ اس کو چھوتے اور فرماتے:

اللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِىُّ لَا شِفَاءَ اِلَّا بِشِفَاؤِكَ اَمَامُ لُغُوْلٍ كَے رَبِّ اِس كُ شِفَاء عَطَا فَرَمَا كِیونك توعی شِفَاء

لا شفاء لك شفاء لا يغادر سقمًا

دینے والا ہے تیری شفاء کے سوا کوئی شفاء نہیں ہے ایسی کھل شفاء عطا فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔

امام ترمذی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد (ﷺ) آپ کو بیماری کی شکایت ہے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں! حضرت جبریل نے کہا:

بسم اللہ ارقیک من کل شیء یؤذیک من شر کل نفس وعن حاسد بسم اللہ ارقیک واللہ یشفیک۔ [تسبیح النظام کتبہ رحمانیہ لاہور]

میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ پر دم کرتا ہوں ہر ایسی چیز کی وجہ سے جو آپ کو اذیت و تکلیف دے ہر سرکش نفس کے شر اور ہر حاسد کے حسد سے میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ پر دم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء عطا فرمائے۔

طاقت سے بڑھ کر آزمائش کے

درپے ہونے سے ممانعت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مؤمن کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرنے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! مؤمن اپنے آپ کو کیسے ذلیل کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کسی ایسی آزمائش کے پیچھے پڑ جائے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔

۶۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ التَّعَرُّضِ

بِالْبَلَاءِ مَا لَا يُطِيقُ

۴۴۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَلَّمَ تَسْلِمًا لِمُؤْمِنٍ أَنْ يُؤْذِلَّ نَفْسَهُ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ يُؤْذِلُ نَفْسَهُ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا يُطِيقُ.

بخاری (۵۸۶۱) مسلم (۱۸۲۷) ابوداؤد (۱۳۶۸) ابن ماجہ (۹۴۲) ابن حبان (۲۵۷۱) مصنف مہارزاق (۲۰۷۲۱)

حل لغات

”يُؤْذِلُ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: ذلیل کرنا، رسوا کرنا۔ ”يَتَعَرَّضُ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت باب تفعّل سے ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کے درپے ہونا، کسی چیز کو طلب کرنا، کسی چیز کے پیچھے پڑ جانا۔ ”لَا يُطِيقُ“ یہ باب الحال سے مذکورہ بالا صیغہ ہے لیکن یہ مضارع منفی ہے اس کا معنی ہے: طاقت نہ رکھنا، قوت و ہمت نہ رکھنا۔

اہمیت سے بڑھ کر مشقت اٹھانا منع ہے

عبادات دو قسم کی ہیں: (۱) فرض عبادات (۲) نفلی عبادات۔ سو فرض عبادات میں کمی و بیشی نہیں ہو سکتی مثلاً دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں اب کوئی آدمی یہ کہہ کر کہ میں پانچ نمازیں نہیں پڑھ سکتا نہ ہی نہیں ہو سکتا بلکہ ہر عاقل و بالغ مسلمان کو پوری پانچ نمازیں پڑھنی ہوں گی اسی طرح دیگر فرائض کا حکم ہے البتہ نفلی عبادات جتنی زیادہ ادا کی جائیں اتنا زیادہ قرب و ثواب حاصل ہوگا لیکن اس میں بھی اعتدال ضروری ہے مسلمان میں جتنی ہمت و طاقت ہو اتنی عبادت کرے کیونکہ بعض اوقات ہمت و طاقت سے زیادہ عبادت کرنا محنت و مشقت اور تھکاوٹ و پریشانی کا باعث بن جاتا ہے اس لیے فرض کے علاوہ نفلی عبادت اتنی کرے جتنی ہمت و طاقت ہو اور بغیر مشقت و تھکاوٹ کے آسانی سے کر سکے بلکہ نفلی عبادت تھوڑی ادا کرے لیکن ہمیشہ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ چند دن یا کچھ عرصہ بہت زیادہ عبادت کرے اور اپنے آپ کو مشقت و تھکاوٹ میں ڈال لے پھر اُسکا کر اور تھک ہار کر بالکل ترک کر

دے چنانچہ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 خَلُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تَطِيقُونَ فَإِنَّ اللَّهَ لَا
 يَجْعَلُ حَتَّى تَعْمَلُوا۔
 (تمہاری عبادت سے) نہیں اکتائے گا یہاں تک کہ تم خود اکتا جاؤ
 گے۔

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ دین آسان ہے اور کوئی شخص دین میں شدت و سختی ہرگز
 اختیار نہیں کرتا مگر دین اس پر غالب ہو جاتا ہے سو تم اعتدال کی راہ اختیار کرو اور قرب الہی حاصل کرو اور جنت کی بشارت سنو اور صبح و شام
 اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ اور اس حدیث کو یہاں اس لیے درج کیا گیا ہے کہ عبادت میں مشقت، تکلیف، مالا یطاق اور تھکاوٹ و پریشانی
 اٹھانا اور شدائد کو برداشت کرنا مختلف بیماریوں کو جنم دیتا ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ اور دائمی طور پر عبادت کو ادا کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔
 چنانچہ امام احمد، امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: تم اسی عمل کے
 لیے مکلف ہو جس کی تم طاقت رکھتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتائے گا یہاں تک کہ تم خود اکتا جاؤ گے۔

وَأَنَّ أَحَبَّ الْعَمَلِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى ادْوَمُهُ وَأَنَّ
 قُل۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ کو وہی عمل زیادہ پسند ہے جو ہمیشہ کیا
 جائے اگرچہ کم ہو۔

شیخین (بخاری، مسلم) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم وصال کے روزوں سے
 پرہیز کرو کیونکہ تم میرے جیسے نہیں ہو میں تو اللہ تعالیٰ کے پاس رات گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے سو تم اسی قدر رحمت اٹھاؤ
 جس قدر تم طاقت رکھتے ہو۔ [تسبیح انعام حاشیہ: ۱۱، مسند امام اعظم، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۷۔ بَابُ كَثْرَةِ الصَّدَقَةِ وَالِاسْتِغْفَارِ لِطَلَبِ الْوَلَدِ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے
 ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول
 اللہ! ابھی تک مجھے اولاد عطا نہیں کی گئی اور نہ میرے ہاں کوئی بیٹا ہوا ہے
 نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم کثرت استغفار اور کثرت صدقہ و خیرات
 سے کیوں غافل رہے ہو! ان دونوں کی برکت سے تمہیں اولاد عطا کی
 جائے گی پھر وہ آدمی کثرت سے صدقہ و خیرات دینے لگا اور کثرت سے
 استغفار کرنے لگا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سو اس آدمی کے ہاں نو
 لڑکے پیدا ہوئے۔

۴۴۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ
 جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا رَزَقْتُ وَلَدًا لَطْفًا وَلَا
 وَلَدًا لِي فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتَنَ أَنَّهُ
 مِنْ كَثْرَةِ الْإِسْتِغْفَارِ وَكَثْرَةِ الصَّدَقَةِ تَرَزَّقُ بِهِمَا
 فَكَانَ الرَّجُلُ يَكْثِرُ الصَّدَقَةَ وَيَكْثِرُ الْإِسْتِغْفَارَ قَالَ
 جَابِرٌ فَوُلِدَ لَهُ تِسْعَةُ ذُكُورٍ۔

حل لغات

”رَزَقْتُ“ میخذ واحد مکمل، فعل ماضی مجہول، باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: رزق دینا، روزی دینا، کسی کو رزق
 پہنچانا۔ ”يَكْثِرُ“ میخذ واحد مکمل، فعل مضارع معروف، باب افعل سے ہے اس کا معنی ہے: زیادہ کرنا، زیادہ دینا، کثرت میں غالب
 آنا، مال دار ہو جانا، بہت لانا، کثرت مال پر فخر کرنا۔

اولاد کے حصول کے لیے صدقہ اور استغفار کی کثرت کرنا

الربیع بن صبیح بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت حسن بصری سے قضا سال کی شکایت کی اس سے حضرت حسن نے کہا: تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو پھر دوسرا شخص آیا اس نے ان سے فقر و فاقہ کی شکایت کی حضرت حسن نے اس سے بھی یہی کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو پھر ایک اور شخص آیا اس نے ان سے شکایت کی کہ میرے باغات خشک ہو گئے ہیں۔ حضرت حسن نے اس سے بھی یہی کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو پھر ایک اور شخص آیا اس نے ان سے کہا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بیاد دے۔ انہوں نے اس شخص سے بھی یہی کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو ہم نے ان سے کہا کہ آپ کے پاس مختلف لوگ مختلف شکایات لے کر آئے اور آپ نے سب کو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے حضرت حسن بصری نے فرمایا: میں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی بلکہ میں نے تو قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت نوح لے اپنی قوم سے فرمایا:

اَسْتَغْفِرُكَ رَبِّكَمُ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ يُبِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَسَدًا وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَرًا

(نوح: ۱۰-۱۲) لیے باغات اُگائے گا اور وہ تمہارے لیے دریا بہا دے گا

انسان چاہتا ہے کہ آخرت کے اجر و ثواب کے علاوہ اس کو دنیا میں بھی آرام اور راحت نصیب ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرو کیونکہ تم کو معافی بھی ملے گی اور دنیا کی راحت بھی نصیب ہوگی استغفار کرنے سے بارش ہوگی مال و دولت اور اولاد میں اضافہ ہوگا کھیتوں اور باغات کی پیداوار میں اضافہ ہوگا اور تمہارے لیے دریا رواں دواں ہو جائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام بنیادی اور اصولی نعمتیں استغفار کرنے سے حاصل ہوتی ہیں سو ہمیں چاہیے کہ ہم بہ کثرت استغفار کیا کریں تاکہ ہماری ہر حاجت پوری ہو۔ [تفسیر بیان القرآن ج ۱۲ ص ۲۵۱ مطبوعہ فرید پک سٹال اردو ہارڈ واہلہ ہور]

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

الصدقة تطفئ غضب الرب۔ صدقہ و خیرات دینا اللہ تعالیٰ کے غضب کو مٹا دیتا ہے۔

طاعی قاری نے کہا کہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص بہت زیادہ استغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر نعم و رنج سے کشادگی اور ہر تنگی سے نجات کا راستہ پیدا فرما دے گا اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا اس کو امام احمد اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ [تسبیح النظام فی شرح مسند الامام ص ۲۰۸ حاشیہ: ۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

معفرت و سلامتی کا بیان

۸۔ بَابُ الْغُفْرَانِ وَالسَّلَامِ

۴۴۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَلِمَ أَنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ لَهُ فَهُوَ مَغْفُورٌ لَهُ۔ حضرت ام ہانیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا تو اسے بخش دیا جائے گا۔

ماہ (۱۸۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ہی سلام ہے اور اسی سے سلامتی ملتی ہے۔

۴۴۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنِ ابْنِ نَسْعَوْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلِّمْ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ. ساجدہ (۱۱۹)

معفرت و سلامتی طلب کرنے کی ترغیب

امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جب کوئی بندہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! میں نے ایک گناہ کر لیا ہے سو تو مجھے بخش دے، تو رب تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو بخش دیتا ہے اور وہ گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے سو میں نے اپنے اس بندہ کو بخش دیا ہے پھر وہ بندہ کچھ عرصہ زکا رہتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے پھر وہ گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور (پشیمان ہو کر) کہتا ہے: اے میرے رب! میں نے ایک اور گناہ کر لیا ہے سو مجھے بخش دے، تو رب تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو بخش دیتا ہے اور اس پر پکڑ بھی کرتا ہے سو میں نے اپنے اس بندہ کو بخش دیا ہے پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ بندہ زکا رہتا ہے پھر وہ گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ اے میرے رب! میں نے ایک اور گناہ کر لیا ہے سو آپ مجھے بخش دیں! تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ بے شک اس کا رب ہے جو گناہ کو معاف کر دیتا ہے اور اس پر گرفت بھی کر لیتا ہے سو میں نے تیسری دفعہ بھی اپنے اس بندے کو بخش دیا ہے پس وہ جو چاہے عمل کرتا پھرے اور دراصل یہ انسان کی معروف عادت کے درجے ہیں کہ انسان بار بار گناہ میں پڑ جاتا ہے اور ہر بار تادم ہو کر توبہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ شریعت کی مخالفت کو جائز سمجھ کر کرتا ہے جیسا کہ میں نے حسن حصین کی شرح میں اس کی وضاحت بیان کر دی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لعلی قاری ص ۴۷۵-۴۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کہ "ان الله هو السلام" یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ہی سلام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں تمام تعمیرات و آفات اور تمام مایوس و نقائص سے سلامت اور پاک ہے وہی جس کو چاہتا ہے بغیر ملامت و غیرہ کے سلامتی عطا کرتا ہے اور "ومنہ السلام" اور اسی سے سلامتی ملتی ہے یعنی اسی سے سلامتی ملنے کی امید کی جاتی ہے اور اسی سے سلامتی کی بخشش طلب کی جاتی ہے اور ہر جگہ ہر زمانہ میں اسی سے سلامتی کی توقع کی جاتی ہے۔ امام مسلم اور سنن اربوعہ کے اصحاب نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ان کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ "اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام" علامہ ملا علی قاری نے کہا: شیخ مشائخنا الجزیری نے تصحیح میں فرمایا ہے کہ "ومنک السلام" کے بعد ہوتا زیادہ پڑھا جاتا ہے جیسے "والیک یرجع السلام فعینا ربنا بالسلام وأدخلنا دار السلام" تو ہمارے علمائے کرام کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور صحیح مسلم اور سنن اربوعہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سلام پھیرنے کے بعد صرف "اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام" کے پڑھنے کی مقدار بیٹھتے تھے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۴۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ادب کے احکام

۲۶۔ کتاب الادب

ماں باپ کے حقوق

۱۔ باب فی حقوق الوالدین

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۴۴۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ

حَاسِبُ لَنْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبْنِكَ. ابوداؤد (۳۵۳۰) ابن ماجہ (۲۲۹۱)
ابن حبان (۴۲۶۲-۴۱۰)

۴۵۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ ابْنِ
عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ
يُرِيدُ الْجِهَادَ فَقَالَ أَحَىٰ وَآلِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِيْهَمَا
لِجَاهِدٍ. بخاری (۳۰۰۴) مسلم (۶۵۰۴) ترمذی (۱۶۷۱)
ابوداؤد (۲۵۲۹) نسائی (۳۱۰۵) ابن حبان (۳۱۸)

حل لغات

”آئنی“ اس میں ہنزہ استفہام کا (سوالیہ) ہے اور ”آئی“ کا معنی ہے: ذمہ۔ ”لجہاد“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر حاضر
معروف باب مفاعلہ سے ہے اس کا معنی ہے: جہاد کرنا، کفار سے جنگ کرنا۔

والدین کے حقوق کی اہمیت

اس باب کی پہلی حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے طبرانی نے حضرت سرہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے اور ابوداؤد اور
ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن شعیب کے دادا سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا سو اس نے
عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک میرا مال بھی ہے اور میری اولاد بھی ہے اور میرا والد میرے مال کا محتاج بھی ہے (اس کا کیا حکم
ہے؟) سو آپ ﷺ نے فرمایا: ”أنت ومالك لوالدك“ یعنی تو خود اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے بے شک تمہاری اولاد تمہاری
کمائی میں سے ہے سو تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور امام
ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک سب سے زیادہ
پاکیزہ مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کھاتا ہے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی میں سے ہے۔

اور اس حدیث میں اس بات پر حبیہ ہے کہ والد اپنی جان کی حفاظت کے لیے اپنے بیٹے کے مال میں سے اس کی رضامندی
کے بغیر بھی خرچ کر سکتا ہے۔ [شرح مسند امام عظیم لامل علی قاری ص ۲۱۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۚ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ
تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ
(البقرہ: ۸۳) بھلائی کرو۔

حضرت صدرالاقاقل مراد آبادی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم فرمانے کے بعد والدین کے
ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی خدمت بہت ضروری ہے اور والدین کے ساتھ بھلائی کرنے
کے یہ معنی ہیں کہ ایسی کوئی بات نہ کہے اور ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے انہیں ایذا ہو اور اپنے بدن اور مال سے ان کی خدمت میں
درخی نہ کرے بلکہ جب انہیں ضرورت ہو تو ان کے پاس حاضر رہے اور ان کی ضرورت پوری کرے۔

مسئلہ: اگر والدین اپنی خدمت کے لیے نوافل چھوڑنے کا حکم دیں تو نوافل چھوڑ دے کیونکہ ان کی خدمت کرنا نفل عبادت سے

مقدمہ ہے۔

مسئلہ: واجبات اور فرائض والدین کے حکم سے ترک نہیں کیے جاسکتے۔ والدین کے ساتھ احسان کے طریقے جو احادیث سے ثابت ہیں یہ ہیں کہ تہ دل سے ان کے ساتھ محبت و عقیدت رکھے۔ رفتار و گفتار میں اور نشست و برخاست میں ان کے ادب و احترام کو راجح جانے ان کی شان میں تعظیم و تکریم کے الفاظ کہے اور ان کو راضی کرنے کی سعی اور کوشش کرتا رہے اپنے نفیس و عمدہ مال کو ان سے نہ بچائے ہر ان پر خرچ کرے اور ان کے مرنے کے بعد ان کی وصیتیں جاری کرے ان کے لیے فاتحہ صدقات و خیرات تلاوت قرآن مجید سے ایصالِ ثواب کرے اور اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعا کرے بوقتہ داران کی قبر کی زیارت کرے۔ [فتح المعرب] والدین کے ساتھ بھلائی کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر وہ گناہوں کے عادی ہوں یا کسی بد مذہبی میں گرفتار ہوں تو ان کو نرمی کے ساتھ اصلاح و تقویٰ اور عقیدہ حقہ کی طرف لانے کی کوشش کرتا رہے۔ [تہذیب الخصال العرفان ص ۲۲ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور]

ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا حکم

حضرت زیاد بن علاقہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے

ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی کرنے کا حکم دیا ہے۔

۲۔ بَابُ الْأَمْرِ بِالنَّصِيحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ

۴۵۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ شَاهِدٍ عَنْ أَبِي النَّبِيِّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَمَرَ بِالنَّصِيحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

بخاری (۵۷) مسلم (۲۰۰) ترمذی (۱۹۳۵)

کن کے ساتھ خیر خواہی کرنا واجب ہے؟

حضرت حمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "الدين النصيحة" یعنی دین خیر خواہی ہے آپ

نے تین مرتبہ فرمایا ہم نے عرض کیا: کس کی؟ فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی اس کی کتاب کی اس کے رسول کی مسلمانوں کے

لئے و لکتابہ و لرسولہ و لامة المسلمین

انہ کی اور عام مسلمانوں کی۔

و عامتهم۔ [صحیح مسلم]

"النصيحة" "نصح" سے بنا ہے اس کا معنی ہے: خالص ہونا۔ عرب کہتے ہیں: "نصحت العسل عن الشمع" میں نے شہد کو موم سے خالص کر لیا ہے اور عرف و اصطلاح میں کسی مسلمان ساتھی کے ساتھ قول یا فعل کے ذریعہ خالص خیر خواہی کرنا جس میں بدخواہی کا شائبہ نہ ہو یا غلوں و دل سے کسی کی بھلائی چاہنا نصیحت ہے یہ کلمہ بھی جامع کلمات میں سے ہے کیونکہ یہ ایک کلمہ دین و دنیا کی تمام بھلائوں کا جامع ہے اس ایک لفظ میں لاکھوں مفید چیزیں شامل ہیں حتیٰ کہ اعتقاد کو کفر سے خالص کرنا عبادت کو ریا اور دکھاوے سے پاک و صاف کرنا اور معاملات کو خرابیوں سے بچانا سب ہی نصیحت میں داخل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے نصیحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کی ذات اور اس کی ثبوتی و سلبی صفات کے متعلق خالص اسلامی عقیدہ رکھنا خلوص دل سے اس کی عبادت کرنا اس کے محبوبوں سے محبت اور دشمنوں سے عداوت کرنا اس کی خلق پر شفقت کرنا اس کے اوامر و احکام بجالانا اور اس کے نواہی و ممنوعات سے پرہیز کرنا اور اس کے متعلق اپنے عقیدے خالص رکھنا اس کی شرح بہت وسیع ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے لیے نصیحت و خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس کو کلامِ الہی اور اس کی طرف سے نازل شدہ وحی تسلیم کیا جائے اور اس کو مخلوق کی قدرت و اختیار سے ماوراء بے مثل کتابِ الہی تسلیم کیا جائے اور تلاوت میں اس کے حروف کو سحر و جادو سے بچ کر ادا کیا جائے اور اس کے وعدوں اور وعیدوں کی تصدیق کی جائے اور اس کے مواعظ سے عبرت حاصل کی جائے اور اس کے عجائب میں غور و فکر کیا جائے اور اس کے حکمت پر عمل کیا جائے اور اس کے مشابہات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔ علامہ

خطابی نے یہی ذکر کیا ہے۔

اور بعض محققین نے فرمایا کہ کتاب سے قرآن مجید مراد ہے یعنی قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے پر ایمان رکھنا اس کی تلاوت کرنا اور اس کے عجائب و معانی میں بہ قدر طاقت غور و فکر کرنا اس پر صحیح عمل کرنا اور اس پر مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دینا غلط تاویلوں اور تحریفوں کی تردید کرنا یہ سب قرآن مجید کی خیر خواہی میں داخل ہیں اور قرآن مجید پر ایمان لانا چونکہ تمام کتب سماویہ کو مضمّن ہے اس لیے کتاب سے قرآن کریم مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے لیے نصیحت و خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنا اور ان کی تعلیمات کو تسلیم کرنا ان کے اوامر پر عمل کرنا اور ان کے نواہی سے پرہیز کرنا اور ان کی دعوت قبول کرنا ان کی اطاعت کرنا اور ان سے اپنی جان و مال و اولاد و والدین اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبت و پیار کرنا اور یہاں رسول اللہ ﷺ مراد ہوں تو آپ کو آخری نبی و رسول ماننا اور تمام انبیاء و رسل سے افضل ماننا بھی آپ کے ساتھ خیر خواہی میں شامل ہے اور یا جس رسول مراد ہو تا کہ فرشتوں کو بھی یہ لفظ شامل ہو جائے کیونکہ یہ انبیاء کرام کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسل ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا“ (فاطر: ۱) اور فرمایا: ”أَلَلَّهُ يَصْطَلِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا“ (الناس: ۷۵) اور ائمہ مسلمین سے یا اسلامی حکام مراد ہیں یا علماء دین مجتہدین مراد ہیں ان کی نصیحت و خیر خواہی یہ ہے کہ ہر جائز کام میں بہ قدر طاقت ان کی تعمیل کرنا اور لوگوں کو ان کی جائز اطاعت کے لیے ترغیب دینا اور اسلامی حکام کو نری کے ساتھ وعظ و نصیحت کرنا اور غلط اقدام پر لوگ نہ لانا اور ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنا ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا اور ان کا ادب و احترام کرنا اور عام مسلمانوں کے لیے نصیحت و خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی خدمت کرنا ان سے دینی و دنیاوی مصیبتیں دور کرنا ان سے محبت و شفقت کرنا ان میں علم دین پھیلانا نیکی کی تلقین کرنا نہ ائی سے منع کرنا اور جو چیز اپنے لیے پسند نہ کرے ان کے لیے پسند نہ کرنا اور مشکل میں ان کی مدد کرنا غرضیکہ ان کی ہر طرح بھلائی چاہنا۔

[مرآۃ المفاتیح ج ۹ ص ۲۲۵-۲۲۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان مراۃ المفاتیح ج ۹ ص ۵۵۸-۵۵۷ مطبوعہ مکتبہ نعیمی کتب خانہ گجرات]

بزرگی اور بڑائی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے

۳۔ بَابُ فِي الْكِبَرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ لِلَّهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کبریا کی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے سو جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کو مجھ سے پیچھے کا تو میں اس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔

۴۵۲۔ حَمَلَهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ الْأَعْمَرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى الْكِبَرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي فَمَنْ لَزَّ عَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا أَلْقَيْتُهُ فِي جَهَنَّمَ.

مسلم (۶۶۸۰) ابوداؤد (۴۰۹۰) ابن ماجہ (۴۱۷۴) ابن حبان (۵۶۷۱)

حل لغات

”رِدَائِي“ اوپراؤڑھنے والی بڑی چادر۔ ”إِزَارِي“ نیچے ستر کے لیے باندھنے والی تہبند۔ ”نَزَّ عَنِي“ اس میں ”نَزَّ عَ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف، باب مفاعله سے ہے اس کا معنی ہے: جھگڑا کرنا، چھیننا، باہم اختلاف کرنا، کھینچنا، آخر میں لون و قایہ اور یاغے شکم ضمیر مفعول بہ ہے۔ ”أَلْقَيْتُهُ“ صیغہ واحد شکم، فعل ماضی معروف، باب انفعال سے ہے اس کا معنی ہے: ڈال دینا۔ آخر میں ”عَ“ ضمیر مفعول بہ ہے۔

کبریائی اور عظمت اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات ہیں

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ازار وہ چادر ہے جس کو کمر پر باندھتے ہیں اور رداء وہ چادر ہے جس کو کندھوں پر ڈالتے ہیں یہ دونوں چادریں لباس ہیں اور لباس اجسام کے خواص میں سے ہے اور اللہ عزوجل جسم سے منزہ اور پاک ہے لہذا ان چادروں سے مراد اس کی مخصوص صفات ہیں یعنی عظمت اور کبریائی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات ہیں جو شخص ان صفات سے متصف ہونے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے کے لیے دوزخ میں ڈال دے گا۔ [ماخوذ از شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۷۳ مطبوعہ فریڈیکسٹال لاہور]

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کہ ”کبر پیری رداء (چادر) ہے اور عظمت میری ازار (تہبند) ہے“ یہ ایک مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ کبر اور عظمت کی صفت کے ساتھ منفرد اور اکیلا متصف ہے یعنی یہ دو صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں کسی شخص کو ان میں شرکت کی مجال نہیں ہے اور کوئی شخص ان دو صفات کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا جیسا کہ جو دو کرم اور مہربانی یہ صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں اور بندوں کو بھی اس سے حصہ عطا کیا گیا ہے اس لیے جواز کرم اور رحیم صفات کے ساتھ بطور مجاز بندوں کو بھی متصف کرنا جائز ہے لیکن کبر اور عظمت دونوں صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی بندے وغیرہ کو متصف کرنا جائز نہیں ہے جس طرح اوپر پہننے والی چادر اور نیچے کمر پر باندھنے والا تہبند کوئی شخص پہن لے تو اب وہ چادر اور تہبند کسی دوسرے کے لیے پہننا ناممکن ہے اسی طرح کبر اور عظمت دونوں صفات اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص اور ثابت ہو چکی ہیں سو اس لیے اب کوئی شخص ان دو مخصوص صفات کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا اور لغت میں ان دونوں صفات کا معنی ایک ہے (یعنی کبر اور عظمت دونوں مترادف ہیں) ان کا معنی ہے: بزرگی اور بزرگ ہونا اور حدیث کے ظاہر کے اعتبار سے دونوں میں فرقی نظر آتا ہے کہ ایک کو رداء کے ساتھ اور دوسرے کو ازار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کبر اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اور عظمت اضافی صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں کبر و تکبر ہے خواہ کوئی اور اسے کبر و تکبر جانے یا نہ جانے اور عظمت کا مطلب ہے کہ لوگ اسے بڑا جانیں اس لیے ضروری ہے کہ ذاتی صفت اضافی صفت سے ارفع و اعلیٰ ہو اور رداء بھی ازار سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ اوپر پہنی جاتی ہے جبکہ ازار نیچے کمر پر باندھا جاتا ہے پس اس اعتبار سے کبر کو رداء کے ساتھ اور عظمت کو ازار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

[ابن اللغات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۶۳ مطبوعہ مکتبہ نور پور پشاور، تفسیر کبیر کا شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۳۰۹ مطبوعہ مکتبہ امداد پشاور]

تکبر کی مذمت

۴۔ بَابُ فِي ذَمِّ الْكِبَرِ

۴۵۳۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُتَكَبِّرِ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْمُتَكَبِّرَ رَأْسُهُ بَيْنَ رِجْلَيْهِ خَبِثٌ كَأَن يَرْفَعُ بِرَأْسِهِ فَيُثَابِتُ مِنْ ثَابِتٍ مَقْفُلٍ عَلَيْهِ وَلَا يَخْرُجُ أَبَدًا مِنَ النَّارِ.

حضرت محمد بن مسکدر بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ تکبر کا سر اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہو گا کیونکہ وہ (دنیا میں) اپنا سر اٹھا کر اُکڑتا تھا وہ آگ کے ایک تابوت میں بند ہو گا جس پر تالا لگا ہو گا اور وہ کبھی دوزخ کی آگ سے نہیں نکل سکے گا۔

حل لغات

”يَرْفَعُ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت باب التعلال سے ہے اس کا معنی ہے: اٹھانا بلند کرنا اوپر کرنا۔
”مَقْفُلٌ“ صیغہ واحد مذکر اسم مفعول باب التعلیل سے ہے اس کا معنی ہے: تالا لگانا بند کرنا جمع کرنا خشک کرنا۔
تکبر کرنے کا انجام دوزخ کا عذاب ہے

کبر کا معنی ہے: عجب یعنی بڑائی اپنی ذات و صفات کو اچھا جانتا اور اس کا لوگوں کے سامنے اظہار کرنا تکبر ہے جو بدترین عادت

ہے اور اس کے مقابلہ میں تواضع اور انکساری ہے جو بہت اچھی عادت ہے بہر حال تکبر اگرچہ نہ عمل ہے لیکن بعض دفعہ اچھا بھی ہوتا ہے مثلاً مسلمان کا اپنے آپ کو کفار سے اچھا جاننا اور انہیں حقیر و ذلیل خیال کرنا تاکہ ان کی بیعت ہمارے دلوں میں نہ آئے یہ تکبر اچھا ہے البتہ مسلمان بھائی سے اپنے آپ کو بڑا اور اچھا سمجھنا اور انہیں ذلیل و حقیر اور کمتر سمجھنا یہ بدترین تکبر ہے۔ یاد رہے کہ نبی کے مقابلہ میں تکبر کرنا کفر ہے جیسے شیطان مردود نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں تکبر کیا تو کافر ہو گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَأَسَفْتُكَ وَتَعْمَانُ مِنَ الْكَافِرِينَ" (البقرہ: ۳۴) اور شیطان نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا دراصل اللہ تعالیٰ ہی تکبر ہے کیونکہ وہی سب سے بڑا سب سے عالی سب سے بلند ہے۔

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کوئی شخص دوزخ کی آگ میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا اور ایسا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر تکبر و غرور ہوگا۔ [صحیح مسلم]

(۲) انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر و غرور ہوگا سو ایک آدمی نے عرض کیا کہ ایک شخص پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا لباس وغیرہ خوبصورت اور اچھا ہو اور اس کے جوئے اچھے ہوں تو آپ نے فرمایا: "إِنَّ اللَّهَ يَجْعَلُ يُوجِبُ التَّعَمُّاتِ" بے شک اللہ تعالیٰ حسین و جمیل ہے اور وہ حسن و جمال کو پسند فرماتا ہے جبکہ تکبر و غرور حق و حق کو بھٹکانا اور لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھنا ہے۔ [رواد مسلم]

(۳) حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تکبر کرنے والے لوگوں کو چھوٹیوں کی طرح آدمیوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا جن پر ہر جگہ سے ذلت و رسوائی چھا جائے گی انہیں دوزخ کے ایک قید خانہ کی طرف ہانکا جائے گا جس کا نام بئس رکھا گیا ہے ان لوگوں کو آگوں کی آگ گھیر لے گی انہیں دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی یعنی فاسد و گندی بد بودار نمڑی ہوئی پیپ اس کو ترندی نے روایت کیا ہے۔

[مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴-۴۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت]

نرمی اور حسن خلق کی فضیلت

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ اس وقت کچھ دیہاتی لوگ آپ سے یہ سوال کر رہے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بندے کو جو کچھ عطا کیا گیا ہے اس میں سب سے بہتر کیا چیز عطاء کی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھا خلق۔

ابوداؤد (۳۸۵۵) ترمذی (۲۰۳۸) ابن ماجہ (۳۴۳۶) ابن حبان (۶۰۶۱) مسند احمد (۱۸۶۴۵) مسندک للحاکم (ج ۱ ص ۱۲۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر نرمی اور حسن خلق کو جسمانی قالب میں دکھایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی مخلوق حسن خلق سے بہتر نظر نہیں آئے گی اور اگر

۵۔ بَابُ فَضِيلَةِ الرَّفْقِ وَالْخُلُقِ الْحَسَنِ

۴۵۴۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنْ أَسَمَةَ بْنِ ضَرْبَانَ لَمَّا ذُهِبَتْ رَسُومُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَعْرَابُ يَسْأَلُونَهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غَيْرَ مَا أُعْطِيَ الْعَبْدُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ.

۴۵۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا رَسُومُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوَّ أَنَّ الرَّفْقَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ يُرْمَى لَمَّا

وَمَا مِنْ خَلْقٍ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى خَلَقَ أَحْسَنُ مِنْهُ وَلَوْ أَنَّ
الْمُخْرِقَ خَلَقَ يُرَى لَمَّا رَمَى مِنْ خَلْقِ اللَّهِ تَعَالَى الْكَبْخُ
مِنْهُ. سند الحارثی (۵۲۴)

حل لغات

”خلق“ خام پر ختم ہوتا اس کا معنی ہوتا ہے: نرم فرمونا، طبعی عادت، مروت، خصلت، رویہ، اگر انسان کا رویہ رہن بہن، میل جول، گفتار و کردار دوسرے لوگوں کے ساتھ اچھا اور مثالی ہو تو اسے حسن خلق کہا جاتا ہے جس کی جمع اخلاق حسنہ ہے اور اگر یہ چیزیں بری ہوں اور قابل نفرت ہوں تو اسے سوائے خلق اور بد خلقی کہا جاتا ہے، جمع میں اخلاق سیئہ اور بد اخلاق کہا جاتا ہے۔ ”مُخْرِق“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع مجہول مثبت، باب فتح یفتح سے ہے اس کا معنی ہے: دیکھنا۔ ”لَمَّا“ میں لام ابتدائیہ ہے اور ماضیہ ہے۔

حسن خلق کا انعام جنت ہے

خلق کا لغوی معنی اور اس کا مطہوم حل لغات میں قدرے بیان کر دیا گیا ہے یہاں صرف یہ یاد رکھنا ہے کہ حسن خلق یعنی عمدہ اور اچھے خلق کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے والا انسان ہی حسن خلق کا مالک اور اس کا حق دار ہے اور اس کے برعکس دونوں یا کسی ایک کو ترک کرنے والا انسان اس خوبی سے محروم ہو جاتا ہے دونوں حقوق کو ترک کرنے والا انسان تو بد خلق اور ثالقی و بد نصیب ہے اور کسی ایک کو ترک کرنے والا انسان بھی پچاس فی صد بد خلق اور بد نصیب ہے۔ اس مضمون پر بہت زیادہ احادیث مروی ہیں لیکن یہاں اختصار کے پیش نظر چند احادیث بیان کی جا رہی ہیں، ملاحظہ فرمائیں اور اپنا ایمان اور علم تازہ فرمائیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن مومن کے میزان میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری عمل حسن خلق ہوگا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس کو بد خلق آدمی سے بغض و عداوت رکھتا ہے اسے امام ترمذی نے سنن ترمذی میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) امام ابو داؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک جو عمل سب سے زیادہ لوگوں کو جنت میں لے جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور حسن اخلاق ہے۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک مسلمان اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے رات بھر عبادت کرنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا درجہ اور مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔

[رواہ ابو داؤد]

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ پیارا اور پسندیدہ وہ ہے جس کے اخلاق تم میں سے سب سے زیادہ اچھے ہیں۔ [تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۳، مطبوعہ مدوۃ المصنفین، دہلی]

۶۔ بَابُ إِخْلَاقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

تواضع اختیار کرنے کا ثبوت

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوَاضُعِهِ مَعَ أَصْحَابِهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی بھی اپنے گھٹنے اپنے ہم جلس سے آگے نکال کر نہیں بیٹھے بلکہ آپ ان کے برابر بیٹھے تھے اور کبھی کسی شخص نے آپ کا ہاتھ نہیں پکڑا کہ آپ نے

۴۵۶۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا
اَخْرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُكْبَتَيْهِ
بِئْسَ يَذَى جَلِيسٍ لَه لَطُ بَلْ يَتَعَدُّ مُسَاوِيًا لَهُمْ وَلَا

اسے چمڑا لیا ہو یہاں تک کہ وہ شخص خود آپ کا ہاتھ چھوڑ دیتا اور کبھی کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر نہیں بیٹھا کہ آپ کھڑے ہو گئے ہوں یہاں تک کہ وہ خود آپ سے پہلے کھڑا ہو جاتا اور میں نے رسول اللہ ﷺ کے جسم کی ذاتی خوشبو سے زیادہ خوشبودار کبھی کوئی چیز نہیں پائی۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی آدمی اپنی کسی حاجت و ضرورت کے لیے کھڑا نہیں ہوا کہ آپ نے اس سے پہلے اس سے منہ پھیر لیا ہو یہاں تک کہ وہ آدمی خود اپنا منہ پھیر کر چلا جاتا۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو آپ اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے مگر یہ کہ وہ خود آپ کا ہاتھ چھوڑ دیتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو بلند آواز سے پکارا جبکہ آپ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے سو آپ نے فرمایا: ”لَبَّيْكَ لَقَدْ أَجَبْتُكَ“ میں حاضر ہوں اے شک میں نے تمہارا بلاوا قبول کر لیا ہے پھر آپ باہر اس کے پاس تشریف لے آئے۔

تَنَازَلَ أَخَذَ بِيَدِهِ لَمَّا لَمَسَ حَتَّى يَتَكُونَ هُوَ يَدُهَا وَمَا خَلَسَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ لَمَّا لَمَسَ حَتَّى يَقُومَ قَبْلَهُ وَمَا وَجَدْتُ خَبْرًا لَمَّا لَمَسَ مِنْ رَنَجِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [مائل ترمذی]

وَفِي رِوَايَةٍ لَّانَ مَا لَمَسَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فِي حَاجَةٍ لَمْ يَنْصَرِفْ عَنْهُ قَبْلَهُ حَتَّى يَتَكُونَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ.

ابوداؤد (۴۷۹۴) ترمذی (۲۴۹۰) ابن ماجہ (۳۷۱۶) وَفِي رِوَايَةٍ ثَمَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّحَ أَحَدًا لَا يَتْرُكُهُ يَدُهُ إِلَّا أَنْ يَتَكُونَ هُوَ الْيَدِي يَتْرُكُهُ. ترمذی (۲۴۹۰) ساہب (۳۵۹)

۴۵۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا نَادَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْزِلِهِ لَقَدْ لَبَّيْكَ لَقَدْ أَجَبْتُكَ فَخَرَجَ إِلَيْهِ.

بخاری (۶۳) ابوداؤد (۴۸۶) ابن ماجہ (۱۴۰۲) ابن حبان (۱۵۴) مسند الکبیری (ج ۹ ص ۲۰)

عمل لغات

”يَقْعُدُ“ صیغہ واحد مکرر غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب نَعَزَ يَنْعُزُ سے ہے اس کا معنی ہے: بیٹھنا۔ ”لَا قَتَاوَل“ صیغہ واحد مکرر غائب، فعل ماضی معروف متغی، باب تَقَالَّ سے ہے اس کا معنی ہے: پانا، حاصل کرنا، وصول کرنا، مراد پکڑنا ہے۔ ”مَا صَلَّحَ“ صیغہ واحد مکرر غائب، فعل ماضی معروف متغی، باب صَلَّحَ سے ہے اس کا معنی ہے: مصافحہ کرنا، ایک دوسرے کے ساتھ باہم ہاتھ ملانا۔ ”أَجَبْتُكَ“ صیغہ واحد مکمل، فعل ماضی معروف مثبت، باب أَجَبَ سے ہے اس کا معنی ہے: جواب دینا، ایجاب کرنا۔

اخلاق نبوی ﷺ کی جھلک

علامہ یوسف بن اسماعیل ہمعانی معری لکھتے ہیں:

نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرمایا کرتے: اے اللہ! جس طرح تو نے میرے جسم کو خوبصورت بنایا ہے اسی طرح میرے اخلاق و اطوار کو بھی سنوار دے۔ (امام احمد و بیرو) امام مسلم نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے دعا کی: اے اللہ! تو میری بہترین اخلاق کی طرف رہنمائی فرما کیونکہ تیرے بغیر اور کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ چونکہ نبی کریم ﷺ میں وہ تمام اخلاق حسنہ موجود تھے جنہیں نہ تو شمار کیا جاسکتا ہے اور نہ ان کی حد مقرر کی جاسکتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو فرمایا:

اور بے شک آپ ضرور بہت بڑے علق پر فائز ہیں

وَالَّذِكَ لَعَلَى خُلُقِي عَظِيمٍ (القلم: ۴)

اور حسن خلق ایسی ذاتی خوبی ہے کہ جس کی وجہ سے موصول سے نہایت عمدہ افعال اور بہترین اعمال صادر ہوتے ہیں اور چونکہ آپ کی ذات و اقدس میں بہترین اخلاق جمع تھے اس لیے آپ کا خلق عظیم تھا نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہترین اخلاق اور عمدہ افعال سے سرفراز فرمایا۔ (طبرانی) امام مالک نے موطا میں تحریر کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں: ”عَمَّا نَ خُلِقْتُ الْقُرْآنُ“ آپ کا خلق قرآن ہے یعنی جس طرح الفاظ قرآن کے معانی کی کوئی حد نہیں اسی طرح آپ کے اوصاف جمیلہ اور اخلاق حسنہ کی کوئی حد نہیں کیونکہ ہر حالت میں نبی کریم ﷺ سے کوئی نہ کوئی عمدہ خصلت اور پاکیزہ عادت کا ظہور ہوتا رہتا تھا اور آپ پر مختلف علوم و معارف کا اللہ کی طرف سے دیا ہوا جزو فیضان ہوتا رہتا تھا اس کا علم اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو نہیں ہو سکتا نیز آپ کے اوصاف جمیلہ اور کمالات حمیدہ کا احاطہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ آپ کی فطرت کی تخلیق ہی اخلاق کریمہ پر ہوئی تھی اور ان عادات و اطوار کا اکتساب نفس کی ریاضت اور کوشش کا ثمرہ نہیں تھا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم تھا یہی وجہ ہے کہ محارب الحبیب کے انوار آپ کے دل پر ہمیشہ جلوہ ریز ہوتے تھے یہاں تک کہ آپ نہایت بلند دہالہ اور اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ گئے۔

[الانوار المحمدیہ سن المصاحب للہدۃ عربی ص ۲۲۰ مطبوعہ بیروت معزم ص ۲۸۶ مطبوعہ مکتبہ ہدیہ لاہور]

عورتوں کے ساتھ مصافحہ

کرنا جائز نہیں

حضرت اُمیہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ میں آپ سے بیعت کروں سو آپ نے فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

بخاری (۲۷۱۳) مسلم (۴۸۳۴) ابوداؤد (۲۹۴۱) ترمذی (۳۳۰۶) ابن ماجہ (۲۸۷۵) ابن ماجہ (۵۵۸۰) سنن ابی داؤد (۲۵۳۳۴) سنن

حمیدی (۳۴۱) طبقات ابن سعد (۹۵۵۴)

عورتوں سے بیعت کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیعت کے جواز کے بارے میں فرمایا ہے:

اے حبیب کی خبریں بتانے والے (پیغمبر)! جب آپ کی خدمت میں مسلمان عورتیں حاضر ہوں تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ جھوٹا الزام لگائیں گی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہے اور نہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو (اے محبوب!) آپ انہیں بیعت فرمائیں اور آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبْتَغِيَنَّ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْهَدْنَ لِيْ مَعْرُوفٍ فَبَيِّعْهُنَّ وَأَسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

(المائدہ: ۱۲)

آپ انہیں بیعت فرمائیں اور آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے کئی بار بیعت لی لیکن آپ نے کبھی کسی عورت کے ساتھ بیعت لینے وقت مصافحہ نہیں کیا۔ کبھی

تو زبانی کلامی ان اُسور کی پابندی کا وعدہ کیا اور کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالہ میں اپنا ہاتھ ڈالا اور اس کے بعد بیعت ہونے والی عورتوں کو اپنا ہاتھ رکھنے کا حکم دیا۔ کبھی کپڑا ہاتھ میں لے کر عورتوں سے بیعت لی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے: جو عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم والسلام کے پاس ہجرت کر کے آتی تھیں ان کا امتحان اسی آیت سے ہوتا تھا جو عورت اس آیت کی تمام باتوں کا اقرار کر لیتی اسے رسول اللہ زبانی فرما دیتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی یہ نہیں کیا کہ آپ ان کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ ملاتے ہوں قسم اللہ کی! آپ نے کبھی بیعت کرتے ہوئے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا آپ صرف زبانی فرما دیتے کہ میں نے ان باتوں پر تمہاری بیعت لے لی۔ جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور مسند امام احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت امیر بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کئی اور عورتوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئی تو آپ نے قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہم سے مہر و بیان لیا کہ ہم نیک اور اچھی باتوں میں رسول اللہ کی ہر ممانی نہیں کریں گی اسی اقرار کے وقت فرمایا: تم یہ بھی کہہ لو کہ جہاں تک تمہاری طاقت ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا خیال ہم سے بہت زیادہ ہے اور ان کی مہربانی بھی ہم پر خود ہماری مہربانی سے بڑھ چڑھ کر ہے پھر ہم نے عرض کیا: آپ ہم سے مصافحہ نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں غیر عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا میرا ایک عورت سے کہہ دینا جو عورتوں کی بیعت کے لیے کافی ہے! بس بیعت ہو چکی۔ امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں مسند احمد میں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ آپ نے ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ مصافحہ نہیں کیا۔ [تیسری حدیث ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰،

میں ظلم و زیادتی کرنے والا۔

معاف کرنے کی فضیلت

ان احادیث سے ثابت ہو گیا ہے کہ اگر کسی سے غلطی ہو جائے اور وہ اپنی غلطی پر نادم و شرمندہ ہو کر معذرت پیش کرے تو اس کی معذرت قبول کرنا اور اسے معاف کر دینا واجب و لازم ہے ورنہ معاف نہ کرنے والا خود گنہگار ہو جائے گا لیکن یہ مطلق نہیں کیونکہ بندوں کے حقوق کی تفصیل یہ ہے کہ بعض چیزوں میں ان سے تسامح اور درگزر کرنا مستحسن ہے۔ اور بعض چیزوں میں ان سے اغماض اور چشم پوشی کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی شخص کو کوئی ذاتی نقصان پہنچائے تو اس کو معاف کر دینا مستحسن ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرے اور حدود اللہ کو پامال کرے اور رسول اللہ ﷺ کی توہین کرے تو اس کے ساتھ مدہمت کرنا جائز نہیں ہے سو اس لیے معاف کرنے کے حکم کا تعلق انسان کے ذاتی معاملات سے ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت و سرکشی اور روگردانی کا معاملہ ہو وہاں نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے لوکنا اور رد کرنا ضروری ہے اور اگر نیکی کا حکم دینے پر کوئی شخص بدتمیزی اور جہالت سے پیش آئے تو پھر اس سے اعراض کرنے کا حکم ہے۔ امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

جب یہ آیت:

عَلَى الْغَفْوَةِ وَآمَرَ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنْ الْجَاهِلِينَ (الاحزاب: ۱۹۹)

جاہلوں سے اعراض کیجئے

نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا: اے جبریل اس کا کیا معنی ہے؟ حضرت جبریل نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں گا پھر واپس آ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ جو آپ پر ظلم و زیادتی کرے اس کو معاف کر دیں جو آپ کو محروم کرے اس کو عطا کریں اور جو آپ سے تعلق توڑے آپ اس سے تعلق جوڑیں۔

امام احمد روایت کرتے ہیں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے عقبہ بن عامر! جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو اور جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو میں دوبارہ ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اے عقبہ بن عامر! تم اپنی زبان پر قابو رکھو! اپنے گناہوں پر رو کیا کرو اور تمہارے گھر میں گنجائش رہنی چاہیے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے غضب کے تقاضے پورے کرنے پر قادر ہو اس کے باوجود وہ اپنے غصہ کو ضبط کر لے اور معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اس کو یہ اختیار دے گا کہ وہ جس بڑی آنکھوں والی حور کو چاہے لے لے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے قدرت و اختیار کے باوجود کسی کو معاف کر دیا تو نیکی کے دن اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔

نوٹ: تفصیل اور حوالہ جات دیکھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر تبیان القرآن ج ۳ ص ۵۰۷-۵۰۵، 'مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار لاہور۔

خوشبو قبول نہ کرنے کی ممانعت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

۹۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ رَدِّ الطِّيبِ

۴۶۱۔ ابُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ

۴۶۲۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ
نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّظَرِ
فِي السُّجُومِ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
(قسمت معلوم کرنے کے لیے) ستاروں میں دیکھنے اور غور و فکر کرنے
سے منع فرمایا ہے۔

کنز العمال (۲۹۴۳۶) ابن ہری (ج ۵ ص ۱۹۱۶) الدر المنثور (ج ۳ ص ۳۵)

حل لغات

”النظر“ اس کا معنی ہے: غور سے دیکھنا سوچنا غور و فکر کرنا اندازہ کرنا نگاہ داناںی علم النظر والا استدلال۔ ”السُّجُومُ“ اس
کے معنی ہیں: ستارے ”نجم“ کی جمع ہے اور ”نجم“ کے معانی ہیں: ستارہ ثریا مقررہ وقت بے ساق محل پودا نباتات اصل
کلمہ۔

ستاروں میں غور و فکر کرنے کی ممانعت کی وجوہ

یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ نے مطلقاً ستاروں میں نظر و فکر اور دیکھنے سے منع نہیں فرمایا کیونکہ قرآن مجید میں عقل سلیم رکھنے والے
اور اُٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے اور ہر دم اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری و ساری رکھنے والے محبوب بندوں کی ایک خوبی یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ کائنات
کی تخلیق و تکمیل میں غور و فکر کرتے ہیں تو وہ خدا داد استعداد و صلاحیت سے بہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ نظام
فطرت کے یکساں پابند ہیں اور احکام خداوندی سے سرسبز تالی کی جرأت نہیں کرتے وہ تخلیق کائنات کے ان سر بستہ اسرار و رموز کے
آشکارا ہو جانے پر پکار اُٹھتے ہیں: ”وَلَقَدْ مَا خَلَقْنَا هَذَا بِأَجَلٍ“ اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ (سب کچھ حکمت و مصلحت اور
تدبیر کے بغیر محض) باطل و بے کار پیدا نہیں فرمایا بلکہ نبی کریم ﷺ نے ستاروں کی چال سے بارش کا وقت آندھیاں چلنا سردی
گرمی اُردانی گرانی، تنگ دستی و خوشحالی اور مستقبل کے حوادث و حالات معلوم کرنے کے لیے ان میں غور و فکر کرنے اور دیکھنے سے منع
فرمایا ہے کیونکہ یہ علوم ضعیفہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے نیز دنیا کے انتظامات، مخلوق کی موت و حیات، تنگ دستی و خوشحالی اور بارش
و خشکی یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے وہی ان کا مدبر و موثر ہے پس ستاروں کو مدبر و موثر ماننا کفر و شرک ہے البتہ ان سے اوقات
رات کے سفر میں راستے منزل کی سمت اور قبلہ معلوم کرنا بالکل حق ہے کیونکہ رات کے وقت صحرائی اور سمندری سفر میں منزل کی طرف
سمت اور قبلہ کا تعین قطب ستارے پر موقوف ہیں نیز مساجد کی قبلہ رخ بنیاد قطب ستارے سے رکھی جاتی ہے بہر حال ان کے صد ہا
فوائد ہیں لیکن یہ کسی چیز میں موثر نہیں ہیں بلکہ یہ صرف علامات و اسباب ہیں۔

(۱) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے: (۱) ان کو آسمان کے
لیے زینت (۲) اور شیطین کو آگ کا شعلہ مار کر بھگانے والا (۳) اور علامات و نشانیاں بتایا ہے جن سے رہنمائی لی جاتی ہے۔
چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا
رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ۔ (الملك: ۵)

اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے
تاکہ تم ان کے ذریعہ خشکی اور تری کے اندھیروں میں منزل کی راہ پا لو۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ستاروں میں غور سے دیکھنے والا شخص اس طرح ہے جس طرح عین سورج کو دیکھنے

والا جب اس کی نظر سورج میں سخت تیز ہو جائے گی تو اس کی بصارت ضائع ہو جائے گی۔

(۳) ابن مردودہ اور دارقطنی نے کتاب الخوم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ تم ستاروں کا علم اتنا سیکھو جس کے در پید تم صحرائی اور سندری سفر کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کر سکو پھر ہاڑ آ جاؤ۔

(۴) امام احمد مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جس شخص نے علم نجوم کا حصہ حاصل کیا اس نے جادو کا حصہ حاصل کیا جس قدر اس نے علم نجوم زیادہ حاصل کیا اسی قدر اس نے جادو کا حصہ زیادہ حاصل کیا۔

[شرح مسند امام اعظم لاملی قاری ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

بغیر تہبند حمام میں داخل

ہونے کی ممانعت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی ایسے آدمی کے لیے جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے کہ وہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل ہو اور جو شخص لوگوں سے اپنی شرم گاہ کو نہ چھپاتا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام مخلوق کی لعنت میں ہوتا ہے۔

ابوداؤد (۴۰۱۱) ترمذی (۲۸۰۱) ابن ماجہ (۳۷۴۸) مسند احمد (۸۲۵۸)

۱۱۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ دُخُولِ

الْحَمَّامِ إِلَّا بِمِيزَرٍ

۴۶۳۔ أَبُو خَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَدْخُلَ الْحَمَّامَ إِلَّا بِمِيزَرٍ وَلَمْ يَسْتَرْغِزْهُ مِنَ النَّاسِ كَانَ فِي لَعْنَةِ اللَّهِ وَالْمَلَكَةِ وَالْعَلِيِّ أَجْمَعِينَ.

حل لغات

”بمیزر“ اسم آلہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے: تہبند۔ ”غُزُوة“ اس کا معنی ہے: شرم گاہ۔ ”لَمْ يَسْتَرْغِزْ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف، لئی مجدہ لم معنی ماضی متنی باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: چھپانا۔

نگاہانے کی ممانعت کی حکمت

اس حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مطلقاً ہے خواہ وہاں کوئی اجنبی آدمی ہو یا نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے شرم و حیا کی جائے اور تہبند و غیرہ پہن کر غسل کیا جائے اور اس لیے بھی کہ حمام شیاطین کی اجتماع گاہ ہوتی ہے اور ان کے سامنے نگاہانہ جائز نہیں اس لیے وارد ہے کہ جب کوئی شخص اپنی شرم گاہ کھولنے پر مجبور ہو جائے تو وہ بسم اللہ پڑھ لیا کرے کیونکہ بسم اللہ جنوں کی آنکھوں اور بنی آدم کی شرم گاہوں کے درمیان حائل ہو کر پردہ بن جاتی ہے۔ امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہو اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ جانے دے۔

[شرح مسند امام اعظم لاملی قاری ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

محدث شیرازی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث تخریج کی ہے کہ جو شخص تہبند کے بغیر حمام میں داخل ہوتا ہے تو وہ

مکان اس پر لعنت کرتا ہے۔ [بین السطور مسند امام اعظم ص ۲۱۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

پسندیدہ ناموں کا بیان

۱۲۔ بَابُ أَحَبِّ الْأَسْمَاءِ

۴۶۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ لَمَّا كَانَ أَحَبَّ الْأَسْمَاءِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُ اللَّهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام ناموں میں سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن تھے۔

مسلم (۵۵۸۷) ابوداؤد (۴۹۴۹) ترمذی (۲۸۳۴) ابن ماجہ (۳۸۲۸) کنز العمال (۴۵۱۹۴) مستدرک للحاکم (ج ۳ ص ۲۷۳) سنن بیہقی (ج ۹ ص ۳۰۶) مسند احمد (۶۱۳۲)

پیارے نام رکھنا

انہی ناموں کی طرح عبد الرحیم اور عبد الکریم ہیں اور ان جیسے وہ تمام نام جن میں عبد کی نسبت اللہ تعالیٰ کے کسی معافی نام کی طرف کی گئی ہو۔ اور اس حدیث کو امام مسلم ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اظہار ہو۔ [شرح مسند امام اعظم للاحی قاری ص ۱۹۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

امام بخاری نے الادب المفرد میں ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوہب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نبیوں کے ناموں پر نام رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں اور سب سے زیادہ سچے نام حارث اور حمام ہیں اور سب سے زیادہ بدترین نام حرب اور مرزہ ہیں۔ [تصحیح نظام حاشیہ ۳، مسند امام اعظم، مکتبہ رحمانیہ لاہور]

نیکی کی تعریف اور گناہ کی بُرائی

۴۶۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ لَمَّا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَرُّ لَا يَتْلُو وَلَا يَتْلُو

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نیکی بھی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ کبھی بھلا یا نہیں جاتا۔

کنز العمال (۴۳۶۷۲) مصنف عبد الرزاق (۲۰۲۶۲)

حل لغات

”لَا يَتْلُو“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع مجہول، باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے، اس کا معنی ہے: بوسیدہ ہونا، پھانا ہونا۔ ”لَا يَتْلُو“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع مجہول، باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے، اس کا معنی ہے: بھول جانا۔ ”الْبَرُّ“ اس کا معنی ہے: گناہ۔

نیکی اور گناہ کا انجام

”الْبَرُّ“ یعنی نیکی سے مراد ہے: اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرنا کیونکہ نیکی ہونے کے لیے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا کرنے ضروری ہیں ”اور نیکی پرانی نہیں ہوتی“ کا مطلب ہے کہ وہ ضائع نہیں ہوتی بلکہ اس کا فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ نیکی کرنے سے انسان میں شرافت پر دان چڑھتی ہے، خدا بخشنے اور لوگوں کے ساتھ رواداری اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور نیکی اور گناہ دونوں کو دنیا و آخرت میں یاد رکھا جاتا ہے کیونکہ دنیا میں لوگوں میں نیکی کا ہمیشہ اچھا تذکرہ جاری و ساری رہتا ہے اور گناہ کا ہمیشہ بُرا تذکرہ اور نفرت کا اظہار ہوتا رہتا ہے جبکہ آخرت میں نیکی پر بہترین اجر و ثواب عطا کیا جائے گا اور گناہ پر

بدترین عذاب اور سزا دی جائے گی۔ امام عبدالرزاق نے حضرت ابو قتادہ سے مرسل حدیث روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ”السر یا ہللی والذنب لا ینسی والدیان لا یسوت اعمل ما شئت کما تدین لندان“ یعنی نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلا نہیں جاتا اور دیان فغان نہیں ہوگا تم جو چاہو عمل کرو جیسا کرو گے ویسا تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔

[ماخوذ از شرح مسند امام اعظم ص ۱۹۳ مطبوعہ بیروت]

آداب مجلس کا ذکر

۱۴۔ بَابُ آدَابِ الْمَجْلِسِ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہم وہاں بیٹھ جاتے جہاں مجلس ختم ہوتی (یعنی آخر میں)۔

۴۶۶۔ أَبُو خَفِیْقَةَ عَنْ سَمَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَعَدْنَا حَيْثُ انْتَهَى الْمَجْلِسُ.

ابوداؤد (۴۸۲۵) ترمذی (۲۷۲۵) ابن حبان (۶۴۳۳) مسند احمد (۲۱۱۴۵)

عل لغات

”انتهی“ صیغہ واحد مذکر قاع فعل ماضی معروف باب افتعال سے ہے اس کا معنی ہے: انتہاء کو پہنچنا، اختتام پزیر ہونا، ختم ہونا۔

آداب مجلس کے مسائل

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادہ ہو جاؤ تو تم کشادہ ہو جایا کرو سوا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی پیدا فرما دے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو تم کھڑے ہو جایا کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانْشُزُوا. (البقرہ: ۱۱)

شان نزول

حدیث بغوی لکھتے ہیں کہ حضرت مقاتل بن حبان نے بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ مہاجرین و انصار میں سے اہل بدر کی تعلیم و تکریم کرتے تھے ایک دن ان میں سے چند بدری صحابہ کرام آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور مجلس میں پہلے سے آئے ہوئے لوگ آگے بیٹھے تھے سو وہ حضرات نبی کریم ﷺ کے سامنے (مجلس کے آخر میں) کھڑے ہو گئے اور آپ کو سلام کیا تو آپ نے جواب عنایت فرمایا پھر انہوں نے باقی اہل مجلس کو سلام کیا تو انہوں نے بھی سلام کا جواب دیا اور وہ اس انتظار میں تھے کہ ان کے لیے جگہ میں کشادگی کر کے ان کے بیٹھنے کی جگہ بنا کی جائے مگر لوگوں نے کشادگی پیدا کر کے ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ نہیں دی تو یہ بات رسول اللہ کو بہت گراں گزری سو آپ نے اپنے ارد گرد غیر بدری صحابہ کرام سے فرمایا: اے فلاں! تم اٹھو اے فلاں! تم اٹھو چنانچہ آپ نے اسی قدر غیر بدری صحابہ کو اپنے قریب سے اٹھا دیا جس قدر بدری صحابہ آئے ہوئے تھے سو جن لوگوں کو اپنی جگہ سے اٹھایا گیا تھا ان کو یہ اٹھانا ناگوار گزرا اور نبی کریم ﷺ نے ان کے چہروں سے ناگواری کو پہچان لیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ کشادہ ہو جاؤ تو تم کشادہ ہو جایا کرو اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو تم کھڑے ہو جایا کرو۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص مجلس میں سے کسی آدمی کو اٹھا کر خود اس کی

جگہ نہ بیٹھے لیکن تم لوگوں کے لیے جگہ میں کشادگی اور وسعت پیدا کرو۔

(۲) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن اپنے مسلمان بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ پر ہرگز نہ بیٹھے لیکن وہ کہے کہ جگہ کشادہ کرو۔

[تفسیر معالم الخوئل ج ۴ ص ۳۰۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر مظہری ج ۹ ص ۲۲۳، مطبوعہ ندوۃ المصطفیٰ دہلی]

اگرچہ آداب مجلس کا یہی طریقہ ہے کہ جو شخص مجلس میں پہلے آ کر بیٹھ چکا ہو اس کو اس کی جگہ سے نہ اٹھایا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بہت سی احادیث میں منع فرمایا ہے لیکن شان نزول کے بارے میں حضرت مقاتل بن حبان کی بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوا کہ اصحاب فضل کے لیے امیر مجلس دوسروں کو ان کی جگہوں سے اٹھا کر اپنے قریب بٹھا سکتا ہے البتہ اصحاب فضل کو از خود دوسروں کو ان کی جگہوں سے اٹھا کر خود بیٹھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

امیر مجلس اور عظیم اعلیٰ کو چاہیے کہ وہ عام لوگوں کو صف اول سے اٹھا کر پیچھے بٹھائے اور اصحاب فضل علماء اور معزز لوگوں کو اگلی صف (یا سٹیج پر) بٹھائے اس پر ان احادیث میں دلیل ہے:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو ان کے مراتب اور مناصب کے مطابق بٹھاؤ۔ [سنن ابوداؤد: ۴۸۴۲]

(۲) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بوڑھے مسلمان کی تعظیم کرنا اور ایسے حامل قرآن کی تعظیم کرنا جو قرآن میں غلو نہ کرے اور اس کے احکام پر عمل کرے اور عادل سلطان کی تعظیم کرنا، اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے سے ہے۔ [سنن ابوداؤد: ۴۸۴۳] [ماخذ التفسیر تاج القرآن ج ۱۲ ص ۷۸۵-۷۸۴، مطبوعہ مکتبہ مائتہ سال لاہور]

اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کا شکر ادا کرنا

۱۵۔ بَابُ الشُّكْرِ لِلَّهِ وَلِعِبَادِهِ

۴۶۷۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ هَمِيْثَةَ عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ
الشُّكْرُ لِلَّهِ لَانْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا يَشْكُرُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ.
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہے جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔

ابوداؤد (۴۸۱۱) ترمذی (۲۰۳۸) ابن حبان (۲۰۷۰) مسند الخلیفہ (۳۴۹۱) مسند احمد (۷۹۲۶)

حل لغات

”لَا يَشْكُرُ“ صیغہ واحد کر غائب، فعل مضارع معرول مثنی، بَابُ لَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کے احسان پر اس کی تعریف کرنا، شکر یہ ادا کرنا، شکر کرنا۔

شکر ادا کرنے کی فضیلت

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص (لوگوں کے) قلیل احسان پر شکر ادا نہیں کرتا وہ (اللہ تعالیٰ کے) کثیر و جزیل احسانات پر بھی شکر ادا نہیں کرے گا یا اس لیے کہ لوگوں کے احسان اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں عطا فرمائیں تو ان کی ناشکری اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ جس پر کسی نے کوئی احسان کیا تو اس نے محسن سے کہا: ”جزاك الله خيرا“ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ بہترین جزائے خیر عطا فرمائے سو اس نے یقیناً شکر ادا کر لیا اور یہ احسان کے مقابلہ میں کم از کم شکر ہے۔

اس حدیث کو امام احمد، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ
 من لم يشكر الناس لم يشكر الله.
 یعنی جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کا (بھی) شکر ادا نہیں کرتا۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں روایت مروی ہے کہ
 من لا يشكر الناس لا يشكر الله.
 جو لوگوں کا شکر گزار نہیں، وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں۔

[شرح مستند امام اعظم لاساطع قاری ص ۱۹۷-۱۹۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت]

اس حدیث کا ایک معنی یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کے احسان کا شکر ادا نہ کرے اور ان کی نیکیوں کا انکار کرے، سوا گروہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے شکر کو قبول نہیں کرتا اور اس حدیث کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جس شخص کی عادت ہو کہ وہ لوگوں کے احسانات کو فراموش کر دیتا ہو اور ان کی نیکیوں کا شکر ادا نہ کرتا ہو تو وہ اپنی عادت اور اپنی طبیعت کے تقاضے سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بھی ناشکری کرے گا اور ان کا بھی شکر ادا نہیں کرے گا اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کی نیکیوں کا شکر ادا نہیں کرتا تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا بھی کرے پھر بھی وہ اس طرح ہے جیسے اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔

[تفسیر تہان القرآن ج ۶ ص ۱۳، مطبوعہ لریہ یک سال لاہور]

ظلم و زیادتی کی ممانعت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن بہت سے اندھیروں کا موجب ہوگا۔

۱۶۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الظُّلْمِ

۴۶۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ هُكَّاءَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ وَهَّابٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ وَالظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. بخاری (۲۴۴۷) مسلم (۶۵۷۶) ترمذی (۲۰۳۰)

عمل لغات

”الظُّلْم“ اس کا معنی ہے: کسی پر زیادتی کرنا، کسی کا حق مارنا یا کم کرنا، بے قصور کو سزا دینا، راہِ راست سے ہٹ جانا، کسی چیز کو اس کے مخصوص محل سے ہٹا کر غیر محل میں رکھنا جیسے غیر اللہ کی عبادت کرنا۔ ”ظُلُمَاتٌ“ یہ ”ظُلْمَةٌ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: تاریکی، اندھیرا۔

ظلم کے نقصانات

حدیث میں ہے: ”الَّذِينَ مَزَعُوا الْأَرْضَ“ یعنی دنیا آخرت کی کمیٹی ہے جو کچھ بوڑھے و بچے کاٹو گے، ظلم خواہ کسی قسم کا ہو قیامت کے دن ظالم کے لیے تاریکیوں اور اندھیروں کا سبب بنے گا اور ظالم راہِ نجات نہیں پائے گا جبکہ دنیا میں عدل و انصاف پر قائم رہنے والے مسلم کا نور اس کی راہنمائی کرے گا اور وہ ایمان کی برکت سے راہِ نجات پالے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”نُورُهُمْ يَمْشِي بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ“ (انعام: ۸) مومنوں کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑتا ہوگا۔ ظلمات سے یا تو شدائد و مصائب اور دنیاوی سختیاں مراد ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ.

(الانعام: ۶۳) اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟

یعنی دنیا کی مصیبتوں، سختیوں اور تکلیفوں سے ہمیں کون نجات دیتا ہے یا پھر آخرت کی عقوبات و سزا میں مراد میں اس لیے کہ عالم دوزخ میں مختلف مظالم پر مختلف غذاؤں اور مختلف سزاؤں میں جتا ہوگا کیونکہ کفر و شک بھی ظلم ہے۔ بدکاری و شراب نوشی اور گناہ کبیرہ گناہ بھی ظلم ہیں نیز کسی کو ستانا، کسی کا حق مارنا اور کسی پر زیادتی کرنا بھی ظلم ہے غرض یہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کسی نے بھی ظلم ہے۔ [مرقات الفاتح ج ۹ ص ۳۱۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان، تصدیق ۱۲۸ھ مطبوعہ مکتبہ لوریہ، بیروت، طبع ۱۳۶۹ھ، ۱۳۶۹ھ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، مہرات]

۱۷۔ بَابُ حُكْمِ اخْذِ الْمَالِ

بِغَيْرِ اِذْنِ مَالِكِهِمْ

۴۶۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِي بَرْزَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَارَ قَوْمًا مِّنَ الْأَنْصَارِ فِي بَنِي إِدْرِيسَ فَلَدَبَهُمُ الْهَوَاةُ شَاةً وَصَنَعُوا لَهُ مِنْهَا طَعَامًا لَّمَّا خَذَ مِنَ اللَّحْمِ شَيْئًا فَلَاكُهُ لَمَضَعَةً سَاعَةً لَا يُسِغُهُ فَقَالَ مَا شَأْنُ هَذَا اللَّحْمِ فَقَالُوا شَاةُ الْفُلَانِ فَذَبَحْنَاهَا حَتَّى يَجِيءَ فَنَزَحْنَاهُ مِنْ لَحْمِهَا لَاقَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْعَمُوهَا الْأَسْرَاءَ.

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ أَبِيهِ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ طَعَامًا فَذَعَاهُ فَقَامَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقِمْنَا مَعَهُ فَلَمَّا وَضِعَ الطَّعَامُ تَنَاوَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَضْعَةً مِّنْ ذَلِكَ اللَّحْمِ فَلَاكَهَا فَبِي فِيهِ طَوِيلًا فَجَعَلَ لَا يَسْتَطِيعُ اَنَّ يَأْكُلَهَا فَالْتَقَاهُ مِنْ فِيهِ وَامْسَكَ عَنِ الطَّعَامِ فَقَالَ أَخْبِرْنِي عَنْ لَحْمِكَ هَذَا مِنْ أَيْنَ هُوَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ شَاةُ ثَمَانَتْ لِمَصَاجِبَ لَنَا فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَنَا فَنَشَرْتِهَا مِنْهُ وَعَجَلْنَا بِهَا وَذَبَحْنَاهَا وَوَضَعْنَاهَا لَكَ حَتَّى يَجِيءَ فَنُطْعِمَكَ لَحْمَهَا فَامْرَأَتِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرَفَعَ هَذَا الطَّعَامَ وَأَمَرَ اَنَّ يُطْعَمَ الْأَسْرَاءُ لَاقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ

مالک کی اجازت کے بغیر

اس کے مال کو لینے کا حکم

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ انصار کی ایک قوم سے ملاقات کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے سو انہوں نے آپ کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی اور اس سے آپ کے لیے کھانا تیار کیا (اور آپ کے سامنے رکھا) تو آپ نے گوشت میں سے ایک بوٹی اٹھائی اور منہ میں ڈال کر چبائی پھر کچھ دیر تک آپ اس کو خوب چباتے رہے لیکن آپ اسے اپنے حلق میں نیچے نہ اتار سکے اور فرمایا کہ اس گوشت کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ بکری فلاں شخص کی ہے جسے ہم نے (اس کی اجازت کے بغیر) ذبح کر لیا ہے یہاں تک کہ جب وہ واپس آئے گا تو ہم اسے بکری کی قیمت دے کر راضی کر لیں گے تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔

اور ایک روایت جو حضرت عاصم بن کثیر اپنے والد سے بیان کرتے ہیں اس میں یوں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے آپ کی دعوت کی اور آپ کو (گھر میں) بلایا اور کھانا تیار کیا سو نبی کریم ﷺ اس آدمی کے پاس تشریف لے گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ روانہ ہو گئے پھر جب کھانا رکھا گیا تو نبی کریم ﷺ نے اس گوشت میں سے بوٹی کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور منہ میں ڈالا اور کافی دیر تک اسے چباتے رہے لیکن آپ اس کو کھانہ سکے تو آپ نے اپنے منہ سے نکال کر اسے باہر پھینک دیا اور کھانا کھانے سے رک گئے اور فرمایا کہ تم مجھے اس گوشت کے بارے میں بتاؤ کہ یہ کہاں سے حاصل کیا گیا ہے؟ اس آدمی (یعنی میزبان) نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بکری ہمارے ایک ساتھی کی ہے جو اس وقت ہمارے ساتھ نہیں ہے کہ ہم اس سے خرید لیتے اور ہم نے جلدی میں اس کو ذبح کیا اور تیار کر کے آپ کے

قُلْتُ لَا بِيْ خَبِيْثَةٌ مِنْ اَيْنَ اخَذْتَ هَذَا الرَّجُلُ يَفْعَلُ
بِيْنَ مَالِ الرَّجُلِ بِغَيْرِ اِذْنِهِ يَنْصَلُّ بِالرَّبْحِ كَالْاَخْلَاقِ
مِنْ خُبْرِهِمْ غَايِبِ

ابوداؤد (۳۳۳۲) دارقطنی (ج ۲ ص ۲۸۵)

سامنے رکھ دیا یہاں تک کہ جب وہ واپس آئے گا تو ہم اسے بکری کی
قیمت دے دیں گے سنی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اس کھانے کو یہاں
سے اٹھا لو اور آپ نے حکم دیا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دیا جائے۔ حضرت
عبدالواحد نے کہا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے عرض کیا کہ آپ نے یہ
مسئلہ کہاں سے حاصل کیا ہے کہ اگر ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کے مال
میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کر لے تو وہ اس کا نفع صدقہ کر دے
آپ نے فرمایا: میں نے یہ مسئلہ حضرت عاصم کی اس حدیث سے حاصل
کیا ہے۔

حل لغات

”لَا عَمَلَةَ“ میں ”لَا“ ”میںخداوند کرعائب“ فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَوُ (لَاكَ يَلُوْلُ لَوْثًا) سے ہے اس کا
معنی ہے: چھپانا منہ میں لقمہ گھماتا۔ ”لَا يُؤْمِنُ“ ”میںخداوند کرعائب“ فعل مضارع معروف منفی باب افعال سے ہے اس کا معنی
ہے: آسانی کے ساتھ گلے سے پیچے نہ اترنا جائز نہ ہونا موافق نہ آنا۔ دونوں کے آخر میں ضمیر مفعول کی ہے۔ ”نَصَوُ“ ”میںخداوند
حکم مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: راضی کرنا۔ ”الْأَمْوَالُ“ ”سیر کی جمع ہے اس کا معنی ہے: قیدی۔

اس حدیث کے فوائد

اس حدیث سے چند مسائل ثابت ہو رہے ہیں:

- (۱) بزرگوں کی دعوت کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔
- (۲) دعوت قبول کرنا رسول اللہ کی سنت ہے خواہ دعوت دینے والا خادم اور چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔
- (۳) ملکوک و شہنشاہ کھانا نہ کھانا بھی رسول اللہ کی سنت ہے۔
- (۴) کسی دوسرے آدمی کی کوئی قیمتی چیز اس کی اجازت کے بغیر لینے اور اس میں تصرف کرنے پر عاصم اس کی قیمت ادا کرنے کا
ضامن ہوگا۔
- (۵) کسی غیر کی قیمتی چیز غصب کرنے پر عاصم اس چیز کا مالک بن جائے گا مگر یہ ملک غبیث و ناجائز ہوگا اس لیے اس چیز کا صدقہ
کرنا واجب ہوگا۔
- (۶) اصل مالک کا ملک غصب کے بعد ختم ہو جائے گا کیونکہ اگر اس کا ملک غصب کے بعد باقی رہتا تو رسول اللہ غصب شدہ بکری
کے گوشت کو صدقہ کرنے کا حکم نہ دیتے بلکہ اس کو واپس کرنے کا حکم دیتے یا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت اصل مالک کے
لیے محفوظ رکھنے کا حکم دیتے کیونکہ امیر المؤمنین کو ضرورت و حاجت کے وقت کسی انسان کی چیز فروخت کرنے کا حق حاصل
ہے۔
- (۷) غصب شدہ چیز سے نفع اٹھانا حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے غصب شدہ بکری کا گوشت نہ خود کھایا اور نہ اپنے ساتھ صحابہ
مہمانوں کو کھانے کی اجازت دی بلکہ سارا گوشت قیدیوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔
- (۸) جب عاصم اس چیز کا معاوضہ ادا کر دے گا تو اس کا ملک بھی صحیح ہو جائے گا اور اس چیز سے نفع اٹھانا بھی صحیح ہو جائے گا۔

(۹) اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی فضیلت و عصمت ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مشتبہ لقمہ کو آپ کے جسم کا حصہ نہیں بننے دیا اور آپ کو اس سے محفوظ و معصوم رکھا، اس لیے آپ کا کلام آپ کی ہدایات و تعلیمات شیطانی آمیزش سے پاک اور شکوک و شبہات سے منزہ ہیں اور آپ کے اصحاب و آل ہد معتمد کی اور فتن و فحور سے محفوظ و مبرا ہیں۔

۱۸۔ بَابُ الدَّلَالِ عَلَى

نیک کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے

النَّحِيرِ كَفَاعِلِهِ

حضرت ابن بریدہ رحمہ اللہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا (اجر و ثواب میں) خود نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالک انصاری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

۴۷۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّلَالُ عَلَى النَّحِيرِ كَفَاعِلِهِ.

۴۷۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّلَالُ عَلَى النَّحِيرِ كَفَاعِلِهِ. ترمذی (۲۶۷۰) سند احمد (۲۱۷۷۱) سند ابوار

(۱۵۷۰) سند ابی حنی (۴۲۳۴)

حضرت ابن بریدہ رحمہ اللہ اپنے والد سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور آپ سے سواری کی درخواست کی سو آپ نے فرمایا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کر دوں لیکن میں ایک ایسے آدمی کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں جو تمہیں سواری دے دے گا تم فلاں قبیلہ کے قبرستان کے پاس چلے جاؤ وہاں ایک انصاری نوجوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ حیرانہ آڑی کا مقابلہ کر رہا ہوگا اور اس کے پاس ایک اونٹ ہے سو تم اس سے سواری طلب کرنا بے شک وہ تمہیں سواری دے دے گا چنانچہ وہ آدمی چلا گیا اور وہاں جا کر دیکھا کہ وہ نوجوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ حیرانہ آڑی کر رہا ہے پس اس آدمی نے اس نوجوان کو اپنا سارا واقعہ بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کا فرمان سنایا اور اس نوجوان نے اس آدمی سے اللہ تعالیٰ کے نام پر حلف لیا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ نے یہی بات فرمائی ہے چنانچہ اس آدمی نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ قسم اٹھائی پھر اس نوجوان نے اس کو اپنا اونٹ دے کر سوار کر دیا اور وہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ کو سارا واقعہ سنایا اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اب تم جاؤ اور سنو! بے شک نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

۴۷۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَاسْتَحْمَلَهُ فَقَالَ مَا جِئْتَنِي مَا أَحْمِلُكَ عَلَيْهِ وَلَكِنْ سَأَفْعَلُكَ عَلَى مَنْ يُحْمِلُكَ انْطَلِقْ إِلَى مَقْبَرَةٍ بِسَمِيٍّ فَلَا تَزَلْ فِيهَا حَتَّى يَنْ أَلْأَنْصَارِ يَتَرَامِي مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ وَمَعَهُ بَعِيرٌ لَهُ فَاسْتَحْمَلَهُ فَإِنَّهُ سَيَحْمِلُكَ فَإِنْ طَلَّقَ الرَّجُلُ قَوَادًا بِهِ يَتَرَامِي مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ فَقَصَّ عَلَيْهِ الرَّجُلُ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَحْمَلَهُ بِاللَّهِ لَقَدْ قَالَ هَذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَفَ لَهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ حَمَلَهُ فَمَرَّ بِهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَأُخْبِرَهُ النَّحِيرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْطَلِقْ فَإِنَّ الدَّلَالُ عَلَى النَّحِيرِ كَفَاعِلِهِ.

وَهِيَ رَوَاهُ أَنْ رَجُلًا جَاءَهُ فَاسْتَحْمَلَهُ فَقَالَ
وَاللَّهِ مَا عِنْدِي مِنْ شَيْءٍ وَاسْتَحْمَلْتَ عَلَيَّ وَلَكِنْ إِنِّي
فِي مَقْبَرَةٍ مَيِّتٌ فَلَنْ لِمَا لَكَ مَسْجِدٌ قَعْدَةٌ شَابًا مِنَ
الْأَنْصَارِ يَخْرُجُ مَعَهُ أَصْحَابٌ لَهُ فَاسْتَحْمَلَهُ فَلَمَّا
سَبَّحَ حَمْلَكَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ حَتَّى أَتَى الْمَقْبَرَةَ قَالَ
لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَصَّ عَلَيْهِ
الْقِصَّةَ فَاسْتَحْلَفَهُ فَقَالَ وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
إِنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَسَلَنِي إِلَيْكَ
فَأَعْلَاكَ بِعَمْرٍأَ لَهْ فَانْطَلَقَ بِهِ الرَّجُلُ فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِنِّي لَأَنْتَ لَأَنْتَ عَلَى النَّبِيِّ كَمَا عَلِمَ.

مسلم (۴۸۹۹) ترمذی (۲۶۷۱) ابوداؤد (۵۱۲۹) مسند

جہ (۲۳۶۱۵)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک آدمی آپ (ﷺ) کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے سواری کا مطالبہ کرنے لگا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کر دوں لیکن تم بنی فلاں کے قبرستان میں چلے جاؤ وہاں تمہیں ایک انصاری نوجوان ملے گا جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ حیر اندازی کر رہا ہوگا سو تم اس سے سواری کی درخواست کرنا وہ ضرور تمہیں سواری دے دے گا چنانچہ وہ آدمی چل پڑا یہاں تک کہ وہ اس قبرستان پہنچ گیا جو رسول اللہ ﷺ نے اسے بتایا تھا اور اس نوجوان کو سارا واقعہ بیان کیا اور اس نوجوان نے اس آدمی سے قسم اٹھانے کا مطالبہ کیا تو اس آدمی نے کہا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اے شک مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تو اس نوجوان نے اسے اونٹ عطاء کر دیا سو وہ آدمی اونٹ لے کر چل پڑا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے فرمایا: اب تم جاؤ اے شک نیک کام پر رہنمائی کرنے والا نیک کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

حل لغات

”الَّذِي“ صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: رہنمائی کرنا۔ ”اسْتَحْمَلَهُ“ صیغہ واحد مذکر فاعل فعل مضارع معروف مثبت باب استعمل سے ہے اس کا معنی ہے: سواری طلب کرنا سواری مانگنا۔ ”يَخْرُجُ مَعَهُ“ صیغہ واحد مذکر فاعل فعل مضارع معروف مثبت باب تفاعل سے ہے اس کا معنی ہے: حیر اندازی کرنا حیر نشاندہ پر پھینکنا۔ ”قَصَّ“ صیغہ واحد مذکر فاعل فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: واقعہ بیان کرنا۔ ”اسْتَحْلَفَهُ“ صیغہ واحد مذکر فاعل فعل مضارع معروف مثبت باب استعمل سے ہے اس کا معنی ہے: حلف لینا قسم کا مطالبہ کرنا۔

نیکی کی تبلیغ و تلقین کرنے کے فوائد

چونکہ نیکی کی تعلیم دینا، نیکی کی تلقین کرنا اور اس کا لوگوں کو حکم دینا، نیز نیکی کی رہنمائی کرنا، نیکی پھیلانا اور بُرائی سے منع کرنا یہ نیکیاں ہیں ان پر اجر و ثواب عطاء کیا جائے گا اس لیے فرمایا کہ نیکی کی رہنمائی کرنے والا (اجر و ثواب پانے میں) نیکی کرنے والے کی طرح ہے کہ جس طرح نیکی کرنے والے کو نیکی کرنے پر ثواب ملے گا اسی طرح نیکی کی رہنمائی کرنے والے کو نیکی کی رہنمائی کرنے پر ثواب ملے گا۔

علامہ ملا علی قاری نے اس باب کی پہلی حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ اس کو طبرانی اور بزار نے حضرت ابن ابی مسعود اور سہل بن سعد سے روایت کیا ہے اور امام احمد اور ابو یعلیٰ نے بھی اس حدیث کو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور مزید یہ روایت کیا ہے کہ ”وَاللَّهُ يَحِبُّ اعَاةَ اللّٰهَانِ“ یعنی اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ شخص کی مدد کو بہت پسند کرتا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۲۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

اور دوسری حدیث کے تحت لکھا کہ اس حدیث کو بزار نے حضرت انس اور حضرت ابن مسعود سے اور طبرانی نے حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابو مسعود سے روایت کیا ہے اور علامہ البارزی نے اس کو اپنی مختصر جامع الاصول میں ذکر کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے کتاب العلم میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ”ان الدال علی العیور کفاعله“ یعنی بے شک نیکی پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے اور علامہ العسکری اور دارقطنی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً اس کو روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

کمل معروف صدقۃ و الدال علی العیور ہر نیکی صدقہ ہے اور نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کفاعله و اللہ یحب اغاثۃ اللہمان کی طرح ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی مدد کو پسند کرتا ہے۔

اور صحیح مسلم مسند امام احمد سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں حضرت ابو مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ”من دل علی عیور فله مثل أجور فاعله“ جس شخص نے کسی عیور پر رہنمائی کی تو اس کے لیے نیکی کرنے والے کے ثواب کے برابر ثواب ہے۔

اور حدیث: ”الدال علی الشر کفاعله“ نیز اسے کام پر رہنمائی کرنے والا نڈرائی کرنے والے کی طرح ہے۔ اس کو ابو منصور الدیلمی نے مسند المردوس میں حضرت انس سے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

نوٹ: ضعیف حدیث فعال اعمال میں مقبول ہوتی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۸۳-۵۸۲ مطبوعہ بیروت]

۱۹۔ بَابُ أَفْضَلِ الْجِهَادِ

افضل جہاد کا ذکر

۴۷۳۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ ابْنِ بَرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَفْضَلُ الْجِهَادِ عِلْمُهُ حَتَّى يَنْتَهِى سُلْطَانُ جَائِلِهِ۔ حضرت ابن بربدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی عالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا افضل ترین جہاد ہے۔

ترمذی (۲۱۷۴) نسائی (۴۲۱۴) ابن ماجہ (۴۰۱۱)

حق بات کہنا افضل جہاد ہے

چونکہ کفار سے جہاد مسلمانوں کے غلبہ قوت و شوکت اور دھم دہدہ کے حصول کے وقت کیا جاتا ہے لیکن مسلمانوں کی کمزوری کے وقت کفار سے جہاد نہیں کیا جاسکتا جبکہ عالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے والا اس کے مقابلہ میں ہر حال میں کمزور ہوتا ہے نیز کفر سے جہاد کے وقت مجاہدین کا قتل ہوتا یعنی نہیں ہوتا بلکہ شہید اور غازی دونوں کا امکان ہوتا ہے لیکن عالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے پر ہلاکت و موت یقینی ہوتی ہے کیونکہ عالم بادشاہ ظلم کا عادی ہوتا ہے وہ اپنے مزاج کے خلاف حق بات کہنے والے کو برداشت نہیں کر سکتا اور اسے کسی صورت میں چھوڑنا پسند نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کو عبرت دلانے اور انہیں مرعوب و خوف زدہ رکھنے کے لیے ہر حالت میں اپنے خلاف حق بات کہنے والے کو نیست و نابود کرنا واجب و ضروری خیال کرتا ہے اس لیے فرمایا: عالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا افضل ترین جہاد ہے۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو بیہیم ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری سے اور امام احمد طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابوامامہ سے اور نسائی وغیرہ نے حضرت طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے اور ابن الجبار کی روایت میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ ”افضل الجہاد ان یجہد الرجل نفسه و هواہ“ یعنی افضل ترین جہاد یہ

ہے کہ آدمی اپنے نفس اور اپنے نفس کی خواہشات سے جہاد کرے اور یہی جہاد اکبر ہے جس پر جہاد اصغر مرتب ہوتا ہے اور خلق اللہ کے فائدے کے لیے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا جہاد اکبر میں سے ہے۔ [شرح سند امام اعظم ص ۱۷۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

امام ترمذی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ

ان من اعظم الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان

یعنی کسی ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے حق و انصاف کی بات کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔

جانور۔

امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس باب میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے اور اس طریق سے یہ حدیث حسن

غریب ہے۔ [تسمیق النظام فی سند الامام ص ۲۱۵ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

اچھے مشورہ کی اہمیت

۲۰۔ بَابُ الْاِسْتِشَارِ بِالرُّشْدِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: جو شخص تم سے مشورہ طلب کرے تو تم اسے اچھا مشورہ دو سوا اگر تم

نے ایسا نہ کیا تو بلاشبہ تم نے اس سے خیانت کی۔

۴۷۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ

عَنْ حَنْفَلَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اسْتَشَارَكَ فَاجِرَةً بِالرُّشْدِ لَوْ اَنَّ

لَمْ تَفْعَلْ لَقَدْ خُفَّتْ.

ترمذی (۲۸۲۲) ابو داؤد (۵۱۲۸) مسند احمد (۸۲۴۹)

صل لقات

”اِسْتَشَارَ“ میخذ واحد کر قائب فعل ماضی معروف مثبت باب استعمال سے ہے اس کا معنی ہے: مشورہ طلب کرنا مشورہ

مانگنا۔ ”فَاجِرَةً“ اس میں ”اَجَرَ“ میخذ واحد کر حاضر فعل امر معروف مخاطب باب الحال سے ہے اس کا معنی ہے: مشورہ دینا۔

”فَعَلَتْ“ میخذ واحد کر حاضر فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَوْ يَنْصُو سے ہے اس کا معنی ہے: خیانت کرنا۔

مشورہ کی اہمیت

امام ترمذی کتاب العلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ ”المسئار موقعن“ یعنی جس شخص

سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہو (تاکہ مشورہ دینے میں خیانت نہ کرے)۔ امام ترمذی نے کہا کہ اس باب میں حضرت ابن

مسعود ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی حدیث مروی ہے لیکن یہ حدیث حضرت ام سلمہ کی حدیث سے غریب ہے پھر انہوں نے

حضرت ابوسلمہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مرفوع حدیث بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ وہ حدیث ہے جس کو بہت سے

لوگوں نے حضرت شیبان بن عبد الرحمن حموی سے روایت کیا ہے اور حضرت شیبان صاحب کتاب اور صحیح الحدیث بزرگ ہیں ان کی

کنیت ابو محادیہ ہے اچھی اور یہ امام ابو حنیفہ کی اسناد ہے اور حضرت شیبان بن عبد الرحمن وہ بزرگ ہیں جن کی امام ترمذی نے توثیق و

توصیف کی ہے اور اس حدیث میں یہی امام ابو حنیفہ کے شیخ ہیں۔ [تسمیق النظام فی سند الامام ص ۲۱۵ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

مطالعہ قاری لکھتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”ما خاب من استشار وما ندم من

استعصار“ یعنی وہ شخص ناکام نہیں ہوگا جو (پہلے) مشورہ کر لے گا اور وہ شخص نادم و پشیمان نہیں ہوگا جو (کام کرنے سے پہلے) استخارہ

کر لے گا۔ اور امام ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ ”اذا استشار احدکم انما

فلیشر علیہ“ جب تم میں سے کوئی شخص مسلمان بھائی سے مشورہ طلب کرے تو وہ اس پر (اچھا) مشورہ پیش کرے۔

[شرح مصنفہ امام اعظم ص ۵۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

باہمی محبت میں مسلمانوں کی مثال

امام شعبی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن حنیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت و الفت کرنے میں اور ایک دوسرے پر رحم و کرم کرنے میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے جب سر میں درد اٹھتا ہے تو اس کا پورا جسم بیدار ہو اور بخار میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔

۲۱۔ بَابُ تَمْثِيلِ الْمُسْلِمِينَ فِي تَوَادِّيهِمْ
۴۷۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ
سَمِعْتُ النُّعْمَانَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّيهِمْ
وَتَرَاحُمِهِمْ كَمَثَلِ جَسَدٍ إِذَا أَفْطَسَ الرَّأْسُ
تَدَاعَى لَهُ سَائِرُهُ بِالشَّهْرِ وَالْحُمَى.

بخاری (۶۰۱۱) مسلم (۵۶۸۶) ترمذی (۲۱۷۳) ابن ماجہ (۳۹۸۴) ابن حبان (۲۳۳-۲۹۷)

عمل لغات

”تَوَادِّيهِمْ“ یہ باب تفاعل کا مصدر ہے اس کا معنی ہے: ایک دوسرے کے ساتھ محبت و الفت کرنا۔ ”اِفْطَسَ الرَّأْسُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افتعال سے ہے اس کا معنی ہے: شکایت کرنا بیمار ہونا، دھکی ہونا، تکلیف میں مبتلا ہونا۔ ”تَدَاعَى“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب تفاعل سے ہے اس کا معنی ہے: ایک دوسرے کی موافقت کرنا ایک دوسرے کو بلانا ایک دوسرے کا ساتھ دینا۔ ”الشَّهْرِ“ اس کا معنی بیدار رہنا رات بھر جاگتے رہنا۔ ”الْحُمَى“ اس کا معنی ہے: بخار۔
مسلمانوں کی باہمی محبت و مودت

(۱) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْإِنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا
وَهَبْلَكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ. [رقم الحديث: ۲۲۳]
یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے اسی طرح ہے جیسے
دو پارہ اس کی اینٹیں ایک دوسرے کو مضبوط بناتی ہیں پھر آپ نے اپنی
انگوٹوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا آپ کے پاس اقرع بن حابس بیٹھے تھے عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میرے دل بیٹے ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: ”من لا یوحم لا یوحم“ جو شخص (کسی پر) رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

[رقم الحديث: ۲۲]

(۳) حضرت امین عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے
یار و مددگار چھوڑتا ہے۔

(۱) المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه.

جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی
ضرورت پوری کرتا ہے۔

(۲) من کان فی حاجة أخیه کان اللہ فی
حاجتہ.

اور جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت

(۳) ومن فرج عن مسلم کربة فرج اللہ عنه

بہا کربۃ من کرب یوم القیامۃ۔
 (۴) ومن ستر مسلماً سرہ اللہ یوم القیامۃ۔
 کے دن کی تکلیفوں میں سے اس کی ایک تکلیف کو دور کر دے گا۔
 اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت [رقم الحدیث: ۲۳۵] کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس سے خیانت کرتا ہے اور نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اس کو ذلیل و رسوا کرتا ہے ہر مسلمان کی عزت اس کا مال اور اس کا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے (اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا: تقویٰ یہاں ہے کسی آدمی کے لیے اس قدر برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ [رقم الحدیث: ۲۳۶]

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
 لا یؤمن أحدکم حتی یحب لخصیہ ما یحب
 تم میں سے کوئی شخص ایمان دار نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے
 بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ [رقم الحدیث: ۲۳۸]

(۶) انہیں سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 العصر أخالہ ظالمًا او مظلومًا۔
 تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔

سو اس آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب وہ مظلوم ہو جب تو میں اس کی مدد کروں لیکن آپ مجھے بتائیں کہ اگر وہ ظالم ہو تو میں اس کی مدد کیسے کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسے ظلم سے باز رکھو یا یہ فرمایا کہ تم اسے ظلم سے منع کرو کیونکہ یہ بھی اس کی مدد ہے۔ [رقم الحدیث: ۲۳۹]

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
 حق المسلم علی المسلم خمس: رد السلام
 وعبادۃ المریض، والباع الجنائز، واجابۃ
 الدعویۃ، وتشمیت العاطس۔
 ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، بلا دے کا جواب (یا دعوت قبول کرنا) اور چھینکنے والے کو برحک اللہ کہہ کر دعا دینا۔ [رقم الحدیث: ۲۴۰]

نوٹ: ریاض الصالحین ج ۱ ص ۱۶۱-۱۵۷ مطبوعہ نیاہ القرآن پبلی کیشنز لاہور

۲۲۔ بَابُ وَصِیَّةِ جِبْرِیْلَ بِالْعَجَارِ

۴۷۶۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَالَ جِبْرِیْلُ یُوصِیْنِیْ بِالْعَجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ یُؤَدِّئُهُ وَمَا زَالَ جِبْرِیْلُ یُوصِیْنِیْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنِّ یُعَارِئُنِیْ لَا یَمُوتُونَ إِلَّا لَیْلًا۔

بخاری (۶۰۱۴) مسلم (۶۶۸۷) ترمذی (۱۹۴۲) ابن

ماجد (۳۶۷۳) ابن حبان (۵۱۱-۵۱۲) ابوداؤد (۵۱۵۲)

پڑوسی کے حق میں حضرت جبریل علیہ السلام کی وصیت
 حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام پڑوسی کے حق میں مجھے مسلسل وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کر لیا کہ بے شک وہ اسے وارث بنا دیں گے اور حضرت جبریل علیہ السلام شب بیداری کے بارے میں مجھے مسلسل وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کر لیا کہ بے شک میری امت میں بہترین وہ لوگ ہوں گے جو رات کو بہت تھوڑا سوئیں گے۔

حل لغات

”یُوصِيْنِي“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب افعال سے ہے اس کے آخر میں نون وکایہ اور یائے شکلم ہے اس کا معنی ہے: وصیت کرنا، کسی چیز کی تاکید کرنا۔ ”يُؤَدِّتُ“ یہ بھی مذکورہ صیغہ ہے، البتہ یہ باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کو کسی چیز کا وارث بنانا۔

پڑوسی اور شب بیداری کی فضیلت

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بعینہ امام احمد، شیخین (بخاری اور مسلم)، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور امام احمد اور اصحاب سنہ نے اس کو حضرت عائشہ صدیقہ عقیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے اصل کے ساتھ مزید یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے غلام کے بارے میں مسلسل وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے یہ خیال کیا کہ وہ اس کے لیے ایک مدت اور وقت مقرر کر دیں گے جب وہ اس مدت اور وقت کو پہنچے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت]

طبرانی، خرائطی اور ابوالشیخ نے حضرت معاویہ بن حیدر سے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں ایک مرفوع حدیث خرّج کی ہے کہ اگر پڑوسی بیمار ہو جائے تو تم اس کی عیادت کرو اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرو اگر وہ تم سے قرض طلب کرے تو تم اسے قرض دے دو اگر وہ تنگ دست و بد حال ہو جائے تو تم اس کی ستر پٹی کرو اگر اس کو کوئی خیر و خوشی نصیب ہو جائے تو تم اسے مبارک دو اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو تم اس سے تعزیت کرو اور تم اپنا مکان اس کے مکان سے ادھانہ عطاء کر کہیں اس سے ہوا رک جائے اور تم اپنے کوڑے کرکٹ سے اس کو اذیت نہ دو۔ خرائطی اور طبرانی نے اسی کی شکل ایک مرفوع حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اس میں مزید یہ بھی ہے کہ اگر وہ تم سے مدد مانگے تو تم اس کی مدد کرو اگر وہ محتاج و ضرورت مند ہو تو تم اپنے مال میں سے اسے عطاء کرو اگر وہ بالکل فقیر و غریب ہو جائے تو تم اسے دو بارہ عطاء کرو اگر تم بھل خریدو تو اسے ہدیہ بھیجو اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو تم اپنا بھل چھپا کر لاؤ اور اپنے بچے کو ظاہر کر کے نہ دو کہیں پڑوسی کا بچہ دیکھ کر لپٹانے لگے۔

[تصحیح النظام فی شرح مسند الامام ص ۲۱۵، مکتبہ رحمانیہ لاہور]

اور اس حدیث میں جس دوسری چیز کی مسلسل وصیت کی گئی ہے وہ شب بیداری اور رات کو اٹھ کر نماز تہجد، عبادت و ریاضت اور تلاوت قرآن اور ذکر و فکر کرنا ہے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
الفضل الصلوة بعد المفروضة صلوة فی جوف
فرائض کے بعد افضل ترین نماز درمیانی رات کی نماز ہے۔
اللیل.

(۲) انہیں سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ظلالِ مخلص رات کو نماز پڑھتا ہے پھر جب صبح ہوتی ہے تو وہ چوری کرتا ہے آپ نے فرمایا: اس کو نماز اس چیز سے عنقریب روک دے گی جو تم کہہ رہے ہو۔

(۳) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک بزرگوں کا طریقہ ہے اور یہ سب کریم کی طرف قرب و نزدیکی کا ذریعہ ہے اور نہ انبیوں کو مٹانے اور مٹنا ہوں سے

بچنے کا سبب ہے۔

(۴) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے بندوں سے خوش ہوتا ہے: (۱) جب کوئی آدمی رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہے (۲) جب کوئی قوم نماز میں صف بندی کرتی ہے (۳) اور جب کوئی (مسلم) قوم دشمن سے جنگ میں صف آراء ہوتی ہے۔

(۵) حضرت عمرو بن صہبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ آخری رات کے وسط میں بندے کے بہت قریب ہوتا ہے، سو اگر تم اس وقت اللہ تعالیٰ کے ذاکرین میں سے بن سکو تو ضرور بخیر۔

[مشکوٰۃ ص ۱۱۰-۱۰۹ مطبوعہ مطابع (المکتبۃ الرشیدیہ) دہلی]

مظلوم کی فریادری کرنا

۲۳۔ بَابُ فِي إِغَاثَةِ الْمُهْتَاجِ

۴۷۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ يُجِبُّ إِغَاثَةَ الْمُهْتَاجِ. حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مظلوم کی فریادری کو پسند کرتا ہے۔

حل لغات

”إِغَاثَةُ“ یہ باب افعال کا مصدر ہے اس کا معنی ہے: مدد کرنا، فریادری کرنا، دلادری کرنا۔ ”الْمُهْتَاجُ“ اس کا معنی ہے: مظلوم، محنت فریادی، مسکین۔

مظلوم کی بددعا سے بچو

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِيَّاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّمَا يَسْتَأْذِنُ اللَّهَ حَقُّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمْنَعُ ذَا حَقٍّ حَقَّهُ. مظلوم کی بددعا سے بچو، سو وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کسی حق والے کا حق نہیں روکتا۔

[مشکوٰۃ المصابیح، باب اہم ص ۴۳۶-۴۳۵ مطبوعہ مطابع (المکتبۃ الرشیدیہ) دہلی]

علامہ ملا علی قاری مرقعات میں لکھتے ہیں کہ علامہ سہوی نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

إِيَّاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُومِ وَإِنْ كَانَتْ مِنَ الْكَافِرِ فَإِنَّهُ لَيْسَ لَهَا حِجَابٌ دُونَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ. یعنی مظلوم کی بددعا سے بچو، اگرچہ وہ کافر کی طرف سے ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے لیے کوئی حجاب اور پردہ حائل نہیں ہوتا۔

امام احمد بن حنبل اور ابویعلیٰ نے اس حدیث کو اپنی اپنی مسند میں اور البیہاقی نے حضرت انس بن مالک سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

إِنْقَرُوا دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ وَإِنْ كَانَ كَافِرًا فَإِنَّهُ لَيْسَ لَهَا دُونَهُ حِجَابٌ. یعنی مظلوم کی بددعا سے ڈرو اور بچو، اگرچہ وہ (مظلوم) کافر ہو، کیونکہ اس بددعا کے لیے اس کے سامنے کوئی حجاب اور پردہ حائل نہیں ہوتا۔

ہوتا۔

اور امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ

اتَّقُوا دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا تَصْعَدُ إِلَى السَّمَاءِ
كَانَهَا ضَرَاةً۔
یعنی مظلوم کی بددعا سے ڈرو اور بچو کیونکہ وہ آسمان کی طرف اس طرح چڑھتی ہے کہ گویا آگ کا شعلہ ہے۔

[مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

(۲) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام لوگوں میں بدترین درجہ والا وہ بندہ ہوگا جس نے دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد کر لی (جیسے ظالم حکام رعایا پر ظلم کر کے ناجائز ذریعوں سے بادشاہ کے خزانے بھرتے ہیں)۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (گنہگار بندوں کے) دفتر اور اعمال نامے تین قسم کے ہوں گے ایک وہ دفتر جسے اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرنا ہے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
إِنَّ الْمَلَّةَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ۔
بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا۔

اور دوسرا دفتر جسے اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا وہ بندوں کے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان میں بعض کا بعض سے بدلہ لے گا اور تیسرا دفتر جس کی اللہ تعالیٰ پروا نہیں کرتا وہ ہے جو بندوں کے درمیان اور خود اللہ تعالیٰ کے درمیان حق ظلی و زیادتی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو (اپنے حقوق کی حق ظلی پر) اسے سزا دے گا اور اگر چاہے گا تو اس سے درگزر فرما دے گا۔ [مشکوٰۃ المصابیح باب العلم ص ۳۵ مطبوعہ مباح المطابع (المکتبۃ الرشیدیہ) بکری]

زمانہ کو بُرا کہنے کی ممانعت

۲۴۔ بَابُ التَّهْنِیِّ عَنْ سَبِّ الدَّهْرِ

۴۷۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ
لَمَّا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا
الدَّهْرَ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الدَّهْرُ۔
حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم زمانہ کو بُرا نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ (کا خالق) ہے۔

بخاری (۶۱۸۱) مسلم (۵۸۶۷) ابوداؤد (۵۲۷۴)

حل لغات

”لَا تَسُبُّوا“ میں جمع مذکر حاضر فعل نہیں معروف باب تَنْصَرُونَ تَنْصَرُونَ سے ہے اس کا معنی ہے: سب بکنا، گالی دینا نہ کہنا۔
”الدَّهْرُ“ اس کا معنی ہے: زمانہ اور اس کی جمع ”ذُہُورٌ“ آتی ہے۔

زمانہ کو بُرا نہ کہنے کی وجوہات

کتاب التہلیۃ میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگوں کی عادت تھی کہ وہ مصائب و آلام اور حوادث کے نزول کو زمانہ کی طرف منسوب کر کے اس کو گالیاں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ زمانہ نے ایسا کر دیا ہے اور ایسا کر دیا ہے اور ان کے آباء و اجداد بھی اسی طرح زمانہ کو بُرا کہتے تھے حالانکہ زمانہ دنیا کے حوادث وغیرہ میں بے اثر ہے تمام امور کا اصل قائل اللہ تعالیٰ ہے لہذا ان امور کے اصل قائل کو بُرا نہ کہنا چاہیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا
وَمَا يَتَّبِعُنَا إِلَّا الدَّهْرُ۔ (الحاشیہ: ۲۳)
اور انہوں نے کہا کہ ہماری دنیا کی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں ہے ہم (اسی دنیا میں) مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانہ کے سوا کوئی ہلاک نہیں کرے گا۔

اور طویل زمانہ اور دنیا کی زندگی کا نام دھر ہے سو نبی کریم ﷺ نے زمانہ کو گالیاں دینے اور اس کو بُرا کہنے سے منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان چیزوں کے بنانے والے اللہ تعالیٰ کو بُرا نہ کہو کیونکہ زمانے وغیرہ کو جب تم گالی دو گے تو یہ گالی اللہ تعالیٰ پر واقع ہوگی کہ وہی مصنوعات و مخلوقات کا خالق و مالک اور مؤثر حقیقی ہے اس لیے کہ وہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اس حدیث کو امام مسلم نے بیہتم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملاعلی ج ۱ ص ۳۸۹-۳۸۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ

قال اللہ تعالیٰ یوذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنهار۔ دیتا ہے حالانکہ زمانہ (مؤثر حقیقی) تو میں ہوں ہر چیز میرے قبضہ میں [متفق علیہ] [مشکوٰۃ ص ۱۳ مکتبۃ الرشیدیہ دہلی] ہے میں رات اور دن کو پھیرتا رہتا ہوں۔

”انا الدھر“ میں مضاف محذوف ہے ”ای انا محالقی الدھر او مصرف الدھر او مقلبه او مدبر الامور التي تسبوا اليه فمن سبه بكونه فاعلها عاصيه الى لاني انا الفاعل لها“ یعنی زمانے کا خالق میں ہوں میں زمانے میں تصرف کرنے والا ہوں میں اسے پھیرنے والا ہوں اور میں ان تمام چیزوں کی تدبیر کرنے والا ہوں جن کو لوگ زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں سو جس نے یہ خیال کر کے زمانہ کو گالیاں دیں کہ وہ ان چیزوں کا قائل ہے تو اس کی گالیاں میری طرف لوثی ہیں کیونکہ ان تمام چیزوں کا قائل میں خود ہوں۔ [ماہیہ مشکوٰۃ]

۲۵۔ بَابُ فِي تَاثِيرِ الْحُبِّ

۴۷۹۔ كَانَ أَبْرَحَ حَبِيقَةً وَلِذَلِكَ سَنَةُ ثَمَانِينَ وَقَدِيمٌ عِنْدَ اللَّهِ بَنُ أَتَيْتِ صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخُوفَةَ سَنَةَ أَرْبَعٍ وَتِسْعِينَ وَرَأَيْتُهُ وَسَمِعْتُ مِنْهُ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعٍ عَشْرَةَ سَنَةً سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ حُبُّكَ الشَّيْءُ يُمَوِّنُ وَيُؤْصِمُ. ابوداؤد (۵۱۳۰)

امام ابو حنیفہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اتنی بھری (۸۰) میں پیدا ہوا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن انس رضی اللہ عنہ چودانوے بھری (۹۳) میں کوفہ تشریف لائے اور میں نے ان کی زیارت کی اور ان سے حدیث بھی سنی اور میں اس وقت چودہ (۱۴) سال کا تھا انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: کسی چیز کی محبت تمہیں (اس میں عیب دیکھنے سے) اندھا اور (اس کے متعلق عیب سننے سے) بہرا کر دیتی ہے۔

حل لغات

”حُبُّكَ الشَّيْءُ“ اس میں ”حُبُّ“ مصدر ہے اس کا معنی ہے: پیار کرنا، پسند کرنا، چاہنا۔ ”ك“ یہ واحد مذکر حاضر ضمیر اس کا قائل ہے اس کا معنی ہے: تیرا تمہارا۔ ”الشَّيْءُ“ یہ حب کا مفعول ہے اس لیے یہ منصوب ہے اس کا معنی ہے: چیز یعنی تمہارا کسی چیز سے محبت دیکر کرنا۔ ”يُمَوِّنُ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: اندھا کرنا، نابینا کرنا۔ ”يُؤْصِمُ“ یہ بھی مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے اس کا معنی ہے: بہرا کرنا۔

اس حدیث کی تائید و تصدیق

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے سنن ابوداؤد میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے اور صنعانی کو داہم ہوا تو انہوں نے اس حدیث پر وضع کا حکم لگا دیا چنانچہ امام شافعی نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ امام ابوداؤد کا اس حدیث پر سکوت ہمیں کفایت

کرتا ہے کہ یہ حدیث نہ تو موضوع ہے اور نہ شدید ضعف ہے بلکہ یہ حدیث حسن ہے۔

اور امام جلال الدین سیوطی کی الجامع الصغیر میں ہے کہ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے اور امام ابو داؤد نے حضرت ابو الدرداء سے اور علامہ خراکلی نے اعتزال القلوب میں حضرت ابو بردہ حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے اور صدر الاسناد الحلی اور السید الحافظ الدیلمی اور برہان الاسلام نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت عبداللہ بن انیس سے ملاقات کی ہے۔ علامہ کروری نے ذکر کیا ہے کہ ابو داؤد طیالسی سے سند کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سن چورانوے (۹۴ھ) میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہمارے ہاں کوفہ میں تشریف لائے تھے اور میں اس وقت چودہ (۱۴) سال کا تھا چنانچہ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حبك الشيء يعصم ويصم“ یعنی کسی چیز کی محبت تمہیں اس میں عیب دیکھنے سے اندھا اور اس کے متعلق عیب سننے سے بہرا کر دیتی ہے۔

امام ابو حنیفہ کی ملاقات پر اعتراض کا جواب

امام ابو حنیفہ کی حضرت عبداللہ بن انیس انجمنی سے ملاقات پر یہ اشکال و اعتراض ہے کہ اہل سیر اور اہل تواریخ اس بات پر حقیق ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی ولادت سے کئی سال پہلے حضرت عبداللہ بن انیس انجمنی مدینہ منورہ میں سن پچن (۵۴) ہجری میں وفات پا گئے تھے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن انیس نام کے چار صحابہ کرام ہوئے ہیں اور اشکال تو صرف حضرت عبداللہ بن انیس انجمنی سے ملاقات پر وارد ہوتا ہے جبکہ ممکن ہے کہ امام ابو حنیفہ کی ملاقات عبداللہ بن انیس انجمنی کے علاوہ دیگر تین صحابہ عبداللہ بن انیس نامی میں سے کسی ایک عبداللہ بن انیس سے ہوئی ہو۔

”الحب“ کی توضیح

معلوم ہونا چاہیے کہ رغبت و میلان اُلس و محبت اور اُلُف و چاہت کی وجہ سے کسی چیز کے ساتھ دل کے تعلق و ربط کے قائم ہونے کو حب کہتے ہیں پھر دل کی کمورت اور صفائی کے اختلاف سے باطن و راہبین اور محبت کے قلوب مختلف ہوتے ہیں بعض محبت حق ہوتے ہیں اور بعض محبت باطل ہوتے ہیں چنانچہ حق کے محبت اپنے مولیٰ اور آقا کی محبت سے سرشار ہو کر اپنے مولیٰ کے غیر سے گونگے بہرے اور اندھے ہو جاتے ہیں۔ زبان رکھنے کے باوجود محبوب کے علاوہ کسی کی صفت بیان نہیں کرتے اور کان رکھنے کے باوجود اپنے محبوب و مولیٰ کی شان کے علاوہ کسی کی شان پر کان نہیں دھرتے اور آنکھیں رکھنے کے باوجود کسی غیر کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتے اور باطل کے محبت اپنی خواہشات و مرغوبات کے سوا کسی کی نہ سنتے ہیں اور نہ کسی کی طرف دیکھتے ہیں وہ صرف اپنی خواہشات و پسند کے غلام ہوتے ہیں اور اہل اللہ کی تمام توانائیاں اور بہتیں فرائض و سنن کی تکمیل میں مصروف رہتی ہیں اور ان کے باطن ظاہر سے زیادہ نیک اور پاکیزہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہمہ اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف راغب و مائل اور اس کی یاد میں مشغول رہتے ہیں پس وہ غیر اللہ سے بہرے گونگے اور اندھے ہوتے ہیں اس لیے وہ غیر اللہ کی طرف کبھی نہیں لوٹتے۔ یہی سعادت مند و نیک بخت لوگ ہیں جن پر قیامت کے روز نہ خوف و ڈر طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جن کے دلوں کا تعلق اپنے مولیٰ کی بجائے غیر اللہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے وہ بد نصیب ان صفات کمالیہ سے خالی ہوتے ہیں کیونکہ وہ صرف اپنی خواہشات کے پیجاری بن جاتے ہیں اور دوزخ کی آگ میں جا گرتے ہیں اس لیے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ ان کے دل اندھے ہوتے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں

اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نور مقرر نہیں فرمایا اس کے لیے کوئی نور نہیں ہوتا۔

[شرح مسند امام اعظم لملاطی قاری ص ۵۸۵-۵۸۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

اور جتنی محبت مشرکین اپنے بتوں سے کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ محبت مؤمنین اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں بلکہ مؤمن سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اس کی تعظیم و تقدیس اور اطاعت کرتا ہے پھر رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے اور آپ کی تعظیم و تکریم اور اطاعت و اتباع کرتا ہے پھر والدین کی تعظیم کرتا ہے اور جائز امور میں ان کی اطاعت کرتا ہے اس کے بعد اپنے آپ سے محبت کرتا ہے پھر اس کے بعد اپنے اہل و عیال اقرباء پڑوسیوں اور عام مسلمانوں سے محبت کرتا ہے اسی طرح پہلے تعظیم و تکریم اور محبت میں قرآن مجید کا مرتبہ ہے پھر احادیث کا پہلے مسجد حرام کا مرتبہ ہے پھر مسجد نبوی کا مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے زیادہ افضل ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی دعا کے مطابق مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے زیادہ محبوب ہے اور جس جگہ رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر آرام فرما ہے وہ جگہ کائنات کی ہر جگہ سے افضل و محبوب ہے پھر اس کے بعد دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے مقابر و مزارات کے مراحب ہیں اور حدود و شرع کے مطابق ان کی تعظیم و تکریم کرنا برحق ہے۔ [تفسیر تاج القرآن ج ۱ ص ۶۵۶، مطبوعہ طبعہ یک مثال اردو پبلیکیشنز لاہور]

۲۶۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الشَّمَاتَةِ

کسی کی مصیبت پر خوش ہونے کی ممانعت

حضرت وائل بن اسحق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی

کا اظہار نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ اسے خیر و عافیت عطا فرمائے گا اور تمہیں

اس میں مبتلا فرمادے گا۔

۴۸۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ قَالَ سَمِعْتُ وَايِلَةَ بْنَ اَسْبَغٍ

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ

لَا تُظْهِرَنَّ خِمَاتَةً لَا يَحِلُّكَ لَهَا فِيهِ اللّٰهُ وَتَهْتَلِكَ

اللّٰهُ. (ترمذی ۲۵۰۶)

حل لغات

”لَا تُظْهِرَنَّ“ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل فی معروف ہانوں ثقلیہ باب الفاعل سے ہے اس کا معنی ہے: ظاہر کرنا، عیاں کرنا۔

”خِمَاتَةً“ کسی کی مصیبت پر خوش ہونا۔ ”يَحِلُّكَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب مفاعلہ سے ہے آخر میں

خیر مفعول ہے اس کا معنی ہے: عافیت عطا کرنا، تندرستی عطا کرنا، صحت عطا کرنا۔

کسی مصیبت زدہ آدمی کی مدد کرنے کے فوائد

کسی مصیبت زدہ شخص کی مصیبت پر خوش ہونا اور لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کرنا حسن اخلاق و عقل سلیم اور اسلامی تعلیمات

کے نہ صرف خلاف ہے بلکہ انتہائی گھٹیا حرکت ہے کیونکہ حسن اخلاق اور اسلامی تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ مصیبت زدہ شخص کی مصیبت و

تکلیف کو دور کیا جائے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

جو شخص دنیا کی مصیبتوں میں سے کسی دنیاوی مصیبت کو مسلمان

سے دور کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت

اس سے دور فرمادے گا اور جو شخص کسی غفلت والے پر آسانی کرے تو اللہ

تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی

پردہ پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی فرمائے گا

اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد پر رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے کسی مسلمان

مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا

نَفَسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ

يُسِّرْ عَلَى مُعْسِرٍ يَسِّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

وَمَنْ مَتَرَ مُسْلِمًا مَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ

الخ. [مکتوٰۃ الصالح، کتاب العلم الفصل الاول]

بھائی کی عدد پر رہتا ہے۔

اور جو شخص علم کی طلب میں کوئی راستہ طے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس پر جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے گمروں میں سے کسی گمراہ میں قرآن مجید پڑھنے اور آئیں میں قرآن مجید سیکھنے سکھانے کے لیے جمع ہوتی ہے تو ان پر سکون و اطمینان اور دلوں کا چین اترتا ہے اور انہیں رحمت الہی ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس قوم کا اس جماعت میں ذکر کرتا ہے جو اس کے پاس ہے (یعنی فرشتوں میں) اور جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے کر دیا تو اس کا لب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔

علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے حضرت داؤد بن اسحق رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”لا تظہر الشماتۃ لا غلبک فی رحمہ اللہ ویصلیک“ یعنی تم اپنے کسی مسلمان کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرنا سو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم و کرم فرما کر اسے نجات و عافیت اور صحت عطا فرمادے اور تمہیں اس میں جلا کر دے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ [تسلیح النکاح ص ۲۱۶، مکتبہ رحمانیہ لاہور]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۲۷۔ کتاب الرقاق

دلوں کو نرم کرنے والی احادیث

۱۔ بَابُ مَذَارِ الْأَعْمَالِ عَلَى الْقَلْبِ

اعمال کا دار و مدار دل پر ہے
حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک انسان میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ جب وہ سچ ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے باقی سارا جسم سچ ہو جاتا ہے اور جب وہ بیمار ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے باقی سارا جسم بیمار ہو جاتا ہے سنو وہ دل ہے۔

۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ السَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ فِي الْإِنْسَانِ مُنْغَضَةٌ إِذَا صَلَّحَتْ صَلَّحَ بِهَا مَسَائِرُ الْجَسَدِ وَإِذَا سَفَّحَتْ سَفَّحَ بِهَا مَسَائِرُ الْجَسَدِ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.

بخاری (۵۲) مسلم (۴۰۹۴) ابن ماجہ (۳۹۸۴)

حل لغات

”مُنْغَضَةٌ“ اس کا معنی ہے: گوشت کا ٹکڑا، گوشت کا ٹکڑا۔ ”صَلَّحَتْ“ میٹھا و احسن موٹ، فعل ماضی معروف مثبت، باب مکتوم، مکتوم، فَصَحَ يَفْصَحُ، نَصَرَ يَنْصُرُ، تَنَزَّاهُ تَنْزَاهُ، اس کا معنی ہے: درست ہونا، ٹھیک ہونا، صحیح سلامت ہونا، ٹھیک ہونا۔ ”سَفَّحَتْ“ میٹھا و احسن موٹ، فاعل ماضی معروف، باب مکتوم، مکتوم، تَنَزَّاهُ تَنْزَاهُ، اس کا معنی ہے: بیمار ہو جانا۔

دل کا تعارف اور اس کی اہمیت

قلب ایک جوہر نورانی ہے جو مادہ سے مجرد ہے۔ یہ روح اور نفس حیوانی کے درمیان پرزخ ہے، قلب ہی حقیقت انسانہ ہے اس

کا۔ من روح ہے اور اس کا طہر نفس حیوانی ہے۔ قلب و دل روح سے نہ لطیف ہے اور نفس حیوانی سے زیادہ لطیف ہے، حکماء اور فلاسفر و کلامیوں کو نفس نامقدس کہتے ہیں اس نیت کا دار و مدار اسی قلب پر ہے۔ تفسیر عیسیٰ میں ہے کہ قلب کلمی کی شکل میں گوشت کا ایک ٹوٹکا ہے جسے صنوبری قلب بھی کہتے ہیں اور روح اسی گوشت والے دل میں ہوتی ہے اور رگوں کے ذریعہ جسم کے ہر حصے میں پہنچ جاتی ہے اسی لطیف قلب پر اس نیت موقوف ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور شریعت کی پابندی ہوتی ہے جس طرح بدن کے ساتھ جان قائم ہے اسی طرح لطیف قلب کے ساتھ ایمان قائم ہے اسی پر الہام ہوتا ہے اور یہی دلائل سے نتیجہ معلوم کرتا ہے۔

قرآن مجید میں ”لَیْسَنَ نَکَانَ لَہُ قَلْبٌ“ (ق: ۳۷) ایسے معنوں میں آیا ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں بڑا دل والا آدمی ہے یہی دل ذوق و شوق اور کشف و مشاہدہ کا سرچشمہ ہے۔ نصیحت اور ہدایت آمیز کلام جسم کے مختلف حصوں (کان، آنکھ وغیرہ) کے ذریعہ دل تک پہنچتا ہے اور جب دل اس کو مان لے تو انسان ایمان لے آتا ہے، لہذا دل بادشاہ ہوا جبکہ باقی تمام اعضاء اس کے خادم ہوئے۔ قلب کی اصلاح کے لیے اسلام نے مسلمانوں کو خاص طور پر آگاہ کیا ہے جیسا کہ اس حدیث میں فرمایا کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب تک یہ ٹھیک رہتا ہے تو بدن ٹھیک رہتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے اور وہ دل ہے اور صوفیائے کرام نے تو تصوف کے تمام احوال کو دل سے ہی متعلق ہونا قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام صفائے قلب کو اولیت دیتے ہیں اور اس کی درستی کے لیے بڑے بڑے مجاہدات اور ریاضتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ دل کی ہمسیرت اور جلا ذکر سے حاصل ہوتی ہے اور ذکر پر قدرت تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، گویا تقویٰ ذکر کا دروازہ ہے اور ذکر کشف کا دروازہ ہے (تقویٰ سے ذکر اور ذکر سے کشف ملتا ہے) اور کشف فو ز کبیر کی کنجی ہے۔ حدیث میں ہے:

لَکُلِّ شَیْءٍ صِفَالَةٌ وَصِفَالَةُ الْقَلْبِ ذِکْرُ اللَّهِ۔ ہر چیز کے لیے میٹھل (ذنگ و سیل دور کرنے) والی چیز ہوتی ہے اور قلب و دل کو میٹھل کرنے والا ذکر الہی ہے۔

کوئی چیز جذبات الہی سے بچانے والی ذکر الہی سے بہتر نہیں ہے۔

حضرت سلطان باہو بھٹنہ نے فرمایا کہ اسم ذات اور ذکر الہی کی تاثیر سے قلب و دل میں دس صفات پیدا ہوتی ہیں:

- (۱) قلب و دل آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے جس سے وجود میں تاریکی نہیں رہتی۔
- (۲) قلب گہرے دریا کی مانند ہو جاتا ہے یعنی کسی غلاظت سے گہلا نہیں ہوتا (آپ کا فرمان ”دل دریا سمندروں ڈو گئے“ اسی نوعیت سے ہے)۔
- (۳) دل عشق کی آگ سے لبریز ہو جاتا ہے جو اسوۃ اللہ کو جلا دیتا ہے۔
- (۴) دل چشمہ آب کحو ان بن جاتا ہے اور حیات ابدی حاصل کرتا ہے، ذکر کا دل زہدہ اور نفس مردہ ہو جاتا ہے اور ایسے دل کو قلب مخضر بھی کہتے ہیں۔
- (۵) دل ظاہر و باطن میں معبود برحق کی عبادت میں مستغرق ہو جاتا ہے۔
- (۶) دل طلسمات و روحانی بن جاتا ہے جس کی وجہ سے دل بغیر محنت و مشقت کے عرفان الہی کا خزانہ پالیتا ہے۔
- (۷) ہر حقیقت کو آئینہ کی طرح دکھ لیتا ہے۔
- (۸) دل روشن چراغ کی طرح چمکنے لگتا ہے جس سے جسم بھی روشن ہو جاتا ہے۔
- (۹) مردہ دل ذکر الہی کی برکت سے مردہ گھاس کی طرح سرسبز ہو جاتا ہے جس پر باران الہی کا نزول ہوتا ہے۔

(۱۰) قرب الہی کا دواصل بن جاتا ہے اور ہمیشہ رب تعالیٰ اس کے پیش نظر رہتا ہے اور ایسے دل کو قلب حضوری کہتے ہیں۔
قرآن مجید میں قلب کے حسب ذیل نام بیان کیے گئے ہیں:

(۱) قلب سلیم

اس سے مراد مؤمن کا دل ہے۔ سلیم سے مراد سلامتی ہے اور سلامتی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کفر سے ذکر اور مراقبہ نہ ہو۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (اشعر: ۸۹) مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں قلب سلیم لے کر آیا

یاد رکھو! جب تک دل ماسوا اللہ کی قید سے آزاد نہ ہو وہ کفر و نفاق کی پیاریوں سے پاک نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کافر کو اس کے مال خرچ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کی دعا کا فائدہ ہوگا اگرچہ وہ مسلمان ہو گئے ہوں البتہ قلب سلیم رکھنے والے مسلمان کو مال خرچ کرنے اور اس کی نیک اولاد کی دعا کا فائدہ ہوگا جو اس کے گناہوں میں بخشش اور درجات میں بلندی کا باعث ہوگا۔ قیامت کے روز ان کی شفاعت ان کے والدین کے حق میں قبول ہوگی۔ علامہ ابو الیمان اور علامہ مظہری نے ایسا ہی لکھا ہے۔

(۲) قلب شہید

قلب شہید سے توحید حقیقی اور ہر ذرے میں شہود ذات حق حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِمَنْ شَاءَ لَعَلَّ قَلْبًا أَوْ الْكَلْبِ السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (ن: ۳۷) جسے چاہے اس میں اس کے لیے سماعت ہے (بے شک اس میں اس کے لیے سماعت ہے) جس کا دل دیکھا ہو یا جس نے کان لگایا ہو اور وہ حاضر ہو کر ہے

حضرت ابو بکر شبلی بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ قرآنی نصائح سے فیض حاصل کرنے کے لیے قلب شہید یعنی حاضر و ناظر دل چاہیے جو ہر وقت متوجہ ہو جس میں لمحہ بھر کے لیے بھی غفلت نہ ہو۔

علامہ زجاج کہتے ہیں کہ قلب شہید والا آدمی جب سن رہا ہوتا ہے تو اس کا دل حاضر اور متوجہ ہوتا ہے۔ یہ قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اس کی وسعت لا محدود ہے اور لامکاں کی اس میں سمائی ہے۔

(۳) قلب مجاز

یہ سینہ کا دل ہے جو مغصہ (گوشت) کا بنا ہوا ہے اس کو مجازاً قلب کہتے ہیں۔

(۴) قلب فیض

اس قلب سے مراد وہ دل ہے جو اخلاص کے ساتھ اطاعت کی طرف متوجہ رہے ایسا دل رکھنے سے خطرات روحی اور نیک کام ظاہر ہوتے ہیں جیسے تقویٰ، مجاہدہ عبادت، ریاضت اور ورع وغیرہ ایسے لوگوں کا دل ہر وقت اپنے رب تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے اسی کی طرف مائل و راغب رہتا ہے اسی کی یاد میں منہمک رہتا ہے خواہ مصائب و آلام کتنا ہی پریشان کیوں نہ کریں ان کے دل کی کیفیت نہیں بدلتی۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ غَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ (ن: ۳۲) جو رحمن سے بن دیکھے ڈرتا رہا اور ایسا دل لے کر آیا جو یاد الہی کی طرف متوجہ رہنے والا ہے

حدیث میں ہے:

ان الله لا ينظر الى صوركم والى اموالكم
ولكن ينظر الى قلوبكم واعمالكم.

[ماخوذ من کتاب الزحور قلب مطبوعہ جگ پبلشرز لاہور]

۲۔ بَابُ بَيَانِ مَوْعِظَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴۸۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ
هَارِثَةَ قَالَتْ مَا شَبَّحْنَا قُلَّةَ أَيَّامٍ وَلَكِنَّهَا مِنْ خَيْرِ
مُتَّابِعَاتٍ عَنِّي فَارَقَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَمَا زَالَتِ الدُّنْيَا عَلَيْنَا كُذْرَةً فَسَرَّةً عَنِّي فَارَقَ
مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا فَلَمَّا فَارَقَ
مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا صَبَّتْ عَلَيْنَا
صَبًّا.

وَلَيْسَ بِرَوَايَةٍ صَبَّتِ الدُّنْيَا عَلَيْنَا صَبًّا وَلَيْسَ بِرَوَايَةٍ
مَا خَبَّرَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلَّةَ أَيَّامٍ
مَعْرُوفَةً مِنْ خَيْرِ النَّبِيِّ.

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نہ تو تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ
تمہارے اموال کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال
(کردار) کو دیکھتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی گزراوقات کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے مسلسل تین
دن اور تین رات تک کبھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ
حضرت محمد ﷺ دنیا سے داغِ مفارقت دے گئے اور دنیا ہم پر ہمیشہ حلح
اور تنگ رہی یہاں تک کہ حضرت محمد ﷺ دنیا سے جدا ہو گئے پھر جب
آپ دنیا سے انتقال فرما گئے تو دنیا ہم پر کثرت سے بہاوی گئی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ دنیا ہم پر کثرت سے بہاوی گئی۔ اور
ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آل محمد ﷺ نے متواتر تین دن تک
مکدم کی روٹی سے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

مسلم (۷۴۴۴) ترمذی (۲۳۵۸) ابن حبان (۶۳۴۶) مسند احمد (۹۶۰۹)

حل لغات

”مَا خَبَّرْنَا“ اس میں حرف ”مَا“ نافیہ ہے اور ”خَبَّرْنَا“ صیغہ جمع حکم فعل ماضی معروف ثنی باب سَجَعٍ يَسْتَفْعُ سے ہے اس
کا معنی ہے: سیراب ہونا، پیٹ بھرنا۔ ”مُتَّابِعَاتٍ“ اس کا معنی ہے: مسلسل لگاتار متواتر۔ ”فَارَقَ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی
معروف مثبت باب مَفَاعَلَةٍ سے ہے اس کا معنی ہے: جدا ہونا، الگ ہونا۔ ”صَبَّتْ“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی مجہول مثبت
باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: بہانا، اٹھلنا، اوپر سے نیچے ڈالنا۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہت سادہ تھی

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے نہ تو میز پر کھانا کھایا اور
نہ چھوٹی پیالی میں اور نہ آپ کے لیے چپاتی (باریک روٹی) پکائی گئی۔ حضرت قتادہ سے کہا گیا کہ یہ حضرات کس چیز پر کھانا کھاتے
تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ دسترخوانوں پر۔ [بخاری، مشکوٰۃ، کتاب الاطعمۃ، الفصل الاول]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ میز پر کھانا کھانا تکبرین اور جبارین کا طریقہ ہے کہ وہ تکبر و غرور کی بناء پر میز پر کھانا کھاتے ہیں
تاکہ انہیں کھانے کے آگے جھکنا نہ پڑے اور چھوٹی پیالی میں سالن وغیرہ کھانا بھی تکبروں کا طریقہ ہے تاکہ ان کے ساتھ کوئی دوسرا

شامل نہ ہو یا پھر بخیلوں کا طریقہ ہے تاکہ کوئی دوسرا آدمی ساتھ نہ کھاسکے سارا سالن اکیلے کھائیں سو اس حدیث میں یہی بتایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ متکبروں اور بخیلوں کے اس طریقہ پر ہرگز کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام کپڑے یا ہنڈیے یا کھجور کے پتوں سے تیار کردہ چٹائی کے دسترخوانوں پر کھانا کھاتے تھے اور میز پر کھانا بدعت ہے مگر جائز ہے جبکہ زمین پر دسترخوان بچھا کر اس پر کھانا سنت ہے اور آپ کے لیے کبھی چپائی روٹی نہیں پکائی گئی بلکہ آپ کی روٹی قدرے موٹی اور آن چھنے آئے سے پکائی جاتی تھی۔ [مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۱۶۵-۱۶۴ مطبوعہ مکتبہ المدینہ لدایہ ملتان]

دراصل رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہت سادہ تھی آپ کھانے پینے میں سادہ خوراک پسند فرماتے تھے لباس ہمیشہ سیدھا سادہ ہوتا تھا لیکن صفائی ستھرائی کا بہت خیال رکھتے تھے جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اس سلسلے میں زمین چٹائی یا فرش کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ اپنے گھر کے اکثر کام آپ خود کر لیتے مویشیوں کو چارہ بھی ڈال دیتے تھے اونٹ کو اپنے ہاتھ سے ہانڈھ لیتے کمری کا دودھ دودھ لیتے خود بازار سے سودا خرید لاتے چھوٹے بڑوں کو خود سلام کرتے بچوں سے نہایت نرمی و شفقت اور مہربانی کا سلوک فرماتے ہر امیر اور غریب کی دعوت قبول کر لیتے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے یہاں تک کہ اگر اپنی اعلیٰ چھٹ جاتی تو اسے بھی خود گانڈھ لیتے تھے۔ خانہ کعبہ مسجد نبوی کی تعمیر اور جنگ خندق کے موقعوں پر خود معماروں اور مزدوروں کے ساتھ ہر قسم کا کام کرتے رہے الغرض نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی اس قدر سادہ تھی کہ ناواقف لوگ آپ کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ آپ کے فقر و غنا کا یہ عالم تھا کہ برابر ایک ایک چولہا روشن نہ ہوتا تھا صرف پانی اور کھجوروں پر گزارہ ہوتا تھا۔ آپ نے تین دن تک متواتر گندم کی روٹی کبھی نہیں کھائی۔ آپ اکثر روٹی تناول فرماتے تھے۔ اور آپ کا یہ طرز عمل اعتیاری تھا اضطرابی نہیں تھا تاکہ آپ کی امت کے غریب افراد آسانی سے آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو سکیں اور کفایت شعاری کو اپنائیں۔

۳۔ بَابُ بَيَانِ أَشَدِّ النَّاسِ بَلَاءً

۴۸۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمَّارٍ عَنْ اَبِي رَاهِمٍ عَنْ
الْاَسْوَدِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُكْمَةٍ حَكَمَهَا لِذَا هُوَ
مُطْعَبُ جَمْعٍ عَلَى عِبَاءٍ فِي قَطَوَاتٍ وَبِرَقَّةٍ مِنْ صَوْفٍ
حَسَنٍ اِذْ بَعَثَ لِقَائِ بَابِي اَنْتَ وَاَبِي بَارَسُوْنَ اللّٰهُ
بِكُسْرَى وَلَقَبُورُ عَلَى الذِّيَّاجِ فَقَالَ يَا عُمَرُ اَمَا
تَرْضَى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَكُمْ الْاٰخِرَةُ ثُمَّ اِنْ
عُمَرُ مَسَّ لَإِذَا وَهُوَ فِي حِدَّةٍ الْحُمَّى فَقَالَ تَعَمُّ
هَلْ كُنَّا وَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ اِنَّ اَشَدَّ هَذِهِ الْاُمَمِ بَلَاءً نَبِيُّهَا ثُمَّ الْخَيْرُ ثُمَّ
الْخَيْرُ وَكَذَلِكَ كَانَتْ الْاَنْبِيَاءُ قَبْلَكُمْ وَالْاُمَمُ.

بخاری (۴۹۱۳) مسلم (۳۶۹۱) ترمذی (۲۴۶۱)

ابن حبان (۶۳۶۲) ترمذی (۲۳۹۸)

سب سے زیادہ آزمائش والے انسان

حضرت اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بیماری کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے جس کی آپ کو شکایت تھی سو آپ اس وقت (کوہ کے علاوہ قطوان کی تیار کردہ) قطوانیہ کھردری چادر پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ نے اس وقت ایک ایسا ٹکیر لگا رکھا تھا جس کا ظاہر اُون کا تھا اور اس کے اندر اُوخر نامی گھاس بھری ہوئی تھی حضرت عمر نے (یہ حالت دیکھ کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کسریٰ اور قیصر تو ریشم پر آرام کرتے ہیں آپ نے فرمایا: اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے فانی دنیا ہے اور تمہارے لیے دائمی آخرت ہے پھر حضرت عمر نے آپ کے جسم کو چھوا تو آپ اس وقت سخت بخار میں مبتلا تھے حضرت عمر نے عرض کیا: آپ کو بھی اس طرح بخار ہوتا ہے حالانکہ آپ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں سو آپ نے فرمایا کہ اس امت میں سب سے زیادہ تکلیف اور آزمائش اس کے نبی کی ہوگی پھر

اس کے بعد سب سے بہترین لوگوں کی پھر اس کے بعد سب سے بہترین لوگوں کی تکلیف و آزمائش بہت سخت ہوگی اور تم سے پہلے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں بھی اسی طرح (سخت تکلیف و امتحان میں آزمائی گئی) تھیں۔

حل لغات

”شكَاةٌ“ اس کا معنی ہے: بیماری، محنت و مشقت۔ ”عِبَاءَةٌ“ اس کا معنی ہے: کھردری چادر، جھنڈ، چوغہ، دراز کوٹ۔ ”قَطَوَا بَيْتَهُ“ کوٹہ کے ایک موضع قطوان کی طرف منسوب ہے۔ ”قَسَّةٌ“ اس میں ”قَسَّ“ صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کے آخر میں ضمیر واحد مذکر غائب مضارع ہے اور اس کا معنی ہے: چھوٹا۔ ”نَحْمٌ“ صیغہ واحد مذکر حاضر، فعل مضارع مجہول مثبت، باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: بخار میں مبتلا کرنا، گرم کرنا۔ ”الْمَغْمِرُ“ خیر کی جمع ہے، بہ معنی بہترین لوگ۔

رسول اللہ ﷺ کے اختیاری فقر کی جھلک

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جان فرماتی ہیں کہ

انما كان فرائض رسول الله صلى الله عليه

جس بستر پر رسول اللہ ﷺ سوتے تھے وہ صرف چڑے کا ہوتا

تھا، جس میں کجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔

وسلم ينام عليه من ادم حشوة ليف.

رسول اللہ ﷺ نرم و گداز بستر کو پسند نہیں فرماتے تھے چونکہ آپ نے اپنی امت کو عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ، محنت و جدوجہد اور مسلسل تبلیغ اسلام کی راہ میں مشقت اٹھانے اور ہر وقت خدمت خلق کرنے کی تعلیم دینی تھی۔ اس لیے آپ نے خود بھی پیش و آرام اور محم و آسائش سے پرہیز فرمادی تھی یہاں تک کہ نیند بھی سخت بستر پر فرماتے اور آرام و گدے بے اور لحاف پر سونا پسند نہ فرماتے۔ امام بیہقی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے کہ میرے پاس انصار کی ایک عورت آئی اور اس نے رسول اللہ ﷺ کا بستر دیکھا جو کہ چڑا کوڈھرا کر کے بچھا رکھا تھا، ”فبحث الی بطراش حشوة صوف“ وہ عورت گئی اور اس نے روٹی سے بھری ہوئی تو شک (لحاف یا گدے) رسول اللہ ﷺ کے لیے میرے پاس بھیج دیا، جب رسول اللہ تشریف لائے اور اس کو دیکھا تو فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ انصار کی قلاں عورت نے آپ کا بستر دیکھا تو گھر جا کر آپ کے لیے روٹی سے بھرا ہوا گدہ بھیج دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! یہ اسے واپس کر دے۔ ”واللہ لو شئت اجوی اللہ معی جبال الذهب والفضة“ (آپ نے فرمایا:) اللہ تبارک و تعالیٰ کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ جل جلالہ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ رواں کر دے، یعنی میں خوب آرام، عیش اور محم کی زندگی بسر کروں مگر میں تو راحت و آسائش کے ہر قسم کے سامان کو بیچ بھتا ہوں اور درحقیقت راحت اور آرام تو وہ ہے جو آخرت میں نصیب ہو، چنانچہ امام احمد اور ابوداؤد طیالسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ ”فاللہ فی جنبہ“ آپ کے جسم پر اس پورے کے نشان پڑے ہوئے تھے عرض کیا گیا کہ کیا ہم آپ کے لیے کوئی نرم بستر نہ لائیں تو ارشاد فرمایا:

مجھے دنیاوی آرام سے کیا کام میری مثال تو مسافر کی طرح ہے

مالی وللدنیا انما انا والدنیا کراکب استظل

جو راستے میں کسی درخت کے نیچے ذرا آرام کر لے اور پھر اپنی منزل کی

نحت شجرة لم راح وتوكلها.

جانب روانہ ہو جائے۔

وسائل الوصول الی شاکل الرسول میں علامہ یوسف المنہجانی 'امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے جسم پر بورے کے نشان نظر آرہے تھے۔ عمرو کی یہ حالت تھی کہ ایک طرف تھوڑے سے ہو پڑے ہوئے تھے۔ دیوار پر کھال لٹکی ہوئی تھی (نماز پڑھنے کے لیے) میں نے یہ حال دیکھا تو میرے آنسو نکل آئے۔ آپ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے محترم نبی! میں اب بھی نہ روؤں! اس چٹائی نے آپ کے جسم پر نشان ڈال دیئے ہیں۔ منقوہ علاقوں سے جو مال و دولت آرہی ہے کیا اس میں آپ کا حصہ نہیں؟ دوسری طرف یہ قیصر و کسریٰ ہیں جو دنیا کی بے اندازہ نعمتوں میں کھیل رہے ہیں اور آپ اللہ کے نبی و رسول اور محبوب ہیں پھر بھی اس ٹھنڈکی میں گزر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ آخرت کی ابدی نعمتیں ہمارے لیے ہوں اور دنیا کی چند روزہ آسائشیں انہیں دے دی جائیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں یہی کچھ آسائشیں دے کر بہلا دیا گیا ہے جن کی مدت بہت مختصر ہے اور ہم وہ لوگ ہیں جو آخرت میں ایسی نعمتوں سے نوازے جائیں گے جو کبھی ختم نہ ہوگی۔

[وسائل الوصول جرم ص ۶۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، لاہور]

شرح السنہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے:

يركب الحمار العربي ويحب دحوة الملوک
وينام على الارض ويجلس على الارض ويأكل
على الارض.

[الوارثہ شرح لفظاں ص ۴۲۳-۴۲۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، لاہور]

یاد رہے کہ مصائب و آلام اور تکالیف و شدائد میں مبتلا ہونے پر عام مسلمانوں کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں اور انہیں اجر و ثواب دیا جاتا ہے جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام اور مقربین و صالحین کو کئی گنا زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے اور ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۲۸۔ کتاب الجنایات

۱۔ باب حُصُولِ الْجَنَّةِ

مِنْ عَفْوِ دَمِ الْمُسْلِمِ

۴۸۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَفَا عَنْ دَمِ لَمْ يَكُنْ لَهُ قَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کا خون معاف کر دیا تو اس کا اجر و ثواب صرف جنت ہے۔

کنز العمال (۳۹۸۵۴) البدایہ و النہایہ (۴۴۹۷) نسائی (۴۷۸۷) ابن ماجہ (۲۶۹۲)

حل لغات

”عفا“ یہ میخدا واحد کر نما لب، فعل ماضی معروف مثبت، باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: معاف کرنا، درگزر کرنا۔

معاف کرنے عبادت کی مشقت پر صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کا انعام

حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا کرے گا کہ اہل فضل کھڑے ہو جائیں پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم جنت کی طرف چلے جاؤ راستہ میں ان سے فرشتے ملیں گے اور کہیں گے: تم کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے: جنت کی طرف فرشتے کہیں گے: حساب سے پہلے؟ وہ کہیں گے: ہاں! فرشتے پوچھیں گے: تم کون ہو؟ وہ کہیں گے: اہل فضل ہیں فرشتے پوچھیں گے: تمہاری کیا فضیلت ہے؟ وہ کہیں گے: جب کوئی ہم سے جاہلانہ بات کرتا تو ہم بردباری سے کام لیتے اور جب کوئی ہم پر ظلم و ستم کرتا تو ہم معاف کر دیتے اور جب کوئی ہمارے ساتھ زیادتی کرتا تو ہم درگزر سے کام لیتے اور معاف کر دیتے۔ فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ، نیک کام کرنے والوں کے لیے کیا خوب اجر و ثواب ہے؟ پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کھڑے ہو جائیں چنانچہ کچھ لوگ کھڑے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم جنت کی طرف چلے جاؤ راستہ میں ان کو فرشتے ملیں گے ان سے بھی اسی طرح مکالمہ ہوگا وہ کہیں گے: ہم اہل صبر ہیں فرشتے پوچھیں گے: تم نے کس چیز پر صبر کیا؟ وہ کہیں گے: ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت پر صبر کیا اور ہم صبر کر کے اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی سے بچے رہے فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ، نیک کام کرنے والوں کا کیا خوب اجر و ثواب ہے؟ پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے پڑوسی کھڑے ہو جائیں پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے اور وہ بہت کم لوگ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم جنت کی طرف چلے جاؤ راستہ میں ان کو فرشتے ملیں گے اور ان سے بھی اسی طرح مکالمہ ہوگا فرشتے پوچھیں گے: تم کس سبب سے اللہ تعالیٰ کے پڑوسی بنے؟ وہ کہیں گے: ہم اللہ عزوجل کی رضا کے لیے لوگوں سے ملتے تھے ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مجلس میں شریک ہوتے تھے اور ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتے تھے فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ پس نیک عمل کرنے والوں کا کیا خوب اجر و ثواب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) ایک منادی دو بار ندا کرے گا کہ جس شخص کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے وہ جنت میں داخل ہو جائے تو جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو معاف کر دیا ہوگا وہ آٹھ کھڑا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ.

جس شخص نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر و ثواب اللہ (الشوری: ۴۰) تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔

[تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر تبيان القرآن ج ۱ ص ۶۲۳-۶۲۴ مطبوعہ فرید بک سنال اردو ہزارہ لاہور]

۲- باب دِيَّةِ أَهْلِ الْكِتَابِ

۴۸۵- اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ سَعِيدِ بْنِ

الْمُسَبِّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا دِيَّةُ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ بِقُلُوبِ دِيَّةِ الْمُسْلِمِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: یہودی اور نصرانی کی دیت (خون بہا) مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔

دیت کا معنی اور اس کے احکام

وہ مال جو مقتول کے ورثاء کو مقتول کی جان کے عوض میں دیا جاتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں اگر مسلمان مقتول کے قرابت دار کا فر

ہوں تو ان کو دیت نہیں دی جائے گی کیونکہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، مسلمان مقتول کے جو وارث مسلمان ہوں ان کو دیت ادا کی جائے گی۔ علامہ فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے لکھا ہے کہ دیت کا معنی ہے: مقتول کا حق۔ [القاسوس ج ۳ ص ۵۷۹] اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی مسلمان یا ذی کو ناحق قتل کرنے یا اس کے کسی عضو کو ناحق تلف کرنے کی وجہ سے جو شرعی مالی تاوان لازم آتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں اور بعض اوقات جان کے تاوان کو دیت اور عضو کے تاوان کو ارش کہتے ہیں۔

[ماخوذ از: تفسیر تہذیب القرآن ج ۲ ص ۷۶، مطبوعہ فرید بک سنال لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ امام طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ "دیۃ المسلمی دیۃ المسلم" یعنی ذمی کی دیت ہے جو مسلمان کی دیت ہے لیکن یہ اس حدیث کے معارض ہے جسے ابو داؤد نے حضرت ابن عمر سے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ معاہدہ کی دیت آزاد کی دیت کا نصف ہے اور سنن ترمذی میں ہے کہ کافر کی دیت مسلم کی دیت کا نصف ہے۔ اور علماء دین کا اتفاق ہے کہ آزاد مسلمان مرد کی دیت معاہدہ قاتل کے مال میں سوا ڈھنٹ ہے جب دیت پر صلح ہو پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ دیت نقد ادا ہوگی یا مہلت کے ساتھ سوا امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا: یہ دیت نقد ادا کرنا ہوگی اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا: یہ دیت مہلت کے ساتھ تین سال میں ادا کی جائے گی۔ اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی دیت میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ نے فرمایا: ان کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے خواہ قصداً قتل ہو یا غلطی سے ہو اور امام احمد نے فرمایا: اگر یہودی یا نصرانی نے معاہدہ کیا ہوا ہے اور اسے کسی مسلمان نے قصداً قتل کر دیا تو اس کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہوگی اور اگر اسے غلطی سے قتل کیا گیا تو دو روایتیں ہیں ایک روایت میں مسلمان کی دیت کا نصف ہوگا اور خرقی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور امام احمد کی دوسری روایت میں ہے کہ مسلمان کی دیت کا ایک تہائی ہوگی اور قرآن مجید کا ظاہر امام ابو حنیفہ کے قول کے موافق ہے کیونکہ قرآن نے مسلم اور کافر کے بارے میں قصداً اور غلطی سے قتل ہونے میں فرق نہیں کیا۔ واللہ اعلم بالصواب

[شرح مصنف امام اعظم ص ۲۰۹-۲۰۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

امام زہری نے یہ حدیث حضرت سعید بن مسیب کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے بلکہ اصح ہے اور جب امام اعظم ابو حنیفہ کو یہ صحیح ترین بلکہ اصح حدیث پہنچی مٹی تو ان کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور اس حدیث سے امام مالک اور امام شافعی کے مذہب کی تردید ہو جاتی ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ ہر صاحب عہد کی دیت اس کے عہد کے دوران ایک ہزار دینار ہے (امام اعظم کا بھی یہی موقف ہے)۔ علامہ یحییٰ نے بتایا ہے کہ امام ابو داؤد نے اس حدیث کو مراسیل میں بیان کیا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر صاحب عہد کی دیت اس عہد کے دوران ایک ہزار دینار ہے اور امام شافعی نے اپنی سند میں اس حدیث کو حضرت سعید بن مسیب پر موقوف قرار دیا ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی نے حضرت سعید بن مسیب سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر ذمی عہد کی دیت اس کے عہد کے دوران ایک ہزار دینار ہے اور سب کا اتفاق ہے کہ حضرت سعید بن مسیب کی مراسیل مقبول ہیں اور اسی طرح موقوف حدیث مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیونکہ یہ حدیث قیاس کے مخالف ہے کہ اس میں مماثلت کا ظہور نہیں نیز ہمارے مذہب میں احتیاط پر عمل کیا جاتا ہے جیسا کہ عام مسائل میں ہمارے امام ابو حنیفہ کا طریقہ ہے۔

[تہذیب النظم فی شرح مسند الامام حاشیہ: ۳ ص ۲۱۷، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ روایت کرتے ہیں: ابراہیم نخعی نے کہا: ذمی مرد کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ [کتاب الآوار: ۹۶۹]

زہری نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل ذمہ کی دیت آزاد مسلمان کے برابر ہے۔

[کتاب الآوار: ۹۷۲]

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابو الیثم روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ذمی کی دیت آزاد مسلمان کے برابر ہے۔ [کتاب الآوار: ۵۸۷]

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے نصرانی کی دیت اور یہودی کی دیت کو آزاد مسلمان کے برابر قرار دیا، امام محمد نے کہا: ہمارا اسی حدیث پر عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ [کتاب الآوار: ۵۸۹]

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ذمی کی دیت مسلم کی دیت کے مثل ہے۔

[المجم الاصل: ۷۹۵]

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو کرزہ ضعیف ہے لیکن باقی احادیث اور آثار صحیحہ امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف پر قوی دلیل ہیں اور ظاہر قرآن بھی آپ کے موقف پر دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید نے مسلم اور کافر کی دیت میں اور دیت خطا میں کوئی فرق نہیں کیا۔

[ماخوذ از تفسیر قرآن ج ۲ ص ۷۹، مطبوعہ لہجہ یک سال ۱۴۰۰ھ]

ذخوں میں قصاص

لینے کا وقت

۳۔ بَابُ وَقْتِ الْقَصَاصِ

مِنْ الْجَوَاحِ

۴۸۶۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ

لَمَّا رَسُوهُ لَلَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسْتَقَادُ

مِنْ الْجَوَاحِ شَيْءٌ قَبْرًا. مسند (۷۰۳۴)

حل لغات

”لَا يَسْتَقَادُ“ میخذ واحد کر غائب، فعل مضارع مجہول منفی باب استفعال سے ہے اس کا معنی ہے: قصاص کا مطالبہ کرنا کسی کا مطیع ہونا، قیادت کی خواہش کرنا، متواضع ہونا۔ ”قَبْرًا“ میخذ واحد مؤنث غائب، فعل مضارع معروف، باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: درست ہونا، اچھا ہونا، نجات پانا۔ ”الْجَوَاحِ“ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے اور یہ ”جِسْرًا حَةً“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: ذخم جراح کا پیشہ، گناہ۔

احناف کے دلائل

ائمہ اربعہ میں سے صرف امام شافعی فہم کے قصاص پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ذخم میں بھی فوراً جراح سے قصاص و بدلہ لیا جائے گا، لیکن ان کے قیاس کے جواب میں مسند امام اعظم کی صحیح الاسناد یہ صحیح حدیث حجت کے لیے کافی ہے اور ہمارے موقف کی

تائید کے لیے مزید نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ زخموں میں ایک سال تک تاخیر کی جائے۔ اور اس لیے بھی کہ زخموں میں انجام کا اعتبار ہوتا ہے حال کا نہیں، کیونکہ زخموں کا حکم فی الحال معلوم نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ممکن ہے کہ سخت اور گہرا زخم ٹھیک ہو جائے اور ہلکا اور کم گہرا زخم بگڑ جائے اور جان لیوا ثابت ہو جائے، لیکن ایک سال تک تاخیر کرنے میں زخم کے ٹھیک ہونے پر جارج سے اسی وقت قصاص لیا جائے گا جس قدر مجروح کو زخم لگایا گیا اور یہی عدل و انصاف ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی تخریج میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کو دارقطنی نے اپنی سنن میں یزید بن عیاض سے از ابی الزبیر از جابر روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زخموں میں اندازہ لگایا جائے گا اور ایک سال تک تاخیر کی جائے گی (تا کہ زخم ٹھیک ہو جائے) پھر مجروح کے زخم کی مقدار کے مطابق جارج سے قصاص لینے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

دارقطنی نے کہا ہے کہ یزید بن عیاض ضعیف و متردک ہے اور تنہا نے اس حدیث کو ابن لہیعہ سے از ابی الزبیر از جابر مرفوع روایت کیا ہے، لیکن ابن لہیعہ کو معلول قرار دیا ہے، اچھی۔ جواب: مذہب حنفی کے استدلال کے لیے کئی وجوہات ہیں پہلی وجہ تو وہ صحیح حدیث ہے جسے امام ابو حنیفہ نے اپنی مسند میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت جابر سے مرفوع روایت کیا ہے اور یہ صحیح الاسناد حدیث حجت کے لیے کافی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ابن لہیعہ صدوق (بہت سچے لے والے) راوی ہیں اس لیے ان کی روایت مقبول ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ دارقطنی اور تنہا کی روایت کردہ دونوں روایات کو اگر ضعیف تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی یہ دونوں روایتیں متعدد اور کثرت طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے ضعف کے درجہ سے نکل حسن کے درجہ پر ترقی کر چکی ہیں اور حجت کی صلاحیت رکھتی ہیں اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ قیاس بھی ہماری تائید و توثیق کرتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے پھر ہمارا مذہب یہ ہے کہ زخم ٹھیک ہونے سے پہلے قصاص نہ لیا جائے، لیکن جب زخم ٹھیک ہو جائے تو پھر مجروح کے زخم کی مقدار کے مطابق جارج سے قصاص لیا جائے تاکہ عدل و انصاف میں کمی بیشی نہ ہو جائے۔ امام مالک، امام احمد بن حنبل اور اکثر اہل علم اسی کے قائل ہیں۔

[تسین نظام فی شرح منہاج امام حاشیہ: ۳، ص ۲۱۸ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

علامہ ابن کثیر نے مسند امام احمد کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ ماری اور وہ شخص نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! آپ مجھے بدلہ دلوائیے، آپ نے فرمایا: پہلے تو تندرست ہو جا، لیکن پھر آ کر عرض کیا کہ آپ مجھے بدلہ دلوائیے، سو آپ نے اس کو بدلہ دلوا دیا، وہ آدی پھر آیا عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! میں تو (زخم بگڑنے کی وجہ سے) لنگڑا ہو گیا ہوں، آپ نے فرمایا: میں نے تجھے مع کیا تھا لیکن تو نے میری بات نہیں مانی، سو اب تمہارے لنگڑے پن کا کچھ بدلہ نہیں پھر اس کے بعد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زخم ٹھیک ہونے سے پہلے بدلہ لینے سے منع فرما دیا۔

[مختصر تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۵۲۲، مطبوعہ دار القرآن، المکرم، بیروت، ترجمہ ج ۱، ص ۱۰۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ چھاپت کتبہ کراچی]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۲۹۔ کتاب الاحکام

۱۔ باب الإمارة

فیصلوں اور مقدموں کی اہمیت

حکومت کی اہمیت و ذمہ داری کا بیان

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! حکومت و منصب امانت ہے اور یہ قیامت کے دن ذلت و رسوائی اور ندامت و شرمندگی کا سبب ہوگی، سوائے اس شخص

۴۸۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ الْإِمَارَةُ أَمَانَةٌ وَهِيَ يَوْمَ الْفِتَانَةِ يَخْذُ

وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ آخَلَهَا مِنْ حَقِّهَا وَآذَى الْوَدَى عَلَيْهِ
وَأَثَى ذَلِكَ.

وَلَيْسَ رِوَايَةً عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ عَنْ أَبِي غَسَّالٍ
عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ الْإِمَارَةُ أَمَانَةٌ وَهِيَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بَعْزِي
وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ آخَلَهَا مِنْ حَقِّهَا وَآذَى الْوَدَى عَلَيْهِ
وَأَثَى ذَلِكَ يَا أَبَا ذَرٍّ. مسلم (۴۷۱۹) مسند احمد (۲۱۸۴۵)

حل لغات

کے جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور جو ذمہ داریاں اس پر شریعت میں
لازم تھیں انہیں پوری طرح ادا کیا اور یہ کہاں ہوتا ہے؟

اور ایک روایت میں ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ
سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: حکومت و عہدہ امانت ہے اور یہ
قیامت کے دن ذلت و رسوائی اور ندامت و شرمندگی کا باعث ہوگی ماسوا
اس شخص کے جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور جو ذمہ داریاں شرعاً اس
پر لازم تھیں انہیں پوری طرح ادا کیا اور اسے ابو ذر یہ کہاں ہوتا ہے؟

”الْإِمَارَةُ“ اس سے مراد حکومت، عہدہ، سرداری، منصب ہے۔ ”بَعْزِي“ اس کا معنی ہے: ذلت، رسوائی۔ ”نَدَامَةٌ“ اس کا معنی
ہے: شرمندگی۔

حکومت و قضاء اہم ذمہ داری اور امانت ہے

علامہ ملا علی قاری اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”الامارة امانة“ کا مطلب ہے کہ حکومت و سرداری بہت بڑی
ذمہ داری ہے کیونکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں اس کے ساتھ متعلق ہیں ایک طرف اسلامی حدود و قوانین کے مکمل نفاذ و اجراء کی
ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو دوسری طرف بندوں کے حقوق کا مکمل تحفظ اور ان میں عدل و انصاف قائم کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی
ہے سو اس لیے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَلْفَقْنَ بِهَا وَحَمَلَهَا
الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (الاحزاب: ۷۲)

یہ سننے والا بڑا نادان ہے

میں امانت سے بھی حکومت و سرداری کی ذمہ داری پوری کرنا مراد ہو اور اس کی تائید نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان
سے ہوتی ہے کہ ”مُلْكُكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْنُونٌ عَنْ رِعِيَّتِهِ“ یعنی تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے
بارے میں پوچھا جائے گا۔

ہاں البتہ حکمرانوں اور نگہبانوں کے مراتب مختلف ہیں۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۴۲۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]
اس حدیث میں لفظ ”رَاعِي“ استعمال کیا گیا ہے جس کا لفظی معنی ہے: چرواہا، جو بھیڑ بکریاں چراتا ہے اور ان کی دیکھ بھال کرتا
ہے سو جس طرح چرواہا اپنے ریوڑ کا رکھوالا اور نگہبان ہے اسی طرح ہر شخص اپنے زیر اثر لوگوں کا نگہبان اور ذمہ دار ہے جن کے
بارے میں وہ جواب دہ ہے قیامت کے روز ہر شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی رعیت اور اپنے ماتحت لوگوں کے بارے میں جواب دہ ہو
گا مثلاً والد اپنے خاندان اور اولاد کے لیے ذمہ دار ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تم نے اپنے خاندان اور اولاد کو
اسلام کی راہ پر چلایا تھا یا شیطان کے راستے پر؟ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کیسی کی؟ انہیں حلال روزی کھلائی یا حرام؟ اسی طرح شوہر اپنی
بیوی کا ذمہ دار ہے اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے اپنی بیوی کا حق کیسے ادا کیا؟ اسے شرعی احکامات کا پابند بنایا یا اسے شرعاً مہار

کی طرح چھوڑ دیا تھا؟ اس سے پردے اور شرم و حیا کی پابندی کہاں تک کرائی؟ اسی طرح بڑا بھائی اپنے بہن بھائیوں کا ذمہ دار ہے کہ وہ انہیں غلط راستے پر نہ چلنے دے آج کل عورتوں میں جس قدر وسیع پیمانے پر بے پردگی دیکھنے میں آ رہی ہے اس کی ذمہ داری براہ راست والدین شوہر بھائیوں اور دیگر اعزہ و اقارب پر عائد ہوتی ہے اگر یہ لوگ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور محسوس کریں تو اس قسم کی بے راہ روی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

ہر محکمے کا افسر اپنے محکمے کا ذمہ دار ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے اس کے محکمے کا حساب لے گا ڈپٹی کمشنر اپنے ضلع کا کمشنر اپنی کمشنری کا گورنر اپنے صوبے کا وزیر اپنے محکمے کا اور ملک کا صدر پورے ملک کا ذمہ دار ہے۔ گویا جوں جوں دائرۂ اثر بڑھتا جائے گا اسی قدر ذمہ داری میں اضافہ ہوتا جائے گا بہر حال اگر ہر فرد اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور اسے صحیح طور پر سر انجام دے تو معاشرہ صحیح بنیادوں پر استوار ہو سکتا ہے اور پورا ملک امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

- (۱) امام بخاری امام احمد اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک تم عنقریب امارۃ و حکومت اور سرداری کی خواہش کرو گے حالانکہ وہ قیامت کے روز عداوت و شرمندگی کا باعث ہوگی۔
- (۲) طبرانی اور بزار نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عوف بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حکومت و سرداری کا پہلا وہاں ملامت ہے دوسرا عداوت ہے اور تیسرا قیامت کے روز عذاب ہے اس واسطے کہ جس نے اپنے دور حکومت میں عدل و انصاف کو قائم رکھا۔

- (۳) نیز طبرانی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حکومت و سرداری اس شخص کے لیے بہت اچھی چیز ہے جس نے اس کو حق کے ساتھ لیا اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کیا اور یہ حکومت و سرداری اس شخص کے لیے بہت بُری چیز ہے جس نے اس کو ناحق طریقہ (ظلم و دھاندلی) سے لیا کیونکہ یہ چیز قیامت کے دن اس کے لیے حسرت و افسوس اور عداوت و شرمندگی کا باعث ہوگی۔

- (۴) امام مسلم نے حضرت ابوذر غفاری سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے کسی علاقہ کا حاکم کیوں نہیں بناتے؟ آپ نے اپنا ہاتھ میرے کندھوں پر رکھا پھر فرمایا: اے ابوذر! بے شک تم ضعیف و کمزور آدمی ہو اور حکومت و سرداری قیامت کے دن ذلت و رسوائی اور عداوت و شرمندگی کا باعث ہوگی سوائے اس آدمی کے جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کیا۔

- (۵) ابوالقاسم بن بشر نے اپنی امالی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص میری امت کے معاملات کو چلانے کے لیے حکمران بنا، اسے قیامت کے روز پل صراط پر کھڑا کیا جائے گا اور فرشتے اعمال ناموں کے صحیفے کھولیں گے سوائے وہ شخص عادل ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے بدل کے سبب اسے نجات دے دے گا اور اگر وہ ظالم ہو تو اس کے اعضاء توڑ کر الگ الگ کیے جائیں گے یہاں تک کہ اس کے اعضاء میں سے ہر دو اعضاء کے درمیان سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہوگا پھر اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

- (۶) الخطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت عبدالرحمن بن عمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس حاکم و سردار نے اپنی رعایا سے حکومت و سرداری طلب کی پھر اس نے اپنی رعایا کے ساتھ نصیحت و خیر خواہی اور امانت و دیانت کا برتاؤ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کو تنگ کر دے گا حالانکہ اس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔

[تسبیح النظام فی شرح مسند الامام حاشیہ: ۲، ص ۲۱۹، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۲۔ بَابُ الْإِمَامِ الْعَادِلِ أَرْقَعَ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

۴۸۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ أَرْقَعَ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِمَامٌ عَادِلٌ.

قیامت کے دن عادل بادشاہ سب سے
زیادہ بلند درجہ پر فائز ہوگا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک قیامت کے دن تمام لوگوں سے زیادہ بلند درجہ پر عادل بادشاہ فائز ہوگا۔

ترمذی (۱۳۲۹) سند احمد (۱۱۱۹۰) شعب اللیبی (۲۳۶۶) سنن الکبریٰ للبیہقی (۱۹۹۵۶)

عادل بادشاہ کی فضیلت

عادل بادشاہ کا درجہ اس لیے سب سے زیادہ بلند ہوگا کہ اس نے دنیا میں اپنی ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حق (عدل و انصاف کی ذمہ داری) کو پورا کیا اور اس کی مخلوق میں عدل و انصاف قائم کر کے ان کے حقوق کو بھی پورا کیا۔

(۱) امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابواسحاق کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ تین قسم کے آدمی ہیں جن کی دعاؤں میں کی جاتی: (۱) عادل و منصف بادشاہ (۲) روزہ دار جب روزہ افطار کرتا ہے (۳) اور مظلوم کی دعا۔

(۲) امام حاکم اور دیلمی کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ تین آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنا سایہ عطاء فرمائے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کسی کا سایہ نہیں ہوگا: (۱) امانت دار تا جر (۲) اعتدال کی راہ پر چلنے والا عادل بادشاہ (۳) اور دن کو (نماز کے لیے) سورج کا خیال رکھنے والا۔

(۳) امام احمد ترمذی اور بیہقی کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے روز نشست کے اعتبار سے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ محبوب و مقرب عادل بادشاہ ہوگا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مغفوش اور سب سے زیادہ سخت عذاب پانے والا ظالم بادشاہ ہوگا۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۲۹۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

قاضیوں کی تین اقسام ہیں

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قاضیوں (ججوں) کی تین قسمیں ہیں: دو دوزخی ہیں اور (ایک) قاضی وہ ہے جو قرآن و سنت کے علم کے بغیر فیصلے کرتا ہے اور (ناحق فیصلہ کر کے) ایک کا مال دوسرے کو کھلاتا ہے اور (دوسرا) قاضی وہ ہے جو اپنے علم پر عمل کرنے کو ترک کر دیتا ہے اور غلط و ناحق فیصلے کرتا ہے سو یہ دونوں دوزخ میں جائیں گے اور (تیسرا) قاضی وہ ہے جو کتاب اللہ (قرآن و سنت) کے مطابق فیصلے کرتا ہے سو یہ قاضی جنت میں جائے گا۔

۳۔ بَابُ الْقَضَاءِ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ

۴۸۹۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ خُبَيْبٍ عَنْ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ ابْنِ بَرِيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَضَاءُ ثَلَاثَةٌ قَاضِيَانِ فِي النَّارِ وَقَاضٍ يَقْضِي فِي النَّاسِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيُؤْكَلُ بَعْضُهُمْ مَالُ بَعْضٍ وَقَاضٍ يَتْرُكُ عِلْمَهُ وَيَقْضِي بِغَيْرِ الْحَقِّ فَهَٰذَانِ فِي النَّارِ وَقَاضٍ يَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ فِي الْجَنَّةِ.

ترمذی (۱۳۲۳) ابن ماجہ (۲۳۱۵) سنن الکبریٰ (۲۳۶۶)

حل لغات

”الْفَضَاءُ“ یہ قاضی کی جمع کسر ہے اس کا معنی ہے: مقدمات کا فیصلہ کرنے والا جج۔ ”ہُوَ كُلُّ“ یہ میضہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: کھلانا۔

منصب قضاء کی اہمیت

اکثر علماء اور مصنفین نے منصب قضاء سے احتراز کو بیان کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور منصب قضاء سے اعراض اور فرار کی بہت فضیلت بیان کی ہے حتیٰ کہ بہت سے فقہاء اور صالحین کے دماغوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ جس نے منصب قضاء کو قبول کر لیا اس کا دین خطرہ میں پڑ گیا اور اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیا یہ بات بالکل غلط ہے اور اس سے رجوع اور توبہ کرنا واجب ہے بلکہ اس عظیم منصب کی تعظیم کرنا ضروری ہے انبیاء کرام علیہ السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مظلوم تک اس کا حق پہنچایا جائے اللہ تعالیٰ کی حدود کو نافذ و قائم جائے اور عدل و انصاف کو پھیلایا جائے اور اسے عام کیا جائے تاکہ ظلم و ستم کا خاتمہ کیا جائے اور اس عدل و انصاف کی وجہ سے ہی زمین و آسمان قائم ہیں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں قضاء کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے (جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں) اور جن احادیث میں قاضیوں پر وعید کا ذکر ہے وہ ظالم اور جاہل قاضیوں کے متعلق ہیں اور جس حدیث میں ہے کہ جس شخص کو قاضی بنادیا گیا اس کو بغیر جہری کے ذبح کر دیا گیا۔ [ترمذی اہود و الذابین ماجہ و ترمذی و غیرہ] بعض علماء نے کہا: اس حدیث میں منصب قضاء کو قبول کرنے سے اجتناب اور احتراز کی ہدایت دی گئی ہے۔ اور بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث منصب قضاء کی فضیلت ہے اور عقمت کی دلیل ہے کیونکہ جو شخص منصب قضاء قبول کرتا ہے وہ اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرتا ہے اور جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ گویا راہ حق میں بغیر جہری کے ذبح کر دیا جاتا ہے کیونکہ جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو اہل ہوا اور باطل پرست اس کے دشمن ہو جاتے ہیں کبھی قاضی کا فیصلہ کسی بہت مال دار اور صاحب اثر و رسوخ کے خلاف ہوتا ہے اور کبھی اس کا فیصلہ حکومت و قوت کے خلاف ہوتا ہے اور ان کے خلاف فیصلہ کرنا اپنی جان مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور انگاروں سے کھیلنا ہے پس قاضی حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کر کے راجح میں ذبح ہو کر شہداء کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود حضرت علی بن ابی طالبؓ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہم کو قاضی مقرر فرمایا لہذا قضاء سے بچنے کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ ظالمانہ جاہلانہ فیصلے اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں کے بارے میں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قاضیوں کی تین قسمیں ہیں: دو قسم کے قاضی جہنم میں جائیں گے اور ایک قاضی جنت میں جائے گا جو قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو قاضی جہالت سے فیصلہ کرے گا اور اہل علم سے پوچھنے میں غار محسوس کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ یہ حدیث ظالم اور جاہل قاضی کے متعلق ہے لیکن جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرنے کی کوشش کرے اور کوشش کے باوجود اس کو فیصلہ میں خطا اور غلطی لاحق ہو جائے تو وہ مجرم نہیں ہے بلکہ اس کو بھی اپنی کوشش کرنے کا ایک اجر ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاَجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ
اَجْرَانِ وَ اِذَا حَكَمَ فَاَجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَا فَلَهُ اَجْرٌ.
جب حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ (عند اللہ) صحیح ہو تو
اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر وہ اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ
(عند اللہ) غلط ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔ [صحیح مسلم کتاب الاقضية رقم الحدیث: ۳۷۳۷]

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَدَاوُدَ وَسَلَمَانَ إِذْ يَخُذَمَنَ فِي الْحَرَّةِ إِذْ
نَفَسَتْ فِيهِ غَمُّ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ ذُهَبِينَ
لَقَدْ هَمَّتْهَا سُلَيْمَنٌ وَكُنَّا أَنْتَا حَكَمًا وَعِلْمًا

(الانبیاء: ۷۸-۷۹)

اور (اے محبوب! یاد کیجئے) داؤد اور سلیمان جب دونوں ایک
کھیت کے متعلق فیصلہ کر رہے تھے جبکہ ایک قوم کی بکریاں رات کے
وقت اس میں چرنے چھوٹ گئیں اور ہم ان کے فیصلہ کے شاہد تھے
سو ہم نے اس کا صحیح حل سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے ان دونوں کو نبوت
اور علم سے نوازا دیا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنَّا لَتَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ
اللَّهَ لَتَمَنَّعُ الْمُؤْمِنِينَ (الحکمت: ۶۹)

اور جو لوگ ہماری رضا جوئی میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو ضرور
اپنے راستے دکھاتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور تمکی کرنے والوں
کے ساتھ ہے

[شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۵۵-۵۳، مطبوعہ فریڈ بک سٹال لاہور]

حاکم غضب کی حالت میں فیصلہ نہ کرے

۴۔ بَابُ لَا يَقْضِي الْحَاكِمُ فِي الْغَضَبِ

۴۹۰۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ
أَنَّ أَبَاهُ كُتِبَ إِلَيْهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَقْضِي الْحَاكِمُ وَهُوَ غَضَبَانُ
حضرت ابو بکرہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے انہیں ایک
خط لکھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی
جج غضب کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

تاری (۶۷۳۹) مسلم (۴۴۹۰) ابوداؤد (۳۵۸۹) ترمذی (۱۳۳۴) ابن ماجہ (۲۳۱۶) نسائی (۵۴۰۸)

عمل لغات

”غَضَبَانُ“ یہ اسم مفت ہے، باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: غضب ناک ہونا، ناراض ہو جانا، بغض رکھنا اور
بلا سبب غصہ ہونا۔

حالت غضب میں فیصلہ کرنے کی ممانعت کی وجہ

قاضی کو حالت غضب میں فیصلہ کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ غضب اور غصہ کے وقت قاضی فریقین کے مقدمہ میں صحیح
غور و فکر نہیں کر سکتا کیونکہ حالت غضب میں انسان کی عقل اور نفس پر غصہ غالب ہوتا ہے اور اس کا مزاج اعتدال کی حالت میں نہیں
رہتا ایسی صورت میں حق سے تجاوز کرنے اور غلط فیصلہ کرنے کا امکان بڑھ جاتا ہے چنانچہ ہر وہ حالت جس میں قاضی کا دل و دماغ
کسی معاملہ کی وجہ سے پریشان ہو جیسے بھوک، پیاس، سخت گرمی، سخت سردی، بیماری، غم و رنج یا بہت زیادہ خوشی وغیرہ، سو ان حالات میں
قاضی کا فیصلہ نافذ تو ہو جائے گا مگر یہ فیصلہ مکروہ ہوگا۔

[شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع، کراچی، مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۷ ص ۲۳۶، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان، احادیث المسعات
ج ۳ ص ۳۲۰، مطبوعہ مکتبہ لوریہ رضویہ، سکس، مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۳۷۹، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، کبکرات، شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۵۳، مطبوعہ فریڈ بک سٹال

ابوداؤد لاہور]

یاد رہے کہ مسند امام اعظم کے موجودہ نسخہ میں اور شرح ملاحظی قاری میں از عبد الملک از ابی بکرہ ہے لیکن صحیح اور درست روایت از

عبدالملک بن عمیر از ابن ابی بکرۃ از والد خود ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں از شعبۃ از عبدالملک بن عمیر اور امام ترمذی نے از ابی عروۃ از عبدالملک روایت کیا ہے اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

قال سمعت عبد الرحمن بن ابی بکرۃ قال كتب ابی ابو بکرۃ الی ابیہ وکان بسجستان بان لا تقضی بین الثین وانت غضبان فانی سمعت النبی ﷺ یقول لا یقضی حاکم بین الثین وهو غضبان.

اور امام ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

قال كتب ابی الی عید اللہ بن ابی بکرۃ وهو قاض ان لا یحکم بین الثین وانت غضبان فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا یحکم الحاکم بین الثین وهو غضبان.

عبدالرحمن نے کہا ہے کہ میرے والد نے عید اللہ بن ابی بکرہ کی طرف لکھا اور وہ قاضی تھے کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرنا جبکہ تم غضب ناک ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قاضی دو آدمیوں کے درمیان حصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور ابو بکر کا نام طبع ہے اور امام مسلم نے بھی یہ حدیث از ابی عروۃ از عبدالملک بن عمیر از عبدالرحمن بن ابی بکرۃ روایت کی ہے نیز ابو داؤد نے باب القضاء میں اور نسائی نے فی القضا میں اور ابن ماجہ نے فی الاحکام میں یہ حدیث اسی طرح بیان کی ہے۔ [تسین الاحکام: ۱۰، بر سند امام اعظم ص ۲۲۰، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

تین شخصوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے

۵۔ بَابُ رَفْعِ الْقَلَمِ عَنْ ثَلَاثَةِ أَشْخَاصٍ
۴۹۱۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِي رَافِعٍ عَنْ
الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ رَفَعَ الْقَلَمَ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَتَجَرَّزَ وَعَنِ
الْمَجْنُونِ حَتَّى يُفِيقَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَقِظَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے (شریعت کی ذمہ داری کا) قلم اٹھالیا گیا ہے: (۱) بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے (۲) دیوانہ یہاں تک کہ وہ سمجھ رست ہو کر عقل و ہوش والا ہو جائے (۳) سویا ہوا شخص یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔

وَلَيْسَ بِرِوَايَةٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ حُلَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ الْقَلَمَ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَقِظَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يُفِيقَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَتَجَرَّزَ

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں سے (شرعی تکلیف کا) قلم اٹھالیا گیا ہے: (۱) سویا ہوا شخص یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے (۲) دیوانہ آدمی یہاں تک کہ وہ عقل و ہوش میں آ جائے (۳) بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔

ابو داؤد (۴۴۰۳) ترمذی (۱۴۲۳) ابن ماجہ (۲۰۴۱) ابن حبان (۱۴۲) مستدرک للحاکم (ج ۲ ص ۵۹) مسند احمد (۱/۵۲۲۰)

حل لغات

”رَفَعَ“ سینہ واحد کر قاعب فعل ماضی مجہول مثبت باب فَعَّعَ يَفْعَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: اٹھانا اوپر لے جانا بلند کرنا۔

”بُخِّرَ“ ”مینه واحدہ کر غائب“ فعل مضارع معروف مثبت باب بخِرمُ بخِرمُ سے ہے اس کا معنی ہے: بڑا ہونا بلند مرتبہ ہونا عمر رسیدہ ہونا۔ ”یُسَوِّقُ“ ”مینه واحدہ کر غائب“ فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: اتفاق دہواگی کے بعد عقل کا لوٹ آنا صحت یاب ہونا نشہ سے ہوش میں آنا۔

بجنون اور نابالغ بچہ کے مکلف نہ ہونے کی وجہ

اس حدیث میں تین قسم کے آدمیوں کو غیر ذمہ دار قرار دیا گیا اور مرفوع القلم کا بھی یہی معنی ہے کہ یہ لوگ شرعی طور پر نہ تو فرائض کی ادائیگی کے پابند ہیں اور نہ حدود و محرمات میں سے کسی چیز کی خلاف ورزی کرنے پر سزا کے مستحق ہیں اور نہ ان کے معاملات معتبر ہیں البتہ بچہ جب بالغ ہو جائے گا اور بجنون و دیوانہ صحت یاب و عقل مند ہو جائے گا اور سویا ہوا شخص بیدار ہو جائے تو مذکورہ بالا تمام چیزوں کی پابندی ان پر لازم اور واجب ہو جائے گی۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

امام احمد، امام ابو داؤد اور امام حاکم نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور ان دونوں راویوں کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

رفع القلم عن ثلاثة: عن المجنون المغلوب
على عقله حتى يبرأ وعن النائم حتى يسقط
وعن العبي حتى يحلهم۔
[شرح منہ امام اعظم ص ۳۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

اور دراصل شریعت کی تکلیف اور ذمہ داری کا دار و مدار عقل اور بلوغت پر ہے چنانچہ جب تک کوئی آدمی عقل مند اور بالغ و جوان نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ شرعی احکام کا پابند نہیں ہوتا سو اس لیے بجنون و دیوانہ آدمی اور نابالغ بچہ شرعی تکلیف کے پابند نہیں ورنہ تکلیف مالا یطاق (کہ انسانی طاقت سے بڑھ کر اسے ذمہ داری کا پابند بنانا) لازم آئے گا جو شرعاً جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَكُفِّرُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَنَعْمًا۔
اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی وسعت و طاقت سے زیادہ تکلیف (البقرہ: ۲۸۶) (ذمہ داری) نہیں دیتا۔

باقی رہا سویا ہوا شخص تو وہ بھی حالت نیند میں عقل و ہوش سے بیگانہ ہوتا ہے اس لیے نیند کی حالت میں وہ شرعی تکلیف کا پابند نہیں رہتا۔

مدعی علیہ قسم اٹھانے کا

زیادہ حق دار ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مدعی علیہ اس وقت قسم کھانے کا زیادہ حق دار ہو جاتا ہے جب (مدعی کے پاس) گواہ نہ ہوں۔

ابوداؤد (۳۶۱۹) معنی عبد الرزاق (۱۷۷۴۱) ابن عدی (۲۵۴)

۶۔ بَابُ الْمُدْعَى عَلَيْهِ

أَوَّلَى بِالْيَمِينِ

۴۹۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الشَّيْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُدْعَى
عَلَيْهِ أَوَّلَى بِالْيَمِينِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيِّنَةً۔

حل لغات

”اَلْمَدْعٰی عَلَيْهِ“ اس کا معنی ہے وہ شخص جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہے اور مدعی وہ شخص ہوتا ہے جو دعویٰ کرتا ہے۔ ”اَلْبَيِّن“ اس کا معنی ہے: قسم۔ ”اَلْبَيِّنَةُ“ اس کا معنی ہے: گواہ و دلیل اور حجت۔

مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ پر قسم کا وجوب

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

(۱) امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

المدعی علیہ اولیٰ بالبیین الا ان تقوم علیہ مدعی علیہ قسم کھانے کا زیادہ حق دار ہے مگر یہ کہ مدعی کے دعویٰ کے البیینہ۔ ثبوت میں گواہ پیش ہو جائیں۔

یعنی اگر مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ سنا دیا جائے گا اور اب مدعی علیہ سے قسم لینے کی ضرورت نہیں۔

(۲) امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث روایت کی ہے:

البینۃ علی المدعی والبیین علی المدعی علیہ۔ یعنی گواہ پیش کرنا مدعی پر لازم ہیں اور قسم دینا مدعی علیہ پر لازم ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو يعطى الله الناس بدعواهم لادعى رجال اموال قوم ودمائهم لكن البينة على المدعى واليمين على من انكر۔

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو محض ان کے دعویٰ پر دے دیتا تو البتہ بہت سے آدمی لوگوں کے مال اور ان کے خون بہانے لیتے لیکن مدعی پر (اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے) گواہ پیش کرنا واجب و لازم ہے اور منکر (مدعی علیہ) پر قسم اٹھانا واجب ہے۔

امام بیہقی وغیرہ نے اس حدیث کو حسن اور عمدہ اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۷۸-۷۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

اس باب کی حدیث میں احکام شریعت کے قواعد میں سے ایک اہم قاعدہ بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی انسان کا قول صرف اس کے دعویٰ کی وجہ سے قبول نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے قبول ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یا تو وہ اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے یا مدعی علیہ اس کے دعویٰ کی تصدیق کر دے اور نبی کریم ﷺ نے یہ بیان فرمادیا ہے کہ محض کسی شخص کے دعویٰ کی وجہ سے اس کو اس کا حق نہیں دیا جائے گا کیونکہ اگر ایسا ہو تو ہر قوم دوسری قوموں کی جانوں اور مالوں پر اپنے حق کا دعویٰ کرے گی اور مدعی علیہ کی جان اور مال کی حفاظت ممکن نہیں رہے گی اور مدعی کی حفاظت تو گواہوں کے ذریعہ ممکن ہے۔ نیز اس حدیث میں امام شافعی اور جمہور فقہاء اسلام کے اس موقف پر دلیل ہے کہ ہر وہ شخص جس کے خلاف دعویٰ کیا جائے اس پر قسم کھانا لازم ہے عام ازیں کہ اس کے اور مدعی کے درمیان کوئی ربط و اختلاط اور میل ملاپ ہو یا نہ ہو اس کے برخلاف امام مالک، جمہور فقہاء مالکیہ اور فقہاء مدینہ کی یہ رائے ہے کہ ہر مدعی علیہ پر قسم کھانا لازم نہیں ہے ورنہ اہل غرض اور جہلاء و شرفاء پر جموں نے دعوے کر کے ایک دن میں ان پر کئی کئی قسمیں لازم کر دیں گے۔ سو اس لیے مدعی علیہ پر قسم کے لزوم کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ میں کسی قسم کا کوئی ربط و تعلق اور اختلاط و

ملاپ ہو جس کی وجہ سے دعویٰ کی صحت کا غالب گمان ہو سکے۔ اور اختلاط کی تفسیر میں فقہاء مالکیہ کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ایک یا دو آدمیوں کی شہادت سے یہ ثابت ہو کہ ان کے درمیان کوئی معاملہ یا قرض کا لین دین ہے اور ایک قول یہ ہے کہ باہمی معاملہ کا صرف شبہ کافی ہے اور جمہور فقہاء اسلام کی دلیل اس باب کی حدیث ہے جس کی رو سے مطلقاً ہر مدعی علیہ پر قسم لازم ہے خواہ ان کے درمیان کسی قسم کا ربط و تعلق اور اختلاط و ملاپ ہو یا نہ ہو اور کتاب سنت اور اجماع میں اختلاط و رابطہ کی اصل پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

[شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۷۴ مطبوعہ نور محمد ایتھن اٹلانٹک کراچی]

مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ پر قسم کے لزوم کی حکمت

مدعی پر گواہ لازم کرنے کی حکمت تو وہ ہے جس کا خود اس حدیث میں بیان ہے کہ اگر صرف مدعی کے دعویٰ کی بناء پر اس کی تصدیق کر دی جائے تو ہر شخص دوسرے شخص کی جان اور مال پر دعویٰ کرے گا اس لیے ضروری ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ کی صداقت پر گواہ پیش کرے اور مدعی علیہ چونکہ اس دعویٰ کا منکر ہوتا ہے لہذا اس پر لازم ہے کہ وہ قسم کھا کر اپنی برائت کو ثابت کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مدعی کی جانب ضعیف ہوتی ہے کیونکہ وہ اس کا دعویٰ کر رہا ہے جو دوسرے شخص کے قبضہ میں ہے اور ظاہر حال کا تقاضا یہ ہے کہ چیز اسی کی ہے جس کے قبضہ میں ہے اس لیے مدعی کی جانب ظاہر حال کے خلاف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہے اس لیے اس پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور مدعی علیہ کی جانب قوی ہوتی ہے کیونکہ ظاہر حال اس کا مؤید ہے اس وجہ سے اس کے لیے قسم کھانا کافی ہے۔ [شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۷۳ مطبوعہ مکتبہ دار الفکر بیروت لاہور]

خرید و فروخت کرنے والوں کے باہمی اختلاف کا حکم

۷۔ بَابُ حُكْمِ اخْتِلَافِ الْمُتَبَايعِينَ

حضرت حماد سے روایت ہے کہ انہیں ایک آدمی نے بیان کیا کہ حضرت اصف بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک غلام خریدا پھر حضرت عبداللہ نے اس سے قیمت کا مطالبہ کیا تو حضرت اصف نے کہا کہ میں نے آپ سے دس ہزار کے بدلے میں خریدا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے تجھ سے بیس ہزار کے بدلے میں فروخت کیا ہے اور تم جس آدمی کو چاہو میرے اور اپنے درمیان قاضی مقرر کر لو حضرت اصف بن قیس نے کہا کہ آپ ہی میرے اور اپنے درمیان قاضی اور حکم ہیں اس پر حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ فیصلہ بتاتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں: جب خرید و فروخت کرنے والے قیمت کی مقدار میں جھگڑ پڑیں اور ان دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں اور فروخت شدہ سامان بھی موجود ہو تو بات دعویٰ معتبر و مقبول ہوگی جو بائع (یعنی فروخت کرنے والا) کہے گا یا وہ دونوں اس بیع کو فتح کر کے نئے سرے سے بیع (سودا) کریں۔

۴۹۳۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ أَنَّ رَجُلًا حَدَّثَهُ أَنَّ الْأَصْبَغَ بْنَ قَيْسٍ اشْتَرَى مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَجُلًا لَقَّاهُ عَبْدُ اللَّهِ فَقَالَ الْأَصْبَغُ ابْتَغَتْ مِنْكَ بِحْسُورَةَ الْأَلْفِ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ بَعَثْ مِنْكَ بِعِشْرِينَ أَلْفًا فَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي وَبَيْتِكَ مَنْ جِئْتُ فَقَالَ الْأَصْبَغُ أَنْتَ بَيْتِي وَبَيْتِكَ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ أَخْبِرْكَ بِقَضَاءِ سَوْفَةٍ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيْعَانِ فِي الثَّمَنِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ وَالسَّلْعَةُ فَارْتِمَ فَاَلْقَوْا مَا قَالِ الْبَائِعُ أَوْ يَتَرَاذِلَانِ.

ابن ماجہ (۲۱۸۶) نسائی (۴۶۵۳)

مسند احمد (۴۴۴۷)

حضرت قاسم اپنے والد کے ذریعہ سے اپنے دادا سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت اصف بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے غم کے غلاموں میں سے ایک غلام خرید لیا، پھر حضرت عبداللہ نے حضرت اصف سے غلام کی قیمت طلب کی سو قیمت کی مقدار میں دونوں کا اختلاف ہو گیا، حضرت اصف نے کہا: میں نے آپ سے دس ہزار درہم کے عوض میں یہ غلام خریدا ہے اور حضرت عبداللہ نے فرمایا: میں نے تجھے بیس ہزار کے بدلے میں فروخت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ تم میرے اور اپنے درمیان کسی آدمی کو حکم اور ثالث بناؤ حضرت اصف نے کہا: سو میں آپ کو اپنے اور آپ کے درمیان عادل و حاکم اور ثالث مقرر کرتا ہوں، حضرت عبداللہ نے فرمایا: پھر تو میں اپنے اور تمہارے درمیان وہ فیصلہ کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے ہیں: جب بائع اور مشتری کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو بات وہی مقبول ہوگی جو بائع کہے گا اور مشتری (یعنی خریدار) یا تو اس کی بات پر راضی ہو جائے یا وہ دونوں اس بیع (سودے) کو فسخ کر کے نئے سرے سے بیع کر لیں۔

اور ایک روایت میں حضرت قاسم اپنے والد (عبدالرحمن) کی وساطت سے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن مسعود) سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بائع اور مشتری کا آپس میں اختلاف ہو جائے اور سامان (محل) موجود ہو تو بائع کی بات مقبول ہوگی یا وہ دونوں بیع رد کر دیں۔ اور ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ یا وہ دونوں بیع کو فسخ کر دیں۔

ایک روایت حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ حضرت اصف نے ان سے ایک غلام خرید لیا تو انہوں نے ان سے قیمت کا تقاضا کیا اور دونوں میں قیمت کی مقدار میں اختلاف ہو گیا، کیونکہ حضرت عبداللہ نے فرمایا: قیمت بیس ہزار ہے اور حضرت اصف نے کہا: دس ہزار ہے، حضرت عبداللہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا: جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے تو بات بائع کی معتبر و مقبول ہوگی یا وہ دونوں بیع کو رد کر کے فسخ کر دیں۔

۴۹۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ الْأَصْبَغَ بْنَ قَيْسٍ اشْتَرَى مِنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَقِيقًا مِنْ رَقِيقِي الْأَمَارَةِ فَتَقاضاهُ عَبْدُ اللَّهِ فَأَخْتَلَفَا فِيهِ فَقَالَ الْأَصْبَغُ اشْتَرَيْتُ مِنْكَ بِعَشْرَةِ أَلْفٍ وَرَهْمٍ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بَعْتُ مِنْكَ بِعَشْرِينَ أَلْفًا فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ اجْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ رَجُلًا فَقَالَ الْأَصْبَغُ فَلَانِي أَجْعَلُكَ بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِكَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَلَانِي مَسْأَلِي بَيْنِي وَبَيْنَكَ بِقَضَاءِ سَمْعِنَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَائِعَانِ قَالُوا مَا قَالَ الْبَائِعُ قَالُوا أَنْ يَرْضَى الْمُشْتَرِي بِهِ أَوْ يَرَادَّانِ الْبَيْعَ.

وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَائِعَانِ وَالْبَيْعَةُ قَائِمَةٌ قَالُوا قَوْلُ الْبَائِعِ أَوْ يَرَادَّانِ. رَأَاهُ فِي رِوَايَةِ الْبَيْعِ.

فِي رِوَايَةٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ إِنَّ الْأَصْبَغَ اشْتَرَى مِنْهُ رَقِيقًا فَتَقاضاهُ وَاخْتَلَفَا فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بِعَشْرِينَ أَلْفًا وَقَالَ الْأَصْبَغُ بِعَشْرَةِ أَلْفٍ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَائِعَانِ قَالُوا قَوْلُ الْبَائِعِ أَوْ يَرَادَّانِ.

ابوداؤد (۳۵۱۱) ابن ماجہ (۲۱۸۶) نسائی (۴۶۵۳)

مسند احمد (۴۴۴۷)

حل لغات

”رَفِيقًا“ اس کا معنی ہے: غلام، پتلا، نرم، کمزور۔ ”تَقَاضًا“ اس میں تَقَاضًا میثد واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت باب تفاعل سے ہے اس کا معنی ہے: تقاضا کرنا، مطالبہ کرنا، مانگنا اور ضمیر آخر میں مفعول بہ ہے۔ ”اَلْبَيْعَانِ“ اس کا مطلب ہے: بائع اور مشتری۔ ”اَلْبَيْعَةُ“ اس کا معنی ہے: سامان اور مجمع (فروخت شدہ چیز)۔ ”يَتَوَادَّدَانِ“ اس میں دال مشدّد ہے یہ میثد ثنیہ مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت باب تفاعل سے ہے اس کا معنی ہے: باہم لونا لینا، ایک دوسرے کو داپس کرنا، رلا کرنا۔

بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف کی صورت میں بائع کی بات معتبر ہوگی

امام ترمذی نے از عون بن عبد اللہ از عبد اللہ بن مسعود روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِذَا اخْتَلَفَ الْبَيْعَانِ فَلِلْقَوْلِ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعِ یعنی جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے تو بات بائع کی معتبر و مقبول ہوگی اور مشتری کو اختیار ہے چاہے تو اس پر راضی ہو جائے اور چاہے تو کج فتح کر دے۔

امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عون بن عبد اللہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے ملاقات نہیں کی اور یہ حدیث قاسم بن عبد الرحمن از ابن مسعود از نبی کریم ﷺ بھی مروی ہے اور یہ حدیث بھی مرسل ہے۔ ابن مسعود نے کہا: میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا ہے کہ جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ سو آپ نے فرمایا: مالک سامان (یعنی بائع) جو کہے گا وہی معتبر و مقبول ہوگا یا پھر وہ دونوں بیع صحیح کر دیں۔

[تسبیح النظام ص ۲۲۲ حاشیہ: ۳، مکتبہ رحمانیہ لاہور]

علامہ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ مسند امام اعظم کی اس حدیث کو ابو داؤد و نسائی، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ ”اِذَا اخْتَلَفَ الْبَيْعَانِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ فَهُوَ مَا يَقُولُ رَبُّ السِّلْعَةِ اَوْ يَتَوَادَّدَانِ“ یعنی جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے اور ان دونوں کے پاس گواہ بھی نہ ہوں تو وہی بات معتبر و مقبول ہوگی جو سامان کا مالک (بائع) کہے گا یا پھر وہ دونوں اس بیع کو ترک کر دیں۔

اور ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود سے یوں روایت کیا ہے کہ ”اِذَا اخْتَلَفَ الْبَيْعَانِ فَلِلْقَوْلِ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعِ بِالْخِيَارِ“ جب بائع اور مشتری میں جھگڑا ہو جائے تو بائع کی بات معتبر ہوگی اور مشتری کے لیے اختیار ہے چاہے اس پر راضی ہو جائے چاہے کج فتح کر دے۔

اور انہیں سے ابن ماجہ کی روایت میں یوں مروی ہے:

اِذَا اخْتَلَفَ الْبَيْعَانِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ وَالْمَبِيعُ قَائِمٌ بَعِيْنُهُ فَلِلْقَوْلِ مَا قَالِ الْبَائِعِ اَوْ يَتَوَادَّدَانِ جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے اور ان دونوں کے پاس گواہ بھی نہ ہوں اور مجمع (فروخت شدہ چیز) بیعیم موجود ہو تو بات وہی معتبر و مقبول ہوگی جو بائع کہے گا یا وہ دونوں بیع کج کر دیں۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۱۲۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، تسبیح النظام شرح مسند، ص ۲۲۲ حاشیہ: ۳، مکتبہ رحمانیہ لاہور]

ان دونوں احادیث سے درج ذیل چند مسائل معلوم ہوئے:

(۱) صحابہ کرام یا بھی اختلاف کو آنا کا مسئلہ نہیں بناتے تھے بلکہ حق کی طرف رجوع کرتے تھے۔

(۲) باہمی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے دشمن نہیں بن جاتے تھے بلکہ ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے صحیح رائے کو اہمیت دیتے تھے۔

(۳) اختلاف کی صورت میں اپنی اپنی رائے پر قائم رہنے اور اس پر ڈٹ جانے کی بجائے معتبر و معتد آدی کو ثالث بنا لیتے تھے اور اس کے فیصلے پر راضی ہو جاتے تھے۔

(۴) باہمی اختلاف کی صورت میں صحابہ کرام من مانی نہیں کرتے تھے بلکہ قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتے تھے اور احادیث نبوی سے استدلال کرتے تھے جیسے یہاں حضرت عبداللہ نے حضرت اشعث کو فرمان نبوی سنایا تو وہ آپ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے اور کسی قسم کی کوئی حیل و حجت نہیں کی۔

(۵) یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ اگر کبھی بائع اور مشتری کے درمیان کسی لین دین اور خرید و فروخت میں اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں بائع کی بات تسلیم کی جائے گی کہ حدیث میں اسی کی بات کو معتبر قرار دیا گیا ہے اب اگر مشتری پسند کرے تو بائع کی طلب کے مطابق قیمت دے کر چیز لے لے ورنہ بیع کو صحیح کر دے۔

(۶) اس واقعہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا عادل و منصف اور ایماندار و دیانت دار ہونا اور صحابہ کرام میں معتبر و معتد ہونا بھی ثابت ہو گیا کیونکہ حضرت اشعث بن قیس نے کسی اور صحابی کی طرف رجوع کرنے کی بجائے آپ کو اپنا ثالث و حکم مقرر کر لیا حالانکہ انہیں آپ سے قیمت کی مقدار میں اختلاف بھی تھا اس کے باوجود آپ کو ثالث مقرر کرنا آپ کی عظمت و بزرگی اور آپ کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی دلیل بھی ہے۔

۸۔ بَابُ الْمَمْلُوكِ الْمُتَنَازِعِ

لِلَّذِي فِي يَدِهِ

۴۹۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَيْهِ فِي نَاقَةٍ وَقَدْ أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنَّهَا تُبِعَتْ حَتَّى يَقْضَى بِهَا لِلَّذِي فِي يَدِهِ.

مسند الحارثی (۳۴)

متنازع مملوک قابض کی ہوگی

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دو آدمی حاضر ہوئے جنہوں نے ایک اونٹنی کی ملکیت میں باہم جھگڑا کیا تھا اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنی ملکیت کے ثبوت میں گواہ بھی پیش کر دیئے کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی تھی سو آپ نے اس اونٹنی کا فیصلہ اس شخص کے حق میں کر دیا جس کے قبضہ میں تھی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹنی کی ملکیت میں جھگڑا کیا (اور) ان دونوں میں سے ہر ایک نے گواہ بھی پیش کر دیئے کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی تھی سو نبی کریم ﷺ نے اس اونٹنی کا فیصلہ اس شخص کے حق میں کر دیا جس کے قبضہ میں تھی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک اونٹنی کا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے ایک آدمی نے اس بات پر

۴۹۶۔ وَفِي رَوَايَةٍ أَنَّ رَجُلَيْنِ اتَّيَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَاقَةٍ فَالْتَمَزَا هَذَا الْبَيْتَةَ أَنَّهُ تَبِعَهَا.

وَفِي رَوَايَةٍ أَنَّ رَجُلَيْنِ اتَّيَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَاقَةٍ فَالْتَمَزَا هَذَا الْبَيْتَةَ أَنَّهُ تَبِعَهَا.

وَالْأَمَامُ هَذَا الْبَيِّنَةُ أَنَّهُ تَجَعَّلَهَا فَبَعَثَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِي هِيَ فِي يَدِهِ. (مسند البخاری (۳۴) رسول اللہ ﷺ نے اس اونٹنی کا فیصلہ اس آدمی کے حق میں کر دیا جس کے وہ قبضہ میں تھی۔ گواہ پیش کیے کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی ہے اور دوسرے آدمی نے بھی اس پر گواہ پیش کر دیئے کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی ہے۔

حل لغات

”اِخْتَصَمَا“ صیغہ تشبیہ مذکر عائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب اختعال سے ہے اس کا معنی ہے: جھگڑنا، مخالفت کرنا، نزاع کرنا، اختلاف کرنا۔ ”نَاقَةُ“ اس کا معنی ہے: اونٹنی۔ ”تَبَيَّنَتْ“ صیغہ واحد مؤنث عائب، فعل ماضی مجہول مثبت، باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: پیدا کرنا، بچہ جنما، نتیجہ نکلنا۔
پانچ اور مشتری کے درمیان متنازع صورتیں

یہاں اس باب کی دونوں احادیث میں متنازع فیہ چیز کی ایک صورت بیان کی گئی ہے کہ متنازع چیز دو آدمیوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہے اور ان دونوں کے پاس اپنی ملکیت کے ثبوت کے لیے گواہ موجود ہیں تو اس صورت میں قابض کے حق میں فیصلہ کیا گیا اس لیے کہ جب دونوں کے گواہ تعارض کی وجہ سے ساقط ہو گئے تو اصل کی طرف رجوع کیا گیا اور وہ قبضہ ہے کیونکہ ظاہر حال میں قبضہ قابض کی ملکیت کی دلیل ہوتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ متنازع چیز دونوں آدمیوں میں سے کسی کے قبضہ میں نہیں ہے بلکہ کسی ثالث کے قبضہ میں ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس متنازع چیز کا اصل مالک کون ہے اور دونوں دعویداروں نے اپنے اپنے حق میں گواہ پیش کر دیئے تو اس صورت میں وہ چیز دونوں دعویداروں میں نصف نصف تقسیم کر دی جائے گی اور تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں دعویداروں کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں اور ثالث جس کے پاس متنازع چیز ہے وہ بھی اصل مالک کو نہیں جانتا تو اس صورت میں بھی متنازع چیز دونوں دعویداروں میں برابر تقسیم کی جائے گی چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے دو دو گواہ پیش کیے تو نبی کریم ﷺ نے وہ اونٹ ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔ [رواہ ابوداؤد] یعنی وہ دونوں مالک کی حیثیت سے اس اونٹ سے مشترک کام لیں یا اس کی قیمت دونوں نصف نصف تقسیم کر لیں۔ اور ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں (یہ بھی) ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹ کا دعویٰ کیا اور ان دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے تو نبی کریم ﷺ نے وہ اونٹ ان دونوں کے درمیان برابر تقسیم کر دیا۔ [مشکوٰۃ المصابیح، باب الاقضية والشهادات، الفصل الثانی]

اور چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کسی قوم کے خلاف دعویٰ کر دے اور اس مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو اس قوم کے افراد کے درمیان قریعہ اندازی کی جائے گی جس شخص کے نام کا قریعہ لکھے گا وہ قسم کھائے گا چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی بناء پر) ایک قوم پر قسم پیش کی اور انہوں نے قسم کھانے میں جلد بازی کی تو آپ نے حکم دیا کہ قسم لینے میں ان کے درمیان قریعہ ڈالا جائے کہ ان میں سے کون شخص قسم کھائے گا۔ رواہ البخاری

[مشکوٰۃ المصابیح، باب الاقضية والشهادات، الفصل الاول کی آخری حدیث]

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۳۰۔ کتاب الفتن

۱۔ باب مَنْ سَلَ السَّيْفَ

عَلَى أُمَّتِي فَلَهُ جَهَنَّمُ

۴۹۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَحْيَى عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَ السَّيْفَ عَلَى أُمَّتِي فَإِنَّ لِي عَنْهُمْ سَبْعَةَ أَبْوَابٍ بَابٌ مِنْهَا لِمَنْ سَلَ السَّيْفَ. مسلم (۲۸۱)

حل لغات

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

فتنوں کا تذکرہ

میری امت پر تلوار چلانے

والا دوزخی ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری امت پر تلوار چلائے گا تو (وہ یاد رکھے کہ) دوزخ کے سات دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ اس شخص کے لیے مخصوص ہے جو میری امت پر تلوار چلائے گا۔

”سَلَ“ ”میں سے واحد مذکر غائب“ فعل ماضی معروف مثبت باب نصر نصر سے ہے اس کا معنی ہے: سوجھا، کھینچنا، نیام سے باہر نکالنا اور تلوار چلاتا اور قتل و غارت گری کرنا۔ ”السَّيْفُ“ اس کا معنی تلوار، سمندری پھلی۔ مسلمان کو عہد اُقتل کرنے والا دوزخی ہے

امام ترمذی نے حضرت حماد بن سلمہ اور حضرت ابوالزہری کی وساطت سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تلوار کو نیام سے نکال کر چلانے سے منع کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس باب میں حضرت ابوبکر سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور یہ حدیث حسن فریب ہے اور حضرت حمید نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ ہر اس شخص کے لیے مخصوص ہے جو میری امت پر تلوار چلائے گا۔ اور امام بخاری نے ازناصح از ابن عمر مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص ہمارے خلاف اسلحہ اٹھائے گا وہ ہم میں سے نہیں ہوگا۔ [تسبیح النظام فی شرح مسند الامام ص ۲۲۳، مکتبہ جامعہ لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ امام احمد اور امام مسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص ہمارے خلاف تلوار چلائے گا وہ ہم میں سے نہیں ہوگا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۰۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

قیامت سے پہلے تمیں

کذاب ہوں گے

۲۔ باب بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ

تَلَاوُونَ كَذَابًا

حضرت ابوالجلاس بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے عبد اللہ بن سباء سے ایک بڑی سنگین بات سنی چنانچہ ہم اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے اور ہم راستے میں اس کی گردن کو مارتے کھینچتے رہے اور ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسجد کے صحن میں چت لیٹے ہوئے پایا کہ آپ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا تھا سو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے وہ بات پوچھی تو اس نے وہ بات کہی

۴۹۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ الْعَارِثِ عَنْ أَبِي الْجَلَّاسِ قَالَ كُنْتُ مَعَ سَيْعٍ مِنْ عِبْدِ اللَّهِ السَّبَائِيِّ كَلَامًا عَظِيمًا فَاتَّبَعْنَا بِهِ عَلِيًّا وَنَحْنُ نَهْزُ عُنْقَهُ فِي حَرِيْقِهِ فَوَجَدْنَاهُ فِي الرَّحْبَةِ مُسْتَلْقِيًا عَلَى ظَهْرِهِ وَاجْعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى فَسَأَلَهُ عَنِ الْكَلَامِ فَكَلَّمَهُ بِهِ فَقَالَ أَتَرَوِيهِ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى أَوْ عَنْ كِتَابِهِ

أَوْ عَنْ رَسُولِهِ فَقَالَ لَا قَالَ لَقَدْ تَرَوْنِي قَالَ عَنْ
نَفْسِي قَالَ أَمَا إِنَّكَ لَوْ رَوَيْتَ عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَ
تَعَالَى أَوْ عَنْ كِتَابِهِ أَوْ عَنْ رَسُولِهِ خَرَبْتَ عَقْلَكَ
وَلَوْ رَوَيْتَ عَنْ نَفْسِي أَوْ جَعَلْتَ عَقْلِي فَكُنْتَ كَذِبًا
وَلَكِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقُولُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لِلَّذِينَ كَذَبُوا وَأَنْتَ مِنْهُمْ.

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي الْجَلَّاسِ قَالَ كُنْتُ
بِمَنْعِنَ سَمِعْتُ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ الشَّابَّيْ كَلَامًا هَظِيمًا
فَأَتَيْنَا بِهِ خَلِيفًا فَوَجَدْنَاهُ فِي الرَّحْبَةِ مُتَقَلِّبًا ظَهْرَهُ
وَاجْتَمَعَ إِخْدَى بِجُلْبِهِ عَلَى الْأُخْرَى لَسَّالَهُ عَنِ
الْكَلَامِ فَحَكَّمَهُ فَقَالَ أَتَرَوْنِي عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى
أَوْ عَنْ كِتَابِهِ أَوْ عَنْ رَسُولِهِ قَالَ لَا قَالَ فَسَمِعْتُ تَرِيَهُ
قَالَ عَنْ نَفْسِي قَالَ أَمَا إِنَّكَ لَوْ رَوَيْتَ عَنِ اللَّهِ أَوْ
عَنْ كِتَابِهِ أَوْ رَسُولِهِ خَرَبْتَ عَقْلَكَ وَلَوْ رَوَيْتَ
عَنْ نَفْسِي أَوْ جَعَلْتَ سَمْعَكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لِلَّذِينَ كَذَبُوا
لَأَنْتَ مِنْهُمْ. مسند (۱۰۶۰۵) مصنف ابن أبي شيبة (۳۱۶۹۴)
مسند ابوجعفر (۷۵۰۹)

جس پر آپ نے فرمایا: کیا تم یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا اس کی
کتاب سے یا اس کے رسول کی طرف سے بیان کرتے ہو؟ اس نے کہا:
نہیں! آپ (ﷺ) نے فرمایا: پھر تم کس سے روایت کرتے ہو؟ اس نے
کہا: اپنے دل سے! آپ نے فرمایا: یاد رکھ! اب اگر تو نے یہ بات اللہ
تعالیٰ کی طرف سے یا اس کی کتاب سے یا اس کے رسول کی طرف سے
کسی کو بیان کی تو میں تیری گردن اڑا دوں گا اور اگر تو نے یہ میری طرف
سے بیان کی تو میں تجھے دردناک سزا دوں گا کیونکہ تو جھوٹ بولتا ہے
لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت
سے پہلے تمیں کذاب و جھوٹے آئیں گے اور تو ان ہی میں سے ہے۔

اور ابوالجلاس کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے بیان
کیا ہے کہ میں ان لوگوں میں شامل ہوں جنہوں نے عبد اللہ سباکی سے
بڑی سنگین بات سنی تو ہم اس کو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے پاس لے آئے اور
ہم نے آپ کو اس وقت مسجد کے محن میں چٹ لیٹے ہوئے پایا اور آپ
نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا تھا سو آپ (رضی اللہ عنہ) نے
اس سے سنگین بات کے متعلق پوچھا تو اس نے وہ بات بیان کر دی اور
آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ بات اللہ تعالیٰ یا اس کی کتاب یا اس کے رسول
کی طرف سے روایت کرتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تو
پھر تم کس سے روایت کرتے ہو؟ اس نے کہا: میں یہ بات اپنے نفس اور
اپنے دل سے کہتا ہوں! آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: یاد رکھ! اگر اب تو نے
یہ بات اللہ تعالیٰ یا اس کی کتاب یا اس کے رسول کی طرف سے بیان کی
تو میں تیری گردن مار دوں گا (یعنی ارتداد کی پناہ پر قتل کر دوں گا) اور اگر
تو نے یہ بات میری طرف سے کہی تو میں تجھے دردناک سزا دوں گا
(کیونکہ تو جھوٹ بولتا ہے) اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے
آپ فرماتے ہیں کہ قیامت سے پہلے تمیں کذاب ہوں گے سو تو بھی
ان میں سے ہے۔

حل لغات

”تَهْمَزٌ“ میفہوم حکم فعل مضارع مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: حرکت دینا، ہلانا، کھینچنا، دباننا، مارنا۔
”رَحْبَةٌ“ اس کا معنی ہے: محن، کشادہ جگہ، وسیع میدان۔ ”أَوْ جَعَلْتَ“ میفہوم واحد حکم فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے
اس کا معنی ہے: سزا دینا، ڈکھ دینا، دردناک مار مارنا۔

نبوت کے دعویدار تھیں جھوٹے دجال ہوں گے

(۱) صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن، الفصل الثانی، ص ۳۶۵ میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

والله سيكون في أمتي كذابون ثلاثون كلهم يزعم انه نبي الله وانا خاتم النبيين لا نبي بعدى. سب گمان کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ [رواہ ابوداؤد والترمذی]

عکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ یہ تیس جھوٹے نبی وہ ہیں جنہیں لوگوں نے نبی مان لیا اور ان کا فتنہ اور فساد بہت پھیل گیا جبکہ دوسری قسم کے مدعی نبوت جنہیں کسی نے نہیں مانا وہ بکواس کر کے مر گئے وہ تو بہت ہوئے ہیں دیکھو ہمارے ملک میں مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت کا فتنہ بہت پھیلا۔ اس کے علاوہ ہم نے بہت سے مدعی نبوت دیکھے جن کی طرف کسی نے توجہ ہی نہ دی اپنے آپ کو نبی کہتے کہتے مر گئے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اب تک جھوٹے مدعی نبوت سو سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ [مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۷ ص ۲۱۹، مطبوعہ کتب خانہ نعیمی، گجرات]

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تقوم الساعة حتى تقتل فئان عظيمتان تكون بينهما مقلعة عظيمة دعوهما واحدة وحی یبعث دجالون کذابون لرب من ثلاثين کلهم یزعم انه رسول الله. مطن علیہ۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۶۵، مطبوعہ امح الطابع (کتب خانہ رشیدیہ) دہلی]

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دونوں جماعتیں اسلام کی ماننے والی اور دونوں مسلمان ہوں گی اور دونوں جماعتیں حق دار ہونے کا دعویٰ کریں گی اور ہر ایک یہ عقیدہ رکھتی ہوگی کہ وہ حق پر ہے چنانچہ محدثین نے فرمایا کہ ان دو جماعتوں سے حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ اور ان کے ساتھی مراد ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”لَا تُخَوِّزُنَا بِلَوْنٍ عَلَيْنَا“ یہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں جنہوں نے ہم پر بغاوت کر دی اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خوارج کا یہ قول باطل ہے کہ مسلمانوں کی دونوں جماعتیں باہمی جنگ و قتال کی وجہ سے کافر ہیں اور اسی طرح روافض کا یہ قول باطل ہے کہ حضرت علی کے مخالف کافر ہیں۔

[المعانی شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۹۹، مطبوعہ نور بدین رضویہ، سکس]

زمانے کی سختی کی وجہ سے لوگ موت کی آرزو کریں گے

۳۔ بَابُ أَنَّ النَّاسَ يَتَمَتُّونَ الْمَوْتَ لِشِدَّةِ الزَّمَنِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ کثرت سے قبروں کے پاس آئیں گے اور ان پر اپنے پیٹ رکھ دیں گے اور کہیں گے کہ ہم چاہتے ہیں کاش! ہم اس قبر میں چھپ جائے آپ سے عرض کیا گیا کہ

۴۹۹۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يُخَيِّلُونَ إِلَى الْقُبُورِ كَضَعُونَ بُطُونَهُمْ عَلَيْهِ وَيَقُولُونَ وَإِذَا لَوْ كُنَّا صَاحِبِ هَذَا

يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ! یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ زمانہ کی سختی اور مصیبتوں اور فتنوں کی کثرت کی وجہ سے۔
وَالْفَتْحُ. بخاری (۷۱۱۵) مسلم (۷۳۰۲)

حل لغات

”يَخْتَلِفُونَ“ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افتعال سے ہے اس کا معنی ہے: اختلاف کرنا آمدورفت کرنا آنا جانا۔ ”يُطْفُونَ“ یہ بطن کی جمع ہے اس کا معنی ہے: پیٹ۔ ”وَوَدَّنا“ صیغہ جمع مکمل فعل ماضی معروف مثبت باب مَوعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: پسند کرنا چاہنا آرزو کرنا۔ ”الْبَلَايَا“ یہ ”بَلِيَّةٌ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: آزمائش مصیبت امتحان۔

قرب قیامت میں فتنوں کی کثرت کی وجہ سے موت کی تمنا

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ حدیث آخر زمانہ میں واقع ہونے والی خبروں میں سے غیب کی ایک خبر ہے جو آپ نے پہلے بیان فرمادی ہے اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ ایک آدمی کسی آدمی کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا: اے کاش! آج میں اس کی جگہ میں ہوتا، یعنی میں مگر اس جگہ مدفون ہو جاتا، یہاں تک کہ میں ان مصیبتوں اور تکلیفوں سے نہات پالیتا اور میں یہ مختلف قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں نہ دیکھتا جو اب میں دیکھ رہا ہوں۔
(۲) امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں اپنے دین پر صبر کرنے والا انگاروں پر چلنے والے کی طرح ہوگا (۳) ابن عساکر نے بھی انہیں سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مؤمن اس زمانہ میں سب سے زیادہ ذلیل ہوگا (۴) امام احمد، امام بخاری اور امام نسائی نے بھی انہیں سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تم پر کوئی سال اور دن نہیں آئے گا مگر اس کے بعد اس سے بھی بدترین آئے گا یہاں تک کہ تم اپنے رب تعالیٰ سے ملو گے۔ [شرح منہ امام اعظم ص ۲۲۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

قرآن مجید کی آیات کی وضاحت

”التم“ کے معنی کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ:

”التم“ کا معنی ہے: ”اے اللہ اعلم“ یعنی میں اللہ ہی خوب جانتا ہوں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۳۱۔ کتاب التفسیر

۱۔ باب تفسیر التم

۵۰۰۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي قُرَّةَ عَنْ عَطَاءِ

بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي

قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ التَّمْ قَالَ آتَا اللَّهُ أَعْلَمُ وَأَرَى.

تفسیر ابن کثیر (ج ۱ ص ۵۳)

حروف مقطعات کے معانی کی تحقیق

تفسیر سراج منیر میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ”التم“ کا معنی ہے: ”اے اللہ اعلم“ میں اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہوں۔ اور ”الو“ کا معنی ہے: ”اے اللہ ارؤی“ میں اللہ تعالیٰ

یٰ خُوب دیکھتا ہوں۔ اور ”التسّر“ کا معنی ہے: ”اَلَا اللّٰهُ اَعْلَمُ وَاَرٰی النّٰہٰی“ میں اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہوں اور خوب دیکھتا ہوں اور ”السم“ میں ہمزہ سے ”اِنا“ کی طرف اور لام سے اسم جلالہ (اللہ) کی طرف اور میم سے ”اعلم“ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس سند کے موجودہ نسخہ میں ”اَلَا اللّٰهُ اَعْلَمُ“ کے ساتھ ”ارٰی“ بھی زیادہ کیا گیا ہے سو یہ دراصل سورۃ الرعد کے آغاز میں ”التسّر“ کے بارے میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے جس ممکن ہے کہ کاتب کی غلطی سے یہاں ”ارٰی“ زیادہ لکھ دیا گیا ہو یا ”السم“ میں میم کے نقش کو نیچے کی طرف لبا کر دیا گیا ہو جبکہ مناسب یہ تھا کہ آگے کی طرف لبا کیا جاتا یہاں تک کہ حرف راہ پیدا ہو جاتا (اور ”التسّر“ بن جاتا) یا ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس سے یہاں بھی یہی منقول ہو پھر یہاں حروف مقطعات کے معانی کے متعلق مفسرین وغیرہ کے اور بہت سے اقوال ہیں بعض اہل علم نے کہا ہے: ان اقوال کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی ہے لیکن حروف مقطعات کی تفسیر میں جمہور کے نزدیک ان میں خلفائے اربعہ بھی شامل ہیں مستند و معتبر قول یہ ہے کہ ان حروف کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ (اور اس کا رسول) ہی جانتا ہے۔ [تسبیح النظام فی شرح سند الامام ص ۲۲۵ حاشیہ ۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کی مراد یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان اسرار اور رموز ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو ان حروف مقطعات پر مطلع کرنے کا قصد نہیں کیا گیا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی ان حروف کے معانی کا علم نہ ہو ورنہ لازم آئے گا کہ غیر مفید کلام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے اور یہ بہت بعید ہے۔ [انوار النزیل مع المفاتیح ج ۱ ص ۷۸ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۲۳ھ]

علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں: ظن غالب یہ ہے کہ حروف مقطعات کا علم قطعی ہے علماء اس کی تاویل سے عاجز ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر کتاب کے اسرار ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے اسرار اوائل سور ہیں امام صفحی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کا کھوج نہ لگاؤ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی معرفت صرف اولیاء کرام کو ہے جو دارِ علم رسول ہیں ان کو اسی دربار سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ حروف خود ان کو اپنا معنی بتا دیتے ہیں نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں میں منگے یزوں نے تسبیح کا نطق (کلام) کیا اور گوہ اور ہرن نبی کریم ﷺ سے ہم کلام ہوئے۔ بعض علماء نے کہا: اگر ان حروف کا کوئی معنی نہ ہو تو یہ مہمل ہوں گے۔ یہ قول صحیح نہیں ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ تمام لوگوں کو ان حروف کا معنی معلوم ہو تو یہ ضروری نہیں اور اگر یہ مراد ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کا معنی معلوم ہو تو کوئی مؤمن اس میں شک نہیں کر سکتا اور ہر صاحب ایمان کا یہ ایمان ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان حروف کے معنی معلوم ہیں۔ [روح المعانی ج ۱ ص ۱۰۱-۱۰۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت]

حروف مقطعات کتابیات میں سے ہیں اور فقہاء شافعیہ اور حنفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دنیا میں کتابیات کا علم عطا فرمادیا ہے۔

علامہ ملا احمد جیون لکھتے ہیں: تشابہ کا حکم یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس کی مراد حق ہے اگرچہ قیامت سے پہلے ہم کو وہ مراد معلوم نہیں ہے اور قیامت کے بعد تشابہ ہر ایک پر منکشف ہو جائے گا اور یہ اُمت کے حق میں ہے لیکن نبی کریم ﷺ کو ہر حال میں کتابیات کا علم قطعی اور یقینی طور پر حاصل ہے ورنہ آپ کو ان سے خطاب کرنے کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور یہ مہمل کلام سے خطاب کرنے کی طرح ہوگا جیسے حبشی کے ساتھ عربی میں گفتگو کی جائے اور یہ تقریر ہمارے (احناف کے) نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک تو تمام راہنہین فی العلم کو کتابیات کا علم ہے۔ [نور الانوار ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ المدینہ کراچی]

قاضی ثناء اللہ مظہری نقشبندی لکھتے ہیں:

میرے نزدیک حق یہ ہے کہ حروف مقطعات قشابات میں سے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان اسرار ہیں اور ان حروف سے عام لوگوں کو سمجھانے کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ صرف رسول اللہ ﷺ کو ان حروف کے معانی بتانا مقصود تھا یا آپ اپنے کامل جمعین میں سے جن کو چاہیں ان کا معنی سمجھا دیں۔ (الی قول) علامہ سجاد علی نے کہا ہے کہ یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے محترم نبی ﷺ کے درمیان اسرار ہیں اور کبھی جمعین کے درمیان کچھ کلمات بطور معجزہ ہوتے ہیں ان میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ ان کلمات کو عہد بن راز کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ایک قول یہ ہے کہ حروف مقطعات اور قشابات کا علم اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے ان کا علم نبی کریم ﷺ کو عطاء کیا ہے اور نہ آپ کے جمعین کو لیکن یہ قول بہت بعید ہے کیونکہ خطاب افہام کے لیے ہوتا ہے اگر ان حروف سے افہام و تفہیم نہ ہو تو ان سے خطاب کرنا مہمل کلمات سے خطاب کرنے کی طرح ہو گا یا جیسے عربی کے ساتھ ہندی میں خطاب کیا جائے۔ نیز پورا قرآن مجید بیان اور ہدایت نہیں رہے گا۔ (کیونکہ جب ان الفاظ کا کوئی مفہوم حاصل نہ ہو تو ان سے ہدایت کیسے حاصل ہوگی) اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے: "ثُمَّ عَلَيْنَا بَيَانُكَ" (القیامہ: ۱۹) پھر اس قرآن کا بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے اس وعدہ کا خلاف لازم آئے گا۔ (اسی طرح "أَلَوْ حُضِرْنَا" عَلَّمَ الْقُرْآنَ" کا بھی خلاف لازم آئے گا کیونکہ حروف مقطعات بھی قرآن ہیں اور رحمان نے ان کو نہیں سکھایا) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن خواہ محکم ہو یا قشابہ ہو نبی کریم ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بیان کرنا واجب اور ضروری ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں راتھیں فی العلم میں سے ہوں اور میں ان علماء میں سے ہوں جن کو ان کی تادیل کا علم ہے۔ اسی طرح حضرت مجاہد سے مروی ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حروف مقطعات کی تادیل و مفہوم کو ظاہر فرمادیا ہے اور ان کے اسرار کو بیان کر دیا ہے لیکن عام لوگوں کے لیے ان کا بیان ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کا بیان کرنا ان کے اسرار اظہار ہونے کے منافی ہے۔ [تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۵-۱۳ مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ]

نوٹ: ماخوذ از تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۲۳۹-۲۳۸ فرید بک شال لاہور

حضرت یوسف علیہ السلام کے
احسان کا معنی

۲۔ بَابُ مَعْنَى إِحْسَانٍ يُوصَفُ
عَلَيْهِ السَّلَامُ

حضرت سلمہ بن عبید بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ضحاک بن مزاحم کے پاس تھا سوا یک آدمی نے آکر آپ سے سورہ یوسف کی آیت "إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ" کے بارے میں سوال کیا کیا اس میں حضرت یوسف کے احسان سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کسی قیدی کو تنگی میں دیکھتے تو آپ اس کی تنگی دور کر کے اس پر وسعت و کشادگی کر دیتے اور جب کسی کو بیمار دیکھتے تو اس کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے لیے کمر بستہ ہو جاتے اور جب آپ کسی محتاج کو دیکھتے تو اس کی حاجت پوری کرنے کے لیے اس سے اس کی ضرورت دریافت کرتے۔

۵۰۱۔ مَعْلُودٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ بَرْبَدٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ الضَّحَّاكِ ابْنِ مَزَاهِمٍ فَمِثَالُهُ وَجُلُّ عَنْ هَلِ الْآيَةِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ مَا كَانَ إِحْسَانُهُ قَالَ كَانَ إِذَا رَأَى رَجُلًا مُضْطَرًّا عَلَيْهِ وَشَعَّ عَلَيْهِ وَإِذَا رَأَى مَرِيضًا قَامَ عَلَيْهِ وَإِذَا رَأَى مُتَحَاجًّا سَأَلَ بِقَضَائِهِ حَاجَتَهُ. (تفسیر بغوی)

حل لغات

”مُضَيِّقًا“ میخذ واحد مکراً اسم مفعول باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: جس پر تنگ دستی و محتاجی مسلط کر دی گئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے احسان کی وضاحت

علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ حضرت ضحاک بن مزاحم سے ”إِنَّمَا نَسَاكَ مِنَ الْمُضَيِّقِينَ“ میں احسان یوسف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی قید خانہ میں بیمار ہو جاتا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس کی تیمارداری کرتے اور اس کی دل جوئی کرتے اس کی دیکھ بھال کرتے اور اس کی خوب خدمت کرتے اور جب کسی کی مجلس و آرام گاہ اس پر تنگ ہوتی تو آپ اسے کشادہ کر دیتے اور جب کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو آپ وہ چیز اسے مہیا کر دیتے اور آپ ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی، خیر و بھلائی اور نیک سلوک کرتے اور اس کے باوجود آپ عبادتِ الٰہ میں خوب محنت و ریاضت اور کوشش کرتے رہتے اور آپ ساری رات نماز پڑھتے رہتے تھے۔

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ سخت معیبت میں مبتلا ہیں ان کی سزا بہت سخت تھی وہ لوگ رہائی سے نا امید و مایوس ہو چکے تھے اور ان کے غم و رنج طویل ہو چکے تھے سو آپ انہیں قلی دیتے اور فرماتے: تم صبر کرو اور بشارت قبول کرو، تمہیں صبر و قیل پر اجر ملے گا، انہوں نے کہا: اے نوجوان! اللہ تعالیٰ آپ کی برکتوں سے ہمیں مالا مال کرے آپ کس قدر حسین و جمیل ہیں آپ کا چہرہ بہت خوبصورت ہے اور آپ کس قدر نیک اور اچھی باتیں کرتے ہیں ہمیں آپ کے قرب میں جیتنا برکتیں ملیں گی سو اے نوجوان! آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کا بیٹا یوسف ہوں، چنانچہ جیل کے منتظم نے کہا: اے نوجوان! اللہ کی قسم! اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں ابھی آپ کو رہا کر دیتا لیکن میں آپ کے ساتھ حسن سلوک ضرور کروں گا، پس جیل کے مکانات میں سے جس مکان میں آپ چاہیں ٹھہر جائیں۔ [تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۶۶، مطبوعہ دارالسر للحدیث و کتاب] لبنان

مؤمن کی بصیرت کا بیان

۳۔ بَابُ بَيَانِ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم مؤمن کی فراست و بصیرت سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”إِنِّي فِئْ ذَلِكَ لَأَبَاطُ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ“ (البقرہ: ۷۵) بے شک اس میں دل سے غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

۵۰۲۔ حَمْدٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَطِيَّةٍ عَنْ أَبِي سُوَيْبٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ تَعَالَى ثُمَّ قَرَأَ: ”إِنِّي فِئْ ذَلِكَ لَأَبَاطُ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ“ (البقرہ: ۷۵) الْمُتَوَسِّمِينَ۔ ترمذی (۳۱۲۶)

حل لغات

”فِرَاسَةٌ“ اس کا معنی ہے: ایسا قلبی اور باطنی نور جس کی روشنی میں مؤمن بعض مخفیات و مغیبات چیزوں کو جان اور پہچان لیں ہے اسی کو کرامت کہتے ہیں۔

فراست کے مختلف معانی

علامہ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں امام ترمذی نے اپنی جامع میں امام حاکم امام سویہ امام طبرانی اور امام ابن عدی نے بیہم اس حدیث کو حضرت ابوامامہ سے روایت کیا ہے اور علامہ ابن جریر نے اس کو حضرت ابن عمر سے روایت کیا

ہے۔ [شرح منہ امام اعظم ص ۵۶۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

علامہ جزری نے کہا: فراست کے دو معنی ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے دل میں ایک نور ڈالتا ہے جس کی برکت سے انہیں بعض لوگوں کے احوال کا علم ہو جاتا ہے یہ کبھی کرامت سے ہوتا ہے کبھی سمجھ گمان سے اور کبھی حدس سے ہوتا ہے (اچانک کسی چیز کے یاد آنے کو حدس کہتے ہیں) (۲) دلائل تجربہ ظاہری صورت کی کیفیت اور باطنی اوصاف کی مدد سے لوگوں کے احوال کو جان لینا۔

[انصاری]

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: فراست اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کا دل پاک اور صاف ہو اور دنیاوی تفکرات و خیالات سے خالی ہو اور وہ شخص ممانہوں کے میل نہ سے اخلاق کی کدورتوں اور بے معنی کاموں سے ہر آواز خالی ہو۔

صوفیاء کا گمان یہ ہے کہ فراست کرامت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فراست کسی چیز پر علامات سے استدلال کرنا ہے بعض ملائیں وہ ہوتی ہیں جو پہلی نظر میں ہی ہر شخص کو نظر آ جاتی ہیں اور بعض علامتیں غفی اور دقیق ہوتی ہیں وہ ہر شخص پر مشکف ہوتی ہیں اور نہ ہادی انظر میں ان کا پتہ چلتا ہے۔ امام شافعی اور امام محمد بن حسن سے مروی ہے کہ وہ دونوں کعبہ معظمہ کے محن میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص مسجد کے دروازہ پر تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ یہ شخص بڑھئی ہے دوسرے نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ یہ شخص لوہار ہے۔ اس شخص سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: پہلے میں بڑھئی تھا اور اب میں لوہار ہوں۔ روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس مدح کی ایک قوم آئی ان میں اشترب بھی تھا۔ حضرت عمر نے اس شخص کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا پھر فرمایا: یہ شخص کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ مالک بن حارث ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں پر ایک سخت مصیبت کا دن آئے گا پھر اس کے قتل سے جو ہوا تھا وہ ہوا (یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے تھا)۔ روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بازار گئے اور ایک اجنبی عورت کو نظر بھر کر دیکھا پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عثمان نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہمارے پاس اس حال میں آتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ حضرت انس نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی دجی نازل ہونے لگی ہے؟ حضرت عثمان نے فرمایا: نہیں! بلکہ یہ برہان اور فراست و بصیرت ہے اور صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم سے ایسی بہت سی مثالیں منقول ہیں۔

(المناہج لاحکام القرآن)

ملا علی قاری لکھتے ہیں: امام یافعی نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ امام الحرمین ابوالمعالی ابن الامام ابو محمد الجوبی ایک دن صبح کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوئے درس دے رہے تھے اسی دوران شیوخ الصوفیہ اپنے اصحاب کے ساتھ کہیں دعوت میں جاتے ہوئے گزرے۔ امام جوینی نے دل میں سوچا کہ ان صوفیاء کو سوائے کھانے اور رقص کرنے کے اور کیا کام ہے۔ وہ شیخ الصوفیہ دعوت سے واپسی پر پھر اس مقام سے گزرے اور امام جوینی سے فرمایا: اے فقیہ! اس شخص کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے جو حالت جنابت میں صبح کی نماز پڑھا دے اور پھر اسی حال میں مسجد میں بیٹھ کر علوم کا درس دے اور لوگوں کی غیبت کرے۔ تب امام الحرمین کو یاد آیا کہ ان پر تو فصل واجب تھا پھر اس کے بعد صوفیہ کے متعلق ان کا اعتقاد اچھا ہو گیا۔ [مرقات ج ۳ ص ۱۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

نوٹ: ماخوذ از تفسیر بیان القرآن ج ۶ ص ۳۰۶-۳۰۵ فرید بک شال لاہور

قیامت کے دن لوگوں سے کلمہ توحید کے متعلق سوال کیا جائے گا

۴۔ بَابُ يُسْئَلُ النَّاسُ عَنْ كَلِمَةِ التَّوْحِيدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

۵۰۳۔ حَمَلَهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى قَوْلُ رَبِّكَ لَنَسْنَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (البقرہ: ۹۷-۱۰۳) قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ.

ترمذی (۳۱۲۶)

قیامت کے دن لوگوں سے سوال کرنے یا نہ کرنے کی آیات میں تطبیق

علامہ بخاری نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام لوگوں سے ان اعمال کے بارے میں سوال کرے گا جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے اور سورۃ الحج کی ان دونوں آیات کا بھی معنی ہے اور حضرت محمد بن اسماعیل بخاری نے کہا ہے کہ بعض اہل علم نے کہا ہے: ان آیات میں جس چیز کے بارے میں سوال کرنے کا ذکر ہے وہ کلمہ توحید (در سالت) لا الہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) ہے پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت اور سورۃ الرحمن کی آیت ”لَقَوْمٌ يَنْتَظِرُونَ ذُنُوبَهُمْ النَّاسُ وَلَا يَخَافُونَ“ (الرحمن: ۳۹) اس دن انسانوں اور جنوں سے ان کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا ان کے درمیان موافقت و مطابقت کیسے ہوگی؟ جواب: (۱) اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ تم نے کیا کیا عمل کیے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے زیادہ بہتر ان کے اعمال کو جانتا ہے اس کو ہر چیز کا علم ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو ان سے یہ سوال کرے گا کہ تم نے یہ عمل اس طرح کیوں کیا وہ عمل اس طرح کیوں کیا۔ علامہ قطرب نے اسی پر اکتفا کیا ہے اور کہا ہے کہ سوال دو قسم کے ہوتے ہیں ایک سوال جاننے اور معلوم کرنے کے لیے ہوتا ہے اور سورۃ الرحمن میں اسی سوال کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال معلوم کرنے کے لیے سوال نہیں کرے گا کہ تم نے کیا کیا عمل کیے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز معلوم ہے اور دوسرا سوال صرف جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے ہوتا ہے سورۃ مجر کی آیت میں اسی سوال کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جھڑکے اور ڈانٹے کے لیے سوال کرے گا کہ تم نے فلاں فلاں عمل کیوں کیے تھے اور تم نے ہمارے رسولوں کی اور ہماری کتابوں کی نافرمانی کیوں کی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت فکرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ان آیات کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بے شک قیامت کا دن ایک طویل دراز اور بہت لمبا دن ہوگا اس دن مختلف مواقع اور مختلف احوال ہوں گے چنانچہ بعض مواقع اور بعض احوال میں اللہ تعالیٰ لوگوں سے کوئی سوال نہیں کرے گا نہ کوئی کلام کرے گا اور نہ کوئی حساب لے گا (اور یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ زبردست غضب و جلال میں ہوگا اور فرمائے گا: ”لَسَنَ الْيَوْمَ الْيَوْمَ“ (الزمر: ۱۷) آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر خود ہی فرمائے گا: ”إِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“ (الزمر: ۱۶) صرف اللہ تعالیٰ کی جو ایک ہے سب پر غالب ہے۔ اور بعض مواقع اور بعض احوال میں اللہ تعالیٰ لوگوں سے سوال کرے گا ان سے کلام بھی کرے گا اور ان سے حساب بھی لے گا (یہ اس وقت ہوگا جب نبی کریم ﷺ سجدہ میں جا کر اللہ تعالیٰ کی خوب حمد و ثناء کریں گے اور اسے راضی کریں گے) اور اس کی نظیر یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ“ (الزمر: ۳۵) یہ وہ دن ہے جس میں لوگ بول نہیں سکیں گے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: ”ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ“ (الزمر: ۳۱) پھر قیامت کے دن تم اپنے رب تعالیٰ کے پاس ضرور جھگڑو گے [تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۸-۵۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت] تفسیر مظہری ج ۵ ص ۳۱۸ مطبوعہ مدۃ المعصنین دہلی شرح مسند امام اعظم ص ۵۷۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

۵۔ بابُ حَنِسٍ نُزُولِ جِبْرِیلَ

۵۰۴۔ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعِجْرِيْلَ مَا لَكَ تَزَوُّدًا أَكْثَرَ مَا تَزَوُّدًا قَالَ لَأَنْزِلْتَ بَعْدَ لَيْلٍ وَمَا تَنْزَوُّلٌ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا. (مریم: ۶۳)

بخاری (۶۷۳۱) ترمذی (۳۱۵۸)

حضرت جبریل علیہ السلام کے نزول کی رکاوٹ کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: تم جس قدر ہماری ملاقات کے لیے آتے ہو اس سے زیادہ تم ہم سے ملاقات کرنے کیوں نہیں آتے؟ حضرت ابن عباس نے کہا کہ پھر چند راتوں کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: اور ہم آپ کے رب تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں اترے ہمارے آگے اور پیچھے جو کچھ بھی ہے اسی کی ملکیت میں ہے۔ (مریم: ۶۳)

عمل لغات

”مَا لَكَ“ اس میں حرف ’نا‘ نافیہ نہیں ہے بلکہ یہ استفہامیہ (سوالیہ) ہے۔ ”تَزَوُّدًا“ اس میں ”تَزَوُّدٌ“ میثد واحد مذکر حاضر فعل مضارع معروف مثبت ’باب تَضَوَّرَ“ تَضَوَّرَ سے ہے اس کا معنی ہے: زیارت کرنا، ملاقات کرنا، ملنا اور آخر میں ضمیر ”نا“ مفعول ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے نزول کا ضابطہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: اے جبریل! جس قدر تم ہماری ملاقات کے لیے آتے ہو اس سے زیادہ ہماری ملاقات کے لیے تمہیں کون سی چیز مانگ ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

[صحیح بخاری: ۷۴۵۵]

نزول کے وہ معنی ہیں: ایک تو دیر سے اور وقفہ سے اترنا اور دوسرا معنی ہے: مطلق اترنا، سو یہاں پہلا نزول اور اترنا مراد لینا زیادہ مناسب ہے یعنی ہمارے نازل ہونے اور اترنے کے اوقات اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوتے ہیں، وقفہ کا حکم ہوتا ہے تو ہم وقفہ کر لیتے ہیں اور نزول کا حکم ہوتا ہے تو ہم نازل ہو جاتے ہیں۔ [تفسیر مدارک المتوفیل مترجم ج ۲ ص ۲۹۱، مطبوعہ فریدک سٹال لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ مسند امام اعظم کی اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بعینہ اسی طرح روایت کیا ہے۔

اور حضرت عکرمہ شہاک، قتادہ، مقاتل اور کلثبی نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب نبی کریم ﷺ سے آپ کی قوم قریش مکہ نے احباب کعبہ ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں کل تمہیں بتا دوں گا اور آپ نے ان شاء اللہ نہیں فرمایا جس کی وجہ سے حضرت جبریل علیہ السلام کا نزول رُک گیا، یہاں تک کہ نزول وحی کا فراق اور حضرت جبریل کی جدائی کا صدمہ آپ پر بہت شاق اور بھاری گزرا، پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت جبریل نازل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم نے میرے پاس آنے میں اتنی تاخیر کر دی یہاں تک کہ میرا ظن و خیال ناساز ہو گیا اور تمہاری ملاقات کا اشتیاق بہت بڑھ گیا، حضرت جبریل نے عرض کیا کہ میں بھی آپ کی ملاقات کا بہت شوق رکھتا تھا، لیکن میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند بندہ ہوں، جب مجھے بھیجا جاتا ہے تو میں اترتا ہوں اور جب مجھے روک دیا جاتا ہے تو میں رُک جاتا ہوں، پھر یہ آیت نازل ہوئی: ”وَمَا تَنْزَوُّلٌ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ“ (مریم: ۶۳) اور سورت النحل نازل ہوئی۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۶۱-۵۶۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت]

۶۔ بَابُ تَفْسِيرِ مُنْكَرٍ قَوْمٍ لُوطٍ

۵۰۵۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ الْمُنْكَرُ الَّذِي كَانُوا يَأْتُونَ فِيهِ نَادِيَهُمْ قَالَ كَانُوا يَخْلُقُونَ النَّاسَ بِالنَّوَاةِ وَالْأَحْصَاةِ وَيَسْخَرُونَ مِنْ أَهْلِ الطَّرِيقِ.

ترمذی (۳۱۹۰) مسند احمد (۲۷۴۲۹)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بُرائی

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ وہ کون سی بُرائی ہے جو قوم لوط کے لوگ اپنی مجلسوں میں کیا کرتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگوں کو گھٹلیاں اور کٹگریاں مارا کرتے تھے اور وہ مسافروں، راہ گیروں اور آنے جانے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔

حل لغات

”نادی“ میخام فاعل واحد مذکر ہے اس کا معنی ہے: مجلس۔ ”یَخْلُقُونَ“ میخجع مذکر عاب، فعل مضارع معروف باب ضرب مضرب سے ہے اس کا معنی ہے: کٹگریاں مارنا۔ ”النَّوَاةُ“ کا معنی ہے: گھٹلی۔ ”الْأَحْصَاةُ“ کا معنی ہے: کٹگری۔ ”يَسْخَرُونَ“ میخجع مذکر عاب، فعل مضارع معروف مثبت باب سجع یشجع سے ہے اس کا معنی ہے: مذاق اڑانا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان قوم کی چند گھناؤنی بُرائیاں

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ قوم لوط کے لوگ اپنی مجلسوں میں بیٹھ جاتے تھے اور ان میں سے ہر ایک آدمی کے پاس ایک پیالہ ہوتا تھا جس میں کٹگریاں بھری ہوئیں پھر جب ان کے پاس سے کوئی راہ گیر گزرتا تو یہ لوگ اسے کٹگریاں مارتے جس کی کٹگری اسے لگ جاتی اس کو بہتر خیال کیا جاتا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کی قوم کا آدمی راہ گیر کے پاس جو کچھ ہوتا اسے چھین لیتا تھا اور اس مسافر کے ساتھ بد فعلی کرتا اور اس کو تاوان اور جتی میں تین درہم پکڑا دیتا اور یہ ان کے قاضی کا فیصلہ تھا۔

(۱) حضرت قاسم بن محمد نے کہا کہ وہ لوگ اپنی مجلسوں میں گوز مارتے تھے (یعنی ڈبر سے باواڑہ بلند ہوا خارج کرتے تھے)۔

(۲) حضرت مجاہد نے کہا کہ وہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے آپس میں بد فعلی کرتے تھے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: وہ لوگ ایک دوسرے کے اوپر چھوکتے تھے۔

(۴) حضرت کھول سے مروی ہے کہ قوم لوط کے اخلاق اتنے بد تھے کہ وہ لوگ سب کے سامنے گوند چہاتے اور دنداسہ کرتے تھے

انگلیوں میں مہندی لگاتے اور انہیں جٹھلاتے رہتے اور سب کے سامنے تہبند کھول دیتے تھے اور بیٹیاں بجاتے تھے مسافروں پر کٹگریاں پھینکتے تھے اور لڑکوں کے ساتھ بد فعلی کرتے تھے۔

[تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۶۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۰۰ مطبوعہ مکتبۃ المصنفین، دعلی تفسیر روح المعانی الجزء الحشر و

ص ۱۵۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور، تفسیر مدارک التنزیل ج ۳ ص ۹۳ مطبوعہ فرید بک سنال لاہور، شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۲۷۴

مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

لفظ ضعیف کی قراءت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ”اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ“ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں کمزور حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد قوت

۷۔ بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي ضَعْفٍ

۵۰۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ ابْنِ عَمْرٍ أَنَّهُ قَرَأَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ

خَفَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَ شَيْبَةً لَرَدِّ عَلَيْهِ وَلَئِنْ قُلْتُ
مِنْ ضَعْفٍ (الروم: ۵۵)
ترمذی (۲۹۳۶) ابوداؤد (۳۹۷۸) ابن کثیر (ج ۳ ص ۵۷۶) فرمایا: تم (فتح کی بجائے ضمہ کے ساتھ) "مِنْ ضَعْفٍ" پڑھا کرو۔

حل لغات

"ضَعْفٍ" ضاد پر فتح اور ضم کی صورت میں اس کا معنی ہوتا ہے: کمزور ہونا، کمزوری، بڑھاپا اور ضاد کے نیچے کسرہ اور جری صورت میں اس کا معنی ہے: زیادہ کرنا، دوگنا کرنا، دوچند کرنا اور کسی چیز کو بڑھانا۔

"ضَعْفٍ" میں دو قراءتیں ہیں

"ضَعْفٍ" کو تینوں جگہ میں ابو بکر کوئی، حمزہ، شعبہ اور عامم نے ضاد کو مفتوح پڑھا ہے اور یہ قبیلہ تمیم کی لغت ہے جبکہ قاری حفص اور ہاقی قراء نے ضاد کو تینوں جگہ میں مضموم پڑھا ہے اور یہ قریش کی لغت ہے اور یہی مختار اور اتوئی اور الفصحی لغت ہے اسی لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابن عمر کو ٹوکا اور ضاد کو مضموم پڑھنے کی تاکید کی۔

قیامت کی بعض علامات
گزر چکی ہیں

۸۔ بَابُ لَمَّا مَضَى بَعْضُ
أَشْرَاطِ السَّاعَةِ

۵۰۷۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ
مُسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا مَضَى الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ
عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دھوئیں کا ظہور
اور سخت گرفت کا عذاب (دونوں) رسول اللہ ﷺ کے ظاہری عہد میں
گزر چکے ہیں۔

بخاری (۴۷۷۴) مسلم (۷۰۶۸) ترمذی (۳۲۵۴)

حل لغات

"مَضَى" صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، بَابُ حَضَرٍ يَحْضُرُ اور نَصَرَ يَنْصُرُ دونوں سے آتا ہے اور اس کا معنی ہے: گزر جانا، کا پورا کرنا۔ "الدُّخَانُ" اس کا معنی ہے: دھواں۔ "الْبَطْشَةُ" اس کا معنی ہے: گرفت کرنا، پکڑ لینا، سزا دینا۔
قیامت کی علامت دھوئیں کے ظہور میں اختلاف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَارْتَفَبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ
موا آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے
(الدخان: ۱۰) ○

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمَ يَبِطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ
جس دن ہم سب سے بڑی پکڑ پکڑیں گے، بے شک ہم بدلہ لینے
(الدخان: ۱۶) ○ والے ہیں ○

واضح ہو کہ علمائے اسلام کا دخان کے ظہور اور بطش کبریٰ کے وقوع میں اختلاف ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت محمد بن کثیر نے سفیان بن منصور اور اعمش سے سوال کیا تو انہوں نے از ابی النضر از مسروق بیان کیا کہ حضرت مسروق نے کہا کہ کندہ میں

ایک آدمی بیان کرنے لگا کہ دھویں کا ظہور قیامت کے دن ہوگا اور یہ دھواں کفار و منافقین کے کانوں اور ان کی آنکھوں کو اپنی گرفت میں لے لے گا اور انہیں مدہوش کر دے گا، لیکن اس دھویں سے مؤمن کی حالت ایسی ہو جائے گی جیسے زکام ہو جاتا ہے، سو ہم اس بات کو سن کر گھبرا گئے اور (حضرت مسروق کہتے ہیں کہ) میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا اور آپ اس وقت تکیہ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور میری بات سن کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جو شخص جو کچھ جانتا ہو اسے چاہیے کہ وہ لوگوں سے بیان کرے اور جو شخص نہیں جانتا اسے یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کیونکہ یہ بھی علم میں شامل ہے کہ آدمی جو چیز نہ جانتا ہو اس کے بارے میں کہہ دے کہ میں نہیں جانتا، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے فرمایا:

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّمِينَ ○ (س: ۸۶)

اے محبوب! فرما دیجئے کہ (اے لوگو!) میں اس قرآن پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف و ہنات کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ○

اور دراصل بات یہ ہے کہ قریش کہہ نے اسلام قبول کرنے میں بہت تاخیر کر دی اور کفر و شرک پر ڈلے رہے اور دین اسلام کی مخالفت کرتے رہے تو نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

اللھم اعنی علیہم بسبع کسبح یوسف . اے اللہ! کفار پر سات سال تک قحط و خشک سالی مسلط فرما کر میری ان کے خلاف مدد فرما۔

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال کا قحط بھیجا تھا، یہ دعا مستجاب ہوئی اور قحط سالی نے کفار مکہ کو اپنی گرفت میں لے لیا اور یہ قحط سالی اتنی سخت پڑی کہ بہت سے لوگ اس میں ہلاک ہو گئے اور باقی لوگ مردار اور ہڈیاں کھا گئے اور بھوک کی وجہ سے اس حال کو پہنچ گئے کہ جب ان میں سے کوئی آدمی آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتا تو اسے زمین و آسمان کے درمیان دھواں ہی دھواں نظر آتا اور قحط سے زمین خشک ہو گئی، خاک اڑنے لگی، غبار نے ہوا کو مکدر کر دیا، یہاں تک کہ ابوسفیان (جو اس وقت دین اسلام کا بدترین دشمن تھا، بعد میں مسلمان ہو گیا تھا) مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے محمد (ﷺ)! آپ تو صلہ رحمی کرنے اور رشتہ داروں کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا حکم دیتے ہیں، سو آپ کی قوم بھوک کی وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے، آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے خوشحالی کی دعا کیجئے، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی کہ: "فَإِذَا قُضِيَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِذُنُوبِهِمْ مُبِينٌ ○" (الدخان: ۱۰) چنانچہ قحط سالی کا عذاب ان سے دور ہو گیا اور خوشحالی لوٹ آئی، لیکن کفار مکہ پھر اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے اور سرکشی دکھانے لگے، یہاں تک کہ غزوہ بدر کے دن انہیں سخت گرفت میں لے کر بڑے بڑے سرداروں کو ہلاک کر دیا گیا اور ان کے باقی لوگ شکست کھا کر ناکام و نامراد لوٹ گئے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "يَوْمَ تَبْطُلُ الْبُطُيَّةُ الْكُفْرُ" علامہ بغوی نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور اکثر علمائے اسلام کا یہی موقف ہے کہ دھویں کا ظہور قحط سالی کے دوران ہو چکا ہے اور بڑی گرفت و کچڑ کا وقوع غزوہ بدر میں کفار کی قتل و غارت اور ان کی شکست کی صورت میں ہو چکا ہے اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ: "يَوْمَ تَبْطُلُ الْبُطُيَّةُ الْكُفْرُ" سے قیامت کا دن مراد ہے اور حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: دھویں کے ظہور کا دن قیامت کے وقوع سے پہلے ہوگا اور بعد میں دھواں ظہور پزیر نہیں ہوگا، چنانچہ یہ دھواں کفار اور منافقین کے کانوں میں داخل ہو جائے گا (اور انہیں مدہوش کر دے گا) اور یہ مؤمن کو اس طرح پہنچے گا جس طرح زکام ہوتا ہے اور

تمام روئے زمین اس گھر کی طرح (گرم اور سرخ) ہو جائے گی جس میں آگ جلائی گئی ہو اور یہ حضرت ابن عباسؓ ابن عمرؓ اور حسن بصریؒ کا قول ہے۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ربیع بن حراش سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (قیامت کی) نشانیوں میں سے پہلی نشانی دھواں ہے اور (دوسری نشانی) حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نزول ہے اور (تیسری نشانی) وہ آگ ہے جو یمن کے شہر عدن کے ایک گہرے گڑھے سے نکلے گی وہ لوگوں کو ہانک کر میدان محشر میں لے جائے گی۔ حضرت حذیفہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دخان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کر کے سنائی:

فَارْتَفِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ
سُوْاْپْ اِسْ دِنْ كَا اِنْتِظَارِ كَجَیْےْ جِبْ آسْمَانِ اِیْكَ ظَاہِرِ دَعْمَا
(الدخان: ۱۰) دھواں لائے گا

چنانچہ یہ مشرق اور مغرب کے درمیان تمام لُغْض کو بھر دے گا اور یہ دھواں چالیس دن رات ظہرے گا لیکن مؤمنین کو اس سے زکام لاحق ہوگا اور بس البتہ کفار (ومنافقین) اس سے بے ہوش لوگوں کی طرح ہو جائیں گے اور ان کے قہقروں ان کے کانوں اور ان کی ذہن (بجمل شرمگاہ) سے دھواں نکلے گا اور کسی شخص پر یہ بات غلطی نہیں ہوگی حضرت ابن مسعود کا قول اس آیت مذکورہ بالا کی تفسیر میں زیادہ واضح ہے کیونکہ اس کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا عَاجِلُوْا الْعَذَابَ لِقَوْمٍ اَلْبَسُوْا
ہے فِکْ اَمْ تَحُوْذِیْ مَدَتْ كے لَیْےْ عَذَابِ كُھولنے والے ہیں
(الدخان: ۱۵) (پھر) تم یقیناً (کفر کی طرف) لوٹ جاؤ گے

یہ آیت تو حضرت ابن مسعود کے مقصد کی تصریح کر رہی ہے کیونکہ آخرت کے عذاب کا کھلنا نہ تھوڑی مدت کے لیے مقصور ہو سکتا ہے اور نہ زیادہ مدت کے لیے مقصور ہو سکتا ہے اور اسی طرح کفار کا قیامت کے دن شدید کفر کی طرف لوٹنا غیر مقصور ہے پس معین ہو گیا کہ یہ آیت دنیا کے عذاب پر محمول ہے اور کفار کسا پنا عہد تو کر دنیا میں کفر کی طرف لوٹ گئے تھے۔ نیز اس کی تائید اس آیت سے ہو جاتی ہے کہ ”يَوْمَ تَبْطِشُ الْبَطْشَةُ الْكُبْرَى“ (الدخان: ۱۶) ہم اس دن بڑی پکڑ پکڑیں گے۔ کیونکہ یہ بڑی پکڑ غزوہ بدر کے دن ہوئی تھی اور آیت کو عام معنی پر محمول کرنا بھی کوئی بعید نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم!

[شرح مصنف امام اعظم للمصنفی قاری ص ۳۲۶-۳۲۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

اولاد آدمی کی کمائی ہوتی ہے

۹۔ بَابُ الْوَلَدِ مِنْ كَسْبِ الرَّجُلِ

۵۰۸۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ
الْاَسْوَدِ عَنْ عَابِثَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَهِيَ اللّٰهُ لَكُمْ
يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِلَّا نَا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذَّكُوْرَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمہاری اولاد تمہاری کمائی میں سے ہے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا تحفہ ہے وہ جس کے لیے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے۔

ابوداؤد (۳۵۲۸) ترمذی (۱۳۵۸) ابن ماجہ (۲۳۹۰) نسائی (۴۴۵۷۵۴۴۵۴) مسند احمد (۲۴۵۳۳) ابن حبان (۴۲۶۰)

محنت و کمائی اور اولاد کی اہمیت

اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے اسی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ابو حنیفہ نے از حماد از ابراہیم از الاسود از

قرآن مجید کی آیت اور حدیث کے چند جملوں کی وضاحت

”لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت اور اس کے فضل و کرم سے مایوس و ناامید ہو جانا کفر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قہر و جبر اور اس کی گرفت و پکڑ سے بے خوف اور ہراس ہو جانا کفر ہے اور ”إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے توبہ کرنے پر ان کے تمام گناہ معاف فرمادے گا اس صورت میں یہ اپنے عموم پر مطلقاً سب گناہوں کی مغفرت کو شامل ہوگی لیکن بغیر توبہ کے مسلمانوں میں سے بعض گنہگاروں کے گناہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو معاف فرما دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے ثابت ہوتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸-۴۹)

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کو نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اور مسائل کے سوال پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاموشی اختیار کرنا یا تودہی کے انتظار میں تھا یا پھر کتاب اللہ کے حکم کے استنباط میں اجتہاد کرنے کے لیے تھا اور آخر میں ارشاد ”أَلَا مَنِ أَفْسَرَكَ“ کا معنی یہ ہے کہ تم آگاہ ہو جاؤ کہ جب کوئی مشرک آدمی گناہوں سے توبہ کر لے اور ایمان قبول کر لے تو وہ بھی اس آیت کے عموم میں شامل ہو جاتا ہے اور اس صورت میں حرف ”أَلَا“ صحیحہ کے لیے ہوگا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ حرف ”إِلَّا“ استحکائیہ ہو لیکن پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ کئی مشرکوں نے بہت قتل و غارتگری کی زنا کاری شراب نوشی کھڑت سے کی لیکن جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ہمیں جس دین کی دعوت دیتے ہیں یہ بہت اچھا ہے کاش آپ ہمیں ایسے اعمال بتا دیں جو ہمارے گناہوں کا کفارہ بن جائیں تو ان کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل کی گئی۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۰۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

حضرت وحشی کے اسلام قبول کرنے کی کیفیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت وحشی (بن حرب) نے (زمانہ کفر میں فزودہ احد میں) حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو کچھ عرصہ تک کفر پر قائم رہے پھر ان کے دل میں اسلام کی محبت و حقانیت جاگزیں ہو گئی چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ میرے دل میں اسلام کی محبت موجزن ہو گئی ہے اور میں نے سنا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت بیان فرماتے ہیں: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور کسی آدمی کو ناحق قتل نہیں کرتے جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور وہ زنا کاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا وہ ضرور سزا پائے گا کہ قیامت کے دن اس کے عذاب کو کئی گنا بڑھا دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتا رہے گا سو میں نے یہ سب کام کیے ہیں تو کیا میرے لیے کوئی رخصت ہے؟ راوی نے کہا کہ اس موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمد (ﷺ)! اس سے

۱۱- بَابُ كَيْفِيَّةِ إِسْلَامِ الْوَحْشِيِّ

۵۱۰- أَمَّا وَحْشِيَّةٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْكَلْبِيِّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ وَحْشِيًّا لَمَّا قُتِلَ حَمِزَةً مَكَتَ زَمَانًا ثُمَّ وَقَعَ فِي قَلْبِهِ الْإِسْلَامُ فَأَرْسَلَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَدْ وَقَعَ فِي قَلْبِهِ الْإِسْلَامُ وَقَدْ مَسَعَتْكَ تَقُولُ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا (الفرقان: ۶۸-۶۹) كَلِمَاتِي قَدْ لَعَلَّتْهُنَّ جَمِيعًا فَهَلْ لِي رُخْصَةٌ. لَمَّا نَزَلَ جِبْرِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْ لَهُ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يَرْجُو اللَّهُ مَغْفِرَتَهُمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (الفرقان: ۶۸-۶۹)

فرمائیے کہ مگر جو شخص توبہ کر لے اور ایمان قبول کر لے اور نیک کام کر لے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی نیرائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے حد مہربان ہے ○ راوی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے ساتھ ایک قاصد اس کے پاس بھیجا جب یہ آیت اسے پڑھ کر سنائی گئی تو وحی نے کہا کہ اس آیت میں کچھ شرطیں ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں ان پر عمل نہیں کر سکوں گا اور مجھے یقین نہیں کہ میں نیک عمل کر سکوں گا یا نہیں تو کیا آپ کے پاس اس سے زیادہ نرم حکم موجود ہے؟ راوی نے بیان فرمایا کہ پھر حضرت جبریل سے آیت لے کر نازل ہوئے: (ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کو نہیں بخشنے گا اور اس سے کم گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت لکھ کر وحی کے پاس بھیج دی جب اس کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو اس نے کہا: اس آیت میں تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ جس کو چاہے گا اسے بخش دے گا اور میں نہیں جانتا ممکن ہے اس کی حیثیت میں میری مغفرت نہ ہو اور اگر یہ آیت صرف ”وَيَغْفِرُ مَا قَدْ فُوتَ ذَلِكَ“ ہوتی اور ”لَنْ يَنْشَأَ“ نہ ہوتا تو پھر بات بن جاتی سو کیا اے محمد (ﷺ) آپ کے پاس اس سے زیادہ نگہداشت ہے؟ اس پر حضرت جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے: (ترجمہ) اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کرنی ہے تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے حد نرم فرمانے والا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو لکھا اور وحی کے پاس بھیج دیا جب اس کے سامنے اس آیت کو پڑھا گیا تو اس نے کہا: لیکن یہ آیت تو سب سے زیادہ بہتر ہے پھر اس نے اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک میں نے اسلام قبول کر لیا ہے سو اب آپ اپنی ملاقات کے لیے مجھے حاضری کی اجازت عنایت کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے وحی کے پاس پیغام بھیجا کہ تم میری ملاقات کے وقت اپنا چہرہ مجھ سے چھپا کر رکھنا کیونکہ میں اپنے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے

۷۰) قَالَ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِذِهِ فَلَمَّا قُرِئَتْ عَلَيْهِ قَالَ وَخَشِيَ أَنْ يَنْفِي هَذِهِ الْآيَةَ شُرُوطًا وَأَخْشَى أَنْ لَا يَبْقَى بِهَا وَلَا أُحَقِّقُ أَنْ أَعْمَلَ عَمَلًا صَالِحًا أَمْ لَا فَهَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ الْكَيْنُ مِنْ هَذَا يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَتَزَلَّ جَبْرِيلُ بِهِذِهِ الْآيَةَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ قَالَ فَكُتِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِذِهِ الْآيَةَ وَتَعَثَّ إِلَى وَخَشِيَ.

لَمَّا قُرِئَتْ قُرِئَتْ لَهُ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَأَنَا لَا أَقْرَأُ لَعَلِّي أَنْ لَا أَكُونَ فِي مَوْضِعِهِ إِنْ خَاءَ فِي السَّخْفِ وَلَوْ كُنْتُ الْآيَةَ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ وَلَمْ يَقُلْ لِمَنْ خَاءَ كَانَ ذَلِكَ فَهَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ أَوْ سَعُ مِنْ ذَلِكَ يَا مُحَمَّدُ فَتَزَلَّ جَبْرِيلُ بِهِذِهِ الْآيَةَ قُلْ يَا جِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ○ (ابن ماجہ ۵۳۳) قَالَ فَكُتِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَعَثَّ بِهَا إِلَى وَخَشِيَ فَلَمَّا قُرِئَتْ عَلَيْهِ قَالَ أَمَّا هَذِهِ الْآيَةُ فَيَنْبَغُ لِمَنْ أَسْلَمَ فَأَرْسَلَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي قَدْ أَسْلَمْتُ فَأَذَنْ لِي لِي لِقَائِكَ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ وَارِ عَنِّي وَجْهَكَ فَلَمَّا لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنِي مِنْ لِقَائِكَ حَمْرَةً هَوْنِي قَالَ فَسَمِعْتُ وَخَشِيَ حَتَّى كُتِبَ مُسَبِّحَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ مِنْ مُسَبِّحَةِ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اشْرَكَتُ فِي

قاتل کو آگ بھڑک نہیں دیکھ سکتا راوی نے کہا کہ حضرت وحشی یہ پیغام سن کر خاموش رہے یہاں تک کہ سیلہ کذاب نے رسول اللہ ﷺ کی طرف لکھا: اللہ کے رسول سیلہ کی طرف سے اللہ کے رسول (حضرت) محمد ﷺ کی طرف اما بعد! مجھے زمین میں آپ کا شریک قرار دیا گیا ہے سو اس لیے نصف زمین میری ہے اور نصف قریش کے لیے ہے مگر قریش کی قوم نے حق سے تمنا کر کے ساری زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ سیلہ کا یہ خط دو آدمی لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے جب یہ خط رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھا گیا تو آپ نے دونوں قاصدوں سے فرمایا: اگر تم دونوں قاصد نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کر دو اور تم پھر آپ لے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: تم لکھو: اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف سے سیلہ کذاب کی طرف ہدایت کی بیرونی کرنے والے پر سلامتی ہو اما بعد! بے شک تمام زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام پر ہیزگاروں کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ پر رحمت کاملہ نازل فرمائے۔ راوی نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سیلہ کذاب کے خط کی خبر وحشی کو پہنچی تو اس نے اپنا حربہ نکالا اور اس کی دھار تیز کی اور سیلہ کذاب کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا یہاں تک کہ جنگ محاصہ میں اس کو قتل کر کے جہنم رسید کر دیا۔

الْأَرْضِ لِيُصْطَفَى الْأَرْضُ وَلِقَرْنَيْهَا يَصْطَفَى هَمَزَ أَنْ قَرْنَيْهَا قَوْمٌ يَعْتَبُونَ قَالَ لَقَدْ قَدِمَ بِكِتَابِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَّانَ فَلَمَّا قَرِئَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكِتَابُ قَالَ لِمُسْرُوتَيْنِ لَوْلَا أَتَاكُمَا رَسُولَانِ لَقَتَلْتُكُمَا ثُمَّ دَعَا بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ أَكْتُبْ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى مُسَيْلَمَةَ الْكُذَّابِ السَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهَدْيَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدَنَا مُحَمَّدٍ. قَالَ فَلَمَّا بَلَغَ وَخَبْرًا مَا كُتِبَ مُسَيْلَمَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْرَجَ الْوَدَّاعَ فَصَقَلَهُ وَهُمْ يَقْتُلُ مُسَيْلَمَةَ فَلَمْ يَزَلْ عَلَى عِزْمٍ ذَلِكَ حَتَّى قُتِلَ يَوْمَ الْيَمَامَةِ. بخاری (۴۰۷۲) المعجم المبرور (ج ۱ ص ۲۰۰)

حل لغات

”لَا أَحَقِّقُ“ صیغہ واحد مکمل فعل مضارع معروف متنی باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: تحقیق کرنا ثابت کرنا تحقیق کرنا یقین کرنا۔ ”وَادَّعَيْتُ“ اس میں ”وَادَّ“ صیغہ واحد مکمل فعل امر معروف حاضر باب مفاعلہ ”وَادَّعَيْتُ“ سے ہے اس کا معنی ہے: چھپانا پوشیدہ کرنا اور ”عَنِ“ میں ”عَنْ“ حرف جار ہے اور ”عَنِ“ ضمیر مکمل ہے۔ ”أَمَلًا“ صیغہ واحد مکمل فعل مضارع معروف مثبت باب فتح یفتح سے ہے اس کا معنی بھرتا پُر کرنا۔ ”الْوَدَّاعُ“ اس کا معنی ہے: حربہ چھوٹا نیزہ۔ ”صَقَلُ“ صیغہ واحد مکمل فعل مضارع غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نصر یتصور سے آتا ہے اس کا معنی ہے: چمکانا تیز کرنا۔ ”هَمَزُ“ صیغہ واحد مکمل فعل مضارع غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نصر یتصور سے ہے اس کا معنی ہے: ارادہ کرنا۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شان

روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ أحد کے اختتام پر جب امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں اپنے خیمہ سے باہر نکلے تو

آپ نے انہیں بطن الوادی میں پایا، جہاں ان کا سینہ چاک کیا گیا اور جگر نکال کر اسے چھایا گیا اور ان کا مثلہ کیا گیا، ان کا ناک اور دو کان کاٹ دیئے گئے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے پہلے کبھی کوئی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا جس کے سبب آپ کے دل کو اس قدر صدمہ اور رنج پہنچا ہو جس قدر شدید ترین غم و رنج حضرت امیر حمزہ کی لاش دیکھنے سے آپ کو پہنچا، آپ نے انتہائی صدمہ کی حالت میں شہید اسلام حضرت امیر حمزہ کی میت کو حجاب کر کے فرمایا: تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برسی رہے کیونکہ تم خیر و بھلائی کے کام بہت کرنے والے تھے اور رحم و کرم اور شفقت و مہربانی کی پناہ گاہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تمہارے عوض ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا، سو اس کہنے کی وجہ سے آپ پر سورہ نحل کی آخری آیات نازل ہوئیں تو آپ نے صبر اختیار فرمایا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا اور اپنے ارادے سے رُک گئے۔

حضرت محمد بن سیرین نے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ

سَيِّدُ الشَّهَادَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمُوزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمطلبِ
یعنی قیامت کے دن حضرت حمزہ بن عبد المطلب شہداء کے سردار
المطلب ہوں گے۔

اور ابن شاذان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اس قدر شدید روتے ہوئے نہیں دیکھا جس قدر آپ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر روتے، آپ نے ان کو قبلہ رخ رکھا اور ان کی میت کے پاس کھڑے ہو گئے اور ان کی خاندانی شراعت و بزرگی اور سیادت و فیاضی بیان کرتے رہے یہاں تک کہ بدنہ اور آدھکا کرنے کی وجہ سے آپ بے ہوش ہونے کے قریب پہنچ گئے اور آپ بار بار فرماتے رہے: اے حمزہ! اے رسول اللہ کے چچا! اے رسول اللہ کے شیر! اے حمزہ! اے خیر و بھلائی کے کام کرنے والے! اے حمزہ! اے تکلیفوں اور مصیبتوں کو دور کرنے والے! اے رسول اللہ کے سامنے سید سپر ہو کر ان کا دفاع کرنے والے! رسول اللہ ﷺ جب کسی کی نماز جنازہ پڑھتے تو اس پر چار تکبیریں پڑھتے لیکن حضرت امیر حمزہ کی نماز جنازہ پر آپ نے ستر تکبیریں پڑھیں اس حدیث کو امام بغوی نے اپنی محکم میں روایت کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۲۶-۲۲۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

اہل ایمان کے لیے شفاعت

ابو حمزہ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے ہیں وہ ان سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت کی برکت سے ایمان والوں کو دوزخ کی آگ سے نکالا جائے گا یہاں تک کہ اس میں کوئی ایمان دار باقی نہیں رہے گا، ماسوا ان (درج ذیل) آیات والوں کے: (ترجمہ) تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لے آئی؟ ○ وہ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے ○ اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے ○ اور ہم تو باطل اور لغو باتوں میں مشغول رہتے تھے ○ اور ہم قیامت کے دن کو بھٹاتے تھے ○ یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی ○ سو ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہیں دے گی ○

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یوں ہے

۱۲۔ بَابُ الشَّفَاعَةِ لِأَهْلِ الْإِيمَانِ

۵۱۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّعْرَاءِ
وَمِنْ أَصْحَابِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْرِجَنَّ بِشَفَاعَتِي مِنَ أَهْلِ
الْإِيمَانِ مِنَ النَّارِ مَنْ لَا يَنْفَعِي فِيهَا أَحَدٌ إِلَّا أَهْلُ
هَذِهِ الْآيَةِ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنْ
الْمُصَلِّينَ ○ وَلَمْ نَكُ نَطْعِمُ الْمَسْكِينِ ○ وَكُنَّا
نَخْوَضُ مَعَ الْخَوَارِجِ ○ وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ
الْيَمِينِ ○ حَتَّى آتَانَا الْيَمِينَ ○ لَمَّا تَفَقَّهُمْ شَفَاعَةُ
الشَّاهِدِينَ ○ (الدرر: ۳۲-۳۸)

وَلِي رِوَايَةٍ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ يُعْلَبُ اللَّهُ

کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں سے کچھ قوموں کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ پھر حضرت محمد ﷺ کی شفاعت کی برکت سے انہیں عذاب دوزخ سے نکال لے گا یہاں تک کہ کوئی مسلمان دوزخ میں باقی نہیں رہے گا۔ ماسوا ان لوگوں کے جن کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان آیات میں ذکر فرمایا ہے: (ترجمہ) تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لے آئی ہے وہ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم تو باطل اور لغو باتوں میں مشغول رہتے تھے اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔ سو ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہیں دے گی۔

تَعَالَى الْوَعْدُ إِنَّ أَعْيُنَ الْإِيمَانِ ثُمَّ يُخَوِّجُهُمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى لَا يَبْقَى إِلَّا مَنْ ذَكَرَ اللَّهُ سُخْرًا وَتَعَالَى مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمِ الْمُسْكِينِ ۝ وَكُنَّا نَعُوضُ مَعَ الْغَائِظِينَ ۝ إِلَىٰ لَمَّا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ۝ (الدھر: ۳۲-۳۸) (سراج البصیر)

حل لغات

”سَلَكَكُمْ“ اس میں ”سَلَكَ“ میثد واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت باب نصر ۱۰ نصر ۱۰ سے ہے اس کا معنی ہے: داخل ہونا راستے پر چلنا، کسی چیز کو داخل کرنا۔ آخر میں ”سَلَكُمْ“ ضمیر مخاطب متصل مفعول کی ہے۔ ”سَقَرٌ“ کاف مفتوح پڑھا جائے تو اس کا معنی ہے: دوزخ اور اگر کاف ساکن پڑھا جائے تو اس کا معنی ہے: شکر، تپش سورج کی گرمی۔ ”نَعُوضُ“ میثد جمع مکمل فعل مضارع معروف مثبت باب نصر ۱۰ نصر ۱۰ سے ہے اس کا معنی ہے: گھسنا، داخل ہونا، مشغول ہونا۔

۵۱۲۔ حَمَلَهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كَهْمَلٍ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَا يَبْقَى فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ ذَكَرَهُ اللَّهُ فِي هَذِهِ الْآيَةِ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ إِلَى الشَّافِعِينَ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی مسلمان دوزخ کی آگ میں باقی نہیں رہے گا ماسوا ان لوگوں کے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان (درج ذیل) آیات میں کیا ہے: ”مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ“ سے ”الشَّافِعِينَ“ تک۔ (سراج البصیر)

شفاعت کی اہمیت

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ شفاعت کے باب میں بہت زیادہ احادیث بیان کی گئی ہیں اور قریب ہے کہ یہ احادیث متواتر ہوں جیسا کہ ہمارے بزرگ و شیخ حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی نے ”ہدور السافر فی احوال الآخرة“ میں ان احادیث کو بیان کیا ہے اور یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مقتداء اور امام و پیشوا ہیں اور فساق و فاسقان مسلمانوں کو کچھ عرصہ کے لیے دوزخ کی آگ کے عذاب میں ذلیل و رسوا کیا جائے گا پھر انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور انہیں دوزخ کی آگ میں ہمیشہ کے لیے نہیں رکھا جائے گا ماسوا کفار کے۔ اور یہ قاعدہ اس (درج ذیل) آیت سے حاصل ہوا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ط (النساء: ۴۸-۱۱۶) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کرنے والے کو ہرگز نہیں بخشنے گا اور اس سے کم گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

سو یہ آیت خوارج اور معتزلہ دونوں فرقوں کے قول کے باطل و غلط ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہوں والے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور یہ آیت مرجمہ فرقہ کے قول کے فساد کی بھی واضح دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صدق دل سے ایک دفعہ پڑھ لیا وہ کبھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا اگرچہ وہ فاسق و فاجر اور گنہگار ہو اور اس

تقریر سے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ کے اعتقاد کی صحت و حقانیت واضح ہو گئی ہے اور جنہوں نے آپ کو مرجح کی طرف منسوب کیا ان کے قول کا بطلان بھی واضح ہو گیا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۹۷-۳۹۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت]

ہجرب کے معنی کا بیان

۱۳- بَابُ بَيَانِ مَعْنَى الْحَقْبِ

۵۱۳- حَقْبٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ قَالَ الْحَقْبُ لِمَا نَوْنُ سَنَةً يَنْتَهِي أَهْلُهَا عَدَدَ أَهْلِ الدُّنْيَا. ابن کثیر (ج ۳ ص ۵۹۵)

حضرت ابوصالح بیان کرتے ہیں کہ ایک ہجرب اتنی سال ہوگا جس میں سے چھ دن دنیا کے تمام دنوں کی تعداد کے برابر ہوں گے۔

ہجرب کی مقدار میں اختلاف

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ احقاب ہجرب کی جمع ہے اور ہجرب مدت دراز اور طویل و لمبے زمانے کو کہتے ہیں اور مفسرین کا اس کی مقدار میں اختلاف ہے:

- (۱) چنانچہ علامہ ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ حلال ہجری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے کہا: ایک ہجرب اتنی سال کا ہوتا ہے ہر سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے ہر مہینہ تین دن کا ہوتا ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔
- (۲) حضرت حسن بھری اور امام شافعی سے مروی ہے کہ ایک ہجرب ستر سال کا ہوتا ہے۔
- (۳) حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک ہجرب چالیس سال کا ہوتا ہے جس کا ہر دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے جسے تم دنیا میں سمجھتے ہو۔

(۴) حضرت بشیر بن کعب نے کہا کہ ایک ہجرب تین سو سال کا ہوتا ہے اور سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے اور نیز ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے اور ہر دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جسے تم سمجھتے ہو۔

- (۵) حضرت شافعی نے کہا: ارشاد باری تعالیٰ "لَا يَبْقَىٰ فِيهَا آخَفَاءٌ" میں احقاب سے سات سو ہجرب مراد ہیں جبکہ ہر ایک ہجرب ستر سال کا ہوتا ہے ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جسے تم سمجھتے ہو۔
- (۶) حضرت خالد بن معدان نے کہا: یہ آیت اور آیت "إِلَّا مَخَفَاءَ وَهَلَكٌ" یعنی جب تک رب تعالیٰ چاہے گا جہنمی جہنم میں رہیں گے یہ دونوں آیتیں اہل توحید کے بارے میں ہیں۔

(۷) امام ابن جریر نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ احقاب کی کوئی انتہاء اور اختتام نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت سالم سے مروی ہے کہ میں نے حضرت حسن سے سنا ہے آپ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "لَا يَبْقَىٰ فِيهَا آخَفَاءٌ" کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: احقاب کی کوئی تعداد اور انتہاء نہیں ہے بلکہ دو رخ کی آگ میں ہمیشہ رہنا مراد ہے البتہ اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ ایک ہجرب ستر سال کا ہوتا ہے جس کا ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جسے تم سمجھتے ہو۔

(۸) اور حضرت قتادہ نے بیان کیا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ "لَا يَبْقَىٰ فِيهَا آخَفَاءٌ" سے غیر محدود اور بے انتہاء زمانہ مراد ہے جس کا انقطاع اور اختتام نہیں ہوگا کیونکہ ایک ہجرب گزر جائے گا تو اس کے بعد دوسرا ہجرب شروع ہو جائے گا اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔

(۹) حضرت ربیع بن انس نے "لَا يَبْقَىٰ فِيهَا آخَفَاءٌ" میں کہا کہ احقاب کی مدت کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی نہیں جانتا اور ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ ایک ہجرب اتنی سال کا ہوتا ہے اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے اور اس کا ہر دن دنیا کے ہزار سال کے

برابر ہوتا ہے جسے تم کہتے ہو۔ [مختصر تفسیر ابن کثیر جلد ثالث ص ۵۹۲، مطبوعہ دار القرآن الکریم بیروت، لبنان، نیز تفسیر ابن کثیر معزم ج ۵ ص ۶-۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی]

۱۴۔ بَابُ بَيَانِ مَعْنَى الْحُسْنَى

حسنى کے معنی کا بیان

۵۱۴۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ قَرَأَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (تفسیر سراج المیر)

حضرت ابو الزبیر بیان کرتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ”وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى“ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تلاوت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تصدیق اور اقرار کرنا مراد ہے۔

”وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى“ سے توحید و رسالت کی تصدیق مراد ہے

یہ آیت سورۃ البیِّنہ کی ہے جس کی تفسیر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کلمہ توحید و رسالت کی تصدیق و تائید اور اقرار کے ساتھ کی ہے حضرت ابو عبد الرحمن السلمی اور حضرت ضحاک نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے اور حضرت عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر روایت کی ہے اور حضرت مجاہد نے اس کی جنت کے ساتھ تفسیر کی ہے لیکن پہلی تفسیر ہی اتم اور اکمل ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لاملی قاری ص ۱۶۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان]

حسنى کے متعدد مصداق

اس آیت میں ”حُسْنَى“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: حسن اور خوبی، اچھائی، عمدگی، نیکی اور سچائی۔

اس آیت میں نیک باتوں کے حسب ذیل محامل (معانی) ہیں:

(۱) حسنى سے مراد ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ کی تصدیق ہے یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور تقویٰ اختیار کیا اور توحید و رسالت کی تصدیق کی کیونکہ کفر و شرک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور گناہوں سے بچنے کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۲) حسنى سے مراد بدنی عبادات اور مالی عبادات کے فرائض ہیں یعنی جس شخص نے بدنی اور مالی عبادات کے فرائض کو ادا کیا اور احکام شریعہ کی تصدیق کی۔

(۳) حسنى سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس مال کا عوض اور بدل عطا فرماتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (۳۹)

اور تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا پورا بدل عطا فرمائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس مال کا بدل عطا فرما اور دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! بخیل کے مال کو ضائع کر دے۔ [صحیح البخاری: ۱۳۳۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۰، السنن الکبریٰ: ۹۱۷۸]

(۴) حسنى سے مراد اجر و ثواب ہے۔

(۵) حسنى سے مراد جنت ہے۔

(۶) حنفی سے مراد ہر اجمعی اور نیک خصلت ہے کیونکہ حنفی ایسا لفظ ہے جو ہر اجمعی اور نیک خصلت کی منجائش رکھتا ہے۔

[تفسیر جہان القرآن ج ۱۲ ص ۷۸۳-۷۸۴، مطبوعہ فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۳۲۔ کِتَابُ الْوَصَايَا وَالْفَرَائِضِ

۵۱۵۔ اَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوذُ فِي مَرَضٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْحَى بِمَا لِي كَلِمَةً لَأَنْ لَا أَقْلُبَ لِي نَفْسِي قَالَ لَا فَقُلْتُ كَيْفَ لَا تَدْعُ أَهْلَكَ يَتَكَلَّفُونَ النَّاسَ.

وَلَيْسَ بِرَوَايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى سَعْدٍ يَعُوذُ قَالَ أَوْصَيْتَ قَالَ نَعَمْ أَوْصَيْتَ بِمَا لِي كَلِمَةً فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَقَبَّضُ حَتَّى لَانَ الْفُلُكُ وَالْفُلُكُ كَخَيْرٍ.

وَلَيْسَ بِرَوَايَةٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ سَعْدٍ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوذُ لِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْحَى بِمَا لِي كَلِمَةً قَالَ لَا أَقْلُبُ لَهَا نَفْسِي قَالَ لَا أَقْلُبُ لَهَا لَفْلُكُ قَالَ لَهَا لَفْلُكُ وَالْفُلُكُ كَخَيْرٍ أَنْ تَدْعَ أَهْلَكَ بِخَيْرٍ خَيْرٌ مِمَّنْ أَنْ تَدْعَهُمْ عَالَةً يَتَكَلَّفُونَ النَّاسَ.

بخاری (۱۲۹۵) مسلم (۴۲۰۹) ابوداؤد (۲۸۲۴)

ترمذی (۱۱۶) نسائی (۳۶۶۵۳۶۵۶) ابن ماجہ (۲۷۰۸)

مسند احمد (۱۴۸۲) ابن خزیمہ (۲۳۵۵)

وصیتوں اور وراثت کے احکام

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ میری بیماری کے دوران میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنے کل مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے عرض کیا: تو نصف (۲ حصے) مال کی (وصیت کر دوں)؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے عرض کیا: ایک تہائی مال (کی وصیت کر دوں)؟ آپ نے فرمایا: ایک تہائی بہت ہے تم اپنے مال و حیا کو اس حال میں نہ چھوڑ جانا کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے پر مجبور ہو جائیں۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے آپ نے فرمایا: تم نے کوئی وصیت کی ہے؟ حضرت سعد نے عرض کیا: جی ہاں! میں نے اپنے تمام مال کی وصیت کر دی ہے! رسول اللہ ﷺ اس میں کمی کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: صرف ایک تہائی اور ایک تہائی بہت ہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عطاء اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سعد نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے تمام مال کی وصیت کرتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! تو میں نے عرض کیا: نصف مال کی (میں وصیت کرتا ہوں)؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے عرض کیا: تو ایک تہائی کی؟ آپ نے فرمایا: ایک تہائی بہت ہے (یعنی کافی ہے) اگر تم اپنے گمراہوں کو مال دار چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو محتاج و فقیر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے پر مجبور ہو جائیں۔

مل لغات

”اَوْجِیسی“ صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے اس سے پہلے ہمزہ استفہام محذوف ہے اس کا معنی ہے: وصیت کرنا، عہد لینا، حکم دینا، وصیت جاری کرنے والا مقرر کرنا۔ ”یتکلفون“ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: ہاتھ اٹھائیوں سمیت پھیلی پھیلاتا، دراز کرنا، مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلاتا۔

ورثاء کے علاوہ باقی قرابت داروں کے لیے ایک تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے

میراث کے حکم سے پہلے ابتدائے اسلام میں وصیت کرنا واجب تھا، یہی قول صحیح اور ٹھیک ہے لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا اب ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بغیر وصیت کے لے لے گا، سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجه سے حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے، سو اب کسی وارث کے لیے کوئی وصیت جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ بقرہ کی تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے تو فرمایا: یہ آیت منسوخ ہے۔ [مسند احمد]

اور بعض مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے اور جن کا ورثہ مقرر نہیں ہے ان کے حق میں وصیت کا حکم باقی اور ثابت ہے ابن عباس، حسن، مسروق، طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد کا وہ بھی یہی ہے لیکن ان حضرات کے اس قول کی بناء پر پچھلے فقہاء کی اصطلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھہرتی اس لیے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ اس حکم سے مخصوص ہو گئے، جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا ہے اور وہ اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قرابت دار عام ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو، سو اب وصیت صرف ان ہی کے لیے باقی رہے گی جو وارث نہیں اور ان لوگوں کے حق میں وصیت باقی نہیں رہی جو وارث ہیں یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا اور وہ بھی واجب اور ضروری نہیں ان دونوں کا مطلب تقریباً ایک ہو گیا، البتہ جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور عمارت کی روانی اور سیاق کلام سے بھی یہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے نزدیک تو یہ آیت منسوخ ہی ٹھہرے گی جیسا کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کرام کا قول ہے، پس والدین اور ورثہ پانے والے قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا بالاجماع منسوخ ہے بلکہ ممنوع ہے کیونکہ حدیث میں آچکا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے اب وارث کے لیے کوئی وصیت جائز نہیں، آیت میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ واجب اور فرض ہے باقی رہ گئے وہ قرابت دار جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے لیے ایک تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے۔ [ماخوذ از مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۵، مطبوعہ دار القرآن الکریم بیروت، لبنان، نیز تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۱، پارہ دوم ص ۳۰-۶۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ تمہارا اپنی وفات کے قریب اپنے مال میں سے ایک تہائی مال بطور وصیت اللہ تعالیٰ کے لیے دینا تمہارے لیے اجر و ثواب کے اضافہ کا باعث بنے گا اس کو امام طبرانی نے خالد بن عبید سلمی سے روایت کیا ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ وصیت ایک تہائی مال تک ہے اور ایک تہائی بہت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمہارا اپنا مال خرچ کرنا صدقہ ہے اور تمہارا اپنے بچوں پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے اور اپنی بیوی کو اپنے مال میں سے کھانا بھی صدقہ ہے اگر تم اپنے اہل خانہ کو مال دار چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو اس حال میں چھوڑ جاؤ کہ وہ غربت کے مارے لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔

اور مسند احمد، شیخین اور سنن ابوداؤد کی روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ وصیت ایک تہائی مال میں ہے اور ایک تہائی بہت ہے کیونکہ اگر تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج و غریب چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے پھریں، بے شک تم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کر دے اس پر تمہیں اجر و ثواب عنایت کیا جائے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں دو گے اس پر بھی تمہیں اجر و ثواب عنایت کیا جائے گا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۲۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان]

کیا مسلمان نصرانی کا

وارث بن سکتا ہے

۱۔ بَابُ هَلْ يُوْرَثُ

الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِيَّ

۵۱۶۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاقَ لَا يُوْرَثُ الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِيَّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ عَبْدَهُ أَوْ أَمَةً۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان نصرانی کا وارث نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ نصرانی اس کا غلام ہو یا لونڈی ہو۔

بخاری (۶۷۶۴) مسلم (۴۱۴۰) ابوداؤد (۲۹۱۱) ترمذی (۲۱۰۷) ابن ماجہ (۲۷۲۹-۲۷۳۱) دارقطنی (ج ۳ ص ۴۳-۴۵)

حل لغات

”لَا يُوْرَثُ“ سینہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع خفی، بَابُ حَضَرَتْ يَحْضَرُ بٌ اور حَسَبَ يَحْضَبُ دونوں سے آتا ہے اس کا معنی ہے: وارث بننا۔

وراثت کے لیے اتحاد دین ضروری ہے

علم میراث میں وراثت کے اصولوں میں ایک اصول اتحاد دین ہے یعنی وراثت تب جاری ہوگی جب وارث اور مورث دونوں کا دین حمد اور ایک ہوگا، لیکن اختلاف دین کی صورت میں وراثت جاری نہیں ہوگی چنانچہ امام بخاری نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ ”لَا يُوْرَثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ“ یعنی مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا اور اس حدیث کو دیگر ارباب صحاح نے بھی حضرت اسامہ سے نقل کیا ہے۔ اور ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے کہ علمائے اسلام نے کہا ہے کہ عیسائی غلام فوت ہو جائے تو اس کا ترکہ اس کے مولیٰ اور آقا کو غلام کی غلامیت کی بناء پر ملے گا، کیونکہ غلام کا ملک صحیح نہیں بلکہ خود غلام اور اس کا مال وغیرہ اس کے آقا کی ملکیت میں ہوتا ہے سو اس لیے اس کے ترکہ کا مستحق اس کا آقا ہوگا، لیکن بطور میراث نہیں بلکہ بطور عہدیت و غلامیت حق دار ہوگا، چنانچہ مسند امام اعظم کی اس حدیث میں اسی کا اثبات کیا گیا ہے پھر مسلم و کافر کے درمیان تو ارث کے مسئلہ میں صورت حال یہ ہے کہ اس بات پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں، سو صحابہ کرام تابعین عظام اور دیگر علمائے اسلام میں سے جمہور (یعنی اکثر) کا مذہب یہ ہے کہ جس طرح کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا اسی طرح مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے، البتہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت امیر معاویہ، حضرت سعید بن مسیب اور حضرت مسروق کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ”الْإِسْلَامُ بِعَمَلِهِ وَلَا يُعْلَمُ“ یعنی اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا اور یہ صحیح حدیث ہے، لیکن یہ انہیں مفید نہیں ہے کیونکہ اس میں تو صرف اسلام کی فضیلت و عظمت اور اس کی حقانیت بیان کی گئی ہے اس حدیث کا وراثت سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ بَابُ الْحَاقِ الْقَرَائِنِ بِأَهْلِهَا

۵۱۷۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَقُّوا
الْقَرَائِنَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلَا وَلِيَّ رَجُلٍ ذَكَرَ.

بخاری (۶۷۴۶) مسلم (۴۱۴۱) مسند احمد (۲۶۵۷)

وراثت ذوی القروض کو دینا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم وراثت کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو اور جو باقی بچ جائے وہ سب سے زیادہ قرابت دار مرد کو دے دو۔

حل لغات

”الْحَقُّوا“ میں جمع مذکر حاضر فعل امر معروف حاضر باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: لائق کرنا ملانا دینا۔ ”الْقَرَائِنُ“ یہ ”قَرْبَةُ“ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: فرض زکوٰۃ مقرر کردہ حصہ یہاں آخری معنی مراد ہے۔

وراثت کی تقسیم کا طریقہ

یاد رہے کہ میت کے مال کو میراث اور ترکہ کہا جاتا ہے یہاں ترکہ بمعنی متروکہ ہے یعنی میت کا چھوڑا ہوا مال اور اس کے ساتھ چار حقوق متعلق ہوتے ہیں:

(۱) سب سے پہلے میت کے ترکہ میں سے اس کی قبیلہ و یمنین میانہ روی کے ساتھ عمل میں لائی جائے گی۔

(۲) اس کے بعد باقی مال میں سے میت کا قرضہ اگر کچھ ہو تو ادا کیا جائے گا۔

(۳) پھر اس کے بعد میت نے وصیت کی ہو تو وہ اس کے ٹکٹ مال یا اس کے اندر ادا کی جائے گی۔

(۴) پھر اس کے بعد باقی مال کو سب سے پہلے میت کے ان ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا جن کا وارث ہونا کتاب وصیت اور اجماع سے ثابت ہے انہیں کو اسباب فرض اور ذوی القروض کہا جاتا ہے۔ (باقی ورثاء کی تفصیل سرائی میں ملاحظہ فرمائیں)

اور یہ کل بارہ اشخاص ہیں اور ان میں سے چار مرد ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) باپ (۲) دادا یعنی باپ کا باپ چاہے اوپر کا درجہ ہو (۳) اخیانی بھائی یعنی ماں شریک بھائی (۴) شوہر۔ اور آٹھ عورتیں ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) بیوی (۲) بیٹی (۳) پوتی چاہے نیچے درجہ کی ہو (۴) حقیقی بہن (۵) باپ شریکی بہن یعنی علانی بہن (۶) ماں شریکی بہن یعنی اخیانی بہن (۷) ماں (۸) جدہ صحیحہ یعنی باپ کی ماں دادا دادی کی ماں نیز ماں کی ماں یعنی نانی اور نانی کی ماں یعنی ماں کی نانی جہاں تک اوپر ہو سکے اگر ذوی القروض کو دینے کے بعد ترکہ میں سے کچھ مال باقی بچ جائے تو پھر میت کے سب سے زیادہ قرابت دار مرد کو حصہ دیا جائے گا جیسے باپ کا ذوی القروض کی بناء پر چھٹا حصہ بنتا ہے وہ اس کو دے دیا گیا اور دوسرے وارثوں کو بھی ان کا مقرر کردہ حصہ دے دیا گیا لیکن ترکہ میں سے کچھ مال بچ گیا تو اب چونکہ تمام مذکورہ ورثاء کی نسبت میت کا باپ اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے اس لیے حصہ ہونے کی بناء پر باقی بچے ہوا مال بھی اسی کو دے دیا جائے گا۔

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ مسند کی اس حدیث کو بعینہ امام احمد بخاری و مسلم اور ترمذی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۸۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

آزاد کردہ غلام کی میراث کا حکم

حضرت عبداللہ بن شداد نقل کرتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ کی بیٹی نے ایک غلام آزاد کیا پھر وہ فوت ہو گیا اور اپنی ایک بیٹی چھوڑ گیا پس

۳۔ بَابُ حُكْمِ مِيرَاثِ الْعَبْدِ الْمُعْتَقِ

۵۱۸۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خُذَّادٍ أَنَّ ابْنَةَ لِحْمَزَةَ أَعْتَقَتْ مَمْلُوكًا فَمَاتَ فَتَرَكَ

إِبْنَةُ فَأَعْطَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِبْنَةَ
الْبَيْضَ وَأَعْطَى ابْنَةَ خُمَزَةَ الْبَيْضَ.

ابن ماجہ (۲۷۳۴)

مذکورہ بالا تقسیم کی وجہ

واضح رہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن شداد حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی جن کا نام فاطمہ اور بعض روایات کے مطابق عمارہ ہے کے اخیانی بھائی ہیں کیونکہ ان دونوں کی والدہ حضرت سہلی بنت ممیس ہیں جو پہلے حضرت امیر حمزہ کے نکاح میں تھیں اور ان سے صرف یہی ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی پھر فرزہٴ اُحد میں حضرت امیر حمزہ کی شہادت کے بعد حضرت سہلی بنت ممیس نے حضرت شداد بن الحارث سے نکاح کر لیا اور ان سے حضرت عبداللہ پیدا ہوئے سو اس لیے یہ دونوں اخیانی بہن بھائی یعنی ماں شریک بہن بھائی ہیں اور چونکہ اس مرنے والے غلام کی صرف ایک بیٹی تھی اور قرآن مجید نے میت کی صرف ایک بیٹی ہونے کی صورت میں اس کا کل مال میں سے نصف حصہ مقرر کیا ہے سو اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس کو نصف مال دیا اور چونکہ اس کا کوئی دوسرا رشتہ دار موجود نہیں تھا اس لیے آپ نے حضرت امیر حمزہ کی بیٹی کو عصبہ سہمی کی بناء پر بقیہ نصف مال عنایت فرمادیا کیونکہ امام احمد اور امام طبرانی نے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "الْوَلَاءُ لِمَنْ أَحَقُّ" یعنی ولاء (غلام کا ورثہ) اسی شخص کا حق ہے جس نے غلام کو آزاد کیا۔ [شرح مسند امام اعظم لاسطائل تاریخ ص ۲۶۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

یتیم کا مال ناحق کھانا ظلم ہے

۴۔ بَابُ أَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ بِغَيْرِ حَقِّ ظَلَمٌ

۵۱۹۔ اَمْوَ حَنِيفَةٍ مِّنَ الْيَتَامَىٰ غَنِ الشَّعْبِ غَنَ
مُسْرُوٰی عَنْ عَالِشَةَ رَّحِمَى اللَّهِ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا تَوَلَّاتُ
إِنَّ الْيَتَامَىٰ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ
مِمَّا بَطَلُوا مِنْهُمَ تَارًا وَيَسْأَلُونَ سَعِيرًا ۖ (انعام: ۱۰۰)
عَدَلٌ مِّنْ عَمَلٍ يَّعُولُ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ فَلَمْ يَقْرَأُواهَا
وَشَقَىٰ عَلَيْهِمْ جَفَظُهَا وَخَاوُوا الْإِيْمَةَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ
فَنَزَلَتْ الْآيَةُ فَعَقَّبَتْ عَلَيْهِمْ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ
قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ (البقرہ: ۲۲۰)
الْآيَةُ. ابوداؤد (۲۸۷۱) نسائی (۳۶۹۹) مسند احمد (۳۰۰۳)

مسند رک سلحا کم (ج ۲ ص ۲۷۸)

حضرت عائشہ صدیقہ فخرتہ بیان کرتی ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی: ہے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں بلاشبہ وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھرتے ہیں اور وہ متقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ تو وہ لوگ جو یتیموں کی سرپرستی کرتے تھے وہ (ظلم کے خوف سے) الگ تھلگ ہو گئے اور وہ ان کے نزدیک نہ جاتے اور ان پر اس مال کی حفاظت دیکھ بھال مشکل ہو گئی اور انہیں اپنے آپ پر گناہ کا اندیشہ ہو گیا پھر یہ (درج ذیل) آیت نازل ہوئی تو ان پر تخفیف کر دی گئی: اور وہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ (ان سے) فرمائیے: ان کی اصلاح بہتر ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

حل لغات

”يَعُولُ“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کفالت کرنا خبر گیری کرنا دیکھ بھال کرنا۔ ”شَقَى“ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کام کا دشوار ہونا کسی کو مشقت میں ڈالنا مشکل میں پڑنا۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے کہ پہلے یہ حکم نازل ہوا کہ ”وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“ یعنی تم یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو سب سے بہترین طریقہ ہو نیز یہ فرمایا گیا تھا کہ: **إِنَّ الْيَتِيمَ يُكَلِّفُونَ أَمْوَالَ الْيَتِيمِ ظُلْمًا إِنَّهُمْ يُكَلِّفُونَ لِي بِأَمْوَالِهِمْ نَارًا وَهُمْ لَا يُؤْلَوْنَ سَوِيًّا** ○
بے شک جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے بچوں میں آگ بھڑک رہے ہیں اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں عنقریب داخل ہوں گے ○ (النساء: ۱۰)

سوان آجوں کو سن کر ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی اور سرپرست تھے یتیموں کا کھانا ان کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور اپنے گھر کے پانی سے بالکل جدا اور الگ کر دیا اب اگر اس کا پکا ہوا کھانا نکالتا تو اسے الگ روک کر رکھ دیا جاتا یہاں تک کہ وہ خود ہی اسے دوسرے وقت کھالے یا خراب ہو جائے اس طرح ایک طرف تو ان یتیموں کا نقصان ہونے لگا دوسری جانب یتیموں کے سرپرست و حاکمین بھی تنگ آ گئے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ کیا کریں چنانچہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس عمل اور پریشانی کا کرکھا تو یہ آیت نازل ہوئی: **”وَتَسْلُطُ عَلَيْكَ مِنَ الْيَتَامَىٰ كُلُّ إِصْلَاحٍ لَهُمْ خَيْرٌ وَذَانِ تَعْلُطُوهُمْ لَعْنُوا أَنْكُمْ“** اور انہیں تنگ نئی اور دیانت داری کے ساتھ یتیموں کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی اجازت دی گئی البتہ انسانی دھرم میں یہ روایتیں موجود ہیں اور سلف کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کا شان نزول یہاں بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یتیم کے ذرا ذرا سے مال کی اس طرح حفاظت و دیکھ بھال کرنا سخت مشکل ہے کہ اس کا کھانا الگ ہو اور اس کا پینا الگ ہو اور **”كُلُّ إِصْلَاحٍ لَهُمْ خَيْرٌ“** سے یہی علیحدگی مراد ہے لیکن پھر **”وَذَانِ تَعْلُطُوهُمْ“** فرما کر ان کے کھانے پینے کو اپنے کھانے پینے میں ملا جلا کر رکھنے کی اجازت دی گئی اس لیے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں البتہ نیت نیک ہونی چاہیے قصہ اور ارادہ اگر یتیم کی نقصان رسانی کا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی حفاظت و نگہبانی ہے تو اسے بھی وہ علام الغیوب خوب جانتا ہے پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں تکلیف و مشقت میں مبتلا نہ رکھنا چاہتا جو تنگی اور حرج تم پر یتیم کا کھانا پینا بالکل جدا رکھنے میں تھا وہ اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیا اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنریا رکھنا اور ملا جلا کر کام کرنا تمہارے لیے مباح قرار دے دیا بلکہ یتیم کا والی اگر فقیر و مسکین ہو تو وہ دستور کے مطابق اپنے خرچ میں لاسکتا ہے اور اگر کسی مال دار نے یہ وقت ضرورت اس کی کوئی چیز کام میں لے لی تو پھر ادا کر دے۔ [مفسر تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۳-۱۹۴ عربی مطبوعہ دار القرآن الکریم بیروت] تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۱ ص ۸۳ پارہ دوم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی]

یتیم کب تک رہتا ہے

۵۔ بَابُ مَتَىٰ يَكُونُ الْيَتِيمُ

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بالغ ہو جانے کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔

۵۲۰۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُكَدَّرِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتِمُّ بَعْدَ الْحُلُمِ.

(ابن کثیر (۲۸۷۳) ابن کثیر (۲۴۳۲) سنہ شہاب (۷۸۲)

حل لغات

”لا یتیم“ اس میں یاء مضمومہ اور تاء ساکن ہے اور یہ یتیم کا مصدر یہی ہے یعنی یتیم میں بلوغت کے بعد یتیمی کا وصف باقی نہیں

رہتا اور یتیم اس نابالغ بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔ ”أَلْعَلَمُ“ اس میں حام اور لام دونوں مضموم ہیں اور اس کا معنی ہے: بالغ ہونا بلوغت بلوغ۔

یتیمی بلوغت تک ہے

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام ابو داؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور نہ چپ رہنا ہے سارا دن رات تک اور یہ (درج ذیل) آیت سے مستفاد ہے:

وَابْتَغُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ

یعنی تم یتیموں کو نکاح کی عمر تک آراستے رہو یعنی بالغ ہونے (النساء: ۶) تک۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۱۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہاں نکاح سے مراد بلوغت ہے حضرت مجاہد کا یہی قول ہے اور جمہور علماء کے نزدیک لڑکے کی بلوغت بھی احتلام کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ لڑکا خواب میں دیکھے کہ آلہ تناسل سے بچے کی پیدائش کا مادہ خاص پانی اُچھل کر نکلتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان خوب یاد کر رکھا ہے کہ احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور نہ سارا دن رات تک خاموش رہنا ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دوسری حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عین قسم کے لوگوں سے (مکلف و ذمہ دار بنانے کا) قلم اٹھایا گیا ہے: (۱) بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے (۲) سوتے ہوئے آدمی سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے (۳) اور جھون (دیوانے) سے یہاں تک کہ وہ ہوش میں آجائے۔ پس ایک علامت بلوغت ہے اور دوسری علامت پندرہ سال ہے اور یہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ اُحد کی لڑائی کے دن مجھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور اس وقت میری عمر چودہ سال تھی سو آپ نے مجھے اجازت نہیں دی اور غزوہ خندق کے دن میری عمر پندرہ سال تھی تو آپ نے مجھے شرکت کی اجازت دے دی اور جب یہ حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: بالغ اور نابالغ کی یہی حد ہے اور بلوغت کی تیسری علامت زیر ناف بالوں کا نکلتا ہے چنانچہ فرمایا ابی عبیدہ میں ہے کہ ایک لڑنے والے ایک نوجوان لڑکی کی نسبت کہا کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے اور دراصل یہ تہمت تھی حضرت عمر نے اس پر حد لگانا چاہی لیکن فرمایا: دیکھ لو! اگر اس کے زیر ناف بال اُگ آئے ہوں تو اس پر حد لگاؤ ورنہ نہیں۔ [تفسیر صفحہ ۱۸۱ کفر ص ۳۵۸ مطبوعہ دار القرآن الکریم بیروت]

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

قیامت کا منظر اور جنت کی صفات

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک قیامت کا دن حسرت و انہوس اور عداوت و پشیمانی کا دن ہوگا۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۳۳۔ کِتَابُ الْقِيَمَةِ وَصِفَةِ الْجَنَّةِ

۵۲۱۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيٍّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذُوْ حَسْرَةٍ وَ نَدَامَةٍ.

مسند الحارثي (۷۵۷)

۵۲۲۔ أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ

عَنْ أَمِّ هَانِئٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَئِنْ لَمْ يَنْقُضْ دُورُ حَسْرَةٍ وَنَدَامَةٍ
فَرَمَا: بے شک قیامت کا دن حسرت و افسوس اور ندامت و
شرمندگی کا دن ہوگا۔

قیامت کا دن کفار کے لیے حسرت و ندامت کا دن ہوگا

یاد رہے کہ صحاح میں ایسی بہت سی احادیث وارد ہیں جو ان مذکورہ بالا دونوں احادیث کے مضمون کی تائید و تصدیق کرتی ہیں اور ان دونوں کے معانی کا افادہ کرتی ہیں۔ علامہ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ مفہوم و معنی اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے مستفاد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ○ (مریم: ۳۹)

اور (اے محبوب!) آپ انہیں حسرت کے دن کا ڈر سناتے رہیں
جب ہر معاملہ کا فیصلہ کیا جائے گا حالانکہ (آج) وہ غفلت میں ہیں اور
وہ ایمان نہیں لاتے ○

اور احادیث میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن جنتی حضرات حسرت و افسوس نہیں کریں گے مگر انہیں اوقات پر جن میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا ہوگا اسے امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ درحقیقت اس دن حسرت و افسوس اور غم و رنج صرف کفار و مشرکین کو ہوگا کیونکہ انہیں کفر و شرک کی بناء پر ہمیشہ ذلت و رسوائی اور عذاب و دوزخ میں مبتلا رکھا جائے گا اور ان کے بعد فاسقوں، فاجروں اور نافرمانوں کو اپنے بدترین اور بُرے اعمال کرنے پر حسرت و ندامت اور رنج و غم لاحق ہوگا لیکن جنتی حضرات کو یہ ظاہر تصور اس افسوس ہوگا جس پر ان کے حق میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قیامت کا دن ان کے لیے حسرت و ندامت کا دن ہوگا پھر معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے ہاں مسند امام اعظم کے موجودہ نسخوں میں اسناد اور متن کے تکرار کے ساتھ اسی طرح موجود ہے اس لیے ہم نے اس کو بیحد نقل کیا ہے اور ان دونوں احادیث کے اسناد اور متن میں یہ ظاہر کوئی فرق نہیں البتہ پہلی حدیث میں لفظ ”یوم“ موجود ہے یعنی ”إِنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ ہے جبکہ دوسری حدیث میں لفظ ”یوم“ کے بطور صرف ”ان القیامۃ“ ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ احادیث کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر اور ترتیب کا بھی لحاظ رکھتے ہیں بھلا آپ الفاظ میں حروف کا لحاظ کیوں نہیں رکھیں گے جیسا کہ تم اس مسند میں اول سے آخر تک دیکھ لو گے اور یہی بات تکرار متن وغیرہ کا باعث ہے۔

[تسبیح النظام فی شرح مسند الامام ص ۲۳۴ حاشیہ ۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

علامہ ابو محمد حسین بن مسعود القراء البغوی الشافعی لکھتے ہیں:

جب حساب سے فراغت کے بعد جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔
(۱) چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موت کو سر کی مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور منادی نداء دے گا: اے اہل جنت! تو وہ اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے سو منادی ان سے کہے گا: کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور سب لوگ اس کو دیکھ چکے ہیں پھر منادی نداء دے گا: اے اہل دوزخ! سو وہ بھی اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے تو منادی ان سے کہے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ چکے ہیں پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا پھر وہ منادی کہے گا: اے اہل جنت! اب دوام دیکھتی ہے! پس موت نہیں! اے اہل دوزخ! اب دوام دیکھتی ہے! پس موت نہیں! پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ○“ (مریم: ۳۹)۔

(۲) حضرت امین عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا یہاں تک کہ اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کر دیا جائے گا پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا پھر ایک منادی ندا دے گا: اے اہل جنت! اب موت نہیں رہی! اور اے اہل جہنم! اب موت نہیں رہی! چنانچہ یہ اعلان سن کر اہل جنت کئی گنا زیادہ خوش ہوں گے اور دوزخی کئی گنا زیادہ غمگین ورنجیدہ ہو جائیں گے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر جنتی کو پہلے دوزخ میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا کہ اگر وہ بُرے کام کرتا (تو اس کا یہ ٹھکانہ ہوتا) پھر اسے جنت میں داخل کیا جائے گا تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرے اور ہر دوزخی کو پہلے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا کہ اگر وہ نیک کام کرتا (تو اس کا یہ ٹھکانہ ہوتا) پھر اس کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا تا کہ اسے حسرت و افسوس ہو۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص فوت ہوتا ہے تو وہ نادم و شرمندہ ضرور ہوتا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کس بات پر نادم و شرمندہ ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ نیک ہوتا ہے تو وہ اس بات پر نادم ہوتا ہے کہ اس نے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کیں اور اگر وہ بُرا ہوتا ہے تو وہ اس بات پر نادم ہوتا ہے کہ وہ (گناہوں سے) باز کیوں نہیں آیا۔ [تفسیر معالم المتوکل ج ۳ ص ۱۹۶-۱۹۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان]

جنت کے ایک شہر

اور حور عین کی صفت

۱۔ بَابُ صِفَةِ حَدِیْنِ

الْجَنَّةِ وَالْحُورِ الْعِیْنِ

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت میں ملک کا ایک شہر پیدا کر رکھا ہے جس کی خوشبو بہت پاکیزہ اور عمدہ ہے اس کا پانی مسہیل نہر کا ہے اور اس کے درخت نور سے پیدا کیے گئے ہیں جس میں بہت خوبصورت حوریں ہیں ہر حور کی ستر تین ہیں اگر ان میں سے صرف ایک لٹ زمین میں روشن ہو جائے تو مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز کو وہ ضرور چمکادے گی اور اس کی بہترین پاکیزہ اور عمدہ خوشبو کی وجہ سے زمین و آسمان کے درمیان ساری فضاء ضرور بھر جائے گی سو صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ نعمتیں کس لیے ہے ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قرض کا تقاضا کرنے میں نرمی اختیار کرے گا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اگر حور عین کی صرف ایک لٹ روشن ہو جائے تو مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز کو چمکادے اور آسمان و زمین کی تمام فضاء بھر جائے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک شہر ہے جسے عمدہ خوشبو

۵۲۳۔ اَبُو حَنِیْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیٍّ وَ قَالَتْ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ مِنَ الْجَنَّةِ مَدِیْنَةً مِّنْ مَّسَلِیْ اَذْفَرَ مَآوِہَا السَّلْسَبِیْلُ وَ شَجَرُہَا خُلِقَتْ مِّنْ نُورٍ فِیْہَا حُورٌ حَسَنَاتٌ عَلٰی كُلِّ وَاحِدَةٍ سِتْرٌ ذَوَانَةٌ لِّوَاْنٍ وَاحِدَةٍ مِّنْہَا اُشْرُفَتْ فِی الْاَرْضِ لَا حَآثَتْ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِیِّ وَالْمَغْرِبِ وَلَمَلَاتْ مِّنْ طِیْبٍ رَّیْحَہَا مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَنْ هٰذَا قَالَ لِمَنْ تَمَنَّٰ مَسْعًا فِی النَّفَاسِ

وَفِیْ رِوَاۓ قَالَ لَوْ اَنَّ وَاحِدَةً مِّنَ الْحُورِ الْعِیْنِ اُشْرُفَتْ لَا حَآثَتْ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِیِّ وَالْمَغْرِبِ وَلَمَلَاتْ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ مِنْ طِیْبِہَا وَفِیْ رِوَاۓ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ مَدِیْنَةً خُلِقَتْ مِّنْ مَّسَلِیْ اَذْفَرَ

مُخْلَفَةٌ نَحْتُ الْعَرْشِ وَشَجَرَتَيْنِ النُّورِ وَمَاوَاهَا
السَّلْسَبِيلُ وَخُورٌ عَنْهَا خُلِقَتْ مِنْ نَبَاتِ الْجَنَّةِ
عَلَى كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ سَبْعُونَ ذَوَابَّةً لَوْ أَنَّ وَاحِدَةً
مِنْهُنَّ عُلِقَتْ فِي الْمَشْرِقِ لَأَضَاءَتْ أَهْلَ الْمَغْرِبِ.

بخاری (۲۷۹۶) ترمذی (۱۶۵۱) مسند الحارثی (۷۴۵) روشن کر دے۔

حل لغات

”مِسْكٌ“ مشہور خوشبو جسے مشک بھی کہا جاتا ہے۔ ”حَمِيْنًا“ حسین و جمیل خوبصورت۔ ”ذَوَابَّةٌ“ چوٹی پیشانی کے بال جوڑا میٹھ حیاں بالوں کی ٹیس۔ ”لَا ضَاءَ ت“ اس میں لام ابتدا سے برائے تاکید اور ”أَضَاءَ ت“ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: روشن کرنا چمکانا اجالا کرنا۔ ”مَسْجَعًا“ محل و آسان ہونا نرم ہونا فیاض دینی ہونا۔

جنت اور حوروں کی صفات

حوروں کی صفات میں بہت سی احادیث وارد ہیں جیسے:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث منقول ہے کہ حور عین کو زعفران سے پیدا کیا گیا ہے اسے ابن مردویہ اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں تخریج کیا ہے۔

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حور عین کو فرشتوں کی تسبیح سے پیدا کیا گیا ہے اسے ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔

(۳) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں ہے کہ حور عین کو زعفران سے پیدا کیا گیا ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم الکبیر میں تخریج کیا ہے۔

(۴) امام بخاری نے جنت اور روزخ کی صفت میں حضرت ام حارثہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ اگر جنتی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو زمین و آسمان کے درمیان کی ساری فضاء روشن ہو جائے اور ان کی ساری فضاء خوشبو سے بھر جائے اور اس کا ایک دوپٹہ تمام دنیا اور اس کے سارے سامان سے زیادہ خوبصورت و عمدہ اور بہترین ہے۔

(۵) ارشاد الساری شرح بخاری میں بیان فرمایا ہے کہ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی ہے کہ اگر جنتی خاتون اپنا دوپٹہ دنیا میں ظاہر کر دے تو اس کے حسن کے مقابلہ میں سورج اس طرح ماند پڑ جائے گا جس طرح سورج کے سامنے چراغ کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے اور اگر وہ اپنے حسین و جمیل چہرے کو عیاں کر دے تو اس کا حسن و جمال زمین و آسمان کے درمیان ساری فضاء کو روشن کر دے گا اور اگر وہ اپنی ہتھیلی کو ظاہر کر دے تو تمام مخلوق اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو جائے گی۔ [تسبیح النہام فی شرح مسند الامام ص ۲۳۴ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

(۶) امام طبرانی اور الضیاء نے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ اگر جنتی عورتوں میں سے کوئی

ایک عورت زمین پر اپنی روشنی ڈال دے تو تمام روئے زمین ملک کی خوشبو سے بھر جائے گی اور شمس و قمر کی روشنی رخصت ہو جائے گی۔

(۷) امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ اگر جنت کی حسین و جمیل چیزوں میں سے کوئی ایک چیز دنیا کے سامنے لائی جائے تو زمین آسمانوں اور پہاڑوں کی ہر جگہ روشن و آراستہ اور خوبصورت ہو جائے اور اگر جنتی آدمی اپنے ہاتھوں میں پہنے ہوئے کنگنوں میں سے صرف ایک کڑا نکال کر دے تو وہ سورج کی روشنی کو اس طرح مٹا دے گا جس طرح سورج کی روشنی ستاروں کی روشنی کو مٹا دیتی ہے۔

(۸) امام غزالی نے اپنی کتاب منہاج العابدین میں ذکر کیا ہے کہ امام سفیان ثوری کے بعض شاگردوں نے آپ کی دینی مسائل میں مصروفیت اور اجتہادی تحقیقات میں شدید محنت و مشقت اور خوفِ الہی کی وجہ سے آپ کی حالت زار دیکھی تو انہوں نے آپ سے بات چیت کی اور عرض کیا کہ اے ہمارے استاذ و محترم! اگر اس قدر شدید محنت و مشقت قدرے کم کر دیں تو پھر بھی ان شاء اللہ العزیز آپ اپنی مراد کو حاصل کر لیں گے آپ نے یہ بات سن کر فرمایا: میں اپنی محنت و کوشش کیوں نہ جاری رکھوں حالانکہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جنتی حضرات اپنے جنت کے محلات میں ہوں گے کہ ان پر ایک عظیم الشان نور جلوہ گر ہوگا جس کی وجہ سے انہوں جتنیں جگمگا اٹھیں گی سو جنتی حضرات یہ خیال کریں گے کہ یہ رب تعالیٰ کے نور کی بجلی ہے چنانچہ وہ سب رب تعالیٰ کے حضور سجدہ و ریز ہو جائیں گے تو انہیں پکار کر کہا جائے گا کہ تم اپنے سروں کو اوپر اٹھاؤ کیونکہ یہ وہ نور نہیں ہے جو تم خیال کر رہے ہو بلکہ یہ تو جنتی لوٹھی کا نور ہے جو اپنے شوہر کے سامنے سکر اپڑی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۷۲-۷۳-۷۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان]

قال جامعہ الشیخ المحقق العلامة الفہامۃ
مولانا الشیخ محمد عابد السندی الانصاری هذا
آخر ما وجدته من رواية المصنف في مسند
الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان رحمہ اللہ والحمد
للہ الذی عم نوالہ علی العباد والصلوة علی رسولہ
محمد المصطفیٰ وعلی آلہ واصحابہ الامجاد
اس کتاب کے جامع اور مؤلف شیخ محقق علامہ فہامہ مولانا شیخ محمد
عابد سندھی انصاری نے فرمایا کہ مسند امام اعظم ابی حنیفۃ النعمان رحمہ اللہ کی
یہ آخری روایت ہے جو مجھے امام فہامہ کی روایت سے ملی ہے اس پر اللہ
تعالیٰ کا بے حد شکر ہے جس کے احسانات و انعامات تمام بندوں کو شامل
ہیں اور اس کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر رحمت کاملہ اور
سلامتی کا ہمیشہ نازل ہوتا رہے اور آپ کے آل و صحابہ کرام پر۔

فقط۔

اظہار تشکر

اللہ تعالیٰ کا بے حد و بے شمار شکر ہے جس نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے مجھ جیسے کم علم عاصی اور مستکین و فقیر کو اپنے حبیبِ نبی
کریم ﷺ کی احادیث کے ترجمہ و تشریح کی خدمت کا موقع عطا فرمایا اور اس مسند کے اول سے لے کر آخر تک ہر مشکل میں مدد
فرمائی، سو اس لیے آج بہ روز جمعہ المبارک بتاریخ ۵ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ بمطابق ۱۲ نومبر ۲۰۱۰ء صبح آٹھ بجے مسند امام اعظم کا ترجمہ
اور اس کی شرح کی تصنیف کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک!

قارئین کرام سے اتنا اس ہے کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس فقیر و مستکین کو جوڑوں کے درد اور دمہ کے مرض سے مکمل شفاء
عطا فرمائے۔ فقیر کی طرف سے دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام مخلص معاونین و قارئین کو دارین کی خیر و عافیت عطا

فرمائے۔

اٰمین ثم اٰمین! بجاہ النبی الکریم الرؤف الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!



تفسیر مدارک التنزیل

و حقائق التأویل

مع ترجمہ القرآن

برکات القرآن

تصنیف: علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۱۰۷۰ھ

مترجم: علامہ مولانا حافظ واحد بخش غوثوی مہاروی

(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

قرآن مجید اور تفسیر مدارک کا آسان اردو میں عشق و محبت سے لبریز سلیس اور بامحاورہ ترجمہ اور عقائد اہل سنت کی تائید میں حسب موقع مفید حواشی کے اضافہ کے ساتھ عنقریب شائقین کے لئے منظر عام پر آرہی ہے۔

خصوصیات:

- ☆ قرآن مجید کی متوسط تفسیر نہ بالکل مختصر ہو اور نہ بہت طویل کا کتاہٹ میں ڈال دے.....
- ☆ عقائد اہل سنت کی ترجمان اور اہل بدعت و ضلالت خصوصاً معتزلہ وغیرہ فرقوں کا قلع قمع کرنے والی بہترین تفسیر.....
- ☆ فقہی مذاہب میں حنفی مذہب کی مؤید عمدہ ترین تفسیر.....
- ☆ مشکل الفاظ کے معانی کی بہترین تشریح.....
- ☆ مدرسین اور دیگر عربی کے ماہر اہل علم حضرات کے لئے صرفی و نحوی (گرامر) کی ابجاث و تراکیب کا اصول ذخیرہ.....
- ☆ قراء حضرات کے لئے مختلف قراءت کی جاہجا وضاحت و تفصیل کا مفید ترین معلوماتی ذخیرہ.....
- ☆ تفسیر بیضاوی اور تفسیر کشاف کی عمدہ ابجاث کی جامع تفسیر مگر معتزلیوں کے غلط افکار کی بھرپور تردید
- ☆ غیر ضروری اسرائیلی روایات سے مبرا تفسیر.....
- ☆ صحاح ستہ اور دیگر کتب سے مستند احادیث مہارکہ اور اقوال اسلاف کی عمدہ ترین جامع تفسیر